مسنون معاشرت

احکام وآداب

اُسوۂ نبوی کی روشنی میں

جلدِ اول

مفتی محمد ابوبکر جابر قاسمی
مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

نامِ کتاب : مسنون معاشرت احکام وآداب، اُسوۂ نبوی کی روشنی میں
جلدِ اول

مصنفین : مفتی ابوبکر جابر قاسمی، مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

صفحات : ۴۷۶

سنِ طباعت : شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ م جون ۲۰۱۴ء

کمپوزنگ و تزئین : حبیب گرافکس – فون : 040-65583159

ناشر :

ملنے کے پتے

- مدرسہ خیر المدارس بورابنڈہ، حیدرآباد 040-23836868
- دکن ٹریڈرس، پانی کی ٹانکی، مغلپورہ، حیدرآباد 040-66710230
- فضل بک ڈپو جامع مسجد ملے پلی، حیدرآباد +91-40-9440039231
- مکتبہ احیاءِ سنت مسجدِ ٹین پوش لال ٹیکری، حیدرآباد 040-23325952
- مکتبہ فیض العلوم سعید آباد، حیدرآباد 040-24557422
- ہندوستان پیپر ایمپوریم مچھلی کمان، حیدرآباد 040-66714341
- مکتبہ کلیمیہ رحمٰن کامپلکس (پہلی منزل)، روبرو ہمالیہ بک ڈپو
  حضرت یوسفینؒ چوراستہ، ناپلی، حیدرآباد 9885655591, 9030474265
- مکتبہ عمر نواب صاحب کنٹہ، حیدرآباد

فہرستِ مضامین

عناوین	صفحہ

عناوین	صفحہ

عناوین	صفحہ

پہلی بات

دنیا دار الحقوق ہے اور آخرت دار الاَجور ہے، دنیا ذمہ داریاں پورا کرنے کی جگہ ہے، آخرت خواہشات پورا کرنے کی جگہ ہے، دنیا دار الحظوظ نہیں ہے، اللہ، رسول اللہ ﷺ اور پھر اللہ کے بندوں کے حقوق جاننا ضروری ہے، اللہ کے حقوق سے زیادہ بندوں کے حقوق کے ساتھ رہن سہن کا نام معاشرت ہے۔

اسلامی معاشرت کی اہمیت کیلئے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا طویل اقتباس پڑھ لیں، البتہ حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب مہاجر مدنیؒ کا ملفوظ نقل کرتا ہوں کہ رشتہ داروں کی فہرست بنا کر ان کے فرقِ مراتب کے لحاظ سے ان سے صلہ رحمی کیا کرو۔ لڑکیوں کے مدارس اور مستورات کی جماعتیں عالمی سطح پر بڑھ رہی ہیں، ہر طرف سے ضرورت سمجھی جا رہی تھی اور متعدد جگہوں سے مطالبات آ رہے تھے کہ اسلامی معاشرت کے تمام خدوخال بتلانے والی کتاب تیار کی جائے، عصری مدارس اور دینی مدارس کی لڑکیاں رسمی نصاب تو پڑھ رہی ہیں مگر تربیتی مضامین اور ان صفات کا مذاکرہ انہیں نہیں مل پا رہا ہے جو درحقیقت آئندہ کی زندگی میں انہیں کارآمد ہو۔

تفاسیر اور کتبِ حدیث کے بعد غزالیات ابن وتھانویات، ماضی قریب وبعید کے اکابرین کی تحریرات وتجربات سے اور عربی میں متقدمین ومتاخرین کی کتابوں سے بھرپور استفادہ کیا گیا، استیعاب، اختصار، تسہیل اور مدلل کرنے کی بار بار کوشش ہوئی، منکرات کو چھیڑا نہیں گیا، معروفات اور مدنی معاشرہ کی حتی الامکان منظر کشی کی گئی۔

اہلِ مدارس اور اہلِ دعوت سے عاجزانہ درخواست ہے کہ راقم الحروف اور اس کے رفیق تصنیف مفتی محمد رفیع الدین صاحب قاسمی کی اس تحریر کی اصلاح فرمائیں، اندازِ تعبیر اور مواد حذف واضافہ کے مفید مشورہ دیں؛ تا کہ نصاب کیلئے مفید کتاب تیار ہو جائے۔

محمد ابوبکر جابر قاسمی ۲۰؍ شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ

Estd. 1405 A.H. / 1985 A.D. Regd. No. B-914
التاسیس: ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء - رقم التسجیل: ۹۱۴
جامعۃ مظہر السعادۃ ہانسوٹ
JAMIAH MAZHAR-E-SA'ADAT
HANSOT-GUJARAT
DARUL ULOOM
HANSOT

۲۳/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
۲۵/مارچ/ ۲۰۱۴ء
از مفتی عبد اللہ المظاہری

محترمی مفتی ابوبکر و مفتی رفیع الدین صاحبان زید مجدکما!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد تسلیمات! امید ہے کہ مزاج عالی بعافیت ہوگا!

اسلام فطری مذہب ہے۔ عالمی اور آفاقی مذہب ہے۔ جو انسان کی رہبری ماں کی گود سے لیکر قبر کی آغوش تک کرتا ہے۔ جو بیت الخلاء کے آداب سے لیکر محفل و مجلس کے آداب تک سکھلاتا ہے۔ خلوت و جلوت، رزم و بزم کی رہنمائی کرتا ہے۔ اپنے، پرایوں، عورتوں، بچوں اور بڑوں کے آداب سے آگاہ کرتا ہے۔ مکتب سے لیکر علوم کی معراج تک الف سے لیکر یاء تک سب رہبری کرتا ہے۔ ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرتِ اسلامی پر پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کل مولود یولد علی الفطرۃ" مسلمان انہیں آداب و اخلاق، معاشرت و رہن سہن سے عاری ہونے کے سبب مسلمان بدنام ہو رہے ہیں اور اپنے مذہب کی بدنامی کا سبب بن رہے ہیں۔ بقول علامہ اقبال ؒ

گنوا دی ہم نے اسلاف سے جو میراث پائی تھی ۔:۔ ثریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا۔

ماشاء اللہ نوجوان و نوخیز علماء کرام جناب مفتی ابوبکر و مفتی رفیع الدین قاسمی نے بڑی کد و کاوش و عرق ریزی سے "مسنون معاشرت" نامی انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ۹۱۰ صفحات پر مشتمل تیار فرمایا ہے جس میں ہر قسم کا مواد جو مسلمانوں کیلئے اپنی زندگی کے ہر شعبہ کیلئے لابدی ہے۔ تحریر کیا ہے۔ قرآن و حدیث، آثار صحابہ، اولیاء و بزرگان دین کے حوالہ جات سے کتاب کو مستند و معتبر کر دیا ہے۔ کمپوزنگ بہت عمدہ کی گئی ہے۔ کتاب پر طائرانہ نظر ڈالی۔ ص ۱۹۳ پر بادر بالاعمال لکھا ہے۔ اصل حدیث میں بادروا ہے۔ اسکی تصحیح کرلی جائے۔ صفحہ نمبر کی بھی غلطی ہے اسے عنوان کے ساتھ مرتب کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ کتاب کو مقبولیت سے نوازے۔ آمین۔

دعوات صالحہ میں یاد فرمائیں!

والسلام
الداعی
عبدہ
(مفتی) عبد اللہ المظاہری
۲۲/جمادی الاولیٰ/۱۴۳۵ھ ۲۵/۳/۱۴ بدھ

At & Po Hansot, Dist. Bharuch, PIN : 393 030 Gujarat (India) Tel : +91-2646-262 050 / 262 031
Fax : +91-2646-262927 E-mail : muftipatel@yahoo.com Website : saadathansot.com

کلماتِ بابرکات

جامع المعقول والمنقول، حضرت الاستاذ مفتی عبداللہ صاحب مظاہری دامت برکاتہم

بانی وناظم جامعہ مظہر السعادت، ہانسوٹ، گجرات

محترمی مفتی ابوبکر ومفتی رفیع الدین صاحبان زید مجدکما

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد تسلیمات! امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا!

اسلام فطری مذہب ہے، عالمی اور آفاقی مذہب ہے، جو انسان کی رہبری ماں کی گود سے لے کر قبر کی آغوش تک کرتا ہے، جو بیت الخلاء کے آداب سے لے کر محفل ومجلس کے آداب تک سکھلاتا ہے، خلوت وجلوت، رزم وبزم کی رہنمائی کرتا ہے، اپنے، پرایوں، عورتوں، بچوں اور بڑوں کے آداب سے آگاہ کرتا ہے، مکتب سے لے کر علوم کی معراج تک الف سے لے کر یا تک سب رہبری کرتا ہے، ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے، جیساکہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”**کل مولود یولد علی الفطرة**“ مسلمان انہیں آداب واخلاق، معاشرت ورہن سہن سے عاری ہونے کے سبب مسلمان بدنام ہورہے ہیں اور اپنے مذہب کی بدنامی کا سبب بن رہے ہیں، بقولِ علامہ اقبال:

گنوادی ہے، اسلاف سے جو میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا

ماشاء اللہ نوجوان ونوخیز علماءِ کرام جناب مفتی ابوبکر ومفتی رفیع الدین قاسمی نے بڑی کدوکاوش وعرق ریزی سے ''مسنون معاشرت'' نامی ''انسائیکلوپیڈیا آف اسلام'' ۹۱۰ر صفحات پر مشتمل تیار فرمایا ہے، جس میں ہر قسم کا مواد جو مسلمانوں کیلئے اپنی زندگی کے ہر شعبہ کیلئے لابدی ہے، تحریر کیا ہے۔

قرآن وحدیث، آثارِ صحابہ، اولیاء وبزرگانِ دین کے حوالہ جات سے کتاب کو مستند ومعتبر کردیا ہے، کمپوزنگ بہت عمدہ کی گئی ہے، کتاب پر طائرانہ نظر ڈالی۔

اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے، کتاب کو مقبولیت سے نوازے، آمین۔
دعواتِ صالحہ میں یاد فرمائیں۔

از (مفتی) عبداللہ مظاہری
۲۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
۲۴ر مارچ ۲۰۱۴ء

حضرت مولانا خواجہ نذیر الدین صاحب مدظلہ

ناظم جامعہ عائشہ نسواں حیدرآباد

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، أمابعد!

معاشرہ کے عام فہم معنی ”مل جل کر رہنا“ ہے جیسے میاں، بیوی، بچہ، خاندان کے لوگ اور جہاں آدمی کام کرتا ہے وہاں مل کر رہنا یہ سب معاشرہ میں آتا ہے ور یہ ایک ایسا شعبہ ہے کہ جس سے ہر انسان کو واسطہ پڑتا ہے اور معاشرہ ہی اکی ایسی چیز ہے کہ جس پر انسان کا اچھا و برا ہونا محمول ہے، معاشرہ اگر اچھا ہو تو انسان کو ایک خاص قسم کا سکون واطمینان محسوس ہوتا ہے اور سکون واطمینان یہ ہر ایک کے دل کی تمنا ہوتی ہے اور جب معاشرہ خراب ہو تو انسان کا سکون واطمیان غارت ہو جاتا ہے اور فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ سکون واطمینان کے بغیر جی نہیں سکتا، ایسے وقت میں وہ سکون واطمینان کی تلاش میں سیر وتفریح کے پروگرام بناتا ہے جس کے ذریعہ کے اسے وقتی طور پر سکون ملتا ہے۔

اسلام میں معاشرہ کو باضابطہ اہمیت دی گئی ہے اور اس کو اسلام کے شعبوں میں سے ایک خاص شعبہ قرار دیا ہے۔

عام طور پر لوگ معاشرت کے اصول اپنے اپنے طور پر بنالیتے ہیں جس کی وجہ سے اس میں اعتدال باقی نہیں رہتا اور بے اعتدالی کی وجہ سے آپس میں محبت پیدا ہونے کے بجائے نفرتیں پیدا ہو جاتی ہیں، اس سلسلہ میں سرکار دو عالم ﷺ نے جو اصول وضوابط بتائے ہیں اور آپ ﷺ کی تعلیمات ہیں، یہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا کے کسی مذہب اور کسی قانون میں اس کا مثل نہیں۔

اسلامی معاشرت پر جو لوگ عمل پیرا ہوتے ہیں ان کے گھرانے جنت کا نمونہ ہوتے ہیں اور وہ معاشرہ اس قدر متاثر کن ہوتا ہے کہ جو بھی ان کو دیکھتے ہیں بغیر متاثر ہوئے رہ نہیں سکتے اور یہی معاشرہ کئی لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب ہوتا ہے۔

بڑے ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس سلسلہ میں مسلمانوں کو جتنی توجہ دینی چاہئے تھی اس میں بہت ہی کوتاہی برتی جارہی ہے اور بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ آج کئی مسلمان اسلامی معاشرت سے ناواقف ہیں اور دشمنانِ اسلام اسی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کو اچھے اخلاق سے ہٹا کر دہشت گرد ثابت کرنا شروع کردیا ہے۔

آج کے اس دور میں چاہئے کہ مسلمان اسلامی معاشرت پر خصوصی توجہ دیں؛ تاکہ غیروں کی غلط فہمیاں دور ہوسکیں اور اسلام کی صحیح تصویر ابھر کر آجائے۔

زیر نظر کتاب ''مسنون معاشرت'' ایک بہت ہی بہترین کتاب ہے اور وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ مؤلف کتاب مولانا ابوبکر جابر قاسمی صاحب اور ان کے رفیق کار کو خوب جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے بروقت اس جانب توجہ فرمائی اور اپنی نوعیت کی ایک منفرد کتاب تالیف فرمائی، میں تمام مسلمانوں سے گذارش کرتا ہوں کہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیں اور اسلامی معاشرت کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کی کوشش فرمائیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو معاشرہ کے سدھار کا سبب بنائے اور مؤلف اور ان کے رفقائے کار کیلئے ذخیرہ آخرت بنائے، آمین۔

خواجہ نذیرالدین سبیلی

۲۵ر شعبان ۱۴۳۴ھ

اسلامی معاشرت کے بنیادی اصول

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں کہ :

اس وقت دین کے پانچ اجزاء میں سے عوام نے تو صرف دو ہی جزو کو داخل دین سمجھا، یعنی عقائد و عبادات کو اور علماء نے تیسرے جز کو بھی دین میں داخل کیا یعنی صفائی معاملات کو اور مشائخ نے چوتھے جز کو بھی دین قرار دیا یعنی اخلاق باطنی کی اصلاح کو، لیکن ایک پانچویں جز کو کہ جو ادب معاشرت ہے قریب قریب تینوں طبقوں نے الا ماشاء اللہ اکثر نے تو دین سے بے تعلق قرار دے رکھا ہے اور اسی وجہ سے اور اجزاء کی کم وبیش خاص طور پر یا عام طور پر یعنی وعظ میں کچھ تعلیم وتلقین بھی ہے، لیکن اس جز کا کبھی زبان پر نام تک بھی نہیں آتا، اس لئے اس کی اہمیت اور افادیت کو بیان کرنے کیلئے چند احادیث حسن معاشرت کی تاکید وتوثیق کے تعلق سے ذکر کرتے ہیں :

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: " یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰهُ لَکُمْ وَ اِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا " (۱) اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ فراخ کر دو تو جگہ کو فراخ کر دیا کرو اور جب تم سے کہا جائے کہ کھڑے ہو جاؤ تو کھڑے ہو جایا کرو"۔

اور ارشاد ہے: " لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ " (۲) دوسرے کے گھر میں (گو وہ مردانہ نہ ہو، مگر خاص خلوت گاہ ہو) بے اجازت لئے مت جایا کرو"

دیکھئے اس میں اپنے جلیسوں کی راحت کی رعایت کا کس طرح حکم فرمایا ہے:

(۱) سورۃ المجادلہ : ۱۱

(۲) سورہ نور : ۲۷

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک ساتھ کھانے کے وقت دو چھوارے ایک ساتھ نہ لینا چاہئے تاوقتیکہ اپنے رفیقوں سے اجازت نہ لے لے" نهى رسول الله ﷺ أن يقرن الرجل بين التمرتين جميعا حتى يستأذن صاحبه " (۱)

دیکھئے اس میں ایک نہایت خفیف امر سے محض اس وجہ سے کہ بدتمیزی ہے اور دوسروں کو ناگوار ہوگا ممانعت کردی اور حضور اکرم ﷺ ہی کا ارشاد ہے، "جو شخص لہسن اور پیاز (کچی) کھائے تو ہم سے یعنی مجمع سے علاحدہ رہے۔ (۲)

دیکھئے اس خیال سے کہ ایک خفیف سی اذیت ہوگی منع فرمادیا اور فرمایا کہ: مہمان کو حلال نہیں کہ میزبان کے پاس اس قدر قیام کرے کہ وہ تنگ ہو جائے " أن يمكث عنده حتى يخرجه " (۳)

اس میں ایسی بات سے ممانعت ہے جس سے دوسروں کے دل پر تنگی ہوگی، اور ارشاد فرمایا ہے کہ: لوگوں کے ساتھ کھانے کے وقت گو پیٹ بھر جائے مگر جب تک کہ دوسرے لوگ فارغ نہ ہو جائیں ہاتھ نہ کھینچے؛ کیونکہ اس سے دوسرا کھانے والا شرما کر ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور شاید اس کو بھی کھانے کی حاجت باقی ہو، "ولا يرفع يده وإن شبع حتى يفرغ القوم" (۴)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا کام نہ کرے جس سے دوسرا آدمی شرما جائے، بعضے آدمی طبعی طور پر مجمع میں کسی چیز سے شرماتے ہیں اور ان کو گرانی ہوتی ہے یا ان سے مجمع میں کوئی چیز مانگی جائے تو انکار و عذر کرنے سے شرماتے ہیں، گو پہلی صورت میں لینے کو جی چاہتا ہے اور دوسری صورت میں دینے کو جی نہ چاہتا ہو، ایسے شخص کو مجمع میں نہ دے نہ مجمع میں اس سے مانگے۔

(۱) بخاري القران في التمرين بين الشركاء ، حديث : ٢٤٨٩

(۲) مسلم : باب نهي من أكل ثوما أو بصلا ، حديث: ٥٦٤

(۳) الأدب المفرد : باب لا يقيم عنده يحرجه ، حديث: ٧٣٣

(۴) ابن ماجة : باب النهي أن يقام عن الطعام حتى يرفع ، زوائد میں ہے کہ اس کی سند میں عبدالاعلیٰ بن اعین ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

اور حدیث میں وارد ہے کہ ایک دفعہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ درِ دولت پر حاضر ہوئے اور دروازہ کھٹکھٹایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا: میں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگواری سے فرمایا: میں ہوں، میں ہوں'' اس سے معلوم ہوا کہ بات صاف کہے کہ جس کو دوسرا سمجھ سکے، ایسی گول مول بات کہنا جس کے سمجھنے میں تکلیف ہو، الجھن میں ڈالتا ہے، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہم کو کوئی شخص محبوب نہ تھا، مگر آپ کو دیکھ کر اس لئے کھڑے نہ ہوتے تھے کہ جانتے تھے کہ یہ آپ کو ناگوار ہوتا ہے: ''لما یعلمون من کراهية لذلك'' (۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی خاص ادب و تعظیم یا کوئی خدمت کسی کے مزاج کے خلاف ہو، اس کے ساتھ وہ معاملہ نہ کرے، گو اپنی خواہش ہو مگر دوسرے کی خواہش کو اس پر مقدم رکھے۔

بعضے لوگ جو بعض خدمات میں اصرار کرتے ہیں، وہ بزرگوں کو تکلیف دیتے ہیں اور ارشاد ہے ایسے دو شخصوں کے درمیان میں (جو قصداً پاس پاس بیٹھے ہوں) جا کر بیٹھنا حلال نہیں، بدون ان کے اذن کے ''لا تجلس بين اثنين إلا بأذنهما'' (۲)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی ایسی بات کرنا جس سے دوسروں کو کدورت ہو، نہ کریں، اور حدیث میں ہے کہ: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چھینک آتی تو اپنا منہ ہاتھ یا کپڑے سے ڈھانپ لیتے اور آواز کو پست فرماتے ''وخفض وغض بها صوته'' (۳)

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء في كراهية قيام الرجل، حديث: ۲۷۵۴، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔

(۲) ترمذی: باب ماجاء في كراهية الجلوس بين الاثنين، حديث: ۲۷۵۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۳) ترمذی: غض الصوت وتخمير الوجه عند الناس، حديث: ۲۷۴۵، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اپنے جلیس کی اتنی رعایت کرے کہ اس کو سخت آواز سے اذیت اور وحشت نہ ہو، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو جو شخص جس جگہ پہنچ جاتا وہاں ہی بیٹھ جاتا "جلسنا حيث ننتهي" (۱)

یعنی لوگوں کو چیر پھاڑ کر آگے نہ بڑھتا، اس سے بھی مجلس کا ادب ثابت ہوتا ہے کہ ان کو اتنی ایذا بھی نہ پہنچائے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً اور حضرت سعید بن مسیبؒ سے مرسلا مروی ہے کہ: عیادت میں بیمار کے پاس زیادہ نہ بیٹھے، تھوڑا بیٹھ کر ہی جلد اٹھ کھڑا ہو" ومن عاد منكم فليخفف"، اس حدیث میں کس قدر دقیق رعایت ہے اس امر کی کہ کسی کی گرانی کا سبب بھی نہ بنے؛ کیونکہ بعض اوقات بیٹھنے سے مریض کو کروٹ بدلنے میں پاؤں پھیلانے میں یا بات چیت کرنے میں ایک گونہ تکلف ہوتا ہے، البتہ جس کے بیٹھنے سے اس کو راحت ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے غسل جمعہ کے ضروری ہونے کی یہی علت بیان فرمائی کہ ابتدائے اسلام میں اکثر لوگ غریب اور مزدوری پیشہ تھے، میلے کچیلے کپڑوں میں پسینہ نکلنے سے بدبو پھیلتی ہے اس لئے غسل کو واجب کیا گیا تھا، پھر بعد میں یہ وجوب منسوخ ہو گیا، اس سے بھی معلوم ہوا کہ اس کی کوشش واجب ہے کہ کسی کو معمولی اذیت بھی نہ پہنچے اور سنن نسائی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ شب برات کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر سے آہستہ آہستہ سے اٹھے اور اس خیال سے کہ حضرت عائشہ سوتی ہوں گی، بے چین نہ ہوں، آہستہ نعل مبارک پہنے اور آہستہ سے کواڑ کھولے اور آہستہ سے باہر تشریف لے گئے اور آہستہ سے کواڑ بند کئے، " فقدت النبي صلى الله عليه وسلم ذات ليلة " (۲)

اس میں سونے والے کی کس قدر رعایت ہے کہ ایسی آواز یا کھڑکا بھی نہ کیا جائے جس سے سونے والا دفعتاً جاگ اٹھے اور پریشان ہو، اور صحیح مسلم میں حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے

---

(۱) السنن الكبرى للبيهقي: باب يجلس حيث ينتهي المجلس، حديث: ۵۸۹۰

(۲) ترمذي: ليلة النصف من شعبان، حديث: ۷۳۹

ایک طویل قصے میں مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے مہمان تھے اور آپ ہی کے یہاں مقیم تھے، اگر بعد عشاء لیٹ رہتے تو تو حضور اقدس ﷺ دیر میں تشریف فرماتے، چونکہ مہمانوں کے سونے اور جاگنے دونوں کا احتمال ہوتا تھا، اس لئے سلام تو کرتے تھے کہ شاید جاگتے ہوں اور ایسا آہستہ سلام کرتے کہ اگر جاگتے ہوں تو سن لیں اور اگر سوتے ہوں تو آنکھ نہ کھلے "لا یوقظ النائم ویُسمع الیقظان" (۱)

اس سے بھی وہی اہتمام معلوم ہوا جو اس سے پہلی حدیث میں معلوم ہوا تھا اور بکثرت حدیثیں اس باب میں موجود ہیں، روایاتِ فقہیہ میں ایسے شخص کو جو طعام وغیرہ یا درس یا اَوراد میں مشغول ہو سلام نہ کرنا مصرح ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بلا ضرورت کسی مشغول کے دل کو منتشر کرنا شرعاً ناپسندیدہ ہے، اسی طرح گندہ دَہنی (منہ سے بدبو آنا) کے مرض میں جو شخص مبتلا ہو اس کو مسجد میں نہ آنے دینا بھی فقہاء نے نقل کیا ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی اذیت کے اسباب کا انسداد نہایت ضروری ہے، ان دلائل میں مجموعی طور پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے نہایت درجہ اس کا خاص طور پر اہتمام کیا ہے کہ کوئی حرکت، کوئی حالت دوسرے شخص کیلئے ادنیٰ درجہ میں بھی کسی قسم کی تکلیف واذیت یا ثقل وگرانی، یا ضیق وتنگی یا تکدر یا انقباض یا کراہت وناگواری یا تشویش وپریشانی یا توحش وخلجان کا سبب وموجب نہ ہو، اور شارع علیہ السلام نے اپنے قول اور اپنے فعل ہی سے صرف اس کے اہتمام کرنے پر اکتفا نہیں کیا؛ بلکہ خدام کے توجہ نہ دینے پر ان آداب پر عمل کرنے پر بھی مجبور فرمایا اور ان سے کام لے کر بھی بتلایا ہے، چنانچہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ ایک ہدیہ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں بغیر سلام اور بغیر اجازت کے داخل ہوگئے، آپ ﷺ نے فرمایا: باہر واپس جاؤ، السلام علیکم، میں حاضر ہوسکتا ہوں کہہ کر پھر آؤ اور فی الحقیقت لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق کی بنیاد یہ ہے کہ اپنے سے کسی کو کوئی اذیت

(۱) مسلم: باب إکرام الضیف وفضل إیثارہ، حدیث: ۲۰۵۵

اور تکلیف نہ پہنچے، جس کو حضور اکرم ﷺ نے نہایت جامع الفاظ میں یوں فرمایا:
"المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" (۱)

انسان کو اس کی اجتماعی زندگی میں مختلف طبیعتوں اور مزاجوں سے واسطہ پڑتا ہے، ہر ایک طبیعت اور مزاج کی رعایت کرنا اور ہر ایک کے ساتھ نباہ کر لینا اسی پر انسانی معاشرہ کے تمدن کی بنیاد ہے، انسان کو اس کی اجتماعی زندگی میں ماں باپ، بھائی بہن اور بیوی بچے ہر ایک سے واسطہ پڑتا ہے، انسان کی زندگی کا پہیہ عموماً اس قسم کے رشتوں کے درمیان گھومتا ہے، ان تمام رشتہ داریوں میں توازن واعتدال کو کس طرح برقرار رکھا جائے، ان کے درمیان خوشحالی اور خود اعتمادی کی فضا کس طرح بحال ہو، اسلام نے خصوصاً ان منفی (مخالف) پہلوؤں سے اجتناب کی دعوت دی جو انسانی معاشرت اور اتحاد واتفاق کے ماحول میں دراڑ اور بگاڑ کا سبب بنتے ہیں، ان مخالف پہلوؤں سے اجتناب اور مثبت پہلوؤں کے اختیار کرنے کا نام حسن اخلاق ہے۔ (۲)

اسلامی اخلاق اور حسن معاشرت کی طرف سے عام لوگوں کی کوتاہی

ایک جگہ حسن معاشرت کی طرف سے عام لوگوں کی کوتاہی کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

"اس زمانہ میں یہ غلطی عام ہے کہ جو دیندار لوگ ہیں وہ عقائد اور نماز روزہ اور وضع قطع لباس کا تو ضرور اہتمام کرتے ہیں مگر اخلاق ومعاشرت اکثر لوگوں کی نہایت گندی ہے، آخر معاشرت کی درستگی بھی تو دین کا شعبہ ہے؛ مگر اکثر مشائخ کے یہاں اس کی طرف توجہ نہیں، اس کو معمولی بات سمجھتے ہیں۔

---

(۱) بخاری: باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه، حدیث: ۱۰
(۲) اصلاحی نصاب: آداب المعاشرت: ۴۷۰-۴۷۴، از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، طبع مکتبہ فیض اصغر سہارنپور

اللہ کا گناہ اتنا برا نہیں (جتنا برا اخلاق و معاشرت کا گناہ ہوتا ہے) ایسے فعل سے بہت بچنا چاہیے، جس سے دوسروں کو ضرر ہو، لوگ نوافل اور وظائف کا اہتمام تو کرتے ہیں؛ مگر اس کا اہتمام نہیں کرتے کہ دوسروں کو ضرر نہ پہنچے، اور گرانی نہ ہو اس کو ہلکی بات سمجھتے ہیں؛ حالانکہ بہت بڑی بات ہے۔(۱)

بعض لوگ ایسے ہیں کہ عقائد کی درستگی کے ساتھ نماز وغیرہ کا بھی اہتمام کرتے ہیں، باقی معاملات وغیرہ کو چھوڑ دیا، لین دین میں اس کی پرواہ نہیں کہ جائز طریقہ سے ہے یا ناجائز طریقہ سے، حلال وحرام کا بالکل خیال نہیں۔

بعض لوگوں نے معاملات کو بھی درست کرلیا؛ لیکن اخلاق وعادات کی اصلاح نہیں کرتے، ایسے بھی لوگ دیکھے گئے ہیں کہ دوسروں کی اصلاح کرتے ہوئے مدتیں گذر جاتی ہیں؛ لیکن خود ان کی عادتوں سے لوگوں کو عام طور پر تکلیف ہوتی ہے اور ان کو اپنی حالت کی ذرا بھی پرواہ نہیں ہوتی؛ بلکہ خبر بھی ہوتی کہ ہم سے دوسروں کو کیا تکلیف پہنچی۔

بعض لوگ عقائد واعمال ومعاملات کے ساتھ اخلاق کی درستگی کا خیال رکھتے ہیں؛ لیکن انہوں نے حسن معاشرت کو چھوڑ رکھا ہے؛ بلکہ اس کو شریعت ہی سے خارج سمجھتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ تو ہمارے آپس کے برتاؤ ہیں، ان سے شریعت کو کیا غرض جو برتاؤ ہم مناسب سمجھیں گے کریں گے، اس میں شریعت کے دخل دینے کی کیا ضرورت؟ اس قسم کے بہت سے لوگ ہیں کہ وہ دیندار بھی ہیں، ان کے اخلاق مثلا تواضع وغیرہ درست ہیں؛ لیکن معاشرت یعنی برتاؤ میں اکثر چھوٹی باتوں سے تکلیف زیادہ پہنچ جاتی ہے؛ لیکن اس طرف توجہ نہیں ہوتی۔

بعض آدمی تو اخلاق ومعاشرت کی طرح معاملات کو بھی دین سے خارج سمجھتے ہیں؛ مگر خیر متقی لوگوں نے معاملات کا تو خیال کیا؛ مگر معاشرت واخلاق کو تقریبا سب ہی نے بالائے طاق رکھ دیا؛ حالانکہ حسن معاشرت کا معاملات سے بھی زیادہ خیال رکھنا لازمی ہے؛ لیکن لوگوں نے عموما اس کو دین سے خارج سمجھ رکھا ہے۔"(۲)

---

(۱) احسن العزیز

(۲) اسلامی تہذیب: ۲۶، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان

حدیث شریف میں بنی اسرائیل کی ایک عورت کا قصہ مذکور ہے کہ اس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا نہ چھوڑتی تھی نہ کھانے کو دیتی تھی، پھر حضور اکرم ﷺ نے دوزخ میں اس کو عذاب دیا جاتا دیکھا، دیکھئے ایک بلی کے ستانے پر اسے عذاب ہوا اور جانور کو تکلیف پہنچانے پر وہ عذاب میں مبتلا ہوئی۔

ہماری حالت یہ ہے کہ عام انسان اور عام مسلمان تو کیا خیال کرتے ہم تو حقیقی بھائی کو تکلیف پہنچانے پر کمر بستہ ہیں، جائیداد دبانے کو تیار ہیں؛ بلکہ ہم لوگوں کی معاشرت اعزہ وا قارب (رشتہ داروں) کے ساتھ زیادہ خراب ہے؛ حالانکہ ہم کو جانوروں پر بھی رحم کا حکم دیا گیا ہے۔(۱)

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دو عورتوں کا ذکر ہوا ایک کی بابت تو یہ ذکر ہوا کہ وہ نماز روزہ تو خوب کرتی ہے، مگر اپنے پڑوسیوں کو تکلیف دیتی ہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "ھی فی النار" وہ تو جہنم میں جائے گی اور دوسری عورت کے بابت ارشاد ہوا کہ ایک عورت نماز وغیرہ تو بہت نہیں پڑھتی؛ مگر پڑوسیوں کو تکلیف نہیں دیتی، آپ نے فرمایا: "ھی فی الجنۃ" کہ وہ جنت میں جائے گی۔ دیکھ لیجئے ایذاء (تکلیف) پہنچانا ایسا ہے؛ اس لئے اس کا اہتمام نماز روزہ سے بھی زیادہ کرنا چاہئے۔(۲)

اسلامی اور غیر اسلامی تہذیب کا فرق

اسلامی معاشرت کی خوبی اور مسلمانوں کی بدحالی

در حقیقت آزادی شریعت کی معاشرت میں ہے؛ کیونکہ اس میں ماذونات (جن باتوں کی اجازت ہے) زیادہ اور ممنوعات وقیود (یعنی جو باتیں منع ہیں اور جن میں پابندیاں ہیں) وہ کم ہیں، برخلاف جدید معاشرت کے کہ اس میں سراسر تنگی ہی تنگی ہے، یہ لوگ اس وقت تک کھانا نہیں کھاسکتے جب تک کہ میز کرسی نہ ہو اور ہم لوگ پلنگ پر کھالیں، بستر پر کھالیں،

---

(۱) علوم العباد من علوم الرشاد، اسلامی تہذیب: ۲۳

(۲) حسن العزیز، اسلامی تہذیب: ۲۳

بوری پر کھالیں ، ہمارے لئے کوئی قید نہیں بتلایئے آزادی کی حالت کونسی ہے ؟ واللہ اس لباس سے زیادہ کیا جیل خانہ ہوگا جس میں کرسی کے آنے تک انسانوں کو مجرموں کی طرح کھڑا رہنا پڑے۔

حیرت کی بات ہے کہ آپ رات دن وسعت وسعت پکارتے ہیں اور علماء کو رائے دیتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ معاشرت میں تنگی نہ ہونا چاہئے اور طرزِ عمل یہ ہے کہ آپ نے ایسی معاشرت اختیار کررکھی ہے جس میں سراسر تنگی ہے، آپ خود ہی تو ایک قاعدہ بناتے ہیں کہ وسعت ہونی چاہئے اور خود ہی اس کو توڑتے ہیں۔

جب اسلام میں معاشرت علی وجہ اتم (پورے طور سے) موجود ہے تو پھر دوسرے سے کیوں لیتے ہیں؟ غیرت کا مقتضی تو یہ تھا کہ اسلامی معاشرت ناقص بھی ہوتی جب بھی آپ دوسروں کی معاشرت نہ اختیار کرتے ، اپنا پرانا کمبل دوسروں کی شال سے عزیز ہوتا ہے ، اسلام میں تو معاشرت ایسی ہے کہ کہیں بھی اس کی نظیر نہیں ، پھر کیا ضرورت ہے کہ ہم دوسروں کی معاشرت لیتے پھریں، دیکھئے شریعت کے احکام کو آپ نے چھوڑا اور دوسری قوموں نے ان کی خوبیاں دریافت کر کے ان کو اختیار کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج آپ بہت سے احکام کو اسلامی احکام نہیں سمجھتے ؛ بلکہ انگریزوں یا کسی دوسری قوم کی خصوصیات اور ان کی معاشرت سمجھتے ہیں اور ان سے لے کر عمل کرتے ہیں، مثلاً شریعت کا حکم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے مکان خلوت (تنہائی کے مکان) میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک صاحب مکان سے اجازت نہ لے، تجربات اور واقعات سے اس کی خوبی معلوم کر کے تمام متمدن قوموں نے اس پر عمل کرنا شروع کردیا؛ لیکن مسلمان اس کو یورپ کی معاشرت اور ان کی خصوصیات سمجھتے ہیں، ان کو یہ خبر نہیں کہ یہ حکم شریعتِ مطہرہ کا ہے اور دوسروں نے یہیں سے لیا ہے۔ (۱)

اور ایک جگہ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ :

---

(۱) اسلامی تہذیب : ۳۹-۴۱

پرانی چیزیں بڑے آرام کی ہیں مثلاً یہ فرش ہے اس پر اگر دس کی جگہ گیارہ بارہ تیرہ آدمی بیٹھ جائیں تب بھی تنگی نہیں ہوتی اور اگر کرسیاں ہوں تو ایک آدمی بھی زائد نہیں بیٹھ سکتا، اسی طرح بزرگوں کی پرانی باتیں دین و دنیا دونوں کی راحت کو جامع ہوتی ہیں آج کل لوگوں کی باتیں چکنی تو ضرور ہوتی ہیں؛ لیکن ان میں نور نہیں ہوتا۔(۱)

حسن اخلاق کی اہمیت

حسن اخلاق کا مفہوم بہت وسیع ہے...... اللہ کی ساری مخلوق کے حقوقِ واجبہ کو ادا کرنا، چھوٹوں پر شفقت کرنا، بڑوں کا اکرام کرنا، سب کو اپنی زبان اور ہاتھ کی تکلیف سے محفوظ رکھنا اور آگے پیچھے سب کی خیر خواہی کرنا، دھوکہ نہ دینا، خیانت نہ کرنا، سچ بولنا، نرمی اختیار کرنا، ہر ایک سے اس کے مرتبہ کے مطابق برتاؤ کرنا، جو اپنے لئے پسند کرے وہی دوسروں کیلئے پسند کرنا، مشورہ صحیح دینا، بدزبانی سے بچنا، حیاء اور شرم اختیار کرنا، مخلوق کی حاجتیں پوری کرنا، سب کے ساتھ خوبی کا برتاؤ کرنا، بے جا غصہ نہ کرنا، حسد اور کینہ کو دل میں جگہ نہ دینا وغیرہ یہ اور اس طرح کی بیسیوں باتیں ہیں جن کو حسن اخلاق کا مفہوم شامل ہے۔

حسن اخلاق والے کا رتبہ بیان کرتے ہوئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ: بلاشبہ مومن بندہ اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے ساری رات نماز میں کھڑے رہنے والے اور دن بھر روزہ رکھنے والے آدمی کا درجہ پالیتا ہے "انّ المؤمن لیدرك بحسن خلقه درجة قائم اللیل وصائم النهار" (۲)

مطلب یہ ہے کہ: اللہ کے جس بندہ کا یہ حال ہو کہ وہ عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے سچا مومن ہو اور ساتھ ہی اس کو حسن اخلاق کی دولت بھی نصیب ہو تو اگر چہ وہ رات کو نفلیں نہ پڑھتا ہو اور کثرت سے نفلی روزے نہ رکھتا ہو، لیکن پھر بھی وہ حسن خلق کی وجہ سے

---

(۱) اسلامی تہذیب: ۳۹-۴۱

(۲) المستدرك: کتاب الایمان، حدیث: ۱۹۹، حاکم نے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبیؒ نے ان کی موافقت کی ہے۔

ان شب بیداروں، عبادت گذاروں کا درجہ پالے گا جو قائم اللیل اور صائم النہار ہوں یعنی جو راتیں نفلوں میں کاٹتے ہوں اور دن کو عموماً روزہ رکھتے ہوں۔

دین میں اخلاق کا درجہ

رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم میں ایمان کے بعد جن چیزوں پر بہت زور دیا ہے اور انسان کی سعادت کو ان پر موقوف بتلایا ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ آدمی اخلاقِ حسنہ اختیار کرے اور برے اخلاق سے اپنی حفاظت کرے، رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے جن مقاصد کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ کو انسانوں کا تزکیہ کرنا ہے ویزکّیھم اور اس تزکیہ میں اخلاق کی اصلاح اور درستی کی خاص اہمیت ہے، حدیث کی مختلف کتابوں میں خود آپ ﷺ سے یہ مضمون روایت کیا گیا ہے کہ: میں اخلاق کی اصلاح کیلئے مبعوث کیا گیا ہوں، یعنی اصلاح اخلاق کا کام میری بعثت کے اہم مقاصد اور میرے پروگرام کے خاص اجزاء میں داخل ہے اور ہونا بھی چاہئے تھا؛ کیوں کہ انسان کی زندگی اور اس کے نتائج میں اخلاق کی بڑی اہمیت ہے، اگر انسان کے اخلاق اچھے ہوں تو اس کی اپنی زندگی بھی قلبی سکون اور خوشگواری کے ساتھ گذرے گی اور دوسروں کیلئے بھی اس کا وجود رحمت اور چین کا سامان ہوگا اور اس کے برعکس اگر آدمی کے اخلاق برے ہوں تو خود بھی وہ زندگی کے لطف و مسرت سے محروم رہے گا اور جن سے اس کا واسطہ اور تعلق ہوگا، ان کی زندگیاں بھی بے مزہ اور تلخ ہوں گی، یہ تو خوش اخلاقی اور بداخلاقی کے وہ نقد دنیوی فائدے ہیں جن کا ہم اور آپ روز مرہ کی زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں؛ لیکن مرنے کے بعد والی زندگی میں ان دونوں کے نتائج ان سے بدرجہا زیادہ اہم نکلنے والے ہیں، آخرت میں خوش اخلاقی کا نتیجہ ارحم الراحمین کی رضا اور جنت ہے اور بداخلاقی کا انجام خداوندِ قہار کا غضب اور دوزخ کی آگ ہے۔

حسن اخلاق کی فضیلت واہمیت

حضرت حکیم لقمان نے اپنے بیٹے کو اخلاق کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا تھا: "يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ، وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ، وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ" (۱) بیٹا نماز پڑھا کراور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کراور برے کاموں سے منع کیا کراور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اس پر صبر کیا کر یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ اور لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر اور زمین پر اترا کر مت چل بے شک اللہ تعالی کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔ اور اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کر اور اپنی آواز کو پست کر بے شک آوازوں میں سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں "ان من خيار كم أحسنكم أخلاقًا (۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان والوں میں زیادہ کامل ایمان والے وہ ہیں جو اخلاق میں زیادہ اچھے ہیں" اكمل المؤمنين ايمانا أحسنهم خلقا " (۳)

مطلب یہ ہے کہ ایمان اور اخلاق میں ایسی نسبت ہے کہ جس کا ایمان کامل ہوگا، اس کے اخلاق لازماً اچھے ہوں گے اور اسی طرح جس کے اخلاق اچھے ہوں گے اس کا ایمان بھی بہت اچھا ہوگا۔

---

(۱) لقمان: ۱۷-۱۹

(۲) بخاري: باب صفة النبي صلى الله عليه وسلم، حديث: ۳۳٦٦

(۳) ترمذي: باب حق المرأة على زوجها: حديث: ۱۱٦۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

اور ایک روایت میں فرمایا: قیامت کے دن مومن کی میزانِ عمل میں سب سے زیادہ وزنی اور بھاری چیز جو رکھی جائے گی وہ اس کے اچھے اخلاق ہوں گے، "انّ أثقل شیٔ یوضع فی میزان المؤمن یوم القیامة خلق حسن" (۱)

قبیلہ مزنیہ کے ایک شخص سے روایت ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم انسان کو جو کچھ عطا کیا گیا ہے اس میں سب سے بہتر کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اچھے اخلاق " الخلق الحسن " (۲)

مطلب یہ ہے کہ توحید اور ارکان اسلام کے بعد اخلاق کا مقام بہت بلند ہے اور انسانوں کی سعادت اور فلاح میں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی مقبولیت و محبوبیت میں اخلاق کو یقیناً خاص دخل ہے۔

اور ایک جگہ فرمایا: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم دوستوں میں مجھے زیادہ محبوب وہ ہیں جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں " ان من أحبکم الیّ أحسنکم اخلاقا " (۳)

اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ: وأقربکم منی مجلسا یوم القیامة أحسنکم اخلاقا " (۴)

اور قیامت کے دن ان ہی کی نشست مجھ سے زیادہ قریب ہوگی جن کے اخلاق تم میں زیادہ بہتر ہیں۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت اور قیامت کے دن آپ کا قرب نصیب ہونے میں حسنِ اخلاق کو خاص دخل ہے۔

---

(۱) ترمذی: باب حسن الخلق، حدیث: ۲۰۰۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے

(۲) مسند ابن ابی جعد: باب زیاد بن علاقة وعاصم وغیرھا، حدیث: ۲۵۸۶، علامہ عراقی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابن ماجہ نے سند صحیح کے ساتھ ذکر کیا ہے: المغنی عن حمل الأسفار: فی قضیة الألفة والأخوة، حدیث: ۱۷۵٤

(۳) بخاری: باب مناقب عبد اللہ، حدیث: ۳۵٤۹، اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ: وأقربکم منی مجلسا یوم القیامة أحسنکم اخلاقا"

(۴) شعب الایمان: السابع والخمسون من شعب الایمان، حدیث: ۷۹۸۹

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ نے تمہارے درمیان جس طرح تمہارے رزق تقسیم فرمائے ہیں، اسی طرح اخلاق بھی تقسیم فرمائے ہیں، اللہ تعالیٰ دنیا تو اسے بھی دے دیتے ہیں جس سے محبت کرتے ہیں اور اسے بھی جس سے محبت نہیں کرتے، لیکن دین اسی کو دیتے ہیں جس سے محبت کرتے ہیں اس لئے جس شخص کو اللہ نے دین عطا فرمایا ہو، وہ سمجھ لے کہ اللہ اس سے محبت کرتا ہے، اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک اس کا دل اور زبان دونوں مسلمان نہ ہو جائیں اور کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کے پڑوسی اس کے "بوائق" سے محفوظ و مامون نہ ہوں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ "بوائق" سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ظلم و زیادتی، اور کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو حرام مال کمائے اور اس میں سے خرچ کرے پھر اس میں برکت بھی ہو جائے یا وہ صدقہ خیرات کرے تو وہ قبول بھی ہو جائے اور وہ اپنے پیچھے جو کچھ بھی چھوڑ کر جائے گا اس سے جہنم کی آگ میں مزید اضافہ ہوگا، اللہ تعالیٰ گناہ کو گناہ سے نہیں مٹاتا، وہ تو گناہ کو اچھائی اور نیکی سے مٹاتا ہے، گندگی سے گندگی نہیں دور ہوتی " إن الخبيث لا يمحو الخبيث " (۱)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ رات بھر اخلاق مانگتے رہے: حضرت اُم درداء رضی اللہ عنہا اپنے شوہر ابودرداء رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتی تھیں کہ: ابودرداء رضی اللہ عنہ رات کو اٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری تھا اور یہ کہتے تھے: اے اللہ! تو نے جس طرح میرا سراپا ہاتھ، پاؤں، چہرہ اچھا بنادیا، اسی طرح اے اللہ! میرے اخلاق کو بھی سنوار دے، یہ دعا کرتے کرتے صبح ہوگئی تو میں نے کہا: اے ابودرداء رضی اللہ عنہ! تمہاری رات کی دُعا صرف اچھے اخلاق کی طلب پر مشتمل تھی؟ فرمایا: اے ام درداء! بندۂ مومن اپنے اخلاق کو بہتر بناتا ہے؛ یہاں تک کہ اس کی بلند اخلاقی اس کو جنت میں لے جاتی ہے اور

---

(۱) مسند احمد، حدیث: ۱۷۵۰

اپنے اخلاق کو بگاڑتا ہے؛ یہاں تک کہ اس کی بداخلاقی اس کو جہنم میں پہنچادیتی ہے ''انّ العبد المسلم یحسّن خلقه حتی یدخله حسن خلقه الجنّة ویسیٔ خلقه حتی یدخله سوء خلقه النار'' (۱)

پھر فرمایا کہ: ایک بندۂ مومن کو معاف کردیا جاتا ہے حالانکہ وہ سورہا ہوتا ہے، حضرت اُمّ درداءؓ نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: اے ابودرداء رضی اللہ عنہ! جب کوئی سورہا ہوتا ہے تو اسے کیسے بخشا جاتا ہے؟ تو ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس شخص کا کوئی (مسلمان بھائی) رات کو اٹھتا ہے اور تہجد کی نماز پڑھتا ہے اور پھر وہ اللہ سے دعائیں کرتا ہے تو اس کی دعا اس کے حق میں قبول ہوتی ہے اور اپنے بھائی کیلئے (بھی) دعا کرتا ہے تو اس کیلئے بھی قبول ہوتی ہے۔

جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے کسی غلام کو اچھی طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تو اس کو آزاد فرمادیتے، غلاموں کو ان کے حسنِ اخلاق کا علم ہوا تو وہ دکھلاوے اور ریاکاری کے طور پر اپنی نماز کو درست کرنے لگے، وہ ان کو آزاد فرمادیتے، ان سے اس بارے میں شکایت کی گئی تو فرمایا: جو شخص اللہ کے سلسلے میں ہمیں دھوکہ دے تو ہم اس کے دھوکہ میں آجائیں گے ''من خدعنا فی اللّٰه'' (۲)

یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ: ابوعثمان زاہد کا دوپہر کے وقت کسی سڑک پر گذر ہوا، ان کے اوپر راکھ کا ایک طشت ڈالا گیا، ان کے ساتھی بگڑ گئے، انہوں نے راکھ ڈالنے والے پر طعن و تشنیع کرنا اور اس کو برا بھلا کہنا شروع کردیا، ابوعثمان نے کہا: کچھ مت کہو، چونکہ جو شخص اس بات کا مستحق ہے کہ اس پر آگ ڈالی جائے تو اس کے ساتھ یہ مروت کی گئی کہ اس پر صرف راکھ ڈالی گئی، تو اس پر غصہ ہونے کا کیا مطلب؟ ''فانّ من استحقّ أن یصبّ علیه النار فصولح بالرماد لم یجز له أن یغضب'' (۳)

---

(۱) الادب المفرد: باب حسن الخلق اذا فقهوا، حدیث: ۲۹۰، البانی کہتے ہیں: شہر بن حوشب کی وجہ سے اس کی سند ضعیف ہے، لیکن اخلاقِ حسنہ کے مانگنے کی دعا صحیح ہے۔

(۲) قصص العرب: ۱/۳۶، دار الکتب العلمیة، بیروت

(۳) قصص العرب: ۱/۳۶، دار الکتب العلمیة، بیروت

حضرت ابراھیم بن ادھمؒ سے کہا گیا کہ: کیا آپ دنیا میں کبھی خوش ہوئے ہیں؟ تو فرمایا: دومرتبہ، ایک تو اس وقت جب کہ میں بیٹھا ہوا تھا ایک شخص نے مجھ پر پیشاب کردیا اور دوسرے اس وقت جب میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے آکر مجھ کو تھپڑ رسید کردیا "کنت جالسا فجاء رجل فصفعنی" (۱)

اسلام کی معاشرت	اغیار کی معاشرت
اللہ کیلئے محبت، اللہ کیلئے دشمنی، اللہ کیلئے دینا، اللہ کیلئے روکنا خلاصہ: اللہ کوراضی کرنا مقصد ہے جو بہت آسان ہے۔	لوگوں کوراضی کرنا جواب تک نہیں ہوا
سنتِ نبوی کے مطابق معاشرتی زندگی کو تشکیل دینا جو بہت آسان، بہت خوبصورت نہایت مکمل ہے، سارے انسانوں کیلئے ایک ہے، فطرت اور عقل کی رعایت کرنے والا ہے۔	ہر جگہ سماج اور رواج پر چلائی جاتی ہے، جو نہایت ظالم، نامعقول اور بے فائدہ ہوتی ہے اور نہ ہی اس میں انسانی مصلحتوں کی رعایت ہوتی ہے۔
حق دینا ہے۔	حق مانگنا ہے۔
حیاء، عفت، پاکدامنی	بے حیائی، آوارگی
قناعت وسادگی	نمائش اور اسراف
دوسروں کے مال سے استغناء اور اپنی ضرورتوں پر دوسروں کو ترجیح دینا یعنی ایثار ہے۔	دوسروں کے مال پر طمع اور اپنی ضرورت کے پورا کرنے میں کوئی غرض ہے۔

(۱) قصص العرب: ۱/۳۶

اسلام کی معاشرت	اغیار کی معاشرت
رشتہ میں حد بندیاں ہیں، پردہ کرنے اور خرچ کرنے میں فرقِ مراتب ہے۔	سارے مرد اَنکل، ساری عورتیں آنٹیاں بن جاتی ہیں، رشتہ کے بھائی بہنوں کو کزن کہا جاتا ہے۔
اسلام میں تواضع ہے۔	غیروں میں تکبر ہے۔
معاف کرنا ہے۔	انتقام لینا ہے۔
عیب چھپانا ہے۔	عیب پھیلانا ہے۔
اسلام میں جان و مال اللہ کا ہے اور اللہ کو جواب دینا ہے؛ اس لئے خودکشی بھی حرام اور بخل بھی ناجائز۔	جان و مال اپنی ہے؛ اس لئے من چاہی زندگی وہ گذارتے ہیں۔

حدودِ شریعت، مزاجِ شریعت

شریعت میں دو چیزیں ہیں: حدود شریعت اور مزاج شریعت۔

حدود شریعت قانون کا نام ہے اور مزاج شریعت اخلاق کا نام ہے، فتوی حدود شریعت کا ترجمان ہوتا ہے اور تقوی مزاج شریعت کی طرف دعوت دیتا ہے، حدود شریعت ناگزیر اور نہایت ضروری ہونے کو بتلانے کیلئے ہوتے ہیں، لیکن زندگیاں مزاج شریعت سے بنتی ہیں۔

حدودِ شریعت	مزاجِ شریعت
پنج وقتہ نماز۔	پنج وقتہ نماز مع نوافل، اشراق، چاشت، اوابین اور تہجد۔
روزے ماہ رمضان کے۔	جمعرات، پیر اور ایام بیض کے روزے۔
سالانہ زکوۃ۔	وسعت بھر اپنے مال سے غریبوں کی ضرورت پوری کرنا۔

حدودِ شریعت	مزاجِ شریعت
پنج وقتہ نماز۔	پنج وقتہ نماز مع نوافل، اشراق، چاشت،
حج زندگی میں ایک مرتبہ	ہر پانچ سال میں ایک مرتبہ اگر وسعت ہو۔
ساس کی خدمت اور اس کے ساتھ رہائش ضروری	سگی ہی نہیں بلکہ سوتیلی ساس اور مسلمان ہی نہیں کافر ساس کو بھی نبھانا، جیسے رسول اللہ ﷺ نے نبھایا
شوہر کا کھانا پکانا ضروری نہیں	گھر کے کاموں میں شوہر کو بے فکر کر دینا حضرت فاطمہؓ کی طرح
بیوی کو ساس سسر سے ایک ہفتہ سے کم میں ملانا ضروری نہیں اور ماں باپ کے علاوہ دیگر رشتہ داروں سے ایک سال سے کم میں ملانا ضروری نہیں، اگر ساس سسرے آجائیں ایک ہفتہ سے کم میں تب بھی کھڑکی سے بات کرا دینا کافی ہے۔	بیوی کی سہیلیوں اور اس کے رشتہ داروں اور اس کے بھائیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا چاہیے آقا نے حسانہ مزنیہؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کیا اور معاشرتی تقاضے کے مطابق ملاقات کی شکلیں جاری رکھنا۔
طئے شدہ تاریخ پر تنخواہ دی جائے۔	پسینہ سوکھنے سے پہلے دی جائے۔
مزدور طئے شدہ کام کرے متعینہ وقت میں	مالک کے اضافی کام بھی کئے جائیں؛ تا کہ وہ راضی ہو؛ تا کہ عبادت کا ثواب دوہرا ہو جائے۔
مطالبۂ حقوق جائز ہے۔	معافی حقوق اخلاق ہے۔
انتقام لینا حدود میں جائز ہے۔	ایثار و احسان اخلاق ہے۔
پکا مکان	کچا مکان
چند مرغن غذائیں	ایک سالن پر بلکہ اپنی ضرورتوں کو انسانیت کیلئے قربان کرنا (کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کے دسترخوان پر کبھی دو سالن جمع نہیں ہوئے۔

دل صاف رکھئے

بغض کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ جب غصہ میں بدلہ لینے کی قدرت نہیں ہوتی تو ضبط کرنے سے اس شخص کی طرف سے دل پر ایک قسم کی گرانی ہوجاتی ہے اس کو حسد یعنی کینہ اور بغض کہتے ہیں:

کینہ صرف ایک عیب نہیں؛ بلکہ بہت سے گناہوں کا تخم ہے جب غصہ نکلا نہیں تو اس کا خمار دل میں بھرا رہتا ہے اور بات بڑھتی اور رنجیدگیاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔

کینہ وہ ہے جو اختیار اور ارادے سے کسی کی برائی اور بدخواہی دل میں رکھی جائے اور اس کو ایذا پہنچانے کی تدبیر کرے۔(۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہر ہفتہ میں دو دن دوشنبہ اور پنجشنبہ کو لوگوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں، تو ہر بندہ مومن کی معافی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے سوائے ان دو آدمیوں کے جو ایک دوسرے سے کینہ رکھتے ہیں، پس ان کے بارے میں حکم دیا جاتا ہے کہ ان دونوں کو چھوڑے رکھو (یعنی ان کی معافی نہ لکھو) جب تک کہ یہ آپس کے اس کینہ اور باہم دشمنی سے باز نہ آویں اور دلوں کو صاف نہ کرلیں" فیقال اترکوا ھذین حتی یصطلحا " (۲)

اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کی تعریف یوں فرمائی ہے: " وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِيْنَ "(۳) اور ہم نے ان کے سینوں میں جو کینہ تھا اس کو نکال لیا، بھائی بھائی بن کر وہ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہیں۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے وہ بیمار تھے لیکن ان کا چہرہ چمک رہا تھا، تو کسی نے پوچھا کہ: آپ کا چہرہ کیوں چمک رہا ہے؟ انہوں نے فرمایا: مجھے اپنے اعمال میں دو عملوں پر سب سے زیادہ بھروسہ ہے،

(۱) شریعت وطریقت: بحوالہ اپنی اصلاح کا مکمل نصاب: ۳۳۶

(۲) مسلم: باب النهي عن الشحناء، حديث: ٦٧١١

(۳) الحجر: ٤٧

ایک تو یہ ہے کہ کوئی لایعنی بات نہیں کرتا تھا، دوسرے یہ کہ میرا دل تمام مسلمانوں سے بالکل صاف تھا "فكان قلبي سليما" (۱)

وہ دل خدائے تعالیٰ کی محبت ومعرفت کا مقام نہیں بن سکتا ہے جس میں بدگمانی، مومن کی تحقیر، تکبر، اور بخل وغیرہ جیسے امراض باطنہ ہوں، یہی وجہ ہے کہ حضرت نبیٔ پاک ﷺ نے تین دن تک ایک صحابیؓ کے جنتی ہونے کا اعلان فرمایا، ان کے اعمال کی تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ وہ اپنا دل کسی ایمان والے کے بارے میں گندا نہیں کرتے" غير أنني لا أجد في لأحد من المسلمين غشا " (۲)

نبیٔ اکرم ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے! اگر تم صبح وشام اپنے دل کو ہر ایک کے بارے میں کھوٹ سے پاک رکھ سکو تو رکھنا، پھر مجھ سے فرمایا: وہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی اور جو مجھ سے محبت کرتا ہے تو وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا، "يا بني ان قدرت أن تصبح وتمسي وليس في قلبك غش لأحد فافعل " (۳)

عورت کیلئے دنیا کی سب سے کڑوی چیز سوکن کا وجود ہے، لیکن ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے اس زندگی کو جس طور پر نبھایا ہے وہ ساری امت کیلئے نمونہ ہے، حضرت زینبؓ بنتِ جحش کا جب رسولِ پاک ﷺ سے نکاح ہوا تو حضرت عائشہؓ نے مبارکباد دی۔ (۴)

مدینہ کے بعض منافقوں نے جب حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی تو بہن کی محبت میں حمنہ بنتِ جحش رضی اللہ عنہا بھی اس سازش میں مبتلا ہو گئیں، لیکن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا قدم حق سے ذرا بھی نہیں ہٹا، حضورِ اکرم ﷺ نے جب ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی

---

(۱) الطبقات الكبرى لابن سعد: ابو اسيد الساعدي: ۵۵۷/۳، دار صادر بيروت

(۲) مسند احمد: مسند انس بن مالك، حديث: ۱۲۷۲۰، محقق شعیب الارنؤط فرماتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

(۳) ترمذي: الأخذ بالسنة واجتناب البدع، حديث: ۲۶۷۸

(۴) بخاري: تفسير آيت: لا تدخلوا بيوت النبي

نسبت پوچھا: تو انہوں نے صاف کہا: ما علمت فیها الا خیرًا (۱) (خوبی کے سوا میں نے ان میں کچھ نہیں جانا) اگر وہ چاہتی تو ایک ہی جملہ میں حضرت عائشہؓ کو شکست دے سکتی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے اس احسان اور خوبی کی یاد ہمیشہ شکر گذاری کے ساتھ رکھتی تھیں۔

ایک دفعہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو یہودیہ کہہ دیا "أنا أعطي تلك اليهودية" اس پر حضور ﷺ ان سے اتنے ناراض ہوگئے کہ دو مہینوں تک کلام نہ کیا، آخر وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں کہ تم بیچ میں پڑ کر میرا قصور معاف کرادو، اور اب وہی موقع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حاصل تھا، لیکن انہوں نے خاص اس غرض سے اہتمام کے ساتھ بناؤ سنگار کیا، آپ ﷺ آئے تو اس سلیقہ سے گفتگو کی کہ معاملہ رفت وگزشت ہوگیا۔ (۲)

مرنے کے بعد کسی کی خوبیوں کا اظہار مرنے والے کو حیاتِ جاودانی بخشتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے حریف پر یہ آبِ حیات بھی برسایا، بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں ایک دفعہ اپنی بیویوں کو خطاب کرکے فرمایا: تم میں سب سے پہلے مجھ سے وہ آکر ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اس کیلئے ہم لوگ اپنے اپنے ہاتھ ناپا کرتے تھے، لیکن سب سے پہلے جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ ہاتھ کی لمبائی سے آپ ﷺ کا مقصود فیاضی اور سخاوت تھی، وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتی تھیں اور اس طریقہ سے جو آمدنی ہوتی تھی، وہ خیرات کیا کرتی تھیں۔

بدگمانی سے پرہیز کیا جائے

اس قسم کے رشتہ داریوں اور تعلقات میں عموماً دراڑ اور خرابی پیدا کرنے والی چیز آپسی بدگمانی ہوتی ہے، کبھی ماں باپ کو بیٹے کے تعلق سے یہ بدگمانی ہوتی ہے کہ وہ ان کا اس قدر

(۱) صحیح بخاری: باب حدیث الإفك، حدیث: ۳۹۱۰
(۲) مسند احمد بن حنبل: مسند عائشه، حدیث: ۲۶۲۵۰

خیال نہیں رکھتا جس قدر وہ اپنی بیوی کا خیال رکھتا ہے، کبھی بیوی شوہر کے ماں باپ اور بھائی بہنوں کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہو جاتی ہے، بے جا الزام تراشیوں، بے بنیاد تہمتوں کا اس طرح سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا محض دل کے وساوس اور شکوک وشبہات پر ان بدگمانیوں کی بنیاد ہوتی ہے، اسلام یہ چاہتا ہے کہ اسلامی معاشرہ کی بنیاد دلوں کی صفائی و پاکیزگی اور آپسی اعتماد واعتبار پر ہو نہ کے شکوک وشبہات اور بیجا تہمتوں اور بے بنیاد گمانوں پر؛ اس لئے اسلام نے اسلامی رہن سہن اور اسلامی معاشرت کا ایک بنیادی اصول یہ بتلایا ہے کہ آپسی رشتہ داریوں میں بدگمانی سے پرہیز کریں، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے ”یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِنَ الظَّنِّ، اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ“(۱) اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو؛ کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں۔

اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تعلقات کے بگاڑ میں بدگمانی کو خصوصی دخل ہوتا ہے، ایک شخص دوسرے سے اس طرح بدگمان ہو جاتا ہے کہ حسن ظن کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، مخالف شخص کی ہر بات کا مطلب اپنے خلاف نکال ہی لیتا ہے، اس کی بات میں ہزار احتمال بھلائی کے ہوں اور صرف ایک پہلو برائی کا نکلتا ہو، تو ہمیشہ اس کی طبیعت برے پہلو کی طرف چلے گی، اس برے پہلو پر اعتماد اور یقین کر کے اپنے مقابل کو برا بھلا کہے گا، اس پر تہمتیں اور الزام تراشیاں کرے گا۔

اسی کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یوں فرمایا ہے ”جو بات تمہارے بھائی کے منہ سے نکلے، جہاں تک ہو سکے اس بات کو بھلائی پر محمول کرو، اس سے بدگمانی سے بچو ”ولا تظنن بکلمة خرجت من اخیك المؤمن الّا خیرًا وأنت تجعلها فی الخیر محملاً (۲)

اور یہ بھی فرمایا کہ : ” لا ینتفع بنفسه من لا ینتفع بظنّه “ جو شخص اپنے گمان

(۱) الحجرات : ۱۲

(۲) ابن کثیر: سورة الحجرات: ۲۵۶/۴، دار الفکر، بیروت، الطبعة الجدیدة: ۱۴۱۴ھ

سے فائدہ حاصل نہ کر پائے وہ اپنے نفس اور ذات سے منتفع نہیں ہوسکتا یعنی اس کا گمان مطابق واقعہ نہیں ہوتا۔(۱)

اسی طرح ہر شخص کو چاہیے کہ زندگی کے ہر موڑ پر بدگمانی سے پرہیز کرے، اپنے مخالف کی بات میں ہزار پہلو برائی کے ہوں اور ایک پہلو بھلائی کا ہو تو اس کی بات کو بھلائی پر محمول کرے، بدگمانی اور غلط سوچ سے بچے، اس طرح زندگی خیر اور خوشی سے گذرے گی۔

اسی واسطے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بدگمانی سے بچو؛ اس لئے کہ بدگمانی سب سے بڑی جھوٹی بات ہے "وایّاکم والظنّ، فانّ الظنّ أکذب الحدیث" (۲)

بدگمانی کس قدر بدترین اور ذہنیت کو بگاڑنے والی چیز ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ اپنی کسی بیوی کے ساتھ محوِ گفتگو تھے کہ ایک شخص کا گذر ہوا، آپ ﷺ نے اس کو بلایا اور فرمایا: اے فلاں! یہ میری فلانہ بیوی ہے، اس نے کہا: میں جس قسم کی بدگمانی دوسرے کے ساتھ کرسکتا ہوں وہ آپ ﷺ کے ساتھ کیسے کرسکتا ہوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: شیطان ابن آدم کے اندر ایسے چلتا ہے جیسے اس میں خون چلتا ہے "انّ الشیطن یجری من ابن اٰدم مجری الدم" (۳)

بدگمانی کیلئے کوئی دلیل چاہیے اور ایمان والے سے اچھا گمان رکھنے کیلئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں، صرف ایمان والا ہونا کافی ہے اور یہ چوبیس گھنٹے کی عبادت بن جائے گی "انّ حُسن الظنّ من حسن العبادۃ" (۴)

اور اگر دل کو بار بار صاف کرتے رہنے کے باوجود بھی شکوک وشبہات پیدا ہوتے رہیں

---

(۱) الأداب الشرعیة لابن مفلح: ۱/۴۷، عالم الکتاب

(۲) بخاری: کتاب النکاح: باب لا یخطب من خطب أخیه، حدیث: ۴۸۴۹

(۳) بخاری: باب الشهادة تکون عند الحاکم، حدیث: ۶۷۵۰

(۴) ابو داؤد: باب فی حسن الظن، حدیث: ۴۹۹۳، بوصیری نے زوائد میں کہا ہے کہ: اس کو ابن ابی شیبہ نے سندِ حسن کے ذکر کیا ہے: اتحاف الخیرة المهرة بزوائد العشرة: ۲/۱۲۴

تو اس گمان پر عمل نہ کریں، اور اس شخص کے بارے میں زبان گندی نہ کریں "اذا ظننت فلا تحقّق" (۱)

حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ: بدگمانی کرنے والا اللہ کی عدالت میں اپنے اوپر مقدمے دائر کر رہا ہے، جتنوں کے بارے بدگمانی کرے گا، اتنوں کے بارے میں مقدمہ دائر کر کے اس سے دلیل پوچھی جائے گی۔ (۲)

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا حسن ظن بھی کیا خوب تھا کہ انہوں نے دوسروں کے ساتھ حسن ظن کے ساتھ جو بات کہی وہ اس قدر پیاری بات تھی کہ وہ معجزانہ قرآن کا ایک بلیغ اور جامع جزء بن گیا۔ واقعۂ اِفک کو منافقین نے بہت شہرت دی؛ تاہم صحابہ رضی اللہ عنہم کو ازواجِ مطہرات کے ساتھ جو حسن ظن تھا، اس کی بناء پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے صاف صاف کہہ دیا تھا "سُبْحٰنَکَ مَا یَکُوْنُ لَنَا اَنْ نَتَکَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ" (۳) سبحان اللہ، ہمارے لئے اس کا ذکر جائز نہیں، سبحان اللہ یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔

بخاری شریف میں ہے کہ اس جملہ کو ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا تھا، لیکن "فتح الباری" میں اور بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام گنائے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس کے پاس چوری ہوتی ہے وہ اتنی بدگمانیاں بیان کرتا ہے کہ گناہ کے اعتبار سے چور سے بھی آگے نکل جاتا ہے: "ما یزال المسروق منه یتظنی حتی یصیر اعظم من السارق" (۴)

---

(۱) المعجم الکبیر : حارثة النعمان الأنصاری، حدیث: ۳۲۲۷، علامہ حجر عسقلانی نے اس کو مرسل یا معضل کہا ہے اور بیہقی کے یہاں حضرت ابوہریرہ کی حدیث سے اس کا ایک شاھد کے موجود ہونے کو بھی بتلایا ہے: فتح الباری: باب الطیرة: ۱۰/ ۱۲۱۳، دار المعرفة، بیروت

(۲) بدگمانی اور اس کا علاج، حضرت مولانا حکیم اختر صاحبؒ

(۳) النور: ۱۶

(۴) الادب المفرد، حدیث: ۱۲۸۹

بدگمانی کے اسباب سے بھی بچا جائے

بسا اوقات یوں ہوتا ہے کہ کسی کے پاس ولحاظ میں یا کسی پر یوں ہی اعتقاد و اعتماد کرتے ہوئے اس سے لی ہوئی رقم یا سامان شمار نہیں کیا جاتا، ایسا کرنا مناسب نہیں؛ بلکہ اسے بھی شمار کر لیا جائے کہ کہیں کبھی اس کے بارے میں بدگمانی ہونے لگے کہ اس نے وہ رقم وہ اشیاء برابر دی ہیں یا نہیں، اس طرح کے بدگمانی کے مواقع اور اسباب سے بچنے کا حکم شریعت نے دیا ہے، اس کو حدیث میں یوں فرمایا: حضرت ابو العالیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ ملازم بازار سے گوشت یا کوئی سامان لائے تو اس پر نشان لگا دیں یا اس کا وزن کر لیں یا شمار کر لیں کیوں کہ یہ بات ناپسندیدہ ہے کہ لوگ غلط عادت میں پڑ جائیں یا ہم سے کوئی بدگمانی میں مبتلا ہو "كنّا نؤمر أن نختم على الخادم، ونكيل ونعدّها كراهية أن يتعوّدوا خلق سوء أو يظنّ أحدنا ظنّ سوءٍ" (۱)

اسی طرح حضرت سلمانِ فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ: میں خادم پر بدگمانی سے بچنے کیلئے بے گوشت کی ہڈی بھی گن لیتا ہوں "انّى لأعدّ العراق مخافة الظنّ" (۲)

بدگمانی کی جگہوں سے بچا جائے

اس کے ساتھ ہی ساتھ شریعت نے یہ تاکید بھی کر رکھی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو تہمت اور بدگمانی کے مواقع سے بچائے رکھے کہ کسی کو اس کے ساتھ بدگمان ہونے کا موقع ہی نہ دے

---

(۱) الأدب المفرد: باب من ختم على خادمه مخافة السوء، حديث: ۱٦٧، محمد سعید البخاری نے مزوری کی "البر والصلة: باب ما جاء في حق المملوك، حديث: ۳۵۰" کی تخریج میں کہا ہے: یہ مرسل ہے اور اس کی سند کے رجال ثقہ ہیں، البانی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

(۲) الأدب المفرد: باب من عدّ على خادمه مخافة الظنّ، حديث: ۱٦٨، البانی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

اسی حوالے سے ارشاد ہے: "اتقوا مواضع التهم" (۱) اپنے آپ کو تہمت اور بدگمانی کی جگہوں سے بچائے رکھو۔

ایک موقع سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص اپنے آپ کو تہمت کی جگہوں میں ڈالے تو وہ اس سے بدگمانی کرنے والے کو ملامت نہ کرے "من أقام نفسه مقام التهم فلا يلومنّ من أساء به الظن " (۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: " كنّا اذا فقدنا الرجل في صلاة العشاء والصبح اساء به الظن" ہم جب کسی شخص کو عشاء اور صبح کی نماز میں موجود نہ پاتے تو ہمیں اس کے تعلق بدگمانی ہو جاتی، (۳) یعنی اس کے منافق ہونے کی ہمیں بدگمانی ہوتی؛ اس لئے آدمی کو چاہئے کہ کسی کو بدگمانی کا موقع ہی نہ دے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا گذر ایک شخص پر ہوا جو اپنی اہلیہ سے بالکل سرِ راہ کھڑے گفتگو کر رہا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے دُرّے مارا، اس نے کہا: امیر المؤمنین! وہ میری بیوی ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو اسے ایسی جگہ کیوں نہیں لے جاتا کہ جہاں تجھے لوگ نہ دیکھیں " فهلّا حيث لا يراك النّاس" (۴)

کسی کی عیب جوئی نہ کرے

اسلامی معاشرت اور آپسی رہن سہن کا ایک اہم اور بنیادی اصول یہ بھی ہے کہ آپسی تعلقات اور رشتہ داریوں میں ایک دوسرے کے عیوب اور خرابیوں کی تلاش سے پرہیز کیا جائے،

---

(۱) كشف الخفاء: ۱/ ٤٤، دار احياء التراث العربي، بيروت، عجلونی کہتے ہیں: اس روایت کا ذکر احیاء میں آیا ہے، عراقی نے کہا ہے کہ: اس کی کوئی اصل نہیں ہے، لیکن یہ حضرت عمر کے نیچے درج شدہ اقوال کے مانند ہے۔

(۲) مكارم الأخلاق : ما يستحبّ للمرء من التحرز أن يساء به الظنّ : ۲/ ۳

(۳) مكارم الأخلاق : ما يستحبّ للمرء من التحرز أن يساء به الظنّ : ۲/ ۳

(۴) مكارم الأخلاق : ما يستحبّ للمرء من التحرز أن يساء به الظنّ : ۲/ ۳

سب انسان گناہ گار اور خطا کار ہیں " کل بنی ادم خطاؤن " اللہ رب العزت اور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی بے عیب نہیں، بد باطن خوبیوں سے آراستہ شخصیت میں بھی برائی تلاش کر لیتا ہے، دونوں میں وہی فرق ہے جو خنزیر اور تتلی کے مزاج میں ہے اور یہ ہو ہی نہیں سکتا ہے کہ ہر شخص کو دوسرے کی ہر خصلت اور عادت پسند آ جائے، کسی میں اگر کسی قسم کی کوئی کمی یا کوتاہی ہوتی ہے تو دوسرے کے مقابل اس کے اندر ایک اچھی صفت بھی ضرور ہوتی ہے، کبھی یوں ہوتا ہے کہ کسی کی کوئی چیز ہماری نگاہ میں عیب نظر آ رہی ہے؛ حالانکہ وہی چیز اللہ کے یہاں محبوب ہوتی ہے، اسی کے حوالے سے ارشاد خداوندی ہے :

وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ، وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۱) اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو اور وہ (واقع میں) تمہارے حق میں خیر (اور مصلحت) ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو اور وہ (واقع میں) وہ تمہارے حق میں (باعثِ) خرابی ہو اور (ہر شئی کی حقیقت حال کو) اللہ عز وجل ہی جانتے ہیں اور تم (پورا پورا) نہیں جانتے ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اگر تم لوگوں کے عیوب کو تلاش کروں گے تو اللہ ان کے عیوب کو تلاش کرے گا اور اللہ عز وجل جس کی فضیحت کرے گا تو اس کو اس کے گھر میں بے عزت کر دے گا " انك ان اتبعت عوراتهم يتّبع الله عورته، من يتّبع الله عورته يفضحه في بيته " (۲)

مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں عیوب تلاش کرنے سے ان میں نفرت، بغض اور بہت ساری برائیاں پیدا ہوں گی، اور ممکن ہے کہ لوگوں کے عیوب تلاش کرنے اور انہیں پھیلانے سے وہ لوگ ضد میں گناہوں پر اور جرأت کرنے لگیں گے، یہ ساری باتیں مزید بگاڑ کا سبب ہوں گی۔

---

(۱) البقرة : ۲۱۶

(۲) ابوداؤد: باب في الغيبة: حديث: ۴۸۸۰ ، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے میمون بن عجلان کے وہ ثقہ ہیں منذری نے کہا ہے کہ: اس کو ابو یعلی نے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے: الترغيب: الترغيب في الامر بالمعروف: حديث: ۳۵۲۹

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمانوں کو ستایا نہ کرو، ان کو عار دلایا نہ کرو اور ان کی لغزشوں کو تلاش نہ کیا کرو "لا تؤذوا المسلمین ولا تعیّروھم ولا تتبّعوا عوراتھم" (۱)

دوسروں کے عیوب کی تلاش میں سرگرمِ عمل رہنا اور ان کی عیب جوئی کرنا اور لوگوں کے ٹوہ میں پڑنا یہ اس قدر مذموم عمل ہیں کہ حضور ﷺ نے اس کی گواہی کو مردود اور نا مقبول قرار دیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک شخص نے دوسرے شخص کی عیب جوئی کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "قم لا شھادۃ لك" (اٹھ جاؤ تمہاری گواہی معتبر نہیں) اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اس طرح دوبارہ نہیں کروں گا، آپ ﷺ نے فرمایا: تم قرآن کا مذاق کر رہے تھے، اس نے قرآن پر ایمان ہی نہیں لایا جس نے اس کے حرام کردہ امور کو حلال قرار دیا "ما امن بالقران من استحلّ محارمه" (۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم اپنے ساتھیوں کے عیوب بیان کرنا چاہو تو اپنے نفس کے عیوب کو یاد کرلو "اذا أردتّ أن تذکر عیوب صاحبك فاذكر عیوب نفسك" (۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کو اپنے

---

(۱) ترمذی: باب تعظیم المومن، حدیث: ۲۰۳۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

(۲) کنز العمال: فصل فی حقوق القران، حدیث: ۱۴۹۷

(۳) ترمذی: حدیث: ۲۹۱۸، اس کی سند قوی نہیں ہے، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے، اس میں محمد بن یزید بن سنان الرھاوی ہیں، ان کو بخاری وغیرہ نے ضعیف کہا ہے اور ان کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور ان کے باپ یزید: ان کو ابوداؤد نے ضعیف کہا ہے اور بخاری نے کہا ہے کہ: یہ مقارب الحدیث ہیں: مجمع الزوائد: فیمن یستحل الحرام: حدیث: ۸۲۸

بھائی کی آنکھ کا ایک تنکا بھی نظر آ جاتا ہے؛ لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر تک بھی نظر نہیں آتا" یبصر أحدکم القذاة فی عین أخیه وینسی الجذع فی عینه " (۱)

اس حوالے سے یہ واقعہ بھی نہایت عبرت خیز ہے جسے ابو نعیم نے "الحلیة" میں بیان کیا ہے: طارق بن شہاب سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ: خالد رضی اللہ عنہ اور سعد رضی اللہ عنہ کے درمیان کوئی بات ہوگئی، ایک شخص نے خالد رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر سعد رضی اللہ عنہ کی برائی کی تو انہوں نے کہا: رُک جاؤ، " انّ ما بیننا لم یبلغ دیننا "(۲) ہماری آپس کی یہ بات ہمارے دین میں خرابی پیدا کرنے والی نہیں ہے۔

لوگوں کی عیب جوئی اور ان کے ٹوہ میں لگے رہنے کی مذمت پر یہ واقعہ بھی دلالت کرتا ہے جیسا کہ معلوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول راتوں میں گشت کرنے اور لوگوں کے احوال وضروریات کو معلوم کرنے کا تھا، ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حسبِ معمول رات میں گشت کر رہے تھے کہ ایک گھر میں سے ایک شخص کے یہاں گانے بجانے کی آوازیں آرہی تھیں، آپ رضی اللہ عنہ دیوار پھاند کر اندر داخل ہوگئے، پھر آپ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اے اللہ کے دشمن! کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ اللہ عزوجل تیرے اس گناہ پر پردہ پوشی کریں گے، تو اس نے کہا: امیر المومنین عجلت نہ کیجئے، اگر میں نے اللہ عزوجل کی ایک نافرمانی کی ہے تو آپ نے تو اللہ کے تین احکام توڑے ہیں: "لا تعجل علیّ ان اکن عصیتُ اللّٰه واحدة فقد عصیتَ اللّٰه فی ثلاث " اس نے کہا: ارشادِ باری ہے: " وَلَا تَجَسَّسُوْا " (کسی کی ٹوہ میں نہ پڑو) اور آپ ٹوہ میں مبتلا ہوگئے، اور ارشادِ خداوندی ہے

---

(۱) صحیح ابن حبان: باب الغیبة: حدیث: ۵۷۶۱، محقق شعیب الارنؤط نے کہا ہے کہ: اس کے رجال ثقہ ہیں سوائے کثیر بن خالد کے۔

(۲) حلیة الأولیاء: سعد بن زید، ۱/۹۵، دار الکتاب العربی، الطبعة الرابعه: ۱۴۰۵ھ، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں: مجمع الزوائد: باب ان فیما شجر بین الصحابة، حدیث: ۱۱۹۷۵

"وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا" (گھروں میں دروازوں سے داخل ہو) اور آپ دیوار پھاند کر اندر آ گئے، وہ بھی بغیر اجازت کے حالانکہ ارشادِ خداوندی ہے "لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا" (اپنے گھروں کے علاوہ دیگر گھروں میں بغیر مانوس کئے ہوئے اور اس کے رہنے والوں کو بغیر سلام کئے ہوئے داخل نہ ہو جاؤ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں تجھے معاف کروں گا تو کیا بھلائی کرے گا، اس نے کہا: ہاں، تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے معاف کر دیا اور آپ رضی اللہ عنہ وہاں سے چلے آئے (۱)

عیب کی پردہ پوشی کی جائے

اسلام عیب جوئی کے بجائے عیبوں پر پردہ ڈالنے کا حکم کرتا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "لا يستر عبد عبدًا في الدنيا الّا ستر الله يوم القيٰمة" (۲)

جب کوئی بندہ کسی بندہ کے عیب پر دنیا میں پردہ پوشی کرے گا تو اللہ عز وجل روزِ قیامت اس کے عیوب پر پردہ کریں گے۔

یہی وجہ تھی کہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی لوگوں کے عیوب کی پردہ پوشی کا اہتمام فرماتے تھے۔

حضرت شعبیؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اپنے زمانۂ جاہلیت میں اپنی لڑکی کو زندہ درگور کرنے، پھر اس کو دوبارہ نکال لینے، پھر اس کے بعد میں اس کے ان کے ساتھ اسلام لانے، پھر اس کے گناہ میں ملوث ہونے کے بعد حد کی مستحق ہونے، پھر اس کے خودکشی کے ارادے، پھر اس کے بچا لینے کا ذکر کیا، پھر آگے یہ کہا کہ: اب اس نے پھر اپنے گناہ سے توبہ کر لی ہے اور اس وقت کسی قوم کے یہاں اپنا پیغام نکاح دینا چاہتی ہے، میں نے ان لوگوں کو سابقہ حالت سے باخبر کر دیا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اس کے جس عیب پر اللہ عز وجل نے پردہ

(۱) کنز العمال: التجسس، حدیث: ۸۸۲۷

(۲) مسلم: باب النهي عن هتك الانسان، حديث: ۲۵۹

ڈال دیا تھا، تم اس پر سے پردہ اٹھادو" اتعمد الی ما ستر اللّٰه فتبدیه" (۱) اگر تم نے اس کے احوال کی کسی کو اطلاع دی تو تمہیں نہایت عبرت خیز سزا دوں گا؛ بلکہ تم اس کا پاکباز عفیف مسلمان عورت کی طرح نکاح کر دو۔

شریعت نے دوسروں کے گناہوں پر پردہ ڈالنے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ اگر کسی گناہ کی تشہیر کی جائے گی، لوگوں سے اس کے گناہ کا برملا اظہار کیا جائے گا اور اس گناہ کی پاداش میں اس پر حد نافذ کی جائے گی تو وہ لوگوں میں اپنی ذلت وخست، رسوائی وبدنامی کو دیکھ کر گناہ پر اور جری ہو جائے گا اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ گناہوں کے اظہار سے گویا برائی کی اشاعت ہوتی ہے، اس لئے فرمایا: " ادرؤا الحدود ما استطعتم" جہاں تک ہو سکے حدود کو ہٹادو۔ (۲)

عیبوں کو چھپانے کے کچھ واقعات

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں پردہ پوشی کا کس قدر اہتمام تھا اس کیلئے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مزید چند ایک واقعات اور ملاحظہ فرمایئے:

ابو الہیثم ؒ جو حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے مکاتب تھے کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے کہا: ہمارے پڑوسی شراب کے عادی ہیں، میں چاہتا ہوں اس کی اطلاع پولیس کو کر کے ان کو گرفتار کرواؤں، انہوں نے کہا: ایسا مت کرو؛ بلکہ انہیں نصیحت کرو، اور انہیں اس کے انجام سے باخبر کرو، انہوں نے کہا: میں نے انہیں منع کیا ہے پر وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے میں ان کو پولیس کو بلوا کر گرفتار کرواؤں گا، حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تیرا ناس ہو، ایسا نہ کر! چونکہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس شخص نے کسی کی پردہ پوشی کی تو

---

(۱) کنز العمال: ستر العیب، حدیث: ۸۶۰۷

(۲) السنن الکبریٰ للبیهقي: باب الدلیل علی أنّ مرور الکلب وغیره، حدیث: ۳۳۲۵، بوصیری نے "الزوائد: ۳/۲: ۳۰۳" میں کہا ہے: اس کی سند ضعیف ہے ابراہیم بن فضل مخزومی کی وجہ سے، ان کو احمد، ابن معین، بخاری، نسائی، ازدی اور دار قطنی نے ضعیف کہا ہے۔

اس نے زندہ قبر میں دفن کی ہوئی لڑکی کو گویا حیات دی "من رأى عورة فسترها كان كمن احيا مؤدة " (۱)

یہ واقعہ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی پردہ پوشی کے اہتمام پر واضح طور پر دلالت کرتا ہے :

بلال بن سعد اشعریؒ سے مروی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو یہ لکھ بھیجا کہ: مجھے دمشق کے فساق وفجار کی فہرست تیار کر دو تو انہوں نے کہا کہ: مجھے دمشق کے فساق اور بدمعاشوں سے کیا واسطہ؟ مجھے ان کی جانکاری کیوں کر ہو سکتی ہے؟ اس پر ان کے لڑکے بلال نے کہا: میں ان کے نام لکھ کر دے دوں گا، چنانچہ اس نے ناموں کی فہرست بنائی، حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہیں ان کا پتہ کیسے چل گیا؟ جب تجھے ان کے فساق وفجار ہونے کا علم ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تو بھی انہیں میں سے ہے " من أين علمت ؟ ما عرفت انّهم فسّاق الّا وأنت منهم " (۲) لہٰذا اس فہرست میں تم اپنا نام سب سے پہلے لکھو! پھر حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے ان کی فہرست ہی نہیں بھیجی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اگر میں چور کو پکڑتا تو میری سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی کہ خدا اس کے جرم پر پردہ ڈال دے۔ (۳)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اگر تم لوگوں کے عیوب تلاش کرو گے تو تم ان کو بگاڑ دو گے " انّك ان اتّبعت عورات النّاس أفسدتهم أو كدتّ أن تفسدهم " (۴)

---

(۱) ابوداؤد: كتاب الأدب، باب الستر على المسلم، حديث: ۴۸۹۱، حاکم نے اس روایت کو صحیح الاسناد کہا ہے اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے: مستدرك: كتاب الحدود، حديث: ۸۱۶۲

(۲) الأدب المفرد: باب الظن، حديث: ۱۲۹۰، دار البشائر الاسلامية، بيروت: ۱۴۰۹ھ البانی نے اس کو موقوفاً ضعیف السند کہا ہے، اس میں عبداللہ بن عثمان بن عبیداللہ بن عبدالرحمٰن بن سمرة مجہول ہے۔

(۳) بخاری: كتاب الشهادات، باب تعديل النساء بعضهنّ بعضا، حديث: ۱۵۱۸

(۴) ابوداؤد: اب في التجسس، حديث: ۴۸۸۸، امام نووی نے کہا ہے کہ: اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے: رياض الصالحين: باب النهي عن التجسس: ۱/۲۰۱۱

مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں عیوب تلاش کرنے سے ان میں نفرت، بغض اور بہت ساری برائیاں پیدا ہوں گی، اور یہ ممکن ہے کہ لوگوں کے عیوب تلاش کرنے اور انہیں پھیلانے سے وہ لوگ ضد میں گناہوں پر جرأت کرنے لگیں، یہ ساری باتیں مزید بگاڑ کا سبب ہوں گی۔

اور ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں کو ستایا نہ کرو، ان کو عار دلایا نہ کرو اور ان کی لغزشوں کو نہ کھوجا کرو، "لا تؤذوا المسلمين ولا تعيّروهم ولا تطلبوا عثراتهم" (۱)

اجتماعی زندگی کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ دوسروں کی خوبیاں اور اس کی قربانیاں دیکھنے والا جوڑ پیدا کرتا ہے اور دوسروں کے عیوب اور کوتاہیوں کو دیکھنے والا عموماً توڑ پیدا کرتا ہے، چنانچہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے مکہ پر چڑھائی کیلئے تیاری کے موقع سے رسول اللہ ﷺ کا راز کفار قریش کو لکھ بھیجا اور وہ اس خیال سے تھے کہ میرے مطلع کر دینے سے کفار کا کچھ بھلا تو نہیں ہوگا؛ لیکن وہ مجھے اپنا خیر خواہ سمجھ کر میرے بے سہارا اہل وعیال کو نہیں ستائیں گے، مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالی تو اپنے رسول ﷺ کی مدد کرنے ہی والا ہے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں اس کی گردن ماردوں؟ تو ارشاد ہوا، یہ جنگ بدر میں شریک ہونے والا ہے اور اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ جو چاہو عمل کرو تمہاری مغفرت ہو چکی ہے "أنه قد شهد بدرًا وما يدريك لعلّ الله قد اطلّع على من شهد بدرًا، فقال: اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم" (۲)

اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس سنگین غلطی کے موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ ان کے سابقہ کارنامے پر ڈالی ہے۔

غیبت سے پرہیز کیجئے

اسلامی معاشرت کا اور ایک اہم اور بنیادی اصول جس سے آپسی تعلقات کو قائم ودائم

(۱) ابن حبان: باب الغيبة: حديث: ٥٧٦٣، امام ترمذی نے اس کو حسن غریب کہا ہے۔
(۲) بخاری: باب الجاسوس، حدیث: ٢٨٤٥

رکھا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ غیبت اور کسی شخص کے عیوب کا دوسرے کے سامنے اظہار سے بچا جائے، یہ چیز آپسی بگاڑ اور تعلقات کو خراب کرنے میں بہت بڑا کردار ادا کرتی ہے۔ کسی کے پیٹھ پیچھے ایسی بات کہنا کہ اگر وہ سنے تو اس کو ناگوار ہو اگر چہ وہ بات اس کے اندر موجود ہو، اور اگر وہ بات اس میں نہیں تو وہ غیبت نہیں؛ بلکہ بہتان ہے، اسی طرح کسی کی نقل اتارنے سے مثلاً: آنکھ دبا کر دیکھنا، لنگڑا کر چلنا بھی غیبت ہے؛ بلکہ یہ زیادہ برا ہے۔(۱)

اللہ عز وجل نے غیبت کی برائی اور قباحت کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا: لَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا، اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ (۲) نہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھالے، اس کو تو تم ناگوار سمجھتے ہو۔

مطلب یہ ہے کہ جیسے انسان کا جسم نوچ کر کھانے سے جسمانی تکلیف ہوتی ہے اسی طرح کسی کی عزت پیٹھ پیچھے اچھالنے سے اور زیادہ تکلیف ہوتی ہے؛ کیونکہ عزت و آبرو انسان کے نزدیک گوشت سے زیادہ عزیز اور اہمیت رکھتی ہے اور جس طرح مردہ میں حس نہیں ہے یہاں بھی پیٹھ پیچھے برائی کرنے کی وجہ سے اسے اطلاع نہیں ہے، عام انسانوں کا گوشت ہی انسان کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتا ہے، پھر اپنے بھائی کا گوشت کہہ کر مزید کراہت اور گندگی کو بتایا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے غیبت کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم جانتے ہو، غیبت کس کو کہتے ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی زیادہ جانتے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے (مسلمان) بھائی (کی غیر موجودگی میں اس) کے بارے میں ایسی بات کہنا جو اسے بری لگے، کسی نے عرض کیا: اگر میں اپنے بھائی کی کوئی ایسی برائی ذکر کروں جو واقعتاً اس میں ہو؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر وہ برائی جو تم بیان کر رہے ہو اس میں

(۱) شریعت وطریقت: ۱۸۷　(۲) الحجرات: ۱۲

موجود ہے تو تم نے اس کی غیبت کی، اور اگر وہ برائی اس میں موجود ہی نہ ہو تو پھر اس پر بہتان باندھا "وان لم یکن فیه فقد بهتّه" (۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ایک بدبو اٹھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جانتے ہو یہ بدبو کس چیز کی ہے؟ یہ بدبو ان لوگوں کی ہے جو مسلمان کی غیبت کرتے ہیں "هذه ریح الذین یغتابون المسلمین" (۲)

ایک حدیث میں ہے کہ "الغیبة اشد من الزنا" غیبت زنا سے زیادہ سخت گناہ ہے، آدمی زنا کرتا ہے، پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتے ہیں، اور غیبت کرنے والے کا گناہ معاف نہیں ہوگا، (کیوں کہ جس کی غیبت کی، اس کو پتہ چل گیا تو اس کو اذیت پہنچے گی) یہاں تک کہ جس کی غیبت کی جائے وہی معاف کر دے۔ (۳)

یعنی غیبت کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اور زنا کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ زانی تو زنا کو گناہ سمجھ کر توبہ کر لیتا ہے، مگر غیبت کرنے والے کو توبہ اس لئے نصیب نہیں ہوتی کہ وہ بہت کم غیبت کو گناہ سمجھتا ہے، اسی حدیث کی وجہ سے علماء نے فرمایا کہ زنا کرنے والے کی پیٹھ پیچھے غیبت کرنے والا، زنا کرنے والے سے بڑے گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے۔

اور ایک روایت میں چغل خوری کی شناعت اور برائی کو بیان کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا یدخل الجنة قتّات" چغل خور جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ (۴)

اور ایک روایت میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب میں معراج پر گیا تو میرا گذر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے ناخن

---

(۱) مسلم: باب تحریم الغیبة، حدیث: ٦٥٩٣

(۲) مجمع الزوائد: باب ما جاء في الغیبة، حدیث: ١٣١٢١، علامہ ہیثمی اور منذری نے کہا ہے کہ اس کے رجال ثقہ ہیں، الترغیب: کتاب الادب، الترغیب في الحیاء، حدیث: ٤٢٩٩

(۳) مجمع الزوائد: قال: باب ما جاء في الغیبة والنمیمة، حدیث: ١٣١٢٨، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے، اس میں عباد بن کثیر ثقفی ضعیف ہیں۔

(۴) بخاری: باب ما یکره من النمیمة: حدیث: ٢٠٥٦

تانبے کے تھے جس سے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ نوچ کر زخمی کر رہے تھے، میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیلؑ نے بتایا: یہ لوگ انسانوں کا گوشت کھایا کرتے تھے، یعنی ان کی غیبت کرتے تھے اوران کی آبرو ریزی کرتے تھے "ھؤلاء الذين يأكلون لحوم الناس ويقعون في أعراضهم" (۱)

ایک دفعہ آپ ﷺ کی چہیتی بیوی حضرت عائشہؓ نے حضرت صفیہؓ کے کوتاہ قد کا ذکر مذمت کے انداز میں کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "لقد قُلتِ كلمةً لو مزج بها البحر لمزجته" تم نے ایسا جملہ کہا کہ اگر اس جملہ کو سمندر میں ملا دیا جائے تو اس جملہ کی کڑواہٹ سمندر کی نمکینی پر غالب آجائے، مزید حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ایک موقع پر میں نے آپ ﷺ کے سامنے ایک شخص کی نقل اتاری تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ما أُحبّ انّي حكيتُ انسانًا وانّ لي كذا وكذا" مجھے اتنا اتنا یعنی بہت زیادہ ملے تب بھی مجھے پسند نہیں کہ کسی کی نقل اتاروں۔(۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے ہودہ گوئی کرنے والا (فحش بکنے والا) اور جو اس کی لوگوں میں اشاعت کرتا ہے جرم میں دونوں برابر ہیں "القائل الفاحشة والذي يُشيع بها في الاثم سواء" (۳)

یہ واقعہ بھی غیبت کی شناعت اور قباحت اور اس گناہ کی سنگینی کو بتلاتا ہے:

---

(۱) ابوداؤد: باب في الغيبة، حديث: ۴۸۷۸، شعیب الارنؤط کہتے ہیں کہ: اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے عبدالرحمٰن بن جبیر کے طریق سے اور راشد بن سعد نے جو ان کی متابعت کی ہے تو یہ اصحاب سنن کے رجال میں سے ہیں اور یہ ثقہ ہیں: مسند احمد: مسند انس بن مالك: حديث: ۱۳۳۶۴

(۲) ترمذی: باب مما في صفة اواني الحوض: حديث: ۲۵۰۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے: ابوداؤد: باب في الغيبة، حديث: ۴۸۷۵

(۳) الأدب المفرد: باب من سمع بفاحشة فأفشاها، حديث: ۳۲۴، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے حسان بن کریب کے یہ ثقہ ہیں: مجمع الزوائد: باب ما جاء في الغيبة والنميمة، حديث: ۱۳۱۲۵

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، انہوں نے اپنے بارے میں چار مرتبہ گواہی دی کہ انہوں نے ایک عورت سے حرام کاری کی ہے، ہر مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اعراض کرتے رہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر کار ان کو سنگسار کرنے کا حکم دیا تو انہیں سنگسار کیا گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم میں سے دو اشخاص کو آپس میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ اس شخص کو دیکھو کہ اللہ عزوجل نے اس کی ستر پوشی کی تھی، وہ اپنے حوالے سے بے قابو ہو کر کتے کی طرح سنگسار ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کی یہ بات سن کر خاموشی اختیار فرمائی، پھر کچھ دیر چلتے رہے، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک مردار پھولے ہوئے گدھے سے ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فلاں فلاں کہاں ہیں؟ کیا تم اس مردار کو کھانا پسند کرتے ہو؟ ان دونوں نے کہا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کرے......کون یہ کھائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فما نلتما من عرض أخيكما انفا اشدّ من أكل الميتة" ابھی جو تم نے اس کی عزت کے ساتھ کھلواڑ کیا ہے یہ اس مردار کھانے سے زیادہ سخت ہے، اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، ابھی وہ (یعنی ماعز اسلمی) اس وقت جنت کی نہروں میں غوطہ لگا رہے ہیں۔(۱)

غیبت کی مذمت کے بارے میں دورِ رسالت کا یہ واقعہ بھی نہایت ہی عبرت خیز ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ایک دن کا روزہ رکھنے کو کہا اور فرمایا: تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک افطار نہ کرے جب تک کہ میں اسے اجازت نہ دوں، لوگوں نے روزہ رکھا، جب رات ہوئی تو ایک ایک شخص آتا اور کہتا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے روزہ رکھا تھا، اب مجھے افطار کی اجازت دیجئے،

---

(۱) کنز العمال: الغيبة ، حديث: ۸۰۱۳ ، مؤسسه الرسالة ، بيروت ، ۱۹۸۹م
علامہ حجر نے کہا ہے کہ: اس کی سند کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے: فتح الباری: باب الغيبة: ۴۷۰/۱۰، دار المعرفة ، بيروت

تو آپ ﷺ اسے اجازت مرحمت کرتے، ایسے ہی ایک ایک شخص آتا: یہاں تک کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ کے گھر کی دو عورتوں نے بھی روزہ رکھا تھا وہ آپ ﷺ کے پاس آنے سے شرم کررہی ہیں، آپ ﷺ ان دونوں کو بھی افطار کی اجازت دے دیں، آپ ﷺ نے اس آدمی سے اعراض فرمایا، پھر اس آدمی نے یہ بات دوبارہ کہی تو پھر آپ ﷺ نے اعراض کیا، اس نے پھر دوبارہ یہ بات کہی تو پھر آپ ﷺ نے اعراض کیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ان دونوں نے روزہ رکھا ہی نہیں تھا، وہ شخص کیسے روزہ دار ہوسکتا ہے جو سارا دن لوگوں کا گوشت کھاتا رہا، "وکیف صام من ظلّ هذا اليوم يأكل لحوم الناس؟" جاؤ اور ان دونوں سے کہو کہ اگر وہ دونوں روزے سے تھے تو وہ الٹی کریں، وہ شخص ان دونوں کے پاس جا کر ان کو حضور ﷺ کی بات کی اطلاع دی تو انہوں نے الٹی کیا تو ان دونوں کی قئی میں گوشت کا ایک ٹکڑا نکل آیا، آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر یہ گوشت کے ٹکڑے ان کے پیٹ میں رہ جاتے تو انہیں جہنم کی آگ کھا لیتی۔ (۱)

غیبت کی شناعت اور اس کی شدت کا اندازہ اس حدیث سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "ما النّار في اليبس أسرع من الغيبة في حسنات العبد" آگ خشک چیز میں جس قدر جلدی سرایت کرتی ہے اس سے کہیں بڑھ کر غیبت کا اثر بندے کے نیکیوں پر ہوتا ہے یعنی جس طرح آگ خشک چیز کو جلا کر بھسم کردیتی ہے اس سے کہیں تیزی کے ساتھ غیبت بندے کی نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔ (۲)

---

(۱) حلية الأولياء: الربيع بن صبيح: ۳۰۹/٦، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الرابعة: ۱٤۰۵ھ، بوصیری نے "الزوائد" میں کہا ہے کہ: اس کو طیالسی نے ایسی سند سے نقل کیا ہے جس میں یزید بن ابن الرقاشی ہے، اس کو ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے: اتحاف الخيره المهرة: باب في الحجامة للصائم: ۳۰/۳

(۲) احياء العلوم: ۱۹۹/۳، مکتبة رشيدية، کوئٹہ، پاکستان، علامہ عراقی نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ: اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

ایک شخص نے حضرت حسن بصریؒ سے کہا: مجھے پتہ چلا ہے کہ آپؒ نے میری غیبت کی ہے؟ انہوں نے کہا: میں تمہیں اس قدر حیثیت اور رتبہ کیوں دیتا کہ تم میری نیکیوں میں فیصلہ ساز بن جاؤ "ما بلغ من قدرك عندي انّي أحكّمك في حسناتي" یعنی میرا تمہاری غیبت کرنا تمہیں اپنی نیکیوں میں فیصلہ ساز بنانے کے مانند ہے کہ تمہاری غیبت کی وجہ سے میری نیکیاں کم ہو جائیں گی۔(۱)

حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ: ایک شخص نے ان سے کہا: فلاں شخص نے تمہاری غیبت کی ہے، تو حسن بصریؒ نے ایک طشت میں اس کے پاس ہدیہ بھیجا اور فرمایا: "قد بلغني أنّك اهديت اليّ من حسناتك فاردتّ ان اكافئك عليها، فاعذر لي فانّي لا اكافئك على التمام"(۲)

مجھے یہ پتہ چلا ہے کہ تم نے مجھے اپنی نیکیاں بطورِ ہدیہ پیش کی ہیں، میں نے چاہا کہ تمہارے اس ہدیہ کا بدلہ دوں، لیکن میں معذرت خواہ ہوں کہ میں تمہارا بدلہ صحیح طور پر نہیں چکا سکا۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ "من نمّ اليك نمّ عنك" جس نے تمہارے سامنے دوسروں کی چغلی کھائی ہے وہ تمہاری چغلی دوسروں کے سامنے کھا سکتا ہے۔(۳)

حضرت فضل بن ابی عیاش سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت وہب بن منبہؒ کے ساتھ بیٹھا تھا تو ایک شخص نے آ کر کہا کہ میں فلاں کے پاس سے گذرتے ہوئے دیکھا کہ وہ آپ کو گالیاں دے رہا ہے تو یہ سن کر وہب بن منبہؒ ناراض ہو گئے اور فرمایا: کیا شیطان کو تیرے علاوہ کوئی خبر گیری کرنے والا نہ ملا، ما وجد الشيطن رسولا غيرك؟ فضل فرماتے ہیں پھر وہ گالی دینے والا ان کے پاس آیا تو وہب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور اپنے قریب بٹھایا۔(۴)

---

(۱) احياء العلوم: ۱۹۹/۳، مكتبة رشيدية، كوئٹه، پاكستان
(۲) احياء العلوم: ۲۰۷/۳، مكتبة رشيدية، كوئٹه، پاكستان
(۳) حلية الأولياء: ۷۱/٤
(۴) الاداب الشرعية: فصل في عدم صحة توبة المصر: ۹۳/۱، مؤسسة الرسالة، بيروت

منقول ہے کہ حضرت امام حسن بصریؒ کو کسی شخص نے کہا: فلاں شخص نے آپ کی غیبت کی ہے تو آپ نے غیبت کرنے والے کو کھجوروں کا ایک تھال بھر کر روانہ کیا اور ساتھ ہی کہلا بھیجا کہ سنا ہے تو نے اپنی نیکیاں ہدیہ کی ہیں تو میں نے ان کا معاوضہ دینا بہتر جانا۔

سید الطائفہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا: فلاں شخص آپ کو یوں کہتا ہے: حضرت نے فرمایا: اس نے پس پشت کہا لیکن تم تو اس سے زیادہ بے حیاء ہو کہ میرے منہ پر کہتے ہو۔(۱)

غیبت کی توبہ

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے سفیان بن عیینہؒ سے کہا ہے کہ: "التوبة من الغيبة أن تستغفر لمن اغتبته "غیبت کی توبہ یہ ہے کہ تو نے جس کی غیبت کی ہے اس کیلئے مغفرت کی دعا کرے۔

حضرت سفیانؒ کہتے ہیں کہ: بلکہ جو کہا ہے اس سے تائب ہو جائے: "بل تستغفر مما قلت " (۲)

غیبت کا عملی علاج

ہر ایک کے پاس نہ بیٹھیں، دینداروں کے پاس بیٹھنا اور اگر دیندار نہ ملیں تو خود غیبت نہ کریں اور اگر دوسرا کرے تو برا سمجھیں شرکت نہ کریں۔

چونکہ غیبت میں حق اللہ اور حق العبد دونوں ہیں، اس لئے توبہ بھی واجب ہے، اور معاف کرانا بھی ضروری ہے، البتہ بعض علماء نے کہا ہے کہ: جب تک اس شخص کو اس غیبت کی خبر نہ پہنچے تو حق العبد نہیں، لیکن اس صورت میں بھی جس شخص کے سامنے غیبت کی تھی اس کے سامنے اپنی تکذیب کرنا ضروری ہے۔

---

(۱) اپنی اصلاح کا مکمل نصاب : ۲۳۵/۱

(۲) الآداب الشرعية: ۹۳/۱ ، سسة الرسالة ، بيروت

جائز غیبت

یہ بات بھی ملحوظ رکھیں کہ اگر اللہ کے بندوں کی خیر خواہی یا کسی مضرت اور مفسدہ کے ختم کرنے کیلئے کسی شخص یا گروہ کی واقعی برائی دوسروں کے سامنے بیان کرنا ضروری ہو جائے یا اس کے علاوہ ایسے ہی کسی شرعی اخلاق یا تمدنی مقصد کا حاصل ہونا اس پر موقوف ہو تو پھر اس شخص یا گروہ کی برائی بیان کرنا، اس غیبت میں داخل نہ ہوگا جو شرعاً ممنوع اور گناہ کبیرہ ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے پانچ مواقع سے غیبت کرنے کو جائز کہا ہے:

اول: مظلوم شخص، ظالم کی شکایت اگر افسرِ اعلیٰ تک پہنچائے اور اپنے اوپر سے ظلم رفع کرنے کی نیت سے اس کے مظالم بیان کرے تو گناہ نہیں، البتہ ظالم کے عیوب ایسے لوگوں سے بیان کرنا جنھیں اس کو سزا دینے یا مظلوم کے اوپر سے ظلم رفع کرنے کی طاقت نہ ہو، بدستور غیبت میں داخل اور حرام ہے۔

دوم: کسی شخص سے کوئی بدعت یا خلاف شرع امر کے رفع کرنے میں مدد لینی ہو یا کسی کو اس کے فتنہ سے بچانا ہو تو اس سے بھی ان بدعتی لوگوں کا حال بیان کرنا اگرچہ غیبت ہے مگر جائز ہے۔

سوم: مفتی سے فتویٰ لینے کیلئے استفتاء میں امر واقعی کا اظہار کرنا بھی جائز ہے اگرچہ اس اظہارِ حال میں کسی کی غیبت ہوتی ہو۔

چہارم: اگر کوئی شخص کسی سے نکاح یا خرید و فروخت کا معاملہ کرتا ہے اور تم کو علم ہوا کہ اس معاملہ میں ناواقفیت کی وجہ سے اس کا نقصان ہوگا تو اس کو نقصان سے بچانے کیلئے اس کا حال بیان کر دینا بھی جائز ہے۔

پنجم: اگر کوئی ایسے نام ہی سے مشہور ہو گیا جس میں عیب ظاہر ہو مثلاً: کانا لنگڑا تو اس نام سے اس کا پتہ بتلانا غیبت میں داخل نہیں، پھر بھی اگر دوسرا پتہ بتلا دے تو بہتر ہے تاکہ غیبت کی صورت بھی پیدا نہ ہو۔(۱)

(۱) شریعت و طریقت: ۱۸۹-۱۸۸

دورُخی پن بری عادت ہے

بہت سارے لوگ ہوتے ہیں کہ انہیں ہر طرف اپنی دال گلانی اور بات منانی ہوتی ہے، اس کیلئے یوں کرتے ہیں کہ دو اشخاص اور دو فریق جن کی آپس میں نہیں بنتی ہے تو یہ تیسرا شخص ہر ایک سے اپنی دوستی بڑھاتا ہے، جب ایک فریق کے پاس ہوتا ہے تو اس کے موافق بات کرتا ہے اور جب دوسرے کے پاس ہوتا ہے تو اس کے موافق بات کرتا ہے، ہر ایک کو خوش کرنے کی چکر میں ہوتا ہے، ایسے چاپلوس اور دوہرے معیار کو اپنانے والے کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بدترین لوگ دورُخی پن اختیار کرنے والے ہیں، جو ایک کے پاس ایک صورت اور شکل میں آئیں اور دوسرے کے پاس دوسری صورت اور شکل میں آئیں: " من شر الناس ذو الوجهين الذی یأتی هؤلاء بوجهٍ وهؤلاء بوجهٍ " (۱)

اور ایک روایت میں فرمایا: جو دو شخص دوہرے معیار کو اپنانے والا ہوگا تو اس کیلئے روزِ قیامت دو آگ کی زبانیں ہوں گی " من کان ذا الوجهین فی الدنیا کان له لسانان یوم القیامة " (۲)

یہ دوہرا پن اور دورخا پن یہ غیبت اور چغلی سے بڑھا ہوا ہے؛ چونکہ چغلی اور غیبت میں ایک آدمی کی برائی دوسرے کے سامنے ذکر کی جاتی ہے، یہاں ہر دو میں سے ایک کی برائی دوسرے سے ذکر کی جاتی ہے۔

حضرتِ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ: ہم ہمارے حکام کے پاس جاتے ہیں اور وہاں ایک بات کہتے ہیں اور جب وہاں سے نکلتے ہیں تو دوسری بات کہتے ہیں تو

---

(۱) بخاری: باب ما یکره من الثناء: حدیث: ٦٧٥٧

(۲) الأدب المفرد: باب ذی الوجهین: حدیث: ۱۳۱۰، البانی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اسی کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نفاق شمار کرتے تھے "کنّا نعدّ ھذا نفاقًا علی عھد رسول اللّٰہ" (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "لا تکونوا امعۃً" دورُخا پن اختیار نہ کرو، لوگوں نے کہا: دورُخا پن کیا ہوتا ہے، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "الذی یجری مع کلّ ریح" جو جس رخ پر ہوا چلے ادھر کو چلنے لگے۔ (۲)

بے بنیاد باتوں پر یقین نہ کیا جائے

آپسی تعلقات کی درستگی اور ان کو پائیدار بنانے کا ایک اہم اصول یہ بھی ہے کہ بے بنیاد باتوں پر یقین نہ کیا جائے، جب تک کسی بھی بات کے تعلق سے جو آپس میں بگاڑ اور خراب پیدا کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہو اس پر اس وقت تک اعتماد اور اعتبار نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی مکمل تحقیق اور چھان بین نہ کرلی جائے، ورنہ یوں ہوتا ہے کہ بات کچھ اور ہوتی ہے، پہنچانے والے کی غلط فہمی سے وہ بات اسے کچھ اور نظر آتی ہے، اس طرح تعلقات میں بگاڑ اور خرابی پیدا ہو جاتی ہے، اسی کو اللہ عزوجل نے یوں ارشاد فرمایا: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَاۗءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ (۳) اے ایمان والو! اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لاوے تو خوب تحقیق کرلو، کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر پہنچا دو، پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔

یہ آیتِ کریمہ گرچہ ایک خاص پس منظر میں نازل ہوئی ہے؛ واقعہ یہ پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو کسی قبیلہ کی طرف زکوۃ وصول کرنے کیلئے بھیجا اور زمانہ جاہلیت میں اُن صحابی رضی اللہ عنہ میں اور اُس قبیلہ میں کچھ عداوت تھی، انہیں جاتے ہوئے اندیشہ ہوا کہ

---

(۱) ابن ماجہ : باب کفّ اللسان فی الفتنۃ ، حدیث : ۳۹۷۵، بوصیری نے کہا ہے کہ: اس کے رجال ثقہ ہیں: مصباح الزجاجۃ : کتاب الفتن: ۲/۲۷۸، دار الجنان، بیروت

(۲) احیاء العلوم : کلام ذی اللسانین : ۳/۲۳۱، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ ، پاکستان

(۳) الحجرات : ٦

کہیں قبیلہ والے پچھلی عداوت کی وجہ سے گزند نہ پہنچائیں، ان قبیلہ والوں نے رسول اللہ ﷺ کا قاصد سمجھ کر استقبال کیلئے باہر نکل آئے، ولید رضی اللہ عنہ کو گمان ہوا کہ وہ قتل کے ارادہ سے آئے ہیں، واپس جا کر اپنے خیال کے مطابق کہہ دیا کہ وہ تو مخالفِ اسلام ہوگئے، آپ ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور فرمایا کہ خوب تحقیق کرنا اور جلدی مت کرنا، انہوں نے وہاں جا کر خیر ہی دیکھا آ کر اطمینان کا اظہار کر دیا، رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے "التأنّي من اللّٰه و العجلة من الشيطان" سوجھ بوجھ کر قدم اٹھانا اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہوا کرتی ہے۔(۱)

لیکن اس سے ایک عام شرعی حکم یہ معلوم ہوا کہ جب صحابی رضی اللہ عنہ کی خبر پر رسول اللہ ﷺ نے عمل کرنے میں جلدی نہیں کیا ہے تو آج کل کے عام انسان کی خبر پر اقدام کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟

حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ "اذا تبينت أصبت أو كدت تصيب" یعنی اگر تم چھان پھٹک کروگے تو درستگی کو پا جاؤ گے، یا کم از کم درستگی کے قریب ہو جاؤ گے۔(۲)

بہر حال اجتماعی زندگی میں بہت سارے مواقع ایسے آتے ہیں کہ بے بنیاد باتوں پر یقین کرنے سے تعلقات میں بگاڑ اور خرابی پیدا ہو جاتا ہے؛ اس لئے شریعت نے تعلقات کی برقراری اور اس کو قائم و دائم رکھنے کا ایک نسخہ یہ بتلایا کہ ان باتوں پر جوں کا توں یقین نہ کر لیا جائے، جب تک بات کی حقیقت معلوم نہ ہو اور ایسی حرکت کو بڑی برائی قرار دی گئی ہے کہ آدمی جو سنے بغیر جانچ کے کہتا پھرے "كفى بالمرء كذبًا ان يحدّث بكلّ ما سمع" (۳) آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے یہ کافی ہے کہ جو سنا اسے بولتا پھرے۔

---

(۱) الدر المنثور: ۵۵۸/۷، دار الفکر بیروت، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو ابو یعلی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں: الترغيب: الاكثار من ذكر الله، حديث: ۲۴۱۹

(۲) السنن الكبرىٰ: باب التثبت في الحكم: حديث: ۲۰۰۵۸، علجونی نے کہا ہے کہ: ابو حاتم کہتے ہیں کہ: اس کی سند میں سعید بن سماک ہیں جو متروک ہیں: كشف الخفاء: ۲۹۵/۱

(۳) مسلم: باب النهي عن الحديث بكلّ ما سمع، حديث: ۵

زبان کی حفاظت کی جائے

تعلقات میں بگاڑ اور خراب پیدا کرنے میں زبان کا بڑا اہم کردار ہوسکتا ہے، زبان کے بیجا، بے موقع، بے محل استعمال کرنے کی وجہ سے اس قدر لغزشیں سرزد ہوجاتی ہیں، اور اس قدر آفتیں آتی ہیں کہ شمار سے باہر، کیا صرف زبان کی لغزش دنیا کو تباہ برباد کردیتی ہے؟ نہیں؛ بلکہ آخرت کے بگاڑ کا بھی ذریعہ بنتی ہے، زبان کی غلطیاں اور لغزشیں یوں ہوتی ہیں کہ کسی کی غیبت کردی، چغلی کھالی، بیہودہ بات کردیا، بلاضرورت بول لیا، بغیر احتیاط کے ہر قسم کی بات کرلیا، بے حیائی کی باتیں کرلی، لڑائی جھگڑے کی بات کرلیا، گالی گلوچ کرلی، کسی پر لعنت بھیج دی، کسی کا مذاق اڑالیا، جھوٹا وعدہ کرلیا، جھوٹی قسم کھالی، دورُخی باتیں کرلی زبان کی یہ لغزشیں اور آفتیں ایسی ہیں کہ ان میں سے تنہا ایک چیز بھی تعلقات کے بگاڑ کا سبب بن سکتی ہے۔

اسی کو اللہ عز وجل نے یوں بتلایا ہے: لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِنْ نَجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ (۱) عام لوگوں کی سرگوشیوں میں خیر نہیں ہوتی، ہاں مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ خیرات کرلیا اور کسی نیک کام کی یا لوگوں میں باہم اصلاح کردینے کی ترغیب دیتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ عام لوگوں کی سرگوشیوں اور بیٹھکوں میں کوئی خیر اور اچھائی نہیں ہوا کرتی، اس طرح کی مجالس، چغلی، غیبت ایک دوسرے کی عیب جوئی اور برائی، شکوہ وشکایت پر مشتمل ہوتی ہیں، اس سے کوئی فائدہ تو نہیں ہوتا؛ بلکہ آپسی تعلقات کے بگاڑ کی شکل میں خرابیاں تو ضرور وجود میں آتی ہیں۔

---

(۱) النساء: ۱۱۴

اس امت کے حلال وحرام کو سب سے زیادہ جاننے والے صحابی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ نے بڑے اہتمام سے فرمایا: کیا میں تمہیں سارے دین کی بنیاد نہ بتاؤں؟ ”الا اخبرك بملاك ذلك كلّه“ پھر زبان کو پکڑ کر (جیسے کسی چھوٹے بچے کو سمجھایا جاتا ہے) فرمایا: ”كفّ عليك هذا“ اس کو لگام دے۔(۱)

ان ہی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم لوگ جو بولتے ہیں اس پر بھی مواخذہ ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تجھ پر تیری ماں روئے، انسان کو اوندھے منہ جہنم میں ڈالنے والی چیز صرف اس کی زبان کی کمائی ہے، ”ولا يكبّ النّاس في النّار الّا حصائد ألسنتهم“ (۲)

زبان کے فتنوں اور اس سے پیدا ہونے والی خرابیوں اور اس سے آخرت کے برباد ہونے کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر پڑی تو (دیکھا کہ) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ زبان کو کھینچ رہے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ کے خلیفہ! آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ ارشاد فرمایا: یہی زبان ہے جو مجھے ہلاکت کی جگہوں میں لے جاتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جو زبان کی بدگوئی اور تیزی کی شکایت نہ کرتا ہو ”ليس شيئ من الجسد يشكو ذرب اللسان على حدّته“ (۳)

زبان کی ان فتنہ سامانیوں کی وجہ سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم غیبت، بدگمانی، نکتہ چینی، فحش گوئی، سب وشتم اور لایعنی باتوں سے بالکل پرہیز کیا کرتے تھے۔

---

(۱) ترمذی: الایمان، حرمة الصلاة، حدیث: ۲۶۱۶، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔
(۲) ترمذی: حرمة الصلاة، حدیث: ۲۶۱۶، امام ترمذی نے کہا ہے کہ: اس کی سند حسن اور صحیح ہے۔
(۳) شعب الایمان: فصل في فضل السكوت عن كلّ مالا يعنيه، حدیث: ۴۹۴۷، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى: ۱۴۱۰ھ، علامہ ہیثمی نے فرمایا ہے کہ: اس کو ابو یعلی نے روایت کیا ہے، اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے موسیٰ بن محمد کے، ان کی ابن حبان نے توثیق کی ہے: مجمع الزوائد: باب ما جاء في الصمت وحفظ اللسان، حدیث: ۱۸۱۷۵

حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ بہت کم سخن تھے، ایک مرتبہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ: کوئی عمل ایسا بتا دیجئے جس کا میں التزام کروں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: اس پر قابو رکھیو، "أملك هذا واشار الى لسانه" وہ پہلے ہی سے کم سخن تھے، انہوں نے کہا کہ: یہ تو نہایت آسان کام ہے؛ لیکن ان کا بیان ہے کہ: جب میں نے اس پر عمل کرنا چاہا تو وہ نہایت دشوار معلوم ہوا۔ (۱)

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ کو چند نصیحتیں کیں، جن میں سے ایک یہ تھی کہ کسی کو برا بھلا نہ کہو، وہ فرماتے ہیں کہ: اس کے بعد میں نے انسان تو انسان اونٹ اور بکری کی نسبت سے نامناسب الفاظ استعمال نہیں کئے "فما سببت شيئا بعيرًا ولا شاة لا انسانًا منذ سمعت رسول الله نهى عن السب" (۲)

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اگر ان کی زبان سے کوئی سخت لفظ نکل جاتا تو اس پر سخت ندامت ہوتی، ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ کو ایک سخت کلمہ کہہ دیا جس پر ان کو سخت ندامت ہوئی، اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ سے کہا لو: تم بھی مجھ کو ایسا ہی کلمہ کہو، تاکہ بدلہ ہو جائے "فقال لی: يا ربيعة! رد علی مثلها حتى تكون قصاصا" انہوں نے کہا: میں ایسا نہیں کرسکتا، بولے: تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کروں گا، انہوں نے اب بھی انکار کیا، معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ سے کہا: تم نے بہت اچھا کیا؛ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ کیلئے استغفار کرو، انہوں نے ان کیلئے دعائے مغفرت کی تو وہ روتے ہوئے واپس آئے۔ (۳)

---

(۱) مجمع الزوائد: بابان فی الکلام والصمت: حدیث: ۱۸۱۴۸، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے دو سندوں سے ذکر کیا ہے، اس میں سے ایک سند جید ہے۔

(۲) المعجم الکبیر: سلیم بن جابر ابوجری الهیثمی: حدیث: ٦٣٨٨

(۳) مسند احمد: حدیث ربیعة بن کعب الاسلمی، حدیث: ١٦٦٢٧ مؤسسة قرطبة، القاهرة علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس میں مبارک بن فضالة ہیں، اور یہ حسن درجے کے ہیں اور اس کے باقیہ رجال صحیح ہیں: مجمع الزوائد: باب جامع فی فضل، حدیث: ١٤٣٢١

زبان کی بدگوئی اوراس کا بے لگام استعمال کس قدر نقصان کا باعث ہوتا ہے،اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ کس نے اپنے دوست کیلئے کھانا تیار کیا تھا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یا ابن عمر رضی اللہ عنہ، نے ایک باندی ان سب کے درمیان کھانا لگا رہی تھی کہ ان دونوں (ابن عباس یا ابن عمر رضی اللہ عنہم) میں سے کسی نے کہا: اے زانیہ! تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خاموش رہو، اگر اس عورت نے دنیا میں تم پر حد جاری نہیں کی تو آخرت میں ضرور تم پر حد جاری کرنے کا سبب بنے گی، (یعنی ابھی تو وہ باندی، خادمہ بے زبان اور مجبور ہے، نہ کچھ کہہ سکتی ہے اور نہ تہمت باندھنے کی حد (ستر کوڑے) لگوا سکتی ہے مگر قیامت میں تمہاری طرح آزاد ہوگی اور "مٰلك يوم الدين" کی عدالت ہوگی، وہاں اس بدزبانی اور تہمت کا لفظ "زانیہ" خالی نہیں جائے گا اور کہا: کبھی تم نے سوچا کہ اگر ایسا ہوا تو کیا ہوگا؟ کہا: اللہ تعالیٰ بے حیائی کرنے والے اور بے حیائی کی بات کرنے والے کو پسند نہیں کرتا "انّ الله لا يحبّ الفاحش المتفحش" (۱)

صبر وتحمل سے کام لیا جائے

اللہ عزوجل نے ہر انسان کی طبیعت اور مزاج الگ الگ بنائے ہیں، جس طرح ہر انسان کا چہرہ بالشت بھر کا ہے، اس میں آنکھ بھی ہے، ناک بھی، منہ بھی، کان بھی ہیں، رخسار بھی ہیں، اور تھوڑی بھی ہے، ہر انسان کے چہرے میں ان چیزوں کے ہوتے ہوئے بھی کسی دو انسانوں کا چہرہ سو فیصد ایک جیسا نہیں ہوتا، اسی طرح ہر انسان کا مزاج اور طبیعت بھی مختلف ہوتی ہے، طبیعتوں کے اس اختلاف کے ہوتے ہوئے جب چند انسان ایک ساتھ زندگی گذار رہے ہوں اور ایک ساتھ رہ رہے ہوں اور کبھی بھی ان میں سے ایک دوسرے کو

(۱) الأدب المفرد: باب ليس المؤمن بالطعان، حديث: ۳۱۰، مناوی نے اس کی سند کو جید کہا ہے: فيض القدير: ۲/ ۲۷۱

تکلیف نہ پہنچے، ایسا ممکن ہی نہیں، کبھی جسمانی تکلیف پہنچے گی، کبھی روحانی، کبھی نفسیاتی، اس پر اس آدمی کو اجر وثواب دیا جاتا ہے، چنانچہ اس بارے میں اس حدیث کو ملاحظہ کیجئے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان وہ ہے جو لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر بیٹھ گیا، لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی، مثلاً: وہ کسی مسجد میں یا مدرسہ میں یا عبادت گاہ میں بیٹھ گیا؛ تاکہ لوگوں سے سابقہ پیش نہ آئے اور یہ سوچا کہ میں تنہائی میں عبادت کرتا رہوں گا، دوسرا مسلمان وہ ہے جس نے تنہائی اختیار نہیں کی؛ بلکہ لوگوں سے ملا جلا رہا، لوگوں سے تعلقات بھی رکھے، رشتہ داریاں اور دوستیاں بھی ہیں اور ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بھی ہے اور ان کے ساتھ ہر قسم کے معاملات بھی کرتا ہے اور پھر ساتھ رہنے اور ان کے ساتھ معاملات کرنے کے نتیجہ میں لوگوں سے تکلیفیں بھی پہنچتی ہیں اور وہ لوگوں کی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے، فرمایا کہ یہ دوسرا مسلمان جو لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور ان کی تکلیف پر صبر کرتا ہے، یہ مسلمان بدرجہا بہتر ہے اس مسلمان سے جو لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے، جس کے نتیجہ میں اس کو تکالیف پر صبر کرنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی "المسلم اذا کان مخالطا النّاس ویصبر علی اذاھم خیر من المسلم الذی لایخالط الناس ولا یصبر علی اذاھم"(۱)

جب آدمیوں کے ساتھ رہنا بھی ہے تو ان سے تکلیف بھی پہنچے گی، اب اس پر صبر کرنا ہے، ورنہ لڑائیاں اور جھگڑے پیدا ہوں گے، اور آپ ﷺ نے اس بارے میں فرمایا:

"وانّ فساد ذات البین ھو الحالقة" (۲)

کیونکہ آپس کی نا اتفاقی دین کو مونڈ ھ دینے والی ہے، یعنی جیسے استرے سے سر کے بال ایکدم سے صاف ہو جاتے ہیں ایسے ہی آپس کی لڑائی سے دین ختم ہو جاتا ہے۔

---

(۱) ترمذی: صفة القیامة والرقائق والورع، حدیث: ۲۵۰۷، علامہ ابن حجر نے کہا ہے کہ: اس کو ابن ماجہ نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے: فتح الباری: باب الصبر فی الاذی: ۵۱۲/۱۰

(۲) ترمذی: فی فضل اصلاح ذات البین، حدیث: ۲۵۰۹ امام ترمذی فرماتے ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے

اس تکلیف سے بچنے کا ایک مسنون اور فطرت انسانی سے بہت قریب طریقہ یہ ہے کہ انسان یہ سوچے کہ کائنات میں کوئی چیز نکمّی نہیں ہے اور کوئی انسان تو کیا کوئی حیوان اور جمادات بھی ضرور کسی نہ کسی کام کے ہیں، ضرور ان میں کوئی نہ کوئی خوبی ہے مثلاً بیوی ہے تو اس سے پہنچنے والی تکلیف کے مقابلے میں اس سے حاصل ہونے والی راحت زیادہ ہے، اس کی خدمت، فرمانبرداری، بچوں کی دیکھ بھال، مہمانوں کی مہمان نوازی، شوہر کی ضروریات کا وقت پر پورا ہونا وغیرہ اور احسان کی مقدار زیادہ ہے، اس لئے کسی معمولی، وقتی واقعہ پر ان ساری خوبیوں سے آنکھ بند کر لینا کسی طرح انصاف نہیں ہوسکتا ہے، اسی کو حضور ﷺ نے یوں فرمایا: "لا یفرك مؤمن مؤمنة ان سخط منها خلقًا رضی منها آخر" (۱)

ایک صاحب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی بیوی کی شکایت کرنے لگے کہ اس میں فلاں فلاں عادت خراب ہے، حضور ﷺ نے اس سے فرمایا: "طلّقها" یعنی اگر اتنی خراب ہے کہ تمہارے لئے ناقابل برداشت ہے تو اسے طلاق دے دو، اس نے سوچا کہ اگر میں اسے طلاق دے دوں اور وہ چلی گئی تو مجھ پر کیا گذرے گی، اس لئے اس نے حضور ﷺ سے کہا: "لا اصبر علیها" یارسول اللہ ﷺ! اس کے بغیر صبر بھی نہیں آتا آپ ﷺ نے فرمایا: "امسکها" پھر اس کو روکے رکھو، یعنی جب اس کے اندر خرابی ہے؛ لیکن اس کے بغیر رہا بھی نہیں جاتا تو اس کا علاج اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ اس کو روکے رکھو اور اس کی خرابی کو برداشت کرو؛ البتہ اپنی طرف سے اس کی اصلاح کی جتنی کوشش تم سے ہوسکتی ہے کرو۔ (۲)

نبی کریم ﷺ نے عورتوں کے حوالے سے شوہروں کو صبر و ضبط کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: عورتوں میں کوئی بھلائی نہیں ہے اور نہ ان کے حوالے سے صبر و ضبط سے کام لیا جا سکتا ہے،

---

(۱) مسلم: کتاب الرضاع، باب الوصیة بالنساء، حدیث: ۱۴۶۹

(۲) السنن الکبری: ما یستدل علی قصر الآیة، حدیث: ۱۳۴۸، علامہ نووی فرماتے ہیں: منذری نے کہا ہے: اس حدیث کے سند کے رجال وہ ہیں جن سے صحیحین میں استدلال کیا گیا ہے: المجموع: ۲۲۰/۶۱

یہ نرم خو پر غالب آجاتی ہیں اور کمینے لوگ ان پر غالب آجاتے ہیں اور میں کمینہ بن کر ان پر غلبہ حاصل کرنا نہیں چاہتا "ولا أحبّ أن أكون لئيمًا غالبا" (۱)

الغرض اجتماعی زندگی میں صبر وضبط اور تحمل اور برداشت کی بھی بے انتہا ضرورت ہوتی ہے، کبھی کسی سے ناچاقی اور نا اتفاقی کی بات ایسی ہو جاتی ہے کہ آدمی کنٹرول سے باہر ہو جاتا ہے، بے قابو ہو کر مار دھاڑ توڑ پھوڑ پر تل آتا ہے، یہ وقتی اور عارضی غصہ بڑے بڑے فتنوں کا باعث بن جاتا ہے، ایسے وقت میں صبر وضبط سے کام لیا جائے، جو بھی قدم اٹھائے سوچ سمجھ کر اٹھائے، ایسی حالت میں یہی ایک چارۂ کار اور صورت وہ ہوتی ہے جو آپسی تعلقات کے بگاڑ سے بچاتی ہے، ارشادِ خداوندی ہے: وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (۲) اور جو شخص صبر کرے اور معاف کردے یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ غصہ کو پی جانا اور تکلیف پر صبر و برداشت سے کام لینا، اپنے فریق کو معاف کرنا یہ بڑے عزم اور حوصلہ کی بات ہے، اللہ عز وجل نے ایسے شخص کو بڑے عزم وحوصلہ والا قرار دیا ہے جو مصائب اور تکالیف پر صبر وضبط سے کام لیتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جو انہیں بے شمار تکالیف سے دوچار کیا اور ان کے قتل کے درپے ہوئے، ان کے اور ان کے والد کے صبر وضبط پر اللہ عز وجل نے ان کو تختِ شاہی پر بیٹھا کر بھائیوں کو محتاج اور کنگال بنا کر اپنی ضرورت کو لے کر ان کے پاس آنے پر مجبور کیا، اسی کو اللہ عز وجل یوں فرمایا: "مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (۳) جو شخص گناہوں سے بچتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

اسی کو روایت میں یوں فرمایا گیا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(۱) روح المعانی: ۲/۶۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت
(۲) الشوری: ۴۳ (۳) یوسف: ۹۰

فرمایا: طاقتور وہ نہیں جو دوسروں کو پچھاڑ دے؛ بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے"انّما الشدید الذی یملك لنفسه عندالغضب" (۱)

ایک بڑی فضیلت ایسے لوگوں کیلئے یہ ہے کہ روزِ محشر جب اولین وآخرین کو جمع کیا جائیگا، تو ایک منادی پکارے گا،"این أهل الفضل؟ " اہل فضل کہاں ہیں؟ تا کہ وہ جنت میں بلاحساب وکتاب داخل ہوں تو ایک چھوٹی جماعت کھڑی ہوگی تو فرشتے ان سے کہیں گے: اے بنی آدم! کہاں جارہے ہو؟ وہ کہیں گے: جنت میں، فرشتے پوچھیں گے: حساب سے پہلے؟ وہ جماعت کہے گی: ہاں، وہ پوچھیں گے: تم کون ہو؟ وہ جواب دیں گے: ہم اہل فضل ہیں، فرشتے پوچھیں گے: تمہاری کیا فضیلت ہے، وہ جواب دیں گے:" کنّا اذا ظلمنا صبرنا واذا أسیئ الینا غفرنا، واذا جهل علینا حملنا" جب ہم پر ظلم کیا جاتا تو ہم صبر کرتے، اور جب ہمارے ساتھ بدسلوکی کی جاتی تو ہم بخش دیتے، اور جب ہم سے بے رخی کی جاتی تو ہم برداشت کرتے تو ان سے کہا جائے گا: جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (۲)

اور ایک جگہ ارشادِ باری ہے"اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ"(۳) یعنی اللہ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرماتے ہیں۔

اور فرمایا:"وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ"(۴) یہ صبر کرنے والا بڑا نصیب والا ہوتا ہے۔

پھر فرماتے ہیں:"جَزَاءُ سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا" کے اصول کے مطابق بدلہ لینے کا ارادہ کر چکے ہو تو اس سے بھی بہتر صبر کرنا ہے "وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ" (۵) یعنی اگر صبر کرو گے تو صبر کرنا بدرجہا بہتر ہے، صبر کرنے والوں کیلئے) چنانچہ بجائے تھپڑ مارنے والے کو تھپڑ مارنے کے اس کو معاف کر کے اجرِ آخرت کے مستحق ہو جاؤ۔

---

(۱) مسلم: باب فضل من یملك نفسه عند الغضب: ۶۸۰۹

(۲) شعب الایمان فصل فی التجاوز والعفو: حدیث: ۸۰۸۶، بیہقی نے کہا ہے کہ: یہ متن غریب ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

(۳) القصص: ۸۰ (۴) الزمر: ۱۰ (۵) نحل: ۱۲۶

نبی کریم ﷺ کے پاس ایک وفد آیا، حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ جو اس وفد کے ایک فرد تھے کہتے ہیں کہ: ہم سات لوگ خدمتِ اقدس ﷺ میں حاضر ہوئے، ہم نے حضور ﷺ کے دریافت کرنے پر کہ تم کس وصف پر ہو؟ تو ہم نے کہا: صفتِ ایمان پر، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ ہم نے کہا: پندرہ اوصاف ہیں، پانچ کا حکم تو آپ ﷺ نے ہم کو دیا، پانچ چیزیں ہمیں آپ ﷺ کے بھیجے ہوئے لوگوں نے بتلائی، اور پانچ چیزیں جس سے ہم زمانۂ جاہلیت سے متصف ہیں، اس میں سے وہ پانچ چیزیں جن سے ہم پہلے ہی سے متصف تھے اس کا ذکر انہوں نے یوں کیا، "الشكر عند الرخاء، والصبر عند البلاء، والصدق في مواطن اللقاء، والرضا بمرّ القضاء، ترك الشماتة اذا حلت بالأعداء" خوشحالی میں شکر گذاری، مصیبتوں میں صبر وضبط، جنگ کے موقع پر ثابت قدمی، تقدیر پر رضامندی اور دشمن کی مصیبت کو دیکھ کر بھی خوش نہ ہونا۔

آپ ﷺ نے ان کے ان اوصاف حمیدہ اور فضائل کی وجہ سے فرمایا: "فقهاء، أدباء، كادوا ان يكونوا أنبياء من خصال ما أشرفها" قریب تھا کہ یہ اپنے ان اعلیٰ صفات کی وجہ سے نبی ہو جاتے، پھر آپ ﷺ نے ان کو مزید پانچ چیزوں کی نصیحت فرمائی، تفصیلی روایت ہے۔(۱)

صبر کا بدلہ

☆ محمد ابن الحسنؒ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ: میں کوفہ میں قید تھا، قید و بند کی حالت میں میرا غم اور اندیشہ بہت بڑھ گیا تھا اور قریب تھا کہ غم کی وجہ سے میری روح نکل جاتی، اور زمین اپنی کشادگی اور وسعت کے باوجود میرے لئے تنگ نظر آ رہی تھی، تو ایک شخص جن پر عبادت و ریاضت کے آثار نمایاں تھے مجھے نظر آئے اور میرے غم واندوہ کو دیکھا تو فرمایا: تمہاری یہ حالت کیسی؟ میں نے ان کو یہ تمام قصہ کہہ سنایا، تو فرمایا: صبر کرو، صبر کرو "اصبر اصبر"

---

(۱) حلية الأولياء: عطاء بن ميسرة، ۵/۲۰۷

کیوں کہ حضور ﷺ سے مروی ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ: صبر غموں کا پردہ اور مصائب پر مددگار ہوتا ہے، آپ ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ صبر ایک سواری ہے جو مخالفت نہیں کرتی اور ایسی تلوار ہے جو کند نہیں ہوتی۔(۱)

اس نصیحت کے بعد وہ چلے گئے تو میں نے ان کے متعلق دریافت کیا تو کسی کو بھی ان سے معرفت اور پہچان کا پتہ نہیں چلا اور نہ ہی کسی نے ان کو اس سے پہلے کوفہ میں دیکھا تھا، میں اسی دن جیل سے رہا کیا گیا، مجھے ان کی بات سے بہت خوشی ہوئی اور میں نے اس سے بے انتہا فائدہ محسوس کیا اور مجھے یہ خیال ہوا کہ: ہوسکتا ہے کہ یہ ابدالوں اور نیک لوگوں میں سے ہوں "ووقع فی نفسی أنّه من الأبدال الصالحين" (۲)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ: میں مقام واسط میں تھا، میں نے ایک شخص کو دیکھا ایسے لگتا تھا کہ اسے قبر سے کھود کر نکالا گیا ہو، میں نے اس سے کہا: تیری یہ حالت کیسی؟ تو اس نے کہا: میں اپنے معاملہ کو چھپاتا ہوں، مجھے حجاج بن یوسف نے تین سال جیل میں قید کیے رکھا، میری نہایت ابتر حالت تھی، اور وہ میری زندگی کے بے انتہا برے دن تھے، اور میں نہایت کٹھنائی اور گھٹن محسوس کر رہا تھا، اس کے باوجود میں نے صبر کے دامن کو تھامے رکھا ہوا تھا، کل ہی میرے ساتھ کی ایک جماعت کو جیل سے نکال کر ان کی گردن زدنی کی گئی تھی، اور بعض جیلروں نے مجھ سے کہا تھا کہ: کل تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا، مجھے بہت زیادہ رونا آیا، اللہ عزوجل نے میری زبان پر یہ کلمات جاری کر دیئے، "الٰهی اشتدّ الضرّ، وفقد الصبر وأنت المستعان" پھر رات کا بیشتر حصہ گذر گیا، تو مجھ پر غشی طاری ہوگئی، میں ابھی سونے اور جاگنے کی درمیانی حالت میں تھا کہ ایک شخص میرے پاس آئے اور کہا: اٹھو اور دو رکعت نماز پڑھو اور یوں کہو: "يا من لا يشغله شيئ عن شيئ، يا من أحاط علمه بما ذرأ وبرأ وأنت عالم بخفيات الأمور ومحصي وساوس الصدور وأنت بالمنزل الأعلى، وعلمك محيط بالمنزل الأندى،

(۱-۲) قصص العرب: ۱/ ۱۵۰، دار الكتب العلمية، بيروت

تعالیت علوا کبیرا ، یا مغیث اغثنی وفكّ أسری واکشف ضری فقد نفد صبری "(۱) میں اسی وقت کھڑا ہوا اور وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور ان سے سنی ہوئی دعا کو پڑھا اور ایک کلمہ بھی اس میں مجھ سے رہ نہیں گیا، میرے یہ کلمات ابھی ختم بھی نہیں ہوئے تھے کہ میرے پیر کی بیڑیاں اور بندھن ٹوٹ کر گر گئے، اور میں نے جیل کے دروازوں کو کھلا ہوا پایا، میں جیل سے نکل گیا، میں اللہ عزوجل کا آزاد کردہ شخص تھا، اللہ عزوجل نے صبر کے بدلہ مجھے یہ بدل عطا کیا اور مجھے اس تنگی سے کشادگی عنایت کی۔

☆ حجاج بن یوسف نے ایک شخص کو جیل سے نکال کر لانے کو کہا، جب وہ اس کے سامنے آموجود ہوا تو اس کی گردن زدنی کا حکم صادر کیا، اس شخص نے کہا: میرا معاملہ ایک دن کیلیے مؤخر کردیجیے، اس نے کہا: ایک دن تک تمہارے معاملہ کو مؤخر کیا جاسکتا ہے، لیکن تمہیں اس سے کشادگی اور آسانی کہاں مل سکتی ہے؟ پھر اس کو جیل میں لوٹانے کا حکم دیا، حجاج نے اس کو جیل میں یہ شعر کہتے ہوئے سنا :

عسی فرج یأتی به الله انّه   له کلّ یوم فی خلیقته أمر

ممکن ہے کہ اللہ عزوجل قریب ہی کوئی کشادگی اور آسانی لے آئے، چونکہ اس کے یہاں ہر دن اپنی مخلوق میں ایک معاملہ طئے ہوتا ہے۔ حجاج نے کہا: اس نے یہ بات اللہ عزوجل کے اس ارشاد سے اخذ کی ہے " کُلَّ یَوۡمٍ هُوَ فِیۡ شَاۡنٍ " (۲) پھر اس کے رہائی کا حکم جاری کردیا۔(۳)

☆ خلیفہ معتمد کے بعض مصاحبوں اور ہم نشینوں نے بتلایا کہ ہم ایک رات معتمد کے یہاں تھے، اونگھ کی وجہ سے اس کا سر ڈھل گیا، پھر اس نے کہا: میں تھوڑی دیر آرام کر لیتا ہوں تم یہیں رہو، اس نے چند ایک غراٹے لئے، پھر گھبرا کر اٹھ بیٹھا، اور کہنے لگا: جیل جاؤ

---

(۱) قصص العرب: ۱/۱۵۰، دار الکتب العلمیة، بیروت
(۲) الرحمٰن: ۲۹
(۳) قصص العرب: ۱/۱۵۰، دار الکتب العلمیة، بیروت

اور جا کر منصور الجمال کو لے آؤ، وہ اس کو لے کر آئے، اس نے ان سے کہا: تم کتنے سال سے جیل میں ہو؟ انہوں نے کہا: ڈیڑھ سال سے، اس نے کہا: کس غلطی کی پاداش میں؟ انہوں نے کہا: میرا نام جمال ہے، میں موصل کا رہنے والا ہو، میرے اپنے شہر میں کمائی اور کسبِ معاش کے ذرائع کے مہیا نہ ہونے کی وجہ سے میں نے اس شہر کا رخ کیا تھا، میں نے فوجیوں کی ایک جماعت کو دیکھا کہ انہوں نے چند بدحال اور بدقماش لوگوں کو گرفتار کیا ہوا ہے، یہ کل پندرہ اشخاص تھے، ان کو فوجیوں نے ڈاکہ زنی کے جرم میں گرفتار کیا ہوا تھا، ان میں سے ایک شخص نے کچھ رشوت دے کر اپنے آپ کو آزاد کرا لیا، انہوں نے اس کی جگہ تعداد کو مکمل کرنے کیلئے مجھ کو پکڑ لیا، اور میرا اونٹ بھی لے لیا، میں نے ان کو اللہ کی قسم دی، انہوں نے مجھے رہا کرنے سے انکار کر دیا، میں اور بقیہ چودہ لوگ قید میں ڈال دیئے گئے، ان میں سے کچھ تو چھوٹ گئے اور کچھ لوگ وہیں مر گئے، اور میں اکیلا رہ گیا، معتمد نے ان کو پانچ سو درھم دیئے اور ان کیلئے ہر ماہ تیس دینار وظیفہ طئے کیا، اور کہا: اس کو ہمارے اونٹ پر بٹھاؤ، پھر کہا: کیا تمہیں پتہ ہے کہ میرے اس عمل کی کیا وجہ ہے؟ ہم نے کہا: نہیں، کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو (خواب میں) یہ کہتے ہوئے سنا کہ منصور جمال کو جیل سے رہا کردو، اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرو " اطلق منصور الجمال من السجن وأحسن اليه " (۱)

صبر کے فائدے

۱- بندہ یہ سمجھے کہ اللہ عزوجل بندوں کے افعال کا خالق ہے، کوئی بھی چیز اللہ عزوجل کی مشیت اور ارادے کے بغیر حرکت نہیں کر سکتی، جب بندہ یہ تصور کرے گا جس کسی مصیبت اور پریشانی سے وہ دوچار ہوگا اس سے اس کو راحت اور آرام مل جائے گا۔

۲- اپنے گناہوں کا استحضار کرے، اور یہ تصور کہ اللہ عزوجل نے جو مصائب بھی اس پر ڈالے ہیں وہ اس کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہیں، ارشادِ باری عزوجل ہے " وَمَآ أَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ " (۲)

---

(۱) قصص العرب: ۱/۱۶۶، دار الكتب العلمية، بيروت (۲) الشورى: ۳۰

جب بندہ یہ تصور کرے گا تو مصیبت کی یہ گھڑیاں اس کیلئے آسانی اور سہولت کا باعث ہو جائیں گی۔

۳- بندہ اللہ عز وجل نے درگذر کرنے اور صبر وضبط سے کام لینے پر جو اجر وثواب کا وعدہ کیا ہے، اس کا تصور کرے، ارشادِ باری عز وجل ہے "جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ "

۴- بندہ یہ سوچے کہ جب یہ معافی تلافی سے کام لے گا اور اچھا برتاؤ اور سلوک کرے گا تو اس کے تئیں لوگوں کے دل میں محبت وعقیدت پیدا ہوگی، اور خود اسکو درگذر کرنے اور معاف کرنے کی حلاوت ولذت کا احساس ہوگا، اور اس کو معاف کرنے پر دل کی طمانیت اور سکون کی شکل میں جو فائدہ حاصل ہوگا وہ بدلہ اور انتقام لینے سے بڑھ کر اور بہتر ہوگا اور خود یہ اللہ عز وجل کے اس ارشاد میں داخل ہو جائیگا" وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ" اور یہ اللہ کا محبوب بن جائے گا۔

۵- اور ایک چیز جو بندہ کو صبر وضبط پر آمادہ کرے گی وہ یہ ہے کہ وہ یہ یقین کرے کہ جب کبھی بھی اس نے اپنی ذات اپنے نفس کیلئے انتقام لیا ہے تو اس کی وجہ سے اس کو ذلت کا سامنا کرنا پڑا ہے اور جب بھی اس نے معافی تلافی سے کام لیا ہے تو اس کی عزت وعظمت میں اضافہ ہوا ہے اور اسی کو نبی کریم ﷺ نے یوں فرمایا:" وما زاد اللّٰہ عبدًا بعفو الا عزًا " (۱) اور اللہ عز وجل نے معافی تلافی سے بندہ کی عزت میں اضافہ ہی کیا ہے۔

۶- بندہ یہ سوچے وہ دوسرے کے ساتھ جیسا سلوک روا رکھے گا خود اس کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کیا جائے گا، جو لوگوں سے عفو ودرگذر سے کام لے تو اللہ عز وجل بھی اس کو معاف کرے گا۔

---

(۱) مسلم: باب استحباب العفو، حدیث: ۲۵۸۸

۷- اور ایک چیز جو بندہ کو آمادۂ عفو و درگذر کر سکتی ہے وہ یہ ہے کہ: بندہ یہ جانے کہ اگر وہ اپنے دل کو انتقام اور بدلہ لینے کی آگ میں جائے رکھے گا تو اس میں اس کا وقت بھی ضائع ہوگا اور اس کا دل بھی اس میں مشغول ہوگا، اور یہ دردِ سری اس کے حق میں ان کے ظلم سے زیادہ پریشان کن ہوگی، اگر معاف کردے اور درگذر سے کام لے تو اس کا دل بھی فارغ ہو جائے اور وقت کا ضیاع بھی نہ ہوگا۔

۸- حضور ﷺ نے اپنی ذات کیلئے کبھی بدلہ نہیں لیا، حالانکہ آپ کو تکلیف دینا یہ براہِ راست اللہ عز و جل کو تکلیف دینا ہے، حالانکہ حضور ﷺ کی ذات سب سے زیادہ باعزت، برتر و بالا ذات ہے، جب آپ ﷺ نے اپنے لئے انتقام نہیں لیا تو ہماری ذات آپ کی ذات کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتی ہے کہ اس کیلئے انتقام لیا جائے۔

۹- جب اس کو اللہ کی راہ میں تکلیف دی جارہی تو اس پر صبر و ضبط سے کام لینا ہی چاہئے، چونکہ جس کا نقصان اللہ کی راہ میں ہورہا ہے اس کا بدل بھی اللہ ہی عنایت کرے گا۔

۱۰- بندہ اللہ کی معیت اور ساتھ ہونے کا تصور رکھے، اور صبر پر اس کی محبت کا گمان رکھے، اللہ عز و جل کا ارشادِ گرامی ہے کہ : " وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ " اور اللہ عز و جل کا یہ بھی ارشاد ہے کہ : " وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ "

۱۱- اور یہ گمان کرے کہ صبر یہ نصفِ ایمان ہے اور صبر کرنے پر اس کا نصفِ ایمان محفوظ و مامون ہو جائے گا۔

۱۲- اور یہ تصور کرے کہ اس کا صبر کرنا یہ اس کے نفس پر غلبہ پانے اور اس کو مغلوب کرنے کی تدبیر ہے، اور جب اس طرح نفس اس کے قابو میں آجائیگا تو اس کی ہلاکت خیزیوں سے محفوظ رہا جاسکے گا۔

۱۳- اسے یہ علم ہونا چاہئے کہ اگر وہ صبر و ضبط سے کام لے تو اللہ عز و جل اس کا ناصر و مددگار ہوگا، چونکہ اللہ عز و جل اس کا مددگار ہوتا ہے جو صبر سے کام لیتا ہے، اور جو اپنی ذات کیلئے انتقام لے گا تو اللہ عز و جل اس کو اس کے نفس کے حوالے کردیں گے اور خود اس کو

اپنی مدد کرنی ہوگی، جو اللہ عزوجل کی عظیم ذات کی مدد چھوڑ کر اپنی حقیر ذات کی مدد کا متمنی ہوگا اس سے بڑھ کر کمزور کون ہوسکتا ہے۔

۱۴- اگر یہ اس کے مقابل جو اس پر ظلم وستم کرتا ہے صبر وضبط سے کام لے گا تو اس کا مدِّ مقابل اس پر ظلم سے باز آجائے گا، اور یہ سلوک ورویہ اس کی ندامت وشرمندگی کا باعث ہوگا اور وہ مارے شرمندگی اور حیاء کے اپنے ظلم وستم سے باز آجائے گا، بلکہ اس کا دوست اور ناصر ومددگار بن جائے گا، اللہ عزوجل کا ارشادِ گرامی ہے ""اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ، فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ، وَمَا یُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ " (۱) آپ (مع اتباع) نیک برتاؤ سے (بدی کو) ٹال دیا کیجیے پھر یکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہوجاوے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے اور یہ بات انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے مستقل (مزاج) ہیں اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحبِ نصیب ہے۔

۱۵- بسا اوقات صبر وضبط سے کام لینے کے انتقام اور بدلہ یہ مزید بگاڑ اور فساد کا ذریعہ بن سکتا ہے، اس کا مدمقابل اور زیادہ زور میں آسکتا ہے اور یہ آپس کی انتقام کی آگ بھڑکتے بھڑکتے بہت بھیانک رخ اختیار کرسکتی ہے اور اس کی زد میں بہت ساری جانیں اور مال جائیداد وغیرہ بھی آسکتے ہیں۔

۱۶- جو شخص انتقام کا عادی ہوتا ہے،، اور صبر وضبط سے کام نہیں لیتا تو اس کا ظلم وزیادتی میں واقع ہونا یقینی ہے، چونکہ دل انتقام میں برابری پر راضی نہیں ہوتا، اور جذبۂ انتقام میں آدمی اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے اور اس کو اپنے کیے پر اور اس کے انجام کی کوئی پروا نہیں ہوتی، اب وہ جذبۂ انتقام میں اس قدر حد سے تجاوز کرجاتا ہے کہ ابھی وہ مظلوم تھا ظالموں کی فہرست میں شامل ہوجاتا ہے۔

---

(۱) فصلت: ۳۵

۱۷- اور جو اس پر جو ظلم ہوتا ہے، یا تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے یا اس کے رفع درجات کا سبب بنتا ہے، جب وہ انتقام لیتا ہے اور صبر سے کام نہیں لیتا تو یہ گناہوں کے کفارہ اور رفع درجات کا موقع ہاتھ سے چلا جاتا ہے۔

۱۸- اس کے اپنے مدمقابل اور فریق کو معاف کرنا یہ اس کیلئے اپنے فریق کے مقابل بڑی کامیابی ہوگی، چونکہ جو شخص صبر وضبط سے کام لیتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کا فریق ذلت، خوف وڈر محسوس کرتا ہے، اور اگر یہ اپنے دشمن پر خاموش بھی رہے تو لوگوں کی ہمدردی اس کے دشمن کے مقابل اس کے ساتھ ہی رہے گی، اگر یہ انتقام لے گا تو پھر لوگوں کی اس کے ساتھ ہمدردی ختم ہو جائے گی۔

۱۹- اگر وہ اپنے دشمن کو معاف کردے گا، اس کے مدمقابل اس کو اپنے سے برتر گمان کرے گا، اور معاف کرنے کو کامیابی گمان کرے گا، اور معاف کرنے سے اس کو اپنے مدمقابل کے خلاف کامیابی اور فتح وکامرانی مل جائے یہی تو کافی ووافی ہے۔

۲۰- جب یہ معافی تلافی سے کام لے گا تو ایک نیکی ہوگی اور نیکی نیکی کو جنم دے گی اور نیکیوں کا سلسلہ آگے چلتا رہے گا۔

صبر وشکر دونوں جنت میں داخلے کی وجہ بنتے ہیں

صابر وشاکر دونوں جنت کے مستحق ہوتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اسی پر تعجب اور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: "عجبًا لأمر المؤمن انّ أمره كلّه خير وليس ذلك أحد الّا لمؤمن ان اصابته سرّاء فشكر فهو خير له وان اصابته ضرّاء فصبر وهو خير لـه" (۱) مومن کا معاملہ بڑا ہی تعجب خیز ہے اور یہ بات صرف مومن ہی کے ساتھ خاص ہے کہ اگر اسے خوشی پہنچتی ہے اور وہ اس پر شکر کرتا ہے تو وہ بھی اس کے حق میں خیر اور بھلائی کا سبب بنتا ہے اور اگر اسے تکلیف پہنچتی ہے اور وہ اس پر صبر کرتا ہے تو بھی اس کے حق میں خیر اور بھلائی کی وجہ بنتا ہے۔

(۱) مسلم: باب المؤمن أمره كلّه خير، حديث: ۲۹۹۹

شکر گذار شوہر اور صابر بیوی کا یہ واقعہ بھی میاں بیوی کی اچھی معاشرت اور ان کے آپسی تعلقات کو سنوارنے میں بڑا کردار ادا کرسکتا ہے۔

☆ حضرت عمران بن حطانؒ ایک دن اپنی بیوی کے پاس آئے، عمرانؒ بوڑھے، سپاٹ شکل، پست قد شخص تھے، ان کی بیوی نے آرائش وزیبائش کیا ہوا تھا، وہ نہایت خوبصورت تھیں، جب عمرانؒ کی نظر اپنی بیوی پر پڑی تو وہ اس کے حسن اور خوبصورتی کی وجہ سے اسے مسلسل دیکھتے رہے، بیوی نے کہا: ہم دونوں جنت کے مستحق ہیں، تو میں نے کہا: تمہیں اس کا پتہ کیسے چلا؟ اس نے کہا: چونکہ تمہیں مجھ جیسی حسین عورت ملی ہے تو تم شکر کرتے ہو، اور میں تم جیسے شوہر سے آزمائش میں مبتلا کی گئی تو میں اس پر صبر کرتی ہوں اور صابر وشاکر دونوں جنت کے مستحق ہوتے ہیں" لانّك اعطیت مثلی فشکرت وابتلیت بمثلك فصبرت والصابر والشاکر فی الجنة " (۱)

☆ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا، جب اس کے پاس گیا تو وہ چیچک زدہ تھی، تو وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھ کی کسی بیماری کا اظہار کیا اور کہا کہ میری آنکھیں اندھی ہوگئیں ہیں پھر وہ عورت بیس سال ان کے ساتھ رہنے کے بعد انتقال کر گئی اور اسے یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ اس کی اس کمی پر صبر کررہے تھے، ان سے جب اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: میں اس کو اس کی اس بیماری دیکھنے پر غم زدہ کرنا نہیں چاہتا تھا، " کرھت أن یحزنھا رؤیتی لما بھا " (۲)

☆ محمد بن نعیم الضبیؒ کہتے ہیں: میں نے اپنی ماں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ابوعثمانؒ کی بیوی مریم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: میری ایک دفعہ ابوعثمانؒ سے تنہائی ہوئی، میں نے موقع کو غنیمت جانا، میں نے پوچھا: ابوعثمان! تمہارا کونسا عمل تمہارے یہاں لائق امید نجات ہے، تو انہوں نے کہا: اے مریم! جب میں جوان ہوا تو میں اس وقت مقام "ریّ" میں تھا، وہاں کے

---

(۱) تاریخ دمشق، ذکر من اسمه عمران: ۴۹۱/۴۳، دار الفکر، بیروت

(۲) مدارج السالکین: فصل "من منازل ایاك نعبد وایاك نستعین: ۳۴۲/۲، دار الکتاب العربی، بیروت"

باشندے مجھ سے شادی کا مطالبہ کر رہے تھے اور میں منع کر رہا تھا، میرے پاس ایک عورت آئی، اس نے کہا: اے ابو عثمان! میں تم سے ایسی محبت کرتی ہوں کہ جس کی وجہ سے میری نیند اور میرا قرار جاتا رہا ہے، میں دلوں کے پھیرنے والے اور اس کے واسطہ سے تم سے سوال کرتی ہوں کہ تم مجھ سے نکاح کرلو، میں نے کہا: کیا تیرے والد محترم ہیں، اس نے کہا: ہاں ہیں فلاں درزی، فلاں جگہ رہتے ہیں، میں نے اس کے باپ کو پیغام بھیجا کہ اپنی لڑکی کا نکاح مجھ سے کردیں، وہ اس سے بے انتہا خوش ہوگیا، لڑکی نے گواہ لے آئے، میں نے اس سے نکاح کیا، جب میں اس کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ اندھی اور بدصورت ہے، "فلمّا دخلتُ بها وجدتّها عوراء مشوّهة الخلق" میں نے کہا: اے اللہ! تیرے ہی لئے تعریف ہے اس پر جو تو نے اس کو میرے مقدر فرمایا، میرے گھر والے مجھے لعنت ملامت کرنے لگے، میں اس کی بے انتہا تکریم اور تعظیم کرتا، چنانچہ وہ مجھے اپنے پاس سے جانے بھی نہیں دے رہی تھی، میں نے اس کی رضا اور خوش نودی کیلئے مجلس میں حاضر ہونا بھی چھوڑ دیا، میں اس کے ساتھ اس طرح پندرہ سال رہا، مجھے بسا اوقات ایسے لگتا کہ میں انگاروں پر ہوں، میں اس بے چینی کا اظہار اس سے بالکل نہیں کرتا، یہاں تک وہ اس دنیا سے چل بسی، میرے پاس اس سے زیادہ امید افزا عمل کوئی نہیں ہے۔(۱)

شکر کے فائدے

لغت میں شکر کے معنی ہیں کھولنا، ظاہر کرنا، جب کوئی شخص ہنسی کے وقت اپنے دانتوں کو ظاہر کردے تو عربی میں کہتے ہیں شکر و کشر، پس نعمتوں کا تذکرہ اور ان کو مشہور کرنا، پھیلانا اور زبان سے ان کا شمار کرنا ظاہری شکر ہے اور باطنی شکر یہ ہے کہ اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا کر منعم حقیقی کی اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔(۲)

شکر کرنے کے بڑے فائدے ہیں: ایک تو یہ کہ وہ نعمت باقی رہتی ہے جس کا شکر ادا کیا جائے

(۱) تاریخ بغداد: ذکر من اسمه سعید: ۱۰۱/۹، دار الکتب العلمیة، بیروت
(۲) عوارف المعارف: ۲۶۰، اپنی اصلاح کا مکمل نصاب: ۱۳۹

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ زیادہ نعمت عطا فرماتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”لئن شکرتم لأزیدنّکم“ تیسرے: شکرادا کرنے والے سزا سے محفوظ رہیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”مَا یَفۡعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمۡ اِنۡ شَكَرۡتُمۡ وَاٰمَنۡتُمۡ“ (یعنی اگر تم شکر کرو، اور ایمان لے آؤ تو اللہ تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا؟ (۱)

سب سے زیادہ صبر کرنے والی ذاتِ خداوندی ہے

دنیا میں انسانوں کی اکثریت اللہ کی نافرمان ہے، فسق وفجور میں مبتلا ہے، شرک اور کفر ہو رہا ہے؛ یہاں تک کہ اللہ کے وجود تک کا انکار کیا جارہا ہے، اللہ عز وجل کے پیمانۂ صبر کو دیکھئے پھر بھی ہر شخص کو رزق عنایت فرمارہے ہیں؛ بلکہ بعضے نافرمان کو فرمانبردار کے مقابل زیادہ رزق اور وسعت وکشادگی دے رکھی ہے، کیا اللہ عز وجل سے بھی زیادہ کوئی صبر کرنے والا ہے، اسی کو حدیث میں یوں فرمایا گیا: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کائنات میں کوئی بھی ذات دوسرے سے پہنچنے والی تکلیف پر اتنا صبر کرنے والی نہیں، جتنی اللہ جل شانہ کی ذات صبر کرنے والی ہے، وہ اللہ کیلئے لڑکا تک ٹھہراتے ہیں پھر بھی وہ ان کو معاف کر دیتا ہے ”ما أحد أصبر علی أذی سمعه من الله یدعون له الولد ثمّ یعافیهم ویرزقهم“ (۲)

مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کیلئے بیٹا مانتے ہیں جیسے عیسائی کہتے ہیں کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں (معاذ اللہ) بعض یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا دیا، بعض مشرکین نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا، بہت سے لوگوں نے پتھروں کو، درختوں کو؛ یہاں تک کہ جانوروں کو گائے، بیل کو، سانپ، بچھو کو خدا ماننا شروع کر دیا، اللہ عز وجل کے ساتھ شرک وکفر اور اس کی حکم عدولی اور نافرمانی کے باوجود اللہ عز وجل سب برداشت کر رہے ہیں۔

---

(۱) اپنی اصلاح کا مکمل نصاب: ۱۴۳

(۲) بخاری: کتاب التوحید، باب قول الله تعالی: انّ هوالرزاق ذوالقوّة المتین: حدیث: ۶۹۴۳

اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: " تخلقوا باخلاق اللّٰه "(۱) اللہ کے اخلاق کو اختیار کرو۔

مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کے اخلاق حاصل کرنے اور ان کو اپنانے کی کوشش کرو، گرچہ سو فیصد تو حاصل نہیں ہوسکتے؛ (اور نہ ہر صفت کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے)؛ لیکن اس بات کی کوشش کرو کہ وہ اخلاق تمہارے بھی اندر آجائیں۔

نرمی سے مسئلہ حل ہوتا ہے

مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی ناگوار بات کے سننے یا کسی ناگوار واقعہ کے پیش آنے پر فوراً جذبات کی رَو میں بہہ کر اس کا ردِ عمل ظاہر نہ کردیں؛ بلکہ نرمی سے کام لیں، وقتیہ جذبات بڑے نقصان کے باعث ہوتے ہیں اور اس کی وجہ سے بنے بنائے کام بگڑ جاتے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس چیز میں نرمی ہوتی ہے تو وہ اسے رونق و زینت بخشتی ہے، اور جس چیز سے نرمی نکل جاتی ہے تو اس کو عیب دار کردیتی ہے " انّ الرفق لا یکون فی شیئ الّا زانہ ولا ینزع من الّا شانہ " (۲)

ایک دفعہ کا واقعہ ہے جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں، کچھ یہودی حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کو انہوں نے سلام کیا، اور شرارتاً سلام کے لام کو حذف کرکے ان لوگوں نے کہا:"السام علیکم" یعنی (تمہاری موت واقع ہو) (نعوذ باللہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر کہا: " وعلیکم ولعنکم اللّٰه " تم پر ہی موت واقع ہو اور تم پر اللہ کی لعنت و ملامت ہو، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: عائشہ! ٹھہرو، نرمی اختیار کرو، اللہ ہر چیز میں نرمی کو پسند کرتا ہے "مھلا یا عائشہ! انّ اللّٰه یحبّ الرفق فی الأمور کلّھا " (۳)

---

(۱) الفتاوی الحدیثیہ: ۱/۶۸۹، دار المعرفۃ بیروت، البانی نے کہا ہے کہ: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(۲) ترمذی: باب الفحش والمتفحش: حدیث: ۱۹۷۴، ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔

(۳) بخاری: باب الرفق فی الرفق الامر کلہ: حدیث: ۵۶۸۷

تمام چیزوں میں نرمی اختیار کرنے، چڑچڑاپن اور غصہ کو ترک کرنے کے حوالے سے جو کہ آپسی دشمنیوں اور بغض وکینہ اور تعلقات کے بگاڑ کا باعث ہوتے ہیں، اس روایت سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا گذر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا، وہ اپنے غلام کو لعن وطعن کر رہے تھے، حضور ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "لعّانين وصدّيقين كلّا وربّ الكعبة" لعنت وملامت کرنے والا اور صدیق اکھٹے ہوجائیں ربِ کعبہ کی قسم ایسا نہیں ہوسکتا، اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بعض غلاموں کو آزاد کردیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے اور فرمایا: پھر ایسا دوبارہ نہیں ہوگا۔(۱)

غصہ پی جانے کی فضیلت

☆ غصہ بڑی خطرناک چیز ہے، یہ سارے بنے بنائے کاموں کو بگاڑ دیتا ہے، اس لئے غصہ کو پی جانے کی بے انتہا فضیلت آئی ہے "وما من جرعة اعظم من جرعة غيظ كظمها عند ابتغاء وجه الله (۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے کوئی مختصر عمل کا حکم کیجئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "لا تغضب" غصہ نہ کرنا، پھر اس نے یہی بات کہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "غصہ نہ کرنا" (۳)

---

(۱) شعب الایمان: فصل ومما يجب حفظ اللسان منه الفجر، حدیث: ۵۱۵۴، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو مسلم، حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے: الترغيب والترهيب: الترغيب في الحياء: حدیث: ۴۲۱۱

(۲) الأدب المفرد: باب الغضب، حدیث: ۱۳۱۸، علامہ منذری کہتے ہیں کہ اس کو ابن ماجۃ نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے قابل احتجاج رجال ہیں: الترغیب: کتاب الادب وغیرہ، حدیث: ۴۱۶۸

(۳) بخاری: باب الحذر من الغضب، حدیث: ۵۷۶۵

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: طاقتور وہ نہیں ہے جو (اپنے مقابل کو) پچھاڑ دے بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصہ کی حالت میں اپنے آپ پر قابو رکھے "انّما الشدید الذی یملك نفسه عند الغضب" (۱)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص غصہ کو پی جائے جب کہ اس میں غصہ کے تقاضے کو پورا کرنے کی طاقت بھی ہو (لیکن اس کے باوجود جس پر غصہ ہے اس کو سزا نہ دے) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو ساری مخلوق کے سامنے بلائیں گے اور اس کو اختیار دیں گے کہ جنت کے حوروں میں سے جس حور کو چاہے اپنے لئے پسند کرلے "حتی یخیّره من أیّ الحور شاء" (۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنی زبان کو روکے رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو چھپاتے ہیں، جو شخص اپنے غصہ کو روکتا ہے (اور پی جاتا ہے) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اپنے عذاب کو روکیں گے "ومن کفّ غضبه کفّ اللّٰه عنه عذابه یوم القیامة" اور جو شخص (اپنے گناہوں پر نادم ہو کر) اللہ سے معذرت کرتا ہے یعنی معافی چاہتا ہے، اللہ اس کے عذر کو قبول فرما لیتے ہیں۔ (۳)

ایک راہب نے شیطان سے پوچھا: ابن آدم کی کونسی حالت تمہارے لئے معین و مددگار ہوتی ہے؟ تو اس نے کہا: جب آدمی تیزی اور غصہ کی حالت میں ہوتا ہے جب وہ اس حالت میں ہوتا ہے ہم اسے ایسے الٹتے پلٹتے ہیں اور اس سے ایسے کھیلتے ہیں جیسے بچے گیند سے کھیلتے ہیں "انّ الرجل اذا کان حدیداً قلبّناه کما یقلّب الصبیان الکرة" (۴)

---

(۱) بخاری: باب الحذر من الغضب، حدیث: ٦١١٤

(۲) ترمذی: باب فی کظم الغیظ، حدیث: ۲۰۲۱، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

(۳) مجمع الزوائد: باب ما جاء فی الصمت وحفظ اللسان، حدیث: ۱۸۱۴۳، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابو یعلی نے روایت کیا ہے اور اس میں ربیع بن سلیمان الازدی ضعیف ہیں۔

(۴) احیاء العلوم: ۳/۲۲۳

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے گورنر کو لکھ بھیجا کہ تم غصہ کے وقت سزا نہ دینا، چنانچہ جب تمہیں کسی مجرم پر غصہ آئے تو اس کو قید کر دو جب تمہارا غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو اس کو اس کے گناہ کی سزا بقدر جرم دو" فعاقبه على قدر ذنبه " (۱)

علی بن زید کہتے ہیں کہ: ایک شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو سخت بات کہی، تو انہوں نے بہت دیر تک اپنا سر نیچے جھکائے رکھا، پھر فرمایا: شیطان نے سلطان کی شان واعزاز کے احساس سے مجھے اچک لینا چاہا تھا "أردت أن يستفزّني الشيطان بعزّ السلطان " (۲)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے کہا گیا: حسن اخلاق کو مجھے صرف ایک لفظ میں سمجھا دیجئے تو فرمایا: "اترك الغضب" غصہ کو چھوڑ دو، کسی نبی نے اپنے متبعین سے کہا: کون مجھ سے یہ ذمہ لیتا ہے کہ وہ غصہ نہ کرے گا تو وہ میرے ساتھ میرے درجہ اور مقام پر ہوگا، اور میرے بعد میرا خلیفہ بنے گا؟ قوم کے ایک نوجوان نے کہا: میں، پھر انہوں نے یہ بات دوبارہ کہی تو نوجوان نے کہا: میں اس عہد کو پورا کروں گا، جب اس نبی کا انتقال ہو گیا تو وہ نوجوان ان کے رتبہ اور مرتبہ کو پہنچ گیا اور یہی ذوالکفل ہیں، ان کا ذوالکفل نام اس لئے پڑا کہ انہوں نے غصہ میں نہ آنے کی ضمانت دی تھی "لانه تكفّل بالغضب " (۳)

ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: نہ تو تم عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے ہو، نہ ہی تم بہت زیادہ دیتے ہو، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت غضبناک ہو گئے اور آپ کے غصہ کا اثر آپ کے چہرے پر نظر آنے لگا، آپ سے ایک آدمی نے کہا: اے امیر المؤمنین! کیا آپ نے اللہ عزوجل کے اس ارشاد کو نہیں سنا "خُذِ الْعَفْوَ وأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ " (۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے: "خُذِ الْعَفْوَ واْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ" اور اس آیت پر غور وفکر کرنے لگے۔

---

(۱) احیاء العلوم: ۲۲۳/۳

(۲) شعب الایمان: فصل فی ترك الغضب وفی کظم الغیظ، حدیث: ۸۳۲۴

(۳) احیاء علوم الدین: بیان حقیقة الغضب: ۱۶۶/۳

(۴) الاعراف: ۱۹۹

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو جب گالی دی گئی تو فرمایا: اگر میرا میزانِ عمل ہلکا رہ گیا تو میں اس سے بدتر ہوں جو تم کہہ رہے ہو اور اگر میرا میزانِ عمل بھاری ہو گیا تو یہ کہنا میرے لئے کچھ نقصاندہ نہیں، "وان ثقلت موازینی لم یضرّ بی ما تقول" (۱)

جس جگہ غصہ آنا چاہئے وہاں پر غصہ نہ آنا یہ حمیت اور غیرت کے خلاف ہے، لہٰذا جو غصہ کے مواقع ہیں وہاں پر غصہ آنا چاہئے، اسی کو حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: "من استغضب فلم یغضب فهو حمار" جس شخص کو غصہ دلایا جائے پھر وہ غصہ میں نہ آئے تو وہ گدھا ہے۔(۲)

اللہ عزوجل نے نبیٔ پاک ﷺ کے اصحاب کی شدت حمیت کی صفت یوں بیان کی ہے "اَشِدَّاۤءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاۤءُ بَيْنَهُمْ" (۳)

حضور ﷺ نے فرمایا تھا: اے اللہ! میں انسان ہوں جیسے انسانوں کو غصہ آتا ہے مجھے بھی غصہ آتا ہے جس مسلمان کو بھی میں نے اگر گالی دی ہو یا لعن طعن کیا ہو، یا مارا ہو تو اس کو میری جانب سے اس کیلئے نماز، زکوۃ، اور عبادت بنادے، جو روزِ قیامت تیرے قرب کا ذریعہ ہے "فاجعلها منّی صلاةً وزكاةً وقربةً تقرّبه بها اليك يوم القيٰمة" (۴)

حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے، نبی ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں آپ ﷺ کے رضا اور خوشی اور غصہ کے ہر دو احوال کی گفتگو کو لکھ لیتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: لکھو اللہ کی قسم! جس نے مجھ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، مجھ سے حق بات ہی صادر ہوتی ہے "ما یخرج منه الاّ حق" (۵)

(۱-۲) احیاء علوم الدین: ۳/۲۳۲

(۳) الفتح: ۲۹

(۴) مسلم: باب من لعنه النبی صلی اللہ علیه وسلم، حدیث: ۲۶۰۱

(۵) ابوداؤد: باب فی کتاب العلم، حدیث: ۳۶۴۶، علامہ عراقی فرماتے ہیں کہ اس کو حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے: المغنی عن حمل الاسفار: ۱/۶۳۸، مکتبة طبرية، الرياض

یہاں حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ: میں غصہ نہیں ہوتا، بلکہ غصہ کی وجہ سے راہِ حق سے ہٹ نہیں جاتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ دنیا کیلئے غصہ نہیں ہوتے، جب آپ ﷺ کو حق بات پر غصہ آجاتا تو آپ ﷺ کیلئے حق کیلئے کوئی جان پہچانی کا کوئی خیال نہیں ہوتا تھا اور کوئی چیز جب تک آپ ﷺ حق کی مدد اور نصرت نہ فرمالیتے آپ کا غصہ رکتا نہیں ہے،" ولم يقم لغضبه شيئ حتى ينصره " (۱)

غصہ کا علاج

☆ غصہ کو قابو میں کیا جا سکتا ہے، جن احادیث میں غصہ کو ختم کرنے میں معاون اور مددگار بتایا گیا ہے۔

۱- ایک تو یہی ہے کہ دل کو غصہ پی جانے کے ثواب کی تلقین کی جائے، پھر نفس کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا جائے اور بتایا جائے کہ اللہ تجھ پر زیادہ قادر ہے اتنا تو حریف پر قادر نہیں، اگر غصہ پر عمل کرے گا تو درندے کے مشابہ ہو جائے گا، پھر یہ کہ بردباری پر عمل کرے گا تو انبیاء علیہم السلام کے مانند ہوگا، اور غور کرے کہ میں غصہ اس لئے ہو رہا ہوں کہ معاملہ مشیتِ الٰہی کے مطابق کیوں ہوا، میری مشیت کے مطابق کیوں نہ ہوا، اسی لئے احادیث میں آیا ہے کہ غصہ غضبِ الٰہی کا موجب ہے۔

اور سوچنا چاہئے کہ ممکن ہے کہ یہ شخص مجھ سے آخرت میں بہتر ہوگا، بلکہ دنیا میں خدا تعالیٰ کے بہترین آدمیوں یا اولیاء اللہ میں سے ہی نہ ہو؟ کیونکہ کسی کی بدی اور نیکی پیشانی پر لکھی نہیں ہوتی، اگر یہ شخص اللہ تعالیٰ کے اولیاء میں سے ہے تو اس کے ستانے والے کو تو خدا تعالیٰ اعلان جنگ کرتا ہے، " من عادى لي وليا فقد اذنته بالحرب " تو گویا یہ شخص ضعیف ہے مگر یہ سب سے بڑے زبردست کی پناہ میں ہے۔

---

(۱) مجمع الزوائد: باب صفته صلى الله عليه وسلم، حديث: ۱۴۰۲۵

۲- ”اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ“ پڑھے، حضرت سلیمان بن صرد روایت کرتے ہیں کہ: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور دو آدمی باہم گالی گلوچ کر رہے تھے، ان میں سے ایک کا منہ (مارے غصہ کے) لال ہوگیا اور رگیں پھول گئیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ایک ایسی بات جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص اس بات کو کہہ دے تو اس کا غصہ جاتا رہے، اگر یہ "أعوذ باللّٰہ من الشیطٰن" کہہ دے تو اس کا غصہ ختم ہوجائے ”لو قالها ذهب عنه ما يجد“ (۱)

۳- اگر اس کے باوجود غصہ برقرار رہے تو اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے اگر بیٹھا ہے تو لیٹ جائے جتنا زیادہ ہوسکے زمین سے قربت اختیار کرے تاکہ اپنے نفس کی ذلت اور خست کا احساس ہو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ بیٹھ جائے، اگر بیٹھنے سے غصہ چلا جائے (تو ٹھیک ہے) ورنہ اس کو چاہئے کہ لیٹ جائے ”اذا غضب أحدكم وهو قائم فليجلس، فان ذهب عنه الغضب والاّ فليضطجع“ (۲)

رسول اللہ ﷺ نے غصہ کو فرو کرنے کی یہ ایک نفسیاتی تدبیر بتائی ہے جو نہایت ہی زیادہ کارگر ہوتی ہے، علاوہ اس کے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ غصہ سے جو بے جا حرکتیں اور لغویات سرزد ہوتی ہیں کسی جگہ جم کر بیٹھنے سے ان کا امکان کم ہوجاتا ہے اور پھر لیٹنے سے ان کا امکان کم سے کمتر ہوجاتا ہے۔ (۳)

---

(۱) بخاری: باب صفة إبليس وجنوده، حديث: ۳۱۰۸

(۲) ابوداؤد: باب ما يقال عند الغضب، حديث: ٤٧٨٢، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد نے مختصراً ذکر کیا ہے اور ابوالاسود کا انہوں نے ذکر نہیں کیا ہے اور اس کو احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں: مجمع الزوائد: باب ما جاء في الغضب وثواب من لم يغضب، حديث: ۱۲۹۹۵

(۳) معارف الحدیث: ۲۲۹/۲

۴- اگر اس کے باوجود بھی غصہ برقرار رہے تو ٹھنڈے پانی سے غسل یا وضو کرے کیونکہ آگ کو پانی ہی بجھاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: غصہ شیطان کی جانب سے ہوتا ہے، اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے، اور آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے، چنانچہ جب تم میں کسی کو غصہ آئے تو چاہئے کہ وہ وضو کرے "فاذا غضب أحدكم فليتوضأ" (۱)

غصہ کو فرو کرنے کی خاص الخواص تدبیر اور پہلی تدبیروں سے بھی زیادہ کارگر ہے، واقعہ یہ ہے کہ: غصہ کی حدت اور تیزی کی حالت میں اگر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد یاد آجائے اور اسی وقت اٹھ کے اچھی طرح پورے آداب کے لحاظ کے ساتھ وضو کر لیا جائے تو غصہ کی حدت میں فوراً سکون پیدا ہو جائے گا اور بالکل ایسا محسوس نہ ہوگا کہ وضو کا پانی براہِ راست غصہ کی بھڑکتی ہوئی آگ پر پڑا"۔ (۲)

اس کے علاوہ وضو ایک عبادت ہے اور عبادت تکبر کی ضد ہے، اور شیطان کی تمام شیطانیت کا خلاصہ کبر ہے، تو جہاں عبادت ہو، وہاں شیطان کیسے ٹھہر سکتا ہے، اور وضو عبادت ہے اور عبادت تقربِ الٰہی کا ذریعہ ہوتی ہے تو اس طرح شیطان سے دوری ہوگی۔ (۳)

۵- خاموشی اختیار کرنے سے بھی غصہ چلا جاتا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کو غصہ آئے تو خاموشی اختیار کرو "اذا غضبت فليسكت" (۴)

---

(۱) ابوداؤد: باب ما يقال عند الغضب، حدیث: ٤٧٨٤

(۲) معارف الحدیث: ۲/۳۱-۲۳۰

(۳) اپنی اصلاح کا مکمل نصاب: ۳۲۷

(۴) مجمع الزوائد: باب ما يقول ويفعل اذا غضب، حدیث: ۱۲۹۹۳، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور احمد کے رجال ثقہ ہیں، چونکہ لیث نے طاوس سے سماعت کی صراحت نہیں کی ہے۔

ظاہر ہے کہ خاموشی سے غصہ دل میں ہی گھٹ کر رہ جائے گا اور بات آگے نہ بڑھے گی۔(۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک دفعہ غصہ آیا تو انہوں نے پانی منگوا کر اس کو ناک میں ڈالا " فدعا بماء فاستنشق " اور فرمایا: غصہ شیطان کی جانب سے اور یہ عمل غصہ کو دور کرتا ہے۔(۲)

۶- جہاں غصہ آیا ہے اس جگہ سے علاحدہ ہو جائے کیونکہ وہاں نہ وہ شخص موجود ہوگا جس پر غصہ آیا ہے، نہ وہ اسباب موجود ہوں گے جو غصہ کے باعث ہوئے تھے تو غصہ آپ ہی ٹھنڈا ہو جائے گا۔

حقوق ادا کرنے کی چیز ہے نہ کہ مانگنے کی

یہاں ایک بات سمجھنے کی ہے وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہمیشہ ہر انسان کو اس کے فرائض کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ تمہارا یہ فریضہ ہے، تمہارا یہ طریقہ کار ہونا چاہئے؛ لہٰذا جس کو تکلیف پہنچی ہے اس کو تو آپ ﷺ صبر کی تلقین فرما رہے ہیں، دوسری طرف حضور اکرم ﷺ تکلیف پہنچانے والے کو دوسرے انداز سے خطاب فرما رہے ہیں؛ تاکہ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ جب حضور ﷺ جس کو تکلیف پہنچی ہے اسے صبر کی تلقین فرما رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تکلیف پہنچانے میں کوئی حرج نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے کسی مسلمان کو تکلیف دی، اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے یقیناً اللہ کو تکلیف دی " من اذی مسلما فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللّٰہ " (۳)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص

(۱) معارف الحدیث: ۲/۲۳۰

(۲) احیاء العلوم: بیان علاج الغضب بعد هیجانه: ۳/۱۷۴، دار المعرفة، بیروت

(۳) ترمذی: حدیث: ۳۸۶۲، اس کو امام ترمذی نے غریب کہا ہے۔

کسی مسلمان کو تکلیف پہنچائے یا اس کو دھوکہ دے وہ ملعون ہے" ملعون من ضارّ مؤمنا او مکر به " (۱)

اور ایک حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں کو ستایا نہ کرو اور ان کو عار دلایا نہ کرو، اور ان کی لغزشوں کو تلاش نہ کیا کرو " لا توذوا المسلمین، ولا تعیّروهم ولا تطلبوا عثراتهم" (۲)

حضرت سلمہ بن یزید جعفی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے دریافت فرمایا: اے اللہ کے نبی ﷺ! ہم پر ایسے لوگ حاکم ہوں جو ہم سے اپنا حق تو مانگتے ہوں اور ہمارے حقوق ادا نہ کرتے ہوں، تو آپ ﷺ ہمیں ان کے تعلق سے کیا حکم فرماتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان سے اعراض فرمایا، پھر دوسری اور تیسری دفعہ دریافت فرمایا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اسمعوا واطیعوا فانّما علیه ما حمّل وعلیکم ما حمّلتم" (۳) ان کی سنو اور ان کی اطاعت کرو، تمہارے ذمہ جو حقوق ہیں تم اسے پورا کرو اور ان کے ذمہ جو حقوق ہیں وہ اس کے جواب دہ ہوں گے۔

آپ ﷺ نے ان کو یہ تعلیم دی تھی کہ اپنے حقوق اور فرائض کو ادا کرتے رہنا، اور اگر تمہارے حقوق میں کچھ کمی کوتاہی ہوئی تو اس کا صلہ مجھ سے روزِ محشر لے لینا، تفصیلی حدیث ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے جنگِ حنین کے موقع سے بعض نئے مسلمانوں کا دل رکھنے کیلئے مالِ غنیمت کا بیشتر حصہ انہیں عطا کیا تو منافقین نے انصار کو حضور ﷺ کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی کہ جنگیں تم لڑو اور مالِ غنیمت انہیں حاصل ہو تو اس وقت حضور ﷺ نے بعض انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں اس بات کے بیٹھ جانے کے بعد فرمایا تھا: اے گروہِ انصار! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ جب یہ لوگ اپنے گھروں کو واپس جائیں تو ان کے ساتھ تو گائے، بیل، بکریاں ہوں اور جب تم اپنے گھروں کو واپس جاؤ تو تمہارے ساتھ "محمد" ہوں، اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے

(۱) ترمذی: باب ما جاء فی الخیانة والغش، حدیث: ۱۹۴۱، اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔
(۲) ابن حبان: کتاب الحظر والاباحة، باب الغیبة، حدیث: ۵۷۶۳، اس کی سند پر بحث گذر چکی ہے۔
(۳) مسلم: باب فی طاعة الأمراء وان منعوا الحقوق، حدیث: ۸۴۹

فرمایا تھا: اے انصار! ابھی تو تمہارے ساتھ ناانصافی ہوئی اور مجھے تمہارے ساتھ محبت اور تعلق ہے وہ انشاء اللہ برقرار رہے گا؛ لیکن میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ میرے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد تمہیں اس بات سے واسطہ پیش آئے گا کہ تمہارے مقابلہ میں دوسروں کو زیادہ ترجیح دی جائیگی، یعنی جو امراء اور حکام بعد میں آنے والے ہیں وہ تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کریں گے، جتنا اچھا سلوک وہ مہاجرین اور دوسرے لوگوں کے ساتھ کریں گے، چنانچہ تم اس وقت صبر کرنا؛ یہاں تک کہ تم حوض کوثر پر مجھ سے ملو " قال: أنكم ستجدون أثرة شديدة فاصبروا حتى تلقوني على الحوض " (۱)

آپ ﷺ نے ان انصار صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ نہیں فرمایا کہ اپنے حقوق طلب کرنے کیلئے جھنڈا لے کر کھڑے ہو جانا اور علم بغاوت بلند کرنا؛ بلکہ یہ فرمایا کہ: اس وقت تم صبر کرنا؛ یہاں تک کہ تم حوضِ کوثر پر آ کر ملو، چنانچہ انصار نے بھی حضور ﷺ کے اس حکم پر ایسے عمل کر دکھایا کہ تاریخ اسلام میں انصار کی طرف سے لڑائی اور جھگڑے آپ کو کہیں نہیں ملے گا۔

آج دنیا کے اصول الگ ہو گئے، آج ہر شخص کو یہ سبق سکھایا جاتا ہے کہ ہر شخص اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے کیلئے جھنڈے لے کر کھڑا ہو جائے کہ مجھے میرے حقوق ملنے چاہئے، اس کے نتیجے میں وہ اس بات سے بے پرواہ ہے کہ میرے ذمہ کیا فرائض اور حقوق عائد ہوتے ہیں؟ مجھ سے کیا مطالبات ہیں؟ مزدور یہ نعرہ لگا رہا ہے کہ میرے حقوق مجھے ملنے چاہئے آجر یہ کہتا ہے کہ مجھے میرے حقوق ملنے چاہئے؛ لیکن نہ مزدور کو اپنے حقوق کی پرواہ ہے اور نہ آجر کو اپنے فرائض کی پرواہ ہے، آج مزدور کو یہ حدیث تو خوب یاد ہے کہ مزدور کو اس کی مزدوری اس کے پسینہ کے خشک ہونے سے پہلے ادا کرو؛ لیکن اس کو اس کی فکر نہیں کہ جو کام اس نے کیا ہے، اس میں پسینہ نکلا بھی ہے کہ نہیں؟ دفتر کے کام کرنے والے ملازم کو اس کی تو فکر ہے کہ میری تنخواہ بڑھنی چاہئے، مجھے ترقی ملنی چاہئے؛ لیکن کیا اس نے یہ بھی سوچا ہے کہ دفتر کے اندر جو فرائض میرے ذمہ ہیں وہ فرائض ٹھیک سے ادا کر رہا ہوں یا نہیں؟ حضور ﷺ نے ہر شخص کو

---

(۱) بخاری: باب غزوة الطائف: حديث: ٤٠٧٢

اس کے فرائض سے باخبر فرماتے ہیں کہ تمہارا یہ فریضہ ہے؛ لہٰذا تم اس فریضہ کو ادا کرو، صرف یہی ایک طریقہ ہے جو معاشرے کو اصلاح کی طرف لا سکتا ہے۔

آج جب کوئی اصلاح کا جھنڈا لے کر کھڑا ہوتا تو اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ دوسرا شخص اپنی اصلاح کا آغاز کرے، اپنی فکر نہیں کہ میرے اندر کوئی کوتاہی ہے، میں بھی غلطی میں ہوں، قرآن تو کہتا ہے کہ اپنی فکر کرو، دوسروں کی غلطی نقصاندہ نہیں ہوگی "یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ" (۱) اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، دوسروں کی گمراہی اگر تم راہِ حق پر ہو تو وہ تمہارے لئے نقصاندہ نہیں ہوگی۔

یعنی اپنے مطالبات کو بجالاؤ، دوسرا شخص اگر گمراہی میں مبتلا ہے، اپنے فرائض ادا نہیں کر رہا ہے تو اس کا نقصان تمہارے اوپر نہیں۔

سوچنا چاہئے کہ ایک اندھا دوسرے اندھے کو راستہ نہیں دِکھا سکتا تو ایک محتاجِ مخلوق دوسری مخلوق کو کیا دے سکتی ہے، جس انسان کے ہاتھ میں اپنا مقدر، اپنا دل، اپنی عزت و ذلت اپنی کامیابی ناکامی نہ ہو، وہ دوسرے انسان کا کیا بھلا کر سکتا ہے، دینے والی ذات تو صرف وہ ہے جن کے قبضہ میں آسمانوں اور زمینوں کی کنجیاں ہیں، "لَہٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ "(۲) اور پھر ساٹھ ستر سال کی دنیوی زندگی میں ملا تو کتنی دیر کیلئے ملا اور پھر جس دنیا میں کسی چیز کو ٹھراؤ نہیں، زندگی، صحت، جوانی، مال و دولت کبھی کسی کے پاس ہمیشہ نہ رہے ہیں نہ رہیں گے، اس حقیر اور فانی دنیا میں ملنا بھی ملنا کیا ہے جسے چھوڑ کر جانا ہے تو اصل باقی، لامتناہی بہترین آخرت میں ملنا ہے۔

حضرت ابن سماکؒ سے ہارون رشید نے نصیحت کرنے کی درخواست کی تو انہوں نے یہ آیت پڑھی، وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ ، الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ، وَاِذَا کَالُوْھُمْ اَوْ وَّزَنُوْھُمْ یُخْسِرُوْنَ (۳) بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی، جن کا یہ حال ہے کہ جب وہ لوگوں سے خود کوئی چیز ناپ کر لیتے ہیں تو پوری پوری

(۱) المائدۃ: ۱۰۵ (۲) الشوریٰ: ۱۲ (۳) المطففین: ۱-۳

لیتے ہیں اور جب وہ کسی کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں (مطلب یہ تھا کہ ناپ تول میں کمی، حقوق کے اعتبار سے بھی ہوتی ہے کہ آدمی دوسرے سے پورا حق وصول کرنے کی تو فکر کرے مگر پورا حق دینے کا جذبہ نہیں ہوتا)۔

اے ہارون! یہ وعید اس کیلئے ہے جو دینے میں کمی کر دے، اس کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے، جس نے دوسروں کا پورا ہی حق کھالیا " هذا وعيد لمن طفّف في الكيل فما ظنّك بمن أخذ كلّه " (۱)

معاف کر دیجئے!

اسلامی شریعت کا ایک اصول جس سے تعلقات کو پائیدار رکھا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ آپسی رہن سہن میں کوئی بات یا کبھی کوئی معاملہ ایسا در پیش ہو جائے جو طبیعت کے خلاف ہو، غصہ میں آمادہ کرنے والا ہو تو ایسے موقع سے عفو و درگذر سے کام لے، جھگڑے اور بات کو بڑھائے نہیں؛ بلکہ معافی تلافی کے اصول کو اختیار کرے، اللہ عز وجل نے جاہل و ناداں شخص کی کسی بات سے برانگیختہ ہونے سے گریز کرنے اور اس کی باتوں میں الجھنے کو منع کرتے ہوئے فرمایا کہ: ایسے شخص سے درگذر اور معافی تلافی کا معاملہ کر لیجئے، اور اس کی جہالت و نادانی سے اعراض کیجئے: خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (۲) عفو و درگذر کو اختیار کیجئے، بھلائی کا حکم کیجئے، جاہلوں سے دوری اختیار کیجئے۔

اس آیتِ کریمہ میں بھی عفو و درگذر کرنے اور غصہ کو پی جانے؛ بلکہ آگے بڑھ کر ان کے ساتھ نیکی اور اچھا معاملہ کرنے والوں کی تعریف و توصیف کی گئی ہے، صرف غصہ کو پی جانا بڑا کمال ہے اس پر مزید یہ کہ لوگوں کی زیادتی یا غلطیوں کو بالکل معاف کر دیتے ہیں اور نہ صرف معاف کرتے ہیں؛ بلکہ احسان اور نیکی کے ساتھ پیش آتے ہیں: وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعٰفِيْنَ عَنِ النَّاسِ، وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (۳) اور غصہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں سے

---

(۱) أقباس روحانية، محمود شيت خطاط: ۱۱۰، دار وحي القلم، لبنان

(۲) الاعراف: ۱۹۹ (۳) ال عمران: ۱۳۴

درگذر کرنے والے (بلکہ ایثار کا مظاہرہ کر کے احسان کا معاملہ کرنے والے) اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کو محبوب رکھتے ہیں۔

ایک روایت میں غصہ پی جانے اور لوگوں کی باتوں اور ان کے برے سلوک سے درگذر کرنے والوں کی تعریف یوں کی گئی ہے، اس غصہ کے گھونٹ سے بہتر اللہ کے یہاں کوئی گھونٹ نہیں ہے جسے بندہ پی جاتا ہے، اس گھونٹ کو محض اللہ عزوجل کیلئے پیتا ہے، تو اللہ عزوجل اس کے سینے کو ایمان سے معمور فرمادیتے ہیں "وما کظمها عبد الله الّا ملأ جوفه ایمانًا" (۱)

اور ایک روایت میں یوں فرمایا گیا ہے کہ: ''جو یہ چاہتا ہے کہ اس کے منازل بلند ہوں، اس کے درجات اونچے ہوں تو وہ ظلم کرنے والے سے عفو درگذر کا معاملہ کرے اور محروم کو عطا کرے اور تعلقات توڑنے والے سے تعلقات جوڑے " فليعف عمّن ظلم، ويعط من حرم، ويصل من قطعه " (۲)

حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ: جب امتیں روزِ قیامت اللہ عزوجل کے سامنے لائی جائیں گی تو یہ آواز دی جائے گی کہ: وہ لوگ کھڑے ہوں جن کا اللہ پر اجر ہے، چنانچہ اس آواز پر صرف دنیا میں دوسروں کو معاف کرنے والے لوگ ہی اٹھیں گے، اسی کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے " خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ " (۳) معافی کو اختیار کیجئے، بھلائی کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے اعراض کیجئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اپنے خادم اور غلام کی غلطیاں کس حد تک ہمیں معاف کرنا چاہیے، اس نے دو مرتبہ پوچھا، آپ ﷺ نے خاموشی اختیار کی، پھر جب اس نے

(۱) مسند احمد: مسند عبد الله بن عباس، حديث: ۳۰۱۷، مؤسسة قرطبة، القاهرة
ابن کثیر کہتے ہیں کہ: امام احمد نے اس کو تنہا روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجے کی ہے اور اس میں کوئی مجروح شخص نہیں ہے: تفسير ابن كثير: سورة ال عمران: ۴۹۸/۱، دار الفكر، بيروت

(۲) مستدرك: تفسير سورة ال عمران: حديث: ۳۱۶۱، منذری نے کہا ہے کہ: اس کو حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح کہا ہے اور اس میں انقطاع ہے، الترغيب في الامر بالمعروف: ۳۷۱۷

(۳) الأعراف: ۱۹۹، احياء العلوم: ۲۰۷/۳، مكتبة رشيدية، كوئٹه، باكستان

تیسری دفعہ عرض کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر روز ستر مرتبہ " اعفوا عنہ کلّ یوم سبعین مرّۃ " (۱)

جب ستر مرتبہ نوکر کو ایک دن میں معاف کرنا ہے تو ساس، بہو، شوہر، بیوی، ماں باپ کو دن میں کتنی مرتبہ معاف کرنا چاہیے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عجلان کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات سے عاجز ہے کہ کیا وہ ابو ضحضم کی طرح ہو جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم سے پہلے ایک شخص تھا، اس نے کہا تھا "عرضی لمن شتمنی " میری عزت اس کیلئے ہے جو مجھے برا بھلا کہے۔ (۲)

ایک روایت میں ہے ہر روز وہ یوں کہا کرتے تھے "اللّٰھم انی اتصدق الیوم بعرضی علی من ظلمنی " میں آج اپنی عزت کو اُسے صدقہ کیئے دیتا ہوں جو مجھ پر ظلم کرے۔ (۳)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پیسے چوری ہو گئے تو لوگوں نے چور کو بددعا دینی شروع کر دی، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ! اگر اس نے کسی ضرورت کی وجہ سے چوری کیا ہے تو اس کے مال میں برکت دے اور اگر گناہ کی جرأت نے اُسے مجبور کیا ہے تو اس چوری کو اس کا آخری گناہ بنا دے۔ (۴)

حضورِ اکرم ﷺ کا اپنے سخت دشمنوں کے ساتھ عفو و درگذر کا معاملہ

عفو و درگذر، تحمل و بردباری، کشادہ قلبی اور قوتِ برداشت میں جو آپ ﷺ کا مقام تھا وہاں تک شعراء کے خیال اور تصور کی بھی رسائی ناممکن ہے، اگر ان واقعات کو اس مخصوص طریقہ (سے) بیان نہیں کیا گیا ہوتا جو شک و شبہ سے بالاتر ہے تو لوگوں کے ذہن آج اس کو قبول نہ کرتے۔

---

(۱) ابوداؤد: باب فی حقّ المملوك، حدیث: ٥١٦٤ منذری کہتے ہیں کہ: اس کو امام ترمذی نے حسن غریب کہا ہے، بعض نسخوں میں حسن صحیح ہے اور اسے ابویعلی نے سند جید کے ساتھ نقل کیا ہے: الترغیب والترھیب: الترھیب من تولی: حدیث: ٣٤٥٨

(۲) ابوداؤد: باب ما جاء فی الرجل یحلل، حدیث: ٤٨٨٧ ابوداؤد کہتے ہیں: حماد کی حدیث اصح ہے۔

(۳) شعب الایمان: فصل فی التجاوز والعفو، حدیث: ٨٠٨٢

(۴) احیاء العلوم: ٢٤٧/٣، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

☆ آپ ﷺ کی نوازش وکرم اور بڑے بڑے دشمنوں کے ساتھ دلداری اور احسان کا ایک نمونہ وہ تھا جب منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی ابن سلول جو مدینہ میں آپ ﷺ کے خلاف سازشوں کے تانے بانے بننے میں ہردم پیش پیش رہا کرتا تھا؛ بلکہ وہ وہاں کی ہر سازش کا سب سے بڑا منصوبہ ساز تھا، اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی کیلئے کسی طرح کا دقیقہ فروگذاشت ہونے نہیں دیتا تھا، مسجد نبوی کے بالمقابل مسجدِ ضرار بنانے والا، مہاجرین کو ذلیل کہہ کر انہیں مدینۂ پاک سے نکالنے کا پروپیگنڈہ کرنے والا تھا، آپ ﷺ کی رِدائے رحمت اور دامنِ عفو وکرم کی وسعت اور کشادگی دیکھئے کہ اس عظیم دشمن کو جس نے اس پر ہی اکتفا نہیں کیا؛ بلکہ آپ ﷺ کی چہیتی بیوی پر غلط تہمت لگائی، ایک مہینہ تک مدینہ شہر میں اس منافقوں کے سردار کی افواہوں کا بازار گرم رہا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: میں اپنے میکہ میں روتی پڑی رہی، رسول اللہ ﷺ کی حساس، نازک طبیعت پر کتنا بار رہا ہوگا؛ لیکن آپ ﷺ نے اس کا نام نہ اپنے خطبوں میں لیا اور نہ اپنی نجی محفلوں میں، جب اس کی موت کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دامن پکڑا اور کہا: یہ تو وہ ہے جس کے بارے میں اللہ نے یہ فرمایا کہ: اگر ستر مرتبہ بھی اس کیلئے استغفار کروگے تو اس کی معافی نہیں ہوگی، نبیٔ رحمت ﷺ نے فرمایا: اگر اکہترویں مرتبہ استغفار کرنے سے اس کی معافی ہوسکتی ہے تو میں وہ بھی کرنے کیلئے تیار ہوں اور اس کو قبر میں رکھنے کے بعد اس کو نکالنے کو کہا، اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کو اپنے گھٹنوں پر رکھا اور اپنا لعابِ دہن اس پر ڈالا اور اپنی قمیص مبارک اس کو پہنائی "فوضعه علىٰ ركبتيه، نفث فيه من ريقه، وألبسه قميصه" (۱)

☆ ایسے ہی ابوسفیان جو بعثت سے لے کر فتح مکہ تک آپ ﷺ اور اسلام کی راہ کے بہت بڑے روڑے بنے رہے اور کافروں کی طرف سے کئی جنگوں کی قیادت کی، آپ ﷺ نے نہ صرف ان کو معاف کیا؛ بلکہ ان کے گھر کو فتح مکہ کے موقع سے دارالامن قرار دے کر

(۱) بخاری: باب هل يخرج الميت من القبر: حديث: ۱۲۵۸

نہ صرف ان کو بلکہ ان کے گھر میں پناہ لینے والوں کیلئے بھی پروانہ عفو جاری کر دیا "من دخل دار ابی سفیان فهو امن" (۱)

☆ اور آپ ﷺ نے تمام قریش مکہ کو جنہوں نے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے قیام مکہ کے دوران طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں تھیں، آپ ﷺ نے ان سے بھی فرمایا: اے قریش! تمہیں کیا توقع ہے کہ میں اس وقت تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا، تو انہوں نے کہا: "خیرًا، أخ کریمٌ وابن کریم" اچھی امیدیں رکھتے ہیں، آپ ﷺ کریم النفس اور شریف بھائی ہیں اور کریم اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تم سے وہی کہتا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا " لَا تَـثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ فَاذْهَبُوا وَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ "(۲) آج تم سے کوئی داروگیر نہ ہوگی، جاؤ تم سب آزاد ہو۔

☆ یہ سب کچھ تو آپ ﷺ کا ذاتی معاملہ تھا، بیٹی کا معاملہ تو نازک اور دردمند باپ کیلئے بہت زیادہ تکلیف دہ ہوا کرتا ہے، چنانچہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ کی گلیوں میں رسول اللہ ﷺ کو تلاش کر کے، کافروں کے ڈالے ہوئے کوڑا کرکٹ اور گندگیوں کی صفائی کرتی تھیں، ان کا نکاح زمانہ اسلام سے پہلے ابوالعاص سے ہوا تھا، ابوالعاص ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، نبوت کے تیرہویں سال جب حضور ﷺ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی تو اہل وعیال مکہ میں رہ گئے تھے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی اپنے سسرال میں تھیں، خالہ زاد بھائی شوہر ابوالعاص بدر میں گرفتار کئے گئے اور اس شرط پر رہا کر دئے گئے کہ مکہ جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بھیج دیں گے، ابوالعاص جو شریف مزاج تھے اور بعد میں مسلمان ہو کر دوبارہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا، انہوں نے مکہ جا کر اپنے بھائی کے ساتھ تحفظ دے کر مدینہ روانہ کیا، چند کفار مکہ نے تعاقب کیا، ھبار بن اسود نے ان کی اونٹنی کو نیزہ مار کر

---

(۱) مسلم: باب فتح مکة، حدیث: ۱۷۸۰

(۲) السنن الکبری: باب فتح مکة حرسها الله، حدیث: ۱۸۰۵۵، علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری: باب دخول النبی: ۱۰۳/۲۱، دار الفکر بیروت میں کہا ہے کہ اس کو ابن اسحاق نے سند حسن کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

گرادیا، وہ حاملہ تھیں، اونٹنی سے گرنے کی وجہ سے حمل ساقط ہوگیا، اس کے علاوہ اور بھی جرائم کا وہ مرتکب تھا، اسی بناء پر ہبار فتحِ مکہ کے وقت اشتہارانِ قتل میں داخل تھا، چاہا کہ بھاگ کر ایران چلا جائے کہ داعئ ہدایت نے خود آستانۂ نبوت کو جھکا دیا، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں بھاگ کر ایران چلا جانا چاہتا تھا؛ لیکن پھر مجھے آپ ﷺ کے احسانات، حلم اور عفو یاد آ گیا، میری نسبت آپ کو جو خبر پہنچی تھی وہ صحیح تھی، مجھے اپنی جہالت اور قصور کا اعتراف ہے، چنانچہ اس بے رحم موذی ھبار بن اسود کو خدمتِ نبوی ﷺ میں اسلام لانے پر آپ ﷺ نے معاف کر دیا۔(۱)

☆ ایسے ہی لبید بن اعصم (یہودی) جس نے آپ ﷺ پر جادو کیا تھا جس کی تکلیف کا اثر آپ ﷺ کو چھ مہینے تک تھا، اس کے جادو کرنے کی خبر کسی جھوٹے عامل یا کاہن نے نہیں دی تھی؛ بلکہ اللہ جل جلالہ نے دی تھی مگر آپ ﷺ نے اس کو بھی معاف کر دیا۔

آپ ﷺ کی زندگی کے بے شمار واقعات ہیں کہ جس میں آپ ﷺ نے اپنے جانی دشمنوں اور اپنے قرابت داروں کے قاتلوں اور اپنی بیویوں پر تہمت لگانے والوں کو تک آپ ﷺ نے معاف کر دیا، کیا آج کے دور میں کوئی اس عفو و درگذر کی کوئی مثال پیش کرسکتا ہے کہ کوئی اپنی بیٹی کو ناقابلِ بیان تکلیف دینے والے اور اپنے جانی دشمن اور بیویوں کو بدنام کرنے والوں کو معاف کر دیا ہو۔؟

☆ وہ وحشی جس نے نبئ رحمت ﷺ کے محبوب چچا، دل و جان سے آپ ﷺ کے حامی اور مددگار، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے شیر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو بے دردی سے قتل کر دیا، یہی نہیں بلکہ کان، ناک، ہونٹ کاٹ کر ان کا ہار بنایا، کھوپڑی میں شراب پلوائی، کلیجہ نکال کر ہندہ کو دیا اس ہندہ عورت ذات (جو صنفِ نازک کہلاتی ہے) ہوکر اس نے اس کلیجہ کو چبانے کی کوشش کی، حتی کہ نعش کی شناخت دشوار ہوگئی، بالآخر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے انگلیوں کے پوروں سے پہچانا، تاریخ اسلام کا وہ جنازہ

(۱) موسوعة الصحابيات: ۴۲۰، محمد سعيد مبيض، سوريا

جس پر آقا ﷺ نے ستر مرتبہ نماز پڑھائی، مدینہ میں اپنے ہر جنازہ پر رونے پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت کو یاد کر کے رویا جاتا تھا ویسے وحشی بن حرب کو آقا ﷺ نے پانچ مرتبہ آدمی بھیج کر دعوت دی، اس پر پروردگارِ عالم نے تین آیتیں اتاریں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے درگذر کے واقعات

☆ ایک مرتبہ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ مسجد میں کمبل بچھا کر سو رہے تھے، ایک شخص آیا اور اس کمبل کو چرا کر چلتا بنا؛ لیکن لوگ اس کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے، اور آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، جب حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا کہ "کیا ۳۰ ردرہم کی چیز کیلئے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائیگا،" "اتقطعه من اجل ثلاثين درهمًا" میں یہ کمبل اس کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہوں، قیمت بعد کو ادا کرے گا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس آنے سے پہلے ہی کیوں نہ معاف کر دیا۔(۱)

☆ حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر مشرف باسلام ہو گئے، اور اپنے وطن طائف واپس جا کر اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دی تو وہ لوگ دشمن ہو گئے اور ان کے قتل کا تہیہ کر لیا، چنانچہ صبح کے وقت انہوں نے اذان دی تو قبیلہ بنو مالک کے ایک شخص نے تیر مارا اور وہی زخم ان کی شہادت کا سبب ہوا، شہادت سے قبل ان کے خاندان والوں کو خبر ہوئی تو ہتھیار سج کر آئے، اور کہا: ہم سب ایک ایک کر کے مر جائیں گے؛ لیکن جب تک ان کے عوض میں بنو مالک کے دس سردار قتل نہ کر لیں گے ہم کو چین نہیں آئے گا؛ لیکن حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میرے بارے میں جنگ وجدال نہ کرو، میں نے باہمی اصلاح کیلئے اپنے خون کو معاف کر دیا "تصدقت بدمي على صاحبه لأصلح بذاك بينكم" (۲)

---

(۱) ابوداؤد: كتاب الحدود: باب فيمن سرق من حرز، حدیث: ۴۳۹۴، ابن الملقن کہا ہے کہ: اس روایت کے بارے میں حاکم نے کہا ہے: یہ صحیح الاسناد ہے، پھر آگے صحت اور ضعف کے اعتبار سے تمام کتابوں کی اسنادات پر بحث کی ہے: البدر المنیر: ۶۵۲/۸، دار الهجرة، الریاض، البانی اس کو صحیح کہا ہے۔

(۲) الطبقات الكبرى لابن سعد: وفد ثقيف، ۳۱۲/۱، دار صادر، بيروت

☆ عفو و درگذر کے حوالے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مسطح رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاملہ بھی نہایت نصیحت آموز ہے: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب تہمت لگانے والوں نے ان پر تہمت لگائی تو بعض بھولے بھالے صحابہ بھی منافقوں کی فتنہ انگیزی سے متاثر ہو گئے اور اللہ عزوجل نے ان کو اس تہمت سے بری کر دیا "اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْکِ" یہ دس آیتیں میری برأت میں نازل فرمائیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: (یہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ پر قرابت اور رشتہ داری کی وجہ خرچ کیا کرتے تھے) " واللّٰہ لا انفق علٰی مسطح شیئًا ابدًا بعد الذی قال لعائشۃ " اللہ کی قسم! میں مسطح پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ان کے عائشہ پر تہمت لگانے کے بعد خرچ نہیں کروں گا، اللہ عزوجل نے یہ آیتیں نازل فرمائیں:

" وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَۃِ اَنْ یُّؤْتُوْٓا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَالْمُھٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ، وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ " (۱)

اور قسم نہ کھائیں تم میں سے فضیلت والے، اور وسعت والے کہ نہ دیں گے قرابت داروں کو، مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو، چاہئے کہ وہ معاف کر دیں اور درگذر کر دیں، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: " بلٰی أحب أن یغفر اللّٰہ لی " کیوں نہیں اللہ کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ اللہ عزوجل میری مغفرت کرے پھر انہوں نے مسطح کا نفقہ دوبارہ بحال کر دیا، اور فرمایا: اللہ کی قسم! میں کبھی بھی ان کا نفقہ بند نہیں کروں گا۔ " واللّٰہ! لا انزعھا عنہ ابدًا " (۲)

جب اس امت کا صدیق معافی کا محتاج ہے تو ہم جیسے جن سے جو گناہ ہوسکتا تھا ہو چکا جو نہ ہوا، وہ اس لئے کہ ہم نہ کر سکے، کوئی عضو سیاہ کاری سے، کوئی عمر کا مرحلہ غفلت سے خالی نہ رہا کیا معاملات، کیا معاشرت، نہ نماز کی نہ روزے کی حقیقت نصیب نہ زکوۃ کی ادائیگی کا ٹھکانہ،

(۱) النور: ۲۲ (۲) بخاری: باب الیمین فیما لا یملک، حدیث: ۶۳۰۱

توہم کتنے معافی کے محتاج ہیں؟ حدیثِ رسول شاہد ہے کہ عزت انتقام لینے سے نہیں معاف کرنے سے ملتی ہے، " وما زاد الله عبدًا بعفوٍ الّا عزّا " (۱)

بدلہ لینے سے کچھ نہیں ملتا، معاف کرنے سے جنت کے درجات ملتے ہیں

☆ حضرت مجاہدؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: مجھ سے عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا: اے مجاہد! لوگ میرے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا: لوگ آپ کو سحر زدہ کہتے ہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا: میں سحر زدہ نہیں ہوں، پھر انہوں نے ایک لڑکے کو بلایا اور اس سے کہا: تمہاری تباہی اور بربادی ہو کہ کس چیز نے تمہیں مجھ کو زہر پلانے پر آمادہ کیا تھا؟

اس نے کہا: ہزار دینار مجھے میری آزادی کیلئے دیئے جائیں گے، اس سے عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا، اسے لے آؤ، وہ ہزار دینار لے آیا تو آپ نے اسے بیت المال میں داخل کروادیا اور فرمایا: تم ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں تمہیں کوئی نہ دیکھے "اذهب حيث لا يراك أحد" (۲)

☆ ابن عونؒ کی ایک اونٹنی تھی جس پر وہ جہاد اور حج کیلئے جاتے تھے، وہ اونٹنی انہیں بہت پسند تھی فرماتے ہیں کہ: ایک غلام کو انہوں نے اس پر پانی لانے کیلئے بھیجا، اس نے اونٹنی کو اِس حال میں لایا کہ اس نے اس کے چہرے کو مارا تھا اور اس کی آنکھ باہر نکل آئی تھی، ہم نے کہا ابن عونؒ سے کچھ غصہ وغیرہ کا اظہار ہوسکتا ہے تو آج ہوگا، تھوڑی دیر میں ہی ابن عونؒ نیچے آئے، جب اونٹنی کو دیکھا تو فرمایا: " سبحن اللّٰه، أفلا غير الوجه، بارك اللّٰه فيك اخرج عنّي اشهدوا أنّه حرٌّ "(۳) اللہ کی ذات پاک ہے، کیا چہرے کے علاوہ کوئی عضو معیوب نہیں ہوا، اللہ تم کو برکت دے، میرے پاس سے چلے جاؤ تم لوگ گواہ رہو کہ یہ آزاد ہے۔

---

(۱) مسلم: باب استحباب العفو والتواضع، حديث: ۲۵۸۸

(۲) البداية والنهاية: ۲۱۰/۹، مكتبة المعارف، بيروت، اس سند کے رجال ثقہ ہیں: حاشية اعلام النبلاء: عمر بن عبدالعزيز: ۱۴۰/۵

(۳) البداية والنهاية: ۲۱۰/۹، مكتبة المعارف، بيروت، اس سند کے رجال ثقہ ہیں: حاشية اعلام النبلاء: عمر بن عبدالعزيز: ۱۴۰/۵

☆ حضرت ابو عبد اللہؒ کہتے ہیں "وما ينفعك ان يعذّب الله اخاك المسلم فی سببك" (۱) تمہیں کیا فائدہ ہوگا کہ اللہ عزوجل تمہاری وجہ سے کسی مسلمان کو عذاب دیں۔

☆ حضرت ہشامؒ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ: ابو السوارؒ کوئی آدمی ان کو راستہ میں گالی دیتا تو کہتے "ان كنتُ كما قلتَ انّی اذا لرجل سوء" (۲) اگر میں تمہارے کہنے کے مطابق ہوں تو میں اس وقت برا آدمی ہوں۔

☆ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو گالی دی، جب وہ گالی دے چکا تو فرمایا، عکرمہ دیکھو اس آدمی کی کوئی ضرورت ہے تو ہم اسے پورا کردیں گے؟ ان کی اس بات سے اس آدمی نے اپنا سر نیچا کرلیا، اور شرمندہ ہوگیا" فنكس الرجل رأسه واستحی"(۳)

☆ ایک شخص نے مالک بن دینارؒ سے کہا: مجھے معلوم ہوا کہ تم نے ہمارا برائی کے ساتھ ذکر کیا ہے، تو انہوں نے فرمایا: کیا تم میری ذات سے زیادہ استحقاق والے ہو کہ اگر میں نے ایسا کیا تو میں اپنی تمام نیکیاں تم کو دے دیں "انّی اذا فعلت ذلك أهديتُ لك حسناتی" (۴)

☆ مسیح ابن مریم کا گذر ایک یہود قوم کے پاس سے ہوا تو انہوں نے آپ کو برا کہا، تو آپ نے ان سے بھلی بات کہی، ان سے پوچھا گیا کہ: وہ آپ کو برا کہتے ہیں اور آپ ان کو بھلا کہتے ہیں؟ تو فرمایا: ہر شخص وہی خرچ کرتا ہے جو اس کے پاس ہے" كلّ ينفق ممّا عنده" (۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک نشہ کرنے والے کو دیکھا اس کو پکڑ کر سزا دینی چاہی، تو ان کو اس نشہ کرنے والے شخص نے گالی دی، تو حضرت ابن عمرؓ اپنے سزا دینے کے ارادہ سے باز آگئے، ان سے پوچھا گیا، اے امیر المؤمنین اس کے آپ کو گالی دینے کی وجہ سے

---

(۱) سير اعلام النبلاء : احمد بن حنبل: ۱۱/ ۲۶۱

(۲) مداراة الناس لابن ابی الدنيا: باب التودد الی الناس: ۱/ ۵۳، دار ابن حزم بیروت

(۳-۴-۵) احياء العلوم: كتاب الغضب والحقد والحسد، ۳/ ۲۴

آپ نے اس کو چھوڑ دیا آپ نے جواب دیا، چونکہ اس نے مجھے گالی دے کر مجھ کو مشتعل کر دیا، اگر میں اس کو سزا دیتا تو اپنے غصہ کی وجہ سے دیتا، اور میں نے ایک مسلمان کو صرف اپنے ذاتی معاملہ میں سزا دینا نہ چاہا" ولم أحبّ أن أضرب مسلمًا حميّة لنفسي " (۱)

☆ حسن بن ابوالحسن کہتے ہیں کہ: جب روزِ قیامت ایک آواز لگانے والا آواز لگائے گا، جس کا اللہ عز وجل پر اجر ہو تو وہ کھڑا ہو جائے تو اس وقت صرف معاف کرنے والے کھڑے ہوں گے اور یہ آیت تلاوت کی" فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ " (۲)

☆ خلیفہ مامون کے یہاں ایک شخص کو لایا گیا، مامون نے اس سے پوچھا: کیا تم وہی ہو، جس نے ایسا ایسا کیا؟ فرمایا: ہاں! امیر المؤمنین، میں وہی ہوں جس نے اپنی ذات پر زیادتی کی " انا ذاك الّذي اسرف علي نفسه " اور تمہارے عفو ودرگذر پر اعتماد کرتا ہوں، چنانچہ مامون نے اس کو رہا کر دیا۔(۳)

☆ حمید الطّوسی پر خلیفہ ہارون رشید غصہ ہو گئے، چنانچہ ان کے قتل کیلئے تلوار منگوایا، تو وہ رو پڑے، تو ہارون نے پوچھا: تم کیوں رو رہے ہو؟ تو کہا: اللہ کی قسم! امیر! میں موت سے گھبرا نہیں رہا ہوں، چونکہ وہ تو آنی ہے، لیکن میں اس لئے رو رہا ہوں کہ میں دنیا سے اس حال میں جا رہا ہوں کہ امیر المؤمنین مجھ سے ناراض ہیں، تو ہارون ہنس پڑے اور اس کو معاف کر دیا، اور فرمایا: شریف شخص کو جب دھوکہ میں ڈالا جاتا ہے تو وہ دھوکہ کھا جاتا ہے "انّ الكريم اذا خادعته انخدع " (۴)

☆ ابراہیم بن مہدی کہتے ہیں کہ: اللہ کی قسم! مامون نے نہ مجھے اللہ سے قربت حاصل کرنے کیلئے اور نہ بطورِ صلہ رحمی کے معاف کیا ہے، بلکہ اس کے یہاں عفو ودرگذر کا ایک بازار ہے، اس نے یہ سوچا کہ میرے قتل کی وجہ سے میرا یہ بازار ٹھپ پڑ جائے گا " ولكن له سوق في العفو يكره أن تكسد لقتلي " (۵)

(۱) احياء العلوم: كتاب الغضب والحقد والحسد، ۲۴/۳
(۲) الشورى: ۴۰ (۳-۴-۵) قصص العرب: ۱۰۶/۱

☆ عبدالملک بن مروان ایک شخص پر غصہ ہو گیا، کہنے لگا: اگر اللہ عزوجل مجھے اس پر قابو یافتہ کردیں گے تو اس کے ساتھ ایسا سلوک کروں گا، جب وہ اس کے سامنے آموجود ہوا تو رجاء بن حیاۃ نے کہا: اللہ عزوجل نے آپ کے ساتھ وہ کیا جو آپ چاہتے تھے اور آپ اس کے ساتھ وہ معاملہ کیجئے جس کو اللہ عزوجل پسند کرتے ہوں "قد صنع اللّٰہ بك ما أحببت واصنع ما أحب اللّٰہ لك" مروان نے اس کو معاف کردیا اور ان کو عطیہ دینے کیلئے کہا۔(۱)

☆ حضرت علی بن حسن سے مروی ہے کہ: بندہ اللہ عزوجل کے غضب سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ غصہ میں ہوتا ہے، تو روایت میں ہے کہ: تم مجھے غصہ کی حالت میں یاد کرو میں تم کو غصہ کی حالت میں یاد کروں گا، "اذکرنی اذا غضبت اذکرك اذا غضبت" اور جب تم پر کوئی ظلم کرے تو میری نصرت اور مدد پر راضی رہو، چونکہ میرا مدد کرنا تمہارا اپنی ذات کی مدد کرنے سے بہتر ہے۔(۲)

☆ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے ایک گورنر کو لکھا کہ: تم غصہ کے وقت سزا نہ دینا، جب تم کو کسی پر غصہ آئے تو تم اس کو قید کردینا، جب تمہارا غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو اس کو قید سے نکال دینا اور اس کو اس کی غلطی کے بقدر سزا دینا اور اس کو پندرہ کوڑوں سے زیادہ سزا نہ دینا "لا تجاوز به خمسة عشر سوطا" (۳)

☆ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے کہا گیا کہ: ہمیں حسن اخلاق اور خوش خلقی کو صرف ایک لفظ میں بیان کیجئے تو انہوں نے فرمایا: "ترك الغضب" غصہ کا چھوڑ دینا۔(۴)

☆ ایک شخص کے بارے میں بتلایا جاتا ہے کہ وہ بہت زیادہ غصہ ہوتا اور اس کا غصہ انتہا کو پہنچ جاتا، اس نے تین صحیفے لکھے: اور تین شخصوں کو ایک ایک دے، پہلے شخص سے کہا: جب میرا غصہ بڑھ جائے تو تم یہ صحیفہ لے کر میرے سامنے کھڑے ہو جانا، اور اسے مجھے دے دینا اور دوسرے سے کہا: جب میرا غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو یہ صحیفہ مجھے دینا، تیسرے سے کہا: جب میرا غصہ ختم ہو جائے تو تم اپنے پاس موجود صحیفہ مجھے دینا۔

(۱-۲-۳-۴) قصص العرب: ۱/۱۰۶

پہلے صحیفہ میں یہ تحریر تھی: کچھ کم بھی کرو، یہ کتنا بھیانک غصہ ہے، تم کوئی معبود تو نہیں ہو، تم تو ایک انسان ہو، عنقریب تم تو ختم ہو جاؤ گے "یوشك أن یأكل بعضك بعضًا " (۱)

دوسرے میں لکھا تھا: تم اہل زمین پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا " ارحم من فی الأرض یرحمك من فی السماء " (۲)

تیسرے میں لکھا ہوا تھا: تم بندوں کے معاملہ کو کتاب اللہ پر پیش کرو؛ کیونکہ ان کی اصلاح اور درستگی اس کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے " فانّه لا یصلحهم الاّ ذاك " (۳)

ایک روایت میں ہے کہ: اگر کوئی شخص تم کو گالی دے یا تم کو تمہارے اندر موجود برائی کے ذریعہ عار دلائے تو تم اس کے اندر موجود برائی کے ذریعہ عار نہ دلاؤ، اس کی برائی کے اظہار کا وبال اسی پر ہوگا "یكن وبال ذلك علیه" (۴)

حضرت اسحاق بن ابراہیم کہتے ہیں کہ: انہوں نے ابو عبداللہ (احمد بن حنبلؒ) سے اس حدیث کے متعلق پوچھا؟ "اذا بلغك شیئ عن أخیك فاحمله علی أحسنه حتی لا تجد له محملا " اس کا کیا مطلب ہے؟ تو فرمایا: تو اس کے عذر کو قبول کر لے " تعذره " تو یوں کہہ: ہو سکتا ہے یوں ہوا ہو، ہو سکتا ہے یوں ہوا ہو۔ (۵)

حضرت حسن بن علی کہتے ہیں کہ: اگر کوئی شخص مجھ کو ایک کان میں برا بھلا کہے اور دوسرے کان میں معذرت کرے تو میں اس کے عذر کو قبول کروں گا " لو أنّ رجلا شتمنی فی أذنی هذه، واعتذر فی أذنی الأخری لقبلت عذره " (۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب مجھے کسی سے تکلیف پہنچتی ہے تو میں اسے تین درجوں میں سے کسی ایک درجہ میں رکھتا ہوں، اگر وہ مجھ سے رتبہ میں بڑھا ہوا ہوتا ہے تو اس کی قدر و عزت کرتا ہوں " ان كان فوقی عرفت له قدره " اور اگر وہ

(۱-۲-۳-۴) قصص العرب: ۱/۱۰۶

(۵-۶) الاداب الشرعیة: فصل فی حمل ما جاء عن الاخوان: ۱/۳۰۲

میرا ہم سر اور ہم مثل ہوتا ہے تو اسے اپنے اوپر ترجیح دیتا ہوں "ان کان نظیری تفضلت علیه" اور اگر وہ مجھ سے مرتبہ میں چھوٹا ہوتا ہے تو میں اس کی پرواہ نہیں کرتا۔(۱)

حسد نہ کیجئے

حسد کے لغوی معنی برا چاہنے کے ہیں، اصطلاح شرع میں کسی شخص کی اچھی حالت کا ناگوار گذرنا اور یہ آرزو کرنا کہ یہ اچھی حالت اس کی زائل ہو جائے حسد کہلاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے، "الحسد تأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب" (۲)

تجربہ بھی شاہد ہے کہ جس کے دل میں حسد کی آگ بھڑکتی ہے وہ اسی کے درپہ رہتا ہے کہ جس کی خوشحالی پر اس کو حسد ہے کسی طرح اس کو کوئی نقصان پہنچ جائے اس کو بے آبرو کر دے پھر اگر کوئی بس نہیں چلتا تو اس کی غیبت ہی کر کے دل کی آگ بجھانا چاہتا ہے، اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی دوسری حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اس کا کم از کم یہ نتیجہ تو ضرور ہی ہوگا کہ قیامت میں اس غیبت کرنے والے حاسد کی نیکیاں اس محسود بندے کو دلا دی جائیں گی۔(۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ابھی یہاں سے ایک جنتی شخص آئیگا "يطلع عليكم الآن من هذا الفجّ رجل من أهل الجنّة" اتنے میں ایک انصاری شخص وضو کے بعد اپنی داڑھی کو جھاڑتے اور اپنے بائیں ہاتھ میں جوتے لئے آئے، پھر سلام کیا، تین دن تک آپ ﷺ نے ان کے آنے کی اطلاع ان کے جنتی ہونے کی بشارت کے ساتھ دی،

---

(۱) الاداب الشرعية : فصل في الأدب والتواضع : ۱۱/۲

(۲) ابوداؤد: باب في الحسد، حديث: ۴۹۰۳، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے اور بخاری نے اس روایت کے بارے میں کہا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے، اور یہ روایت ابن ماجہ کے یہاں ضعیف روایت کے ساتھ نقل کی گئی ہے اور اس کو تاریخ بغداد میں سندِ حسن کے ذکر کیا گیا ہے: تخريج احاديث الاحياء: ۵۶/۱، دار ابن حزم بيروت

(۳) معارف الحدیث: ۱۷-۲۱۶

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ان کے عمل کو دیکھنے کیلئے ان کے یہاں تین دن تک مہمان ہوئے، ان کو ان پنجوقتہ نمازوں اور سوتے وقت اذکار کے علاوہ ان کا کوئی خاص عمل نظر نہ آیا، انہوں نے ان سے پوچھا: میں نے تمہارا کوئی خاص عمل تو ایسا نہیں دیکھا جو تمہارے اس مرتبہ ومنزلت کا باعث ہو؟ تو انہوں نے کہا: میں کسی مسلمان کا اپنے دل میں کوئی کھوٹ اور حسد نہیں رکھتا "لا أجد على أحد من المسلمين في نفسي غشا ولا حسدًا على خير أعطاه الله" (۱)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: لوگ جب تک آپس میں حسد نہ کریں گے تب تک وہ خیر اور بھتری میں رہیں گے " لا يزال الناس بخير ما لم يتحاسدوا " (۲)

حضرت زکریا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ: حسد کرنے والا میری نعمتوں کا دشمن، میرے فیصلے سے ناراض اور بندوں کے بیچ میری تقسیم سے ناخوش نظر آتا ہے "الحاسد عدوّ لنعمتي، متسخط لقضائي، غير راضٍ بقسمتي" (۳)

بعض اسلاف نے کہا کہ: سب سے پہلی غلطی اور برائی حسد ہے، ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام پر ان کے رتبہ اور مقام کی وجہ سے حسد کیا تھا، اور اس نے ان کو سجدہ کرنے سے انکار کر کیا، اس کو حسد نے گناہ پر آمادہ کیا " فحمله الحسد على المعصية " (۴)

☆ عون بن عبداللہ ایک دفعہ فضل بن مہلب کے یہاں گئے، وہ واسط میں تھے، فرمایا: میں تم کو کچھ نصیحت کرنا چاہتا ہوں، تو فرمایا: تکبر نہ کرنا؛ کیونکہ یہ وہ پہلا گناہ ہے جس سے اللہ عزوجل کی نافرمانی کی گئی، "فانّه أوّل ذنب عصي الله به" پھر اس آیت کی تلاوت کی "وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ" (۵)

---

(۱) مسند احمد: مسند انس بن مالك: حديث: ۱۲۶۹۷

(۲) الترغيب: الأدب وغيره، حديث: ٤٣٧٧

(۳) الزواجر للهيثمي: الكبيرة الثالثة الغضب: ۱۰۱/۱، المكتبة العصرية، بيروت

(۴) الدر المنثور للسيوطي: ۱۲۵/۱، دار الفكر، بيروت

(۵) البقرة: ٣٤

تفسير الرازي: سورة البقرة: ۵۵۱/۱، دار احياء التراث العربي، بيروت

☆ ابن سیرین کہتے ہیں کہ: میں نے دنیا کے معاملے میں کسی سے حسد نہیں کیا، کیونکہ وہ اگر اہل جنت میں سے ہے تو میں حقیر دنیا کے سلسلے میں اس سے کیسے حسد کروں، اور اگر جہنمی ہے تو دنیا کے معاملے میں اس پر کیسے حسد کروں؟ حالانکہ اس کا انجامِ کار جہنم ہے "وان کان من أهل النّار فكيف أحسده على أمر الدنيا ويصير الى النّار" (۱)

☆ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: ہر شخص کو راضی کیا جاسکتا ہے، سوائے اس کے جس کو کسی نعمت پر حسد ہے، الا یہ کہ وہ نعمت ختم ہو جائے "كلّ النّاس أقدر على رضاه الا حاسد نعمة لا يرضيه الازوالها" (۲)

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: حاسد کیلئے یہ کافی ہے کہ وہ تیری خوشی کے وقت مغموم ہوتا ہے "يكفيك من الحاسد أنّه يغتمّ وقت سرورك" (۳)

اصمعی کہتے ہیں کہ: میں نے ایک دیہاتی کو جس کی عمر ایک سو بیس سال تھی دیکھا، میں نے اس سے کہا: تمہاری عمر کی زیادتی کی وجہ کیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے حسد کو چھوڑ دیا ہے؛ اس لئے میں بقیدِ حیات ہوں۔ (۴)

حسد کے وجوہات واسباب

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: حسد کا باعث عموماً یا تو تکبر وغرور ہوتا ہے یا عداوت اور نفس کی خباثت، کہ بلا وجہ خدا تعالیٰ کی نعمت میں بخل بھی کرتا ہے، اور چاہتا ہے کہ جس طرح میں کسی کو کچھ نہیں دیتا اسی طرح حق تعالیٰ بھی دوسرے کو کچھ نہ دے۔ (۵)

---

(۱) احياء علوم الدين: بيان حقيقة الحسد وحكمه: ۱۸۹/۳، دار المعرفة، بيروت
(۲) ادب الدين والدنيا: الفصل الأول في الكلام والصمت: ۲۷٤/۱، دار مكتبة الحياة
(۳) ادب الدين والدنيا: الفصل السادس في الحسد: ۲۷۰/۱، دار مكتبة الحياة
(۴) احياء علوم الدين: بيان حقيقة الحسد وحكمه: ۱۸۹/۳، دار المعرفة، بيروت
(۵) شریعت وطریقت: ۲۲۲، بحوالہ اپنی اصلاح کا مکمل نصاب: ۳۷۹

حسد کے نقصانات اور خرابیاں

امام غزالیؒ حسد کے نقصانات اور خرابیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: حسد سے پانچ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں:

۱- طاعات میں خرابی:
رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے، "الحسد تأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب" (۱)

۲- حسد سے دوسری چیز جو پیدا ہوتی ہے وہ گناہ اور برائیاں ہیں، حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ: حاسد کی تین نشانیاں ہیں: يمتلك اذا شهد، ويغتاب اذا غاب ويشمت بالمصيبة اذا نزلت (یعنی جب سامنے آتا ہے تو چاپلوسی کرتا ہے، پشت پیچھے غیبت کرتا ہے، اور جب دوسروں پر مصیبت آتی ہے تو خوش ہوتا ہے)۔

۳- حسد سے تیسری چیز بے چینی اور بے مقصد غم وفکر لاحق ہوتا ہے، بلکہ غم وفکر کے ساتھ طبیعت پر بوجھ اور معصیت کی رغبت بھی پیدا ہوتی ہے، حضرت ابن سماکؒ نے ارشاد فرمایا: لم أرى ظالما اشبه بالمظلوم من الحاسد نفس دائم وعقل هائم وغم لازم (میں نے حاسد کے سوا کسی ظالم کو مظلوم کے ساتھ زیادہ مشابہت والا نہیں دیکھا، بیچارہ ہر وقت افسردہ طبیعت رہتا ہے، پریشان حال رہتا ہے اور ہر وقت غم میں مبتلا رہتا ہے)۔

۴- حسد سے چوتھی خرابی یہ پیدا ہوتی ہے کہ دل اندھا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: ہمیشہ خاموش رہنا اختیار کر کہ اس سے تیرے اندر ورع پیدا ہوگا، لالچی نہ بن تاکہ فتنوں سے محفوظ رہے نکتہ چیں نہ بن تاکہ لوگوں کے طعن وتشنیع سے محفوظ رہے، حاسد نہ بن کہ تجھے فہم کی تیزی نصیب ہو۔

(۱) ابوداؤد: باب في الحسد، حديث: ۴۹۰۳

۵- حسد سے پانچویں خرابی یہ پیدا ہوتی ہے کہ انسان ذلت اور محرومی کی لعنت میں گرفتار ہو جاتا ہے، اپنی کسی مراد میں کامیاب نہیں ہوتا اور نہ اپنے کسی دشمن پر غالب آسکتا ہے حضرت حاتم اصمؒ نے فرمایا ہے کہ: کینہ پرور، دیندار نہیں ہوتا، لوگوں کے عیب نکالنے والا عبادت گذار نہیں ہوتا، چغل خور کو امن نصیب نہیں ہوسکتا اور حاسد شخص نصرتِ خداوندی سے محروم ہوتا ہے۔

حسد کا علاج

امام غزالیؒ تحریر فرماتے ہیں: حسد کا علاج یہ ہے کہ تم سوچو کہ حسد دنیا و آخرت میں ضرر اور نقصان کا باعث ہے، دنیا میں اس طرح کہ یہ غم تمہیں ہر وقت لگا رہتا ہے اور تکلیف پہنچاتا رہتا ہے۔ اور دین میں اس طرح کہ یہ نعمتِ الٰہی پر ناراضی ہے جو اس کیلئے تو ثواب ہے اور تمہارے لئے عقاب۔

حسد کا علمی علاج

حاسد کو جاننا چاہئے کہ حسد اسی کو نقصان پہنچا رہا ہے، اس سے محسود (جس سے حسد کیا جائے) کا کچھ نقصان نہیں، بلکہ الٹا اس میں حاسد کا نقصان ہے دین کا بھی دنیا کا بھی اور محسود کا اس میں نفع یہ ہے کہ اس کو مفت میں حاسد کی نیکیاں ملتی ہیں۔

حسد کا عملی علاج

گو بہ تکلف ہی سہی اس شخص کی خوب تعریف کیا کرو اور اس کے ساتھ خوب احسان وسلوک سے اور تواضع کے ساتھ پیش آؤ، ان معاملات میں اس شخص کے قلب میں تمہاری محبت ہوگی پھر وہ تم سے اسی طور سے پیش آئے گا اور اس سے تمہارے دل میں اس کی محبت ہوگی اور حسد جاتا رہے گا۔(۱)

(۱) اپنی اصلاح کا مکمل نصاب: ۳۸۴-۳۸۵

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں!

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ: تم مظلوم کی بددعا سے بچو، کیوں کہ وہ حق تعالیٰ سے سوال کرے گا " ایاك ودعوة المظلوم " (۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ: جس کسی بندے پر ظلم ہوتا ہے اور وہ اپنی نگاہ آسمان کی جانب اٹھاتا ہے تو اللہ عزوجل کہتے ہیں کہ: میں حاضر ہوں میرے بندے، مجھ پر یہ حق ہے کہ تیری مدد کروں گرچہ تھوڑی دیر کے بعد سہی " لبّیك عبدی حقًا لأنصرنّك ولو بعد حین " (۲)

آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ: ظلم کی تین قسمیں ہیں: ایک تو وہ ظلم جس کی معافی نہیں، دوسرے وہ ظلم جسے چھوڑا نہیں جائے گا، تیسرا وہ ظلم جس کی بخشش ہوگی، جو ظلم معاف نہیں ہوتا وہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِه وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ " (۳)

اور جو ظلم چھوڑا نہیں جائے گا وہ بندوں کے آپس کے مظالم ہیں، اور جس ظلم کی معافی ہوگی جس کا مطالبہ نہ ہوگا وہ بندے کا اپنے نفس پر ظلم ہے۔ (۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: مظلوم کا دن ظالم پر ظالم کے مظلوم پر دن سے زیادہ سخت ہوگا "یوم المظلوم علی الظالم أشدّ من یوم الظالم علی المظلوم " آسمان کے اوپر ایک تختی دکھائی دی جس میں لکھا تھا "لَا الٰہ الّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ " اور اس کے نیچے یہ شعر لکھا تھا۔ (۵)

فلم أر مثل العدل رافعًا ولم أر مثل الجور للمرء واضعًا

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبة : فی دعوة المظلوم : ۴۸/۶

(۲) الترغیب والترهیب للمنذری: کتاب الصوم ،الترغیب فی الصوم، حدیث: ۱۴۷۱، علامہ منذریؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو امام احمدؒ نے اور امام ترمذیؒ نے روایت ہے اور اس کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے۔

(۳) النساء: ۴۸

(۴-۵) المستطرف: ومنها ارسال المثل والاستملاء: ۲۳۴/۱، دار الکتب العلمیة، بیروت

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ: مجھے شرم آتی ہے کہ میں ایسے شخص پر ظلم کروں جس کا مددگار صرف اللہ ہے "انّی استحی أن أظلم من لا یجد علیّ ناصرًا الّا اللّٰہ" (۱)

یوسف بن اسباط کہتے ہیں کہ: جو روئے زمین پر ظلم کے بقاء کی دعا کرتا ہے تو اس نے اللہ کی زمین میں اس کی نافرمانی کو پسند کیا "فقد أحبّ أن یعصی اللّٰہ فی أرضہ" (۲)

حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ: اللہ عزوجل جہنمیوں پر کھجلی مسلط کریں گے، وہ اپنے جسموں کو کھرچیں گے جس سے ان کی ہڈیاں ظاہر ہو جائیں گی، ان سے کہا جائے گا: کیا یہ تمہارے لئے تکلیف دہ ہے، تو وہ کہیں گے: اللہ کی قسم! یہ بڑے تکلیف دہ ہیں، تو ان سے کہا جائے گا: یہ اس وجہ سے ہے کہ تم (دنیا میں) مومنوں کو تکلیف دیتے تھے "ھذا بما کنتم توذون المؤمنین" (۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: جب اللہ عزوجل نے یوسف علیہ السلام کی قوم سے عذاب کو دور کیا تو انہوں نے آپس کے مظالم کو ختم کیا، یہاں تک کہ آدمی پتھر کو اس کی بنیاد سے اکھاڑ دیتا اور اس کو اس کے مالک کے حوالے کر دیتا "حتی کان الرجل لیقلع الحجر من أساسہ فیردّہ الی صاحبہ" (۴)

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ: اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں کہ: میں اس پر غضبناک ہوتا ہوں جو ایسے شخص پر ظلم کرتا ہے جس کا میرے علاوہ کوئی مددگار نہیں "اشتد غضبی علی من ظلم یجد لہ ناصرا غیری" (۵)

ایک شخص نے سلیمان بن عبد الملک سے جبکہ وہ منبر پر بیٹھے ہوئے تھے کہا: اے سلیمان!

---

(۱) درر الحکم لأبی منصور الثعالبی: مقدمۃ: ۱/۵۵، دار الصحابۃ، طنطا
(۲) احیاء علوم الدین: کتاب اداب الکسب والمعاش: ۲/۸۷
(۳-۴) قصص العرب: ۱/۱۷۵
(۵) الترغیب الترھیب: کتاب القضاء وغیرہ، حدیث: ۳۳۷۰، علامہ منذریؒ کہتے ہیں کہ اس کو طبرانی نے صغیر اور اوسط میں ذکر کیا ہے۔

اس اذان کے دن کو یاد کرو، سلیمان منبر سے نیچے اترا اور اس شخص کو بلایا اور اس سے کہا: اذان کا دن کیا ہے؟ اس نے کہا: اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ: فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ أَنْ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ " (۱) اس نے کہا: تم پر کیا ظلم ہوا ہے؟ آدمی نے کہا: میری فلاں جگہ اتنی زمین ہے، آپ کے وکیل نے اس کو غصب کیا ہے، انہوں نے وکیل کو یہ تحریر لکھ بھیجی، اس شخص کی زمین اس کو واپس کردو اور اس کے ساتھ مزید زمین اور دو "ادفع اليه أرضه وأرضا مع أرضة " (۲)

کسریٰ نوشیرواں کے ایک استاذ تھے جو اسے حسن ادب اور اخلاق کی تعلیم دیتے تھے، یہاں تک کہ اس نے تمام علوم وفنون میں فوقیت و برتری حاصل کرلی، اس کو ایک دن استاذ نے بغیر غلطی کے مار دیا، نوشیرواں کو اس پر حسد ہوگیا، جب وہ بادشاہ بنا تو اس نے معلم سے کہا: تم نے فلاں فلاں دن مجھے کیوں مارا تھا؟ اس معلم نے کہا: جب میں نے تمہاری علمی دلچسپی دیکھی تو مجھے تمہارے باپ کے بعد بادشاہ بننے کی امید ہونے لگی، اس لئے میں نے چاہا کہ میں تم کو ظلم کا مزا چکھاؤں، تاکہ تم کسی اور پر ظلم وزیادتی نہ کرسکو " فأحببت أن أذيقك طعم الظلم لئلا تظلم " (۳)

بدلہ لینے کا نام اخلاق نہیں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: برابر کا بدلہ دینے والا رشتہ جوڑنے والا نہیں ہے، حقیقت میں رشتہ جوڑنے والا وہ ہے جو دوسروں کے رشتہ کاٹنے پر بھی رشتہ جوڑے " ليس الواصل بالمكافي ولكن الواصل اذا انقطعت رحمه وصلها " (۴)

اور دوسری حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ: نقل باز نہ بنو، یوں کہنے لگو کہ: اگر لوگ ہمارے ساتھ حسن سلوک کریں گے تو ہم بھی اچھا سلوک کریں، نہیں تمہارا رویہ تو یہ ہونا چاہئے کہ

---

(۱) الاعراف: ٤٤

(۲-۳) قصص العرب: ١٧٦/١

(۴) بخاری: باب ليس والواصل بالمكافي، حديث: ٥٦٤٥

وہ اچھا معاملہ کرے تو تم بھی بہترین برتاؤ کرو، اگر وہ ظلم کرے تو تب بھی خوبی اخلاق سے پیش آؤ "لا تکونوا امّعة تقولون ان أحسن النّاس احسنّا وان اساؤوا ظلمنا" (۱)

تحمل و بردباری کو اختیار کیجئے!

امام غزالیؒ حلم اور بردباری کی فضیلت واہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بردباری غصہ پی جانے سے زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ غصہ پی جانا تو بہ تکلف حلم ہوتا ہے اور طبعی حلم کمالِ عقل کی دلیل ہے، اور اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ قوتِ غضبیہ قوتِ عقلیہ کے ماتحت ہے عموماً پہلے انسان بہ تکلف بردبار بنتا ہے، پھر یہ عادت بن جاتی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا علم سیکھنے سے آتا ہے اور حلم نرمی اپنانے سے پیدا ہوتا ہے، "انما العلم بالتعلم والحلم بالتحلم" جو شخص خیر تلاش کرے گا اسے خیر اور جو شر تلاش کرے گا اسے شر ملے گا ، اور حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: علم کو طلب کرو اور علم کے ساتھ حلم وبردباری کو طلب کرو، "اطلبوا العلم واطلبوا الحلم" جن سے سیکھتے ہو اور جنہیں سکھاتے ہو ان کے ساتھ نرم برتاؤ کرو، جبار عالم نہ بنو کہ تمہاری سبک سری تمہارے علم پر غالب آجائے۔(۲)

حضور اکرم ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے: "اے اللہ! مجھے علم کی تونگری عطا فرما، حلم سے زینت دے، تقویٰ سے سرفراز فرما اور عافیت سے آراستہ فرما" اللّٰھم اغننی بالعلم وزینی بالحلم" (۳)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کے سردار اَشج سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پیاری ہیں، ایک بردباری (غصہ سے مغلوب نہ ہونا) اور دوسرے جلدی نہ کرنا "الحلم والأناة" (۴)

---

(۱) ترمذی: باب الاحسان والعفو: حدیث: ۲۰۰۷، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے

(۲-۳) المغنی عن حمل الأسفار: فضیلة الحلم: ۸۵۰/۲، مکتبہ طبریہ، علامہ عراقی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابن السنی نے ریاضة المتعلمین میں سندِ ضعیف کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(۴) صحیح مسلم: باب الأمر بالإیمان، حدیث: ۱۷

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مومن وہ ہے جو لوگوں کے ساتھ رہن سہن رکھتا ہو اور ان کی اذیت پر صبر کرتا ہو، ایسا شخص اس سے بہتر ہے جو لوگوں سے ربط وضبط نہ رکھتا ہو "المسلم إذا كان مخالطا الناس ويصبر على اذاهم خير من المسلم الذى لا يخالط الناس ولا يصبر على اذاهم" (۱)

حضرت سعید بن حسنؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس میں تین خصلتوں میں سے کوئی ایک نہ ہو تو اس سے کتا بہتر ہے، ایک تو ورع اور تقوی جو اس کو اللہ کے محارم سے روک دے یا حلم جس سے وہ جاہل کی جہالت کا دفع کرے " أو حلم يرد به جهل جاهل" یا حسن اخلاق جس سے انسان لوگوں کے درمیان رہ سکے۔ (۲)

ضحاک بن قیس احنف اکابر تابعین میں سے ہیں، قبیلہ بنی تمیم کے سردار تھے اور کل عرب میں عقل وتدبیر، علم وعمل کے ساتھ موصوف وممدوح، کسی نے ان سے حلم کے معنی پوچھے: کہا: صبر جس کے ساتھ ذلت ملی ہوئی ہو، لوگوں نے کہا: آپ تو حد درجہ بردبار ہیں، کہا: تکلیف تو مجھے ہوتی ہے، لیکن صرف اتنا فرق ہے کہ: میں صبر کر لیتا ہوں۔

کہا کرتے تھے کہ: حلم اور بردباری نے مجھے اتنا کام دیا ہے کہ فوج نے نہیں دیا، کہا کرتے تھے کہ: میں نے بردباری کی تعلیم قیس بن عاصم سے پائی ہے، ان کے برادرزادہ نے ان کے فرزند کو مار ڈالا لوگ قاتل کو مشکیں کس کر قیس کے پاس لے آئے، قیس نے پہلے تو لوگوں سے کہا کہ: تم نے لڑکے کے ساتھ بہت ہی سختی کی ہے، اور اسے بہت ڈرایا، پھر قاتل کی طرف متوجہ ہو کر کہا: لڑکے تو نے برا کیا کہ اپنی تعداد کو گھٹایا، اپنے بازو کو کمزور بنایا، اعداء کو ہنسایا اور قوم کو رلایا، لوگو! اسے چھوڑ دو اور قاتل کی طرف سے مقتول کی ماں کو میری جیب سے خون بہا ادا کر دو، قاتل چھوڑ دیا گیا اور لوگ رخصت ہو گئے، اس قضیہ کے وقت نہ قیس کے ابرو میں بل پڑا، اور نہ اس نے نشست میں اپنے پہلو کو بدلا۔ (۳)

---

(۱) ترمذی: باب، حدیث: ۲۵۰۷

(۲) شعب الایمان: فصل في الحلم، حدیث: ۸۴۲۳

(۳) تاریخ المشاہیر: ۲۹۴، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

تواضع اپنایئے

تواضع کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے اندر اس بات کا دھیان جمائے کہ میں تو اللہ کا بندہ ہوں اور بندہ ہونے کی حیثیت سے اس کے احکام کا پابند ہوں اور اپنی ذات میں میرے اندر کوئی فضیلت نہیں، میری ابتداء گندا پانی ہے اور انتہا منوں مٹی کے نیچے ملیا میٹ ہونا ہے، یہ جسم خون، اور پاخانہ کی مشین لئے پھر رہا ہے، مجھے معلوم نہیں کہ میرے گناہ معاف ہوئے یا نہیں، نہ یہ معلوم ہے کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہوگا یا نہیں، میرا کوئی حق نہیں؛ لہٰذا اگر کوئی شخص میری حق تلفی کرتا ہے تو میں اپنے رب کی نافرمانیوں کی وجہ سے حق تلفی ہی کا مستحق ہوں، جب دل میں یہ تواضع کی صفت پیدا ہوگی تو دوسرے سے توقع بھی نہیں ہوگی، جب توقع نہیں ہوگی تو پھر دوسرے سے شکوہ شکایت بھی نہیں ہوگی، جب شکوہ نہیں ہوگا تو جھگڑا بھی نہیں ہوگا ؛ لہٰذا اسلامی معاشرت کی ایک بنیاد یہ بھی ہے کہ: آدمی اپنے اندر تواضع پیدا کرے۔

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ تواضع کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: تواضع للہ کی حقیقت یہ ہے کہ حقیقت میں اپنے کو لاشئے سمجھے اور سچ سمجھ کر تواضع کرے، اپنے کو رفعت کا اہل نہ سمجھے اور سچ مچ اپنے کو مٹانے کا قصد کرے، اس کی اصل مجاہدۂ نفس ہے؛ کیوں کہ تواضع اس کا نام نہیں کہ زبان سے خاکسار، نیاز مند، ذرۂ بے مقدار کہہ دیا بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی تم کو ذرہ بے مقدار سمجھ کر برا بھلا کہے اور ذلیل کرے تو تم کو انتقام کا جوش پیدا نہ ہو، اور نفس کو یوں سمجھا دو کہ تو واقعی ایسا ہی ہے، پھر کیوں برا مانتا ہے، اور کسی کی برائی سے کچھ رنج واثر نہ ہو تو تواضع کا اعلیٰ درجہ ہے، کہ مدح وذم (تعریف وبرائی) برابر ہوجائے، مطلب یہ ہے عقلاً برابر ہوجائے کیوں کہ طبعاً تو مساوات نہیں ہوسکتی۔

تواضع کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی ہے کہ تم لوگ اس طرح تواضع کرو؛ یہاں تک کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر ظلم کرے " انّ اللّٰہ اوحی الیّ ان تواضعوا حتّٰی لا یفخر احد علٰی احدٍ " (۱)

(۱) مسلم: باب الصفات التی یعرف بھا الدنیا، حدیث:۷۲۱۰

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو شخص اللہ (کی رضا حاصل کرنے) کیلئے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے خیال میں تو چھوٹا ہوتا ہے؛ لیکن لوگوں کی نگاہ میں اونچا ہوتا ہے اور جو تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو گرادیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی نگاہ میں چھوٹا ہوجاتا ہے، گرچہ وہ خود اپنے خیال میں بڑا ہوتا ہے؛ لیکن وہ دوسروں کی نگاہ میں کتے اور خنزیر سے ذلیل ہوتا ہے، "حتّى لهو أهون عليهم من كلب أو خنزير" (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو" لا يدخل الجنّة من كان في قلبه مثقال ذرّة من كبرٍ" (۲)

ایک مرتبہ حضور ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، داماد کو گھر میں نہ پایا، معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ وہ ناراض ہوکر مسجد چلے گئے ہیں، سرور کائنات ﷺ بنفسِ نفیس مسجد تشریف لے گئے؛ چونکہ زمین پر لیٹ جانے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جسم پر گردوغبار لگ چکا تھا؛ اس لئے پیار سے مناتے ہوئے فرمایا: " قُم يا أبا تراب" اے مٹی کے باپ! اُٹھ جائیے۔ (۳)

کہنے والے نے بڑی بات کہی ہے کہ "ہزار چھوٹے بننے والوں کا ایک مکان میں رہنا آسان ہے مگر بڑے بننے والے دو بادشاہوں کا ایک ملک میں رہنا مشکل ہے"۔

---

(۱) شعب الایمان: فصل في التواضع وترك الزهو، حديث: ۸۱۴۰، بیہقی کہتے ہیں کہ: یہ حدیث ثوری کے غرائب میں سے ہے، اس کو سعید بن سلام نے تنہا روایت کیا ہے۔

(۲) بخاری: باب مناقب علي، حديث: ۳۵۰۰

(۳) ابوداؤد: باب في حسن المعاشرة، حديث: ۴۷۹۰، منذری نے کہا ہے کہ: اس کو ابوداؤد نے ضعیف نہیں کہا ہے، اس کے رواۃ ثقہ ہیں، اس کے رواۃ ثقہ ہیں سوائے بشر بن رافع کے ان کی بھی توثیق کی گئی ہے: الترغیب: کتاب البر والصلة، حديث: ۳۹۴۸

حضور ﷺ نے مومن کی صفت یہ بتائی ہے کہ وہ بڑا سادہ دل اور بھولا بھالا ہوتا ہے، ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ "المؤمن غرّ کریم، والفاجر خبّ لئیم" مومن بڑا سادہ دل اور بھولا بھالا ہوتا ہے اور فاجر منافق قسم کا پورا نہ کرنے والا اور کمینہ ہوتا ہے۔(۱)

سلیمان بن عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تواضع کی چوٹی کی بات یہ ہے کہ جس سے تم ملو اس کو سلام کرو اور جو تم کو سلام کرے اس کا جواب دو، مجلس میں کمتر جگہ پر بیٹھنے میں عار نہ سمجھو، تم کو یہ خواہش نہ ہو کہ کوئی تمہاری تعریف کرے یا تم پر احسان کرے۔

یوسف بن اسباط کے بارے میں مروی ہے کہ کسی شخص نے ان سے سوال کیا کہ تواضع کی حد کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ جب تم اپنے گھر سے نکلو اور راستہ میں جس کسی سے بھی ملو اس کو خود سے بہتر سمجھو۔(۲)

تکبر بندے کو زیب نہیں دیتا

اس کے مقابل تکبر یہ لڑائی جھگڑے اور تعلقات کے بگاڑ کا باعث ہوتا ہے، ہر آدمی کے دل میں تکبر ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ: میں بڑا ہوں، میرے فلاں حقوق ہیں، اس نے میری شان کے خلاف بات کہی ہے، میری حق تلفی کی، اس نے میری تعظیم نہیں کی، تکبر کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا سمجھا اور بڑا سمجھنے کے نتیجے میں اپنے لئے کچھ حقوق گھڑ لئے اور حقوق کی عدمِ ادائیگی پر شکوہ شکایت ہونے لگی، جس کے نتیجے میں لڑائی، جھگڑے کی نوبت آ گئی، چھوٹے بننے والے ہزار ایک چھوٹی جگہ میں رہ سکتے ہیں؛ مگر بڑے بننے والے دو بادشاہ ایک ملک میں نہیں رہ سکتے۔

---

(۱) ترمذی، البخیل، حدیث: ١٩٦٤، امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے جس کو ہم صرف اسی طریق سے جانتے ہیں۔

(۲) اپنی اصلاح کا مکمل نصاب: ۱۲۹-۱۳۰

تکبر کی حقیقت یوں بیان کی گئی ہے کہ: ''تکبر اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو حقیر جاننا، یہ تمام رذائل کی جڑ ہے، غصہ، ظلم، کینہ، حسد، بغض اور اختلاف اسی سے پیدا ہوتے ہیں کیونکہ اختلاف کی نوبت وہیں آتی ہے جبکہ ہر شخص اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے، اگر ہر شخص اپنے کو دوسرے سے کم سمجھے تو اختلاف یا نااتفاقی کی نوبت ہی نہیں آتی، غرض تکبر تمام مفاسد حتیٰ کہ شرک وکفر کی بھی جڑ ہے، دنیا میں جو بھی کافر ہوا ہے وہ اپنے نفس کے کبر کی وجہ سے کافر ہوا ورنہ دنیا میں حق مخفی نہیں رہتا۔(۱)

''کبر انسانی اس خیال اور گمان کو کہتے ہیں کہ وہ دوسرے سے بہت بڑا ہے اور اس کے اظہار کو تکبر کہتے ہیں، کبر ایک صفت ہے جو سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کسی اور میں موجود نہیں ہے، اگر مخلوقات میں سے کوئی اس صفت سے متصف ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا ہے''۔

کبر انسان میں حقیقتاً غرور اور خود پسندی سے پیدا ہوتا ہے اور خود پسندی محاسن سے عدم وقوف کا دوسرا نام ہے، اس قسم کی جہالت خلاف انسانیت ہے (انسانیت کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان محاسن کو پہچانے اور خود پسندی کا دعویٰ نہ کرے) یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ متکبرین کو پسند نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ'' (۲) اللہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، اور ایک مقام پر ارشاد باری عز وجل ہے ''اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ'' کیا جہنم تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ نہیں ہے، اور ایک حدیث قدسی میں آیا ہے: ''الكبرياء ردائي والعظمة إزاري فمن نازعني واحدا منهما قذفته في النار'' (۳)

---

(۱) تہذیب الاخلاق: ۱۳۵، بحوالہ اپنی اصلاح کا مکمل نصاب: ۳۴۱

(۲) النحل: ۲۳

(۳) ابوداؤد: باب ماجاء في الكبر، حديث: ۴۰۹۰، بوصیری کہتے ہیں کہ: اس کی سند کے رجال ثقہ ہیں سوائے عطاء بن سائب ان کو آخری عمر میں اختلاط ہو گیا تھا، البتہ اس کا ایک شاہد حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے جس کو مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: مصباح السنن: كتاب الزهد: ۳۱۶/۲، دار الجنان، بيروت

کبریائی میری چادر ہے اور عظمت و بزرگی میرا لباس پس جس نے ان دونوں میں سے کسی کو لینے کی خواہش کی میں اس کو پاش پاش کردوں گا۔

ایک دوسری روایت میں ہے "قدمتہ فی نار جھنم" میں اسے جہنم میں پھینک دوں گا۔

اللہ عزوجل نے انسان کی سرکشی کا رد اس طرح فرمایا ہے (اور اس کی حقیقت بھی اس پر واضح کردی ہے) ارشاد ہوتا ہے: وَلَا تَمۡشِ فِیۡ الۡاَرۡضِ مَرَحًا اِنَّکَ لَنۡ تَخۡرِقَ الۡاَرۡضَ وَلَنۡ تَبۡلُغَ الۡجِبَالَ طُوۡلًا (۱) یعنی زمین میں اکڑ کر اتراتے ہوئے مت چلو کیونکہ نہ تم (اس طرح چل کر) زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ پہاڑوں کی طرح بلند ہو سکتے ہو (کہ ان کو پامال کرسکو)۔

جب تواضع دل سے نکل جاتا ہے اور اس کی جگہ تکبر لے لیتا ہے تو پھر اعضاء بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں، اور یہ مسلم ہے کہ جو ظرف (برتن) میں ہوتا ہے وہی اس سے ٹپکتا ہے، جب تواضع کی صفت دل سے رخصت ہوجائے اور اس کے بجائے کبر اور غرور جگہ لے لیں تو پھر اس کا اثر گردن میں کجی پیدا کرتا ہے اور کبھی رخساروں میں ظاہر ہوتا ہے اور انسان کا منہ بگڑ جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلَا تُصَعِّرۡ خَدَّکَ لِلنَّاس" (۲) تم لوگوں سے اپنا منہ نہ بگاڑو، اور کبھی اس کا اثر دوسروں پر پہنچتا ہے، ارشاد خداوندی ہے: لَوَّوۡا رُؤُوۡسَهُمۡ وَرَاَیۡتَهُمۡ یَصُدُّوۡنَ وَهُمۡ مُّسۡتَکۡبِرُوۡنَ (۳) پھر انہوں نے اپنے سروں کو پھیرا اور تم نے دیکھا کہ وہ غرور اور تکبر سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

پس غرور، اعضاء اور جوارح پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس کی اثر اندازی سے بہت سی قسمیں پیدا ہوجاتی ہیں، جو ایک دوسرے سے زیادہ کثیف ہیں جیسے شیخی، تکبر، گھمنڈ اور عزت و خودداری وغیرہ۔ (۴)

---

(۱) الاسراء: ۳۷ (۲) لقمن: ۱۸ (۳) المنافقون: ۵

(۴) عوارف المعارف: ۳۹۶، بحوالہ اپنی اصلاح کا مکمل نصاب: ۳۳۴

البتہ عزت نفس اور خودداری علاحدہ چیزیں ہیں، عزت کی تعریف یہ ہے کہ انسان خود کو پہچانے اور حقیقت نفس کو پہچان کر اس کا اکرام اس طرح کرے کہ اس کو دنیاوی اغراض ومفاد کے حصول کیلئے خوار اور ذلیل نہ بنائے، اور کبر یہ ہے کہ انسان اپنے آپ سے اور اپنے نفس سے ناواقف ہو اور اس کو اس کی مرتبہ سے بالاتر اور عظیم سمجھے۔

کسی شخص نے حضرت حسنؓ سے کہا: آپ کا نفس کس قدر عظیم ہے؟ آپ نے جواب دیا، میں عظیم نہیں ہوں؛ لیکن عزیز ضرور ہوں، (یعنی صاحب عزت)۔(۱)

تکبر کے نقصانات

امام غزالی منہاج العابدین میں تکبر کے نقصانات کے تعلق سے فرماتے ہیں:

کبر ایک ایسی آفت ہے جو نیکی کا نام ونشان مٹا دیتی ہے، کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا اَبٰی وَاسۡتَکۡبَرَ وَکَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ (۲) (ابلیس) انکار اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

تکبر سے چار خرابیاں ضرور پیدا ہوتی ہیں:

۱- ایک حق سے محرومی ہو جانا، دل کا اللہ تعالیٰ کی معرفت سے اندھا ہو جانا اور احکام خداوندی کے فہم کے متعلق ذہن کا کند ہو جانا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سَاَصۡرِفُ عَنۡ اٰیٰتِیَ الَّذِیۡنَ یَتَکَبَّرُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ (۳) میں عنقریب اپنی آیات کے فہم سے ان لوگوں کو پھیر دوں گا جو ناحق تکبر کرتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: کَذٰلِکَ یَطۡبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلۡبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ (۴) اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر متکبر اور سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

۲- تکبر سے دوسری خرابی یہ پیدا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے پر غصہ اور اس سے

---

(۱) عوارف المعارف: ۳۹۶، بحوالہ اپنی اصلاح کا مکمل نصاب: ۳۴۴

(۲) البقرة: ۳٤ (۳) الاعراف: ١٤٦ (۴) الغافر: ۳۵

ناراض ہو جاتا ہے، چنانچہ فرمایا: " اِنَّـهٗ لَا يُحِبُّ الْمُتَكَبِّرِيْنَ " بیشک اللہ تعالیٰ متکبر لوگوں کو دوست نہیں رکھتا۔

۳- تکبر سے پیدا ہونے والی تیسری خرابی یہ ہے کہ دنیا و آخرت میں ذلت و خواری ہے، حاتم اصم نے فرمایا: متکبر شخص کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک موت نہیں دیتا جب تک کہ اپنے رذیل اہل و عیال اور خادموں سے اس کو ذلیل و خوار نہ کردے۔

روایات میں آیا ہے کہ متکبر کو اللہ تعالیٰ ضرور ذلیل و خوار کرے گا۔

۴- متکبر شخص پر چوتھی مصیبت و آفت یہ ٹوٹتی ہے کہ وہ آخرت میں دوزخ کی آگ میں جلے گا، ایک حدیث قدسی ہے:" الکبریاء ردائی والعظمة إزاری فمن نازعنی واحدا منهما قذفته فی النار" (۱)

تکبر کے اسباب و وجوہات

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ نے اربعین میں تکبر کے چار اسباب بیان کئے ہیں:

۱- علم و تقوی ۲- حسب و نسب ۳- مال و دولت ۴- حسن و جمال

جو شخص عالم ہو اور تکبر کرے وہ جاہل سے بدتر ہے، کیوں کہ جس علم سے اس کا تکبر پیدا ہو، وہ جہالت سے بدتر ہے، اگر حقیقی معنوں میں عالم ہوتا اور تکبر کے انجام سے واقف ہوتا تو تکبر کیوں کرتا، بدون عمل کے علم نجات کیلئے کافی نہیں۔

جب اپنے اکابر کا بہادر، شجاع اور نیک و صالح ہونا اس کے کام نہیں آسکتا تو انسان کو حسب و نسب پر فخر کرنا محض فضول و بیکار ہے۔

---

(۱) ابوداؤد: باب ماجاء فی الکبر، حدیث: ۴۰۹۰، بوصیری کہتے ہیں کہ: اس کی سند کے رجال ثقہ ہیں سوائے عطاء بن سائب ان کو آخری عمر میں اختلاط ہو گیا تھا، البتہ اس کا ایک شاید حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے جس کو مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: مصباح السنن: کتاب الزهد: ۳۱۶/۲، دار الجنان، بیروت

مال و دولت بھی فانی چیز ہے، ڈاکہ پڑنے یا چوری ہونے سے جاتا رہتا ہے، قبر میں انسان کے ساتھ نہیں جاتا تو ایسی ناپائیدار چیز پر فخر کرنا دانشمندی نہیں۔

حسن و جمال بھی عارضی شئ ہے، بیماری کے لگ جانے، چیچک نکل آنے سے سارا حسن ملیامیٹ ہو جاتا ہے، اسی لئے حسن و جمال پر فخر کرنا حماقت اور جہالت ہے۔(۱)

تکبر سے کیسے بچا جائے

کبر سے حفاظت کیلئے حضرت تھانویؒ نے چند امور تحریر فرمائے ہیں: آدمی یہ سوچے کہ

۱- گو میرے اندر یہ کمال ہے مگر میرا پیدا کیا ہوا نہیں حق تعالیٰ کا عطا فرمایا ہوا ہے۔

۲- عطا بھی کسی استحقاق سے نہیں بلکہ محض موہبت و رحمت سے ہوا۔

۳- عطا کے بعد اس کا بقاء میرے اختیار میں نہیں بلکہ حق تعالیٰ جب چاہیں سلب کر لیں۔

۴- گو یہ دوسرے شخص میں فی الحال نہیں مگر فی المآل ممکن ہے کہ میرے کمال سے زیادہ اس کو یہ کمال حاصل ہو جاوے کہ میں اس کمال میں اسی کا محتاج ہو جاؤں۔

۵- اگر فی المآل بھی نہ ہو جیسا کہ بعض اوقات ظاہری اسباب سے اس کا گمان غالب ہو جاتا ہے، تو فی الحال ہی اس شخص میں کوئی ایسا کمال ہو جو مجھ سے مخفی ہو اور دوسروں پر ظاہر ہو، یا سب ہی سے مخفی ہو اور حق تعالیٰ کو معلوم ہو، جس کے اعتبار سے اس کے اوصاف کا مجموعہ میرے اوصاف کے مجموعہ سے غالب ہو۔

۶- شاید علم الٰہی میں وہ مقبول ہو اور میں غیر مقبول ہوں، یا اگر میں بھی مقبول ہوں تو یہ مجھ سے زیادہ مقبول ہو تو مجھ کو کیا حق ہے کہ اس کو حقیر جانوں۔

۷- اور اگر بالفرض یہ سب امور میں مجھ سے کم ہی ہے تو ناقص کا کامل پر حق ہوتا ہی ہے، جیسا کہ مریض کا صحیح پر، ضعیف کا قوی پر، فقیر کا غنی پر، تو مجھ کو چاہیئے کہ اس پر شفقت

---

(۱) تہذیب الاخلاق: ۱۳۷، بحوالہ اپنی اصلاح کا مکمل نصاب: ۳۳۸

وترحم کروں، اس کی تکمیل میں کوشش کروں اور اگر کسی طرح قدرت یا ہمت نہ ہو تو دعائے تکمیل ہی سہی، اس خیال کے بعد تکمیل میں کوشش شروع کردیں، اور طبعی خاصہ ہے کہ جس کی تکمیل وتربیت میں کوشش کی جاتی ہے اس سے محبت پیدا ہوجاتی ہے اور محبت کے بعد تحقیر نہیں ہوتی۔

۸- یہ بھی نہ ہو تو اس کے ساتھ لطف واخلاق کے ساتھ کبھی کبھی بات چیت کرلیا کریں، اس کا مزاج پوچھ لیا کریں۔

۹- ہر وقت یہ اہتمام اور مراقبہ رہے کہ اس ذمیمہ (یعنی تکبر) کا قرب وقوع نہ ہو، جب اس کا وقوع ہو تو طبیعت کو اس کی مخالفت پر آمادہ کریں۔

۱۰- اگر پھر بھی واقع ہوجائے تو نفس کو کچھ سزا دیں خواہ بدنی ہو یا مالی، مثلاً: دس رکعت نفل بطورِ جرمانہ ادا کریں یا کچھ روپیئے خیرات کردیں یا ارادۃً اور قصداً ایسے افعال اختیار کریں جو عرف عام میں ذلت کا باعث سمجھے جاتے ہیں مثلاً: مسافروں کے پیر دَبادِیا کریں، نمازیوں کی جوتیاں جھاڑ کر سیدھی کردیا کریں۔

۱۱- اپنے عیوب کو سوچا کریں اور یوں سمجھیں کہ مجھے اپنے عیوب کا یقین کے ساتھ علم ہے اور دوسروں کے عیوب کا ظن کے ساتھ علم ہے اور جو شخص یقینی معیوب ہو، وہ معیوب ظنی سے بدتر ہے، اس لئے مجھے اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھنا چاہیئے۔(۱)

---

(۱) اپنی اصلاح کا مکمل نصاب: ۳۵۰-۳۵۱

قناعت کی اہمیت

جن اخلاق کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کا محبوب اور لوگوں کی نگاہ میں بھی بہت بلند ہوجاتا ہے اور دل کی بے چینی اور کڑھن کے سخت عذاب سے بھی اس کو نجات مل جاتی ہے، ان میں سے ایک قناعت اور استغناء بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو جب کچھ ملے اس پر راضی اور مطمئن ہوجائے اور زیادہ کی حرص ولالچ نہ کرے، اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو قناعت کی یہ دولت عطا فرمائیں، بلاشبہ اس کو بڑی دولت عطا ہوئی، اور بڑی نعمت سے نوازا گیا چنانچہ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات درج ذیل ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کامیاب اور بامراد ہوا وہ بندہ جس کو حقیقتِ اسلام نصیب ہوئی اور اس کو روزی بھی بقدرِ کفاف ملی اور اللہ تعالیٰ نے اُس کو اس قدر روزی پر قانع بھی بنایا " قد أفلح من أسلم ورُزق كفافا وقنعه الله بما آتاه "(۱)

یہ قناعت اور دل کی طمانیت وہ کیمیا ہے جس سے فقیر کی زندگی بادشاہ کی زندگی سے زیادہ لذیذ اور پرمسرّت ہوجاتی ہے۔ اگر آدمی کے پاس دولت کے ڈھیر ہوں اور زیادہ کیلئے طمع اور حرص ہو، اور وہ اس میں اضافہ ہی کی فکر اور کوشش میں لگا رہے اور " هل من مزيد " ہی کے چکر میں پڑا رہے تو اسے کبھی قلبی سکون نصیب نہ ہوگا، اور وہ دل کا فقیر ہی رہے گا، برخلاف اس کے اگر آدمی کے پاس صرف جینے کا مختصر سامان ہو، مگر وہ اس پر مطمئن اور قانع ہو تو فقر وافلاس کے باوجود دل کا غنی رہے گا، اور اس کی زندگی بڑے اطمینان اور آسودگی کی زندگی ہوگی، اس حقیقت کو رسول اللہ ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

(۱) مسلم: باب في الكفاف والقناعة: حديث: ۱۰۵٤

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دولت مندی مال و اسباب سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ اصل دولت مندی دل کی بے نیازی ہے "لیس الغنی عن کثرۃ العروض ولکنّ الغنی غنی النفس" (۱)

اور اس سے بھی زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ یہ حقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مخاطب بنا کر اس طرح سمجھائی۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن مجھ سے ارشاد فرمایا: ابو ذر! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مال زیادہ ہونے کا نام تونگری ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم (ایسا ہی سمجھا جاتا ہے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ مال کم ہونے کا نام فقیری اور محتاجی ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم! (ایسا ہی خیال کیا جاتا ہے) یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے تین دفعہ ارشاد فرمائی، اس کے بعد ارشاد فرمایا: اصل دولتمندی دل کے اندر ہوتی ہے، اور اصل محتاجی اور فقیری بھی دل میں ہی ہوتی ہے "الغنی فی القلب ، والفقر فی القلب" (۲)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مال طلب کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطا فرمایا، میں نے پھر مانگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نصیحت فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ: اے حکیم! مال سب کو بھلی لگنے والی اور لذیذ و شیریں چیز ہے، پس جو شخص اس کو بغیر حرص و طمع کے سیر چشمی اور نفس کی فیاضی کے ساتھ لے اس کے واسطے اس میں برکت دی جائے گی، اور جو شخص دل کے لالچ کے ساتھ لے گا اس کے واسطے اس میں برکت نہیں رہتی، اور اس کا حال جوع البقر کے اس مریض کا سا ہوگا جو کھائے اور پیٹ نہ بھرے اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے (یعنی دینے والے کا مقام اونچا ہے اور ہاتھ پھیلا کر لینا ایک گھٹیا بات ہے، لہٰذا جہاں تک ہو سکے

---

(۱) بخاری: باب الغنی غنی النفس، حدیث: ۶۹۸۱

(۲) مجمع الزوائد: باب لیس الغنی عن کثرۃ العرض، حدیث: ۱۷۷۵۹، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں ایک وہ شخص ہے جس کو میں نہیں جانتا۔

اس سے بچنا چاہئے) حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ: (حضور ﷺ کی نصیحت سن کر) میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے اب آپ کے بعد مرتے دم تک میں کسی سے کچھ نہ بولوں گا " لا ازرا احدا بعدك شيئا حتى أفارق الدنيا "(۱)

اسی حدیث کی صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ حکیم بن حزام نے حضور ﷺ کی خدمت میں جو عہد کیا تھا اس کو پھر ایسا نبھایا کہ حضور ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں (جب کے سب ہی کو وظیفے اور عطیے دیئے جاتے تھے) ان کو بھی بلا کر بار بار کچھ وظیفہ یا عطیہ دینا چاہا لیکن یہ لینے پر آمادہ نہیں ہوئے اور فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے مسند اسحاق بن راہویہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ شیخین کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت وامارت میں بھی انہوں نے کبھی کوئی وظیفہ یا عطیہ قبول نہیں کیا، یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت میں ایک سو بیس سال کی عمر میں ۹۴ھ میں وفات پائی۔

فقیہ ابواللیث ایک حکیم کا مقولہ نقل کرتے ہیں کہ ہم نے چار چیزیں تلاش کیں اور ان کی تلاش کا غلط راستہ اختیار کیا، ہم نے غنا کو مال میں تلاش کیا حالانکہ وہ مال میں نہیں تھا بلکہ قناعت میں تھا (ہم اس کو مال میں تلاش کرتے رہے وہ جب وہاں تھا ہی نہیں تو کیسے ملتا؟) ہم نے راحت کو (جان و مال کی) کثرت میں تلاش کیا حالانکہ راحت ان کی کمی میں تھی، ہم نے اعزاز کو مخلوق میں تلاش کیا (کہ ان کی خوشی کے اسباب اختیار کریں تاکہ ان کے یہاں اعزاز زیادہ ہوگا) ہم نے اللہ کی نعمت کو کھانے اور پہننے میں تلاش کیا (اور یہ سمجھا کہ اللہ کے بڑے انعامات ہیں) حالانکہ اللہ تعالیٰ شانہ کا بڑا انعام اسلام کی دولت اور گناہوں کی ستاری ہے (جس کو یہ دو نعمتیں حاصل ہیں اس پر اللہ کا بڑا انعام ہے)۔

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ قناعت اور سادگی ہی تو تھی کہ وہ اچھے اچھے کپڑوں اور

---

(۱) بخاری: باب الاستعفاف عن المسالة، حدیث: ۱۴۰۳

عالیشان تعمیروں اور بہترین سواریوں میں سوار ہونے کو اپنی عزت کا معیار نہیں سمجھتے تھے، بلکہ سادگی اور سادہ لوحی کو اپنانے اور خود سادگی کو اپنا کر اپنے اموال کو کارِ خیر میں خرچ کرتے۔

کپڑوں میں سادگی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ قصہ سنایا کہ میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر تشریف فرما تھے میں اندر جا کر بیٹھ گیا تو میں نے دیکھا کہ آپ صرف لنگی باندھے ہوئے ہیں اور اس کے علاوہ جسم پر اور کچھ کپڑا نہیں ہے، اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر چٹائی کے نشانات ظاہر ہو رہا ہے اور مٹھی بھر ایک صاع (ساڑھے تین سیر) جو اور کیکر کے پتے (جو کھال رنگنے کے کام آتے ہیں) ایک کونے میں پڑے ہوئے ہیں، اور ایک بغیر رنگی ہوئی سوکھی کھال لٹکی ہوئی ہے (اتنا کم سامان دیکھ کر) میری آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کیوں روتے ہو؟ اے ابن الخطاب! میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میں کیوں نہ روؤں جب کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ چٹائی کے نشانات آپ کے جسم اطہر پر پڑے ہوئے ہیں اور گھر کی کل کائنات یہ ہے جو مجھے نظر آ رہی ہے، ادھر کسریٰ اور قیصر تو پھلوں اور نہروں (دنیا کی فراوانی) میں ہوں اور آپ اللہ کے نبی اور برگزیدہ ہو کر آپ کی یہ حالت؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن خطاب! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ ہمارے لئے آخرت ہو اور ان کیلئے دنیا "اما ترضى أن تكون لنا الأخرة ولهم الدنيا" (۱)

حضرت عروہؒ فرماتے ہیں کہ: جب حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ "ایلہ" شہر تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ مہاجرین وانصار بھی تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ سے کافی لمبا سفر کر کے آئے تھے، اس لئے مسلسل بیٹھنے کی وجہ سے ان کھردرے کپڑے والا کرتا پیچھے سے پھٹ گیا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ کرتا پادری کو دیا اور فرمایا: اسے دھو دو، اور اس میں

(۱) مسلم: باب في الايلاء واعتزال، حديث: ۳۷٦٤

پیوند بھی لگادو، وہ پادری کرتا لے گیا اسے دھوکر اس میں پیوند بھی لگا دیا، اور اس جیسا ایک کرتا سی کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے آیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا ہے؟ اس پادری نے کہا: یہ آپ رضی اللہ عنہ کا کرتا ہے جسے میں نے دھوکر پیوند لگا دیا ہے اور یہ دوسرا کرتا میری طرف سے آپ کو ہدیہ ہے، "امّا هذا قميصك قد غسلته ورقعته، وأمّا هذه فكسوة لك مني" (۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس نئے کرتے کو دیکھا اور اس پر ہاتھ پھیرا (وہ نرم اور باریک تھا) پھر اپنا کرتا پہن لیا اور اس کا کرتا واپس کر دیا اور فرمایا کہ: (یہ پرانا کرتا) اس سے زیادہ پسینہ جذب کرتا ہے (کیونکہ یہ موٹا ہے)۔

حضرت عبدالملک بن شداد کہتے ہیں کہ: میں نے جمعہ کے دن حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو منبر پر دیکھا کہ ان پر عدن کی بنی ہوئی موٹی لنگی تھی جس کی قیمت صرف چار یا پانچ درھم تھی اور گیروے رنگ کی ایک کوفی چادر تھی "رأيت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ يوم الجمعة على المنبر عليه ازار عدني غليظ ثمنه أربعة دراهم أخمسة دراهم، وريطة كوفية ممشّقة" (۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو سامنے سے آتے ہوئے دیکھا، انہوں نے دنبے کی کھال کو اپنی کمر پر باندھ رکھا تھا، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس آدمی کی طرف دیکھو جس کے دل کو اللہ نے نورانی بنا رکھا ہے، میں نے ان کا وہ زمانہ بھی دیکھا ہے جس زمانے میں ان کے والدین ان کو سب سے عمدہ کھانا اور سب سے بہتر مشروب پلایا کرتے تھے، اور میں نے ان پر وہ جوڑا بھی دیکھا ہے جو انہوں نے دو سو درھم میں خریدا تھا، "انظروا الى هذا الذى نوّر الله قلبه لقد رأيته بين أبوين يغدوانه بأطيب الطعام والشراب، ولقد رأيت عليه

(۱) كنز العمال: زهده (عمر) رضی اللہ عنہ، حديث: ۳۵۹۲۳
(۲) الترغيب والترهيب: كتاب اللباس والزينة، حديث: ۱۳۶۷، منذری کہتے ہیں کہ اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

حلّة شراها ـ أو شريت ـ بمائتي درهم، فدعاه حبّ الله وحب رسوله الى ما ترون" اب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت نے ان کا فقر و فاقہ والا وہ حال کر دیا جو تم لوگ دیکھ رہے ہو؟ (۱)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے زمانۂ جاہلیت میں لوگوں میں بیان کر رہے تھے اور انہوں نے ایک لنگی باندھ رکھی تھی جس میں بارہ پیوند تھے "يلبس جبّة من صوف مرقوعة بعضها بأدم" (۲)

حضرت مجمع بن سمعان فرماتے ہیں کہ: حضرت ابوطالب بن علی رضی اللہ عنہ اپنی تلوار لے کر بازار گئے، اور فرمایا: مجھ سے میری یہ تلوار خریدنے کے لئے کون تیار ہے؟ اگر لنگی خریدنے کیلئے میرے پاس چار درھم ہوتے تو میں تلوار نہ بیچتا "فلو كان عندي أربعة دراهم أشتري بها ازارًا ما بعته" (۳)

کھانے میں سادگی

حضرت ابورافع کی بیوی حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن جعفر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم میرے پاس آئے اور کہنے لگے: آپ ہمارے لئے وہ کھانا تیار کریں جو حضور ﷺ کو پسند تھا، میں نے کہا: اے میرے بیٹو! میں پکا دوں گی؛ لیکن آج تمہیں وہ کھانا اچھا نہیں لگے گا" فقالوا: اصنعي لنا طعامًا ممّا كان يعجب النبي ﷺ أكله، قالت يا بنيّ اذًا لا تشتهونه اليوم" (خیر تم لوگوں کو اصرار ہے تو میں پکا دوں گی) چنانچہ میں اٹھی اور جو لے کر انہیں پیسا اور پھونک مار کر موٹی موٹی بھوس اڑا دی اور پھر اس کی ایک روٹی تیار کی اور پھر اس

---

(۱) الترغيب: كتاب اللباس والزينة، حديث: ٣١٦٣
(۲) كنز العمال: تتمة زهد عمر بن الخطاب، حديث: ٣٥٩٤١
(۳) البداية: فصل في ذكر شئي من سيرته: ٤/٨، دار احياء التراث العربي

روٹی پر تیل لگایا اور اس پر کالی مرچ چھڑکی اور پھر اسے ان کے سامنے رکھا اور میں نے کہا: حضور ﷺ کو یہ کھانا پسند تھا۔(۱)

حضرت عکرمہ بن خالد کہتے ہیں کہ: حضرت حفصہ، ابن مطیع اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بات بتائی کہ اگر آپ اچھا کھانا کھایا کریں تو اس سے آپ کو حق پر چلنے میں زیادہ قوت حاصل ہوگی، "لو أكلت طعامًا طيّبا كان أقوى لك على الحق" اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے تم میں کا ہر آدمی خیر خواہ ہے، لیکن میں نے اپنے دونوں ساتھیوں حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک راستہ پر چلتے ہوئے چھوڑا ہے، اگر میں دونوں کا راستہ چھوڑ دوں گا تو منزلِ مقصود میں ان سے نہیں مل سکوں گا یعنی ان کی والی منزل تک نہیں پہنچ سکوں گا۔(۲)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی یعلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس عراق سے کچھ لوگ آئے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کھانا کھلایا تو) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایسے لگا کہ جیسے انہوں نے کم کھایا ہو (وہ لوگ عمدہ کھانا کھانے کے عادی تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کھانا موٹا جھوٹا اور سادہ تھا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عراق والو! اگر میں چاہتا تو میرے لئے بھی عمدہ اور نرم کھانے تیار کئے جاتے جیسے تمہارے لئے کئے جاتے ہیں، لیکن ہم دنیا کی چیزیں کم سے کم استعمال کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہمیں زیادہ سے زیادہ نیکیوں کا بدلہ آخرت میں مل سکے "لو شئت أن يدهمق لي كما يدهمق لكم، ولكنا نستبقي من دنيانا نجده في اخرتنا" کیا تم نے سنا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک قوم کے بارے میں فرمایا ہے کہ: ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا "أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا"(۳) تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں حاصل کر چکے۔(۴)

(۱) الترغيب: كتاب التوبة والزهد، حديث: ۴۹۷۰، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے سندِ جید کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(۲) كنزالعمال: فضائل الفاروق رضی اللہ عنہ، حديث: ۳۵۷۵۱

(۳) الاحقاف: ۲۰

(۴) حلية الاولياء: عمر بن الخطاب: ۱/۴۹

حضرت شرحبیل بن مسلم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لوگوں کو خلافت والا عمدہ کھانا کھلاتے اور خود گھر جا کر سرکہ اور تیل یعنی سادہ کھانا کھاتے " أنّ عثمان رضی اللہ عنہ کان یطعم الناس طعم الامارة ویدخل بیته فیأکل الخلّ والزیت" (۱)

قبیلہ بنی ثقیف کے ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھے ایک دفعہ اپنے گھر بلایا، میں وہاں گیا، وہاں کوئی روکنے والا دربان نہ ملا، حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پاس پیالہ اور پانی کا ایک کوزہ رکھا ہوا تھا، انہوں نے ایک چھوٹا تھیلا منگوایا، میں نے سوچا یہ مجھے اس تھیلے میں سے کوئی قیمتی پتھر نکال کر دیں گے، انہوں نے اس تھیلے کی مہر توڑ کر تھیلا کھولا تو اس میں ستو تھا، چنانچہ اس میں سے ستو نکال کر پیالے میں ڈالا، خود بھی پیا اور مجھے بھی پلایا، میں اتنی سادگی دیکھ کر رہ نہ سکا، اور میں نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ عراق میں رہ کر یہ کھا رہے ہیں؛ حالانکہ عراق میں تو اس سے بہت زیادہ کھانے کی چیزیں ہیں؟ انہوں نے کہا: میں بخل کی وجہ سے اس پر مہر نہیں لگاتا ہوں؛ بلکہ میں اپنی ضرورت کے مطابق ستو خریدتا ہوں، ایسے ہی کھلے رہنے دوں تو مجھے ڈر ہے ادھر اُدھر نہ ہو جائے اور اڑ نہ جائے "ولکن ابتاع قدر ما یکفینی، فأخاف أن یفنی فیصنع من غیره، وانّما حفظی لذلك، وأکره أن أدخل بطنی الا طیبا" (۲)

حضرت عطیہ بن عامر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: میں نے ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ کھانا کھا رہے تھے، ان سے مزید اور کھانے کا اصرار کیا گیا تو انہوں نے کہا: میرے لئے یہی کافی ہے؛ کیونکہ میں حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: دنیا میں زیادہ پیٹ بھر کر کھانے والے قیامت کے دن بھوکے ہوں گے، اے سلمان! دنیا مومن کیلئے جیل خانہ ہے اور کافر کیلئے جنت ہے " انّما الدنیا سجن المؤمن وجنّة الکافر " کہ مومن اللہ تعالیٰ کے احکام کا خود کو پابند بنا کر چلتا ہے اور کافر اپنی مرضی پر چلتا ہے۔ (۳)

(۱) حلیة الأولیاء: عثمان بن عفان، ۱/۶۰

(۲) حلیه الأولیاء: علی ابن ابی طالب: ۱/۸۲، دار الکتاب العربی، بیروت

(۳) حلیة الأولیاء: سلمان الفارسی، ۱/۱۹۹، علامہ حجر نے اس حدیث کو لین کہا ہے، فتح الباری: ۹/۵۲۸

مکان میں سادگی

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ: میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہ کے حجروں میں جاتا اور اپنے ہاتھوں سے ان حجروں کی چھتوں کو چھولیتا " فَأَتَنَاوَلُ سَقفَهَا بِيَدِيَ"(۱)

حضرت داؤد بن قیس نے کہا کہ: میں نے امہات المؤمنین کے حجروں کو اندر سے جا کر دیکھا تو وہ کھجور کے تنوں سے چھائے گئے تھے، اور اس کے اوپر چمڑے وغیرہ ڈالے گئے تھے، میرا اندازہ ہے کہ ایک حجرہ کی چوڑائی حجرہ کے دروازے سے لے کر اس کی آخری دیوار تک چھ ہاتھ یا سات ہاتھ اور حجرے کے اندر کی گنجائش دس ہاتھ اور اس کی چھت آٹھ یا سات ہاتھ ہوتی یا اس کے قریب " وَأَحْرُزُ الْبَيْتَ الدَّاخِلَ عَشَرَ أَذْرُعٍ وَأَظُنُّ سُمْكَهُ بَيْنَ الثَّمَانِ وَالسَّبْعِ نَحْوَ ذٰلِكَ"(۲)

حضرت عروہؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے تو وہ کجاوے کی چادر پر لیٹے ہوئے اور گھوڑے کو دانہ کھلانے والے تھیلے کو تکیہ بنائے ہوئے تھے، ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آپ کے ساتھیوں نے جو مکان اور سامان بنالیے وہ آپ نے کیوں نہیں بنالیے؟ انہوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! قبر تک پہنچنے کیلئے یہ سامان کافی ہے "یا أمیر المؤمنین! هذا یبلغني المقیل" (۳)

☆ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم دل کے غنی تھے، کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی قناعت کی دولت سے مالا مال تھے، جب ان کے پاس کچھ مال و دولت اور اسبابِ دنیا آتے تو اس کو ذخیرۂ آخرت کر دیتے

(۱) الأدب المفرد: باب التطاول في البنیان، حدیث: ٤٥٠، مولانا الیاس بارہ بنکوی نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔
(۲) الأدب المفرد: باب التطاول في البنیان، حدیث: ٤٥١، مولانا الیاس بارہ بنکوی نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔
(۳) الحلیة: عبیدہ ابن الجراح: ۱/۱۰۱، دار الکتاب العربي، بیروت

اوراس کواللہ کی راہ میں لٹادیتے ،اپنے پاس مال ودولت میں کچھ جمع رکھنے کوقناعت اور توکل کے خلاف سمجھتے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال کے پاس تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ان کے پاس کھجور کے ڈھیر ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے بلال! یہ کیا ہے؟ انہوں نہ عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کیلئے یہ انتظام کیا ہے (جب بھی وہ آئیں تو ان کے کھانے کا سامان پہلے موجود ہو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں اس بات کا ڈر نہیں ہے کہ دوزخ کی آگ کا دھواں تم کو پہنچ جائے؟ یعنی اگر تم ان کے خرچ کرنے سے پہلے ہی مرگئے تو پھر ان کے بارے میں اللہ کے یہاں سوال ہوگا۔ اے بلال خرچ کرو اور عرش والے سے کمی کا ڈر نہ رکھو "أما تخشي أن يكون دخان في نار جهنم، انفق يا بلال ولا تخش من ذي العرش اقلالا" (۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تین پرندے ہدیہ میں آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پرندہ اپنی خادمہ کو دیا، اگلے دن وہ پرندہ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں نے تجھے منع نہیں کیا تھا کہ اگلے دن کیلئے کچھ نہ رکھا کرو، جب اگلا دن آئے تو اس دن کی روزی بھی اللہ پہنچائے گا "الم أنهك أن ترفعي شيئا فانّ الله تعالىٰ يأتي برزق كلّ غد" (۲)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ مال آیا، آپ نے اُسے مسلمانوں میں تقسیم کیا، لیکن اس میں سے کچھ مال بچ گیا، آپ نے اس کے بارے میں لوگوں سے مشورہ کیا، لوگوں نے کہا: آپ اسے آئندہ پیش آنے والی ضروریات کیلئے

---

(۱) ابویعلی: مسند أبي هريرة، حديث: ٦٠٤٠، بوصیری کہتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجے کی ہے: اتحاف الخيرة المهرة بزوائد العشرة، باب النفقة على البنات: ٥٧/٤

(۲) حلية الأولياء: يوسف الرازي: ٢٤٣/١٠، علامہ بوصیری فرماتے ہیں کہ: اس کے سند کے رجال ثقہ ہیں اتحاف الخيرة المهرة، باب النفقة على البنات: ٥٧/٤

رکھ لیں تو زیادہ بہتر ہوگا، حضرت علی رضی اللہ عنہ بالکل خاموش تھے، انہوں نے کچھ نہ کہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوالحسن! کیا ہوا آپ اس بارے میں کچھ کہہ نہیں رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: لوگوں نے اپنی رائے بتا تو دی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں آپ کو بھی مشورہ دینا ہوگا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ (قرآن مجید میں خرچ کرنے کی جگہیں بتا کر اس مال کی تقسیم (بتانے) سے فارغ ہو چکے ہیں (آپ کو یہ بچا ہوا مال بھی وہاں ہی خرچ کرنا چاہئے) پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ قصہ بیان کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے مال آیا تھا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تقسیم کرنا شروع کیا) ابھی آپ اس کی تقسیم سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ رات آئی (تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات مسجد میں گذار دی اور) ساری نمازیں مسجد میں پڑھائیں (یعنی سارا دن مسجد میں بیٹھ کر تقسیم کرتے رہے، گھر نہ گئے) میں نے دیکھا کہ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سارا مال تقسیم نہیں کر لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر فکر اور پریشانی کے آثار رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب تو یہ بقیہ مال آپ ہی کو تقسیم کرنا ہوگا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے تقسیم کر دیا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مجھے اس میں سے آٹھ سو درھم ملے

”لا جرم لتقسمنّه ، فقسمه علی فأصابنی منه ثمان مائة درهم “ (۱)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زکوۃ وصول کرنے کیلئے بھیجا، میں ایک آدمی کے پاس سے گذرا، جب اس نے اپنے سارے جانور جمع کر دیئے تو میں نے دیکھا کہ ان جانوروں میں اس پر صرف ایک سالہ اونٹنی واجب ہوتی ہے، میں نے کہا: تم ایک سالہ اونٹنی دے دو، کیونکہ زکوۃ تم پر اتنی ہی بنتی ہے، اس آدمی نے کہا: یہ کم عمر اونٹنی نہ تو دودھ دے سکتی ہے اور نہ سواری کے کام آسکتی ہے، البتہ یہ اونٹنی جوان اور خوب موٹی تازی ہے تم اسے لے لو، میں نے کہا: جس جانور کے لینے کا حکم نہیں میں اسے نہیں لے سکتا، البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے قریب ہی ہیں، اگر تم مناسب سمجھو تو تم مجھے جو دینا چاہتے ہو

(۱) مجمع الزوائد: باب الانفاق والامساك، حديث: ۱۷۷۵۵ ، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو بزار نے روایت کیا ہے اور اس میں حجاج بن ارطاۃ ہیں، اور وہ مدلس ہیں۔

وہ خود جا کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دو، اگر وہ قبول فرمالیں تو میں بھی قبول کرلوں گا، اگر آپ ﷺ نے قبول نہیں فرمایا تو پھر میں نہیں لے سکتا، اس نے کہا: ٹھیک ہے، ایسا کر لیتا ہوں؛ چنانچہ وہ میرے ساتھ چل پڑا اور اپنے ساتھ وہ اونٹ بھی لے لی جو مجھے پیش کی تھی، پھر ہم لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے، اس نے کہا: اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ کا قاصد مجھ سے میرے جانوروں کی زکوۃ لینے آیا تھا اور اللہ کی قسم! اس سے پہلے نہ تو حضور ﷺ میرے جانوروں کی زکوۃ لینے آئے اور نہ حضور ﷺ کا قاصد، چنانچہ آپ کے قاصد کے سامنے میں نے اپنے سارے جانور جمع کر دیئے، آپ کے قاصد نے بتایا کہ مجھ پر زکوۃ میں صرف ایک سالہ اونٹنی واجب ہے جو کہ نہ دودھ دیتی ہے اور نہ سواری کے کام آسکتی ہے، اس لئے میں نے آپ کے قاصد کے سامنے ایک جوان موٹی تازی اونٹنی پیش کی کہ اسے لے لیں، لیکن انہوں نے اسے لینے سے انکار کر دیا یا رسول اللہ ﷺ! وہ اونٹنی یہ ہے کہ میں اسے لے کر آپ کی خدمت میں آیا ہوں تو حضور ﷺ نے اس سے فرمایا: واجب تو تم پر وہی اونٹنی ہے تم اپنی مرضی سے اس سے بہتر جانور دینا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے بدلے بہتر جزا عطا فرمائے، ہم اسے قبول کر لیتے ہیں اور آپ ﷺ نے اس کیلئے برکت کی دعا کی" فأمر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بقبضتہ ودعا لہ فی مالہ بالبرکۃ " (۱)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک باندی تھی، جب وہ (اپنے اخلاق وعادات اور حسن وجمال کی وجہ سے) انہیں زیادہ پسند آنے لگی تو اسے آزاد کر کے اپنے ایک آزاد کردہ غلام سے اس کی شادی کر دی، پھر اس کا لڑکا پیدا ہوا تو حضرت نافع کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ کو دیکھا کہ وہ اس بچے کو اٹھا کر اس کا بوسہ لیتے

---

(۱) ابوداؤد: باب فی زکاۃ السائمۃ، حدیث: ۱۵۸۳، بوصیری کہتے ہیں کہ: اس کو ابو یعلیٰ نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے اور اس کو ابوداؤد نے مختصر انقل کیا ہے: اتحاف الخیرۃ المھرۃ، باب لا تؤخذ کرائم الأموال: ۱۵/۳۔

اور کہتے: واہ واہ، حضرت ابن عمر کو یہ باندی اچھی لگی اور یہ آیت یاد آئی " لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ " اور اس کو آزاد کر کے اس کا نکاح اپنے غلام کے ساتھ کر دیا " فأعتقها بن عمر رضی اللہ عنہ " (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب یہ آیت نازل ہوئی " مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا " (۲) کون شخص ہے ایسا جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے اچھے طور پر قرض دینا، پھر اللہ تعالیٰ اس کے ثواب کو بڑھا کر بہت سے حصے کر دے تو حضرت ابوالدحداح نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا واقعی اللہ تعالیٰ ہم سے قرض لینا چاہتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ اپنا ہاتھ ذرا مجھے عنایت فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک ان کی طرف بڑھایا، انہوں نے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک پکڑ کر) عرض کیا: ایک میرا باغ ہے جس میں کھجور کے چھ سو درخت ہیں، میں نے اپنا وہ باغ اپنے رب کو بطورِ قرض دے دیا، پھر وہاں سے چل کر اپنے باغ میں پہنچے، ان کی بیوی ام دحداح اور ان کے بچے باغ میں تھے، انہوں نے آواز دی، اے ام دحداح! ان کی بیوی نے کہا: لبیک، انہوں نے کہا: باغ سے باہر آجاؤ، کیونکہ میں نے یہ باغ اللہ تعالیٰ کو قرض دے دیا ہے: " قال: اخرجی فقد أقرضته ربی " (۳)

حضرت امام مالکؒ نے مؤطا میں نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہؓ نے روزہ رکھا ہوا تھا، ان سے ایک مسکین نے سوال کیا، ان کے گھر میں صرف ایک روٹی تھی، انہوں نے اپنی باندی سے کہا: یہ روٹی اس مسکین کو دے دو، باندی نے ان سے کہا: (اس روٹی کے علاوہ) آپ کے افطار کیلئے کچھ بھی نہیں ہے، حضرت عائشہؓ نے کہا: (کوئی بات نہیں) تم پھر بھی اسے یہ روٹی دے دو، چنانچہ باندی کہتی ہے کہ: میں نے اس مسکین کو

(۱) کنز العمال: فصل فی آداب الصدقة، حدیث: ۱۷۰۲۰
(۲) البقرة: ۲۴۵
(۳) الترغیب والترهیب: باب فی الترغیب فی القرض، حدیث: ۲۳۱۹

وہ روٹی دے دی، جب شام ہوئی تو ایک ایسے گھر والے نے یا ایک ایسے آدمی نے جو کہ ہمیں ہدیہ نہیں دیا کرتا تھا، ہمیں ایک (پکی ہوئی) بکری اور اس کے ساتھ بہت سی روٹیاں ہدیہ میں بھیجیں، حضرت عائشہؓ نے مجھے بلا کر فرمایا: اس میں سے کھاؤ یہ تمہاری (روٹی کی) ٹکیہ سے بہتر ہے "كلي من هذا خير من قرصك" (۱)

حضرت محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ: مدینہ میں کچھ لوگ ایسے تھے جو گذارہ کر لیتے تھے، لیکن ان کا گذر بسر کہاں سے ہوتا تھا اور ان کو کون دیتا تھا، اس کا کچھ پتہ نہ تھا، جب حضرت زین العابدین بن حسین رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، تو ان کو ملنے والا گذارا بند ہوا، تو پتہ چلا کہ وہی ان کی کفالت کرتے تھے اور رات میں آ کر ان کو دے جاتے تھے، ان کی موت کے بعد ان کی پیٹھ اور کاندھے پر بوریہ اٹھا کر بیواؤں اور مساکین کے گھر لے جانے سے نشانات بنے ہوئے تھے "ولما مات وجدوا في ظهرة وأكتافه أثر حمل الجراب إلى بيوت الأرامل والمساكين" (۲)

حضرت لیث بن سعد سالانہ ستر ہزار دینار کا پیداوار کرتے تھے، جس کے اور سب کو صدقہ کر دیا کرتے تھے، ان کے بارے میں بتایا جاتا ہے، ان پر کبھی زکوۃ واجب نہیں ہوئی، ایک مرتبہ انہوں نے ایک گھر دوگنی قیمت پر خریدا، ان کا وکیل اس گھر کو ان کے حوالے کرنے گیا تو دیکھا کہ وہاں یتیم چھوٹے بچے رہ رہے ہیں، انہوں نے ان سے اللہ کے واسطے اس گھر کو چھوڑے رکھنے کا مطالبہ کیا، یہ بات جب لیث کو معلوم ہوئی تو ان یتیموں کو یہ کہلا بھیجا کہ یہ گھر تمہارا ہی ہے اور اس کے ساتھ ہر دن کے ان کے گذارے کا انتظام کر دیا" أن الدار لكم ، ومعها ما يصلحكم كل يوم " (۳)

قناعت اور غنائے نفس اور حرام وحلال کی تمیز کیسی تھی، امت کی بیٹیوں کا بلند کردار دیکھئے، حضرت بشرؒ حافی کی تین بہنیں تھیں: مضغہ، مخہ، زبدہ، تینوں عابدہ، زاہدہ اور متورعہ تھیں، مضغہ جو سب سے بڑی تھیں، بشرؒ کی زندگی میں ہی فوت ہوگئی تھیں، ان کی دوسری بہن کا واقعہ ہے،

(۱) مؤطا مالك : الترغيب في الصدقة ، حديث: ٣٦٥٥
(۲-۳) تربية الأولاد في الإسلام : ٣٣٨/١

امام احمد بن حنبلؒ کے فرزندار جمند عبداللہ کہتے ہیں کہ: ایک بڑھیا والد بزرگوار کے پاس آئی، کہا: جناب میں رات کو چراغ کی روشنی میں اور کبھی چاند کی چاندنی میں روئی کا تا کرتی ہوں، کیا فروخت کے وقت مجھ کو بتلا دینا چاہئے کہ چاندنی میں کاتا ہوا کونسا ہے اور چراغ کی روشنی میں کاتا ہوا کونسا؟ فرمایا: اگر تو دونوں میں کچھ تفاوت خیال کرتی ہے تو بتلا دیا کر، بڑھیا نے پھر یہ دریافت کیا کہ کیا بیمار کا کراہنا بھی شکایت میں داخل ہے، فرمایا: نہیں، بلکہ اللہ سے اشتکاء ہے، وہ چلی گئی تو والد بزرگوار نے فرمایا کہ: ایسے سوال کرتے ہوئے میں نے کسی کو نہیں دیکھا، عبداللہ تم اس کے پیچھے پیچھے جاؤ اور خبر لاؤ کہ یہ کون ہے؟ میں اس کے پیچھے پیچھے چلا، وہ بشر کے گھر میں داخل ہوگئی، میں نے سمجھا کہ ان کی بہن ہے، واپس آکر والد بزرگوار سے ذکر کیا، فرمایا: بخدا محال ہے کہ بشر کی بہن کے سوا یہ اور کوئی ہو۔

حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ بشر حافی کی دوسری بہن والد بزرگوار کے پاس آئی، کہا: ابو عبداللہ! میرا سرمایہ کل دو درہم ہے، ان کی روئی خرید لیتی ہوں اور سوت کات کر نصف درہم نفع پر بیچ دیتی ہوں اور ہفتہ میں ایک درہم پر گذران کرتی ہوں۔ میں رات کو کات رہی تھی کچھ لوگ مشعل لئے ہوئے میرے پاس سے گذرے میں نے اس کی روشنی میں دوانٹی سوت کات لیا؛ لیکن یہ خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ ضرور اس بارے میں مجھ سے مواخذہ فرمائیگا (کہ کیوں بلا اجازت دوسرے کی روشنی سے فائدہ اٹھایا) اب برائے خدا مجھے صورت نجات بتلائیے، خدا تعالیٰ تم کو بھی نجات نصیب کرے، امام احمدؒ نے فرمایا: کل سرمایہ کو خیرات کردے اور بالکل بے سرمایہ ہوجا تاکہ اللہ تعالیٰ اس سے بہتر تجھے عطا کرے، وہ چلی گئی تو میں والد بزرگوار سے عرض کیا کہ کاش آپ فرمادیتے کہ وہ اسی قدر سوت نکال دیتی، فرمایا: لڑکے! جس درجے کا یہ سوال ہے اس کی کوئی تاویل نہیں ہوسکتی تھی، لیکن یہ کون تھی؟ میں نے کہا: مخة، بشر حافیؒ کی بہن، فرمایا: تبھی تو یہ ایسے سوال کرتی ہے، بشر حافیؒ کہا کرتے تھے کہ میں نے ورع، تقویٰ اپنی بہن سے سیکھا ہے، جس کی کوشش ہمیشہ یہی ہوتی تھی کہ جو کھانا وہ کھائے اس میں کسی مخلوق کا احسان نہ ہو۔(۱)

(۱) تاریخ المشاہیر: ۱۱۷ تا ۱۱۹، از قاضی محمد سلیمان منصور پوری، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

ایثار کی فضیلت واہمیت

اسلامی معاشرت اور اتحاد واتفاق کی برقراری کیلئے ایک بنیادی چیز ایثار بھی ہے یعنی مخلوقِ خدا کے ساتھ ایثار کا رویہ اختیار کرے، ایثار کے معنی یہ ہیں کہ دل میں یہ جذبہ ہو کہ میں اپنی راحت کو قربان کردوں اور اپنے مسلمان بھائی کو راحت پہنچاؤں، میں خود تکلیف اٹھالوں؛ لیکن اپنے مسلمان بھائی کو تکلیف سے بچالوں، خود نقصان اٹھالوں؛ لیکن اپنے مسلمان بھائی کو نفع پہنچاؤں۔

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایثار کو بیان کرتے ہوئے اللہ عزوجل نے فرمایا: ”وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ “(۱) یعنی یہ انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے ہیں کہ سخت تنگدستی اور مفلسی کی حالت ہو؛ لیکن ایسی حالت میں بھی اپنے اوپر دوسروں کا ایثار کرتے ہیں۔

اس کے مقابل خود غرضی یہ ایثار کی ضد ہے، خود غرضی کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہر وقت اپنی کائنات میں الجھا رہے کہ کس طرح مجھے پیسے زیادہ مل جائیں، کس طرح مجھے عزت مل جائے، شہرت مل جائے؛ لہٰذا اگر انسان خود غرضی اور تکبر چھوڑ دے اور تواضع اختیار کرے تو سارے جھگڑے اور اختلافات ختم ہو جائیں، بقول حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے:

”اتحاد اور اتفاق اور اسلامی معاشرت کا بنیادی راستہ یہ ہے کہ اپنے اندر دو چیزوں کو پیدا کرلو، اگر یہ دو چیزیں پیدا ہوگئیں تو اتحاد قائم ہو جائے گا اور اگر ان میں سے ایک چیز بھی مفقود ہوگی تو کبھی اتحاد قائم نہ ہوگا اور وہ دو چیزیں یہ ہیں: ایک تواضع اور دوسرا ایثار“۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اندر ایثار اور اپنے اوپر دوسروں کو فوقیت دینے کے اوصاف ایسے پیدا کردئے تھے کہ وہ رہتی دنیا تک مثال بنے رہیں گے۔

---

(۱) الحشر: ۹

ہجرت کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ایک انصاری صحابی سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے گھر ٹھہرنا طے ہوا، حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں انصار میں سب سے زیادہ مالدار ہوں، میرے مال کے میں دو حصے کئے دیتا ہوں اور میری دو بیویاں ہیں، تمہیں جو پسند آجائے میں طلاق دے دوں گا، عدت کے بعد تم نکاح کر لینا، لیکن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے استغناء کے ساتھ فرمایا: بارك الله لك منّي أهلك ومالك وأين سوقكم؟ (۱) ہمیں بازار کا رخ بتلاؤ، کچھ ہی دن میں اتنا کمایا کہ سونے کا ڈلا بیوی کو مہر میں ادا کیا، یہی مزاج انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی تھا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے بلیغ لہجے میں اس کا اظہار فرمایا: "تقلّون عند الطمع وتكثرون عند الفزع" (۲) مال وغیرہ ملنے کی جگہ تم کم ہو جاتے ہو، اور جان مال لگانے کی جگہ جہاں انسان گھبراہٹ محسوس کرتا ہے، تم زیادہ تعداد میں آجاتے ہو۔

مدنی معاشرہ کی تشکیل ہی ان بنیادوں پر ہوئی تھی کہ ہر ایک اپنا خرچ کرنا چاہتا تھا اور دوسرے کے بارِ احسان کو اپنے کاندھے پر لینے سے بچنا چاہتا تھا، اتنی خودداری ان میں پیدا کردی گئی کہ مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے تین دن فاقہ گوارا کیا مگر غیر اللہ کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کیا، حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب یہ سن لیا " من يستغنِ يغنيه الله ومن يستعفف يعفّه الله "(۳) تو اس کے بعد وہ لوگ اگر کوڑا زمین پر گر جائے تو اُسے اٹھانے کے لئے دوسرے سے سوال کرنا بھی تقاضۂ ایمانی کے خلاف سمجھتے تھے، وہ ایثار کی مثالیں قائم کیں کہ پروردگار عالم کی طرف سے سند دی گئی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص رات کو مہمان ہوئے، ان کے پاس اپنے اور اپنے بچوں کے کھانے کے علاوہ کچھ نہ تھا، انہوں نے اپنی بیوی سے کہا: تم بچوں کو سلادو اور چراغ کو بجھادو، اور جو کچھ تمہارے یہاں ہے

(۱) بخاری: باب اخاء النبیؐ، حدیث: ۳۵۶۹
(۲) كشف المشكل من حديث الصحيحين: ۱/۸۹۰، دار الوطن، الرياض
(۳) ترمذی: باب الصبر، حدیث: ۲۰۲٤

وہ مہمان کے سامنے رکھ دو، تو ان کے اس عمل پر یہ آیت نازل ہوئی "يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" (۱)

اور ایک روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے کسی کو ایک بکری کا سر بطور ہدیہ پیش کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ: میرے فلاں بھائی اور اس کے اہل وعیال اس کے زیادہ محتاج ہیں، چنانچہ انہوں نے ان کے پاس بھیج دیا، اس طرح یہ بکری کا سر ایک گھر سے دوسرے پر ایثار کرتے ہوئے سات گھروں سے پہلے والے گھر کو پہنچ گیا "فلم يزل بواحد الى آخر حتّى تداولها سبعة أبيات حتى رجعت الى الأوّل" اور یہ مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی "يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" (۲)

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایثار کی صفت کس درجہ پائی جاتی تھی، حضور اکرم ﷺ اپنی خصوصی تربیت سے انہیں کس قدر اوصاف حمیدہ اور صفاتِ جمیلہ کا جامع بنایا تھا اس کا اندازہ ان واقعات سے بھی ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں اپنی قبر کیلئے جگہ مخصوص کر رکھی تھی؛ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے درخواست کی تو انہوں نے یہ تحفۂ جنت ان کو دے دیا اور فرمایا: "كنتُ اريده لنفسي ولأوثرنّ به اليوم علٰى نفسي" (۳) میں نے خود اپنے لئے اس کو محفوظ کر رکھا تھا؛ لیکن آج اپنے اوپر آپ کو ترجیح دیتی ہوں۔

---

(۱) ترمذی: تفسیر القرآن، سورة الحشر، حدیث: ۳۳۰۴، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے

(۲) شعب الایمان: فصل ما جاء في الايثار، حدیث: ۳۴۷۹، حاکم نے اس کو صحیح السند کہا ہے اور ذہبی اس مستدرک کی تعلیق میں اس کو ضعیف کہا ہے: المستدرك: تفسير سورة الحشر: ۳۷۹۹

(۳) بخاری: كتاب المناقب، باب قصة البيعة والاتفاق على عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حدیث: ۳۴۹۷

ایک غزوہ میں حضرت عکرمہ، حضرت حارث بن ہشام، حضرت سہیل بن عمر رضی اللہ عنہم زخم کھا کر زمین پر گرے اور اس حالت میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے پانی مانگا، پانی آیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت سہیل رضی اللہ عنہ پانی کی طرف دیکھ رہے ہیں، بولے: ان کو پلا آؤ، حضرت سہیل رضی اللہ عنہ کے پاس پانی آیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت حارث رضی اللہ عنہ کی نگاہ بھی پانی کی طرف ہے، بولے: ان کو پلاؤ، بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کے منہ میں پانی کا ایک قطرہ نہ گیا اور سب نے تشنہ کامی کی حالت میں جان دے دی "حتّٰی ماتوا ولم یشربوا" (۱)

یاد رہے کہ یہ ایثار اور دوسرے کی ضرورت کو ترجیح دینا کسی دستر خوان یا تقریب میں نہیں، نہ حالتِ امن اور خوشی میں؛ بلکہ میدانِ جنگ میں زندگی کے آخری لمحات گذارتے ہوئے ہے۔

دوسری طرف اپنے معاشرہ پر بھی نظر ڈالئے، جہاں پر ہر ایک اگر امید نہیں کرتا ہے تو صرف اللہ سے اور ہر فرد دوسروں کو لوٹنے کیلئے فکر مند اور اپنا مال بچانے کیلئے کوشاں ہے؛ اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ان اعلیٰ انسانی اقدار کو زندہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

بزرگانِ سلف کے ایثار کے واقعات وارشادات

سخاوت کے بلند درجوں میں سے ایثار ہے، ضرورت ہوتے ہوئے مال کو خرچ کر دینا ایثار ہے، اور سخاوت یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ مال کو خرچ کر دے۔

شیخ بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ: بلخ کے نوجوان نے مجھے لاجواب کر دیا، ہوا یوں کہ وہ نوجوان حج کے سفر میں ہمارے پاس آیا تھا، اس نوجوان نے مجھ سے پوچھا کہ: زہد کسے کہتے ہیں: میں نے جواب دیا کہ: ہمیں جو کچھ مل جاتا ہے وہ کھا لیتے ہیں اور اگر نہیں تو ملتا صبر کر لیتے ہیں، اس نوجوان نے کہا کہ: ہمارے بلخ کے کتے بھی یہی کرتے ہیں، یہ سن کر میں نے پوچھا: تمہارے نزدیک زہد کیا ہے؟ اس نے کہا: جب ہمیں کچھ نہیں ملتا تو ہم شکر کرتے ہیں اور اگر کچھ مل جاتا ہے تو اس کو ایثار کرتے ہیں (دوسروں پر صرف کرتے ہیں) اس کی یہ بات سن کر میں شکست خوردہ ہوگیا۔

---

(۱) الاستیعاب: ترجمة: ۱۰۲۵، ص: ۵۸۲، دار الاعلام، الأردن

ایک دوسرے بزرگ کا ارشاد ہے: ایثار میں کسی کو ترجیح نہیں ہے، بلکہ اس میں تمام مخلوق کے حقوق، ذاتی حقوق پر مقدم ہوتے ہیں، یعنی اس سلسلہ میں دوست اور شناسا کا فرق ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔

شیخ یوسف بن حسنؒ فرماتے ہیں کہ: جو شخص خود کو کسی چیز کا مالک سمجھے وہ صحیح طور پر ایثار نہیں کرسکتا؛ کیوں کہ وہ اپنی ملکیت کا خیال کر کے اس چیز کا حقدار اپنے آپ کو زیادہ سمجھے گا، ایثار وہی شخص کرسکتا ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں، جس کے پاس جو کچھ ہے بس اتنے ہی کا وہ حقدار ہے، پس اگر کوئی چیز مل جائے تو وہ اس کے پاس امانت ہے، چاہئے کہ وہ اس امانت کو اس کے ضرورت مند کے پاس پہنچادے۔

روایت ہے کہ شیخ ابوالحسن انطا کی کے پاس شہر رے کے قریب ایک گاؤں میں تیس سے زیادہ آدمی جمع ہوگئے، لیکن اس وقت ان کے پاس صرف چند روٹیاں تھیں، ان روٹیوں سے چار یا پانچ آدمیوں کا بھی پیٹ نہیں بھر سکتا تھا، لہٰذا انہوں نے ان سب روٹیوں کے ٹکڑے کیے اور یہ جب کھانے کیلئے بیٹھے تو چراغ گل کردیا، جب سب کھانا ختم کر چکے تو معلوم ہوا کہ تمام کھانا جوں کا توں رکھا ہے یعنی ایثار کے باعث اس جماعت میں سے کسی نے بھی نہیں کھایا، ہر ایک نے دوسرے کو کھانے کا موقع دیا اور اس طرح کسی نے بھی نہیں کھایا۔

جب صوفیائے کرام کے سلسلہ میں حکومتِ عباسیہ کے پاس شکایت کی گئی اور ان پر اتہامات لگائے گئے تو حضرت جنید بغدادیؒ تو اپنی فقہ دانی کے باعث عتاب سلطانی سے بچ گئے لیکن دوسرے مشاہیر مشائخ جیسے شیخ شامؒ اور شیخ ابوالحسن نوریؒ کو گرفتار کرلیا گیا، ان گرفتار شدگان کی گردن اڑانے کا حکم دے دیا اور چمڑا بچھا دیا گیا تو شیخ ابوالحسن نوریؒ آگے بڑھے، جب ان سے اس سبقت کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: میں اپنے ان بھائیوں کیلئے اپنی ایک گھڑی کی زندگی کا ایثار کر رہا ہوں کہ یہ ایک گھڑی اور زندہ رہ لیں۔(۱)

(۱) اپنی اصلاح کا مکمل نصاب: ۶۸ تا ۷۱

رشتہ جوڑنے کی اہمیت اور فضیلت

اگر دو مسلمانوں کے درمیان ناچاقی، اختلاف، دوری ہوگئی ہے، یا دو مسلمانوں کے درمیان جھگڑا ہوگیا ہے اور وہ دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کے روادار نہیں ہیں تو ایسا کوئی کام کرنا جس کے نتیجے میں ان کے درمیان کا جھگڑا ختم ہو جائے اور دونوں کے دل آپس میں مل جائیں، تمہارا یہ عمل نماز سے بھی افضل ہے، صدقہ سے بھی افضل ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا: کیا میں تمہیں ایسا درجہ نہ بتاؤں جو نماز، روزے اور صدقے سے بھی افضل ہے؟ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اصلاح ذات البين" تعلقات اور رشتہ داری کو نبھانا، پھر آگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وفساد ذات البين هي الحالقة" یعنی آپس کے جھگڑے، آپس میں نفرتیں اور ناچاقیاں یہ مونڈھنے والی چیزیں ہیں۔(۱)

ایک دوسری حدیث میں اس کی تشریح کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں یہ نہیں کہتا کہ آپس کے یہ جھگڑے تمہارے بالوں کو مونڈھنے والے ہیں؛ بلکہ یہ جھگڑے تمہارے دین کو مونڈھنے والے ہیں؛ کیونکہ جب آپس میں نفرتیں ہوتی ہیں اور جھگڑے ہوتے ہیں تو اس جھگڑے کی وجہ سے انسان نہ جانے کتنے بے شمار گناہوں کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے، ان جھگڑوں کے نتیجے میں ایک دوسرے کی غیبت ہوتی ہے، ایک دوسرے پر بہتان لگایا جاتا ہے ایک دوسرے کی ایذاء رسانی ہوتی ہے، ایک دوسرے پر تہمتیں لگائی جاتی ہیں تو یہ جھگڑے بے شمار گناہوں کا مجموعہ ہوتے ہیں۔

اور ایک روایت میں صلہ رحمی اور رشتہ کو نبھانے کے دنیوی برکات کو یوں بیان کیا گیا:

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی یہ چاہے کہ اس کے رزق میں فراخی اور کشادگی ہو اور دنیا میں اس کے آثارِ قدم تادیر رہیں (یعنی اس کی عمر دراز ہو)

---

(۱) ترمذی: صفة أواني الحوض، حديث: ۲۵۰۹، امام ترمذی نے کہا ہے کہ: یہ حدیث صحیح ہے۔

تو وہ (اہل قرابت کے ساتھ) صلہ رحمی کرے" "من أحبّ أن يبسط له في رزقه وينساله في اثره فليصل رحمه" (۱)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک وہ مبارک عمل ہے جس کے صلہ میں اللہ کی طرف سے رزق میں وسعت اور عمر میں برکت ہوتی ہے، رشتہ داری کو نبھانے کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ آدمی اپنی کمائی سے اہل قرابت کی مالی خدمت کرے، دوسرے یہ کہ اپنے وقت اور اپنی زندگی کا کچھ حصہ ان کے کاموں میں لگائے، اس کے صلہ میں رزق و مال میں وسعت اور کشادگی اور اضافہ اور برکت کا ہونا بالکل قرین قیاس ہے۔

آپسی رشتہ داری کو نبھانا، تعلقات کو قائم کرنا، جھگڑوں کو ختم کرنا یہ کتنا اہم کام ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کی پوری حیاتِ طیبہ میں صرف ایک واقعہ ایسا ہے کہ صحت کی حالت میں آپ مسجد نبوی میں تشریف نہ لا سکے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی، اس وقت آپ ﷺ لوگوں کے درمیان مصالحت کرانے اور جھگڑا ختم کرانے کیلئے تشریف لے گئے۔

صلہ رحمی کی اہمیت وفضیلت اور قطع رحمی، تعلقات اور رشتہ داریوں کو توڑنے کی مذمت پر یہ روایت بھی نہایت واضح طور پر دلالت کرتی ہے۔

حضور ﷺ نے اس شخص کیلئے جو محض جھگڑے سے بچنے کیلئے اپنا حق چھوڑ دیتا ہے جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کی ضمانت لی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:" انا زعيم ببيت في وسط الجنّة من ترك المراء وهو محقّ" (۲)

میں اس شخص کیلئے جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کی ضمانت لیتا ہوں جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے۔

---

(۱) بخاری: باب من أحبّ البسط في الرزق، حديث: ۱۹۶۱

(۲) ابوداؤد: باب في حسن الخلق: حديث: ٤٨٠٠، منذری کہتے ہیں کہ اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور الفاظ اسی کے ہیں، اور امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے: الترغيب: الترغيب في الحياء، حديث: ٤٠١٥

آپسی تعلقات کو جوڑنے اور رشتہ داری کو نبھانے کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک حدیث میں یوں ارشاد فرمایا: ”لیس بالکاذب من اصلح بین النّاس فقال: خیرا أو نمی خیرا“ جھوٹا وہ نہیں ہے جو بھلائی کیلئے چغلی کرتا ہے، یعنی جو شخص ایک مسلمان بھائی کے دل میں دوسرے کی محبت پیدا کرنے کیلئے اور نفرت کو دور کرنے کیلئے کوئی ایسی بات کہہ دے جو بظاہر خلاف واقعہ ہو تو وہ جھوٹ بولنے والوں میں شمار نہیں ہوگا، مثلاً یوں کہہ دے کہ: فلاں سے تم نفرت رکھتے ہو جبکہ وہ تمہارے حق میں خیر خواہ ہے اور تمہارے لئے دعا کرتا ہے، اب سامنے والا یہ تو سوچے گا کہ میں تو اس سے نفرت رکھتا ہوں؛ لیکن وہ میرے حق میں دعا کرتا ہے؛ لہٰذا اس کے دل میں اس کی قدر پیدا ہوگی، اس طرح جھگڑا ختم ہو جائے گا۔(۱)

بلکہ بعض فقہاء نے تو اس حدیث کی شرح میں دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کیلئے صریح جھوٹ بولنے کو بھی جائز کہا ہے؛ لیکن آج صورتحال بالکل الٹی ہوگئی ہے کہ کسی کو دو ملے ہوئے دل بھی اچھے نہیں لگتے، جہاں کہیں دیکھا کہ فلاں دو شخصوں میں محبت ہے تو وہ ان کے درمیان ایسا شوشہ چھوڑ دیتے ہیں کہ دونوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہو جائے۔

صلہ رحمی کی اہمیت اور قطع رحمی کی مذمت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کسی مکان وغیرہ کی فروختگی کے معاملے میں اختلاف ہوگیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس مکان کے بیچنے پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ناراضگی کا اظہار کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابن زبیرؓ سے بات نہ کرنے کی نذر مانی، پھر حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے معافی کی درخواست پر انہوں نے اپنی نذر کو توڑنے سے انکار کر دیا، پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بنی زہرہ کے دو آدمیوں کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر آئے، پھر ان کے منانے اور سمجھانے، صلہ رحمی کے فضائل اور قطع رحمی کی قرآن اور احادیث میں وارد وعیدوں کے ذکر پر انہوں نے

(۱) ترمذی: باب اصلح ذات البین: حدیث: ۱۹۳۸، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے

اپنی نذر توڑ دی اور اپنی نذر کے توڑنے پر چالیس غلام آزاد کئے، وہ بعد میں اپنی اس نذر کو یاد کر کے روتیں جس کی وجہ سے ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا "وكانت تذكر نذرها بعد ذلك فتبكي حتى تبلّ دموعها خمارها" (۱)

مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بات نہ کرنے کی جو نذر مانی تھی اس پر غم وافسوس اور اُخروی اعتبار سے اس کے نقصان وخسران کو یاد کر کے رو پڑتیں، جس سے ان کا دوپٹہ تر ہو جاتا۔

رسول اللہ ﷺ نے صلہ رحمی کے باوجود اس کے ساتھ قطع رحمی کرنے پر اس کو ملنے والے اجر وثواب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے کچھ رشتہ دار ہیں میں ان کو جوڑتا ہوں تو وہ مجھ سے تعلقات توڑتے ہیں، میں ان کے ساتھ بھلائی کرتا ہوں تو وہ میرے ساتھ برائی کرتے ہیں، میں ان سے درگذر کرتا ہوں تو وہ مجھ سے برا سلوک کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر بات ایسی ہی ہے جو تم کہہ رہے ہو تو تم ان کے منہ میں مٹی جھونک رہے ہو، تم جب تک ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتے رہو گے تمہارے اس فعل پر اللہ کی جانب سے تمہارا ایک مددگار رہوگا (یعنی ایک فرشتہ بطورِ مددگار اللہ کی جانب سے اس کیلئے متعین ہوگا جو اس سے لوگوں کی جانب سے پہنچنے والی تکالیف کو دور کرتا رہے گا "ولا يزال معك من الله ظهير عليهم مادمت على ذلك" (۲)

آپ ﷺ نے رشتہ داری کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے بجائے غیر رشتہ داروں پر خرچ کو فرمایا: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے انصار میں کھجوروں کے اعتبار سے بہت زیادہ مالدار تھے اپنے مال میں انہیں سب سے زیادہ پسند اپنا باغ بیر حاتھا جو مسجد نبوی کے بالکل سامنے تھا، رسول کریم ﷺ بھی اکثر اس باغ میں

(۱) بخاری: کتاب الأدب، باب الهجرة، حديث: ١٥٧٢٥

(۲) مسلم: باب صلة الرحم وتحريم قطيعتها، حديث: ٢٥٥٩

تشریف لے جاتے تھے اور وہاں کا پانی نوش فرماتے تھے جو بہت شیریں تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی ''نیکی کو اس وقت تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ تم وہ چیز خرچ نہ کرو جو تمہارے نزدیک پسندیدہ ہے۔'' تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! چونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نیکی یعنی جنت تک نہیں پہنچ سکتے تاوقتیکہ اپنی اس چیز کو خرچ نہ کرو جو تمہارے نزدیک پسندیدہ ہے؛ لہٰذا بیرحاء جو تمام مال میں مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ ہے میں اسے اللہ کے واسطے صدقہ کرتا ہوں اور اس سے نیکی کی امید رکھتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ اللہ کے نزدیک میرے لیے ذخیرۂ آخرت ہوگا۔ پس یارسول اللہ ﷺ! اسے قبول فرمایئے جہاں اللہ تعالیٰ آپ کو بتائے وہاں خرچ کیجیے، رسول کریم ﷺ نے فرمایا شاباش! شاباش! یہ باغ نفع پہنچانے والا مال ہے جو کچھ تم نے کہا ہے میں نے سن لیا ہے میرے نزدیک مناسب ہے کہ تم اس باغ کو اپنے کو اقرباء میں تقسیم کردو، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کے ارشاد کے مطابق ہی عمل کروں گا، چنانچہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس باغ کو اپنے اقرباء اور چچا کے بیٹوں میں تقسیم کردیا۔(۱)

رشتہ توڑنے کے نقصانات

ایک روایت میں حضور ﷺ نے فرمایا: اس قوم پر رحمتِ خداوندی کا نزول نہیں ہوتا جس میں قطع رحمی کرنے والا، والدین کا نافرمان اور شراب پینے کا عادی شخص ہو '' لا تنزل الرحمة علٰی قوم فيه قاطع رحم ولا الى عاقٍ والديه والى مدمن خمر'' (۲)

اور ایک روایت میں فرمایا: حضرت ابوخراش سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے

---

(۱) بخاری: باب استعذاب الماء، حدث: ۵۲۸۸

(۲) الأدب المفرد: باب لا تنزل الرحمة على قوم، حديث: ۶۳، بوصیری نے زوائد میں کہا ہے کہ: اس کو ابوبکر ابن ابی شیبہ، احمد بن منیع، بخاری نے الادب المفرد میں روایت کیا ہے اور ان کے اسانید کا دارومدار ابوادام پر ہے اور وہ ضعیف ہیں: الاتحاف الخيرة المهرة: باب ما جاء في صلة الرحم: ۷۷/۱

رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جس شخص نے (ناراضگی کی وجہ سے) اپنے مسلمان بھائی سے ایک سال تک ملنا جلنا چھوڑے رکھا، اس نے گویا اس کا خون کیا (یعنی سال بھر قطع تعلق کا گناہ اور ناحق قتل کرنا قریب قریب ہے) "من هجر سنة فهو كسفك دمه" (۱)

اور ایک روایت میں رشتہ داری کو قائم رکھنے اور تعلقات کو توڑنے کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: رحم (یعنی حق قرابت) مشتق ہے "رحمٰن" سے (یعنی خداوند رحمٰن کی رحمت کی ایک شاخ ہے اور اس نسبت سے) اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا کہ: جو تجھے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا اور جو تجھے توڑے گا میں اسے توڑوں گا "من وصلك وصلته ومن قطعك قطعته" (۲)

قطع رحمی اور تعلقات کو توڑنے والے کی نحوست کی وجہ سے دعائیں تک قبول نہیں ہوتیں۔

حضرت اعمش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فجر کی نماز کے بعد ایک حلقہ میں تشریف فرما تھے، فرمانے لگے: اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ قطع رحمی کرنے والا یہاں سے اٹھ کر چلا جائے؛ چونکہ ہم دعا کر رہے ہیں اور آسمان کے دروازے قطع رحمی کرنے والے کیلئے بند ہوتے ہیں "انشد الله قطع رحم لمّا قام من عندنا فانّا نريدأن ندعوا ربّنا، وانّ أبواب السّماء مرتجّة دون قطع رحم" (۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کا واقعہ امام بخاریؒ نے بھی نقل کیا ہے کہ ابو ایوب سلیمانؒ کہتے ہیں کہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جمعرات کی شام اور جمعہ کی رات ہمارے یہاں آتے،

(۱) ابو داؤد: في هجرة الرجل أخاه، حديث: ٤٩١٥، حاکم نے کہا کہ: یہ صحیح السند ہے، شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے: المستدرك: كتاب البر والصلة، حديث: ٧٢٩٢

(۲) بخاری: باب من وصل وصله الله، حديث: ٥٦٤٢

(۳) شعب الايمان: باب في صلة الأرحام، حديث: ٧٩٦٤، منذری نے کہا ہے کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے اعمش کے ان کی ملاقات ابن مسعود سے نہیں ہے: الترغيب: كتاب البر والصلة: حديث: ٣٨٢٨

ایک دفعہ فرمایا: میں ہر قطع رحمی کرنے والے سے کہتا ہوں کہ وہ یہاں سے اٹھ کر چلا جائے، کوئی بھی شخص اس مجلس سے نہیں اٹھا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات تین دفعہ کہی، ایک نوجوان اٹھ کر اپنی پھوپھی کے پاس آیا جس سے اس نے قطع تعلق کر رکھا تھا، جب وہ پھوپھی کے پاس آیا تو اس کی پھوپھی نے اس سے کہا: اے بھتیجے! میرے پاس تم کیسے آئے؟ اس نے کہا: میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس طرح سے کہتے سنا ہے، پھوپھی نے کہا: تم ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر یہ پوچھو کہ انہوں نے یہ بات کیوں کہی تھی، چنانچہ اس نوجوان کے پوچھنے پر انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ "انّ اعمال بني ادم تعرض على الله عشيّة كلّ خميس ليلة الجمعة، فلا يقبل عمل قاطع رحمٍ" (۱) بنی آدم کے اعمال ہر جمعرات کی شام اور جمعہ کی شب اللہ کے حضور میں پیش ہوتے ہیں، قطع رحمی کرنے والے کا عمل مقبول نہیں ہوتا۔

ابلیس لعین بھی اپنے کارندوں کو روزانہ بہکانے کیلئے بھیجتا ہے، ایک کارندہ آ کر کہتا ہے کہ میں فلاں کو نماز سے روک دیا تو ابلیس اس پر شاباشی دیتا ہے، اور ایک آ کر کہتا ہے کہ: میں نے فلاں کو روزے سے روک دیا تو وہ اسے بھی شاباشی دیتا ہے اور ایک یہ کہتا ہے کہ: فلاں نے صدقہ کا ارادہ کیا تھا، میں نے اسے صدقہ کرنے سے روک دیا، شیطان اسے بھی شاباشی سے نوازتا ہے اور ایک کارندہ آ کر کہتا ہے: میاں بیوی آپس میں محبت سے رہا کرتے تھے، میں نے ان کے درمیان ناچاقیاں اور نفرتیں پیدا کر دیں؛ یہاں تک کہ دونوں کے درمیان جدائیگی ڈال دی، ابلیس یہ سن کر تخت سے اٹھتا ہے اور اسے گلے سے لگا لیتا ہے۔ (۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے زمین خریدی، پس اس آدمی نے جس سے زمین خریدی تھی اس کی زمین میں سونے کے ایک گھڑے کو پایا تو اس آدمی سے کہا جس سے زمین خریدی تھی مجھ سے

---

(۱) الأدب المفرد: باب برّ الأقرب فالأقرب، حديث: ٦١١، منذری نے کہا ہے کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رواۃ ثقہ ہیں: الترغيب: كتاب البر والصلة: حديث: ٣٨٢٤

(۲) مسلم: باب تحريش الشيطان، حديث: ٢٨١٣

اپنا سونا لے لو میں نے تو تجھ سے صرف زمین ہی خریدی تھی میں نے تجھ سے سونا طلب نہیں کیا تھا تو اس آدمی نے کہا جس نے زمین فروخت کی تھی کہ میں نے یہ زمین بمع جو کچھ اس میں ہو تجھے فروخت کردی ہے چنانچہ انہوں نے اپنا یہ مقدمہ ایک آدمی کے سامنے پیش کیا، جس کے سامنے مقدمہ پیش کیا گیا اس نے کہا کیا تمہارے دونوں کی اولاد ہے؟ ان میں سے ایک نے کہا میرا لڑکا ہے اور دوسرے نے کہا میری لڑکی ہے۔ اس نے کہا کہ لڑکے کا نکاح اس لڑکی سے کردو اور یہ مال ان پر خرچ کردو اور انہیں دے دو۔" أنكحوا الغلام الجارية ، وأنفقوا على أنفسكما منه وتصدقا " (۱)

رشتہ نبھانا بھی دین ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب مکہ مکرمہ جاتے تو اپنے ساتھ ایک گدھا بھی رکھتے، جب اونٹنی پر سفر کرتے کرتے اُکتا جاتے تو آرام کرنے کیلئے اس پر بیٹھ جاتے اور ایک پگڑی بھی ساتھ لے جاتے جسے بوقتِ ضرورت سر پر باندھ لیتے، ایک دن وہ اس گدھے پر سوار ہو کر جا رہے تھے کہ ایک دیہاتی کے پاس سے گذر ہوا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: کہ کیا تم فلاں ابن فلاں ہو؟ اس نے کہا: ہاں میں وہی ہوں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے اپنا وہ گدھا دے دیا اور فرمایا: اس پر سوار ہو جاؤ، اور پگڑی بھی اسے دے دی اور فرمایا: اس سے اپنا سر باندھ لینا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ایک ساتھی نے ان سے کہا: آپ رضی اللہ عنہ جس گدھے پر آرام کرتے تھے وہ بھی اسے دے دیا اور جس پگڑی سے اپنا سر باندھا کرتے تھے وہ بھی اسے دے دیا، اللہ آپ کی مغفرت فرمائے، (آپ نے ایسا کیوں کیا؟) ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نیکیوں میں سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے والد کے انتقال کے بعد اس سے محبت و تعلق رکھنے والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے (اس دیہاتی کے والد میرے والد کے محبوب دوست تھے

(۱) مسلم: استحباب إصلاح الحاكم بين الناس الخصمين، حديث: ٤٥٩٤

"انّ من ابرّ البرّ صلة الرجل اهل ودّ ابيه بعد أن يُولّى، وانّ أباه كان صديقًا لعمر" (۱)

حضرت عونؒ کہتے ہیں: جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھی کوفہ سے مدینہ ان کے پاس آئے تو ان سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تم ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا: جی ہاں، یہ کام ہم نہیں چھوڑ سکتے، پھر پوچھا: کیا تم آپس میں ملتے رہتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا: ہاں اے ابوعبدالرحمٰن! ہماری حالت یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کو اس کا بھائی نہیں ملتا تو وہ پیدل ڈھونڈھتا ہوا کوفہ کے آخری کنارے تک چلا جاتا ہے اور اس سے مل کر آتا ہے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تک تم یہ کام کرتے رہو گے تم خیر پر رہو گے، "انكم لن تزالوا بخير ما فعلتم ذلك" (۲)

تعلقات کو نبھانا بھی دین ہے

تعلقات اور رشتہ داریوں کو نبھانے کی اہمیت اور اس کا جزء ایمان ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بوڑھیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف رکھتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں "جثامه المزنيه" ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں تم حسانہ المزنیہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کیسی ہو؟ تمہاری حالت کیسی ہے؟ تم ہماری ملاقات کے بعد سے اب تک کیسی رہیں؟ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر میرے ماں باپ قربان! میں اس دوران بخیر و عافیت رہی ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس پر اس قدر توجہ دے رہے ہیں

---

(۱) مسلم: باب بيان صلة أصدقاء الأب، حديث: ۲۵۵۲

(۲) المعجم الكبير: عبدا لله بن مسعود الهذلي: حديث: ۸۰۹۸ علامہ ہیثمی اور منذری نے کہا ہے کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں انقطاع ہے: مجمع الزوائد: باب الزيارة واكرام الوالدين، حديث: ۱۳۵۹۰

آپ ﷺ نے فرمایا: یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے زمانے میں ہمارے یہاں آیا کرتی تھی، تعلقات اور رشتہ داری کو نبھانا بھی جزء ایمان ہے: "وانّ حسن العهد من الايمان" (۱)

☆ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب کبھی گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپ ﷺ ڈھونڈ ڈھونڈ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے پاس گوشت بھجواتے، "كان رسول الله اذا ذبح الشاة فيقول ارسلوا بها الى أصدقاء خديجة" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے اس معمول کے ذکر کرنے کے بعد کہتی ہیں کہ گو میں نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کو نہیں دیکھا؛ لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ حضور ﷺ ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے، ایک دفعہ میں نے اس پر آپ ﷺ کو رنجیدہ کردیا؛ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے مجھے ان کی محبت دی ہے۔ (۲)

☆ ایک دفعہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ان کی بہن ہالہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ سے ملنے آئیں اور استیذان (اجازت مانگنے) کے قاعدے سے اندر آنے کی اجازت مانگی، ان کی آواز حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ملتی تھی، آپ ﷺ کے کانوں میں آواز پڑی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آ گئیں اور آپ ﷺ بے جھجک اٹھے اور فرمایا کہ "ہالہ ہوں گی" "فارتاع لذلك، فقال اللهمّ هالة" (۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں، ان کو رشک ہوا، بولیں آپ ایک بوڑھیا کو یاد نہ کرتے جو مر چکیں اور خدا نے آپ ﷺ کو ان سے اچھی بیویاں دیں۔

لیکن استیعاب میں ہے کہ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: ہرگز نہیں، جب

---

(۱) مستدرك: كتاب الايمان، حديث: ٤٠، دار الكتب العلمية، بيروت، حاکم اور ذہبی نے اس کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

(۲) مسلم: باب فضائل خديجة، حديث: ۲۴۳۵

(۳) بخاري: باب تزويج النبي الخديجة، حديث: ۳۶۱۰

لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق کی، جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائیں، جبکہ میرا کوئی معین نہ تھا تو انہوں نے میری مدد کی۔(۱)

سلام سے قطع تعلق کی تلافی ہو جاتی ہے

اگر کسی کی کسی سے بات بند ہے یا اس سے تعلقات ٹوٹے ہوئے ہیں اور قطع تعلق کی وعید سے بچنا چاہتا ہے تو اگر یہ شخص اس کو جس سے بات بند ہے سلام بھی کر دیتا ہے تو وہ قطع تعلق کے نقصان اور اس کی وعیدوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

حضرت ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دنوں سے زیادہ قطع تعلق رکھے، اور جب تک وہ اس سے قطع تعلق رکھیں گے تو وہ حق سے ہٹے رہیں گے اور ان دونوں میں جو صلح کرنے میں پہل کرے گا تو اس کا پہل کرنا اس کے قطع تعلقی کے گناہ کا کفارہ ہو جائیگا، پھر اگر اس پہل کرنے والے نے سلام کیا اور دوسرے نے سلام قبول نہیں کیا اور اس کا جواب نہ دیا تو سلام کرنے والے کو فرشتے جواب دیں گے اور دوسرے کو شیطان جواب دے گا، اگر اسی (پہلی) قطع تعلقی کی حالت میں دونوں آ گئے تو نہ جنت میں داخل ہوں گے اور نہ جنت میں اکٹھے ہوں گے "وان ماتو علی صرامهما لم يدخلا الجنّة ولم يجتمعا فی الجنّة" (۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن کیلئے جائز نہیں ہے کہ اپنے مسلمان بھائی سے (قطع تعلق کر کے) اسے تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے لہٰذا اگر تین دن گذر جائیں تو اپنے بھائی سے مل کر سلام کر لینا چاہیے، اگر اس نے سلام کا

---

(۱) سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۲۳۹/۲، مکتبہ مدنیہ، لاہور

(۲) صحیح ابن حبان: باب ما جاء فی التباغض والتحاسد، حدیث: ٥٦٦٤، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد، ابو یعلی اور طبرانی روایت کیا ہے اور احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں: مجمع الزوائد: باب ما جاء فی الهجران، حدیث: ١٢٩٦٩

جواب دے دیا تو اجر وثواب میں دونوں شریک ہوگئے اور اگر سلام کا جواب نہ دیا تو وہ گنہگار ہوا اور سلام کرنے والا قطع تعلق (کے گناہ) سے نکل گیا "وان لم یرد فقد باء بالاثم" اور وہ قطع تعلقی کے گناہ سے بچ گیا "وخرج المسلم من الهجرة" (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی مسلمان کیلئے درست نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو (اس سے قطع تعلق کرکے) تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے لہٰذا جب اس سے ملاقات ہو تو تین مرتبہ اس کو سلام کرے اگر وہ ایک مرتبہ بھی سلام کا جواب نہ دے تو سلام کرنے والے کا (تین دن قطع تعلق کا) گناہ بھی سلام کا جواب نہ دینے والے کے ذمہ ہوگیا "فاذا لقيه سلّم ثلاث مرارًا كلّ ذلك لا يردّ عليه، فقد باء باثمه" (۲)

عزیزوں اور رشتہ داروں پر خرچ کرنا دوہرے ثواب کا باعث

اپنے عزیزوں قرابت داروں کی ضرورتوں کا خیال رکھنا اور ان کو دینا دلانا بہت اجر وثواب کی بات ہے، بہت سے لوگ صدقہ اور خیرات کے نام سے غیروں کو تو بہت دیتے ہیں؛ کیونکہ اس میں نام بھی ہوتا ہے، دوسرے لوگ سوال کرنے آجاتے ہیں اور اپنے لوگ غیرت مندی اور آبرو کی وجہ سے سوال نہیں کرتے، لہٰذا ان کی حاجتیں اور ضرورتیں رکی رہتی ہیں؛ حالانکہ اپنے عزیزوں پر خرچ کرنے میں دو ثواب ہوتے ہیں: ایک صدقہ کرنے کا، دوسرا عزیزوں کی خبر لینے کا اور خدمت کرنے کا، اسی کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "الصدقة على المسكين صدقة وهي على ذي الرحم ثنتان صدقة وصلة" (۳)

---

(۱) ابوداؤد: باب في الهجرة الرجل أخاه، حديث: ۴۹۱۲، علامہ حجر نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے: فتح الباري: باب الهجرة: ۴۹۵/۱۰

(۲) ابوداؤد: باب في هجرة الرجل، حديث: ۴۹۱۳، علامہ حجر نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے: فتح الباري: باب الهجرة: ۴۹۵/۱۰

(۳) ترمذی: الصدقة على ذي القرابة، حديث: ۶۵۸، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: سلمان بن عامر کی حدیث حسن ہے۔

مسکین کو صدقہ دینا صرف ایک صدقہ ہی ہے اور قرابت دار پر صدقہ کرنے میں دوہرا ثواب ہے؛ کیونکہ یہ صدقہ بھی ہے اور قرابت داری کے حقوق کی دیکھ بھال بھی۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے ایک باندی سرور کونین ﷺ کے زمانے میں آزاد کردی، پھر اس کا ذکر آپ ﷺ سے کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: (آزاد کرنے کے بجائے) اگر اپنے ماموں کو دے دیتی تو یہ تیرے لئے زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہوتا "فقال: لو اعطیتها اخوالك كان اعظم لاجرك" (۱)

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے عورتوں کو خیرات کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اور کچھ نہ ہو تو زیور ہی کو خیرات کردیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے یہ حکم سن کر اپنے شوہر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم جا کر رسول اللہ ﷺ سے پوچھو، اگر کچھ حرج نہ ہو تو جو کچھ خیرات کرنا ہے وہ میں تمہیں کو دیدوں، تم بھی محتاج ہو، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: خود تم جا کر پوچھو، یہ مسجد نبوی کے دروازے پر آئیں، وہاں دیکھا کہ ایک اور بیوی کھڑی تھیں اور وہ بھی اسی ضرورت سے آئی تھیں، ہیبت کے مارے ان دونوں کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ اندر جا کر خود حضور ﷺ سے پوچھتیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نکلے تو ان دونوں نے کہا کہ حضور ﷺ سے جا کر کہو، دو عورتیں کھڑی پوچھتی ہیں کہ ہم لوگ اپنے خاوندوں اور یتیم بچوں پر جو ہماری گود میں ہو، صدقہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ تم یہ نہ کہنا کہ ہم کون ہیں؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: حضور ﷺ نے فرمایا: کون پوچھتا ہے؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک قبیلہ انصار کی بی بی ہے، اور ایک زینبؓ، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کون زینب؟ انہوں نے کہا کہ: عبداللہ بن مسعود کی رضی اللہ عنہ بیوی، آپ ﷺ نے فرمایا: کہہ دو کہ ان کو دوہرا ثواب ملے گا، رشتہ کا لحاظ کرنے کا علیحدہ اور صدقہ کرنے کا علیحدہ۔ (۲)

---

(۱) مسلم: باب فضل النفقة والصدقة، حديث: ۹۹۹

(۲) بخاری: باب الزكوة على الأقارب: حديث: ۱۳۹۳

آپسی معاملات کو درست رکھیں

اسلامی معاشرت کے بنیادی اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپسی معاملات درست ہوں، خاندانوں میں جو اختلاف اور جھگڑے ہوتے ہیں اس کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ شریعت نے جن معاملات کی درستگی کا حکم دیا ہے اس کا پاس ولحاظ نہیں کیا جاتا، "تعاشروا کالاخوان وتعاملوا کا لاجانب" (۱) تم آپس میں بھائیوں کی طرح رہو، اور معاملات اجنبیوں کی طرح کرو۔

مطلب یہ ہے کہ آپس میں تو بھائیوں کی طرح رہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ بھائیوں کی طرح معاملہ کریں جب لین دین کے معاملات پیش آئیں اور خرید وفروخت اور کاروباری معاملات آپس میں پیش آئیں تو اس وقت اجنبیوں کی طرح معاملہ کریں۔

اگر باپ بیٹوں کا بھی مشترکہ کاروبار ہو تو یہ بھی متعین ہو جانا چاہیے کہ بیٹا باپ کے ساتھ پارٹنر اور شریک کی حیثیت سے کام کر رہا ہے یا ویسے ہی باپ کی مدد کر رہا ہے، یا بیٹا بحیثیتِ ملازم اور تنخواہ دار کے مقرر ہے، اس حیثیت کے متعین نہ ہونے پر جب باپ گذر جاتا ہے اور اولاد صاحبِ اولاد ہو جاتی ہے تو ان کے درمیان جھگڑا ہو جاتا ہے، شروع میں تو محبت کے کھوکھلے دعووں کے ذریعہ حساب وکتاب صحیح برقرار نہیں رکھا جاتا، جب صاحبِ اولاد ہو گئے تو خود بھائیوں کے درمیان محبت کے کھوکھلے دعووں کا بھرم کھل گیا، ساری لڑائی، جھگڑے، مقدمہ بازیاں، آپس کا تناؤ تو اس لئے ہوا کہ شریعت کے حکم کے مطابق معاملات صاف نہیں رکھے گئے، اس لئے خواہ کاروبار باپ بیٹے کے درمیان ہو یا بھائی بھائی کے درمیان یا بیوی شوہر کے درمیان؛ لیکن تعلقات کی درستگی اور پائیداری کیلئے ہر ایک کی ملکیت الگ ہونی چاہئے۔

اگر مشترکہ خاندان ہے تو باپ اور سرپرست یا تو یہ طئے کرے کہ سارے حضرات مجھے کمائیاں لاکر دیں اور میں ہی بیٹیوں اور بیٹوں کی شادیاں، زکوۃ، علاج ومعالجے اور تمام اخراجات

---

(۱) المستطرف فی کلّ فنّ من مستظرف: ۱/۱۵۰، دار الکتب العلمیة، الطبعة الثانیة: ۱۹۸٦م

ادا کروں گا، یا صرف کھانے پینے رہنے سہنے کے اخراجات پر بیٹے یا بھائی سے اس کے افراد کے اعتبار سے طے کر دے اور گھر کا امیر اُسے لے کر انتظام سے چلا کرے؛ ورنہ بھائیوں، بیٹوں یا ان کی بیویوں، بیٹیوں میں یہ اختلاف ہوتا رہتا ہے کہ: ہماری کمائیاں زیادہ ہیں، ہمارے اخراجات کم ہیں، بچے بیمار کم ہیں، مگر ہمارا مال برابر خرچ ہورہا ہے، اور فلاں جمع کر رہا ہے، اور ہمارا مال صرف ہوتا جارہا ہے، تیسری شکل یہ بھی ہے کہ سارے بیٹے الگ رہیں، اور ماہانہ کچھ طے شدہ رقم والدین کے مصارف کیلئے دیتے رہیں اور یہ معاملہ ان پر چھوڑ دیں کہ جس بیٹے، بیٹی کے ساتھ چاہے رہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا مزاجِ انسانی کا نباض شخص مال کی فراوانی کو اپنے گھر میں اور مدینہ کی گلیوں میں دیکھ کر روتا اور کہتا: یہ مال جس قوم میں آجاتا ہے، بغض وعداوت کے جراثیم ضرور پیدا کرتا ہے، ”لا تفتح الدنیا علی احد الّا ألقی بینهم العداوة والبغضاء“ (۱)

بہت نادانی کی بات ہے کہ گھر کی عورتوں کو اجتماعی زندگی کیلئے ضروری اوصاف جیسے نرمی، معاف کرنا، چھوٹا بننا، فکرِ آخرت، جس سے جیسا پردہ کرنا چاہئے ویسا پردہ تو نہ ہوا، اور مردوں کے دل مالیات کے مسائل میں کٹ پھٹ چکے ہوں، پھر بھی ایک چھت کے نیچے رہنے کا جذبہ (جو اکثر خاندان محلّہ میں اپنے جوڑ کو دکھلانے کیلئے ہوتا ہے) دنیا وآخرت کو برباد کرنے والا ہے، جب ان بھائیوں کو اپنے کنبے کے بڑھنے کے بعد یا خانہ جنگیوں کے بعد جدا ہونا ہے تو ابھی باہمی اعتماد کی فضاء میں دلوں کی صفائی کے ساتھ مشورہ کر کے الگ ہو جانا بہتر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی اولاد کے درمیان لڑائی جھگڑے کے اندیشے سے ان کو یکجا رہنے سے منع کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے صاحبزادوں سے فرمایا کرتے تھے کہ جب صبح سو کر اٹھو تو اِدھر اُدھر پھیل جایا کرو، ایک گھر میں جمع ہو جایا نہ کرو؛ کیونکہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ تم ایک ساتھ رہ کر آپس میں جھگڑا کر بیٹھو،

(۱) مسند احمد: مسند عمر بن خطاب، حدیث: ۹۳، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو احمد نے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے: الترغیب: کتاب التوبة والزهد: حدیث: ٤٩٢٦

یا تمہارے درمیان کوئی شر سر اٹھائے "فانّي أخاف عليكم أن تقاطعوا أو يكون بينكم شرٌّ" (۱)

خلاصہ یہ ہے کہ نہ ایک جگہ رہنا ضروری ہے، نہ علیحدہ علیحدہ، اگر صلہ رحمی اور دلوں کا جوڑ اور دینی دنیوی کاموں میں تعاون ہو تو ایک جگہ رہنا بہتر ہے ورنہ اگر بچوں سے بڑوں کی لڑائیاں اور مالیات کی تقسیم پر عورتوں میں انتشار ہو رہا ہو تو الگ رہ کر ایک دوسرے کا حق ادا کریں اور والدین کی خدمت کو اپنے درمیان کسی طرح تقسیم کرلیں۔

میراث فوراً تقسیم کردی جائے

شریعت کا ایک حکم یہ بھی ہے کہ جوں ہی کسی کا انتقال ہوجائے، فوراً اس کی میراث تقسیم کردی جائے اور شریعت نے جس کا جس قدر حق رکھا ہے وہ ادا کردیا جائے، آج ہمارے معاشرے میں جہالت اور نادانی کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر کسی کے مرنے پر وارثین سے یہ کہا جاتا ہے کہ بھائی میراث تقسیم کردو تو جواب میں کہا جاتا ہے: ابھی تو مرنے والے کا کفن بھی میلا نہیں ہوا، اور تم نے میراث کی تقسیم کی بات شروع کردی۔؟

بغداد میں ایک سوداگر رہتا تھا، یہ بڑا ہی دیانت دار اور ہوشیار تھا، خدا نے کاروبار خوب چمکایا تھا، دور دور سے خریدار آتے اور اپنی ضرورت کا سامان خریدتے، اسی کے ساتھ خدا نے اس کو گھریلو سکھ بھی دے رکھا تھا، اس کی بیوی نہایت خوبصورت، نیک، ہوشیار اور سلیقہ مند تھی سوداگر بھی اس پر دل وجان سے فدا تھا۔

سوداگر کاروبار سے کبھی کبھی باہر جاتا اور کئی کئی دن گھر سے باہر سفر میں گذارتا، جب سوداگر نے جلدی جلدی سفر کرنے اور زیادہ وقت باہر گذارنے لگا تو بیوی کو شبہ ہوا، اور اس نے سوچا ضرور اس میں کوئی راز ہے، چنانچہ اس نے اپنی بھروسہ مند بوڑھی خادمہ کو اپنے اس شبہ سے مطلع کردیا تو اس نے تحقیق کیا تو پتہ چلا کہ اس نے یہاں سے دور ایک اور شادی کرلی ہے اور وہیں ٹھہرا رہتا ہے۔

(۱) الأدب المفرد : باب التفرقة بين الأحداث ، حديث : ٤١٥ ، البانی نے اسے ضعیف کہا ہے۔

بوڑھیا کے اس راز فاش کرنے کے بعد اس بیوی کو تھوڑی تکلیف تو ضرور ہوئی؛ لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور سوچا کہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا، اب سوچ کر اپنے آپ کو کڑھانے سے کیا فائدہ، چنانچہ وہ حسبِ سابق شوہر کی خدمت میں لگی رہی، کبھی شوہر پر ظاہر ہونے نہیں دیا کہ وہ اس کے اس راز سے واقف ہے، شوہر نے بیوی کے حقوق کی ادائیگی میں کوئی کمی یا کوتاہی ہونے نہیں دی، بہرحال بیوی نے سوچا کہ شوہر کا یہ تو جائز حق تھا، اس سے مجھ پر گراں گذرے گا، اس لئے مجھے معلوم ہونے بھی نہیں دیا اور نہ ہی شادی کے بعد میرے حقوق میں کوئی کمی کی، اس طرح وہ شوہر کی اور قدرداں ہوگئی، چنانچہ وہ ہنسی خوشی زندگی گذارتے رہے، پھر سوداگر کا انتقال ہوگیا، اس سوداگر کی دوسری شادی کی اطلاع کسی کو نہیں تھی، رشتہ داروں کو بھی یہی پتہ تھا کہ سوداگر کی صرف یہی ایک بیوی ہے، چنانچہ جب ترکہ کے تقسیم کا وقت آیا تو لوگوں نے یہ سمجھ کر ترکہ تقسیم کر دیا کہ سوداگر کی صرف ایک بیوی ہے، دوسری بیوی کا جس کا صرف اس پہلی بیوی کو پتہ تھا حصہ نہیں کیا، یہ نیک بیوی اس دوسری بیوی کو بھی شریک بنانا چاہتی تھی، پر شوہر کے اس راز سے کسی کو اطلاع دینا نہیں چاہتی تھی، اس نے ترکہ کے تقسیم کے وقت تو اپنا حصہ لے لیا، پھر اس نیک بیوی نے یہ سوچا کہ اگر میں اس بیوی کا حق مار کر کھا بیٹھتی ہوں تو اللہ عزوجل کو روزِ قیامت کیا منہ دکھاؤں گی؟ اس نے اس دوسری بیوی کو بھی اس میں حصہ دار بنانے کی ٹھان لی، چنانچہ اس نے اپنے ایک معتمد آدمی کو اس تمام واقعہ سے باخبر کر کے اس دوسری بیوی کو اپنے حصہ کا آدھا بھیج دیا، لیکن جس کے ہاتھ اس نے یہ حصہ بھیجا تھا وہ تھوڑے دن کے بعد واپس آ گیا، اس نے اس مال کے ساتھ دوسری بیوی کا ایک خط بھی ساتھ لایا۔

جس میں اس نے اولاد اور اس کے شوہر کے انتقال پر اس کو تسلی آمیز کلمات لکھے اور اس کی امانت داری اور شوہر کے راز سے مطلع ہونے کے بعد صبر و تحمل کے ساتھ گذاری ہوئی زندگی کا تذکرہ کر کے اس کو داد دی، پھر اس نے آگے لکھا کہ تم نے نہایت امانت داری کے ساتھ میرا حصہ روانہ کر دیا، لیکن ادھر کچھ دنوں سے ہم دونوں کے تعلقات بگڑ گئے تھے، انہوں نے

مجھے طلاق دے دی تھی، لہٰذا میں تمہارے بھیجے ہوئے حصہ کی حق دار نہیں رہی، یہ مال تمہارا ہے، دو سوکنوں کے آپسی اس خلوص نے ان دونوں کو تا حیات ایک دوسرے سے قریب کئے رہا اور دونوں بہترین دوست بنی رہیں۔(۱)

اولاد کے درمیان برابری کریں

آپسی معاشرت کی درستگی کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ ماں اور باپ اولاد پر بھرپور توجہ اور بچوں کو ہدایا اور عطایا وغیرہ دینے میں برابری کریں، تبھی یہ اولاد ماں باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں یکساں سلوک کرے گی، بغیر کسی حاجت اور ضرورت کے عطا اور دینے میں بعض بچوں کو بعض پر ترجیح دینا اس عمل کی وجہ سے دوسروں کے دلوں میں کینہ اور حسد پیدا ہونے لگتا ہے اور خود ان کے مابین عداوت و دشمنی اور بغض و حسد کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اعدلوا بین ابنائکم، اعدلوا بین ابنائکم، اعدلوا بین أبنائکم" تین دفعہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا: اپنی اولاد میں انصاف اور برابری کرو، اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کی بیوی نے ان سے اپنے لڑکے کیلئے کچھ خصوصی مال و جائیداد کا مطالبہ کیا اور اس ھبہ اور عطیہ پر رسول اللہ ﷺ کو گواہ بنا لینے کو کہا: وہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر بیوی کی اس فرمائش کا ذکر آپ ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ألــه اخــوة؟" کیا اس کے دوسرے بھائی ہیں؟ تو انہوں نے کہا: ہاں تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے سب کو اسی کے مثل دیا ہے تو انہوں نے کہا: نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ درست نہیں، اور میں حق پر ہی گواہ بن سکتا ہوں، " فلیس یصلح هذا، وانّی لا أشهد الّا علی الحق "تمہارے بیٹوں کا تمہارے اوپر یہ حق ہے کہ تم ان کے درمیان عطا اور بخشش میں برابری کرو، جیسا ان پر تمہارے بارے میں یہ حق ہے کہ وہ تمہاری فرمانبرداری اور اطاعت میں برابری کریں،

(۱) بکھرے موتی: ۲/۲۳۵

”لا تشهدني على الجور، انّ لبنيك عليك من الحقّ أن تعدل بينهم كما لك عليهم من الحق أن يبرّوك“ (۱)

ہاں اگر کسی خاص وجہ سے بعض اولاد کو بعض کے مقابلے میں کچھ خصوصی عطیہ یا رقم یا جائیداد دے مثلاً: یہ کہ بچہ معذور ہو یا اندھا یا کسی جسمانی نقص یا کمزوری کا شکار ہو یا کثیر العیال ہو یا دینی تعلیم کے حصول میں لگا ہوا ہو، اور بعض اولاد کو اس وجہ سے نہ دے کہ وہ فاسق اور فاجر ہے، یا بدعتی ہے یا کو ان کے بے جا اسراف کر دینے یا گناہوں میں خرچ کر دینے کا اندیشہ ہو تو درست ہے۔(۲)

اولاد کے درمیان برابری اور مساوات کو ملحوظ رکھا جائے اس بارے میں اس واقعہ سے بھی روشنی پڑتی ہے حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ: میرے پاس ایک عورت آئی، اس کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں، وہ مجھ سے کچھ کھانے کو مانگنے لگی تو میرے پاس صرف ایک کھجور تھا، میں نے وہ اسے دے دیا تو اس نے اس کھجور کو دونوں کے درمیان برابر تقسیم کر دیا اور خود کچھ نہ کھائی ”فقسمتها بينهما ولم تاكل منها“ پھر کھڑی ہو کر چل دی، حضور ﷺ گھر تشریف لائے تو یہ واقعہ میں نے آپ ﷺ سے بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ان لڑکیوں سے کچھ بھی آزمایا جائے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرے تو وہ اس کیلئے جہنم کے واسطے آڑ بن جاتی ہیں۔(۳)

شکوہ شکایت چھوڑ دیں

بعض لوگوں کو شکوہ شکایت کرنے کی بے جا عادت ہوتی ہے، ہر بات میں شکوہ کرتے ہیں، فلاں نے مجھ سے ملاقات نہیں کی، فلاں نے مجھے دعوت نہیں دی، فلاں نے مجھ پر توجہ نہیں کیا

(۱) صحیح ابن حبان: کتاب الهبة، حديث: ۵۱۰۳، محقق شعیب الارنوط اور البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۲) المغني: باب المفاضلة والتخصيص بين الأولاد وحكمها، ۲۹۸/۲، دار الفكر بيروت

(۳) بخاری: باب اتقوا النّار ولو بشقّ تمرة، حديث: ۱۳۵۲

ایسے وقت یہ کیوں تصور نہیں کرلیا جاتا کوئی وجہ ہوئی ہوگی کہ جس کی وجہ سے اس نے مجھے تقریب میں نہیں بلایا، اس نے توجہ نہیں کیا، اس کو یاد نہیں رہا، یا اس کی کوئی مصروفیت تھی یہ شکوہ شکایت کے سلسلے بڑھتے ہیں تو نفرتوں اور عداوتوں کی دیواریں کھڑی ہوجاتی ہیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ دعا سکھلائی تھی " اللّٰهُمَّ ثَبِّتْ رَجَائِيْ وَاقْطَعْ عَمَّنْ سِوَاكَ حَتّٰى لَا أَرْجُوْ أَحَدًا غَيْرَكَ " (۱) اے اللہ! میری امیدیں صرف تجھ سے وابستہ کر، تیرے علاوہ دیگر لوگوں سے میری امیدیں ختم کردے۔

یہ حقیقت ہے کہ جس سے امید ہوتی ہے اُسی سے شکوہ ہوتا ہے اور مخلوق سے امید کرنے والا ہمیشہ ذہنی کوفت اور معاشرتی بچھڑے پن کا شکار ہوجاتا ہے، امیدیں وابستہ کرنے کے لائق ذات صرف ایک خدائے وحدہ لاشریک کی ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: میں تمہیں لذیذ اور راحت والی زندگی کا ایک نسخہ بتاتا ہوں، اگر تم اس پر عمل کرلوگے تو پھر انشاء اللہ کسی کی طرف سے دل میں کوئی شکوہ شکایت نہ رہے گی، وہ یہ ہے کہ دل میں یہ سوچ لو کہ یہ دنیا خراب چیز ہے اور اس کی اصل بناوٹ تکلیف ہی کیلئے ہوئی ہے؛ لہٰذا مجھے اگر کسی انسان یا جانور سے تکلیف پہنچی ہے تو یہ تکلیف پہنچنا دنیا کی خلقت و پیدائش کے عین مطابق ہے، اور اگر دنیا میں کسی سے اچھائی پہنچے تو اس پر تعجب کرنا چاہیے، اور اس پر اللہ کا شکر کرنا چاہیے، مطلب یہ ہے کہ ساری مخلوقات سے اپنی توقعات ہی ہٹالو، کسی سے کوئی امید نہ کرو، امید تو صرف ذاتِ خداوندی سے ہونا چاہئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام ایک غار میں تشریف لے گئے تو وہاں ایک شخص کو مرا ہوا پایا اور اس کے سرہانے ایک تختی پر یہ لکھا ہوا تھا کہ: میں فلاں بن فلاں بادشاہ ہوں، میں نے ہزار سال عمر پائی، ہزار شہر بنائے، اور ہزار نکاح کیے، ہزاروں لشکروں کو شکست سے دوچار کیا، پھر میری یہ حالت ہوگئی کہ میں نے دراھم بھری ایک تھیلی ایک روٹی کے عوض دینی چاہی تو

(۱) الزهد لأحمد بن حنبل، زهد ابراهيم: ۱/۷۹، دار الريان، للتراث

مجھے روٹی نہ مل سکی، پھر میں نے جواہر سے بھری ہوئی ایک زنبیل اس کیلئے بھیجی تو تب بھی روٹی نہ ملی، میں نے جواہرات کو پیسا اور اس کو پھانک کر اسی وقت کھالیا، اگر کسی شخص کو روزانہ ایک روٹی مل جاتی ہے اور وہ یہ گمان کرتا ہے کہ روئے زمین پر اس سے بھی زیادہ کوئی مالدار شخص ہے تو اسے اللہ عزوجل ایسے ہی موت دے جیسے میری بری موت ہوئی" فمن أصبح وله رغيف وهو يحسب أنّ على وجه الأرض أغنى منه أماته الله كما أماتني" (۱)

آمد اور خرچ کا انتظام رکھے

مطلب یہ ہے کہ مال کے کمانے میں بھی کوئی بات دین کے خلاف نہ ہو اور اس کے خرچ کرنے میں بھی کوئی بات دین کے خلاف نہ ہو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن کسی آدمی کے قدم (حساب کے موقع سے) نہیں ہٹیں گے جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ ہو چکے گا (ان پانچ میں سے دو یہ بھی ہیں) اس کے مال کے متعلق بھی (سوال ہوگا) کہ کہاں سے کمایا (یعنی حلال سے یا حرام سے) اور کہاں خرچ کیا۔ (۲)

مطلب یہ ہے کہ کمائی میں بھی کوئی کام دین کے خلاف نہ کرے، جیسے سود لینا اور رشوت لینا اور کسی کا حق دبا لینا جیسے کسی کی زمین چھین لینا، یا موروثی کا دعوی کرنا، یا کسی کا قرض مار لینا، یا کسی کا حصہ میراث نہ دینا، جیسے بعضے آدمی لڑکیوں کو نہیں دیتے، یا اس کے کمانے میں اتنا منہمک ہو جانا کہ نماز کی پرواہ نہ رہے، یا آخرت کو بھول جائے، یا زکوۃ وحج ادا نہ کرے، یا دین کی باتیں سیکھنا، یا بزرگوں کے پاس آنا جانا چھوڑ دے اور اسی طرح خرچ کرنے میں بھی کوئی کام دین کے خلاف نہ کرے جیسے گناہوں کے کام میں خرچ کرنا، یا شادی غمی کی رسموں میں، یا نام کیلئے خرچ کرنا، محض نفس کے خوش کرنے کو ضرورت سے زیادہ کھانے کپڑے یا

---

(۱) قصص العرب: ۱/۱۳۹

(۲) ترمذی: باب في القيامة، حديث: ٢٤١٦، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔

مکان کی تعمیر، یا سجاوٹ یا سواری شکاری یا بچوں کے کھیل کھلونوں میں خرچ کرنا، ان سب سے احتیاط کے ساتھ مال کمائے یا جمع کرے کچھ ڈر نہیں بلکہ بعض صورتوں میں ایسا کرنا بہتر؛ بلکہ ضروری ہے جیسے بیوی بچوں کے ساتھ ہے اور ان کے کھانے پینے یا ان کو دین سکھانے میں روپیہ کی حاجت ہے، یا دین کی حفاظت میں روپیہ کی ضرورت ہے، یا مسلمانوں کی خدمت یا اسلام کی تبلیغ کی انجمنیں ہیں، یا اسلامی یتیم خانے ہیں یا مسجدیں ہیں، خاص کر جب دشمنانِ اسلام ان چیزوں کے مٹانے کے درپے ہوں، اور حالات ایسے ہوں کہ روپیہ کا مقابلہ روپیہ ہی سے ہوسکتا ہو۔(۱)

☆ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: حلال کمائی کی تلاش کرنا فرض ہے بعد فرض (عبادت) کے۔(۲)

☆ حضرت ابوکبشہ انماری رضی اللہ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا چار شخصوں کیلئے ہے، (ان میں سے) ایک وہ بندہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مال بھی دیا اور دین کی واقفیت بھی دی، سو وہ اس میں اپنے رب سے ڈرتا ہے اور اپنے رشتہ داروں سے سلوک کرتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کیلئے اس کے حقوق پر عمل کرتا ہے، یہ شخص سب سے افضل درجہ میں ہے۔(۳)

☆ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: یہ مال خوش نما، مزہ کی چیز ہے، جو اس کو حق کے ساتھ (یعنی شرع کے موافق) حاصل کرے اور حق میں (یعنی جائز موقع میں) خرچ کرے تو وہ اچھی مدد دینے والی چیز ہے۔(۴)

---

(۱) حیات المسلمین: ۲۴۳، مکتبہ اتحاد، دیوبند

(۲) شعب الایمان، حدیث: ۸۷۴۱، اس روایت کے راوی کثیر تنہا رہ گئے ہیں، لیکن طبرانی وغیرہ کی روایتیں اس کی شاہد ہیں، جس سے یہ روایت حسن درجہ کی ہوجاتی ہے۔

(۳) ترمذی: ما جاء مثل الدنیا أربعة نفر، حدیث: ۲۳۲۵، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے

(۴) بخاری: باب العمل الذی یبتغی به وجه الله، حدیث: ۲۴۲۷

☆ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا مال اچھے آدمی کیلئے اچھی چیز ہے۔(۱)

☆ حضرت مقدام بن معد یکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ لوگوں پر ایک زمانہ آنے والا ہے کہ اس میں صرف اشرفی اور روپیہ ہی کام دے گا۔(۲)

☆ حضرت سفیان ثوریؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: مال پہلے زمانہ میں (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت میں) ناپسند کیا جاتا تھا (کیوں کہ قلب میں دین کی قوت ہوتی تھی، اس لئے مال سے قوت حاصل کرنے کی ضرورت نہ تھی، اور اس کی خرابیوں پر نظر کر کے اس سے دور رہنا پسند کرتے تھے) لیکن اس زمانے میں وہ مال مومن کیلئے ڈھال ہے (یعنی اس کو بد دیانتی سے بچاتا ہے) کیوں کہ قلب میں وہ قوت نہیں، پس مال کے نہ ہونے سے پریشان ہو جاتا ہے، اور پریشانی میں دین کو برباد کر دیتا ہے) اور بھی فرمایا کہ: اگر ہمارے پاس یہ اشرفیاں نہ ہوتیں تو یہ بڑے لوگ ہماری صافی بنا لیتے (یعنی ذلیل و خوار سمجھتے اور ذلت سے بعض دفعہ دین کا بھی نقصان ہو جاتا ہے اور اب مال کے سبب بھی ہماری عزت کرتے ہیں اور عزت کے سبب ہمارا دین محفوظ رہتا ہے) اور یہ بھی فرمایا کہ: جس شخص کے ہاتھ میں کچھ روپیہ پیسہ ہو اس کی درستی کرتا رہے (یعنی اس کو بڑھاتا رہے یا کم از کم اس کو برباد نہ کرے) کیوں کہ یہ ایسا زمانہ ہے کہ اگر کوئی (اس میں) محتاج ہو جاتا ہے تو سب سے پہلے اپنے دین ہی پر ہاتھ صاف کرتا ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ: حلال مال فضول خرچی کو برداشت نہیں کر سکتا (یعنی اکثر وہ اتنا ہوتا ہی نہیں کہ اس کو بے موقع اڑایا جائے اور وہ بھی ختم نہ ہو، اس لئے اس کو سنبھال کر ضرورت میں خرچ کرے؛ تاکہ جلدی ختم ہونے سے پریشانی نہ ہو)۔(۳)

---

(۱) مجمع الزوائد: علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: احمد اور ابو یعلی کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔
(۲) مجمع الزوائد: علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کے تمام طرق کا مدار ابو بکر بن مریم پر ہے اور ان کو اختلاط ہو گیا تھا۔
(۳) شرح السنة للبغوی: الرقاق: باب استحباب طول العمر للطاعة، تحت حدیث: ۳۹۹۳

☆ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: سچ بولنے والا امانت والا تاجر (قیامت میں) پیغمبروں اور ولیوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔(۱)

اس سے حلال تجارت کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

☆ حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی شخص نے کوئی کھانا اس سے اچھا نہیں کھایا کہ اپنی دستکاری سے کھائے اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام اپنی دستکاری سے کھاتے تھے۔(۲)

اس سے حلال دستکاری کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالی نے کسی نبی کو نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اور آپ نے بھی چرائی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! میں اہل مکہ کی بکریاں کچھ قیراط (قیراط دینار کا چوبیسواں حصہ ہوتا ہے) پر چرایا کرتا تھا۔(۳)

اس سے ایسی مزدوری کی فضیلت معلوم ہوتی ہے جس میں کئی لوگوں کا کام کیا جائے۔

☆ حضرت عتبہ بن منذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کو آٹھ، دس برس کیلئے نوکر رکھا دیا تھا (حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرانے کیلئے)۔(۴)

اس سے ایسی نوکری کی فضیلت معلوم ہوئی جس میں ایک ہی شخص کا کام کیا جائے۔

☆ ثابت بن ضحاک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (زمین کو) کرایہ پر دینے کی اجازت دی ہے اور فرمایا کہ اس میں کچھ حرج نہیں۔ (۵)

اس سے جائز کرایہ کی آمدنی کی اجازت معلوم ہوئی۔

---

(۱) ترمذی: باب ماجاء في التجار وتسمية النبي ﷺ إياهم، حديث: ۱۲۰۹
(۲) بخاری: كسب الرجل وعمله بيده، حديث: ۲۰۷۲
(۳) بخاری: باب رعي الغنم على قراريط، حديث: ۲۲۶۲
(۴) ابن ماجة: باب إجارة الأجير على طعام بطنه، حديث: ۲۴۴۴
(۵) مسلم: باب في المزارعة والمؤاجرة، حديث: ۱۵۴۹

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: کوئی ایسا مسلمان نہیں کہ کوئی درخت لگاوے یا کچھ کھیتی کرے، پھر اس سے کوئی آدمی یا کوئی پرندہ یا کوئی مویشی کھاوے، مگر اس شخص کیلئے وہ (بجائے) خیرات ہوتا ہے۔(۱)

اس سے کھیتی کرنے اور اسی طرح درخت لگانے یا باغ لگانے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

☆ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالی (حلال) پیشہ کرنے والے مومن سے محبت کرتا ہے۔(۲)

اس سے ہر حلال پیشہ کو اپنانے کی حلت معلوم ہوئی۔

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ (یہود) بنی نضیر کے اموال (مراد وہ زمینیں ہیں جو بذریعہ فتح مسلمانوں کے قبضہ میں آئی تھیں) رسول اللہ ﷺ کے (خرچ کے) لئے مخصوص تھے، آپ اس میں سے اپنی بیویوں کا خرچ ایک سال کا دے دیتے تھے اور جو بچتا اس کو ہتھیار اور گھوڑوں (یعنی جہاد کے سامان) میں لگا دیتے۔(۳)

☆ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میری توبہ یہ ہے کہ میں ہمیشہ سچ بولوں گا اور اپنے کل مال کو اللہ ورسول ﷺ کی نذر کر کے اس سے دست بردار ہو جاؤں گا، آپ ﷺ نے فرمایا: کچھ مال تھام لینا چاہئے، یہ تمہارے لئے بہتر (اور مصلحت) ہے، (اور وہ مصلحت یہی ہے کہ گزر کا سامان اپنے پاس ہونے سے پریشانی نہیں ہو پاتی) میں نے عرض کیا تو میں اپنا وہ حصہ تھامے لیتا ہوں جو خیبر میں مجھ کو ملا ہے۔(۴)

پہلی حدیث سے خود حضور ﷺ کا بقدر ضرورت ذخیرہ رکھنا اور دوسری حدیث سے حضور ﷺ کا اس کیلئے مشورہ دینا ثابت ہوا۔

---

(۱) بخاري: باب فضل الزرع والغرس، حديث: ۲۳۲۰
(۲) الشعب الايمان، حديث: ۱۲۳۷
(۳) بخاري: باب ما أفاء الله علي رسوله، حديث: ٤٨٨٥
(۴) ترمذي: التوبة: حديث: ۳۱۰۲

☆ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مال کے ضائع کرنے کو ناپسند فرمایا ہے۔(۱)

☆ حضرت انس وابوامامہ وابن عباس وعلی رضی اللہ عنہم سے (مجموعا ومرفوعا) روایت ہے کہ چال ردمیانی چال چلنا (یعنی نہ کنجوسی کرے اور نہ فضول اڑادے بلکہ سوچ سمجھ کر اور سنبھال کر ہاتھ روک کر کفایت شعاری اور انتظام واعتدال کے ساتھ ضرورت کے موقعوں میں صرف کرے تو اس طرح خرچ کرنا) آدھی کمائی ہے، جو شخص (خرچ کرنے میں اس طرح درمیانی چال چلے گا وہ محتاج نہیں ہوتا، اور فضول اڑانے میں زیادہ مال بھی نہیں رہتا۔(۲)

اس میں خرچ کے انتظام کا گر بتلایا گیا ہے اور دیکھا بھی جاتا ہے کہ زیادہ تر پریشانی و بربادی کا سبب یہی ہے کہ خرچ کا انتظام نہیں رکھا جاتا، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو ہاتھ میں ہے وہ ختم ہوجاتا ہے پھر قرض لینا شروع کردیتے ہیں جس کے برے نتائج بے شمار ہیں۔

مذاق اور دل لگی سے پرہیز کیا جائے

ایک ہوتا ہے مذاق کرنا، ایک ہوتا ہے مذاق اُڑانا، مذاق کرنا تو درست ہے؛ لیکن کسی کا مذاق اُڑانا اس طرح سے کہ اس کا استہزاء کیا جائے، اور اس کے ساتھ ایسی دل لگی کی جائے جو اس کیلئے ناگوار ہو اور اس کی دل شکنی ہو، ایسا مذاق حرام اور ناجائز ہے، بعض لوگوں کی یہ طبیعت ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت ہر ملنے والے سے طنزیہ گفتگو کرتے ہیں اور وہ اسے اپنے لئے بڑاپن سمجھتے ہیں، یہ سب چیزیں جس سے مسلمان کی دل شکنی ہو حرام ہے، مومن کی حرمت اور عزت اللہ کے یہاں نہایت ہی محترم ومعزز چیز ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ کے

(۱) بخاری: باب قول اللّٰہ تعالیٰ: لا یسألون الناس الحافا، حدیث:۱۴۷۷
(۲) شعب الایمان، باب ۴۲، حدیث: ۶۵۶۸

یہاں کوئی چیز مومن سے محترم ومعزز نہیں ہے "لیس شیئی اکرم علی اللّٰہ عزوجل من المؤمن" (۱)

ابن ماجہ میں ایک حدیث ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ بیت اللہ کا طواف فرمارہے تھے، طواف کرتے ہوئے آپ ﷺ نے بیت اللہ کو مخاطب کرکے فرمایا: اے بیت اللہ! تو کتنا عظیم ہے، تیری قدر ومنزلت کتنی زیادہ ہے کہ اس روئے زمین پر اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنا گھر بنایا، تیری حرمت کتنی عظیم ہے؛ لیکن اے بیت اللہ! ایک چیز ایسی ہے جس کی حرمت تیری حرمت سے بھی زیادہ ہے، وہ ہے مسلمان کی جان، اس کا مال، اور اس کی آبرو" انه نظر الی الکعبة فقال: شرفك الله وکرمك وعظمك والمؤمن أعظم حرمة منك" (۲)

اس روایت میں سرکار دوعالم ﷺ فرمارہے ہیں: اگر کوئی کسی مسلمان کی جان، مال، آبرو پر حملہ کردیا یا اس کا دل دکھادیا تو بیت اللہ کو ڈھانے سے زیادہ سنگین ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص مومن کامل ہو، وہ اللہ عزوجل اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہو تو وہ دوسرے کا ٹھٹا اور مذاق کرہی نہیں سکتا، کسی کا مذاق اڑانا، اس کو حقارت آمیز الفاظ سے ملقب کرنا اس عمل کے پس پردہ کبر وغرور، اپنی بڑائی اور عظمت کا احساس مخفی ہوتا ہے اور یہ دراصل اللہ عزوجل کے یہاں بڑائی اور عظمت کے پیمانوں سے ناواقفیت اور جہالت کا نتیجہ ہوتا ہے، ارشادِ باری ہے "لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ" (۳) ایک گروہ دوسرے گروہ کا

---

(۱) مجمع الزوائد: باب منزلة المؤمن عند ربّه، حدیث: ۲۶۲، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے صغیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں عبید اللہ بن تمام ہے اور وہ بہت زیادہ ضعیف ہے۔

(۲) مجمع الزوائد: باب منزلة المؤمن عند ربّه: حدیث: ۲۶۳، علامہ ہیثمی کہتے ہیں: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ہے اور اس سند کے بارے میں احمد بن حنبل کہتے ہیں اصحابِ حدیث جب چاہتے ہیں اس سند سے استدلال کرتے ہیں اور جب چاہے ترک کردیتے ہیں۔

(۳) الحجرات: ۱۱

مذاق نہ اڑائیں کیا عجب! کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں، کیا عجب! کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔

اللہ کے یہاں بھلائی، اچھائی اور خوبی کا معیار تو ایمان، اخلاص اور اللہ کے ساتھ لگاؤ اور وابستگی ہے، جسموں، صورتوں کی خوبصورتی، مال ودولت، عزت وحشمت ان کی اللہ عزوجل کے یہاں کوئی حقیقت اور حیثیت نہیں، ارشادِ نبوی ہے: انّ اللّٰہ لا ینظر الٰی صورکم ولا اموالکم ولکن ینظر الٰی قلوبکم وأعمالکم "(۱) اللہ عزوجل تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتے، وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتے ہیں۔

کیا کوئی انسان کسی انسان کا مذاق اس کے جسمانی نقص وکمی یا اس کے کسی پیدائشی عیب یا اس کے مال کی کمی کی وجہ سے کرسکتا ہے؟ اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے: ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی پنڈلی ظاہر ہوگئی، وہ نہایت باریک اور دبلی تھی، بعض حاضرین نے اس پر ہنسا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم عبداللہ کی پنڈلی کی باریکی کی وجہ سے ہنس رہے ہو؟ "والّذی نفسی بیدہ لھما اثقل فی المیزان من جبل احد" (۲) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یہ نامۂ اعمال کے ترازو میں اُحد کے پہاڑ سے زیادہ بھاری اور وزنی ہے۔

ایک آدمی نے ایک حکیم ودانا شخص سے کہا: "یا قبیح الوجہ!" اے بدصورت!، انہوں نے کہا: میرے چہرے کی تخلیق اللہ نے میرے حوالہ نہیں کی کہ اس کو خوبصورت بناتا "ما کان خلق وجھی الیّ فأحسنہ" (۳)

(۱) المسلم: باب تحریم ظلم المسلم، حدیث: ۲۵۶۴

(۲) المعجم الکبیر: عبد اللہ بن مسعود الھذلی، حدیث: ۸۵۳۶، علامہ ہیثمی کہتے ہیں کہ: اس کو بزار اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں: مجمع الزوائد: حدیث: ۱۵۵۶۳

(۳) احیاء العلوم: ۲۰۶/۳، مکتبۃ رشیدیۃ، کوئٹہ، پاکستان

حضور ﷺ کے سنجیدہ مزاح و مذاق کے نمونے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ ہم سے مزاح کرتے ہیں؟، آپ ﷺ نے فرمایا: میں مزاح اور مذاق کرتا بھی ہوں تو حق ہی کہتا ہوں " انّی اقول الّا حقًّا " (۱)

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، وہاں ان کے لڑکے کو جن کی کنیت "ابوعمیر" تھی غمزدہ دیکھا، فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب ان کو دیکھتے تو ان سے مذاق کرتے، آپ ﷺ نے ان سے کہا: ابوعمیر! میں تمہیں غمزدہ دیکھ رہا ہوں، لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! جس پرندے (نغیر) سے وہ کھیلتے تھے وہ مر گیا، راوی کہتے ہیں: آپ ﷺ ان سے کہتے: " یا ابا عمیر! ما فعل النغیر " اے ابوعمیر! تمہارے " نغیر " نامی پرندے کا کیا ہوا؟ (۲)

☆ ایک دیہاتی شخص تھے، ان کا نام زاہر رضی اللہ عنہ تھا، وہ نبی کریم ﷺ کو دیہات کا کوئی ہدیہ لا کر دیا کرتے تھے، اور نبی کریم ﷺ ان کے جانے کے وقت ان کو شہر کا ہدیہ دیا کرتے، آپ ﷺ یوں کہا کرتے: " انّ زاھرًا بادیتنا، ونحن حاضروہ " زاہر ہمارے دیہات ہیں اور ہم ان کے شہر ہیں، رسول اللہ ﷺ ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے، وہ نہایت بدصورت تھے حضور ﷺ ان کے پاس آئے، وہ اپنا سامان بیچ رہے تھے، ان کو حضور ﷺ نے پیچھے سے اپنے سینے سے چمٹا لیا، وہ آپ کو دیکھ نہیں پا رہے تھے، انہوں نے کہا: مجھے چھوڑ دو، تم کون ہو؟ وہ پیچھے پلٹے اور حضور ﷺ کو پہچان لیا، تو اپنی پیٹھ کو حضور ﷺ کے سینے سے اور لگانے لگے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من یشتری ھذا العبد؟" اس غلام کو کون خریدے گا؟ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! تب تو میں بالکل معمولی قیمت میں

---

(۱) ترمذی: باب المزاح: حدیث: ۱۹۹۰، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) سنن النسائی الکبری: التسلیم علی الصبیان والدعاء، حدیث: ۱۰۱٦٤ محقق شعیب الارنؤط نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

چلا جاؤں گا، آپ ﷺ نے فرمایا: "لكن عند الله لست بكاسدٍ، أو قال: لكن عند الله غالٍ" (۱) یعنی تم اللہ کے یہاں معمولی قیمت کے نہیں ہو، یا کہا: تم اللہ کے یہاں بہت زیادہ قیمتی ہو۔

☆ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ: ایک بوڑھیا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئی، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ سے دعا کیجئے کہ میں جنت میں چلی جاؤں، آپ ﷺ نے فرمایا: اے، فلاں کی ماں! جنت میں تو بوڑھیا نہ جائے گی، راوی کہتے ہیں کہ یہ سن کر: وہ روتی ہوئی واپس جانے لگی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے کہو وہ بوڑھی ہونے کی حالت میں جنت میں نہ جائے گی " أخبروها أنها لا تدخلها وهي عجوز" اللہ کا ارشاد ہے " اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا " (۲)

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سواری طلب کی (یعنی کوئی اونٹ ایسا دیا جائے جو انہیں منزل مقصود تک پہنچا دے) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میں آپ کو اونٹنی کے بچے پر سوار کردوں گا، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ سے اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اونٹ کو اونٹنی کے علاوہ کون جنم دیتا ہے " هل تلد الابل الّا النوق " (۳)

ظاہر ہے اونٹ اونٹنی کے پیٹ سے نکلتا ہے، اس کو اونٹ کا بچہ کہنا صحیح ہے اور اس میں ایک طرح کی تفریح بھی ہے کہ سننے والے کو یوں لگتا ہے کہ جیسے کسی اونٹنی کا نومولود بچہ ہے اس پر بٹھادیں گے۔

---

(۱) صحیح ابن حبان: باب المزاح والضحك، حدیث: ۵۷۹۰، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد، ابویعلی اور بزار نے روایت کیا ہے اور احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں: مجمع الزوائد: باب ما جاء في زاهر بن حزام، حدیث: ۱۵۰۷۹

(۲) الشمائل المحمدية: باب ما جاء في صفة مزاح رسول الله، حدیث: ۲۴۱، ابن کثیر کہتے ہیں کہ: امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے: تفسیر ابن کثیر: سورة الواقعة: ۳۵۱/۴ دار الفکر، بیروت

(۳) ترمذی: باب المزاح: حدیث: ۱۹۹۱، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ مذاق کرنے میں سامنے والے کی تحقیر نہ ہو، اس کی آبروریزی نہ ہو، اور بے ہودگی اور بے حیائی کا کوئی رنگ نہ ہو، خلافِ واقعہ یا جھوٹی بات نہ کہی جائے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں اس شخص کیلئے جنت کے درمیان ایک گھر کی ضمانت لیتا ہوں جو مذاق میں بھی جھوٹ کو ترک کر دے، '' أنا زعیم ببیت فی وسط الجنّة لمن ترك الكذب ان كان مازحًا ''(۱)

خود نبی کریم ﷺ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ ﷺ نہ فحش گو تھے اور نہ لعن طعن کرنے والے تھے اور نہ گالی گلوچ کرنے والے تھے '' لم یکن رسول اللہ فاحشًا ولا لعّانًا ولا سبّابًا ''(۲)

تجربہ یہ ہے کہ اس آدمی سے دل لگی کی جائے جس سے بے تکلفی کا تعلق بھی ہو، ورنہ مختلف قسم کی تلخیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

مزاح اور دل لگی کی حد کیا ہو؟

مزاح اور مذاق میں حد اعتدال میں رہا جائے، کسی کی عزت نفس کو مجروح نہ کیا جائے، تفریح طبع کیلئے غیر نقصاندہ ظریفانہ جملے کہہ لئے جائیں تو کوئی حرج نہیں، حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی سنجیدہ قسم کے مزاح کا تبادلہ آپس میں کیا کرتے تھے۔

حضرت بکر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب خربوز کی قاشیں ایک دوسرے پر پھینکتے، یہ ایک طرح کا تفریحی کام تھا؛ لیکن جب کوئی مسئلہ تحقیق طلب ہوتا تو یہی لوگ جو آپس میں ہنسی مذاق کرتے مردانِ کار ہوتے تھے '' یتبادحون بالبطّیخ فاذا كانت الحقائق كانوا هم الرجال'' (۳)

---

(۱) شعب الایمان: فصل فی المزاح: حدیث: ۵۲۴۳، علامہ نووی نے کہا ہے کہ: اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے: ریاض الصالحین: ۱/۲۲۲

(۲) بخاری: باب بیان مکارم الاخلاق، حدیث: ۵۶۹۹

(۳) الأدب المفرد: باب المزاح: حدیث: ۲۶۶، البانی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

یعنی ان کی آپس کی تفریحات یا ہنسی مذاق کے جملوں سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ حضرات ہمیشہ غیر سنجیدہ کھیل اور تفریح کی حرکتیں کیا کرتے تھے، واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ بڑے پایہ کے محقق، حق گو، راست گفتار بزرگ تھے، اور ایسا نہیں تھا کہ ہر وقت چہروں پر خشونت، خشکی برستی ہو اور اپنے آپ کو عوام سے بلند دکھانے کیلئے نہ کبھی مسکرا کر بات کرتے ہوں اور نہ کسی تفریح میں حصہ لیتے ہوں۔

حضرت قتادہؒ تابعیؒ نے بیان فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم بھی ہنسا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: نعم! والایمان فی قلوبھم اعظم من الجبل ہاں وہ بے شک ہنسنے کے موقع پر ہنستے بھی تھے، لیکن اس وقت بھی ان کے دِلوں میں ایمان پہاڑوں سے عظیم تر (بھاری) ہوتا تھا اور بلال بن سعد کا بیان ہے: أدرکتھم یشتدون بین الاغراض فاذا کان اللیل کانوا رھبانا: میں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے وہ مقررہ نشانوں کے درمیان دوڑا بھی کرتے تھے (جس طرح بچے اور نوجوان کھیل اور مشق کیلئے دوڑ میں مقابلے کیا کرتے ہیں) اور ایک دوسرے کو ہنستے ہنساتے بھی تھے پھر جب رات ہوتی تو بس دُرویش ہو جاتے۔

یہ نہیں کہ مذاق میں کسی کو خوف زدہ کردیں اور اس کو اچانک پریشان کردیں، یا اس کو گھبراہٹ میں مبتلا کردیں، اس طرح پر کہ اس کی کوئی چیز چھپادیں، یا کسی کو غفلت کی حالت میں ڈرا دیں آپ ﷺ نے اس قسم کا مذاق جس میں کسی مومن کو تکلیف ہو سختی سے منع فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو اور نہ اس سے (ایسا) مذاق کرو (جس سے اس کو تکلیف پہنچے) اور نہ ایسا وعدہ کرو جس کو پورا نہ کرسکو "لا تمار أخاك ولا تمازحه وتعده موعدًا فتخلفه" (۱)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: تم میں کا کوئی شخص اپنے بھائی کے سامان کو نہ حقیقت میں لے اور نہ مزاق میں لے، اگر کوئی شخص کسی کی لاٹھی لے لے تو اسے لوٹا دے

(۱) ترمذی: باب ما جاء في المراء: حدیث: ۱۹۹۵، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔

" فاذا أخذ أحدكم عصا صاحبه فليردها اليه " (۱)

حضرت ابوالحسن انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص اٹھ کر چلا گیا اور اپنے جوتے بھول گیا، ان جوتوں کو ایک شخص نے لیا اور اس کو اپنے نیچے چھپالیا، وہ آدمی واپس آیا اور کہنے لگا: میرے جوتے؟ لوگوں نے کہا: ہم نے تو نہیں دیکھا، چھپانے والے شخص نے کہا: وہ یہ ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: مومن کو ڈرانا اور خوف میں مبتلا کرنا کیسا ہے؟ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے مذاق میں ایسا کیا تھا، آپ ﷺ نے دو یا تین مرتبہ یہی کہا: مومن کو خوف زدہ کرنا کیوں کر درست ہوسکتا ہے؟ " فكيف بروعة المؤمن؟ " (۲)

اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے یوں فرمایا: " لا تروّعوا المسلم فانّ روعة المسلم ظلم عظيم " مسلمان کو گھبراہٹ میں نہ ڈالو، اس لئے کہ مومن کو گھبراہٹ میں مبتلا کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔ (۳)

اور ایک روایت میں ہے کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، ایک شخص کو اس کی سواری پر اونگھ آگئی، ایک دوسرے شخص نے اس کے ترکش سے تیر نکالا، وہ آدمی اچانک بیدار ہو کر گھبرا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: " لا يحلّ لرجلٍ أن يروّع مسلما " کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو خوف زدہ کردے۔ (۴)

---

(۱) ترمذی: باب دمائكم واموالكم عليكم حرام، حدیث: ۲۱۶۰، اس روایت کو ترمذی نے حسن غریب کہا ہے۔

(۲) مجمع الزوائد: باب فيمن اخاف مسلمًا، حدیث: ۱۰۵۲۶ علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ الہاشمی ہیں، یہ ضعیف ہیں۔

(۳) مجمع الزوائد: باب فيمن اخاف مسلمًا، حدیث: ۱۰۵۲۶، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اس میں عاصم بن عبیداللہ ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

(۴) مجمع الزوائد: باب فيمن اخاف مسلمًا، حدیث: ۱۰۵۲۹، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اور کبیر کے رجال ثقہ ہیں۔

دوستی اور دشمنی میں حدِّ اعتدال میں رہا جائے

آپ ﷺ نے آپسی تعلقات کے بناؤ، بہترین معاشرت اور اچھے رہن سہن کا ایک اُصول یہ بھی بتلایا ہے کہ: دوستی اور دشمنی میں حد اعتدال میں رہا جائے، دوستی میں افراط اور غلو اس آدمی کے دشمن ہو جانے کے بعد نقصان اور خسارہ کا باعث ہو سکتا ہے کہ وہ تمہاری کمزوریوں کی جانکاری کی وجہ سے تم کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو جائے گا، اور اسی طرح جب دشمنی ہو تو بھی اس میں بھی حد اعتدال میں رہا جائے کہ اس کے ساتھ دشمنی کے دوران اس قدر بدترین سلوک نہ کرے کہ کبھی اس سے دوستی ہونے پر پچھتاوا اور افسوس کرنا پڑے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ”أحبب حبيبك هونا مّا عسى أن يكون بغيضك يوما مّا وأبغض بغيضك هونا مّا عسى أن يكون حبيبك يوما مّا“ (۱)

اپنے دوست سے دوستی میں شدت نہ اپنائی جائے کہ ہو سکتا ہے وہ کسی دن دشمن ہو جائے، اور اپنے دشمن سے دشمنی میں شدت اختیار نہ کرنا کہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی دن تمہارا دوست بن جائے۔

دوستی اور دشمنی میں حد اعتدال میں رہا جائے اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی دلالت کرتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہاری محبت ایسی نہ ہو کہ دل وجان سے فدا ہو جاؤ اور نہ تمہاری دشمنی اور نفرت کسی کو مٹا دینے والی ہو، راوی کہتے ہیں کہ: میں نے پوچھا: کیوں کر؟ فرمایا کہ جب محبت ہو تو ایک بچہ کی طرح چمٹ جاؤ اور دشمنی ہو تو اس کو ہلاک کرنے لگو” اذا احببت كلفت كلف الصبيّ، واذا أبغضت أحببت لصاحبك التلف“(۲)

---

(۱) ترمذی: الاقتصاد في الحب والبغض، حدیث: ۱۹۹۷، امام ترمذی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے بوصیری نے زوائد میں کہا ہے کہ: یہ حدیث موقوف ہے، اس کی سند حسن درجے کی ہے، ہبیرہ مختلف فیہ ہیں اور اس کی سند کے باقی رجال ثقہ ہیں: اتحاف الخيرة المهرة بزوائد العشرة: باب الترغيب في الحبفي الله: ۳۵/۶

(۲) الأدب المفرد: باب لا يكون بغضك تلفًا، حدیث: ۱۳۲۲، البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

بلکہ دوستی اور دشمنی میں حد اعتدال میں رہا جائے، اعتدال اور میانہ روی بہر صورت ہر چیز میں پسندیدہ ہے، زیادہ دوستی اور دشمنی دونوں نقصان دہ ہوتے ہیں۔

اولاد، اہل وعیال اور دوست واحباب سے تعلقات اور دوستی کو برقرار رکھنا اور ان کے حق قرابت کو ادا کرنا نہایت ضروری ہے؛ لیکن اس دوستی، قرابت داری اور حق قرابت کی ادائیگی میں اس طرح منہمک اور مشغول نہ ہوجائیں کہ حقوق اللہ اور احکام خداوندی کا جنازہ نکل جائے، یہاں بھی تعلق اور حق قرابت کی ادائیگی میں اعتدال اور میانہ روی کو ملحوظ رکھا جائے۔

اس بارے میں حضور ﷺ کا معمول ملاحظہ کیجئے آپ ﷺ اپنے اہل وعیال کے درمیان ضرور ہوتے؛ لیکن جب حکم خداوندی کی ادائیگی کا وقت آتا یا جہاں حکم خداوندی ٹوٹتا ہوا نظر آتا فوراً آپ ﷺ کے تیور بدل جاتے اور جب تک اس حکم خداوندی کے دوبارہ بجالانے کا اہتمام نہیں کیا جاتا تو اس وقت تک آپ ﷺ کی ناراضگی برقرار رہتی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضور ﷺ ہمارے ساتھ گفتگو میں مصروف ہوتے تھے جب نماز کا وقت ہوتا تو آپ ﷺ کی حالت یہ ہوجاتی کہ گویا آپ ﷺ نہ ہم کو جانتے ہیں اور نہ ہم آپ ﷺ کو جانتے ہیں "یحادثنا ونحادثه فاذا حضرت الصلاة فكأنّه لم يعرفنا ولم نعرفه" (۱)

اور ایک موقع سے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ میرے گھر تشریف لائے گھر پر ایک پردہ پڑا ہوا تھا جس میں تصویریں تھیں، تو آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہوگیا، پھر پردہ کو پکڑ کر پھاڑ دیا "ثمّ تناول الستر فهتكه" (۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے: میں آپ ﷺ کے پاس کل آیا تھا، میں گھر میں اس وجہ سے نہیں آیا کہ گھر کے دروازہ پر آدمی کا پتلا تھا اور گھر پر ایک باریک پردہ پڑا ہوا تھا

(۱) المغني عن حمل الأسفار: في فضائل الصلاة والسجود، حديث: ۱/ ۱۰۵، مكتبه طبريه رياض

(۲) بخاري: باب ما يجوز من الغضب: حديث: ۵۷۵۸

جس پر تصویریں بنی ہوئی تھیں، اور گھر میں ایک کتا تھا، آپ ﷺ گھر کے سامنے موجود پتلے کو توڑ پھوڑ دیں اور اسے درخت کے مانند کر دیں، اور پردے کو بھی پھاڑ دینے کا حکم دیں، اور اس سے دو تکیے بنانے کو کہیں جو گھر میں استعمال ہوتے رہیں گے اور کتے کو بھی گھر سے باہر نکالنے کو کہیں "فمر بالكلب فيخرج" (۱)

حضور ﷺ کی اپنے نواسوں کے ساتھ محبت کس قدر شدید تھی اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، ایک دفعہ حضور ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ اس دوران حسن وحسین رضی اللہ عنہما سرخ رنگ کے جوڑے پہنے ہوئے لڑکھڑاتے ہوئے مسجد میں آئے، آپ ﷺ بے ساختہ منبر سے نیچے اتر آئے اور ان دونوں کو اٹھا کر اپنے سامنے بٹھالیا، یہ تھی حضور ﷺ کی اپنے نواسوں کے ساتھ محبت، لیکن شرعی احکام کی پاسداری کا لحاظ ملاحظہ کیجئے کہ ایک دفعہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے صدقہ کا کھجور اٹھالیا اور اس کو اپنے منہ میں ڈالنے لگے، آپ ﷺ نے فرمایا "کخ، کخ" اس کو تھوک دو، اس کو تھوک دو، پھر فرمایا: کیا تمہیں پتہ نہیں ہے کہ ہمارے لئے صدقہ کا مال کھانا جائز نہیں ہے "اما شعرت ان لا نأكل الصدقة" (۲)

معافی چاہنے میں دیر نہ کیجئے

قربان جائیے رسول اللہ ﷺ کی بے نفسی اور خوف الٰہی کے جذبہ پر، جن کو اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ میں بوجھل نہیں بنایا، جن کے سلام کی آواز بھی گھر میں اس قدر نپی تلی ہوتی تھی کہ سونے والے کی نیند خراب نہیں ہوتی، بیوی گواہی دے رہی ہے کہ جو کچھ قرآن میں ہے وہ نبی رحمت ﷺ کے اخلاق ہیں، آٹھ سال کی عمر سے دس سال تک ساتھ رہنے والے انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے مارنا تو درکنار کبھی کسی کام کے نہ کرنے پر، کیوں کا سوال بھی آقا نے نہیں فرمایا، غلام بنا کر بیچے جانے والے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے وہ محبت پائی کہ

(۱) ترمذي: ان الملائكة لا تدخل بيتا فيه صور، حديث: ۲۸۰۶، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) بخاري: باب ما يذكر في الصدقة: حديث: ۱۳۲۰

والد اور چچا کے آنے اور والد کے اپنے بیٹے کی محبت میں پڑھے ہوئے اشعار سن کر بھی صحبت رسول ﷺ کو نہیں چھوڑا۔ بدر کے میدان میں صفیں بن رہی ہیں، رسول اللہ ﷺ نیزہ سے صفوں کو سیدھا کر رہے ہیں، ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو چبھنے پر بدلہ کا مطالبہ کیا؛ چونکہ ان کی پیٹھ کھلی تھی؛ اس لئے چادرِ مبارک ہٹانے کی درخواست کی اور شاہِ کونین اس کیلئے بھی تیار ہو جاتے ہیں اور وہ صحابی رضی اللہ عنہ بجائے انتقام لینے کے پشتِ مبارک کو بوسہ لے لیتے ہیں، ان سب کے باوجود یہ دعا بھی فرماتے رہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ دعا فرمائی: "اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَتَّخِذُ عِنْدَكَ عَهْدًا لَا تُخْلِفْنِيْهِ، فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ فَاَيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ اٰذَيْتُهُ اَوْ شَتَمْتُهُ، اَوْ لَعَنْتُهُ اَوْ جَلَدْتُهُ فَاجْعَلْهَا لَهُ صَلَاةً وَزَكَاةً وَقُرْبَةً تُقَرِّبُ بِهَا اِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" (۱) یا اللہ! میں آپ سے عہد لیتا ہوں، آپ اس کے خلاف نہ کیجئے گا، وہ یہ کہ میں ایک انسان ہوں؛ لہٰذا جس کسی مومن کو میں نے تکلیف دی ہو، اس کو برا بھلا کہا ہو، لعنت کی ہو، مارا ہو تو آپ ان سب چیزوں کو اس مومن کیلئے رحمت اور گناہوں سے پاکی اور اپنی قربت کا ذریعہ بنا دیجئے کہ اس کی وجہ سے آپ اس کو قیامت کے دن قرب عطا فرما دیں۔

ہر حق کی اتنی فکر ہے کہ وصال سے پانچ دن پہلے بخار نہایت تیز ہے اور بے ہوشی بار بار طاری ہو رہی ہے، تھوڑا سا افاقہ ہوا تو منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: جس کو میں نے (ناحق) کبھی کوڑا مارا ہو، یہ میری پیٹھ ہے وہ بدلہ لے لیں، اور جس کو میں نے برا بھلا کہا ہو تو مجھ سے انتقام لے سکتا ہے، "من كنت جلدت له ظهراً فهذا ظهري فليستقد منه ومن كنت شتمت له عرضا فهذا عرضي فليستقد منه" (۲)

---

(۱) مسلم: باب من لعنه النبي او سبّه، حديث: ٢٦٠١

(۲) مجمع الزوائد: باب في وداع النبي ﷺ، حديث: ١٤٢٥٢، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابو یعلی اور طبرانی نے روایت کیا ہے، ابو یعلی کی سند میں عطاء بن مسلم ہیں جن کی ابن حبان نے توثیق کی ہے اور ایک جماعت نے تضعیف کی ہے اور اس کے بقیہ رجال صحیح کے رجال ہیں، اور طبرانی کی سند میں ایک غیر معروف شخص ہے۔

آج معاشرتی حقوق، زبان کے چند بول سے اور مالی حقوق حقیر دنیا کے مال سے ادا ہوجائیں گے؛ لیکن اگر اسی حال میں دنیا سے چلے گئے، زبان سے دیئے گئے زخم پر مرہم نہ لگایا؛ ٹوٹے ہوئے رشتوں کو نہ جوڑا، ذمہ میں باقی قرضے، بہن کے میراث کا حق ادا نہیں کیا تو بارگاہِ خداوندی میں اپنے اعمال سے بدلہ دینا ہوگا اور جب وہ ختم ہوجائیں گے تو صاحبِ حق کے گناہوں کا بوجھ اپنے اوپر لینا پڑے گا۔

آج صحت ہے، آج مال ہے، آج زندگی ہے، آنے والے لمحات کیسے ہوں گے پتہ نہیں "بادروا بالأعمال سبعًا، هل تنتظرون الّا فقرًا مُنسيًا أو غنى مُطغيًا، أو مرضًا مُفندًا أو موتًا مجهزًا (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے انتقال کے وقت مجھے بلایا اور کہا: جو کچھ سوکنوں کے درمیان ہوتا ہے وہ ہمارے بیچ بھی ہوا اللہ مجھے اور آپ کو معاف فرمائے، میں نے کہا: اللہ آپ کی تمام لغزشوں کو معاف فرمادے، امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا، اللہ آپ کو خوش رکھے جیسا آپ نے مجھے خوشی پہنچائی "سررتني سرّك الله" اسی طرح انہوں نے حضرت امّ سلمہؓ سے معافی چاہی۔(۲)

اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے سے عمر میں کم، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ان کے مرض الوفات میں انہیں منا کر معافی چاہی "ثمّ ترضّها حتّى رضيت" رسول اللہ ﷺ کے ترکہ کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔ (۳)

---

(۱) ترمذی: المبادرة بالعمل: حديث: ۲۳۰۶، ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔
(۲) الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: ۸/ ۱۰۰، دار صادر، بيروت
(۳) السنن الكبرى للبيهقي: باب بيان مصرف أربعة اخماس، حديث: ۱۲۵۱۵، بیہقی کہتے ہیں کہ: یہ صحیح سند سے مرسل روایت ہے۔

موجودہ زمانے میں اصلاح کے دو طریقے

ہر مسئلہ کا حل یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنی اصلاح کی فکر میں لگ جائے، فرد کی اصلاح سے ہی معاشرہ کی اصلاح ہوتی ہے، اور معاشرہ میں دین آجانے کے بعد دین پر چلنا آسان ہوجاتا ہے، ماحول کسی مجسمہ یا ناقابلِ تسخیر بھوت پریت کا نام نہیں؛ بلکہ ہمارے اعمال کا نام ماحول ہے، میرے اور آپ کے اعمال درست ہوجائیں تو ماحول بھی پاکیزہ ہوجائے گا، ہر شخص دوسرے کی اصلاح سے معاشرہ میں سدھار لانا چاہتا ہے، زندگیاں بدلنے کیلئے صرف کتابیں کافی نہیں ہیں، رجال اللہ یعنی اللہ والوں کی صحبتیں اور دینی مزاج بنانے والی تربیت چاہئے، پڑھنے سننے سے تقویٰ، صبر، شکر، قناعت فکرِ آخرت، ادائیگی حقوق کا جذبہ وغیرہ کے الفاظ معلوم ہوسکتے ہیں، مگر دل کی دنیا کا بدلنا اور طبیعت کا اس رخ پر چلنا آج کل عالمی اور عمومی سطح پر یا تو اہل اللہ کی صحبت ہے یا دعوت و تبلیغ کی محنت ہے، اگر آدمی سچی طلب لے کر حاضر ہو، اور جان مال کو قربان کرے، مردوں اور عورتوں کو ان کی مجالس اور اجتماعات میں لے جائیں تو ضرور دینی زندگی کا لطف میسر ہوگا، کورس تو صرف لفظ سکھاتے ہیں، لیکن انسان ہی انسان بناتے ہیں۔

تربیت کا ایک اہم اُصول...... تدریج!

جب کسی مرد کے نکاح میں کوئی خاتون آجاتی ہے تو، یا ساس کے پاس نئی بہو ہوتی ہے یا بعض لوگ دیندار بننے کے بعد بڑی بے صبری سے گھر کا نقشہ بدلنا چاہتے ہیں، ساس جلد از جلد بہو میں احساسِ ذمہ داری، اُمورِ خانہ داری انجام دینے کے طریقے سکھلانا چاہتی ہے، انہیں یہ بات نہیں بھولنا چاہئے کہ یہ دنیا دارالاسباب ہے، بنانے والے اللہ تعالیٰ نے بھی زمین و آسمان کو چھ دن میں بنایا: حالانکہ وہ امرِ کن سے بھی بنا سکتے تھے، درخت بیج ڈالتے ہی کھڑا نہیں ہوتا، بچہ پیدا ہوتے ہی چلنے نہیں لگتا، اسی طرح بچوں کو سنبھالنا، غصہ کا پینا، گفتگو کا انداز،

رشتوں کو نبھانا، زندگی کے اونچ نیچ کو سمجھنا یہ سب ایک دن میں نہیں ہوجاتا ہے، نہ ہی یہ کوئی مشروب ہے جو فوراً کسی کو پلا دیا جائے، اگر اہل اللہ کی صحبت سے سیرابی ہوتی رہے، احادیثِ رسول ﷺ کا نور ملتا رہے، تو سارے اندھیرے ختم ہوجاتے ہیں اور آہستہ آہستہ زندگی گذارنے کا اندازہ ہوتا ہے۔

علماءِ دین اور بزرگوں کے مشورے سے زندگی گذاریں

اجتماعی زندگی میں طبیعتوں اور مزاج کے مختلف ہونے کی وجہ سے آپسی ناچاقیاں اور نااتفاقیاں پیدا ہوتی ہیں، کبھی مسائل اس قدر پیچیدہ اور مشکل ہوجاتے ہیں کہ ان مسائل کو سلجھانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، صورتحال اس قدر بھیانک ہوجاتی ہے کہ ’’نہ اگلتے بنے اور نہ نگلتے بنے‘‘ ایسے میں بزرگوں، علم وتقویٰ رکھنے والوں سے مشورہ کی بہت زیادہ اہمیت ہوجاتی ہے، ان کے مشورے سے کوئی حل ایسا نکل آتا ہے، وہ اپنے علم وبصیرت کی روشنی میں کوئی راہ ایسی دریافت کرسکتے ہیں، جس سے مسائل آسانی سے حل ہوجاتے ہیں، اس بارے میں خود نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اور دیگر بزرگانِ دین کا یہی معمول تھا۔

حضرت سعید بن مسیبؒ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی بھی مشورہ کے بعد ہرگز ہلاک نہیں ہوسکتا، ”لن يهلك امرؤ بعد مشورة“ (۱)

حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام اپنے بیٹے سے کہتے ہیں: اے بیٹے! جب تک تم کسی علم وبصیرت رکھنے والے سے مشورہ نہ کرلو، اس وقت تک کسی کام کا پختہ ارادہ نہ کرلینا ”لا تقطع امرا حتى تؤامر مرشدًا“ چونکہ اگر تم ایسا کروگے تو کبھی غمزدہ نہ ہوگے۔ (۲)

حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ: اللہ کی قسم جن لوگوں نے بھی مشورہ کیا تو

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: فی المشورة من أمر بهاء، حدیث: ۲۶۲۷۱
(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: فی المشورة من أمر بهاء، حدیث: ۲۶۲۷۲

اپنے سامنے موجود بہترین چیز کو پا گئے، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ "(۱) اپنے معاملات میں آپ ان سے مشورہ کیجئے۔

حضرت زهریؒ کہتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی کو اپنے اصحاب سے مشورہ کرتے نہیں دیکھا "ما رايت احدًا اكثر مشاورة لأصحابه من رسول الله " (۲)

بڑی تعجب کی بات ہے کہ لوگ علماء اور قرآن وسنت کے ماہر تجربہ کار تقویٰ اور فتویٰ رکھنے والے حضرات کی خدمت میں جا کر اپنے مسائل حل نہیں کراتے،" فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ "(۳) (پس قسم ہے آپ کے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے جب تک کہ آپ کو منصف نہ بنائیں گے اس جھگڑے میں جو ان کے درمیان اٹھے) قاضی اگر مخلص، بے لوث اور منصف بھی ہو تو کچھ نہ کچھ کھود کرید کرنے، اور معاملات کی دونوں طرف سے تحقیق کرنے کی وجہ سے دلوں میں دراڑیں پیدا ہو ہی جاتی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اگر رشتہ دار ہو تو فیصلہ واپس کر دیا کرو (تا کہ وہ خود مصالحت کرلیں) قاضی کے فیصلے خلیج بڑھا دیتے ہیں "ردوا الخصوم اذا كان بينهم قرابة فانّ فصل القضاء يورث بينهم الشّنَان" (۴)

پھر خود غرض وکیل جوزانی ظالم کی حمایت کرنے بھی تیار ہو، اور خدا نا آشنا جج کا قلم بھی بک چکا ہوا، اور جہاں جیب خالی ہونے کے بعد بھی لوگ مقدمے ہار جاتے ہیں اور وہ مال ودولت کے پجاری جو مسائل پیچیدہ رکھ کر ہی اپنے دھندے چلا رہے ہوں ان سے مسائل کے حل ہونے کی امید کرنا بہت ہی نادانی اور حقائق سے اندھا پن ہے۔

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: في المشورة من أمر بهاء، حديث: ۲۶۲۷۵

(۲) صحیح ابن حبان: باب الموادعة والمهادنة، حديث: ۴۸۷۲

(۳) النساء: ۶۵

(۴) السنن الكبرىٰ للبيهقي: باب ما جاء في التحلل وما يحتج به، حديث: ۱۱۱۴۴

شرعی پنچایت کا قیام

اسلام ایک اجتماعی اور آفاقی مذہب ہے، اور اسلامی تاریخ کے ہر دور میں مسلمان جہاں رہیں اپنی شہری زندگی باقی رکھنے کیلئے نظام قضاء قائم کرنا اوّلین فریضہ تصور کیا ہے، اور قضاء شرعی کے بغیر مسلم معاشرے کیلئے اسلامی اجتماعی زندگی کا تصور ناممکن ہے، اللہ تعالیٰ نے قران کریم میں بڑے اہتمام اور حکیمانہ انداز سے اتحادی اور اجتماعی زندگی کا حکم فرمایا ہے "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا" (۱)

اور عام مسلمانوں کو حکم فرمایا کہ اپنے مسائل کے حل کیلئے ذمہ دار علماء سے مراجعت کریں اوران کے مشورے کے مطابق اپنے معاملات طے کریں "فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (۲)

اور ایک جگہ فرمایا کہ: ایمانی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کیلئے خدا اور رسول ﷺ اور مسلم سربراہوں کی اطاعت ضروری اور لازمی ہے، نیز آپس کے نزاعی معاملات کو منشاء رسول ﷺ کے مطابق حل کرنے کیلئے قرآن وحدیث کے حاملین اور شریعت کے ذمہ داروں کے پاس پیش کرنے کو ایمان کی شرط قرار دیا ہے: "يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" (۳)

اور امارت اور خلافت اور ولایت اور قضاءِ اسلام کے اجتماعی نظام میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے کہ ایک مسلمان کی بہترین شخصی اور مدنی زندگی شرعی تنظیم کے بغیر ایک طرح کی رہبانیت ہے جو دائرہ اسلام میں نہیں آتی، بلکہ زمانۂ جاہلیت کی خصوصیات میں سے ہے۔

(۱) آل عمران: ۱۰۳ (۲) النحل: ۴۳ (۳) النساء: ۵۹

اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ: جولوگ اپنی مدنی زندگی اور شہری زندگی گذارنے میں امیر وقاضی کی اطاعت نہیں کرتے اور کسی امیر کے ہاتھ پر بیعت کئے بغیر مرجاتے ہیں وہ جاہلیت کی موت مرتے ہیں، اور آخرت میں خدائی عذاب سے بچنے کیلئے ان کے پاس کوئی حجت اور دلیل نہ ہوگی، اور خالی ہاتھ دربارِ الٰہی میں ان کی پیشی ہوگی "من خلع یدامن طاعة لقی اللّٰہ یوم القیٰمة لا حجّة له ومن مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة (۱)

نظام قضاء کو اس حدیث کے عموم سے خارج نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا مذکورہ نصوصِ قرآنیہ اور حدیثِ نبوی ﷺ سے واضح ہوتا ہے کہ نظامِ قضاء کے بغیر اسلامی اجتماعی زندگی کا تصور ممکن نہیں ہے، اور اسلام میں قضاء کی جس قدر اہمیت ہے اتنی ہی اس کی ذمہ داری بھی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: جس کو عہدۂ قضاء کا حامل بنایا گیا ہے گویا اس کو بغیر چھری کے ذبح کردیا گیا ہے" قال رسول اللّٰہ ﷺ من ولّی القضاء أو جعل قاضیا بین النّاس فقد ذبح بغیر سکّین". (۲)

دارالکفر میں امارتِ شرعیہ کا قیام یہ کتاب وسنت سے ثابت ہے؛ بلکہ قرآن وسنت میں اس سلسلے کے واضح شواہد موجود ہیں، چنانچہ قرآن مجید میں ذکر ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اجتماعیت کے ساتھ اقامتِ دین کا حکم دیا(۳) حالاں کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پوری زندگی مظلومیت اور مغلوبیت میں گذری۔

اسی طرح حضرت طالوت علیہ السلام کو اس وقت کا امیر بنایا گیا، جب بنی اسرائیل پر عمالقہ کا غلبہ حاصل ہو چکا تھا؛ بلکہ وہ ان سے جزیہ اور خراج وصول کررہے تھے قرآنِ پاک میں ہے

---

(۱) بخاری: باب السمع والطاعة للامام، حدیث: ٦٧٢٤

(۲) ترمذی: باب القاضی، حدیث: ۱۳۲۵، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

(۳) الشوریٰ: ۱۳

" اِذُ قَالُوۡا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابۡعَثۡ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلُ فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ " (۱) (ہمارے لئے ایک امیر بھیج دیجئے جن کے ساتھ مل کر ہم جنگ کریں) میں " مَلِكًا " سے مراد امیر ہی ہے۔ (۲)

اسی طرح حضرت طالوت کی یہ امارت دارالکفر میں تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی میں مکہ دارالحرب تھا اور مدینہ وغیرہ بھی اس وقت تک دارالکفر ہی تھا، اس لئے کہ وہاں مسلمان ہونے والوں کی تعداد بہت ہی معمولی اور تھوڑی تھی، لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے جن باشندوں سے بیعت لی وہ امارت کی بیعت تھی کہ ہم آرام وتکلیف میں سمع وطاعت کی راہ اختیار کریں گے اور امیر سے نہ جھگڑیں گے۔ (۳)

ہندوستان اور اس جیسے غیر اسلامی ممالک میں جہاں اقتدار عالی غیر مسلموں کو حاصل ہے کیا مسلمانوں پر اپنے نزاعی مسائل کے تصفیہ کیلئے اسلامی نظام قضاء قائم کرنا لازم ہے یا نہیں، جی ہاں! غیر اسلامی ممالک جہاں اقتدار اعلیٰ کفار کو حاصل ہے وہاں کے مسلم باشندگان پر لازم ہے کہ اپنے نزاعی اور عائلی مسائل کیلئے حکومت سے اقتدار حاصل کر کے اسلامی نظام قضاء قائم کریں اور اگر حکومت سے اقتدار حاصل نہیں تو اقتدار حاصل ہونے تک کیلئے تراضی مسلمین سے نظام قضاء کا قیام اور آپسی تراضی سے کسی باصلاحیت شخص کو عہدۂ قضاء کیلئے انتخاب کرنا جائز اور درست ہوگا، اور وہ قاضی شرعی قاضی اور اس کا فیصلہ شرعی فیصلہ ہوگا۔ (۴)

نیز کسی والی مسلم کی تلاش وجستجو جاری رکھنا، ایسے ممالک کے تمام مسلمانوں پر ہر ممکن صورت میں واجب ہے تاکہ نظم ونسق سب کچھ اسی کے حکم سے منشاشریعت کے مطابق جاری ہوسکے اور اسی کی ماتحتی میں قضاء کا نظام بھی چلتا رہے " ولو فقد والٍ لغلبة كفار وجب على

---

(۱) البقرة : ۲۴۶
(۲) بیضاوی: البقرة : ۱۴۹/۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت
(۳) بخاری: باب کیف یبایع الامام، حدیث
(۴) فیض الباری : ۱۸۸/۱

المسلمین تعیین والٍ وامامٍ للجمعة وتحته فی الشامية واما بلاد عليها ولاية كفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمع والاعياد ويصير القاضی قاضيًا بتراضی المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما منهم" (۱)

اگر کفار کے غلبہ کی وجہ سے والی نہ ہو تو مسلمانوں کیلئے والی اور جمعہ کے امام کی تعیین ضروری ہے، اور جہاں کا فر والی ہے تو مسلمانوں کیلئے جمعہ وعیدین کا قائم کرنا جائز ہوگا اور مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی کو طئے کیا جائے گا اور ان کیلئے مسلمانوں کے اتفاق سے مسلمان والی کی تعیین ضروری ہوگی۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ "وأمّا بلاد عليها ولاة الكفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمع والاعياد ويصير القاضی قاضياً بتراضی المسلمين ويجب عليهم طلب والٍ مسلمٍ ھ (۲)

اور جن شہروں میں کفار والی ہو تو مسلمانوں کیلئے جمعہ اور عیدین کا قائم کرنا جائز ہے اور مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی مقرر کیا جائے اور ان کو مسلمان والی اور حاکم کی جستجو ضروری ہے۔

البتہ مسلمانوں کی یہ جزوی امارت ان ہی قوانین کو نافذ کرے گی جس سے وہ عاجز اور مجبور نہ ہو، گویا ہندوستان کی شرعی امارت حدود وقصاص کے احکام کو نہ چھیڑے گی۔

پھر یہ مسئلہ فتاوی کی کتابوں میں بند نہیں رہا، بلکہ وقت کے بالغ نظر اور نبض شناس علماء نے اسے برتا ہے اور تاریخ کی کتابوں میں اس کے نظائر موجود ہیں، چنانچہ ایک عرب تاجر "سلیمان" اسلام کے ابتدائی عہد میں ملک چین میں مسلمانوں کے تنازعات کے حل کے سلسلے میں "خانفو" نامی شہر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہاں شاہ چین کی طرف سے مسلمانوں کیلئے خود مسلمانوں میں سے ایک "حاکم" (قاضی) متعین تھا، وہی مسلمانوں کیلئے عیدین اور جمعہ قائم کرتا تھا اور قرآن کے حکم کے مطابق ان کے تنازعات کے فیصلے کرتا تھا۔

(۱) الدر المختار مع الشامی: مطلب فی الاجتهاد وشروطه: ۳۶۸/۵، دار الفكر، بيروت
(۲) البحر الرائق: طلب القضاء، ۲۹۸/۶

اہل عراق حکومتِ کافرہ کے تحت مقرر ہونے والے ایسے مسلمان والی کو فارسی زبان میں ''ہنرمند'' کہا کرتے تھے اور ''ابن شہر یار'' کے سفرنامہ ''عجائب الہند'' میں لکھا ہے کہ ہندوستان کے شہر مدراس کے قریب ایک جگہ ''صیمور'' میں مسلمانوں کیلئے ''ہنرمند'' مقرر تھے جن کا نام عباس بن ہامان تھا۔

اسی طرح مسعودی جس نے ۳۰۴ھ میں ہندوستان کی سیاحت کی ہے، نقل کرتا ہے کہ اس زمانہ میں ہندوستان کے اس جنوبی علاقہ میں غیر مسلم کی طرف سے مسلمانوں کے لئے ''ہنرمند'' جس کا نام ابوسعید بن زکریا تھا، یہ ہنرمند مسلمانوں کے رئیس اور امیر ہوتے تھے اور مسلمان ان کے احکام ماننے کے پابند تھے۔(۱)

ہندوستان میں جس وقت مسلم حکومت کا ستارہ اقبال غروب ہو رہا تھا، انگریز اپنی شاطرانہ چال اور عیاری سے تجارت کی منڈیوں سے نکل کر حکومت کے تخت و تاج سے کھیل رہے تھے، خاندان ولی اللّٰہی کا ایک دردمند اور بالغ نظر مرد کا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اپنی آنکھوں سے ان حالات کو دیکھ رہا تھا، ان کی نظر دوراندیش نے سمجھ لیا کہ اب یہاں سے مسلمان کا سیاسی زوال ہونا ہی چاہتا ہے اور عملی طور پر اب ہندوستان میں مسلمانوں میں مسلمانوں کیلئے جو کام کرنے کا ہے، وہ یہ ہے کہ اپنی دینی اقدار کی حفاظت کیلئے یہ حکومت کے کاموں میں داخل انداز ہوئے بغیر ''امارت'' اور اس کے تحت قضاء کا شرعی نظام قائم کرلیں۔

انہوں نے ہندوستان دارالحرب قرار دیتے ہوئے جو فتویٰ دیا تھا وہ حسبِ ذیل ہے ''اگر دارالحرب میں کفار کی طرف سے مسلمانوں کیلئے کوئی والی مقرر ہو تو اس کی اجازت سے جمعہ قائم کرنا درست ہے، ورنہ مسلمانوں کو چاہئے کہ ایک شخص کو جو امین اور دیانت دار ہو اپنا سردار قرار دے لیں کہ اسی کی اجازت سے جمعہ اور عیدین کا قیام، ایسے نابالغ بچوں کے نکاح جن کا کوئی ولی نہ ہو، یتیموں کے مال کی حفاظت، نزاعی مقدمات میں شریعت کے

(۱) سفرنامہ سلیمان تاجر: ۱۴۰، مطبوعہ: پیرس، عجائب الہند: ۴۳، مروج الذہب: ۸۶/۲،

متعین کردہ حصے کے مطابق وراثت کی تقسیم وغیرہ عمل میں آئے، نیز امور سلطنت میں کوئی مداخلت اور خلل اندازی بھی نہ کی جائے۔(۱)

ہمارے ملک ہندوستان میں بھی برطانوی حکومت کے آغاز کے ساتھ ہی علماء نے صرف فتوی ہی دینے پر اکتفانہ کیا؛ بلکہ اس پرشور اور ہنگامہ خیز دور میں بھی برابر اس شمع رکھنے کیلئے کوشاں رہے، چنانچہ حضرت سید احمد شہیدؒ نے امارت قائم کی اور اپنے عہد امارت میں مولانا عبد الحئی صاحبؒ کو اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (م: ۱۳۱۷ھ) نے امارت کی بنیاد رکھ کر مولانا رشید احمد گنگوہی کو اپنے محدود حلقہ امارت میں قاضی نامزد کیا۔

اس سلسلے کی آخری کڑی حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد (۱۲۹۹-۱۳۵۹) ہیں، انہوں نے ملک گیر سطح پر برطانوی عہد میں نظام امارت کے قیام کی مہم چلائی اور بہار میں نظام شرعیہ کا قیام عمل میں لایا، پھر مختلف صوبہ جات میں یہ شکل روز افزوں ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر صوبہ اور ہر ضلع کی سطح پر اس قسم کے پنچایت کا قیام عمل میں لایا جائے، تاکہ مسلمان اپنے خاندانی تنازعات اور طلاق، نکاح و میراث کے عائلی مسائل میں مسلمان قاضی سے استفادہ کرسکیں یا کم از کم مسلمان کمیٹی قرآن وحدیث کی روشنی میں حاصل شدہ کسی مستند ادارہ کا فتویٰ نافذ کرے۔

---

(۱) فتاوی عزیزیہ: ۳۲/۱

زبان کی اہمیت

اللہ عزوجل نے انسان کو جب دنیا میں اپنی خلافت ونیابت کا حقدار بنانا چاہا تھا تو جو امتیازی وصف اللہ عزوجل نے انسان کو دیا تھا وہ مافی ضمیر کی ادائیگی، آپس میں تبادلۂ خیال اور ایک دوسرے کی آپسی ضروریات کی تکمیل کے لئے اس کو قوت گویائی اور زبان ولغت عطا کی، ورنہ اگر خلافت فی الارض اور نائب بنانے کا معیار باطنی کیفیات کا کمال اور عبادتِ ظاہری سے ہوتا تو فرشتے اس انسان سے کئی زیادہ مستحق تھے کہ وہ روئے زمین میں اللہ عزوجل کے خلیفہ اور نائب بنائے جاتے، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے مقابلے امتیازی وصف دیا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو علمِ لغت اور علمِ اسماء سے سرفراز کیا گیا اور جب علمِ اسماء کے امتحان میں حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں سے بازی لے گئے تو فرشتوں کو بھی حضرت کے خلافتِ الٰہی کے مستحق ہونے اور اپنے عاجز وبے کس ہونے کا احساس ہوا۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا، ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ: اَنْۢبِئُوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ، قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ، قَالَ: يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ: اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ (۱) اور آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھائے، پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ: ان چیزوں کے نام بتاؤ، اگر تم اپنے قول میں سچے ہو، فرشتوں نے کہا: ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں، ہمیں اس سے زیادہ کچھ علم نہیں جو تو نے ہم کو دیا ہے، بلاشبہ تو

(۱) البقرۃ: ۳۳

جاننے والا اور حکمت والا ہے، پھر آدم سے کہا: اے آدم! تو ان چیزوں کے نام بتا، پس جب آدم نے ان کے نام بتائے، (اللہ نے کہا:) (اے فرشتو) کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بلاشبہ میں آسمانوں اور زمین کے غیب کا دانا ہوں اور جو تم چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہو، ان سب کا جاننے والا ہوں۔

بہر حال جب حکومت اور خلافت کا مسئلہ چھڑا تو یہ بات آئی کہ حکومت اپنا منشور اور اپنا دستور کس زبان میں پیش کرے گی، بہر حال خلافت کا اصل معیارِ علم کو قرار دیا گیا جس کی ادائیگی زبان اور لغت ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔

زبان اور قومیت

کسی بھی قوم اور حکومت کی وسعت اور کشادگی، اس کی تہذیب و تمدن کے پھیلاؤ اور ترویج و اشاعت میں زبان کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، کیونکہ کوئی بھی زبان اس قوم کی تہذیب و روایات اور اس کے مذہب و تمدن کو اپنے اندر ضم کیے ہوئے ہوتی ہے، اس لئے اقوام اپنے تہذیبی شعار کو باقی اور برقرار رکھنے کیلئے اپنی زبان کی ترویج و اشاعت کیلئے کوشش کرتے ہیں، اس کیلئے بڑی قربانی دینے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

آج کل کسی بھی قوم کے بقا کے میدان میں زبان کا مسئلہ نہایت اہم شمار کیا جاتا ہے، ہندوستان کا ہندی ہندی زبان کی ترویج کیلئے، عیسائی انگلش کیلئے، ایرانی فارسی کیلئے، افغانی پشتو کیلئے، حجازی عربی کیلئے جان توڑ کوشش کر رہا ہے، ان میں سے ہر ایک قوم سمجھ چکی ہے کہ اس کی قومی روایات، اس کا مخصوص تمدن و معاشرت اور بالفاظِ دیگر قومیت کا تحفظ صرف ان کی زبان کے بقا و تحفظ میں مضمر ہے۔

اور یہ بالکل ایک حقیقت ہے کہ جب کوئی قوم کسی دوسری قوم کو اپنے اندر مدغم کرنا یا بالفاظِ دیگر اسے فنا کرنا چاہتی ہے تو سب سے پہلے وہ اپنی زبان اور لغت کے رائج کرنے پر زور دیتی ہے جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لغت کا اثر متاثر قوم کے اخلاق، عادات،

روایات اور مذہب ومعاشرت پر ضرور پڑتا ہے، پھر یا تو وہ مکمل اس قوم میں مل کر اسی کے اخلاق وعادات قبول کر لیتی ہے یا کم از کم اپنی مخصوص قومیت اور شعائر سے بیگانہ ہو کر ایک مخلوط (ملی جلی) قومیت پیدا کر لیتی ہے، یہی وجہ ہے کہ آج ٹمل زبان والا، کنڑ زبان والا اپنی زبان کی حفاظت کیلئے جنگ لڑ رہا ہے، چین اپنے ملک میں انگریزی کو داخل ہونے نہیں دیتا، فرانس اپنی زبان کے لئے کروڑوں روپئے خرچ کر رہا ہے۔

زبان کی اسی اثر انگیزی کو بیان کرتے ہوئے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: " من كثر سواد قوم فهو منهم، ومن رضي عمل قوم كان شريك من عمله " (۱) جو شخص کسی قوم میں گھس کر (مثلاً: بواسطۂ لغت) اس کی جمعیت میں اضافہ کرے وہ اسی قوم سے ہو جائے گا، اور جو شخص کسی قوم کے عمل سے راضی ہو گیا (مثلاً: اردو میں ہندی کے اختلاط اور غلبہ سے) وہ اسی قوم کے عمل کا شریک سمجھا جائے گا۔

بہر حال ہر ایک قوم کی زبان اور اس کا لٹریچر صرف اسی قوم کی تہذیب وتمدن کی ترجمانی کرتا ہے، ہر قوم اپنی زبان کے ذریعہ اپنی خصوصی مذہبی روایات اور اپنے ہی احوال وکیفیات کا اظہار کرتی ہے۔

موجودہ زمانے کو دیکھ لیجئے چاند اور سورج کے پجاری، یونانی تہذیب نے ہفتہ، اتوار کو سنڈے اور منڈے کا نام دیا، جس کی دیوتا کا نام "فرائی" تھا، اس سے "فرائڈے" رکھ لیا، جنوری، فبروری کے ناموں میں بھی مشرکانہ مزاج کے اثرات ہیں، "تھینک یو" "بائے بائے" کوئی دعا نہیں، انگریزی زبان کے محاورے خود اس قوم کی خود غرضی، بے حیائی، خدا بیزاری کے اثرات کو زبردست طریقے سے اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔

دوسری زبان کی اثر انگیزی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انگریزی زبان کے راستہ سے جب اس کا مخصوص تمدن اور اس کی تہذیب ہندوستان آئی تو جس کی وہ ترجمان تھی تو مفتوح قوم نے نہ صرف اس زبان دانی پر ٹھہری، بلکہ اپنی تہذیب وروایات اور اپنے مذہب ومعاشرت کو چھوڑ کر اس جدید زبان اور اسکی تہذیب وتمدن اور اس کے طرز ومعاشرت میں مل گئی۔

---

(۱) الزهد والرقائق: باب استماع اللهو، حديث: ۱۲/۲

یہی وجہ ہے کہ ایران کے فتح ہونے سے پہلے فارسی زبان جو ایرانی روایات وتہذیب ومعاشرت کی ترجمان تھی، اسلامی روایات اور تمدن سے بالکل متضاد تھی، اس لئے اسلام نے فارسی کی عمومی تعلیم کی اجازت نہیں دی، کیونکہ اس صورت میں فارسی زبان کے راستہ سے ایرانی روایات وطرز معاشرت کے اسلامی معاشرے میں راہ پانے کا اندیشہ تھا، جس کی وجہ سے عرب قوم فارسی سے مانوس ہونے کی بناء پر کچھ تو اپنی عربی تہذیب کی نمائندگی کرتی اور فارسی زبان کے راستہ سے اس کے روایات کو بھی اپنے اندر سموتی، کچھ ادھر کچھ ادھر کے ہوجاتے، اس کو حضور ﷺ نے نفاق سے تعبیر فرمایا: "من یحسن أن یتکلّم بالعربیة فلا یتکلّم بالعجمیة فانّها یورث النفاق" (۱) جو عربی اچھی طرح بول سکتا ہے وہ (عجمی) نہ بولے؛ کیونکہ وہ نفاق پیدا کرتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو یہ ہدایت فرمائی تھی "ایاکم ورطانة الأعاجم" عجمیوں کی سی بک بک سے بچو، اور فرمایا کہ وہ دھوکہ ہے۔ (۲)

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک قوم کو عجمی یعنی فارسی میں قبل از فتح ایران گفتگو کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: "مابال المجوسیة بعد الحنفیة ؟" (۳) یہ حنفیت کے بعد مجوسیت کیسی؟

یہاں حضور ﷺ نے اس وقت کی فارسیت کو نفاق اور فاروقِ اعظم نے دھوکہ بتلا کر یہ اصول بتایا کہ جب تک کسی قوم کی زبان پر اپنا اور اپنے مزاج وذوق کا رنگ چڑھ نہ جائے، اور ہمارے مخصوص اعتقادات واخلاقیات اس کا غالب عنصر نہ بن جائے اس کی عام تعلیم یا اسے عام طور پر قبول کرنا دھوکہ، نفاق اور دورخی پن پیدا کرتا ہے، جس سے انسان نہ پوری طرح اپنا ہی رہتا ہے، نہ غیر ہی کا ہوتا ہے۔

اس سے پتہ یہ چلا کہ ایک لغت ایک مستقل قومیت کی ترجمان ہوتی ہے، فارسی لغت کو

---

(۱) اقتضاء الصراط المستقیم: فصل فی الاعیاد: ۴۹/۱۱

(۲) اقتضاء الصراط المستقیم: ۶/۱۱، دار عالم الکتب، بیروت

(۳) اقتضاء الصراط المستقیم: فصل فی الاعیاد: ۴۸/۱۱

مجوسیت کہا گیا جو ایرانی امت کا لقب ہے، عربی زبان کو حنفیت کہا گیا ہے جو اسلامی شریعت کا لقب ہے۔

تبلیغ ودعوت اور دیگر سیاسی تعلقات وضروریات کیلئے غیر زبان کو سیکھنا

اگر کسی زبان کو اس پر مکمل غلبہ حاصل کرنے اور بالکل فتح کرنے سے پہلے کسی اسلامی ضرورت سے مثلاً دعوت وتبلیغ یا غیر ممالک سے سیاسی وغیر سیاسی تعلقات کو قائم کرنے کیلئے سیکھا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ ایک تو ہے کسی غیر زبان میں کلام کرنا، یا خصوصی طور یا مخصوص افراد کو اس کی تعلیم دینا ہے، اور دوسرے اسے بطورِ شعار قبول کرنا، پہلی صورت تو جائز ہے، دوسری صورت میں بطورِ شعار کے اس زبان کو اسی وقت استعمال کیا جا سکتا ہے جبکہ وہ زبان بالکل مفتوح ہوکر اس کی روایات کی فارسی زبان کی طرح اسلامی حامل ہو جائے، محض دینی یا سیاسی ضروریات کیلئے غیر عربی زبان کو سیکھنے کی اجازت ان روایات سے معلوم ہوتی ہے۔

جنابِ رسول اللہ ﷺ نے بعض اقوام سے عبرانی زبان میں مراسلت کرنے کیلئے یہود کو ترجمان بنایا، لیکن جب لکھنے پڑھنے میں ان سے خیانت ثابت ہوئی تو آپ ﷺ نے مخصوص صحابہ رضی اللہ عنہم کو عبرانی زبان سیکھنے پر مامور فرمایا اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سترہ دن میں عبرانی زبان سیکھ کر اس بارے میں حضور ﷺ کو یہود سے مستغنی کر دیا۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حبشی زبان کے بعض کلمات کا تکلم فرما کر خصوصاً مخصوص حالات میں غیر زبانوں کے خصوصی تکلم کی اجازت دی، حضرت ام خالد بنت ابن سعید ابن العاص حبشہ میں پیدا ہوئی تھیں، جبکہ ان کے والد نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، حضور ﷺ نے ان کو قمیص مبارک پہنایا اور فرمایا: "یا أمّ خالد هذا سنا" (۱) اے ام خالد! یہ بہت خوشنما ہے (سنا حبشی زبان میں خوبصورت کو کہتے ہیں)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (جب کہ ایک فارسی کے پیٹ میں درد ہوا) "اشکم بدرد" (۲) کیا پیٹ میں درد ہے۔

---

(۱) اقتضاء الصراط المستقیم : فصل فی الأعیاد: ۵۱/۱۱

(۲) اقتضاء الصراط المستقیم : باب الاعیاد : ۵۲/۱۱

خود اپنی زبان کے غیر اسلامی محاورات کے استعمال کی ممانعت

غیر زبان کو بطورِ شعار اپنانے کیلئے سیکھنے کے سلسلے میں شریعت نے منع کیا ہے، خود اپنی عربی زبان کے وہ کلمات اور محاورات جو غیر مسلم اقوام کے خصوصی کلمات یا مخصوص اصطلاحات شمار ہوتے ہیں، مسلمانوں کو ان کے استعمال سے بھی منع کیا ہے، تاکہ خود مسلمانوں کے اپنے اسلامی محاورات محفوظ رہیں اور غیروں کے غیر اسلامی محاورات کی شکل میں ان کے اخلاق و عادات اور خیالات کا ہم پر اثر نہ پڑے۔

قرآنِ مجید نے صاف صاف کہا کہ: مسلمان نبی کریم ﷺ کو اپنی حالت پر توجہ دلانے کیلئے " رَاعِنَا " (ہماری رعایت کیجئے) کا لفظ استعمال نہ کریں کہ یہ یہود کی اصطلاح ہے، بلکہ "انظرنا" (ہم پر نگاہِ کرم کیجئے) کا کلمہ استعمال کریں " وَلَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوْا انْظُرْنَا " (۱)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ نمازِ عشاء کو " عتمة " مت کہو یہ گنواروں کی اصطلاح ہے بلکہ عشاء کہو، جو اسلامی اصطلاح ہے۔

اور فرمایا: دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے پاس کی انگلی کو " سَبَّابة " مت کہو یہ اہل جاہلیت کی لغت ہے بلکہ " سَبَّاحة " کہو کہ یہ اسلامی لغت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: سلام اور ملاقات کے وقت " حُيِّيتُمْ صَبَاحًا " وغیرہ مت کہو کہ یہ اہل جاہلیت کا تحیہ ہے؛ بلکہ السلام علیکم کہو، یہ اسلامی تحیۃ ہے۔

ایک فارسی نوجوان نے غزوۂ احد میں ایک مشرک پر تلوار سے وار کر کے کہا کہ: لے یہ میرا ہاتھ دیکھ " انا الغلام الفارسی " تو حضور ﷺ نے فرمایا: یوں کیوں نہیں کہا: "انا الغلام الأنصاری" (۲)

---

(۱) البقرة: ۱۰۴

(۲) اقتضاء الصراط المستقیم: فصل فی ذکر الأدلة: ۱۵۳/۴

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ: دکاندار کو "سمسار" نہ کہو یہ اہل جاہلیت کی لغت ہے؛ بلکہ تاجر کہو جو قرآن کی لغت ہے۔(۱)

اس سے بھی یہ پتہ چلا کہ عربی زبان سے محض عربی الفاظ مقصود نہیں؛ بلکہ ایک مخصوص ذہنیت، کیفیت کے ساتھ ایک مخصوص اور مستقل قوم کے حقائق کی ترجمانی مقصود ہے۔

عربی زبان کی اہمیت

عربی زبان تو یہ مسلمانانِ اسلام کی مشترکہ زبان ہے، اسلامی قانون اسی زبان میں ہے، اسلامی روایات اور اسلامی ذہنیت اس کے لفظوں اور فقروں میں رچی بسی ہے، مسلمانوں کیلئے اسلامی نظام عالم کیلئے اور ان کی پوری اجتماعی زندگی کیلئے عربی زبان سرکاری زبان کی حیثیت رکھتی ہے، ان کا قانونِ حیات بھی اسی عربی زبان میں نازل ہوا ہے:

"وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ، نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ، عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ، بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ" (۲) یہ (قرآن) اللہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے، جبرئیل امین اس کو لے کر اس لئے نازل ہوتے ہیں کہ آپ واضح عربی زبان میں (اللہ کے عذاب) سے ڈرانے والے ہیں۔

اس لئے جس کو عربی زبان بولنے کی قدرت ہو، شریعت نے اسے بلا ضرورت عجمی بولنے کو پسند نہیں کیا، جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث اس بارے میں گذر چکی، اس لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک سرکاری فرمان میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو تحریر فرمایا تھا:

"أمّا بعد: تفقّهوا في العربية واعربوا القران فانّه عربي" (۳)

اما بعد! عربی زبان میں سمجھ پیدا کرو، اور قرآن کی عربیت کو باقی رکھو کہ وہ عربی میں ہے۔

---

(۱) اقتضاء الصراط المستقيم
(۲) النحل: ۱۰۳
(۳) اقتضاء الصراط المستقيم : فصل في العياد: ۱۱/ ۵۳

اور ایک روایت میں ہے کہ " تعلّموا العربیة فانّها من دینکم " عربی سیکھو اس لئے کہ وہ تمہارے دین کا جزء ہے۔(۱)

اردو زبان کی اہمیت

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اگر یہی عربیت، اور اسلامی محاورات وتعبیرات کسی دوسری زبان میں اس طرح آجائیں کہ وہ زبان انہیں اسلامی حقائق کی ترجمان کہلانے لگے تو اس زبان کا تحفظ بھی اسلام کا تحفظ شمار ہوگا۔

اردو میں اسلامی ذہنیت کی مکمل چھاپ عربی اور خصوصاً اسلامی طرزِ حیات وزندگی کے مختلف مواقع سے بول چال میں استعمال ہونے والے ان الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے، مثلاً

اچھے کام کی ابتداء پر "بسم اللہ" من چاہے کام کے ہونے پر "الحمد للہ"
تعجب پر "سبحٰن اللہ" قدر افزائی پر "ماشاء اللہ"
برأت کے اظہار پر "معاذ اللہ" افسوس پر "انّا للہ وانّا الیہ راجعون"
ندامت پر "استغفر اللہ" قسم کیلئے "واللہ واللہ"
توقع پر "انشاء اللہ" بچاؤ پر "اللہ اللہ"
ندامت پر "یا اللہ" شکریہ پر "جزاك اللہ"
اظہارِ عظمت کیلئے "لا الہ الّا اللہ" برے کام دیکھ کر "لاحول ولا قوّة الّا باللہ"
پیغمبر ﷺ کا نام آنے پر "صلی اللہ" جوش پر "اللہ أکبر"

اردو کی بے تکلف زندگی میں روزمرّہ کے استعمال ہونے والے الفاظ ہیں، اس سے اردو زبان کے اسلامی معاشرے کے ساتھ لگاؤ اور اس کی اسلامیت واضح اور ظاہر ہوتی ہے۔

---

(۱) اقتضاء الصراط المستقیم: ۱/ ۲۰۷

خلاصہ

کوئی زبان اہل زبان کی تہذیب ، ذہنی رجحانات اور اعتقادی اثرات سے خالی نہیں ہوتی ، بحیثیت زبان اسلام اس زبان کی مخالفت نہیں کرتا؛ لیکن اس زبان کے ساتھ آنے والے فکری اور تہذیبی اثرات کو بھی قبول کرنا نہیں چاہتا ، انگریزی زبان قبول ہے؛ لیکن انگریز بننا اور اپنی زبان سے اور مذہبی بنیادی علم سے محروم رہ جانا تہذیبی وعلمی غلامی ہے ، پہلے اسلام نے صحابہ کے دینی مزاج کو پختہ بنایا ، پھر اس کے بعد دوسری زبانیں سیکھنے کی اجازت دی ، اسلامی معاشرے میں سخت ضرورت ہے کہ اسلامی چھاپ کی باہمی گفتگو میں بھی حفاظت کی جائے۔

ماں باپ پر بچوں کے ابتدائی حقوق

نکاح کے مقاصد میں سے ایک اہم اور عظیم مقصد اولاد کا حصول ہے، جس پر نسل انسانی کی بقا کا دار ومدار ہے، اولاد کا حصول ہر ماں باپ کی خواہش ہوا کرتی ہے؛ حتیٰ کہ انبیاء نے بھی حصولِ اولاد کیلئے دعائیں کی ہیں، اولاد کے حاصل ہونے پر ان کے حوالے سے ماں باپ پر کچھ حقوق اور ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں:

لڑکی کی پیدائش پر ناراضگی کا اظہار نہ کیا جائے

لڑکی ہو یا لڑکا یہ دونوں اللہ کی نعمت ہوتے ہیں، لڑکے کی پیدائش پر خوشی کا اظہار اور لڑکی کی پیدائش پر ناراضگی کا اظہار یہ اسلامی تعلیمات کے بالکل مغائر ہے، لڑکی کی پیدائش پر منہ بسورنا ناراضگی کا اظہار کرنا زمانہ جاہلیت کی رسم ہے " وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ، يَتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ (۱) جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غصہ سے بھر جاتا، لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اس برائی کی خوشخبری کے سبب سے جو اسے دی گئی۔

لڑکی یا لڑکے کی پیدائش میں نہ ماں کا کوئی دخل ہوتا ہے اور نہ کسی اور کا، یہ سب صرف عطائے ربانی ہے کہ جس کو چاہے لڑکی دے یا لڑکا دے، ارشادِ خداوندی ہے: " يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ، يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ، اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا، وَّيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا " (۲) جو وہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، وہ عطا کرتا ہے جس کو وہ چاہے بیٹیاں اور وہ عطا کرتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے بیٹے، یا انہیں جمع کر دیتا ہے (جوڑے دیتا) بیٹے اور بیٹیاں اور جس کو چاہتا ہے بانجھ (بے اولاد) کر دیتا ہے۔

---

(۱) النحل: ۵۸ (۲) الشوریٰ: ۴۹

لوگوں کے اس رویہ کی وجہ ہی سے نبی کریم ﷺ نے لڑکیوں کی پیدائش اور ان کی تربیت پر بے شمار اجر وثواب کا ذکر فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس مسلمان کی دو بیٹیاں ہوں، پھر جب تک وہ اس کے پاس رہیں یا یہ ان کے پاس رہے اور وہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے تو وہ دونوں بیٹیاں اس کو ضرور جنت میں داخل کرا دیں گی "ما من مسلم ابنتان، فيحسن اليهما ما صحبتاه أو صحبهما، الّا أدخلتاه الجنة" (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے دو لڑکیوں کی پرورش اور دیکھ بھال کی وہ شخص اور میں جنت میں اس طرح اکٹھے داخل ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں۔ یہ ارشاد فرما کر آپ ﷺ نے اپنی دونوں انگلیوں سے اشارہ فرمایا "من عال جاريتين دخلت أنا وهو الجنّة كهاتين ، وأشار باصبعه" (۲)

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے ان بیٹیوں کے کسی معاملہ کی ذمہ داری لی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو یہ بیٹیاں اس کیلئے دوزخ کی آگ سے بچاؤ کا سامان بن جائیں گی "من يلي من هذه البنات شيئا، فأحسن اليهنّ كنّ له سترًا من النّار" (۳)

۱۔ نومولود کے کان میں اذان واقامت

ولادت کے بعد بچے کے تعلق سے پہلا حق والدین پر یہ ہوتا ہے کہ وہ بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کے کلمات کہیں یا کہلوائیں، اس کا مقصود یہ ہے کہ

(۱) ابن حبان: باب ما جاء في الصبر والثواب، حديث: ۲۹٤۵، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ: اس کی سند صحیح ہے: الترغيب: حديث: ۳۰۲۱

(۲) ترمذی: باب ما جاء في النفقة على البنات والاخوات، حديث: ۱۹۱٤، امام ترمذی نے کہا ہے کہ: یہ اس سند سے غریب ہے، اسے البانی نے صحیح کہا ہے۔

(۳) بخاری: باب رحمة الولد، حديث: ۵۹۹۵

بچے کے کان میں سب سے پہلے جو آواز پہنچے وہ اللہ کی وحدانیت اور اس کی بڑائی وعظمت پر مشتمل کلمات کی ہو، قبل اس کے کہ شیطان اپنی بات کانوں کے واسطے سے اس کے دل ودماغ تک پہنچائے، اس سے پہلے ہی اس کے کانوں کو ایمان واسلام کی دعوت سے آشنا کرایا جائے۔

رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو (اپنے نواسے) حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے کان میں نماز والی اذان پڑھتے ہوئے دیکھا، جب (آپ ﷺ کی صاحبزادی) حضرت فاطمہؓ کے یہاں ان کی ولادت ہوئی "اذّن فی أذن حسن بن علی رضی اللہ عنہ حین ولدته فاطمة بالصلوة" (۱)

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے کان میں صرف اذان پڑھنے کا ذکر ہے؛ لیکن ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے نومولود کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت پڑھنے کی ترغیب وتعلیم دی ہے اور اس کی برکت وتاثیر یہ بتائی ہے کہ اس کی وجہ سے بچہ ام الصّبیان (ایک بیماری جو بچوں کو لاحق ہوتی ہے) کے نقصان سے محفوظ رہتا ہے، جو شیطان کے اثر سے ہوتا ہے۔ (۲)

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے یہاں لڑکا پیدا ہو تو وہ اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہے گا تو وہ ام الصّبیان کے مرض سے محفوظ رہے گا، "من ولد له مولود فأذّن فی أذنه الیمنی وأقام فی أذنه الیسریٰ رفعت عنه أم الصبیان" (۳)

نیز اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ مسلمان بچے کا پہلا حق یہ ہے کہ پیدائش کے وقت اس کے کان میں اذان دی جائے اور اس کا آخری حق یہ ہے کہ اس پر نماز جنازہ پڑھا جائے۔

---

(۱) ترمذی: باب الأذان فی أذن المولود، حدیث: ۱۵۱۴، امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) مجمع الزوائد: باب الأذان فی أذن المولود، حدیث: ۶۲۰۶، دار الفکر، بیروت، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابویعلی نے روایت کیا ہے اور اس میں مروان بن سالم الغفاری ہے اور وہ متروک ہے۔

(۳) مسند ابی یعلی: مسند الحسین بن علی بن أبی طالب، حدیث: ۶۷۸۰

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بارے میں مروی ہے کہ ان کے یہاں کسی بچے کی ولادت ہوتی تو وہ اس کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر اٹھاتے، اس کے دائیں کان میں اذان دیتے اور بائیں کان میں اقامت کہتے۔ (۱)

حضرت حسن بصریؒ سے بھی اس کا استحباب نقل کیا ہے۔ (۲)

امام نوویؒ اور علامہ ابن قیمؒ نے بھی اس کو مستحب کہا ہے۔ (۳)

۲- تحنیک ودعائے برکت

جب کسی گھرانے میں بچہ پیدا ہو تو چاہئے کہ اللہ کے مقبول اور صالح بندے کے پاس اس کو لے جائیں، اور اس کیلئے خیر برکت کی دعا بھی کرائیں اور **تحنیک** بھی کرائیں، **تحنیک** یہ ہے کہ بچہ کی پیدائش کے بعد کوئی بزرگ یا صالح آدمی کھجور یا کوئی میٹھی چیز چبا کر اس کا لعاب بچے کے منہ میں اس طرح لگا دے کہ وہ بچے کے منہ میں چلا جائے، اس کا مقصد خیر برکت کا حاصل کرنا ہوتا ہے، دورِ رسالت میں بھی حضراتِ صحابہ کا یہ معمول تھا کہ جب کسی بچے کی ولادت ہوتی تو وہ بچہ حضور ﷺ کی خدمت میں لایا جاتا، آپ ﷺ اس کیلئے خیر وبرکت کی دعا فرماتے، اور کھجور یا اس جیسی کوئی چیز چبا کر اس کا لعاب اس کے منہ میں ڈال دیتے اور اس کے چبے ہوئے گودے کو اس کے تالو پر مل دیتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: لوگ اپنے بچوں کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا کرتے تھے تو آپ ﷺ ان کیلئے خیر وبرکت کی دعا فرماتے اور **تحنیک** فرماتے "وكان يؤتى بالصبيان فتبرّك عليهم ويحنّكهم" (۴)

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ وہ ہجرت سے پہلے مکہ میں حمل سے تھیں، جب ہجرت کر کے مدینہ آگئیں تو قباء میں ان کے

(۱) مصنف ابن أبي شيبة: ٢٥٩/٤

(۲) نيل الأوطار: ٣١/ ٢٧٤

(۳) المجموع للنووي: ٢٥٨/٨، تحفة المودود: ٣٩

(۴) صحيح مسلم: باب حكم بول الطفل الرضيع، حديث: ٢٨٦٨

بچے کی ولادت ہوئی اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے، کہتی ہیں کہ: میں بچے کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور میں نے اس کو آپ ﷺ کے گود میں رکھ دیا، آپ ﷺ نے چھوارے منگوائے اور اس کو چبایا، پھر اپنا لعابِ دہن اس کے منہ میں ڈالا، اور اس کے تالو پر ملا، پھر اس کیلئے دعا کی اور برکت سے نوازا " ثمّ حنّكه ثمّ دعا له وبرّك عليه "اور یہ اسلام میں پہلا بچہ تھا جو ہجرت کے بعد ایک مہاجر کے گھر پیدا ہوا۔(۱)

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ: تحنیک کرنے والا کوئی نیک صالح آدمی ہو، اگر مرد نہ ہو تو کوئی نیک عورت یہ کام انجام دے۔(۲)

احادیث میں بے شمار تحنیک کے واقعات منقول ہیں:

۳۔ عقیقہ

عربی زبان میں "عق" کے معنی کاٹنے کے آتے ہیں، عقیقہ میں ایک تو جانور ذبح کیا جاتا ہے اور دوسرے اس بچے کے بال کاٹے جاتے ہیں، اسی مناسبت کی وجہ سے عرب اس کو عقیقہ کہتے ہیں، دنیا کی سبھی قوموں اور ملتوں میں بچہ کے پیدا ہونے کو ایک نعمت اور خوشی کی بات تصور کیا جاتا ہے، اور کسی تقریب کے ذریعہ نہایت خوبصورت طریقے پر یہ بات ظاہر کی جاتی ہے کہ باپ اس بچہ کو اپنا ہی بچہ سمجھتا ہے، اس بارے میں اس کو اپنی بیوی پر کوئی شک وشبہ نہیں ہے، عربوں میں زمانہ جاہلیت ہی سے عقیقہ کا رواج تھا، دستور یہ تھا کہ پیدائش کے چند روز بعد نومولود کے سر کے وہ بال جو وہ ماں کے پیٹ سے لے کر پیدا ہوا ہے صاف کرا دیئے جاتے اور اس دن خوشی میں کسی جانور کی قربانی کی جاتی، اسلام نے بھی عقیقہ کے اس عمل کو باقی رکھا؛ چونکہ یہ اسلام اور شریعت کے مزاج ومذاق کے موافق تھا اور غالباً ملتِ ابراہیمی کی نشانیوں میں سے تھا، البتہ اسلام نے اس کے جاہلانہ رسوم کی اصلاح فرمائی۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ہم لوگوں کا یہ دستور تھا کہ

---

(۱) بخاري: باب تسمية المولود غداة، حديث:۵۱۵۲

(۲) المجموع للنووي: ۸/۵۸

جب کسی کے یہاں لڑکا پیدا ہوتا تو وہ بکری یا بکرا ذبح کرتا اور اس کے خون سے بچے کے سر کو رنگ دیتا، پھر جب اسلام آیا تو رسول اللہ ﷺ کی تعلیم وہدایت کے مطابق ہمارا یہ طریقہ ہوگیا کہ ہم ساتویں دن عقیقہ کی بکری یا بکرے کی قربانی کرتے ہیں اور بچے کا سر صاف کرا کے اس کے سر پر زعفران لگادیتے ہیں" فلمّا جاء الاسلام کنّا نذبح شاۃ یوم السابع وتخلّق رأسه ونلطّخه بزعفران " (۱)

عقیقہ کا حکم

عقیقہ فرائض وواجبات کی طرح کوئی لازمی چیز نہیں ہے؛ بلکہ اس کا درجہ استحباب کا ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے یہاں بچہ پیدا ہو تو اس کی طرف سے قربانی کرنا چاہئے، تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرے "من ولد له ولد فاحبّ ان ینسك عنه فلینسك عن الغلام شاتأن مکافئتان وعن الجاریة شاۃ " (۲)

اس روایت کے الفاظ "فأحبّ أن ینسك عنه" (اور اس کی طرف سے عقیقہ کرنا چاہئے)، اس کے مستحب ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

عقیقہ کے جانور

بہتر یہ ہے کہ لڑکے کیلئے دو بکرے اور لڑکی کیلئے ایک بکرے سے عقیقہ کیا جائے اور اگر وسعت نہ ہو تو لڑکے کیلئے ایک بھی کافی ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

مزید اس بارے میں ام کرز رضی اللہ عنہا کی بھی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ عقیقہ کے بارے میں فرمارہے تھے کہ: لڑکے کی طرف سے دو بکریاں کی جائیں

(۱) ابوداؤد: باب العقیقة: حدیث: ۲۸۴۳، ابن الملقن نے کہا ہے کہ: یہ حدیث صحیح ہے اس کو ابوداؤد، حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے: البدر المنیر: ۳۴۲/۹

(۲) ابوداؤد: باب العقیقة، حدیث: ۲۸۴۲، حاکم اور ذہبیؒ نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے: المستدرك: کتاب النکاح، حدیث: ۲۶۵/۴

اورلڑکی کی طرف سے ایک بکری "یقول عن الغلام شاتان مکافئتان وعن الجاریة شاة" (۱) اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ جانور نر ہو یا مادہ۔

آپ ﷺ نے ایک بکرے کے بھی جائز ہونے کو بتلانے کیلئے حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے عقیقے میں ایک ایک بکرے ہی کی قربانی دی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنے نواسوں) حسن وحسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ کیا اور ایک ایک مینڈھا ذبح کیا "عقّ عن الحسن والحسین کبشًا کبشًا" (۲)

ا۔ بہتر یہ ہے کہ جانوروں میں بکری کے ذریعہ عقیقہ کیا جائے

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی ایک بیوی نے بچے کی پیدائش پر اونٹ کی قربانی کی نذر مانی تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا: سنت پر عمل کرنا افضل ہے اور وہ یہ ہے کہ لڑکوں کی طرف سے دو، اور لڑکیوں کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے۔ (۳)

دیگر جانوروں اونٹ اور گائے سے بھی عقیقہ کیا جاسکتا ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من ولد له غلام فلیعقّ عنه من الابل أو البعیر أو الغنم "جس کے یہاں لڑکا پیدا ہو تو وہ اس کی جانب سے اونٹ، گائے یا بکری سے عقیقہ کرے۔ (۴)

---

(۱) ترمذی، الأضاحی: العقیقة، حدیث: ۱۵۱۳

(۲) ابوداؤد: کتاب العقیقة: حدیث: ۲۸٤۱، حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ: اس کو عبدالحق، ابن دقیق العید نے صحیح کہا ہے: التلخیص الحبیر: ٤/۳٦۳

(۳) مستدرك: کتاب الذبائح، حدیث: ۷۵۹۵، دار الکتب العلمیة، بیروت، حاکم اور علامہ ذہبی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

(۴) مجمع الزوائد: باب العقیقة، حدیث: ٦۱۹۵، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اس میں مسعدہ بن الیسع ہے اور وہ کذاب ہے، عراقی نے کہا ہے کہ: اس کو ابن حبان نے "الاضاحی" میں سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

بہر حال عقیقہ میں بکرا بکری یا مینڈھا ہی افضل ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ: عقیقہ میں اگر کوئی اونٹ ذبح کرے تو آپ کا کیا خیال ہے؟ انہوں نے فرمایا: سنت افضل ہے۔(۱) اور اس بارے میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں کہ قربانی کے جانور میں جو شرائط ہیں، عقیقہ کے جانور کے بھی وہی شرائط ہیں۔

دن کے اول حصہ میں ذبح کرنا مستحب ہے، عقیقہ کا گوشت کھانا، کھلانا، صدقہ کرنا، ہدیہ بھیجنا جائز ہے، مگر بیچنا جائز نہیں، ان احکام میں عقیقے اور قربانی میں کوئی فرق نہیں، اسی طرح کھال اور دوسری چیزوں کا بیچنا بھی جائز نہیں۔(۲)

عقیقہ کا گوشت

عقیقہ کا گوشت کھا بھی سکتے ہیں، کھلا بھی سکتے ہیں، اور صدقہ بھی کر سکتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے "فیأکل ویطعم ویتصدّق" پس کھائے اور کھلائے اور صدقہ کرے۔(۳)

۴۔ عقیقہ کب کیا جائے

عقیقہ بچے کی پیدائش کے ساتویں دن کرنا چاہئے، ساتویں دن نہ کر پائے تو چودھویں دن ورنہ اکیسویں دن کرے، ساتویں دن عقیقہ کے بارے میں مذکورہ ذیل روایت دلالت کرتی ہے۔

حضرت حسن بصریؒ نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر بچہ اپنے عقیقہ کے جانور کے عوض رہن ہوتا ہے، جو ساتویں دن اس کی طرف سے قربان کیا جائے اور اس کا سر مونڈھا جائے اور نام رکھا جائے، "كلّ غلام رهينة بعقيقته تُذبح عنه يوم سابعه ويحلّق ويسمّٰى" (۴)

---

(۱) العیال لابن ابی الدنیا: ۵۵

(۲) المجموع: ۲۵۱/۱۸

(۳) مسند اسحاق بن راهويه: ما يروى عن صفية بنت شيبة، حديث: ۱۲۹۲

(۴) ابو داؤد: باب العقیقۃ، حدیث: ۲۸۳۸، ابن الملقن کہتے ہیں کہ: امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے: البدر المنیر: ۳۳۴/۹

دیگر دنوں کا تذکرہ اس روایت میں ہے:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: عقیقہ ساتویں دن یا چودھویں یا اکیسویں دن کیا جائے گا " والعقيقة بسبع أو أربع عشرة أو احدى وعشرين " (۱)

لیث بن سعدؒ کہتے ہیں کہ: لڑکے کی جانب سے اس کی پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کیا جائے، اگر ساتویں دن عقیقہ نہ کر سکے تو اس کے بعد بھی عقیقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، سات دن کے بعد ہی عقیقہ کرنا کوئی ضروری نہیں ہے " فان لم يتهيأ لهم العقيقة في سابع فلا باس ان يعق عنه بعد ذلك وليس بواجب ان يعق عنه بعد سبعة أيام "

حضرت عطاؒ کہتے ہیں کہ اگر ساتویں دن عقیقہ نہ کر سکے تو اسے دوسرے ہفتہ تک مؤخر کیا جا سکتا ہے، یہی رائے امام احمدؒ، امام اسحاقؒ اور امام شافعیؒ کی ہے۔

ابن وھبؒ کہتے ہیں کہ: تیسرے ہفتہ میں بھی عقیقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عطاؒ، امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کی رائے یہی ہے۔

ان تمام اقوال کے ذکر کرنے کے بعد ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ " والظاهر انّ التقييد للاستحباب والّا ذُبح عنه في الرابع او الثامن او العاشر او ما بعده اجزات " (۲) یعنی سات دن، ایک ہفتہ یا دو ہفتے یا تین ہفتہ کی قید یہ وقت مستحب کو بتلانے کیلئے ہے، ورنہ تیسرے ہفتہ یا دسویں ہفتہ یا اس کے بعد بھی عقیقہ کرے تو کافی ہو جائے گا۔ بعض فقہاء کا کہنا ہے کہ: تین ہفتوں کے بعد استحبابی وقت ختم ہو جاتا ہے اب جب چاہے کرے۔ (۳)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب زمن العقيقة، حديث ۶۲۰۲، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اس میں اسماعیل بن مسلم المکی ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

(۲) تحفة المودود بأحكام المولود: ۴۶، مكتبة القرآن، القاهرة

(۳) المجموع للنووي: ۸/ ۲۵۰

یہ تو ہوا سنت اور مستحب وقت؛ لیکن عقیقے کا وقت تو پیدائش کے بعد سے بلوغ تک رہتا ہے، پیدائش سے لے کر بلوغ تک کسی بھی وقت عقیقے کی نیت سے ذبح کرے تو عقیقہ کی سنت ادا ہو جائے گی جیسا کہ تمام فقہاء کی صراحت ہے، بلوغ کے بعد والد کا ذمہ ساقط ہو جاتا ہے، اس کے بعد خود وہ سنت کی ادائیگی کیلئے اپنی جانب سے عقیقہ کرے۔

مشہور تابعی ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ: اگر مجھے معلوم ہو کہ میرا عقیقہ نہیں ہوا تو میں خود اپنا عقیقہ کرتا، حضرت حسن بصریؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ: اگر تمہارا عقیقہ نہیں ہوا تو تم خود اپنا عقیقہ کرو، اگرچہ تمہاری عمر زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔(۱)

۳۔ بال مونڈھنا

بچے کے متعلق ایک حکم یہ بھی ہے کہ ساتویں دن اس کے سر کے بال مونڈھے جائیں اور بال کے ہم وزن چاندی محتاجوں پر صدقہ کر دی جائے، یہ حکم بطورِ استحباب کے ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے عقیقہ میں ایک بکری کی قربانی کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنی صاحبزادی) فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ: اس کا سر صاف کر دو، بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کر دو، ہم نے وزن کیا تو وہ ایک درہم کے برابر یا اس سے بھی کچھ کم تھے "یا فاطمة! احلقي راسه وتصدّقي بزنة شعره فضّة" (۲)

بال ادھر ادھر نہ ڈالے جائیں؟ بلکہ زمین میں دفن کئے جائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ کا ساتویں دن عقیقہ کرنے کے بعد سر منڈوایا اور بال کے ہم وزن چاندی مسکینوں کو دی اور بال زمین میں دفن کرنے کا حکم دیا۔(۳)

لڑکی اور لڑکے دونوں کے بال مونڈھے جائیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے

---

(۱) المحلی لابن حزم: ۳۲۲/۸

(۲) ترمذی: باب العقیة، حدیث: ۱۵۱۹، امام ترمذی نے کہا ہے کہ: اس کی سند حسن اور غریب ہے اور اس کی سند متصل نہیں ہے۔

(۳) تحفة المودود: ۹۴–۹۵

تمام بچوں حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ، زینت رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے بال منڈوائے اور اس کے ہم وزن چاندی صدقہ دیا تھا " فتصدّقت بزنة ذلك فضّة " (۱)

جس بچے کے بال منڈوائے جائیں تو اس کے بال کے ہم وزن چاندی صدقہ کرنا بھی مستقل سنت ہے، اگر چاندی کے بجائے اس کے برابر روپیئے صدقہ کرے تو یہ سنت ادا ہوجائے گی؛ بلکہ اس زمانہ میں یہی بہتر معلوم ہوتا ہے، زمانہ قدیم میں سکے چاندی یا سونے کے ہوتے تھے اس لئے اب اس کے بدل روپیئے دینا مقصود ہے، جیسا کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں گذرا۔

۴۔ نام رکھنا

پیدائش کے ساتویں دن بچے کا نام رکھ دینا چاہئے، بعض احادیث میں اس کا ذکر ہے جیسا کہ گذرا، ویسے بہتر یہ ہے کہ ولادت کے دن ہی نام رکھ دیں۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر (بچہ) اپنے عقیقہ کے بدلے گروی ہے (اس کی پیدائش کے) ساتویں دن اس کے عقیقہ کیلئے (جانور) ذبح کیا جائے (ساتویں ہی دن) اس کا نام رکھا جائے اور اس کا سر مونڈا جائے، "ویسمی ویحلق رأسه" (۲)

قیامت میں اس کا نام باپ کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا " انکم تدعون یوم القیامة بأسمائکم، وأسماء ابائکم" (۳)

---

(۱) موطا مالك: كتاب العقيقة: باب ما جاء في العقيقة، حديث: ۱۸۳۹

(۲) بخاری: باب إمامة الأذى عن الصبي في العقيقة، حديث: ۵۱۵۵

(۳) ابوداؤد: باب في تغيير الاسماء حديث: ۴۹۴۸، علامہ عراقی فرماتے ہیں کہ: اس کی ابوداود نے تخریج کی ہے، نووی نے اس کو جید الاسناد کہا اور بیہقی نے کہا ہے کہ: یہ مرسل ہے: تخريج احاديث الاحياء: ۴۹۴/۱، دار ابن حزم، بيروت

چنانچہ حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے کی ولادت کے بعد خدمتِ والا میں لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت ان کا نام "منذر" رکھا "ولكن اسمه المنذر" (۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی پیدائش رات میں ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات میرے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے اور میں نے اس کا نام اپنے باپ کے نام پر "ابراہیم" رکھا ہے۔(۲)

نام سے چونکہ مذہب، فکر اور عقیدہ کا اظہار ہوتا ہے؛ اس لئے وہ بامعنی اور اچھے رکھے جائیں، اور خصوصاً نام کی تاثیر بچوں پر ہوتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باپ پر بچے کا یہ بھی حق ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو حسنِ ادب سے آراستہ کرے "حق الولد على الوالد ان يحسن اسمه ويحسن ادبه" (۳)

اور ایک روایت میں ہے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن تم اپنے اور اپنے آباء کے ناموں کے ساتھ پکارے جاؤ گے (یعنی پکارا جائیگا فلاں بن فلاں) لہٰذا تم اچھے نام رکھا کرو، "تدعون يوم القيامة باسمائكم واسماء آبائكم فاحسنوا اسماءكم" (۴)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے نام پسند فرماتے تھے جس میں اللہ کی بندگی اور اس کی عبدیت کا اظہار ہوتا ہو، جیسے عبد اللہ، عبد الرحمٰن وغیرہ، چنانچہ مسلم کی روایت میں ہے: حضرت

---

(۱) بخاری: باب تحويل الاسم الى اسم، حدیث: ۵۷۳۸

(۲) الطبقات الكبرى: ذكر ابن رسول الله: ۱/۱۳۵، دار صادر، بيروت

(۳) كنز العمال: برّ الأب من الكمال، حديث: ۴۵۵۱۲، بیہقی نے شعب الایمان میں کہا ہے کہ: اس کے راوی محمد بن فضیل ضعیف ہیں۔

(۴) ابو داؤد: باب في تغيير الأسماء، حديث: ۴۹۴۸، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو ابو داؤد، ابن حبان نے اپنی صحیح میں عبد اللہ بن ابو زکریا سے روایت کیا ہے اور عبد اللہ بن زکریا سے اور یہ عابد بزرگ تھے، لیکن انہوں نے ابو الدرداء سے سنا نہیں ہے: الترغیب: حدیث: ۳۰۲۸

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے ناموں میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ''عبداللہ'' اور ''عبدالرحمٰن'' ہے " انّ احبّ اسماء کم الی اللّٰہ " (۱)

اور ایک روایت جو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ ''تم انبیاء کے ناموں پر نام رکھا کرو'' "سمّوا باسماء الانبیاء " (۲)

چونکہ اس سے بھی انبیاء علیہم السلام کی جانب اپنی نسبت کا اظہار ہوتا ہے، آپ ﷺ نے بھی اپنے لڑکے کا نام حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے نام پر ''ابراہیم'' رکھا۔

آپ ﷺ نے ایسے ناموں میں تبدیلی فرمائی ہے جن سے غلط عقیدہ و بدشگونی وغیرہ کا اظہار ہوتا تھا......آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک لڑکی کا نام بدل کر ''عاصیہ'' سے ''جمیلہ'' رکھا "انّ النبی غیّر اسم "عاصیة " وقال: انتِ "جمیلة " (۳)

اور ایک روایت میں ہے حضرت سعید بن المسیبؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا کیا نام ہے؟ تو انہوں نے کہا: ''حزن'' (سخت زمین) آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں تم ''سھل'' ہو، قال: " أنت سھل " (۴)

اسی طرح آپ ﷺ نے ایسے نام رکھنے سے بھی منع فرمایا ہے جس سے اللہ کو موسوم کیا جاتا ہو، ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں آئے جن کو لوگ ان کے درمیان صحیح فیصلہ کرنے کی وجہ سے ''ابوالحکم'' کہا کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس نام پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ: ''حکم'' تو ذاتِ خداوندی ہے، پھر بیٹے کی طرف نسبت کرکے ان کا نام

(۱) مسلم : باب النھی عن التکنی بأبی القاسم ، حدیث : ۲۱۳۲
(۲) ابوداؤد: باب في تغییر الأسماء، حدیث: ۴۹۴۹، بوصیری نے ''زوائد: ۱۳۳/۵'' کہا ہے کہ: اس سند کے روات ثقہ ہیں۔
(۳) ترمذی: باب فی تغییر الأسماء : حدیث: ۲۸۳۸، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور غریب کہا ہے
(۴) بخاری: باب اسم الحزن، حدیث: ۵۸۳۶

"ابوشریح" رکھا، "قلتُ لی "شریح" و"مسلم" "عبدالله" قال: من أکبرهم؟ قلتِ:"شریح" قال:فأنت "ابو شریح" میں نے کہا:میرے تین بیٹے "شریح" "مسلم" اور "عبداللہ" ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ان میں سے بڑا کون ہے؟ تو انہوں نے کہا: "شریح" تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم "ابوشریح" ہو۔(۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے یہاں مبغوض ترین اور بدترین انسان وہ ہوگا جو اپنا نام "ملك الأملاك" (شہنشاہ) رکھے "انّ أخنع اسم عند الله رجل تسمّى ملك الأملاك" (۲)

آپ ﷺ نے ایسے نام رکھنے سے بھی منع فرمایا ہے کہ اگر ان کو پکارا جائے اور وہ غیر موجود ہوں تو اس سے بظاہر بدشگونی معلوم ہوتی ہو جیسے کسی کا نام "یسار" جس کے معنی آسانی کے ہیں اب اس کے بارے میں کہیں ("یسار" نہیں ہے) تو اس کا ظاہری مطلب یہ ہوگا کہ آسانی نہیں ہے، ایسے چار ناموں کا حدیث میں ذکر آیا ہے۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے غلام کے یہ نام رکھنے سے منع فرمایا ہے "افلح" "یسار" "نافع" اور "رباح" "نهى رسول الله أن نُسمّى رقيقنا أربعة أسماء: "افلح" "يسار" و"نافعًا" "رباحًا" (۳)

اور ایک روایت میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں "ان عشتُ أنهى أمّتى أن يُسمّوا نافعًا وأفلح، وبركة" (۴)

اگر میں بقیدِ حیات رہا تو اپنی امت کو ان ناموں کے رکھنے سے منع کروں گا، "نافع" "افلح" "برکۃ"۔

---

(۱) ابوداؤد: باب فی تغییر الاسم القبیح، حدیث:۴۹۵۵، البانی نے اس کو صحیح کہا ہے۔
(۲) مسلم: باب استحباب تغیر الاسم القبیح، حدیث:۲۱۴۳
(۳) مسلم: کتاب الأدب، باب کراهة التسمیة بالأسماء: حدیث:۲۱۳۶
(۴) ابوداؤد: فی تغییر اسم القبیح، حدیث: ۴۹۶۰، البانی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

آپ ﷺ نے ایسے نام رکھنے سے منع فرمائے ہیں جس سے اپنی پاکیزگی اور برأت کا اظہار ہوتا ہو۔

حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک عورت سے پوچھا: تم نے اپنی لڑکی کا کیا نام رکھا ہے؟ اس نے کہا: "برّۃ" "نیکوکار" تو انہوں نے کہا: حضورِ اکرم ﷺ نے اس نام کے رکھنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا: "ولا تزکّوا أنفسکم واللّٰہ أعلم وأھل البرّ منکم" (۱) تم اپنے آپ کی پاکیزگی کا اظہار مت کرو، اللہ تعالیٰ تم میں سے نیکوکار کو جانتا ہے؛ بلکہ نام "زینب" رکھو۔

ختنہ کے احکام ومسائل

ختنہ درحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، اسی سال کی عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے ختنہ کیا تھا "اختتن ابراھیم بعد ثمانین سنۃ" (۲)

اس کے بعد ملتِ ابراہیمی کی دونوں شاخوں یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام دونوں کی اولاد میں یہ طریقہ جاری رہا، رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو آپ نے بڑی تاکید سے اس کا حکم دیا اور اس کو خصالِ فطرت (یعنی فطرت کی عادتوں) میں شمار کیا، ایک مشہور حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں، ختنہ کرنا، زیرِ ناف کے بال مونڈھنا، بغل کے بال اکھاڑنا، ناخن تراشنا، مونچھیں کاٹنا "الفطرۃ خمس: الختان، والاستحداد، ونتف الابط وقص الشارب" (۳)

اسی تاکیدی حکم کی بنا پر امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اس کو واجب کہتے ہیں، مشہور تابعی حضرت حسن بصریؒ اور ائمہ اربعہ میں سے امام ابوحنیفہؒ نے اس کو سنت کہا ہے اور جو حضرات اس کو سنت کہتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے:

حضرت شداد بن اُوس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ "الختان سنۃ

(۱) مسلم : باب استحباب تغییر الاسم : حدیث : ۲۱٤۲
(۲-۳) بخاری: باب الختان بعد الکبر ونتف الابط، حدیث: ٥۹۲٦

للرجال ، ومكرمة للنساء " ختنہ یہ مردوں کیلئے سنت ہے اور عورتوں کیلئے اچھی چیز ہے۔(۱) ان کے یہاں بھی یہ عام سنت نہیں، بلکہ تاکیدی سنت ہے۔(۲)

ختنہ کا وقت

ختنے کا وقت یوں تو پیدائش سے بلوغ تک ہے، بلوغ سے پہلے ختنہ واجب نہیں، البتہ کس عمر میں مستحب ہے؟ بہت سے علماء نے ساتویں دن ختنہ کرنا مستحب قرار دیا ہے۔(۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ساتویں دن حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا ختنہ کیا " انه سمّي الحسن يوم سابعه " (۴)

مشہور فقیہ امام لیث بن سعد مصری اور متاخرین احناف کہتے ہیں کہ بچے کا ختنہ سات سال کی عمر میں کرنا چاہئے۔(۵)

بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سات سال کی عمر سے پہلے اس سے فارغ ہو جائے، اس لئے کہ حدیث میں ہے کہ سات سال کی عمر میں بچے کو نماز کا حکم دو، اگر یہ نہ ہوسکے تو دس سال سے پہلے ختنہ ضرور کرنا چاہئے، البتہ طبی نقطۂ نظر سے ختنے کا بہترین وقت پیدائش کا پہلا ہفتہ ہے، اس لئے کہ عضوِ تناسل کی وہ کھال جو ختنے میں کاٹی جاتی ہے، اس وقت چھوٹی اور نرم ہوتی ہے اور اس کا کاٹنا آسان ہوتا ہے، زیادہ خون نہیں بہتا، اور زخم جلد مندمل ہو جاتا ہے۔

ختنے کی دعوت

ختنے کے موقع پر دعوت کرنا اور اس کا قبول کرنا جائز؛ بلکہ مستحب ہے، امام نوویؒ (۶) اور ابن قدامہؒ (۷) نے اس دعوت کو مستحب لکھا ہے۔

---

(۱) مسند احمد: حديث أسامة الهذلي، حديث: ۲۰۷۳۸

(۲) الدر مع الرد: ۱/ ۴۸۰

(۳) المجموع : ۱/ ۱۶۶

(۴) السنن الكبرى للبيقهي : باب ما جاء في وقت العقيقه: حديث: ۱۹۲۹۵

(۵) التمهيد: ۲۱/ ۶۰

(۶) شرح مسلم: ۹/ ۲۱۶

(۷) المغني: ۱۰/ ۲۷

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بچوں کے ختنے کے موقع پر دعوت کیا کرتے تھے، " کان ابن عمر رضی اللہ عنه یُطعم علی الختان "اور ختنے کی دعوت میں کوئی بلاتا تو اس کو قبول کرتے تھے" یجیب دعوة صاحب الختان الی طعامه " (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے مشہور فقیہ قاسم ابن محمد بن ابی بکر فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سو درھم یہ کہہ کر میرے پاس بھجوائے کہ اپنے بیٹے کے ختنہ کے موقع پر اس سے دعوت کرنا " أرسلت الیّ عائشة بمائة درهم فقالت: اطعم بها علی ختان ابنك " (۲)

حضرت عثمان ابن العاص رضی اللہ عنہ کے ختنہ کی دعوت میں جانے سے انکار کی جو روایت ہے اس کی صحیح صورتحال طبرانی کی روایت سے معلوم ہوتی ہے، انہیں جب معلوم ہوا کہ یہ لڑکی کا ختنہ ہے تو انہوں نے کہا: یہ چیز (لڑکے کے ختنے کی دعوت) تو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بہت تھی، پھر انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا۔(۳)

حافظ ابن حجر نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ لڑکے کے ختنے کا اظہار اور لڑکی کے ختنے کا اخفاء مسنون ہے۔(۴)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ختنہ کی دعوت کے اہتمام کا عدم جواز نقل کیا ہے: فرماتے ہیں:

لوگوں کو آدمی اور خطوط بھیج کر بلانا اور جمع کرنا جو بالکل خلاف سنت ہے، مسند احمد حسن سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو کسی نے ختنہ میں بلایا، آپ نے تشریف لے جانے سے انکار فرمایا، آپ سے اس کی وجہ دریافت کی گئی، آپ نے جواب دیا کہ عہد رسول ﷺ میں نہ جاتے تھے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس امر کا اعلان ضروری نہیں،

(۱) العیال لابن أبی الدنیا: باب الختان، حدیث: ۵۸۵، دار ابن قیم، بیروت
(۲) العیال لابن ابی الدنیا: باب الختان، حدیث: ۵۸۶، دار ابن قیم، الدمام
(۳) المعجم الکبیر: ۱۳۸۲،۵۷/۹
(۴) فتح الباری: ۳۹۹/۱۳

اس کیلئے لوگوں کو جمع کرنا، بلانا خلافِ سنت ہے، اس میں بہت سی رسمیں آگئیں، جن کیلئے لمبے چوڑے اہتمام ہوتے ہیں۔(۱)

بچوں کی پرورش کے احکام

حضانت (یعنی بچے کی دیکھ بھال، حفاظت اور پرورش) واجب ہے، اس لئے کہ اس کے بغیر بچہ زندہ نہیں رہ سکتا، اور بچے کو ضائع ہونے سے بچانا ضروری ہے، حضانت کی سب سے زیادہ حق دار ماں ہے، جب اس کے اندر حضانت کے شرائط پائے جائیں، تو اس سے بچے کو چھیننے کا کسی کو حق نہیں، بلکہ اگر میاں بیوی کے درمیان علاحدگی بھی ہو جائے تب بھی بچے کی حضانت کا حق ماں ہی کا ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک خاتون نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرا یہ بیٹا جس کیلئے میرا پیٹ ظرف میری چھاتی مشک اور میری گود جس کیلئے پناہ تھی، اس کے والد نے مجھے طلاق دی ہے اور چاہتے ہیں کہ اس کو مجھ سے چھین لیں، حضور ﷺ نے اس عورت سے فرمایا: تجھے اس کو لینے کا زیادہ حق ہے جب کہ تو دوسرا نکاح نہ کرے۔(۲)

اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ میاں بیوی کی جدائی کے وقت بچہ ہے تو اس کی پرورش ماں کا حق ہے جب تک کہ دوسرا نکاح نہ کرلے۔(۳)

پرورش کی اُجرت

احناف کے یہاں اگر وہ ماں ہے اور اس کے باپ کے نکاح میں یا اس کی عدت میں ہے تو ماں کو پرورش کی اجرت نہیں ملے گی اور عدت گذرنے کے بعد اجرت کی مستحق ہوگی

---

(۱) اصلاح الرسوم:۴۸، دارالاشاعت، کراچی

(۲) ابوداؤد، حدیث: ۲۲۷۶

(۳) الاجماع لابن المنذر: ۴۳

اور اگر یہ بچے کی ماں نہیں ہے تو اجرت ملے گی جیسے کسی کام پر اجرت ملتی ہے اور رضاعت کی اجرت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا؛ بلکہ یہ مستقل اجرت ہوگی۔(۱)

جب بچہ سنِ تمیز کو پہنچے یعنی خود سے کھائے، خود سے پاکی حاصل کرے اور خود کپڑا پہن سکے جس کو عموماً سات سال کے ساتھ مقید کیا گیا ہے، تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ: پرورش کا زیادہ حق دار باپ ہوگا، بچے کو اختیار نہیں دیا جائے گا؛ اس لئے کہ اس کے قول کا کوئی اعتبار نہیں۔(۲)

نہ اس کی حقیقی خواہش اور مرضی کا پتہ چل سکتا ہے، ہوسکتا ہے کہ جہاں اس کو کھیل کی آزادی ہو، زیادہ ڈانٹ ڈپٹ نہ کیا جائے، اس کو وہ اختیار کرے جو اس کے بگاڑ کی وجہ بن جائے اور پھر اس کو جو باتیں سیکھنے ہیں وہ باپ اچھی طرح سکھا سکتا ہے اگر لڑکی ماں یا نانی کی پرورش میں ہے تو بلوغ تک اسی کے پاس رہے گی، اس لئے کہ سن شعور کے بعد اس کو عورتوں کے مسائل سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اور باپ کے مقابلے میں ماں یا نانی ہی اس کو بہتر طریقہ پر سکھا سکتی ہے، اور بلوغ کے بعد باپ کے پاس جائے گی، اسلئے کہ اس وقت اس کی حفاظت اور صحیح نگرانی کی ضرورت ہے، اور باپ یہ کام بہتر طریقہ پر انجام دے سکتا ہے۔(۳)

بچے کا نفقہ

بچہ کا نفقہ اس کے کھانے کپڑے وغیرہ کا خرچ باپ کے ذمہ لازم ہے، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جب ہند بنت عتبہ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے شوہر ابوسفیان کی شکایت کی کہ وہ بخل سے کام لیتے ہیں اور مجھے اتنا نہیں دیتے جو مجھے اور میرے بچوں کیلئے کافی ہو جائے، مگر میں ان کے علم کے بغیر ان سے لے لیتی ہوں؟ حضور ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: جو تمہیں اور تمہارے بچوں کو کافی ہو جائے، قاعدے کے مطابق اتنا لے لو"۔خذي أنت وبنوك ما يفيك بالمعروف" (۴)

---

(۱) الدر مع الرد: ۲۵۹/۵ (۲) بدائع: ٦٤/٤ (۳) بدائع: ٦٢/٤-٦٣

(۴) بخاری: باب من أجری أمر الأنصا، حدیث: ۲۰۹۷

بچوں کی تربیت کے یہ اصول بھی ملحوظ رہیں

☆ ساتویں دن ختنہ بھی کرادیں، لیکن کسی وجہ سے نہ کرائیں تو سات سال کے اندر ضرور کرادیں، ختنہ یہ اسلامی شعار ہے۔

☆ جب بچہ بولنے لگے تو اس کو " لا الٰہ الّا اللّٰہ " سکھائیں (یا کم از کم لفظِ اللہ زبان سے نکلوائیں)۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: جب تمہاری اولاد بولنے لگے تو اس کو "لا الہ الا اللّٰہ" سکھاؤ، پھر مت پرواکرو کہ کب مرے، اور جب دودھ کے دانت گر جائیں تو نماز کا حکم دو "اذا أفصح أولادکم فعلّموھم لا الٰہ الّا اللّٰہ ثمّ لا تبالوا متی ماتوا"(۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبیٔ پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تمہارے بچوں کو پہلا کلمہ " لا الٰہ الّا اللّٰہ " کے ذریعہ (یعنی اپنے بچوں کے بات کرنے کی ابتداء) سے کرواور موت کے وقت " لا الٰہ الّا اللّٰہ " کی تلقین کرو، اس لئے کہ جس کا پہلا بول "لا الٰہ الّا اللّٰہ" اور آخری بول بھی "لا الٰہ الّا اللّٰہ "ہو، پھر وہ ہزار سال بھی جی کر مرجائے تو ایک گناہ کا بھی اس سے سوال نہ ہوگا " ثمّ عاش الف سنۃ ما سُئل عن ذنب واحد " (۲)

☆ بچوں کو حرام وحلال کی تعلیم دیں، تاکہ جیسے بچے کو شعور آئے تو اللہ عزوجل کے احکام پر عمل پیرا ہونا شروع کردے اور اللہ عزوجل کے نواہی سے اجتناب کرنے والا بن جائے، اس اسلامی احکام اس کی گھٹی میں پڑجائیں گے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے " اللہ عزوجل کی اطاعت کرواور اس کی نافرمانی سے بچو، اور اپنی اولاد کو مامورات کا حکم کرو

(۱) کنز العمال: الفرع الثانی فی الأمر بالصلاۃ، حدیث: ۴۵۳۲۸
(۲) شعب الإیمان: باب الستون من شعب الإیمان، حدیث: ۸۶۴۹

اور منہیات سے روکو؛ چونکہ یہ ان کے اور تمہارے لئے جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ ہے" فذلك وقاية لهم ولكم من النار" (۱)

☆ اولاد کو ادب واخلاق کی تعلیم دے، اور انہیں دین دار بنا کر ان کو جہنم کا ایندھن بنانے سے بچالے:" يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا "(۲) مومنو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے۔

حضرت ایوب رضی اللہ عنہ اپنے والد اور اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی باپ نے اپنی اولاد کو اچھی تعلیم وتربیت سے بہتر کوئی تحفہ نہیں دیا "ما نحل والد ولدًا من نحل افضل من ادب حسن" (۳)

حضرت عثمان حاطبی کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سنا وہ ایک آدمی سے فرما رہے تھے، اپنے بیٹے کو ادب سکھا، اس لئے کہ قیامت میں تجھ سے پوچھا جائے گا کہ تو نے اس کو کیا ادب سکھایا اور کیا علم سکھایا؟ اور اس بچے سے پوچھا جائے گا کہ تو نے اپنے باپ کے ساتھ کتنا حسن سلوک کیا اور اس کی کتنی اطاعت کی" ادب ابنك فإنك مسئول عن ولدك ماذا أدبته وماذا علمته وأنه مسئول عن برك و طواعيته لك" (۴)

☆ بچوں کو غض بصر (نگاہیں نیچی رکھنے) اور شرم گاہ کی حفاظت کی تاکید کریں۔

حضرت فضل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مزدلفہ سے منی کی طرف واپسی پر نبی ﷺ کا ردیف تھا، ابھی آپ ﷺ چل ہی رہے تھے کہ ایک دیہاتی اپنے پیچھے اپنی ایک خوبصورت بیٹی کو بٹھا کر لے آیا، وہ نبی ﷺ سے باتوں میں مشغول ہو گیا اور میں اس لڑکی کو دیکھنے لگا،

---

(۱) تربية الأولاد في الإسلام: ۱/۱۵۹، ناصح علوان
(۲) التحريم: ٦
(۳) ترمذی: باب ماجاء في أدب الولد، حديث: ۱۹۵۲
(۴) شعب الايمان: الستون من شعب الايمان، حديث: ۸٦٦۲

نبی ﷺ نے مجھے دیکھ لیا اور میرے چہرے کا رخ اس طرف سے موڑ دیا، میں نے دوبارہ اس کی طرف دیکھنا شروع کر دیا، نبی ﷺ نے پھر میرے چہرے کا رخ بدل دیا "فقلب وجهي عن وجهها" تین مرتبہ اسی طرح ہوا لیکن میں باز نہ آتا تھا، اور نبی ﷺ جمرہ عقبہ کی رمی تک مسلسل تلبیہ پڑھتے رہے۔(۱)

☆ ان کی غلطیوں اور خطاؤں پر تنبیہ کرتا رہے:

حضرت رافع بن عمر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بچپن میں میں اپنے یا فرمایا انصار کے کھجور کے درختوں پر پتھر مارتا تھا مجھے نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، فرمایا: اے لڑکے (ایک روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا بیٹا) تم درختوں پر سنگباری کیوں کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ پھل کھاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آئندہ سنگباری مت کرنا اور جو خود نیچے گر جائے وہ کھا سکتے ہو" وكل ما يسقط في أسافلها " پھر آپ ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا، اور فرمایا اے اللہ اس کا پیٹ بھر دے۔(۲)

☆ بچوں کو اخلاق کی تعلیم دیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے بیٹے! تمہیں اگر اس بات کی قدرت ہو کہ تم صبح وشام اس حال میں کرو کہ تمہارے دل میں کسی کیلئے کھوٹ نہ ہو تو اس طرح کرو، "إن قدرت أن تصبح و تمسي وليس في قلبك غش لأحد، فافعل" پھر فرمایا: اے بیٹے! یہ میری سنت ہے اور جو میری سنت کو زندہ کرے تو اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی تو وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔(۳)

---

(۱) مسند احمد، مسند فضل بن عباس، حدیث: ۱۷۰۹

(۲) سنن ابن ماجة : باب من مر علي ماشية قوم، حديث: ۲۲۹۹

(۳) سنن الترمذي : باب الأخذ بالسنة واجتناب البدع، حديث: ۲۶۷۸، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

نبی کریم ﷺ بچوں کو رازوں کے پوشیدہ رکھنے کی تعلیم دیتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے مجھے اپنی سواری میں پیچھے سوار کر لیا اور مجھ سے کوئی راز کی بات کہی کہ میں اس کا افشاء کسی کے سامنے نہ کروں" فأسر إلى حديثا لا أحدث به أحدا من الناس " (۱)

اس کے علاوہ مختلف مواقع ہیں جہاں موقع بموقع نبی کریم ﷺ بچوں کو ہر عمل کے اخلاق و آداب کی تعلیم دیتے تھے۔

حضرت عمر بن ابی سلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں اپنے لڑکپن میں حضور اکرم ﷺ کے زیر تربیت تھا، میرا ہاتھ کھانے کے دوران برتن میں گردش کر رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے بچے! اللہ کا نام لے اور داہنے ہاتھ سے کھا اور اپنے قریب سے کھا "يا غلام سم الله وكل بيمينك وكل مما يليك" پھر اس کے بعد میں حضور اکرم ﷺ کی ہدایت کے مطابق کھانے لگا۔ (۲)

آل نبی ﷺ کیلئے چونکہ صدقہ کا کھانا جائز نہیں ہے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے لڑکپن میں صدقہ کا کھجور لے کر منہ میں ڈالا ہی تھا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: " کخ، کخ " تھوک دو، پھر فرمایا: کیا تمہیں پتہ نہیں ہے کہ ہم آلِ رسول صدقہ نہیں کھاتے۔ (۳)

نبی کریم ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان کے لڑکپن میں تہجد کی ترغیب دلاتے ہوئے نہایت ہی مشفقانہ جملہ فرمایا: " نعم الرجل عبد الله لو كان يصلي من الليل " عبد اللہ اگر تہجد کے پابند ہوتے تو کیا ہی اچھے آدمی شمار ہوتے، پھر اس کے بعد حضرت عبد اللہ نے تہجد کی پابندی شروع کر دی۔ (۴)

---

(۱) ابوداؤد: باب ما يؤمر به من القيام على الدواب والبهائم، حديث: ۲۵۵۱

(۲) بخاری: التسمية على الطعام، حديث: ۵۰۶۱

(۳) بخاری: باب ما يذكر في الصدقة، حديث: ۱۴۲۰

(۴) بخاری: باب فضل قيام الليل، حديث: ۱۰۷۰

نبی کریم ﷺ کھانے کے شروع میں بسم اللہ کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم نبی ﷺ کے ساتھ کھانا کھاتے تھے تو ہم اپنے ہاتھوں کو (کھانے میں) اس وقت تک نہیں ڈالتے تھے جب تک کہ رسول اللہ ﷺ شروع نہ فرماتے اور اپنا ہاتھ مبارک نہ ڈالتے کہ ایک مرتبہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ کھانا کھانے میں موجود تھے کہ اچانک ایک لڑکی آئی گویا کہ اسے کوئی ہانک رہا ہے وہ اپنا ہاتھ کھانے میں ڈالنے لگی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا پھر ایک دیہاتی آدمی دوڑتا ہوا آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس دیہاتی کا بھی ہاتھ پکڑ لیا پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیطان اپنے لئے ایسے کھانے کو حلال کر لیتا ہے کہ جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے چنانچہ شیطان اس لڑکی کو لایا تاکہ وہ اپنے لئے کھانا حلال کرے تو میں نے اس لڑکی کا ہاتھ پکڑ لیا پھر وہ شیطان اس دیہاتی آدمی کو لایا تاکہ وہ اس کے ذریعہ سے اپنا کھانا حلال کرے تو میں نے اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا (پھر آپ ﷺ نے فرمایا) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ شیطان کا ہاتھ اس لڑکی کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے

”وإنه جاء بهذه الجارية لستهل فأخذت بيدها“ (۱)

آپ ﷺ راستے میں گذرتے ہوئے بچوں کو سلام کرتے تھے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بچوں کے پاس سے گزرے تو ان کو سلام کیا اور کہا کہ نبی ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔ (۲)

اسی طرح نبی کریم ﷺ بچوں کو گھر جانے پر سلام کا طریقہ سکھلاتے ہیں:

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میرے بیٹے جب تم اپنے گھر والوں سے ملو تو سلام کرو، وہ سلام تم پر اور تمہارے گھر والوں پر خیر و برکت کے نزول کا باعث ہوگا۔ (۳)

---

(۱) مسلم: باب آداب الطعام والشراب، حديث: ۲۰۱۷
(۲) بخاری: باب التسليم على الصبيان، حديث: ۵۸۹۳
(۳) ترمذی: باب التسليم إذا دخل بيته، حديث: ۲۶۹۸

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے بچوں کو یہ بھی تعلیم دی کہ بڑے موجود ہوں تو ان کو بات کرنے کا موقع دیا جائے، خود اقدام نہ کریں۔

حضرت عبدالرحمٰن ابن سہل رضی اللہ عنہ (جو مقتول کے حقیقی بھائی تھے) اور مسعود کے دونوں بیٹے حویصہ اور محیصہ (جو مقتول کے چچا زاد بھائی تھے) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے عزیز مقتول کے بارے میں مقدمہ پیش کیا، جب عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی ابتدا کی (جو مقتول کے حقیقی بھائی تھے اور) تینوں میں سب سے چھوٹے تھے تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اپنے بڑے کی بڑائی کو ملحوظ رکھو "کبر کبر" یعنی تم تینوں میں جو شخص سب سے بڑا ہے اس کو گفتگو کی ابتدا کرنے دو۔ (۱)

ایسے بچوں کو تعلیم دی کہ وہ بڑوں کو سلام کریں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا چھوٹا بڑے کو "یسلم الصغیر علی الکبیر" گزرنے والا بیٹھنے والے کو اور کم تعداد والے زیادہ تعداد والوں کو سلام کریں۔ (۲)

ایک شخص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے یہاں اپنے بیٹے کی نافرمانی کی شکایت لے کر آیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لڑکے کو بلایا اور اس کی نافرمانی پر تنبیہ کی اور باپ کے حق کی عدم ادائیگی پر متنبہ کیا، تو لڑکے نے کہا: امیر المومنین، کیا باپ کے بیٹے پر حق نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں، اس نے کہا: امیر المومنین! وہ حقوق کیا ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کی ماں بہترین تلاش کرے، اس کا نام بہتر رکھے، اور اس کو قرآن سکھائے، لڑکے نے کہا: امیر المؤمنین میرے باپ نے یہ سب کچھ نہیں کیا، میری ماں بھی مجوسیہ ہے، اس نے مجھے کتاب اللہ کا کوئی حرف نہیں سکھایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس آدمی کی طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا: تم اپنے بیٹے کی نافرمانی کی شکایت لے کر آئے ہو، اور تمہارے اس کی

---

(۱) بخاری: باب الموادعة والمصالحة مع المشركين، حديث: ۳۰۰۲
(۲) بخاری: باب يسلم الصغير على الكبير، حديث: ۵۸۸۰

نافرمانی کرنے سے پہلے تم نے اس کے حقوق سے چشم پوشی کی، اور اس کے تمہارے ساتھ برے سلوک سے پہلے تم نے اس کے ساتھ برا سلوک کیا۔(۱)

حضرت مولانا ابوالحسن ندویؒ کی والدہ محترمہ فرماتی ہیں کہ: ''بچوں کی تعلیم کی ابتداء اللہ کے نام سے کرو، کوئی اور لفظ نہ کہنے پائیں، ایسی باتیں نہ سکھاؤ جو آج کل رائج ہیں کہ بچپنے سے انگریزی ہندی الفاظ سکھائے جاتے ہیں، ایسے الفاظ زبان سے نہ نکالو، بچہ بہت جلد سیکھ لیتا ہے، ان باتوں سے خوش نہ ہو؛ بلکہ افسوس کرو، ان کی زبان پر اللہ کا نام اور رسول اللہ ﷺ کا نام رواں کرو، اس طرح سے کہ اللہ کی وحدانیت وقدرت کا ان کو پورا یقین ہو جائے، جو چیز مانگے کہو: اللہ سے مانگو اور جو چیز دو کہو، اللہ نے دی ہے، ہر طرح سے ان کے دل میں ایمان کی قوت پیدا کرتی رہو، ان کے ہر کام کی ابتداء بسم اللہ کے ساتھ کرو، ان کو وہ کلمہ سکھاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کو پہچانیں، جب ان کو سمجھ میں آجائے تو ان کو کلام مجید کی چھوٹی چھوٹی سورتیں، سورہ اخلاص وسورہ کوثر وغیرہ کا ایک ایک لفظ سکھاتی رہو، ساتھ میں ترجمہ بھی سکھاتی رہو، رفتہ رفتہ بڑی سورتیں یونہی آگے چل کر سیکھ جائیں گے''۔(۲)

☆ جب وہ سات سال کے ہو جائیں تو نماز کی تاکید کریں جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز چھوڑنے پر سزا دیں۔ تاکہ انہیں ابھی سے اللہ عزوجل کے احکامات کی ادائیگی اور اس کی رضا وخوشنودی کے حاصل کرنے کی جستجو ان میں پیدا ہو جائے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم کرو، اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے پر ان کو سزا دو اور ان کے بستر الگ کرو ''مروا اولادکم بالصلاۃ وھم أبناء سبع سنین'' (۳)

---

(۱) تربیۃ الأولاد في الإسلام: ۳۱۷/۱، صالح علوان

(۲) حسن معاشرت: ۵۸

(۳) ابوداؤد: باب متی یؤمر الغلام، حدیث: ٤٩٥، علامہ نوویؒ نے ریاض الصالحین: ۱۲۰/۱، میں اس روایت کو حسن کہا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو وتر میں پڑھنے کیلئے قنوتِ نازلہ سکھائی:

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو چند کلمات سکھائے جن کو وتر میں پڑھا کرتا ہوں ابن جواس نے کہا وتر کے قنوت میں وہ کلمات یہ ہیں:

اللھم اھدِنِی فِیمن ھدیت وعافِنِی فِیمن عافیت وتولنِی فِیمن تولیت وبارِك لِي فِيما أعطیت وقِنِي شر ما قضیت إِنك تقضِي ولا یقضی علیك وإِنه لا یذِل من والیت ولا یعِز من عادیت تبارکت ربنا وتعالیت

اے اللہ! مجھے ہدایت دے کر ان لوگوں کے زمرہ میں شامل فرما جنہیں تو نے رشد و ہدایت سے نوازا ہے اور مجھے عافیت دے کر ان میں شامل فرما دے جنہیں تو نے عافیت دی ہے اور جن کو تو نے اپنا دوست قرار دیا ہے ان میں مجھے بھی شامل کر کے اپنا دوست بنا لے۔ جو کچھ تو نے مجھے عطا فرمایا ہے اس میں میرے لئے برکت ڈال دے اور جس شر و برائی کا تو نے فیصلہ کر دیا ہے اس سے مجھے محفوظ رکھ اور بچا لے۔ یقیناً فیصلہ تو ہی صادر کرتا ہے تیرے خلاف فیصلہ صادر نہیں کیا جا سکتا اور جس کا تو والی بنا وہ کبھی ذلیل و خوار نہیں ہو سکتا اور جس سے تو دشمنی رکھے وہ کبھی عزت نہیں پا سکتا۔ ہمارے آقا! تو ہی برکت والا اور بلند و بالا ہے۔(۱)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی پھر آپ ﷺ اپنے گھر کی طرف نکلے اور میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ نکلا تو سامنے سے کچھ بچے آئے تو آپ ﷺ نے ان بچوں میں سے ہر ایک کے رخسار پر ہاتھ پھیرا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے میرے رخسار پر بھی ہاتھ پھیرا "فجعل یمسح خدی أحدھم واحدا واحدا" حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک میں ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی گویا کہ عطار کے ڈبہ سے ہاتھ باہر نکالا ہو۔(۲)

(۱) ابوداؤد : باب في قنوت الوتر ، حديث:١٠٨٦

(۲) صحيح مسلم : باب طيب رائحة النبي صلى الله عليه وسلم ، حديث:٦١٩٧

☆ بچوں میں اللہ کے رسول، اہل بیت کی محبت اور تلاوت قرآن کا ذوق پیدا کریں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ’’اپنی اولاد کو تین چیزوں کی تعلیم دو، نبی ﷺ کی محبت اور آل بیت کی محبت اور تلاوت قرآن، چونکہ قرآن والے اللہ کے عرش کے سائے میں انبیاء علیہم السلام اور صدیقین کے ساتھ ہوں گے جب کے اس سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا ’’ فإن حملة القرآن فی ظل عرش اللہ یوم لا ظل إلا ظلہ ‘‘ (۱)

☆ جب بچے دس سال کے ہو جائیں تو ان کے بستر علاحدہ کر دیں اور ہر ایک کو الگ الگ بستر پر سلائیں جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کے ارشاد سے معلوم ہوا۔

☆ بچوں میں اللہ کا خوف اور ڈر پیدا کریں کہ وہ اللہ عزوجل کو اپنے ہر معاملہ میں حاضر و ناظر سمجھیں۔

نبی کریم ﷺ نے اللہ عزوجل کی ذات کا یقین، اسی سے سب کچھ ہونے کا استحضار اور تقدیر کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دن وہ نبی ﷺ کے پیچھے سوار تھے نبی ﷺ نے ان سے فرمایا اے لڑکے! میں تجھے چند کلمات سکھا رہا ہوں، اللہ کی حفاظت کرو (اس کے احکام کی)، اللہ تمہاری حفاظت کرے گا، اللہ کی حفاظت کرو تم اسے اپنے سامنے پاگے، جب مانگو اللہ سے مانگو، جب مدد چاہو اللہ سے چاہو، اور جان رکھو! کہ اگر ساری دنیا مل کر بھی تمہیں نفع پہنچانا چاہے تو تمہیں نفع نہیں پہنچا سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے اور اگر وہ سارے مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے، قلم اٹھا لیے گئے اور صحیفے خشک ہو چکے ’’ رفعت الأقلام وجفت الصحف ‘‘ (۲)

---

(۱) کنز العمال: حدیث: ۴۵۴۰۹

(۲) مسند احمد: حدیث: ۷۹۷

حضرت عبداللہ بن دینار کہتے ہیں کہ: میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ گیا، راستے میں ہم نے شب گذاری کی، پہاڑ پر سے ایک چرواہا آیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: مجھ سے یہ بکری بیچ دو، غلام نے کہا: میں تو خود غلام ہوں، اس کو امتحان لینے کیلئے کہا: تم اپنے سردار سے کہنا کہ اس کو بھیڑیا نے کھالیا، تو چرواہے نے کہا: "أين اللّٰه"؟ پھر اللہ کہاں جائے گا؟، حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے، پھر اس غلام کے ساتھ جا کر اس کے آقا سے خرید کر لیا اور اس سے کہنے لگے: اس کلمہ نے تم کو اس دنیا میں آزاد کر دیا، مجھے یہ امید ہے کہ تجھے اللہ اس کلمہ کے بدولت آزاد کر دے گا" أعتقك في الدنيا هذه الكلمة ، وأرجوا أن تعتقك في الآخرة " (۱)

اس کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا وہ مشہور واقعہ بچوں کی اللہ کے خوف کے ساتھ تربیت پروان چڑھانے پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اپنے لڑکپن میں بھی اللہ کا خوف کرتے تھے، جب ماں نے بچی سے دودھ میں پانی ملانے کو کہا تو اس لڑکی نے کہا: امیر المومنین نے دودھ میں پانی ملانے سے منع کیا ہے، تو ماں نے کہا: کیا امیر المومنین ابھی دیکھ رہے ہیں، لڑکی نے کہا: اللہ تو دیکھ رہے ہی ہیں "إن كان امير المومنين لا يرانا فرب أمير المؤمنين يرانا" (۲)

☆ بچوں کے سامنے جھوٹ نہ بولیں، اگر ان کے سامنے جھوٹ بولا جائے تو وہ اسی جھوٹ کی عادت کے ساتھ پروان چڑھیں گے اور جھوٹ ان کی عادت اور خو بن جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میری والدہ نے مجھے بلایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے کہ میری والدہ نے کہا کہ اے ادھر آ میں تجھے چیز دوں گی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تو نے کیا چیز دینے کا ارادہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگیں کہ میں اسے کھجور دوں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا

(۱-۲) تربية الأولاد في الإسلام : ۳۵۷

کہ بہرحال اگر تو اسے کچھ نہ دیتی تو تیرے اوپر ایک جھوٹ لکھا جاتا " إما أنك لو لم تفعلي لكتبت عليك كذبة " (۱)

☆ بچوں کے حق میں بددعا نہ کریں، کیوں کہ کبھی قبولیت کا وقت ہوتا ہے اور بچے بددعا کے نتیجے میں برباد ہو سکتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بددعا نہ کرو اپنے اوپر، نہ اپنی اولاد پر، نہ اپنے خادموں پر، اور نہ اپنے مالوں پر کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گھڑی ایسی ہو جس میں دعا قبول ہوتی ہے۔(۲)

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو کوئی کام مناسب انداز میں کرتے نہ دیکھتے اس کام میں رہنمائی فرماتے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لڑکے کے قریب سے گزرے، وہ بکری کی کھال اتار رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تم ذرا الگ ہو جاؤ؛ تاکہ میں تمہیں دکھاؤں (کہ کھال کیسے اتارتے ہیں) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک کھال اور گوشت کے درمیان ڈالا۔ یہاں تک کہ بغل تک چھپ گیا اور فرمایا ارے لڑکے! اس طرح کھال اتارا کرو۔ "هكذا يسلخ" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے اور لوگوں کو نماز پڑھائی اور وضو نہ فرمایا۔(۳)

بچوں کو جب کوئی چیز کسی کے یہاں پہنچانے کیلئے بھیجیں تو رغبت ہونے پر بسا اوقات وہ راستے میں اس سے کھا لیتے ہیں، انہیں یہ تعلیم دی جائے کہ یہ چیز امانت ہے، ہمارا اس میں حق نہیں، اس لئے اس کے مستحق کو بلا کم و کاست پہنچا دو۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ ان کی ماں نے ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجور کی شاخ دے کر بھیجا، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچانے سے پہلے ہی

---

(۱) شعب الإيمان، حديث: ٤٨٢٢

(۲) ابوداؤد: النهي عن أن يدعو الإنسان على أهله وماله: حديث: ١٥٣٤

(۳) ابن ماجة: باب السلخ، حديث: ٣٧١٩

راستے میں ہی اس سے کچھ کھالیا، جب وہ یہ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا "یا غدر" کیا ہی یہ دھوکا ہے۔(۱)

☆ چھوٹے بچوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کیجئے، ان کو گود میں لے کر ان سے پیار کیجئے۔

ایک مرتبہ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس آئے، حضور ﷺ اس وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو پیار کر رہے تھے، اقرع رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر تعجب ہوا اور بولے یا رسول اللہ ﷺ! آپ بھی بچوں کو پیار کرتے ہیں، میرے تو دس بچے ہیں؛ لیکن میں نے تو کبھی کسی ایک کو بھی پیار نہیں کیا "انّ لی عشرة من الولد ما قبّلت منهم أحدًا" نبی ﷺ نے اقرع کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا: اگر خدا نے تمہارے دل سے رحمت وشفقت کو نکال دیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں" أو أملك لك ان نزّع الله من قلبك الرحمة " (۲)

حضرت عدی بن ثابت کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت براء رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: میں نے نبی کریم ﷺ کو حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے کاندھے پر بٹھائے ہوئے دیکھا "رأیت النبی والحسن علی عاتقه " اور آپ ﷺ فرمارہے تھے: "اللّٰھمّ انّی أحبّه فاحبه " اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس سے محبت فرما۔(۳)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ منبر پر خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ حسن وحسین آگئے دونوں نے سرخ کرتے پہن رکھے تھے اور گرتے پڑتے چلے آرہے تھے "یمشیان ویعثران" آپ ﷺ منبر سے نیچے اترے اور ان دونوں کو گود میں اٹھالیا پھر فرمایا اللہ تعالیٰ سچ فرماتے ہیں کہ تمہارے مال اور اولاد یں فتنہ ہیں، میں نے انہیں گرتے پڑتے ہوئے آتے دیکھا تو صبر نہ کر سکا، یہاں تک کہ منبر سے اتر کر انہیں "(گود میں) اٹھالیا۔(۴)

---

(۱) ابن ماجه : باب أكل الثمار ، حديث: ٣٣٦٨
(۲) بخاری: باب رحمة الولد، حديث: ٥٦٥٢
(۳) مسلم: باب فضائل الحسن والحسين، حديث: ٦٤١١
(۴) ترمذی : باب مناقب الحسن والحسين ، حديث: ٣٧٧٤

نبی کریم ﷺ حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما سے کھیلا کرتے، وہ آپ ﷺ کے ہاتھوں اور گھٹنوں پر چلتے اور دونوں طرف سے آپ سے چپک جاتے، وہ ان کو لے کر چلتے، اور فرماتے: "نعم الجمل جملکما، ونعم العدلان أنتما "تمہارا اونٹ کیا ہی بہتر اونٹ ہے اور تم دونوں کیا ہی بہتر سوار ہو۔(۱)

نبی کریم ﷺ بچوں کے خاطر نماز میں تخفیف فرمایا کرتے تھے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے کسی امام کے پیچھے نبی کریم ﷺ سے زیادہ ہلکی اور کامل نماز نہیں پڑھی اور بے شک آپ بچہ کا گریہ سن کر اس خوف سے کہ اس کی ماں پریشان ہو جائے گی نماز کو ہلکا کر دیتے تھے "فأتجاوز فی صلاتی مما أعلم من شدة وجد أمه من بكائه" (۲)

آپ ﷺ حسن وحسین رضی اللہ عنہما کیلئے محبت اور شفقت میں سجدے کو طول دیتے تھے۔

حضرت شداد بن ہاد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ ظہر یا عصر میں سے کسی نماز کیلئے باہر تشریف لائے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ یا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اٹھائے ہوئے تھے آگے بڑھ کر انہیں ایک طرف بٹھا دیا اور نماز کے لیے تکبیر کہہ کر نماز شروع کر دی سجدے میں گئے تو اسے خوب طویل کیا میں نے درمیان میں سر اٹھا کر دیکھا تو بچہ نبی ﷺ کی پشت پر سوار تھا اور نبی ﷺ سجدے میں تھے میں یہ دیکھ کر دوبارہ سجدے میں چلا گیا نبی ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آج تو آپ نے اس نماز میں بہت لمبا سجدہ کیا ہم تو سمجھے کہ شاید کوئی حادثہ پیش آگیا ہے یا آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہے نبی ﷺ نے فرمایا ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوا البتہ میرا یہ بیٹا میرے اوپر سوار ہو گیا تھا میں نے اسے اپنی خواہش کی تکمیل سے پہلے جلدی میں مبتلا کرنا اچھا نہ سمجھا " ولكن ابنی ارتحلنی فكرهت أن أعجله حتى يقضی حاجته " (۳)

---

(۱) المعجم الكبير: حسين بن علي بن أبي طالب، حديث: ۲۶۶۱

(۲) بخاری: من أخف الصلاة عند بكاء الطفل، حديث: ۶۷۶

(۳) نسائی: باب هل يجوز أن تكون سجدة أطول من سجدة، حديث: ۱۱۴۱

حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نماز پڑھتے تھے اور آپ ﷺ اسی حالت میں زینب بنت رسول ﷺ اور ابوالعاص رضی اللہ عنہ بن ربیعہ بن عبدالشمس کی بیٹی امامہ رضی اللہ عنہا کو اٹھائے ہوئے تھے، جب سجدہ کرتے تو ان کو اتار دیتے (یہ حضور ﷺ کی نواسی تھیں اور حضور ﷺ کی نماز کے دوران یہ خود ہی چڑھ جاتی تھیں اور خود ہی اتر جاتی تھیں جیسا کہ بچوں کی عادت ہوتی ہے " فإذا سجد وضعها وإذا قام حملها " (۱)

آپ ﷺ کا بچوں کے ساتھ رحم وکرم کا عجیب معاملہ تھا کہ آپ ﷺ ان کو ہدیہ، تحفے تحائف دیا کرتے، ان کے سروں پر شفقت ہاتھ پھیرتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں موسم کا پہلا پھل لایا جاتا تھا تو آپ ﷺ فرماتے اے اللہ ہمارے لئے ہمارے پھلوں میں اور ہمارے مد میں اور ہمارے صاع میں برکت در برکت عطا فرما پھر آپ ﷺ وہ پھل جو آپ ﷺ کے پاس موجود ہوتا لڑکوں میں سے سب سے چھوٹے کو عطا فرماتے " ثم يدعو أصغر ولد يراه فيعطيه ذلك الثمر " (۲)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا، میں اور میرے ساتھ ایک اور لڑکا آپ ﷺ کے یہاں داخل ہوئے تو آپ ﷺ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ ایک برتن میں کھجور تناول فرما رہے تھے آپ ﷺ نے ہمیں اس میں سے ایک ایک مٹھی کھجور دیا اور ہمارے سروں پر ہاتھ پھیرا " فقبض لنا من ذلك التمر قبضة قبضة ومسح على رؤوسنا " (۳)

حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو پیٹھ پر سوار کر کے آپ ﷺ گھٹنوں کے بل چلتے۔

---

(۱) بخاری: باب إذا حمل جارية صغيرة على عنقه في الصلاة، حديث: ٤٩٤
(۲) مسلم: فضل المدينة ودعاء النبي ﷺ، حديث: ١٣٧٣
(۳) المعجم الاوسط، من اسمه مسعدة، حديث: ٩١٠٩

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں حضور ﷺ کے پاس گیا، حسن وحسین رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کی پیٹھ پر سوار تھے اور آپ ﷺ فرما رہے تھے: ”نعم الجمل جملكما، ونعم العدلان أنتما“ تمہارا اونٹ کیا ہی بہتر ہے اور تم کیا ہی بہتر بوجھ اور سواری ہو۔(۱)

☆ بچوں کے ساتھ محبت اور ان کے ساتھ شفقت میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کو ایسے لفظ سے مخاطب کیا جائے جس سے لڑکپن اور ان سے پیار ومحبت جھلکتی ہو۔

آپ ﷺ بچوں کے درمیان دوڑ میں مسابقہ کراتے، آپ ﷺ ان کی سرپرستی فرماتے:

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ عبداللہ، عبیداللہ اور کثیر، جو کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادگان تھے، ان کو ایک صف میں کھڑا کرتے اور فرماتے کہ جو میرے پاس پہلے آئے گا، اسے یہ یہ ملے گا، چنانچہ یہ سب دوڑ کر نبی ﷺ کے پاس آتے، کوئی پشت پر گرتا اور کوئی سینہ مبارک پر آ کر گرتا، نبی ﷺ انہیں پیار کرتے اور اپنے جسم کے ساتھ لگاتے ”فيستبقون على ظهره وصدره فيقبلهم ويلزمهم“(۲)

آپ ﷺ بچوں کو اس قسم کے الفاظ سے مخاطب فرماتے تھے ”يا غلام إني أعلمك كلمات“ (بیٹے میں تم کو چند باتیں سکھانا چاہتا ہوں) اور ایک روایت میں یوں مخاطب فرمایا: ”يا غلام سم الله وكل بيمينك“ (اے لڑکے! اللہ کا نام لو اور اپنے داہنے ہاتھ سے کھاؤ) اور ایک روایت میں بچے کو مخاطب کر کے فرمایا ”يا غلام أتأذن لي ااعطي الأشياخ“ (اے لڑکے! کیا تم بڑوں کو دینے کی اجازت دیتے ہو؟) اور کبھی بچوں کو یوں مخاطب فرماتے ”يا بني“ (اے میرے عزیز) کبھی آپ ﷺ کنیت سے مخاطب فرماتے جیسا حضرت عمیر سے فرمایا ”يا عمير ما فعل النغير“ (اے عمیر! تمہارے نغیر نامی پرندے کا کیا ہوا) اور کبھی یوں فرماتے ” ادعوا لي بني أخي“ (میرے بھتیجوں کو بلا لاؤ) اور فرمایا: میرے بھتیجے اتنے ضعیف اور کمزور ہو گئے ہیں۔(۳)

---

(۱) معجم الكبير: عن علي ابن ابي طالب، حديث: ٢٦٦١
(۲) مسند احمد بن حنبل، حديث: ١٨٣٦
(۳) سنن أبي داود: باب في حلق الرأس، حديث: ٤١٩٤

اور آپ ﷺ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جو بارہ سال کی بھی نہ تھیں یوں مخاطب فرماتے "یا عائش" (اے چھوٹی عائشہ)۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت عامر رضی اللہ عنہ کسی اہم عہدے پر تھے، ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے کیلئے ان کے گھر پہنچے، کیا دیکھتے ہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ لیٹے ہوئے ہیں اور بچے سینے پر چڑھے ہوئے کھیل رہے ہیں۔ حضرت عامر رضی اللہ عنہ کو یہ بات گراں گذری، امیر المؤمنین ؓ نے پیشانی کے اتار چڑھاؤ کو پہچان لیا اور حضرت عامر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ کا اپنے بچوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ اور سلوک ہوتا ہے، عامر رضی اللہ عنہ کو موقع مل گیا، بولے امیر المؤمنین! میں گھر میں داخل ہوں تو گھر والوں پر سکتہ طاری ہو جاتا ہے، سب اپنی اپنی جگہ چپ سادھے بیٹھ جاتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑے درد بھرے انداز میں کہا: تم امتِ محمدیہ کے فرزند ہوتے ہوئے یہ نہیں جانتے کہ مسلمانوں کو اپنے گھر والوں کے ساتھ کس طرح نرمی اور محبت کا سلوک کرنا چاہئے۔

☆ لڑکیوں کی پیدائش کو بوجھ نہ سمجھیں، ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے یہاں لڑکی پیدا ہو پھر وہ اسے نہ تو زندہ دفن کرے (جیسا کہ جاہلیت کے زمانہ میں ہوتا تھا) اور نہ اس سے ذلت آمیز سلوک کرے اور نہ (برتاؤ) میں لڑکوں کو اس پر ترجیح دے یعنی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرے جیسا کہ لڑکوں کے ساتھ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ لڑکی کے ساتھ اس حسن سلوک کے بدلہ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے "من ولد له أنثى فلم يئدها ولم يهنها ولم يؤثر ولده" (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے ان بیٹیوں کے کسی معاملہ کی ذمہ داری لی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو

---

(۱) ابوداؤد: باب فی فضل من عال یتامی، حدیث: ۵۱۴۵، حاکم نے اس روایت کو صحیح الاسناد کہا ہے

یہ بیٹیاں اس کیلئے دوزخ کی آگ سے بچاؤ کا سامان بن جائیں گی "کنّ لہ ستراً من النّار" (۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس مسلمان کی دو بیٹیاں ہوں، پھر جب تک وہ اس کے پاس رہیں یہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے تو وہ بیٹیاں اس کو ضرور جنت میں داخل کردیں گی "ما من مسلم له ابنتان فيحسن إليهما ما صحبتاه أو صحبهما إلاّ أدخلتاه الجنة" (۲)

☆ خوش دلی کے ساتھ ان پر خرچ کرے اور ان پر خرچ کرنے میں بوجھ نہ سمجھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول کریم ﷺ نے فرمایا، ایک دینار تو وہ ہے جسے تم اللہ کی راہ میں (یعنی حج یا جہاد، یا طالب علم) میں خرچ کرو ایک دینار تو وہ ہے جسے تم غلام کو آزاد کرنے میں خرچ کرو، تو ان تمام دیناروں میں از روئے ثواب سب سے بڑا دینار وہ ہے جسے تم نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا ہے "ودينا أنفقته على أهلك أعظمها أجرا الذي أنفقته على أهلك" (۳)

اس حدیث سے پتہ چلا کہ اہل وعیال واولاد پر خرچ کرنا بھی بڑی فضیلت کی چیز ہے۔

☆ سب بچوں کے ساتھ عطا اور بخشش میں برابری کرے۔

☆ بچوں کے سامنے اپنے اخلاق وعادات اور اپنے اطوار وکردار سے اچھا عملی نمونہ پیش کرے، بچے نقل باز ہوتے ہیں، وہ فوراً اچھے یا برے کردار کو اپنائیں گے، اس لئے بچوں کے سامنے مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولیں:

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ اپنا ایک قصہ بیان کرتے ہیں کہ: ایک دن حضور ﷺ ہمارے گھر تشریف رکھتے تھے، میری والدہ نے مجھے بلایا اور کہا: یہاں آ، میں تجھے ایک چیز

---

(۱) بخاری: باب رحمة الولد وتقبيله، حديث: ۵۶۴۹

(۲) ابن حبان: باب ما جاء في الصبر، حديث: ۲۹۴۵، محقق شعیب الارنؤوط کہتے ہیں کہ: اس کی سند ضعیف ہے اور شواہد کی وجہ سے یہ روایت حسن درجے کو پہنچ جاتی ہے۔

(۳) مسلم: باب فضل النفقة على العيال، حديث: ۲۳۵۸

دوں گی، حضور ﷺ نے دیکھ لیا، اور پوچھا: تم بچے کو کیا دینا چاہتی ہو؟ والدہ بولیں: میں اس کو کھجور دینا چاہتی ہوں، آپ ﷺ نے والدہ سے فرمایا: اگر تم دینے کا بہانہ کر کے بلاتیں اور بچے کے آنے پر کچھ نہ دیتیں تو تمہارے اعمال نامہ میں یہ جھوٹ لکھ دیا جاتا ”أما أنك لو لم تعطيه شيئا كتبت علي كذبة“ (۱)

حضرت ابوسعید اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کا کوئی بچہ پیدا ہو تو اس کا اچھا نام رکھے اور اس کی اچھی تربیت کرے، پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے، اگر بالغ ہو جانے کے بعد بھی (اپنی غفلت اور لاپرواہی سے) ان کا نکاح نہیں کیا اور وہ گناہ میں مبتلا ہو گیا تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہوگا ” فان بلغ ولم يزوّجه فأصاب اثمًا فانّما اثمه على أبيه “ (۲)

والدہ محترم حضرت مولانا ابوالحسن ندوی بچوں کی نگہداشت کے تعلق سے فرماتی ہیں کہ:
”بچوں کو بری صحبتوں سے دور رکھو، ہر وقت خیال کرتی رہو کہ ان کی طبیعت کسی اور طرف مائل نہ ہو، ان کی ضد پوری نہ کرو، مانگنے سے پہلے ان کی خواہش پوری کر دو؛ تا کہ ضد نہ پیدا ہو، ان کے ساتھ ایسا انداز رکھو کہ وہ تم سے بے خوف نہ ہوں، تمہارا اشارہ ان کے لئے کافی ہو، بہت مارنے اور بار بار کہنے سے بھی بے حیا ہو جاتے ہیں، بس اشارہ سے کام لو، ہر وقت ٹیڑھی باتیں نہ کرو، تھوڑی خطا پر سمجھا دو، غصہ میں کوئی لفظ بے جا نہ نکالو کہ پچھتانا پڑے، ان کی طرف سے کسی کو برا نہ کہو، بلکہ ان کا ہی قصور سمجھو، ہر بات کی جانچ کرتی رہو، دوسرا شخص جو کہے اس کا یقین کرو، مگر تھوڑی دیر کے لئے جب تک تحقیق نہ کر لو، اگر تم ان کی بے جا پاسداری کرو گی تو ان کو پھر موقع ملے گا، اگر کوئی پڑی چیز اٹھا لیں تو فوراً اسی جگہ رکھوا دو، اگر چہ دور ہی

---

(۱) ابوداؤد: باب في التشديد في الكذب، حديث: ٤٩٩١، حاکم نے کہا ہے کہ: عبداللہ بن عامر دور رسالت میں پیدا ہوئے تھے، لیکن حضور ﷺ سے ان کا سماع ثابت نہیں، عراقی کہتے ہیں اس کا ایک شاہد موجود ہے۔ مغني عن حمل الأسفار، حديث عبد الله بن عامر: ٩٠٨/٢

(۲) شعب الإيمان، الستون من شعب الإيمان، حديث: ٨٦٦٦

کیوں نہ ہو، اگر تم اس جگہ تک جاسکتی ہو تو جا کر سامنے رکھواؤ کہ آئندہ احتیاط رہے، جھوٹ اور چغلی سے روکتی رہو، مار کر ہنسو نہیں، ورنہ وہ بے حجاب ہو جائیں گے، سب بچوں کو ایک نظر سے دیکھو، ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دو کہ ایک دوسرے کو ذلیل سمجھیں گے، کبھی بچوں کے ہاتھ میں پیسہ نہ دو، خود مناسب سمجھ کر چیز منگا کر سب کو برابر تقسیم کر دو۔"

بچیوں کی تربیت کے تعلق سے فرماتی ہیں:

"لڑکیوں کے پردہ کا بہت لحاظ رکھو، جس وقت سے ان کو سمجھ آئے، ہم عمر لڑکوں سے علاحدہ رکھو، ان سے بات کرنے کا موقع نہ دو؛ بلکہ لڑکیوں کے پاس بھی تنہا نہ رہنے دو، ہنسی مذاق سے روکتی رہو، ان کو بے موقع کہیں آنے جانے نہ دو، اپنے ساتھ بھی ہر روز ہر جگہ لے جانا مناسب نہیں، اگر چہ چچا اور ماموں کا گھر ہی کیوں نہ ہو، بچیوں کے پردہ کا خاص خیال رکھو، ہر بری بات میں روک ٹوک کرتی رہو، ان میں کسی قسم کی آزادی پیدا نہ ہو سکے، کپڑے اور زیور اپنی خوشی کے مطابق پہناؤ، ان کی رائے پر نہ چھوڑو، گذشتہ زمانے کی حالت پر نظر رکھو، اس کے خلاف نہ کرو، بے جا کتابیں دیکھنے نہ دو، نماز پڑھنے اور قرآن وحدیث پڑھنے کی تاکید کرتی رہو، ادب ولحاظ سکھاؤ، زیادہ باتیں کرنے سے روکو، زیادہ باتیں کرنا بیوقوفی کی دلیل ہے، بچیاں کم سخن اور شرمیلی ہی بھلی معلوم ہوتی ہیں۔(۱)

اور فرماتی ہیں کہ:

بچیوں کو کاہل نہ بناؤ، ان سے کام لیتی رہو، کپڑے سلواؤ، کھانے پکانے میں شریک رکھو، کوئی ہانڈی خاص انہیں سے پکواؤ، خانہ داری میں شریک کرتی رہو؛ تا کہ ان کو مہارت حاصل ہو، اور بخوبی اس سے واقف ہو جائیں، حساب خانہ داری انہیں کے ہاتھ میں رکھو، مگر تم ان سے حساب لیتی رہو، کپڑے وغیرہ کے لینے دینے اور ان کی بدن کی صفائی کا خاص خیال رکھو، ہر کام کو اٹھتی بیٹھتی رہو کہ کام کرنے کی عادت رہے، دست کاری میں ایسی مشاق رہیں کہ دوسروں کو ان سے مدد ملتی رہے، سلیقہ شعار عورتوں کیلئے سب سے زیادہ ضروری ہے،

(۱) حسن معاشرت: ۶۰

اگر یہ باتیں ہوئیں تو قلیل آمدنی میں بھی آرام پاسکتی ہیں، جہاں تک ممکن ہو اور معیوب نہ ہو بچیوں کو ہر کام کا عادی بنانا چاہیے۔(۱)

بڑوں کا بچپن

☆ حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما بھی چھوٹے ہی تھے، ان دونوں نے مسجد میں ایک بڑے میاں کو دیکھا کہ وہ اچھی طرح وضو نہیں کر رہے، ان کو بڑے میاں کی غلطی پر نشاندہی کرنے میں شرمندگی محسوس ہوئی، لیکن بڑے میاں کو غلطی پر مطلع کرنا بھی ضروری تھا، اس لئے انہوں نے آپس میں مشورہ کے بعد طئے کیا کہ ایسی تدبیر کی جائے کہ بڑے میاں کو شرمندگی بھی نہ ہو، اور ان کو صحیح صورتحال بھی معلوم ہو جائے، چنانچہ وہ دونوں ان بڑے میاں کے پاس گئے، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان بڑے میاں سے کہا: میرے اور میرے بھائی حسین میں وضو کے تعلق سے اختلاف ہو گیا ہے، میں کہتا ہے ہوں کہ میرا وضو ٹھیک ہے اور وہ کہتے ہیں کہ میں ٹھیک طریقے سے وضو نہیں کرتا، چنانچہ آپ ہمارے وضو کو دیکھ کر فیصلہ کریں گے کہ ٹھیک طریقے سے وضو کون کرتا ہے۔

چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ وضو کیا، اچھے طریقے سے وضو کیا، فرائض، سنن، ترتیب، ہیئت تمام چیزوں کی رعایت کی، پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بھی تمام چیزوں کی مکمل رعایت کے ساتھ وضو کیا، ان دونوں کے وضو کو دیکھا تو بڑے میاں کو اپنی غلطی کا علم ہوا، انہوں نے ان دونوں سے مخاطب ہو کر کہا: اللہ ہی کیلئے تمہاری نیکی ہے اے بچو، تم دونوں نے اچھی طرح وضو کیا، غلطی پر تو میں تھا" وإنما علي خطأ هو أنا " (۲)

☆ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گذر ہوا تو سب بچے بھاگ گئے، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وہیں کھڑے رہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: "یا عبد الله! لماذا لم تفر

(۱) حسن معاشرت : ۶۱

(۲) فن تربية الأولاد في الإسلام : ۱۱۰/۲

کما فر زملائك " اے عبداللہ! تم دوسرے بچوں کی طرح کیوں بھاگ نہیں گئے تو انہوں نے فرمایا: امیر المومنین! میں نے ایسا کوئی گناہ ہی نہیں کیا کہ مجھے آپ سے ڈرنا پڑتا اور نہ ہی راستہ تنگ تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کو جگہ دیتا۔(۱)

☆ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ ابھی چھوٹے ہی تھے تقریباً دس سال کے، حضور اکرم ﷺ لشکر تیار فرما رہے تھے، انہوں نے اپنے آپ کو جہاد اور قتال کیلئے پیش کیا تو حضور اکرم ﷺ نے ان کے کم عمر ہونے کی وجہ سے لوٹا دیا، اور فرمایا کہ: تم پر قتال فرض نہیں، تو وہ غمزدہ لوٹ گئے، پھر دوسری، تیسری دفعہ آئے، اس دفعہ حضور اکرم ﷺ نے ان کو قبول فرمالیا اور کہا کہ وہ زخمیوں کا علاج ومعالجہ کریں گے، چنانچہ وہ اسی نسبت پر غزوہ میں شریک ہوئے، پھر حضور اکرم ﷺ نے اپنے حین حیات اکابر صحابہ کی موجودگی میں ان کے نوجوانی میں امیر لشکر بنایا تھا، جس لشکر کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے وفات کے بعد انہیں کی قیادت میں روانہ کیا تھا۔(۲)

☆ حضرت صالح بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بدر کے دن ایک لائن میں تھے اور میرے دائیں بائیں دو کمسن انصاری لڑکے دکھائی دیئے میرے جی میں اس وقت یہ آیا کہ کاش! میں دو طاقتور آدمیوں کے بیچ میں ہوتا اسی اثنا میں ان دونوں میں سے ایک نے مجھ سے آہستہ سے پوچھا کہ اے چچا! کیا آپ ابو جہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں! لیکن اے میرے بھتیجے تمہیں اس کی کیا ضرورت ہے؟ تو اس کمسن انصاری لڑکے نے کہا مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتا ہے اور قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میں نے اس کو دیکھ لیا تو پھر میرا جسم اس کے جسم سے الگ نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ ہم دونوں میں سے کسی کی موت ہی جلدی کرے میں یہ سن کر حیرت زدہ رہ گیا پھر اس دوسرے نے بھی مجھے دبا کر پہلے والے کی طرح کہا پھر تھوڑی ہی دیر میں ابو جہل دوڑتا ہوا

(۱-۲) فن تربية الأولاد في الإسلام : ۱۱۰/۲، محمد سعيد المرسي

دکھائی دیا تو میں نے ان لوگوں سے کہا یہی وہ شخص ہے جس کی بابت تم دریافت کر رہے تھے تو وہ دونوں اپنی تلواریں لئے ہوئے اس کی طرف جھپٹے اور اس کو مار مار کے تہ تیغ کر دیا پھر ان دونوں نے لوٹ کر ابوجہل کے قتل کی اطلاع رسالت مآب ﷺ کو دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں سے کس نے اس کو مارا ہے؟ تو ان میں سے ہر ایک نے کہا: میں نے مارا ہے! آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا تم نے اپنی خون بھری تلواریں صاف کر لی ہیں؟ ان دونوں نے ایک زبان ہو کر کہا جی نہیں تو سرورِ عالم ﷺ نے ان دونوں کی تلواروں کو دیکھ کر فرمایا: تم دونوں نے اس کو تہ تیغ کیا ہے لیکن اس کا ساز وسامان اور مال واسباب معاذ بن عمر بن جموح کو ملے گا اور وہ دونوں لڑکے حقیقت میں معاذ بن عفرا اور معاذ بن جموح نکلے۔ (۱)

☆ حضرت عمیر بن سعد ایک ہونہار اور سعید لڑکے تھے، ان کے والد کا جب انتقال ہوا تو یہ بالکل چھوٹے تھے، ان کی والدہ نے جلاس نامی ایک شخص سے شادی کر لی، ایک دفعہ نبی کریم ﷺ سامانِ جنگ اکٹھا کر رہے تھے تو عمیر بن سعد نے دیکھا غزوہ تبوک کیلئے ہر شخص چندہ دے رہا ہے اور جلاس اس کیلئے کچھ انتظام نہیں کر رہے تو وہ جلاس کے پاس گئے اور کہنے لگے، تم امداد اور چندہ کیوں نہیں دیتے؟ حالانکہ تم مالدار اور صاحب ثروت ہو، پھر تم اس غزوہ کیلئے کچھ خرچ نہیں کرتے؟ جلاس نے کہا: اگر محمد سچے ہوتے تو جیسا کہ تمہارا کہنا ہے تو ہم گدھے سے بھی بدتر ہیں" إن كان محمد صادقا فيما يدعيه من النبوة فنحن شر من الحمير" تو عمیر نے کہا: اللہ کی قسم اے جلاس! میرے لئے روئے زمین پر محمد بن عبد اللہ کے بعد تم سے محبوب کوئی نہیں ہے، تم میری نگاہوں میں سب سے محبوب اور میرے لئے عظیم نعمت ہو، لیکن تم نے ایک بات ایسی کہی ہے کہ اگر میں اس بات کو بتا دیتا ہوں تو اس میں تمہاری رسوائی ہے اور اگر چھپاتا ہوں تو امانت میں خیانت اور اپنی جان اور اپنے دین کو برباد کرنا ہے، میں رسول اللہ ﷺ کو جا کر تمہاری بات بتا دیتا ہوں، عمیر نے رسول اللہ ﷺ کو جلاس کی بات کی اطلاع، جلاس نے جھوٹی قسم کھا کر

(۱) بخاري : من لم يخمس الأسلاب ، حديث: ۲۹۷۲

کہا کہ اس نے ایسے نہیں کہا، عمیر نے دعا کی ان کی موافقت میں وحی نازل ہو اسی درمیان وحی کا نزول ہوا، "يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا ، وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ" جلاس کی جسم پر کپکپی طاری ہوگئی، اس کی زبان مارے خوف اور ڈر کے گنگ ہوگئی، پھر فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں توبہ کرتا ہوں..... عمیر نے سچ کہا اور میں ہی جھوٹا تھا۔(۱)

☆ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے چچازاد بھائی سلیمان بن عبدالملک کی تدفین سے فارغ ہوئے، تو ایک نوجوان عبدالملک بن عمر دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے ان کے پاس آئے، کہنے لگے: امیر المؤمنین آپ کیا چاہتے ہیں، تو آپ نے فرمایا: تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتا ہوں اس نوجوان نے کہا: سوئیے مت، مظلوموں کی مدد کیجئے، تو عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا: بیٹے میں کل تمہارے چچا سلیمان کی موت کی وجہ سے سو نہیں پایا تھا، میں ظہر کے بعد لوگوں کے فیصلے کروں گا، تو لڑکے نے کہا: آپ کو یہ پتہ ہے کہ آپ ظہر تک حیات رہیں گے؟ امیر المومنین کھڑے ہو جائیے اور لوگوں کے مظالم کو فیصل کیجئے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا: بیٹے میرے قریب ہو جائیے، تو وہ لڑکا ان کے قریب ہو گیا، پھر کہا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے میری نسل میں ایسے لوگوں کو پیدا کیا جو امور دین میں میری مدد کرتے ہیں" الحمد للّٰه الذى جعل من صلبى من يعيننى علي أمور دينى " (۲)

☆ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ: میری ماں نے مجھ سے سچ بولنے کا وعدہ لیا تھا، میں ایک دفعہ بغداد سے مکۃ المکرمۃ طلبِ علم کی غرض سے جارہا تھا، میری ماں نے مجھے چالیس دینار دیئے کہ میں اس سے نان ونفقہ کا نظم کروں، اور مجھ سے جھوٹ نہ بولنے کا بھی عہد لیا۔ جب ہم سرزمین ہمدان پہنچے تو ہم پر ڈاکوؤں کی ایک جماعت نے حملہ بول دیا اور سارے قافلہ کو لوٹ لیا، ان میں کے ایک شخص نے مجھ سے کہا: تمہارے پاس کیا ہے؟

(۱-۲) فن تربية الأولاد في الإسلام: ۱۱۶/۲، محمد سعيد المرسى

میں نے کہا: میرے ساتھ چالیس دینار ہیں، اس نے سوچا کہ میں اس سے مذاق کررہا ہوں، چنانچہ اس نے مجھے چھوڑ دیا، مجھے ایک دوسرے آدمی نے دیکھا تو کہا: تمہارے پاس کیا ہے؟ تو میں نے اسے اپنے پاس موجود چیز کے تعلق سے بتایا تو اس نے مجھے ڈاکوؤں کے سردار کے پاس لے گیا، اس نے مجھ سے یہی پوچھا تو میں نے وہی جواب دیا، اس نے کہا: تم نے سچ کیوں کہا؟ میں نے کہا: میری ماں نے مجھ سے سچ کہنے کا عہد لیا تھا، مجھے جھوٹ کہنے میں اس حکم وعدہ خلافی نظر آتی ہے، ڈاکوؤں کے سردار نے سارا لوٹا ہوا مال واپس لوٹانے کو کہا اور یہ کہا کہ: اے بیٹے میں تمہارے ہاتھ پر تائب ہوتا ہوں، اس کے ساتھیوں نے کہا " أنت كبيرنا في قطع الطريق وأنت اليوم كبيرنا في التوبة " تم ہمارے چوری اور لوٹ مار کے حوالے سے بڑے تھے، تم آج ہمارے بڑے ہو توبہ کے سلسلے میں۔(۱)

بچوں کی احتیاط کا بیان

(۱) ہر روز بچے کا ہاتھ منہ گلا کان چڑھے وغیرہ گیلے کپڑے سے خوب صاف کردیا کریں، میل جمنے سے گوشت گل کر زخم پڑجاتے ہیں۔

(۲) جب پیشاب یا پاخانہ کرے فوراً پانی سے طہارت کردیا کریں، خالی چیتھڑے سے پوچھنے پر بس نہ کیا کریں اس سے بچے کے بدن میں خارش اور سوزش پیدا ہوجاتی ہے اگر موسم سرد ہو تو پانی نیم گرم کرلیں۔

(۳) بچے کو الگ سلادیں اور حفاظت کے واسطے دونوں طرف کی پٹیوں سے دو چار پائیاں ملا کر بچھادیں یا اس کی دونوں کروٹ پر دو تکیے رکھ دیں تا کہ گر نہ پڑے۔ پاس سلانے میں یہ ڈر ہے کہ شاید سوتے میں کہیں کروٹ کے تلے دب جائے ہاتھ پاؤں نازک تو ہوتے ہی ہیں اگر صدمہ پہنچ جائے تعجب نہیں ایک جگہ اس طرح ایک بچہ رات کو دب گیا صبح کو مرا ہوا ملا۔

(۱) فن تربية الأولاد في الإسلام: ۱۱۶/۲، محمد سعيد المرسي

(۴) جھولے کی زیادہ عادت بچے کو نہ ڈالیں؛ کیونکہ جھولا ہر جگہ نہیں ملتا اور بہت گود میں بھی نہ رکھیں اس سے بچہ کمزور ہو جاتا ہے۔

(۵) چھوٹے بچے کو عادت ڈالیں کہ سب کے پاس جایا کرے ایک آدمی کے پاس زیادہ ہل جانے سے اگر وہ آدمی مر جائے یا نوکری سے چھڑا دیا جائے تو بچہ کو مصیبت ہو جاتی ہے۔

(۶) اگر بچہ کو دایا کا دودھ پلانا ہو تو ایسی دایا تجویز کرنا چاہیے جس کا دودھ اچھا ہے، اور دودھ اس کا تازہ یعنی اس کا بچہ چھ سات مہینے سے زیادہ کا نہ ہو، اور وہ خصلت کی اچھی ہو، اور دیندار ہو، احمق، بے شرم، بدچلن، کنجوس اور لالچی نہ ہو۔

(۷) جب بچہ کھانا کھانے لگے تو دایا پر بچے کا کھانا نہ چھوڑیں بلکہ خود اپنے یا اپنے کسی سلیقہ دار معتبر آدمی کے سامنے کھانا کھلایا کریں تا کہ بے اندازہ کھا کر بیمار نہ ہو جائے اور بیماری میں دوا بھی اپنے سامنے بنوادیں اپنے سامنے پلائیں۔

(۸) جب بچہ کچھ سمجھدار ہو جائے تو اس کو اپنے ہاتھ سے کھانے کی عادت ڈالیں اور کھانے سے پہلے ہاتھ دھلوا دیا کریں اور داہنے ہاتھ سے کھانا سکھلا دیں اور اس کو کم کھانے کی عادت ڈالیں تا کہ بیماری اور حرص سے بچا رہے۔

(۹) ماں باپ خود بھی خیال رکھیں اور جو مرد یا عورت بچے پر مقرر ہو وہ بھی خیال رکھے کہ بچہ ہر وقت صاف ستھرا رہے جب ہاتھ منہ میلا ہو جائے فوراً دھلا دے۔

(۱۰) اگر ممکن ہو تو ہر وقت کوئی بچے کے ساتھ رہے کھیل کود کے وقت اس کا دھیان رکھے بہت دوڑنے کودنے نہ دے، بلند مکان پر لے جا کر نہ کھلاوے، بھلے مانسوں کے بچوں کے ساتھ کھلاوے۔ کمینوں کے بچوں کے ساتھ نہ کھیلنے دے، زیادہ بچوں میں نہ کھیلنے دے، گلیوں سڑکوں میں نہ کھیلنے دے، بازار وغیرہ میں اس کو لیے نہ پھرے، اس کی ہر بات کو دیکھ کر ہر موقع کے مناسب اس کو آداب قاعدے سکھلا دے بے جا باتوں سے اس کو روکے۔

(۱۱) کھلانے والی کو تاکید کر دیں کہ اس کو غیر جگہ کچھ نہ کھلا دے اگر کوئی اس کو کھانے پینے کی چیز دیدے تو گھر لا کر ماں باپ کے روبرو رکھ دے آپ ہی آپ نہ کھلا دے۔

(۱۲) بچہ کو عادت ڈالیں کہ سوائے اپنے بزرگوں کے اور کسی سے کوئی چیز نہ مانگے اور بغیر اجازت کے کسی کی دی ہوئی چیز نہ لے۔

(۱۳) بچہ کو بہت لاڈ پیار نہ کرے، ورنہ ابتر ہو جائے گا۔

(۱۴) بچہ کو بہت تنگ کپڑے نہ پہنا دیں اور بہت گوٹا کنار بھی نہ لگائیں، البتہ عید بقرعید میں مضائقہ نہیں۔

(۱۵) بچہ کو منجن مسواک کی عادت ڈالیں۔

(۱۶) اس کتاب کے ساتویں حصہ میں جو آداب اور قاعدے کھانے پینے کے بولنے چالنے ملنے جلنے کے اٹھنے بیٹھنے کے لکھے گئے ہیں ان سب کی عادت بچے کو ڈالیں اس بھروسہ میں نہ رہیں کہ بڑا ہو کر خود اپنے سے سیکھ جائے گا یا اس کو اس وقت پڑھا دیں گے۔ یاد رکھئے! آپ سے کوئی نہیں سیکھا کرتا، پڑھنے سے جان تو جاتا ہے؛ مگر عادت نہیں پڑتی اور جب تک نیک باتوں کی عادت نہ ہو، کتنا ہی کوئی لکھا پڑھا ہو، ہمیشہ اس سے بے تمیز نالائق اور دل دکھانے کی باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

(۱۷) پڑھنے میں بچے پر بہت محنت نہ ڈالے شروع میں ایک گھنٹہ پڑھنے کا مقرر کرے پھر دو گھنٹے پھر تین گھنٹے اس طرح اس کی طاقت کے موافق اس سے محنت لیتا رہے ایسا نہ کرے کہ سارا دن پڑھاتا رہے، ایک تو تھکن کی وجہ سے بچہ جی چرانے لگے گا پھر زیادہ محنت سے دل اور دماغ خراب ہو کر ذہن اور حافظہ میں فتور آجائے گا اور بیماروں کی طرح سست رہنے لگے گا پھر پڑھنے میں جی نہیں لگائے گا۔

(۱۸) سوائے معمول کی چھٹیوں کے بدون سخت ضرورت کے بار بار چھٹی نہ دلوائیں کہ اس سے طبیعت اُچاٹ ہو جاتی ہے۔

(۱۹) جہاں تک میسر ہو جو علم و فن سکھلاویں ایسے آدمی سے سکھلاویں جو اس میں پورا عالم اور کامل ہو، بعضے آدمی سستا معلم رکھ کر اس سے تعلیم دلواتے ہیں شروع ہی سے طریقہ بگڑ جاتا ہے پھر درستی مشکل ہو جاتی ہے۔

(۲۰) آسان سبق تیسرے پہر کے وقت مقرر کریں اور مشکل سبق صبح کو کیونکہ اخیر وقت میں طبیعت تھکی ہوئی ہوتی ہے مشکل سبق سے گھبرائے گی۔

(۲۱) بچوں کو خصوصاً لڑکی کو پکانا اور سینا ضرور سکھائے۔

(۲۲) شادی میں دولہا دلہن کی عمر میں زیادہ فرق ہونا بہت سی خرابیوں کا باعث ہے اور بہت کم عمر میں شادی نہ کریں اس میں بھی بڑے نقصان ہیں لڑکوں کی تعلیم کریں کہ سب کے سامنے خاص کر لڑکیوں یا عورتوں کے سامنے ڈھیلے سے استنجا نہ سکھلایا کریں۔ (۱)

---

(۱) اختری بہشتی زیور عکسی، دسواں حصہ: ۱۴-۱۵

قیامِ مکاتب : آداب واحکام

اسلام میں بچوں کی تعلیم وتربیت کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اپنے بچوں کو سب سے پہلے ”لا الـــہ الّا اللّٰہ“ سکھاؤ اور موت کے وقت کلمۂ طیبہ کی تلقین کرو، حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعینؒ کا پسندیدہ معمول تھا کہ جب بچہ بولنے لگتا تھا تو اس کو ”لَا الٰہ الّا اللّٰہ“ سات بار پڑھاتے تھے، ” کانوا یستحبون ان یلقّنوا الصبی حین یعرب ان یقول : لا الٰہ الاّ اللّٰہ سبع مرات “ (۱)

اور سات سے دس سال کے بچے کو قرآن اور دعا کی اتنی تعلیم دیا کرتے تھے کہ وہ اس عمر میں باقاعدہ نماز ادا کریں، یہ اُس حدیث کی عملی شکل تھی جس میں نبیٔ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم سات سال کے بچوں کو نماز سکھاؤ، اور دس سال کے بچوں کو نماز نہ پڑھنے پر مارو ”علموا الصبی الصلاۃ ابن سنین واضربواہ علیھا ابن عشر “ (۲)

☆ بڑے بڑے جامعات اور مدارس کی اہمیت کا کسی کو انکار نہیں، یقیناً وہ از حد ضروری ہیں مگر اربابِ علم ودانش اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ایک بچے کے معصوم ذہن پر مکتب کی تعلیم کا کتنا گہرا اثر ہوتے ہیں، یہ مکاتب دینیہ ان چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کیلئے ماں کی گود کی طرح ایک دینی گہوارہ ہوتا ہے، یہاں اس کے ذہن پر جو اثرات پڑتے ہیں وہ پتھر کی لکیر کی طرح مرتے دم تک اس کے دل ودماغ پر چھائے رہتے ہیں، حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں : ” التعلم فی الصغر کالنقش فی الحجر “ (۳)

(۱) غریب الحدیث لابن عبید بن سلام: ۱/۱۶۳، دائرۃ المعارف العثمانیۃ بحیدراباد سنۃ ۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۴ء

(۲) ترمذی: باب متی یؤمر الصبی بالصلاۃ، حدیث: ۴۰۷، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۳) فتح الباری: باب التعلیم للصبیان: ۹/ ۸۳/ دار الفکر، بیروت

یعنی بچپن میں علم حاصل کرنا پتھر کی لکیر کی طرح ہوتا ہے، اگر اس دور میں بچوں کا دینی مزاج بن گیا تو زندگی کے ہر موڑ پر وہ دین کا دامن تھامے رکھے گا کسی بھی موقع پر دین سے کٹا ہوا نہیں رہے گا، اس کے برخلاف بچہ جب مکتب کی ابتدائی تعلیم ہی سے دور ہتا ہے تو اس کا کیا نتیجہ اور انجام ہوتا ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے، جسے امام سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں نقل کیا ہے۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اپنے صاجزادے ولید کیلئے لاڈ و پیار کی وجہ سے بچپن میں مکتب کی تعلیم کیلئے کوئی معلم ومؤدب مقرر نہیں کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ علم سے بہت دور رہا، ایک دن عبدالملک غمگین بیٹھا سوچ رہا تھا کہ میں عربوں پر کس کو حکمراں بناؤں؟، روح بن نباع موجود تھے، انہوں نے کہا کہ: اے امیر المؤمنین! صاجزادہ ولید تو موجود ہے ہی، عبدالملک نے کہا کہ: وہ ادب سے اچھی طرح واقف نہیں ہے، جب اس کی خبر ولید کو ہوئی تو فوراً عربی کے اساتذہ کو جمع کیا اور ایک کمرہ میں ان سے چھ ماہ تک تعلیم حاصل کرتا رہا، اور جب فارغ ہو کر نکلا تو پہلے سے زیادہ جاہل تھا "ثمّ خرج وهو أجهل مما كان"، یہ دیکھ کر عبدالملک نے کہا کہ: وہ معذور ہے، مکتبی تعلیم حاصل نہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ولید بن عبدالملک خلیفہ ہونے کے بعد بھی عربی میں فاش غلطیاں کرتا تھا۔(۱)

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد میں خالد بن عبداللہ بن عمرو نے بچپن میں قرآن کی تعلیم حاصل نہیں کی تھی، بچپن میں قرآن نہ سیکھنے پر خلیفہ یزید بن عبدالملک نے حکم دیا کہ ان کو مکتب میں داخل کیا جائے تاکہ بچوں کے ساتھ قرآن پڑھیں، اس پر ان کو اتنا رنج ہوا کہ مکتب میں جانے کے بعد انتقال کر گئے۔(۲)

☆ احادیث وتاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت میں طلبہ کی تعلیم وتربیت کیلئے کوئی مخصوص شکل نہیں تھی؛ بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خود ہی اپنی اولاد کو ضروریاتِ دین

---

(۱) تاریخ الخلفاء للسیوطی: ۱۷۸، مکتبة السعادة، مصر
(۲) جمهرة انساب العرب: ۸۳

سکھلایا کرتے تھے، عرب کے مختلف قبائل سے آنے والے وفود کے ساتھ بچے بھی ہوتے، جو خدمتِ نبوی ﷺ میں قیام کرکے علمِ دین حاصل کرتے تھے، اوران کے کھانے پینے کا بندوبست خود مقامی انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کیا کرتے تھے، جس میں انہوں نے بے مثال ایثار و بے لوثی کا ثبوت دیا۔(۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں سب سے پہلے بچوں کی تعلیم کیلئے مکتب قائم کئے، اور معلّمین کیلئے بقدرِ کفایت ایک رقم بطورِ وظیفہ کے مقرر کردی۔(۲)

جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہونے لگا تو خلیفہ ثانی نے مزید اجراءِ مکاتب کا حکم دیا اور اپنے ماتحت عمال وامراء کو یہ حکم دیا کہ تم لوگوں کو قرآن کی تعلیم پر وظیفہ دو، اس پر ایک فرماں رواں نے لکھا کہ: آپ نے مجھے تعلیمِ قرآن پر لوگوں کو وظیفہ دینے کیلئے لکھا ہے، ایسی صورت میں وہ لوگ بھی قرآن کی تعلیم حاصل کریں گے جن کو کلامِ الٰہی کے بجائے وظیفہ میں رغبت ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا: تم ان کو شرافت اور مروّت اور صحابیت کے نام پر وظیفہ دو۔(۳)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اپنے بچوں کیلئے قرآن اور ضروریات دین کی تعلیم کا بہت اہتمام کرتے تھے، جیسا کہ ذیل کی روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ نماز کیلئے ایسے ہی تشہد سکھاتے تھے جیسے مکتب کا معلم بچوں کو سکھاتا ہے "یعلمنا التشهد في الصلاة كما يعلم المكتب الصبيان" (۴)

---

(۱) حیاة الصحابه : ۱/۳۹۵، باب النصرة

(۲) محلی ابن حزم : ۷/۱۹۵

(۳) کتاب الأحوال: ۲۶۱

(۴) مصنف ابن ابی شیبة: من کان یعلم التشهد، حدیث: ۲۹۹۹، علامہ ابن حجر نے فتح الباری: ۲/۳۱۵ میں اس روایت کو مرسلاً ذکر کیا ہے اور اس کے رجال کو ثقہ کہا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ ہی فرماتے ہیں کہ "انّ أ بابکر کان یعلمهم التشهد علی المنبر کما یعلم الصبیان فی الکتاب "(۱)

یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ممبر پر بیٹھ کر ایسے ہی تشہد سکھاتے تھے جیسے مکتب کے بچے سیکھا کرتے ہیں۔

حضرت مصعبؒ بن سعد اور حضرت عمروؒ بن میمون الاودی فرماتے ہیں کہ: حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنی اولاد کو یہ کلمات "اللّٰهمّ انی اعوذ بك من البخل واعوذ بك من الجبن واعوذبك من ان ارد الی ارذل العمر واعوذ بك من فتنة الدنیا وعذاب الاٰخرة" ایسے ہی سکھایا کرتے تھے جیسے اساتذہ مکتب کے بچوں کو سکھایا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ: آپ رضی اللہ عنہ ہر نماز کے بعد ان کلمات کے ذریعہ پناہ مانگا کرتے تھے۔(۲)

ان روایات میں " کما یعلم المکتب" کی تعبیر اس بات کی طرف بالکل واضح طور پر اشارہ کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بچوں کی تعلیم کا اہتمام کیا جاتا تھا اور تعلیم دینے والوں کو "مکتِب" کہا جاتا تھا۔

☆ بچے جب قرآن پڑھنے میں ماہر ہوجاتے اور قابل لحاظ حصہ صحیح تلفظ اور اداءِ مخارج کے ساتھ پڑھ لیتے تو اس وقت حذاقت ومہارت پر خوشی منائی جاتی تھی، اہل ثروت اس موقع پر بچوں کی ہمت افزائی کرتے تھے، اور ان کے معلّموں اور موٴدبوں کو انعام واکرام سے نوازتے تھے، امام ابوحنیفہؒ کے صاحبزادے حماد جب سورۃ الحمد پڑھنے لگے تو امام صاحبؒ نے ان کے معلم کو پانچ سو درہم بطورِ انعام دیا۔(۳)

دنیا پرست خلفاء اور امراء بھی اس موقع سے خوب اہتمام کرتے تھے، خلیفہ مہدی کے بچہ

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبة: فی التشهد فی الصلاة کیف هو، حدیث: ۲۹۹۰، علامہ حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابوبکر بن مردویہ نے کتاب التشہد میں ابوبکر سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

(۲) ترمذی: باب فی دعاء النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، حدیث: ۳۵۶۷، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۳) أخبار ابی حنیفة وأصحابه: صمیری: ۴۷

ابراہیم نے پانچ سال کی عمر میں " لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ " پڑھنا شروع کیا، تو اس کی طرف سے خلیفہ مہدی نے ایک لاکھ درھم صدقہ کیا اور پانچ سو غلام آزاد کئے۔ (۱)

اس ہمت افزاء ماحول نے بچوں میں تنافس وتقابل کا جذبہ پیدا کر دیا تھا، مکتب کے طلبہ حم سے شروع ہونے والی تمام سورتوں کو پڑھ لینے کے بعد بہت خوش ہوتے تھے اور فخر ومسرت کے ساتھ کہتے تھے " تعلمنا الحوامیم " یعنی ہم نے حم والی تمام سورتیں پڑھ لیں چنانچہ اس سلسلے میں بچوں کی عمر اور جسمانیت کی رعایت کے ساتھ تعلیم وتربیت کیلئے ہونے والی سرزنش کو بخوشی قبول بھی کیا جاتا تھا۔

☆ پہلے زمانے میں معلّمین اور مکتبین کا بے حد ادب واحترام کیا جاتا تھا۔

ابو محمد یزیدی کا بیان ہے کہ میں مامون کا مؤدب اور معلّم تھا، ایک دن میں پہنچا تو وہ گھر کے اندر تھا، میں نے ایک خادم کو بلانے کیلئے بھیجا، جب وہ نہیں آیا تو دوسرے خادم کو بھیجا، پھر بھی نہیں آیا، تو میں نے کہا کہ: یہ لڑکا لغو کاموں میں رہا کرتا ہے،، درباریوں نے بھی کہا کہ: ہاں، آپ کے جانے کے بعد خادموں کو بہت پریشان کرتا ہے، آپ اس کو سزا دے کر سیدھا کریں، جب مامون آیا تو میں نے اس کو سات کوڑے رسید کئے، وہ روتا ہوا آنکھوں کو ملتا رہا، اتنے میں جعفر بن یحیٰ آگئے، اور انہوں نے اپنے رومال سے اس کے آنسو پونچھے، کپڑے درست کئے، اور اپنی مجلس میں بلا کر بٹھایا اور بہلا پھسلا کر ہنسایا، میں ڈرا کہ میری شکایت کرے گا، مگر جعفر بن یحیٰ نے مجھ سے کہا: ابو محمد! میں اس واقعہ کو جاننا نہیں چاہتا تھا، چہ جائیکہ ہارون رشید کو اس کی خبر دوں میں خود ادب کا محتاج ہوں۔ (۲)

خود سرپرست حضرات وہ خواہ کسی بھی طبقہ سے وابستہ رہے ہوں، مگر وہ مؤدبین اور مکتبوں (مکتب میں پڑھانے والوں) کا تہہ دل سے اکرام واحترام کرتے تھے، تاریخ کی کتابوں میں یہ واقعہ محفوظ ہے کہ ہارون رشید نے دیکھا کہ اس کے شہزادے استاذ محترم کے

(۱) الذخائر والتحف: ۱۱۲

(۲) تاریخ الخلفاء: المامون عبد اللہ بن عباس ۲۳۱/۱، مکتبہ نزار مصطفی ابن الباز

وضو کیلئے پانی ڈال رہے ہیں، تو برہم ہو گیا اور اپنے اتالیق سے کہنے لگا: تم نے میرے بچوں کو کیا ادب سکھایا ہے؟! معلم دین کی قدر دانی وعزت افزائی کا یہ حق ہے کہ وہ اُن کو حکم دیں کہ ایک ہاتھ سے وضو کیلئے پانی ڈالے اور دوسرے ہاتھ سے آپ کے اعضاءِ وضو کو ملے۔(۱)

☆ نو عمر بچّے ہی مستقبل کے رجالِ کار ہوتے ہیں، اس لئے ان کی ذہنی واخلاقی نشوونما اسلامی خطوط پر ہونا ضروری ہے، اور ایسے ماحول وفضاء کا فراہم کیا جانا ان کیلئے لابدی ہے جس میں خالص اسلامی تہذیب کی چھاپ ہو اور اجنبی ثقافت کے تمام ایمان سوز اثرات سے پاک ہو، اسی مکتبی تعلیم کی اہمیت وضرورت کے پیش نظر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے: تین چیزیں لوگوں کیلئے ضروری ہیں، ایک حاکم وامیر، ورنہ لوگ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہو جائیں گے، دوسری مصحف یعنی قرآن کی خرید وفروخت، ورنہ کتاب اللہ کا پڑھنا پڑھانا بند ہو جائے گا، اور تیسری بات یہ ہے کہ عوام الناس کی اولاد کو تعلیم دینے کیلئے معلّم ضروری ہے، جو اجرت لے، ورنہ لوگ جاہل رہ جائیں گے۔(۲)

☆ اکابرِ تابعینؒ کے دلوں میں مکاتب کے بچوں کی بڑی اہمیت تھی، چنانچہ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ جب مکتب کے پاس سے گذرتے تو فرماتے یہی بچے ہماری قوم کے رہنما ہیں۔(۳)

حضرت سفیان ابن عیینہؒ ایک مرتبہ کسی مکتب کے پاس سے گذر رہے تھے، بچوں کے قرآن پڑھنے کی آواز سن کر دھوپ میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا: بچوں کی آواز سے قرآن سن کر کیف وسرور حاصل ہو رہا ہے۔

حضرت سحنون نے محبتِ الٰہی سے مغلوب ہو کر کہا تھا: " فَلَيْسَ فِيْ سِوَاكَ حَظٌّ ، فَكَيْفَ مَا شِئْتَ فَامْتَحِنْ " اے اللہ! تیرے سوا میرا کسی سے کوئی تعلق نہیں، تو جیسے چاہے میرا امتحان لے، چنانچہ اللہ کی طرف سے اس کے بعد احتباسِ بول (پیشاب کے رکنے)

---

(۱) تربية الأولاد في الاسلام : ۱/ ۲۹۰
(۲) تربيت الأولاد في الاسلام : ۱/ ۲۹۱
(۳) طبقات ابن سعد : ۵/ ۱٤۱

کی آزمائش میں ڈالے گئے، خواب میں ایک بزرگ سے شکایت کی تو انہوں نے کہا: ”عَلَيْكَ بِدُعَاءِ الْكَتَاتِيبِ “یعنی تم مکتب کے بچوں سے دعا کراؤ، اس کے بعد وہ پیشاب کا قارورہ ہاتھ میں لے کر جس میں ان کے پیشاب کے قطرے گرتے تھے مکتبوں کا چکر لگاتے تھے” فكان بعد ذلك يطوف الكتاتيب وبيده قارورة يقطر فيها بوله “ اور نونہالوں سے کہتے تھے کہ: زبان کی وجہ سے اپنے بیمار چچا کیلئے دعا کرو۔(۱)

☆ ان مکاتب کے قیام کا مقصد مسلمان بچوں کو پڑھنے لکھنے اور حفظِ قرآن کی تعلیم دینا ہوتا تھا، خود حضور ﷺ نے بچوں اور نوجوانوں کی تعلیم کا خصوصی اہتمام کیا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے بدر کے مشرک قیدیوں کی رہائی دس مسلمان بچوں کو لکھنا سکھانے پر موقوف رکھی تھی انہیں دنوں میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے انصاری بچوں کی ایک جماعت کے ساتھ لکھنا سیکھا تھا”فيومئذ تعلم زيد بن ثابت رضی اللہ عنہ في جماعة من غلمة الانصار“ (۲)

☆ بچوں کو ان مکاتب میں عربی زبان کے احترام کی تعلیم دی جاتی تھی، خصوصاً جب ان کی تختیوں پر قرآن کریم کی آیات یا احادیث نبویہ لکھ کر دی جاتی تھیں، صحابیٔ جلیل حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (ت ۹۳ھ) سے پوچھا گیا کہ: حضراتِ خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں مؤدبین اور مکاتب کے معلمین کی کیا حالت ہوتی تھی؟ جواب دیا کہ معلم کے یہاں ایک مٹی کا برتن ہوا کرتا تھا، ہر لڑکا اپنی باری سے اس میں پاک پانی لا کر ڈالتا، جس سے تمام لڑکے اپنی تختیوں پر لکھی ہوئی تحریر کو مٹاتے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: پھر وہ ایک گڑھا کھودتے اور اس میں اس پانی کو ڈال دیتے اور پانی اس میں جذب ہو جاتا۔(۳)

اس سے اس دور کے مکاتب کے مؤدبین اور طلباء کی عربی زبان کے احترام اور قرآن و حدیث کی عقیدت کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔

(۱) تاریخ بغداد بشار: ۱۰/ ۳۲۴، دار الغرب الاسلامی، بیروت
(۲) الروض الأنف :نزول سورة الأنفال: ۵/ ۱۶۷
(۳) اداب المعلمين لابن سحنون : ۴۰–۴۱

☆ اس دور کے مشہورِ زمانہ مؤدبین اور مکاتب کے معلمین میں سے حجاج بن یوسف الثقفی بھی ہیں، یہ ایک مکتب میں تعلیم دیتے اور اجرت میں روٹی پاتے "یعلّم الصبیان ویاجرون الخبز" (۱) ابن مزاحم سے یہ پتہ چلا ہے کہ وہ کوفہ کے کسی مکتب کے معلم تھے ان کے یہاں تین ہزار طلباء تعلیم پاتے تھے۔

بہت سارے فقہاء اور علماءؒ نے اپنی ابتدائی تعلیم انھیں مکاتب میں پائی ہے، چنانچہ امام شافعیؒ اپنے لڑکپن میں مکتب کی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "میں اپنی ماں کے گود میں یتیم تھا، مجھے میری ماں نے ایک مکتب کے حوالہ کردیا، جب میں نے قرآن مجید ختم کیا تو میں مسجد میں جاکر علماء کی مجالس اور حلقوں میں بیٹھنے لگا" فلما ختمت القران دخلت المسجد، فکنت أجالس العلماء"(۲)

☆ عورتوں نے بھی شروع ہی سے مکاتب میں تعلیم دی ہے اور اس پہلو سے بھی انہوں نے اپنے کردار کو بخوبی نبھایا ہے، چنانچہ تابعی عبدربہ بن سلیمانؒ فرماتے ہیں کہ: ام درداء رضی اللہ عنہا نے مجھے اپنی تختی میں جو کچھ سکھایا تھا اس میں سے یہ بھی لکھ کردیا تھا "تعلّموا الحکمة صغارًا تعلمّوا بها کبارًا" حکمت بچپن سے سیکھو، اور بڑے ہونے کے بعد عمل کرو۔ اور کہا تھا: "انّ لکلّ حاصد زرع من خیر أو شر" ہر کاٹنے والا بوئے ہوئے شر یا خیر کو کاٹتا ہے۔ (۳)

☆ معلّمین کیلئے حق الخدمت کا دینا بھی ضروری ہے۔

ابتداء میں بیشتر تابعین تعلیمِ قرآن پر اجرت لینے کو ناپسند کرتے تھے، لیکن جب مسلم حکومت پر زوال آگیا اور اہلِ زمانہ علمِ دین کے تئیں ناقدری کا ثبوت دینے لگے اور

---

(۱) ماذا قدم المسلمون إلي العالم: ۱۹۲/۱، موسسة الإقراء للنشر والتوزیع، القاهرة
(۲) جامع بیان العلم وفضله: باب الحض علی استدامة الطلب: ۴۱۳/۱، دار ابن الجوزی، سعودیة
(۳) تاریخ دمشق: هجیمة، ۱۵۸،۷۰، دار الفکر للطباعة والنشر

علوم قرآنیہ کے حاملین اپنی معاشی ضروریات کی وجہ سے تدریسی یکسوئی چھوڑنے لگے تو اکابرِ امت نے اپنی نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی سے بجا طور پر یہ محسوس کیا کہ اگر یہ ہی بے اعتنائی اور لاپروائی کا تسلسل رہا تو ڈر ہے کہ قرآن کی تعلیم دینے والے اشخاص کا ہی قحط ہوجائے، نتیجہ نئی نسل علومِ دینیہ سے بے بہرہ رہ جائیگی، اور مدارس وجامعات ویران ہوجائیں گے، اور مادہ پرست اغیار کی تہذیب وثقافت کا غلبہ ہوجائیگا، اس لئے تعلیم دین پر اجرت کو جائز قرار دیا گیا، ابن وھب کا بیان ہے کہ میں امام مالکؒ کی مجلس میں موجود تھا، ان کے پاس مکتب کے ایک معلم نے آکر کہا کہ: ابوعبداللہ! میں بچوں کا معلم ومؤدب ہوں، میں تعلیم وتادیب پر اجرت کی شرط لگانا پسند نہیں کرتا، اور لوگوں کا حال یہ ہے کہ مجھے کچھ دیتے نہیں، تعلیم کے علاوہ میرا کوئی مشغلہ نہیں، اس لئے بال بچوں کی ضروریات پوری کرنے میں سخت پریشانی ہوتی ہے، اس کی باتیں سن کر امامِ مالکؒ نے کہا کہ: جاؤ تعلیم پر اجرت کی شرط لگاؤ اور پہلے سے معاملہ طئے کرو، معلم کے جانے کے بعد بعض لوگوں نے امام مالکؒ سے کہا کہ: ابوعبداللہ! آپ اس شخص کو حکم دیتے ہیں کہ تعلیم پر اجرت کی شرط لگائے، امامِ مالکؒ نے کہا کہ: ہاں، اگر ایسا نہ ہو تو کون ہمارے بچوں کی اصلاح کرے گا اور کون ان کو اخلاق اور ادب سکھائے گا، "لولا المعلّمون، أيّ شيئ كنّا نكون نحن" اگر معلّمین نہ ہوں گے تو ہم کس کام کے ہوں گے؟ (۱)

تاریخ مکاتب کا جائزہ لینے کے بعد قاضی اطہر مبارک پوریؒ فرماتے ہیں کہ: بعد میں جب مکاتب کا عام رواج ہوگیا، تو شہروں، دیہاتوں، صحراؤں اور قبیلوں میں شخصی اور انفرادی مکاتب کھل گئے، اور ہر طبقہ نے اپنے ذوق وضرورت کے مطابق بچوں کی تعلیم اور معلموں کے رزق واجرت کا انتظام کیا۔ (۲)

لیکن یہ حقیقت یاد رکھنی چاہئے کہ دنیا تنخواہ ملنے کی جگہ ہے (یعنی تن جتنا چاہتا ہے)

(۱) جامع بيان العلم وفضله: ذكر الرخصة في العلم: ۱/ ۷۵، دار الكتب العلمية بيروت
(۲) خیر القرون کی درسگاہیں: ۳۵۶

من خواہ ملنے کی جگہ نہیں ہے، پیسے کے ترازو میں علم کو تولنے والا استاذ اپنے علم کی تذلیل کررہا ہے۔

☆ مکاتب کے مدرسین و معلّمین کو حقیر اور کمتر نہ سمجھا جائے، بسا اوقات یہ دیکھا جاتا ہے کہ مکتب میں پڑھانے والا استاذ اپنے کو چھوٹا سمجھتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ دین کے اصل خدمت گذار تو وہ حضرات ہیں جو بڑے بڑے جامعات اور اداروں میں بخاری اور مسلم پڑھاتے ہیں، انہیں یہ تصور ہرگز نہیں کرنا چاہے؛ اس لئے کہ دین کی کوئی خدمت حقیر اور کمتر نہیں ہوتی، اکابر کی نظر میں مکتب کی خدمت کا کیا مقام تھا۔

عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق صاحب باندویؒ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بزرگ جن سے حضرت کا گہرا تعلق تھا اور حضرت کے دل میں ان کا بڑا مقام تھا، ان سے منسلک ایک صاحب نے کسی کے مکاشفہ کا تذکرہ کیا کہ یہ بزرگ اس وقت فلاں مقام پر فائز ہیں تو حضرت نے ہنس کر فرمایا: لوگ ان سب چکروں میں پڑے رہتے ہیں، علماءِ شریعت کا جو مقام ہے وہ کسی کا نہیں، اس کے بعد فرمایا: الف لام زبر اَلْ، حامیم زبر حَـم کا جو مقام ہے وہ کسی کا نہیں ہے، یعنی الف ب پڑھانے والے کا جو مقام ہے وہ کسی کا نہیں ہے۔ (۱)

اسی طرح ایک موقع پر فرمایا کہ: ”بہت سے قاعدہ پڑھانے والے کل قیامت کے روز امام بنے ہوں گے اور آگے آگے چل رہے ہوں گے اور بخاری شریف، حدیث شریف پڑھانے والے کل پریشان ہوں گے اور ناظرہ پڑھانے والوں کا دامن پکڑ رہے ہوں گے، اصل چیز تو اخلاص ہے، سچ کہتا ہوں کہ اخلاص کی بنا پر قاعدہ بغدادی پڑھانے والا بخاری پڑھانے والوں سے بھی بڑھ سکتا ہے۔ (۲)

☆ مکاتب کی اہمیت وافادیت کو اجاگر کرتے ہوئے اسلاف نے نہایت پُردرد اور پُراثر الفاظ میں اس کے قیام اور رواج پر زور دیا ہے۔

---

(۱) تذکرۃ الصدیق : ۱۸

(۲) تذکرۃ الصدیق : ۲/۲۹

حضرت مولانا منظور نعمانی ؒ نے دینی تعلیم کونسل کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: دو باتوں میں سے کسی ایک کیلئے تیار ہو جائیں، یا اپنے بچوں کے دینی اور تہذیبی ارتداد پر راضی ہو جائیں یا اس راستے میں ہمیں جو محنت کرنی ہے اس کیلئے کسی بھی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کریں۔(۱)

حضرت علی میاں ؒ نے فرمایا: آج جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے اور جو تمام موانع اور رکاوٹوں پر غالب آسکتی ہے، وہ ہمارا فیصلہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کی دینی تعلیم کو ہر تعلیم پر مقدم رکھیں گے اور بغیر اس ضروری تعلیم کے جس سے وہ اپنے پیدا کرنے والے کو، اپنے پیغمبر کو، اپنے عقیدے اور اپنے فرائض دینی کو پہچان سکیں، خالص رواجی یا معاشی تعلیم دلانا گناہ اور اپنے مذہب سے بغاوت سمجھیں، اگر ہمارا یہ فیصلہ ہے اور ہم اس میں سچے ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت، کوئی ترغیب، کوئی مصلحت، کوئی تعزیر ہم کو صراط مستقیم سے ہٹا نہیں سکتی اور ہماری نسلوں کو اسلام کی نعمت سے محروم نہیں کر سکتی اور اگر ہمارا یہ فیصلہ نہیں ہے تو حکومت کی کوئی رعایت، کوئی استثناء، کوئی تحفظ، کوئی انتظام ہم کو اس فساد والحاد اور اس انحراف وارتداد سے بچا نہیں سکتا، جس کی طرف دنیا تیزی سے بڑھ رہی ہے، جو قومیں اپنے بارے میں فیصلہ نہ کر سکیں، اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔(۲)

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے فرمایا: بالکل صاف کہتا ہوں کہ بچوں کے عید کے کپڑے بنانے سے ہزار بار زیادہ اور بچہ بیمار ہو جائے تو اس کا بہتر سے بہتر علاج کرنے سے سیکڑوں بار زیادہ اور اپنے بچوں کو نوکری کے قابل بنانے سے لاکھ بار زیادہ، یہ ضرورت ہے کہ اس کو سچا پکا مسلمان بنایا جائے۔(۳)

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے فرمایا: اگر کسی ماں کی گود سے بچہ چھین لیا جائے تو

(۱) مکاتب کی اہمیت، اکابرامت کی نظر میں: ۱
(۲) مکاتب کی اہمیت، اکابرامت کی نظر میں: ۵
(۳) مکاتب کی اہمیت، اکابرامت کی نظر میں: ۶

کہرام مچ جاتا ہے، لوگ دوڑ پڑتے ہیں، پوری بستی میں ہنگامہ ہو جاتا ہے اور یہ ڈر رہو جاتا ہے کہ کہیں فساد نہ ہو جائے، اس وقت ایماندار ماؤں کی گود سے نہایت اطمینان سے بچے چھینے جارہے ہیں، لیکن ہمیں اس کا احساس تک نہیں۔ (یعنی ایمانی ماؤں کے گود سے ان کے بچے ان کی غیر ایمانی ذہن سازی کر کے چھینے جارہے ہیں)۔(۱)

حضرت مولانا منظور صاحب نعمانیؒ نے فرمایا: ہمیں یہ طئے کرنا ہے کہ ہم ان مکاتب کو سرکاری مداخلت سے بالکل آزاد رکھیں گے، اور ان کا سارا بوجھ ہم خود اٹھائیں گے، ہمیں عیش کوشی، آرام طلبی کی زندگی کو چھوڑ کر جفاکشی کی زندگی گذارنا ہے، اور اس ملک میں اپنی عزت وآبرو کا تحفظ اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے کہ ہم پیٹ کاٹ کر کے یہ مکاتب قائم کریں گے اور ان کا بوجھ اٹھائیں گے، اللہ تعالیٰ کی مدد بھی انہیں کو حاصل ہوتی ہے جو خود بھی اس کی راہ میں قربانی دیں "اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ" اپنے یہ مکاتب قائم کرنے کے ساتھ ہمیں ایک مہم بنا کر اس کیلئے بھی بہت بڑی جدوجہد کرنی ہوگی کہ مسلمان بچے ہمارے ان مکاتب ہی میں تعلیم حاصل کریں۔(۲)

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے فرمایا: جو مکتب ایک دفعہ قائم ہو جائے اس کے ٹوٹنے کو گناہ سمجھئے اور یہ سمجھئے کہ خدا کے یہاں آپ سے سوال کیا جائے گا، مسجد اگر شہید ہو جائے تو آپ ڈر جاتے ہیں، اگر قرآن مجید خدانخواستہ گر جائے تو مسلمان کانپ جاتا ہے، وہ کیسا ہی مسلمان کیوں نہ ہو؟ بے شک، مسجد کا شہید ہو جانا بڑا گناہ ہے، لیکن اگر مسجدیں بنی ہوئی ہیں تو ان کو آباد بھی تو ہونا چاہئے؟ ان کو آباد کرنے والے بھی تو بنائے؟ (۳)

☆ موجودہ زمانے میں ٹیوشن یعنی معلم کو گھر بلا کر خاص طور پر اپنے بچوں کو پڑھانے کا رواج ہوتا جارہا ہے، اس کے بارے میں پہلی بات تو یہ کہی جائے گی جو حضرت امام مالکؒ نے

---

(۱) مکاتب کی اہمیت، اکابر امت کی نظر میں: ۱۰

(۲) مکاتب کی اہمیت، اکابر امت کی نظر میں: ۱۱

(۳) مکاتب کی اہمیت، اکابر امت کی نظر میں: ۱۲، مطبوعہ، اہم چیریٹیبل ٹرسٹ، ممبئی

ہارون رشید سے اس وقت کہا تھا، جب ہارون رشید نے حضرت امام مالک ؒ کو گھر آ کر بچوں کو پڑھانے کی درخواست کی تھی "العلم لا یأتی ولکن یؤتی إلیه" (۱) علم خود نہیں آتا اس کیلئے سفر کیا جاتا ہے۔

تجربہ یہ ہے کہ بچہ ماحول کے بغیر نہیں سیکھتا، اور ماحول میں سنتے سنتے دوسروں کا سبق بھی دوہرانے لگتا ہے، اور ٹیوشن میں اخراجات زیادہ ہوجاتے ہیں اور نفع کم ہوجاتا ہے، اس کے بجائے اجتماعی طور پر عرب وعجم میں، مشرق ومغرب میں مکاتب کے نظام کو رواج دینے کی ضرورت ہے اور یہ سب عوامی چندہ سے ہو، نہ کہ حکومتِ وقت کے رحم وکرم سے، ان شاء اللہ خاطر خواہ نتائج ضرور برآمد ہوں گے۔

مکاتب میں اجتماعی تعلیم کے فوائد:

۱- ہر بچے کا ایک ایک منٹ سیکھنے میں صرف ہوگا، اگر ایک گھنٹے میں ۲۰؍طلبہ انفرادی پڑھتے ہیں تو ہر بچے کو استاذ کے سامنے صرف ۳؍منٹ ملیں گے اور اجتماعی تعلیم میں ہر بچے کو ۶۰؍منٹ پورے ملیں گے یعنی ۲۰؍گنا زیادہ فائدہ ہوگا۔

۲- ہر مدرسہ واسکول اور کالج میں اجتماعی تعلیم ہوتی ہے؛ اس لئے مکتب میں بھی اجتماعی تعلیم ہونا چاہئے۔

۳- دنیا میں بے شمار زبانیں ہیں اور تمام زبانوں کو سیکھنے کے لئے اجتماعی تعلیم کا نظم ہے؛ لہٰذا عربی زبان سکھانے کیلئے بھی اجتماعی تعلیم کا طریقہ کار ہونا چاہئے۔

۴- اجتماعی تعلیم کے ذریعے استاذ بچوں پر یکساں توجہ دے سکتا ہے جس کی وجہ سے بچوں کو شرارت کرنے کا موقع نہیں مل پاتا۔

۵- اجتماعی تعلیم کی وجہ سے کم توجہ دینے والے طلبہ یا جن بچوں کو سبق جلد یاد نہیں ہوتا وہ بھی غیر محسوس طریقے سے سبق یاد کرلیتے ہیں۔

۶- اجتماعی تعلیم سے بچوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

(۱) دروس الشیخ ابو اسحاق الحوینی، باب تواضع النبی، مکتبة الشاملة

۷- اجتماعی تعلیم سے بچوں میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے اور بچوں کی جھجک دور ہوتی ہے۔
۸- اجتماعی تعلیم کے ذریعہ بچوں کو تعلیمی ماحول ملتا ہے اور سبق درسگاہ میں یاد ہو جاتا ہے۔
۹- اجتماعی تعلیم میں وقت کی بچت ہونے کی وجہ سے نورانی قاعدہ اور قرآن کریم کے علاوہ دین کی ضروری اور بنیادی باتیں بچوں کو پڑھائی جاسکتی ہیں۔(۱)

بچوں کی نفسیات سے واقفیت:

طالب علموں کی نفسیات کے مطالعہ تعلیم وتربیت میں آسانی پیدا ہوتی ہے:

نفسیات کے مطالعہ سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ طلباء اس کے حکم کو بصد خوشی ماننے پر مجبور ہوتے ہیں۔

نفسیات سے واقف استاذ بچوں میں مدرسہ آنے اور علم سیکھنے کی رغبت پیدا کرتا ہے۔

علم نفسیات سے واقف استاذ خشک سے خشک مضمون کو دلچسپ بنا کر طلبہ کے سامنے پیش کرسکتا ہے۔

مقولہ مشہور ہے کہ ”جبل گردد جبلت نہ گردد“ نفسیات کا ماہر شخص انسانی بری جبلت کا ازالہ نہیں کرتا؛ بلکہ وہ اس کا امالہ اچھے کام کی طرف کردیتا ہے، چنانچہ نفسیات سے واقف استاذ شریر بچوں کی اصلاح اچھی طرح کرسکتا ہے۔

نفسیات کا ماہر استاذ مار پیٹ کے بغیر طلبہ پر اپنا وقار قائم کرسکتا ہے۔

نفسیات کا ماہر استاذ بچوں کو نظم ونسق کا عادی بنا سکتا ہے اور ان کی تنظیمی صلاحیت پیدا کرسکتا ہے۔

علم نفسیات سے ناواقفیت کے نقصانات:

علم نفسیات سے ناواقف استاذ طلبہ میں تعلیم حاصل کرنے کی رغبت کو ختم کردیتا ہے جیسے سبق یاد نہ کرنے پر اتنی پٹائی کرے کہ بچہ کا دل پڑھنے سے ہٹ جائے۔

---

(۱) طریقۂ تعلیم:۳۰

علم نفسیات سے ناواقف استاذ بچوں میں مجرمانہ ذہنیت پیدا کردیتا ہے جیسے کوئی استاذ کسی بچے کو برے القاب (غنڈا اڈاکو وغیرہ) سے پکارے تو چند دنوں کے بعد اس بچے میں اسی طرح کی ذہنیت پیدا ہوجاتی ہے۔

علم نفسیات سے ناواقف استاذ سے بچے پریشان رہتے ہیں اوراس کی پیٹھ پیچھے غیبت کرتے ہیں۔

علم نفسیات سے ناواقف استاذ کا ادب واحترام بچے دل سے نہیں کرتے ، اس لئے مکتب و مدرسہ سے نکلنے کے بعد وہ استاذ کو مڑکر بھی نہیں دیکھتے، کوئی تعلق ہی نہیں رکھتے۔

علم نفسیات سے ناواقف استاذ سے بچوں میں احساس کمتری اوراحساس کہتری جیسے نفسیاتی مرض پیدا ہوتے ہیں، ذہین بچہ بھی اپنے آپ کو کند سمجھنے لگتا ہے۔(۱)

جس طرح بچوں کی صلاحیت کی تعمیر کی جاتی ہے، اسی طرح اس کی نفسیات کی تعمیر بھی کم عمری میں ہوتی ہے، یہاں نفسیات کی تعمیر کے چند اصول پیش کئے گئے ہیں جو ایک شخصیت کے کردار کو بنانے کے زریں اصول ہیں:

جس بچے کی ہر وقت حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، اس میں خوداعتمادی پیدا ہوتی ہے۔

جس بچے سے شفقت کا معاملہ کیا جاتا ہے وہ فرماں بردار بن جاتا ہے۔

جس بچے سے سچائی کا معاملہ کیا جاتا ہے وہ انصاف پسند ہوجاتا ہے۔

جس بچے کو تنبیہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے ڈرایا جاتا ہے وہ متقی بن جاتا ہے۔

جس بچے کی ہمیشہ مار پیٹ کی جاتی ہے وہ باغی بن جاتا ہے۔

جس بچے کی مانگ اصرار کرنے اور رونے کے بعد پوری کی جاتی ہے وہ ضدی بن جاتا ہے۔

جس بچے پر بھروسہ نہیں کیا جاتا وہ دھوکے باز بن جاتا ہے۔

جس بچے کا ہر وقت مذاق اڑایا جاتا ہے وہ احساس کمتری میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

---

(۱) طریقۂ تعلیم: ۵۳

جس بچے پر ہر وقت تنقید کی جاتی ہے وہ نافرمان ہو جاتا ہے۔
جس بچے کو موہوم چیزوں سے ڈرایا جاتا ہے وہ بزدل بن جاتا ہے۔
جس بچے پر ہر وقت غصہ اور ڈانٹ پھٹکار کی جاتی ہے وہ لڑاکو بن جاتا ہے۔
جس بچے پر ہر وقت غصہ اور ڈانٹ پھٹکار کی جاتی ہے اس کے ذہن میں تشنج (ٹینشن) پیدا ہوتا ہے جو اس کو ذرا ذرا سی بات پر غصہ کا عادی بنا دیتا ہے۔
بچے کو مار پیٹ کرنے والے مربی سے انسیت کے بجائے بعد پیدا ہوتا ہے۔(۱)

مدارس اسلامیہ اور عصری علوم

اسلامی معاشرت کا ضروری علم جس کا سیکھنا مسلمان پر فرض عین ہے، وہ مکاتب سے بالعموم مل جاتا چاہئے؛ لیکن عالم دین بننا، انجینئر اور ڈاکٹر بننا فرض کفایہ ہے، علمائے دین سے ہی مساجد کا نظام، حلال وحرام سے آگہی، طلاق ونکاح کے مسائل، عقیقے وجنازے سے واقفیت، معاشرے میں پھیلنے والی برائیوں کا علاج ہو پاتا ہے، پوری بستی میں کوئی عالم دین نہ ہو تو وہ بستی بے لگام اور تباہ ہو جاتی ہے۔

کسان زراعت اور عشر وخراج کے مسائل جاننے میں، تاجر سود کی نزاکتوں کو پہنچاننے میں، مضاربت اور شرکت کو صحیح رخ دینے میں اور ہر مسلمان اپنی آمدنی وخرچ کا صحیح انتظام کرنے میں علماء کا محتاج ہے، اہل سنت والجماعت کے مشرب کے صحیح ترجمانی کرنے والے علماء کی موجودگی ہر وقت نہایت ضروری ہے، تاکہ ہر گمراہ فکر کا مقابلہ کیا جاسکے اور امت مسلمہ کی رہبری کا فریضہ انجام دیا جائے، انجینئر، ڈاکٹر نماز کی طرح انہیں ہر شعبہ میں اپنا امام بنالیں تو دنیا وآخرت کی کامیابی ضرور ملے گی، ان علماء کو پیدا کرنے کا کارخانہ مدرسہ ہے، دارالعلوم دیوبند کے نہج پر مدرسہ کا قائم ہونا اسلامی معاشرے کی بجلی وپانی سے بڑی ضرورت ہے۔

---

(۱) طریقۂ تعلیم:۶۹

عصری علوم ڈاکٹری اور انجینئرنگ حاصل کرنا ضروری ہے؛ تا کہ انسان ضرورتیں پورا کرنے میں خود کفیل ہے اور اسباب کے درجہ میں سائنس وٹکنالوجی کے ذریعہ ملک وقوم کی حفاظت ہوسکے اور ذریعہ معاش کا بھی ایک سامان ہوجائے، اس کیلئے مغربی نصاب ونظام کے جراثیم سے پاک عصری اسکولوں کا قائم کرنا اسلامی معاشرہ کیلئے ضروری ہے، اس سلسلہ میں بڑی تفصیلات ہیں، مختصر یہ ہے کہ دشمن عصری تعلیم کے راستہ سے پوری قوم کو فکری غلامی میں جکڑ رہا ہے، کالجس اور اسکول بچوں کے دینی احیاء، انسانی اقدار، بلند کردار کے اجتماعی خودکشی کے اڈے بن چکے ہیں۔

مسلمان مستقل ماہر علماء ربانی کی نگرانی میں عصری ادارے، کالجس اور یونیورسیٹیاں قائم کریں، یا کم از کم دعوت وتبلیغ کی عالمگیر، نفع بخش محنت کو اپنے اداروں میں فروغ دیں۔

اپنی جان کے حقوق

اللہ عزوجل نے انسان کو جو جان دی ہے وہ بطورِ امانت اس کے حوالے کی ہے، اس لئے اس کی حفاظت اور نگہداشت ہماری ذمہ داری اور ہمارا فریضہ ہے، اس کی حفاظت میں یہ شامل ہے کہ اس کی صحت کی حفاظت کی جائے، دوسرے اس کی قوت کی حفاظت کی جائے، تیسرے اس کی یکسوئی کا سامان کیا جائے، اس کو ہر طرح کے ہموم وغموم اور مصائب و پریشانیوں سے محفوظ رکھا جائے، (اس کیلئے بقدرِ کفاف مال کے حاصل کرنے کی سعی کرے) کیوں کہ ان چیزوں میں خلل آنے سے دین کے کاموں میں ہمت نہیں رہتی، نیز دوسروں کی خدمت اور امداد نہیں ہو پاتی، کبھی ناشکری اور بے صبری سے ایمان بھی کھو بیٹھتا ہے۔

☆　صحت جسمانی کی نگہداشت کے ضروری اور لازم ہونے پر یہ آیات وروایات دلالت کرتی ہیں:

۱۔　اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نعمتوں کو شمار کرتے ہوئے فرمایا: جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے "وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ" (۱) اس سے صحت کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔

۲۔　حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (شب بیداری اور نفل روزہ میں زیادتی کی ممانعت میں) فرمایا کہ: تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے "فان لجسدك عليك حقا، وان لعينك علي حقا، وان لزوجك عليك حقا" (۲)

(۱)　الشعراء: ۸۰

(۲)　بخاری: باب حق الأهل فی الصوم، حديث: ۱۹۷۷

اس سے پتہ چلا کہ زیادہ جاگنے اور بالکل بھوکے رہنے سے صحت خراب ہو جاتی ہے اور اس کا اثر انسان کے قویٰ پر پڑے گا اور وہ مضمحل ہو کر پھر دوسرے فرائض کی ادائیگی کے قابل نہ رہیں گے۔

۳- حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ ان کے بارے میں کثرت سے لوگ نقصان اور خسارے میں رہتے ہیں (یعنی ان سے کام نہیں لیتے جس سے دینی نفع ہو)، ایک صحت اور دوسرے بے فکری" الصحة والفراغ " (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ صحت اور فراغتِ نفس بھی مطلوب ہے، چونکہ جب آدمی صحت مند اور بے فکر ہوتا ہے تو اس کو متوجہ الی اللہ ہونے میں یکسوئی نصیب ہوتی ہے۔

۴- ایک روایت میں ہے، حضرت عمرو بن میمون اودی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں (کے آنے) سے پہلے غنیمت سمجھو (اور ان سے دین کے کاموں میں مدد لو) جوانی کو بڑھاپے سے پہلے غنیمت سمجھو اور صحت کو بیماری سے پہلے، اور مالداری کو افلاس سے پہلے اور بے فکری کو پریشانی سے پہلے اور زندگی کو مرنے سے پہلے" شبابك قبل هرمك ، وصحتك قبل سقمك ، وغناك قبل فقرك ، وفراغك قبل شغلك ، وحياتك قبل موتك" (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ جوانی میں جو صحت وقوت ہوتی ہے وہ اور فراغت اور مالی گنجائش بڑی نعمتیں ہیں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا دونوں چیزیں اتاری ہیں اور ہر بیماری کیلئے دوا بھی بنائی، سو تم دوا کیا کرو

---

(۱) بخاری: ما جاء فی الصحة والفراغ ، حدیث : ٤١٤

(۲) المستدرك: كتاب الرقاق: حديث: ٧٨٤٦، حاکم نے اس روایت کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے، اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

اور حرام چیز سے دوامت کرو "ان اللّٰہ انزل الداء والدواء، وجعل لکل داء دواء فتداووا ولا تداووا بحرام" (۱)

اس حدیث سے بھی صحت کا مطلوب ہونا معلوم ہوا۔

حضرت ام منذر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک موقع پر) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: یہ (کھجور) مت کھاؤ، تم کو نقاہت ہے، پھر میں نے چقندر اور جو تیار کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے علی رضی اللہ عنہ! اس میں سے لے لو، یہ تمہارے موافق ہے "یا علی رضی اللہ عنہ، من هذا فأصب، فإنه أوفق لك" (۲)

☆ انسان کی قوت اور طاقت برقرار رہے وہ مضبوط و توانا رہے، اس کیلئے کوشش کرنا اور اسباب اختیار کرنا بھی شرعاً مطلوب ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے کہ: اور ان دشمنوں کیلئے جس قدر تم سے ہو سکے قوت تیار رکھو "وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ" (۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: قوت والا مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم قوت والے مومن سے بہتر اور زیادہ پیارا ہے "المؤمن القوی، خیر وأحب إلى الله من المؤمن الضعيف" اور یوں سب میں خوبی ہے۔ (۴)

جب قوت اللہ کے نزدیک پیاری چیز ہے تو اس کو باقی رکھنا اور بڑھانا اور جو چیزیں قوت کو کم کرنے والی ہیں ان سے احتیاط کرنا یہ سب مطلوب ہوگا، اس میں غذا بہت کم کر دینا، نیند کا بہت کم کرنا، ہم بستری میں حد قوت سے آگے زیادتی کرنا، ایسی چیز کھانا جس سے بیماری ہو جائے یا بد پرہیزی کرنا، جس سے بیماری بڑھ جائے اور قوت کمزور پڑ جائے، قوت کو باقی

(۱) ابوداؤد: باب في الأدوية المكروهة، حديث: ۳۸۷۴
(۲) ترمذی: باب ما جاء في الحمية، حديث: ۲۰۳۷، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے
(۳) الانفال: ۶۰
(۴) مسلم: الأمر بالقوة وترك العجز، حديث: ۲۶۶٤

رکھنے کیلئے دوڑنا، پیادہ چلنے کی عادت ڈالنا، جن اسلحہ کی قانون سے اجازت ہے یا اجازت حاصل ہو سکتی ہے، ان کی مشق کرنا، یہ سب داخل ہیں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ تیر اندازی بھی کیا کرو اور سواری بھی کیا کرو "ارموا واركبوا" (۱)

گھوڑ سواری سیکھنا بھی ایک ورزش ہے، اس سے قوت بڑھتی ہے۔

انہیں سے روایت ہے کہ جس نے تیر اندازی سیکھی پھر اسے چھوڑ دیا وہ ہم سے نہیں یا یوں فرمایا: وہ ہم سے نہیں "من علِم الرمي، ثم تركه، فليس مِنا، و قد عصى" (۲)

☆ انسان کے پاس بقدر کفاف مال ہو اور فکروں سے آزاد ہو اور اسے فراغت قلب نصیب ہو یہ بھی شرعاً مطلوب و مقصود ہے۔

اللہ عز وجل نے ارشاد فرمایا: اور مال کو بے موقع مت اڑانا "وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا" (۳)

اس میں مال میں تنگی سے جان میں پریشانی سے بچنے کا حکم دیا گیا۔

۱۔ حضرت عبید اللہ بن محصن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص تم میں سے اس حالت میں صبح کرے کہ اپنی جان میں (پریشانی سے) امن میں ہو اور اپنے بدن میں (بیماری سے) عافیت میں ہو اور اس کے پاس اس دن کے کھانے کو ہو (جس سے بھوکا رہنے کا اندیشہ نہ ہو) تو یوں سمجھو کہ اس کیلئے ساری دنیا سمیٹ کر دے دی گئی "من أصبح منكم آمنا في سربه، معافى في جسده، عنده قوت يومه، فأنما حيزت له الدنيا" (۴)

اس سے صحت اور امن و عافیت اور بقدر کفاف مال کے حصول کا مطلوب ہونا معلوم ہوا

---

(۱) ترمذی: باب في فضل الرمي في سبيل الله، حديث: ۱۶۳۷، ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) مسلم: فضل الرمي والحث عليه، حديث: ۱۹۱۹

(۳) بنی اسرائیل: ۲۶

(۴) ترمذی: باب التوكل على الله، حديث: ۲۳۴۶، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

۲- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص حلال دنیا کو اس لئے طلب کرے کہ مانگنے سے بچا رہے اور اپنے اہل وعیال کے (ادائے حقوق) کیلئے کمایا کرے اور اپنے پڑوسی پر توجہ رکھے تو اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن ایسی حالت میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند جیسا ہوگا " من طلب الدنیا حلالا استعفافا عن مسلة ، سعیا عل أهله ، وتعطفا علی جاره ، جاء یوم القیامة، ووجهه القمر لیلة البدر" (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ کسب مال بقدر ضرورت دین بچانے کیلئے اور ادائے حقوق کیلئے بڑی فضیلت کی چیز ہے۔

۳- حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا کی بے رغبتی (جس کا حکم ہے) نہ حلال کو حرام کرنے سے ہے، اور نہ مال کے ضائع کرنے سے۔ "الزهادة فی الدنیا لیست بتحریم الحلال ولا إضاعة المال" (۲)

---

(۱) شعب الإیمان : الزهد وقصر الأمل ، حدیث: ۱۰۳۷۵

(۲) ترمذی: باب ما جاء فی الزهادة فی الدنیا، حدیث: ۲۳۴۰ ، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔

استاذ کے حقوق

☆ استاذ کی قدر و تعظیم کرے اور ان کا احترام اور ادب بجالائے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ " (۱) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان کیا کہ ان میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر کو بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ جو کسی کو تعلیم دے تو اس پر اس کا انعام ہے؛ لہٰذا اس کی قدر و تعظیم بجالانا چاہیے۔

☆ علم کا ادب یہ ہے کہ شاگرد پڑھنے کیلئے خود استاذ کے پاس جائے، استاذ جس بات کے پوچھنے سے منع کریں رک جائے، اگر غلطی سے استاذ کے مزاج کے خلاف کوئی بات ہو جائے تو معذرت کرے۔

یہ تمام آداب واحکام حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ سے معلوم ہوتے ہیں: " قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا " (۲)

☆ استاذ کے یہاں بلا اجازت نہ جائے۔

چونکہ ارشادِ خداوندی ہے " اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ" (۳) مومن وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، اور جب ہوتے ہیں رسول ﷺ کے ساتھ کسی اجتماعی بات پر تو نہیں جاتے جب تک کہ آپ ﷺ سے اجازت نہ لے لیں۔

---

(۱) ال عمران: ۱۶۴ (۲) الکہف: ٦٦ (۳) النور: ٦٢

☆ استاذ (علم دین پڑھانے والا) سب سے زیادہ سخی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: کیا تم جانتے ہو کہ سب سے زیادہ سخی کون ہے؟ انہوں نے (ازراہِ ادب) عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی زیادہ جانتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ ہیں، پھر تمام بنی آدم میں سب سے زیادہ میں سخی ہوں، اور پھر سب سے زیادہ سخی وہ شخص ہے جس نے علمِ دین سیکھا اور اس کو پھیلایا، یہ شخص قیامت میں تنہا بمنزلہ ایک امیر کے آوے گا۔(۱)

☆ استاذ، شاگرد کو کسی کتاب کے پڑھنے سے منع کرے تو شاگرد کو اس کے مطالعہ سے رک جانا چاہئے۔

چونکہ حضور اکرم ﷺ نے ایک امیرِ لشکر کو حکم نامہ لکھ کر دیا اور (ایک مصلحت کے سبب) یہ فرمایا کہ جب تک فلاں مقام پر نہ جاؤ اس کو مت پڑھنا، چنانچہ اسی کے موافق عمل کیا، " فلمّا بلغ ذلك المكان قرأهٗ على النّاس وأخبرهم بأمر النبى ﷺ " (۲)

☆ شاگرد کے بے جا اور بے ڈھنگے اور بے جوڑ سوالات پر استاذ کو غصہ آجائے تو شاگرد اس کا تحمل کرے۔

زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے لقطہ (گری ہوئی چیز کے پانے) کا مسئلہ دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس سر بند اور ظرف (تھیلی وغیرہ) پہچان لے اور سال بھر تک اس کی تعریف کر (اعلان کیا کر) اگر کوئی مالک نہ ملے (اور تو محتاج ہو تو اس سے نفع اٹھا ورنہ صدقہ کر دے) پھر اگر اس کا مالک آوے تو اس کو دیدے، اس سائل نے کہا: گمشدہ اونٹ کا حکم کیا ہے؟ اس سوال سے آپ ﷺ پر غصہ کے آثار نمایاں ہوئے؛ یہاں تک کہ رخسارِ مبارک سرخ ہو گئے، "فغضب حتّى احمرّت وجنتاه " آپ ﷺ نے فرمایا: تجھے اس سے کیا کام ہے؟ اس کیلئے اس کا مشک ہے اور

---

(۱) بیهقی

(۲) بخاری: باب ما یذکر فی المناولة، حدیث: ٦٤

اس کے موزے، پانی پر جا کر پانی پیتا ہے اور درختوں سے چارہ کھاتا ہے؛ یہاں تک کہ اس کا مالک اسے حاصل کرلے گا "ترد الماء، وتأكل الشجر، دعها حتى يجدها ربها" (۱)

☆ جس قدر ممکن ہو سکے استاذ کے ساتھ رہنے کی کوشش کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے کہ وہ اپنے پیٹ بھر غذا ملنے تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہمیشہ رہتے تھے، اس قدر اور لوگ حاضر نہ رہ سکتے تھے اور احادیث اس قدر یاد کرتے تھے اور لوگ یاد نہ کر سکتے تھے "ويحفظ ما لا يحفظون" (۲)

☆ استاذ کی تقریر کے وقت شاگردوں کو بالکل خاموش رہنا چاہیئے۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں خطبہ کے وقت حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: لوگوں کو چپ کرو "استنصت الناس" (۳)

☆ اگر استاذ کسی بات پر ناراض ہوں تو ان کو خوش کرنا چاہیئے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک نسخہ توراۃ کا جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ نسخہ توراۃ کا ہے، یہ سن کر آپ ﷺ خاموش ہو رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو پڑھنا شروع کیا اور جناب رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہوا "وجعل يقرأ ووجه رسول الله يتغيّر" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عمر! روئیں تجھ پر رونے والیاں، رسول اللہ ﷺ کے رُخِ انور کو دیکھنا چاہیئے۔ (۴)

---

(۱) بخاری: باب من عرف اللقطة ولم يدفعها، حديث: ۲۴۳۸

(۲) بخاری: باب حفظ العلم، حديث: ۱۱۸

(۳) بخاری: باب الانصات للعلماء، حديث: ۱۲۱

(۴) سنن الدارمي: مسند عبد الله بن عمر، حديث: ۴۴۹

☆ اہل علم اور استاذ کے ساتھ ادب و تواضع کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہیں سکھانے والے عالم کا یہ حق ہے کہ تم اس سے سوال زیادہ نہ کرو اور جواب دینے کی مشقت میں نہ ڈالو یعنی اسے مجبور نہ کرو کہ اور جب وہ تم سے منہ دوسری طرف پھیرے تو پھر اس پر اصرار نہ کرو اور جب وہ تھک جائے تو اس کے کپڑے نہ پکڑو اور نہ ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کرو اور نہ آنکھوں سے اور اس کی مجلس کا کچھ نہ پوچھو اور اس کی لغزشیں تلاش نہ کرو اور اگر اس سے کوئی لغزش ہو جائے تو رجوع کرنے کا انتظار کرو، اور جب وہ رجوع کرلے تو تم اسے قبول کرو اور یہ بھی نہ کہو کہ فلاں نے آپ کی بات کے خلاف بات کہی ہے اور اس کے کسی راز کا افشاء نہ کرو اور اس کے پاس کسی کی غیبت نہ کرو، اس کے سامنے اور اس کے پیٹھ پیچھے دونوں حالتوں میں اس کے حق کا خیال کرو اور تمام لوگوں کو سلام کرو؛ لیکن اسے خاص طور پر سلام کرو، اور اس کے سامنے بیٹھو اگر اسے کوئی ضرورت ہو تو دوسروں سے آگے بڑھ کر اس کی خدمت کرو "وان کانت له حاجة سبقت القوم الی خدمته" اور اس کے پاس جتنا بھی وقت گذرے تنگ دل نہ ہو؛ کیونکہ یہ عالم کھجور کے درخت کی طرح ہے جس سے ہر وقت کسی نہ کسی فائدے کے حاصل ہونے کا انتظار رہتا ہے اور یہ عالم اس روزہ دار کے درجہ میں ہے جو اللہ کے راستے میں جہاد کر رہا ہو، جب ایسا عالم مر جاتا ہے تو اسلام میں ایسا شگاف پڑ جاتا ہے جو قیامت تک پر نہیں ہو سکتا اور آسمان کے ستر ہزار مقرب فرشتے طالب علم کے ساتھ (اکرام کیلئے) چلتے ہیں (۱)

☆ اسلاف اپنے اساتذہ کے ساتھ عزت واحترام کا اور تواضع کا معاملہ کرتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ام ولد باندی حضرت جمیلہ کہتی ہیں کہ: جب حضرت ثابت بنانیؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اے لونڈیا! ذرا خوشبو لانا کہ میں اپنے ہاتھوں کو لگالوں، یہ ثابتؒ کی ماں اور بیٹا یعنی خود

---

(۱) کنز العمال: أداب العلم متفرقة، حديث: ۲۹۵۲۰

حضرت ثابتؒ، جب تک میرے دونوں ہاتھوں کو چوم نہیں لے گا، اس وقت تک راضی نہیں ہوگا "فانّ ابن امّ ثابت لا یرضی حتی یقبل یدی" (۱) یہ ثابت بنانی بصریؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں، استاذ کے احترام میں ان کے ہاتھوں کو چوم لیتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک بات پوچھنا چاہتا تھا؛ لیکن ان کے رعب اور ہیبت کی وجہ سے ان سے دو سال تک نہ پوچھ سکا، یہاں تک کہ کسی سفر یا حج یا سفرِ عمرہ کسی ضرورت کیلئے مر الظہر ان کی وادی میں اراک مقام پر اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گئے اور مجھے تنہائی کا موقع مل گیا تو میں نے کہا: اے امیر المؤمنین! میں آپ سے دو سال سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں؛ لیکن صرف آپ کی ہیبت کی وجہ سے نہ پوچھ سکا، "انّی أرید أن أسئلك عن حدیث منك منذ سنتین ما استطیع هیبة لك" انہوں نے فرمایا: جس بات کا مجھ سے پوچھنے کا ارادہ ہو تو فوراً پوچھ لیا کرو، اگر مجھے وہ بات معلوم ہوئی تو میں تمہیں بتا دوں گا، ورنہ کہوں گا، مجھے معلوم نہیں، پھر تم اس آدمی سے پوچھ لینا جو اسے جانتا ہو، میں نے کہا: وہ دو عورتیں کون ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے (سورۃ تحریم میں) فرمایا ہے کہ: وہ دونوں حضور ﷺ کے مقابلہ میں ایک دوسرے کی مددگار بنی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنے استاذ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کے دریافت میں ان کی تعظیم واحترام اور ان کا اجلال کرنا۔

☆ حضرت سعید بن المسیبؒ کہتے ہیں: میں نے حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہا: میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں؛ لیکن آپ سے ڈر بھی لگتا ہے "انّی أرید أن أسئلك

---

(۱) مجمع الزوائد: باب أدب الطالب: حدیث: ۵۴۵، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابو یعلی نے روایت کیا ہے اور مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے ان کے احوال لکھے ہوں۔

(۲) بخاری: سورۃ الطلاق، حدیث: ۴۶۲۹

شیئًا وانّی أهابك " حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اے میرے بھتیجے! مجھ سے نہ ڈرو، جب تمہیں معلوم ہو کہ وہ چیز مجھے معلوم ہے تو تم مجھ سے ضرور پوچھو، میں نے عرض کیا جب غزوۂ تبوک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ گئے تو ان سے کیا فرمایا تھا حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اے علی! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے لئے ایسے ہو جاؤ جیسے کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے تھے " اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسی " (۱)

☆ ہارون رشید ایک دفعہ کسائیؒ کے پاس گئے، کسائیؒ ان کو دیکھ نہیں رہے تھے، یہ ہارون رشید کے دونوں لڑکوں امین اور مامون کے استاذ تھے، کسائیؒ اپنے کسی کام سے جوتے پہننے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے، تو دونوں شہزادے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، اور ان دونوں نے کسائی کے جوتوں کو ان کے پیروں کے سامنے لا رکھا، کچھ دیر بعد ہارون رشید اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: اے کسائی! سب سے زیادہ باعزت خادم کس کے ہیں؟ تو کسائی نے کہا: امیر المؤمنین کے ہیں، ہارون رشید نے کہا: نہیں بلکہ کسائی کے ہیں، کیوں کہ ان کی خدمت امین اور مامون شہزادے کرتے ہیں " بل الكسائی یخدمه الأمین والمأمون " (۲)

---

(۱) جامع بیان العلم وفضله، باب فی هیبة المتعلم للعالم: ۱۱۲/۱
(۲) قصص العرب: ۸۵/۱

شاگرد کے حقوق

☆ استاذ شاگرد کے ساتھ نرمی، اس کی استعداد اور صلاحیت کی رعایت کرے۔

ارشادِ باری عزوجل ہے "اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ" (۱) بلاؤ خدا کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور مناظرہ کرو اچھے اور نرم طریقہ سے۔

☆ لوگوں کو نفع پہنچانا (جن میں شاگرد بھی داخل ہیں) علماء پر واجب ہے، جس کو اس آیت میں صیغۂ امر کے ذریعہ تعبیر کیا گیا ہے۔

اور چونکہ لوگ (شاگرد) استاذ کے ان ذمہ داری کی ادائیگی میں معاون ہوتے ہیں اس لئے ان کے ساتھ نرمی اور ملاطفت کا معاملہ کیا جائے، ارشادِ خداوندی ہے "كُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ" (۲) تم بہترین امت ہو لوگوں کی ہدایت کے واسطے پیدا کئے گئے ہو، اچھی باتوں کا حکم کرتے ہو، اور بری باتوں سے روکتے ہو۔

☆ شاگرد کے ساتھ گھٹیا اور نچلے درجہ کا سلوک کرنا مناسب نہیں اور نہ اپنے تعلیمی نفع کے ذریعہ اس پر احسان جتانا چاہئے، جو کہ ان کی تحقیر اور اذیت کا سبب ہوتا ہے، چونکہ طالب علم اور شاگرد کی حیثیت سائل (سوال کرنے والے) کی ہوتی ہے، اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے "وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ" (۳) سائل کو مت جھڑکئے۔

---

(۱) النحل: ۱۲۵
(۲) ال عمران: ۱۱۰
(۳) الضحی: ۱۰

اور ارشادِ باری عزوجل ہے ”ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا وَلَا اَذًی وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ“(وممّا رزقنهم ينفقون من أنواع المعرفة يفيضون كما نقله البيضوى) (۱) صدقہ دے کر احسان نہیں جتاتے اور نہ کسی قسم کی تکلیف دیتے ہیں اور جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں (یعنی ہم نے جو انوارِ معرفت ان کو عطا کئے ہیں لوگوں پر ان کا فیضان کرتے ہیں)۔

☆ استاذ طالبِ علم کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک کا معاملہ کرے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اور لوگ تمہارے تابع ہیں اور تمہارے پاس دور دراز ملکوں سے لوگ علم دین سیکھنے اور سمجھنے کو آئیں گے اور ان کے بارے میں میری وصیت کے موافق بھلائی سے پیش آؤ ”وان رجالاً يأتونكم من أقطار الأرض يتفقّهون فى الدين فاذا اتوكم فاستوصوا بهم خيرًا“(۲)

☆ استاذ چونکہ باپ کا درجہ رکھتا ہے؛ اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ شاگروں کو وہی پیار ومحبت دے جو ایک باپ اپنی اولاد کو دیتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنے طلبہ کی نسبت فرماتے تھے کہ اگر ان پر ایک مکھی بھی بیٹھ جاتی ہے تو مجھے تکلیف ہوتی ہے۔(۳)

سلف صالحینؒ کو اپنے شاگردوں سے ایسی محبت تھی کہ ان کی نجی دشواریوں کو بھی حل کرتے، امام شافعیؒ بڑے اعلیٰ درجہ کے فقیہ ومحدث ہیں، یہ حصولِ علم کیلئے مدینہ پہنچے، غریب آدمی تھے، امام مالکؒ نے اپنے اس ہونہار شاگرد کو خود اپنا مہمان بنایا اور جب تک مدینہ میں رہے

---

(۱) البقرة: ۲٦۲

(۲) ترمذی: باب ماجاء في الاستيصاء بمن، حديث: ۲٦٥۰، امام ترمذیؒ اس روایت کے ایک راوی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ: شعبہ ابو ہارون العبدی کو ضعیف قرار دیتے ہیں، اور یحییٰ بن سعید نے کہا کہ: ابن عون نے ابو ہارون العبدی سے ان کی موت تک روایتیں نقل کی ہیں اور ابو ہارون ان کا نام: عمارۃ بن جوین ہے۔

(۳) تذکرۃ السامع: ۴۹

ان کی کفالت کرتے رہے، پھر جب امام شافعیؒ نے مزید کسب علم کیلئے کوفہ کا سفر کیا تو سواری کا بھی نظم کیا، اور اخراجاتِ سفر بھی، اور شہر سے باہر آ کر نہایت محبت سے آپ کو رخصت کیا، امام شافعیؒ کوفہ آئے تو امام ابوحنیفہؒ کے شاگردِ رشید امام محمدؒ نے امام شافعیؒ کی کفالت فرمائی، اور بھرپور تعاون فرمایا، امام شافعیؒ اس حال میں کوفہ پہنچے کہ نہایت ہی معمولی کپڑا آپ کے جسم پر تھا، امام محمدؒ نے اسی وقت ایک جوڑے کا انتظام فرمایا، جو ایک ہزار درہم قیمت کا تھا، پھر امامِ شافعیؒ کو رخصت کیا تو اپنی پوری نقدی جمع کے تین ہزار انہیں حوالہ کئے۔ (۱)

☆ استاذ کسی مقام پر غلط تقریر یا کسی بات پر عدم واقفیت کے باوجود غلط مسئلہ نہ بتائے، بلکہ اپنی لاعلمی یا اس مقام کے مطالعہ کے بعد حل بتانے کو کہے، جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری طرف سے کوئی بات بیان کرے اور وہ جانتا ہو کہ وہ جھوٹ ہے تو وہ جھوٹا ہے، "من حدّث عنّي بحديث يرى أنّه كذب فهو أحد الكاذبين" (۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی سائل کو کسی نے بلا علم کے مسئلہ بتادیا تو اس کا وبال اس بتانے والے پر ہے اور جس شخص نے اپنے بھائی کو مشورہ دیا اور وہ جانتا ہے کہ وہ مشورہ ٹھیک نہیں ہے تو اس نے اس کی خیانت کی "من افتي بغير علم كان اثمه على من أفتاه" (۳)

☆ اگر کوئی بات نہ معلوم ہو تو کہہ دے کہ مجھے معلوم نہیں، اپنی طرف سے کچھ نہ کہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اے لوگو! جو شخص کسی بات کا علم رکھتا ہو تو اس کو چاہئے کہ بتادے اور جو نہ جانتا ہو اس کو چاہئے کہ کہہ دے: اللہ جاننے والا ہے؛ کیونکہ یہ کہہ دینا بھی علم کی بات ہے "يا أيّها الناس ! من علم منكم شيئًا فليقل به

---

(۱) جامع بيان العلم لابن عبد البر : ۲۶۸

(۲) مسلم: باب وجوب الرواية عن الثقات، حديث: ۱

(۳) ابوداؤد: باب التوقي في الفتيا، حديث: ۳۶۵۷، حاکم نے اس کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

ومن لم يعلم فليقل الله أعلم فانّ من العلم أن يقول لما لا يعلم " الله أعلم " اللہ عزوجل کا ارشاد ہے " قُلْ مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ " (اے نبی ﷺ کہہ دو کہ میں تم سے کچھ مزدوری نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں کہ اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ کہہ دوں۔(۱)

حضرت نافعؒ کہتے ہیں کہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے ایک مسئلہ پوچھا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا سر جھکا لیا اور کوئی جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ لوگ یہ سمجھے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا سوال ہی نہیں سنا، اسلئے اس آدمی نے کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے، کیا آپ نے میرا سوال نہیں سنا، انہوں نے فرمایا: سنا ہے، لیکن شاید آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ آپ لوگ ہم سے جو کچھ پوچھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سے اس کے بارے میں باز پرس نہیں کرے گا، اللہ تم پر رحم کرے، ہمیں ذرا مہلت دو؛ تاکہ ہم تمہارے سوال کے بارے میں سوچ لیں، اگر ہمیں اس کا جواب سمجھ میں آئے تو بتا دیں گے اور اگر نہ آیا تو تمہیں بتا دیں گے کہ ہمیں نہیں معلوم " اتركنا ـ يرحمك الله ـ حتى نتفهّم في مسألتك، فان كان لها جواب عندنا والّا أعلمناك أنّه لا علم لنا بها " (۲)

حضرت یحییٰ بن سعیدؒ کہتے ہیں کہ: جب کوئی عالم "میں نہیں جانتا" کہنا چھوڑ دیتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ اپنی ہلاکت کی جگہ پہنچ گیا "اذا ترك العالم "لا أعلم" فقد اصيبت مقالته " (۳)

☆ درس وتقریر میں طلباء کے نشاط وشوق کی بھی رعایت کی جائے۔

حضرت شقیقؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو وعظ سنایا کرتے تھے، کسی شخص نے عرض کیا کہ: حضرت روزانہ وعظ کیجئے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے روزانہ وعظ کہنے سے یہ چیز مانع بن رہی ہے کہ میں تم کو اکتاہٹ میں ڈالنا نہیں چاہتا " أنّه

(۱) بخاری: سورة ص، حديث: ٤٥٣١
(۲) الطبقات الكبرى لابن سعد: عبد الله بن عمر بن الخطاب: ٩١٦٨/٤
(۳) حلية الأولياء: سفيان بن عيينة: ٢٧٤/٧

یمنعي من ذلك أنّي أكره أن أملّكم" اور میں تمہاری خبر گیری اور نگہداشت ایسی ہی کرتا ہوں جیسی رسول اللہ ﷺ ہماری خبر گیری فرمایا کرتے تھے کہ ہم ملول نہ ہوں۔(۱)

☆ جو اساتذہ طلبہ کو حد سے زیادہ پڑھاتے ہیں یا زیادہ کتابیں پڑھاتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم طلبہ پر خوب محنت کر رہے ہیں، ان کی محنت رائیگاں جانے کی مثال یوں ہے "اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِيْ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا" (۲) یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کرائی محنت سب کی سب گئی گذری ہوئی اور (وہ بوجہ جہل) اس خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

اس لئے ہفتہ میں کم از کم ایک روز کی تعطیل ہونی چاہئے۔

☆ نااہلوں کو دینی خدمات اور درس و تدریس کی ذمہ داری سونپنا قیامت کی علامت ہے (جس میں متعلقہ مضمون کے بارے میں استاذ کی استعداد اور صلاحیت کا لحاظ کرنا بھی داخل ہے)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب دینی خدمات نالائق اور نااہلوں کے سپرد ہو جائیں تو قیامت کا انتظار کرو "اذا وسّد الأمر الی غیر أهله فانتظروا الساعة" (۳)

☆ شاگرد کے اخلاق احوال کی خبر گیری بھی استاذ کی ذمہ داری ہے، صرف علم کا پہنچانا ہی کافی نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ کسی سفر میں ہم سے پیچھے رہ گئے، آپ ﷺ ہم سے ایسے وقت آ کر ملے کہ نماز کا وقت آ گیا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے، جلدی کی وجہ سے ہم نے پاؤں دھونے میں جلدی کی، جس کی وجہ سے کچھ سوکھا رہ گیا، آپ ﷺ نے دیکھ کر دو تین بار بآوازِ بلند فرمایا: خبر دار ہو جاؤ،

---

(۱) بخاري : باب من جعل لأهل العلم ،حديث: ۷۰

(۲) الكهف: ۱۰۴

(۳) بخاري: باب من سئل علماوهو مشتغل فی حديثه، فاتم الحديث ثم أجاب السائل، حديث: ۵۹

عذابِ دوزخ ان ایڑیوں کیلئے ہے جو سوکھی رہ جاویں " ویل للاعقاب من النار" آپ ﷺ نے یہ بات دو یا تین بار کہی۔(۱)

☆ اس روایت سے یہ بھی پتہ چلا کہ اگر یہ امکان ہو کہ اگر بآواز بلند تقریر نہ کی جائے تو استاذ کی آواز شاگردوں کے پاس نہ پہنچے گی تو بلند آواز میں تقریر کرنا بھی شاگرد کا حق ہے۔

☆ اور یہ بھی پتہ چلا کہ ایک بار تقریر کرنے سے طلباء نے نہ سمجھا ہو تو دوسری، تیسری بار بھی تقریر کر دینا مناسب ہے، جس طرح حضور ﷺ نے دو تین بار فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ کوئی مہتم بالشان بات فرماتے تھے تو تین مرتبہ فرماتے تھے؛ تاکہ لوگ خوب سمجھ لیں۔(۲)

☆ استاذ کبھی کبھی شاگردوں کا امتحان لے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ: ایک ایسا درخت ہے کہ وہ پت جھڑ نہیں ہوتا اور مثل مسلم کے ہے، بتاؤ وہ کیا ہے؟، سب لوگ جنگل کے درختوں کو سوچنے لگے کہ کون سا درخت اس شان کا ہے، میرے دل میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہے، مگر چونکہ میں چھوٹا تھا؛ اس لئے میں نے حیاء کی اور چپ رہا، پھر لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ارشاد فرمائیے کہ کون سا درخت ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: کھجور کا درخت" فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم هی النخلة " (۳)

☆ کوئی فن یا کوئی کتاب کسی خاص طالبِ علم کیلئے مضر اور نقصان دہ ہو تو اس سے روکنا چاہئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: جو شخص میرے خدا سے اس حال میں ملے، اور وہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ سمجھتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ!

---

(۱) بخاری: باب من رفع صوته بالعلم، حدیث: ٦٠

(۲) بخاری: باب من أعاد الحدیث: حدیث: ٩٥

(۳) بخاری: باب الفهم فی العلم، حدیث: ٧٢

کیا لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سناؤں؟ فرمایا کہ: مت سناؤ، کیونکہ میں خوف کرتا ہوں کہ اس پر تکیہ کرلیں گے " لا، انّی أخاف أن یتکلوا " (۱)

☆ شاگردوں کے ساتھ نرمی اور آسانی کا معاملہ کرنا چاہئے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دینی امور میں لوگوں پر آسانی کرو، تکلیف میں مت ڈالو، خوش خبری سناؤ، دین سے نفرت مت دلاؤ، "یسّروا ولا تعسّروا وبشّروا ولا تنفّروا " (۲)

آپریشن تھیٹر میں جانے والا ڈاکٹر اگر غصہ میں ہو تو اس کا آپریشن ناکام ہوتا ہے، اسی طریقہ سے درسگاہ میں جانے والا استاذ اگر غصہ میں ہو تو وہ ناکام استاذ ہوتا ہے۔

☆ شاگرد کیلئے اللہ عزوجل سے علمِ نافع کی دعا بھی کرنا چاہئے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو سینہ سے لگایا اور یوں فرمایا کہ: یا اللہ! اس کو قرآن کا علم عطا فرمادے "اللھمّ علمّہ الکتاب"۔(۳)

☆ اگر کوئی بات شاگرد کیلئے غصہ کی صورت میں کہنا بہتر ہو تو اس طرح کہے۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فلاں شخص کے نماز کو طویل کرنے کی وجہ سے قریب ہے کہ میں نہ پاسکوں (یعنی بددل ہو کر جماعت چھوڑ دوں) تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر غصہ ہوگئے کہ ایسا کبھی غصہ ہوتے ہوئے میں نے آپ کو نہیں دیکھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام سے فرمایا کہ: تم لوگوں کو نفرت دلاتے ہو، جو آدمی نماز میں امامت کرے اس کو چاہئے کہ (قرآت) میں تخفیف کرے؛ کیونکہ مریض اور ضعیف اور حاجت مند سب قسم کے لوگ نماز میں ہوتے ہیں " فمن صلی بالنّاس فلیُخفّف فانّ فیھم المریض والضعیف وذو الحاجۃ " (۴)

---

(۱) بخاری : باب من خص بالعلم قوما ،حدیث : ۱۲۹

(۲) بخاری باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم "یسروا ولا تعسروا "حدیث: ٥٧٧٤

(۳) بخاری : باب الاعتصام بالکتاب ،حدیث:٦٨٤٢

(۴) بخاری :باب تخفیف الامام فی القیام واتمام الرکوع والسجود،حدیث: ٦٧٠

☆ اگر مناسب سمجھے تو تقسیمِ اوقات اور جماعت بندی کی جا سکتی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عورتوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم پر مرد غالب آ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ سننے کا موقع ہم کو نہیں ملتا، ہمارا بھی ایک دن مقرر کر دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے وعظ ونصیحت اور احکامِ الٰہی سنانے کا ایک دن مقرر فرمایا:

”فوعدهنّ يومًا ولقيهنّ فيه فوعظهنّ وأمرهنّ“ (۱)

اس حدیث سے پتہ چلا کہ اگر کسی طالبِ علم پر کسی بے جا سوال پر غصہ آ جائے اور اس کے بعد پھر وہ کوئی معقول سوال کرے تو اس کے جواب میں پہلے غصہ کا اثر نہ آنا چاہئے۔

☆ اگر طالب علم کو واقعتاً کوئی بات سمجھ میں نہ آئے یا استاذ کی تقریر میں کوئی شبہ رہ جائے تو اس کے دوبارہ پوچھنے پر ناراض نہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی باتیں سنتی تھیں کہ جوان کو معلوم نہ ہوں تو برابر جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کرتی تھیں، یہاں تک کہ سمجھ لیتی تھیں، ایک مرتبہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص حساب میں گرفتار ہوا وہ عذاب میں مبتلا ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ: اللہ تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا کہ: حساب آسان کیا جائے گا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ پیشی ہے، ورنہ جس سے مناقشہ کیا گیا حساب میں وہ ہلاک ہو گیا ”ولكن من نُوقش الحساب يهلك“ (۲)

☆ اگر طالبِ علم تواضع کے ساتھ واقعۃً استاذ کی تقریر کا باحوالہ رد کرے تو اسے قبول کر لینا چاہئے:

حضرت عبداللہ بن مصعب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ایک دفعہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عورتوں کا مہر چالیس اوقیہ (ایک اوقیہ چالیس درھم کا ہوتا ہے) سے زیادہ مقرر نہ کرو، چاہے ذی الغصہ قیس بن حسین حارثی (جیسے سردار) کی بیٹی کیوں نہ ہو جو اس سے زیادہ مہر مقرر کرے گا

(۱) بخاری: باب هل يجعل للنساء يوم على حده في العلم، حديث: ۱۰۱
(۲) بخاری: باب من سمع شيئا راجعه، حديث: ۱۰۳

میں وہ زائد رقم لے کر بیت المال میں جمع کردوں گا، اس پر عورتوں کی صف میں سے ایک عورت کھڑی ہوئی جس کا قد لمبا تھا اور ناک چپکی ہوئی تھی اور اس نے کہا: آپ کو ایسا کرنے کا اختیار نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیوں؟ عورت نے کہا: کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَاٰتَیۡتُمۡ اِحۡدٰهُنَّ قِنۡطَارًا فَلَا تَاۡخُذُوۡا مِنۡهُ شَیۡـًٔا" (۱) اور تم اس کو انبار کا انبار دے چکے ہو تو تب بھی تم اس میں سے کچھ بھی مت لو، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا: عورت نے ٹھیک کہا، مرد نے غلطی کی "امرأة اصابت ورجل اخطا" (۲)

☆ استاد کو چاہئے کہ جس چیز کی عملی تعلیم دینا چاہتا ہو بذاتِ خود اس پر عمل پیرا ہو کر اور عملی انداز میں تعلیم دے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کا حکم فرماتے تو پہلے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل پیرا ہوتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو عملی شکل میں وہ عمل اس طرح سمجھاتے کہ ان کے ذہن نشین ہو جاتا۔

یہ حضرت شعیب رضی اللہ عنہ کے بیٹے عمرو رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! وضو کا طریقہ کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن میں پانی منگوایا، پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ہاتھ دھوئے، پھر تین مرتبہ چہرہ دھویا، پھر تین مرتبہ کہنیوں تک ہاتھ دھوئے، اس کے بعد سر کا مسح کیا اور دونوں ہاتھوں کی شہادت والی انگلیوں کو کانوں کے سوراخ میں ڈالا اور دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں سے کانوں کے اوپر حصہ پر مسح کیا اور شہادت والی انگلیوں سے کان کے اندرونی حصہ پر مسح کیا، پھر تین مرتبہ دونوں پاؤں دھوئے اور فرمایا یہ مکمل وضو ہے "ثم قال هكذا الوضوء" پس جو کوئی اس پر زیادتی کرے گا تو یقیناً اس نے برا کیا اور اپنے اوپر ظلم کیا یا (یہ فرمایا کہ) اس نے اپنے اوپر ظلم کیا اور برا کیا۔ (۳)

حضرت عبادہ بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ہم حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے

---

(۱) النساء: ۲۰

(۲) کنز العمال: الصداق، حدیث: ۴۵۸۰۰

(۳) ابوداؤد: باب الوضوء ثلاثا ثلاثا، حدیث: ۱۳۵، علامہ نووی فرماتے ہیں کہ: اس کی سند حسن درجہ کی ہیں: خلاصۃ الاحکام: فصل فی ضعیفہ، حدیث: ۲۰۹، موسسۃ الرسالۃ، لبنان

پاس آئے، وہ اپنی مسجد میں تھے، انہوں نے کہا کہ: رسول اللہ ﷺ ہماری اس مسجد میں تشریف لائے اس حال میں کہ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ابن طاب نامی کھجور کی ایک شاخ تھی آپ ﷺ نے مسجد میں قبلہ کی طرف بلغم لگا ہوا دیکھا، آپ ﷺ ادھر گئے اور اس کو کھجور کی شاخ سے کھرچ دیا "فحکها بالعرجون" اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں سے کون یہ بات پسند کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے منہ پھیر لے؟ پھر فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ اس کے سامنے ہوتا ہے؛ اس لیے سامنے کی طرف نہ تھوکے اور نہ داہنی طرف تھوکے؛ بلکہ بائیں جانب بائیں پاؤں کے نیچے تھوکے، اگر جلدی ہو تو اپنے کپڑے میں لے کر یوں مسل دے، پھر آپ ﷺ نے کپڑے کو منہ پر رکھا اور اس کو مل دیا، اس کے بعد فرمایا: عبیر قبیلہ کا ایک جوان اٹھا اور دوڑتا ہوا اپنے گھر گیا اور اپنی ہتھیلی میں خوشبو لے کر آیا، آپ ﷺ نے وہ خوشبو اس سے لے کر کھجور کی لکڑی کے سرے پر لگائی اور جہاں بلغم لگا تھا وہاں مل دیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: اسی بنا پر تم اپنی مسجدوں میں خوشبو لگایا کرتے ہو۔ (۱)

☆ استاذ کو چاہئے کہ تعلیم دینے میں تدریجی نہج اختیار کرے، ترتیب قائم رکھے، تھوڑا تھوڑا سبق آگے بڑھائے، حضور اکرم ﷺ کا معمول بھی اس حوالے سے یہی تھا۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ سے دس دس آیات پڑھتے تھے اور اگلی دس آیات اس وقت تک نہیں پڑھتے تھے جب تک کہ پہلی دس آیات میں علم وعمل سے متعلق چیزیں اچھی طرح سیکھ نہ لیتے یوں ہم نے علم وعمل کو حاصل کیا ہے، "ما فی هذه من العلم والعمل" (۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے جب انہیں یمن کی طرف بھیجنے لگے، ان سے فرمایا کہ: تم ایسی

---

(۱) مسلم: باب حديث جابر الطويل وقصة أبي اليسير، حديث: ۷۷۰۵

(۲) مسند احمد: حديث رجل من أصحاب النبي ﷺ، حديث: ۲۳۵۲۹، محقق شعیب الارناؤط کہتے ہیں کہ: اس کی سند عطا کی وجہ سے حسن درجہ کی ہے

قوم کے پاس چلے جاتے ہو، جو اہل کتاب ہیں جب ان کے پاس پہنچو تو انہیں دعوت دو کہ اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اگر وہ مان لیں تو انہیں یہ بتانا کہ اللہ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور وہ ان کے فقراء میں تقسیم کی جائے گی، اگر وہ اس کو بھی منظور کرلیں تو ان کے اچھے مال لینے سے بچو اور مظلوموں کی بددعا سے بچو؛ اس لیے کہ مظلوم کی بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے "اتق دعوة المظلوم، فإنه ليس بينه وبين الله حجاب" (۱)

☆ متعلمین اور شاگردوں کی انفرادی خصوصیات کی رعایت کرے، یعنی ہر شخص کو اس کے مطابق اور اس کے مقتضاء حال اس کی تربیت کرے، حضور ﷺ کا بھی اس حوالے سے یہی معمول تھا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ (ایک مرتبہ) آپ ﷺ کے ہمراہ آپ کی سواری پر آپ کے پیچھے سوار تھے، حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: اے معاذ (بن جبل) انہوں نے عرض کیا لبيك يا رسول الله ﷺ وسعديك آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے معاذ انہوں نے عرض کیا: لبيك يا رسول الله ﷺ وسعديك تین مرتبہ (ایسا ہی ہوا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جو کوئی اپنے سچے دل سے اس بات کی گواہی دے کہ سوا اللہ کے کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اللہ اس پر (دوزخ کی) آگ حرام کردیتا ہے، حضرت معاذ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں لوگوں کو اس کی خبر کردوں؟ تاکہ وہ خوش ہوجائیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اس وقت جب کہ تم خبر کردو گے لوگ (اسی پر) بھروسہ کرلیں گے اور عمل سے باز رہیں گے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث اپنی موت کے وقت اس خوف سے بیان کردی کہ کہیں (حدیث کے چھپانے پر ان سے) مواخذہ نہ ہوجائے "وأخبر بها معاذ عند موته تأثما" (۲)

---

(۱) بخاري: باب الإتقاء والحذر من دعوة المظلوم، حديث: ۲۳۱۶

(۲) بخاري: باب من خص بالعلم قوما، حديث: ۱۲۸

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک نوجوان آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ ﷺ! روزے کی حالت میں میں اپنی بیوی کو بوسہ دے سکتا ہوں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نہیں تھوڑی دیر بعد ایک بڑی عمر کا آدمی آیا اور اس نے بھی وہی سوال پوچھا، نبی کریم ﷺ نے اسے اجازت دے دی، اس پر ہم لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تم ایک دوسرے کو کیوں دیکھ رہے ہو؟ دراصل عمر رسیدہ آدمی اپنے اوپر قابو رکھ سکتا ہے، "إن الشيخ يملك نفسه" (۱)

☆ استاذ کو چاہئے کہ گفتگو اور سوالات کے ذریعہ مسئلہ کی حقیقت کو سمجھائے، یہ طریقہ کار نفس مسئلہ کے سمجھنے میں معین و مددگار رہتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اور ابو بکر کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تمہارا خیال ہے کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر کوئی نہر ہو، اور وہ روزانہ اس میں پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو، کیا اس کے بدن پر کوئی میل کچیل باقی رہے گا "هل يبقى من درنه شيء" صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: اس پر سے کچھ بھی باقی نہیں رہے گا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: یہی مثال پانچوں نمازوں کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان نمازوں کے ذریعہ سے اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہوتا ہے؟ "هل تدرون من المفلس" صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ہمارے درمیان تو مفلس وہ ہوتا ہے جس کے پاس کوئی روپیہ پیسہ اور ساز و سامان نہ ہو، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت کا مفلس وہ آدمی ہوگا جو قیامت کے دن نماز روزہ اور زکوۃ لے کر آئے گا؛ لیکن کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، اسے بٹھالیا جائے گا اور ہر ایک کو اس کی نیکیاں دے کر ان کا بدلہ دلوایا جائے گا، اگر اس کے

---

(۱) مجمع الزوائد: باب القبلة والمباشرة للصائم، حدیث: ۴۹۶۲، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں ابن لہیعہ ہے اور ان کی حدیث حسن درجہ کی ہے اور اس میں کلام ہے۔

(۲) بخاری: باب الصلوات الخمس كفارة، حدیث: ۵۲۸

گناہوں کا فیصلہ مکمل ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں، تو حقداروں کے گناہ لے کر اس پر لاد دیئے جائیں گے پھر اسے جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔(۱)

طریقہ تعلیم میں گفتگو کے انداز کی سب سے بہترین اور مشہور مثال ''حدیث جبرئیل'' ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: ہم لوگ ایک روز رسول کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اس دوران ایک شخص آیا جس کے کپڑے بہت سفید تھے، اس کے بال بہت سیاہ رنگ کے تھے، معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ سفر سے آیا ہے، اور ہم میں سے کوئی شخص ان کو نہیں پہچانتا تھا، وہ رسول کریم ﷺ کے پاس بیٹھا، اپنے گھٹنے آپ ﷺ کے گھٹنوں سے لگا کر اور اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر رکھے (یعنی ادب سے بیٹھا جس طریقہ سے کہ کسی استاد کے سامنے کوئی شاگرد بیٹھتا ہے) پھر وہ کہنے لگا: اے محمد ﷺ! بتلایئے کہ اسلام کیا ہے؟ فرمایا: اس بات کی گواہی دینا کہ عبادت کے کوئی لائق نہیں ہے علاوہ خداوندِ قدوس کے اور بلاشبہ محمد (ﷺ) اس کے بھیجے ہوئے رسول ہیں اور نماز پڑھنا زکوۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا خانہ کعبہ کا حج کرنا اگر طاقت ہو (یعنی حج کیلئے آنے جانے اور دیگر شرائط شرعی حج کی پائی جائیں) اس نے کہا: آپ نے سچ فرمایا، ہم کو حیرت ہوئی کہ خود ہی سوال کرتا ہے، پھر کہتا ہے کہ آپ نے سچ فرمایا، پھر کہا بتلایئے کہ ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یقین کرنا خداوندِ قدوس پر یعنی اس کی ذات اور صفات میں اور اس کے فرشتوں پر کہ وہ اس کے پاک بندے ہیں، جیسا خداوندِ قدوس کا حکم ہوتا ہے بجالاتے ہیں ان میں بڑی طاقت اللہ نے دی ہے اور اس کی کتابوں پر (جیسے قرآنِ کریم تورات انجیل زبور پر اور اس کے صحیفہ پر) جو کہ خداوندِ قدوس نے اپنے رسولوں پر نازل فرمائے، وہ سب حق ہیں، خداوندِ قدوس کی طرف سے ہیں، خداوندِ قدوس کے کلام میں اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر اور تقدیر پر (کہ خیر اور شر سب کچھ خداوندِ قدوس کی جانب سے ہے یعنی اچھے اور برے سب کام پیدا کرنے والا خداوندِ قدوس ہے اس کو خوب معلوم تھا کہ یہ شخص برا ہوگا

(۱) مسلم: باب تحریم الظلم: باب تحریم الظلم، حدیث: ۲۷٤٤

یہ اچھا ہوگا) اس کے حکم کے بغیر اور اس کے ارادے کے بغیر انجام نہیں پاتے؛ لیکن وہ اچھے لوگوں سے خوش نصیب ہوتا ہے اور برے لوگوں سے ناراض ہوتا ہے اور اس نے ہم کو اختیار عطا فرمایا ہے اور وہ برے لوگوں سے ناراض ہوتا ہے یہ سن کر اس نے کہا: آپ نے سچ فرمایا، پھر اس نے کہا کہ: بتلایئے کہ احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: خداوندِ قدوس کی عبادت اس طریقہ سے کرنا کہ گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، اگر یہ مقام حاصل نہ ہو تو (کم از کم یہ مقام حاصل ہو کہ) خداوندِ قدوس تم کو دیکھ رہا ہے، پھر اس شخص نے کہا مجھ کو بتلایئے کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس سے تم دریافت کر رہے ہو، وہ سوال کرنے والے سے زیادہ علم نہیں رکھتا (یعنی خداوندِ قدوس کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہیں ہے) اس شخص نے کہا کہ: آپ اس کی علامات بتلایئے، آپ ﷺ نے فرمایا اس کی ایک علامت تو یہ ہے کہ باندی اپنے مالک کو جنے گی، دوسرے یہ کہ ننگے پاؤں اور ننگے جسم والے لوگ جو (ادھر ادھر) پھرتے ہیں، مفلس بکریاں چرانے والے وہ بڑے بڑے محل تعمیر کریں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں تین روز تک ٹھہرا رہا، پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے عمر! تم واقف ہو کہ وہ سوال کرنے والا اور دریافت کرنے والا کون شخص تھا؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہی علم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ حضرت جبرائیل تھے جو کہ تم کو دین سکھلانے کیلئے تشریف لائے تھے۔ (۱)

اس حدیث پاک میں اس بات کی صراحت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا اور سوالات کر کے آپ ﷺ سے گفتگو کرنا یہ سب کچھ تعلیمی مقصد کے تحت ہوا تھا۔

☆ استاذ کو چاہئے کہ بسا اوقات طلبہ کو سوال و جواب کی شکل میں عقلی و منطقی دلائل کے ذریعہ ان کے نفسیات کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے اخلاقیات کی درستگی کرے۔

---

(۱) صحیح ابن حبان، ذکر البیان بأن الإیمان والإسلام شعب، حدیث: ۱۷۳، محقق شعیب الارناؤط کہتے ہیں کہ اس روایت کی سند صحیح ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک نوجوان نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے زنا کرنے کی اجازت دے دیجئے لوگ اس کی طرف متوجہ ہو کر اسے ڈانٹنے لگے اور اسے پیچھے ہٹانے لگے، لیکن نبی ﷺ نے اس سے فرمایا میرے قریب آجا، وہ نبی ﷺ کے قریب جا کر بیٹھ گیا، نبی ﷺ نے اس سے پوچھا کیا تم اپنی والدہ کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں، نبی ﷺ نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی ماں کیلئے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا: کیا تم اپنی بیٹی کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، آپ پر قربان جاؤں، نبی ﷺ نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی بیٹی کیلئے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا: کیا تم اپنی بہن کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر میری جان قربان، نبی ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اسے اپنی بہن کیلئے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا: کیا تم اپنی پھوپھی کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان، نبی ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اسے اپنی پھوپھی کیلئے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا کیا: تم اپنی خالہ کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا کہ: اللہ کی قسم کبھی نہیں، میں آپ پر قربان، نبی ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اسے اپنی خالہ کیلئے پسند نہیں کرتے، پھر نبی ﷺ نے اپنا دستِ مبارک اس کے جسم پر رکھا اور دعا کی کہ اے اللہ! اس کے گناہ معاف فرما، اس کے دل کو پاک فرما اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما "اللّٰھم اغفر ذنبه وطهر قلبه وحصن فرجه" راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس نوجوان نے کبھی کسی کی طرف توجہ بھی نہیں کی۔(۱)

☆ استاذ کو چاہئے کہ طلبہ کے علم وذہانت کو جاننے کیلئے کبھی کبھی سوال کیا کرے، اس طرح ذہین طلبہ غبی طلبہ سے ممتاز ہو جائیں گے۔

---

(۱) مجمع الزوائد: باب في أدب العلم، حدیث: ۵۴۳، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کونسا درخت ہے جس کے پتے نہ گرتے ہوں اور اس میں پھل بھی ہمیشہ آتا ہو؟ مسلمان کی مثال اس درخت کی طرح ہے کہ یہ بھی نہیں، یہ بھی نہیں اور یہ بھی نہیں ہوتا ہے، یعنی ہمیشہ پھلتا رہتا ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے چاہا کہ: کہہ دوں وہ کھجور کا درخت ہے، مگر میں نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ سب خاموش ہیں، کوئی نہیں بولتا تو میں کس طرح بولوں، آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، پھر جب مجلس ختم ہوئی اور سب اٹھے تو میں نے اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: میرے دل میں آیا تھا کہ کہہ دوں وہ کھجور کا درخت ہے؛ مگر میں آپ سب کو خاموش دیکھ کر خاموش ہو رہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: تم نے کہہ دیا ہوتا، واللہ مجھے زیادہ سے زیادہ مال ملنے پر بھی اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی تمہارا جواب سن کر ہوتی۔(۱)

☆ استاذ شاگردوں کو بات مثالوں کے ذریعے ان کے ذہن نشیں کروائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کار بھی یہی تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مثالوں کے ذریعہ مخاطب کو بات سمجھاتے جس سے اس کو وہ بات آسانی سے سمجھ میں آتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جہینہ کی ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ: میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی لیکن وہ حج نہ کر سکی اور مرگئی تو کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! اس کی طرف سے حج کر اگر تیری ماں پر کوئی قرض ہوتا تو کیا اسے ادا نہ کرتی؟ "لو كان على أمك دين أكنت قاضية" اللہ تعالیٰ کا حق تو اور بھی پورا کیے جانے کا مستحق ہے۔(۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: وہ مومن جو قرآن کریم پڑھتا ہے اس کی مثال ترنج کی سی ہے کہ اس کی خوشبو بھی پاکیزہ ہے اور اس کا ذائقہ بھی

(۱) بخاري: باب قول المحدث، حدثنا وأخبرنا، وأنبانا، حديث: ٦١
(۲) بخاري: باب الحج والنذور عن الميت، حديث: ١٨٥٢

عمدہ ہوتا ہے اور وہ مومن جو قرآنِ کریم پڑھتا نہیں ہے اس کی مثال کھجور کی سی ہے کہ اس کا ذائقہ تو عمدہ ہوتا ہے؛ لیکن اس کی کوئی خوشبو عمدہ نہیں ہے اور اس فاسق وفاجر آدمی کی مثال جو قرآنِ کریم پڑھتا ہے ریحان کے پھل کی طرح ہے کہ اس کی خوشبو عمدہ ہوتی ہے؛ لیکن اس کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے اور وہ فاجر آدمی جو قرآنِ کریم کی تلاوت نہیں کرتا اس کی مثال حنظل کے پھل کی سی ہے کہ اس کا ذائقہ بھی کڑوا ہوتا ہے اور خوشبو بھی کچھ نہیں ہوتی اور نیک آدمی کے ہم نشین کی مثال مشک والے کی سی ہے کہ اگر تجھے اس مشک میں سے کچھ بھی نہ ملے تو اس کی خوشبو تو تجھے پہنچے گی ہی، اور برے آدمی کے ہم نشین کی مثال دھونکنے والے کی سی ہے کہ اگر اس کی کالک تجھے نہ بھی لگے لیکن اس کا دھواں تو تجھے ضرور پہنچے گا، "إن لم يصبك من سواده أصابك من دخانه" (۱)

☆ استاذ کو چاہئے کہ بات کو سمجھانے کیلئے نقشہ بنانے کی ضرورت پڑے تو نقشہ بھی بنالے اس سے بات کے سمجھنے میں سہولت اور آسانی ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شکل چار خطوط (لکیروں) کی بنائی اور اس میں ایک خط کھینچا جو اس سے باہر نکلا ہوا تھا، اور اس کے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی لکیریں اس طرح بنادیں، جو حصہ اس مربع کے درمیان تھا، اور فرمایا یہ آدمی ہے اور یہ اس کی موت ہے، جو اس کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ خط جو باہر کو نکلا ہوا ہے، اس کی دراز آرزویں اور امیدیں ہیں اور یہ چھوٹی چھوٹی لکیریں اغراض اور مصائب ہیں، اگر ایک سے بچ کر نکلا تو دوسرے میں پھنسا، اور اس سے نکلا تو پھر کسی اور میں پھنسا، "وإن أخطأه هذا نهشه هذا" (۲)

☆ استاذ ضرورت پڑنے پر گفتگو اور اشارے دونوں سے تعلیم دی، اشارے بھی بات کو سہولت کے ساتھ سمجھنے میں مددگار ہوتے ہیں۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور یتیم کی

---

(۱) أبوداؤد: باب من يؤمر أن يجالس، حديث: ٤٨٢٩

(۲) بخاری: باب في الأمل وطوله، حديث: ٦٤١٧

پرورش کرنے والا (کہ وہ یتیم خواہ اس کا ہو یا کسی اور کا) جنت میں اس طرح ہوں گے یہ کہہ کر آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کے ذریعہ اشارہ کیا اور دونوں کے درمیان تھوڑی سی کشادگی رکھی "وأشار بالسبابة والوسطة وفرج بينهما شيئا " (۱)

☆ استاذ کو چاہئے کہ طلباء کو بغیر کسی سوال یا پیشکش کے بذاتِ درس کے علاوہ اہم امور بھی بیان کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیطان تم میں سے کسی کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ اور فلاں کو کس نے؟ حتی کہ یہ کہتا ہے کہ) بتا (تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب یہاں تک معاملہ پہنچ جائے تو اللہ سے پناہ مانگنا اور خاموش ہو جانا چاہیے، " فليستعذ بالله ولينته " (۲)

☆ استاذ کو چاہیے کہ شاگردوں کو سوالات کرنے پر ابھارے اور ان کو سوالات کرنے کی ترغیب دے اور پھر ان سوالات کا جواب دے، اس طرح بھی طلباء کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم سفر کیلئے روانہ ہوئے، راستہ میں ایک شخص کو پتھر لگا جس سے اس کا سر پھٹ گیا (رات کو جب سو گیا تو) اس کو احتلام ہوا، اس نے ساتھیوں سے پوچھا کہ: کیا تم مجھے تیمّم کی اجازت دیتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں ہم تیرے لیے تیمّم کی کوئی گنجائش نہیں پاتے؛ کیونکہ تجھے پانی کے حصول پر قدرت حاصل ہے؛ لہٰذا اس نے غسل کیا اور مر گیا، جب ہم رسول ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں نے اس کو ناحق مار ڈالا، اللہ ان کو ہلاک کرے جب ان کو مسئلہ معلوم نہ تھا تو ان کو پوچھ لینا چاہیئے تھا؛ کیونکہ نہ جاننے کا علاج معلوم کر لینا ہے "فإن شفاء العي السوال " اس شخص کے لیے کافی تھا کہ وہ تیمم کر لیتا اور اپنے زخم پر کپڑا باندھ کر اس پر مسح کر لیتا اور باقی سارا بدن دھو ڈالتا۔ (۳)

(۱) بخاری: باب فضل من يعول يتيما، حديث: ٦٠٠٥

(۲) بخاری: كتاب بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده، حديث: ٣٢٧٦

(۳) ابوداؤد: كتاب الطهارة، باب في المجروح يتيمم

استاذ ایسے مواقع کی تلاش میں رہے جس سے تعلیم مؤثر ہوسکتی ہو اور پیش آمدہ خاص واقعہ اور اس علمی بات یا حکم کے درمیان ربط پیدا کرے، اس سے بات سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ قیدی لائے گئے اور قیدیوں میں سے ایک عورت کسی کو تلاش کر رہی تھی، اس نے قیدیوں میں اپنے بچے کو پایا، اس نے اسے اٹھا کر اپنے پیٹ سے لگایا اور اسے دودھ پلانا شروع کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈال دے گی؟ ہم نے عرض کیا نہیں اللہ کی قسم جہاں تک اس کی قدرت ہوئی اسے نہ پھینکے گی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس عورت کے اپنے بچہ پر رحم کرنے سے زیادہ اللہ اپنے بندوں پر رحم فرمانے والا ہے، " اللّٰہ أرحم بعباده من هذه بولدها " (۱)

☆ استاذ خشونت اور تیکھا اور سخت رویہ ہر دم اختیار کئے نہ رہے، بلکہ طلباء سے مزاح بھی کیا جا سکتا ہے، جب کہ یہ مزاح حق بات پر مشتمل ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کیلئے درخواست کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم تمہیں اونٹنی کے بچے پر سوار کریں گے، وہ کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اونٹنی کے بچے کو لے کر کیا کروں گا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اونٹنیاں اونٹوں کے علاوہ بھی کسی کو جنتی ہیں؟ "وهل تلد الإبل إلا النوق" (۲)

اس میں لطیف مزاح ہے کہ اونٹ خواہ وہ مال برداری کے قابل کیوں نہ ہو جائے ہوتا ہے وہ اونٹنی کا بچہ ہی۔

☆ استاذ کو چاہئے کہ بیٹھنے کا انداز بدل کر، بات کو مکرر کر کے کہی جانے والی بات کی طرف طلباء کی توجہ مبذول کروائے۔

---

(۱) بخاری: باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته، حديث: ۸۶۵۳

(۲) ترمذی: المزاح، حدیث: ۱۹۹۱، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا، اس وقت آپ تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے، پھر (سیدھے ہوکر) بیٹھ گئے اور فرمایا سن لو جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا، سن لو! جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح (بار بار) فرماتے رہے؛ یہاں تک کہ ہم نے سوچا کہ آپ خاموش نہ ہوں گے " فمازال یقولها، حتی قلت لایسکت " (۱)

☆ استاذ کو چاہئے کہ بار بار نام لے کر اور جواب میں تاخیر کے ذریعے طالب علم کی توجہ کو اپنی طرف مائل کرے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک سواری (دراز گوش) پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دراز گوش کا نام عفیر تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہا اے معاذ! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا حق اس کے بندوں پر کیا ہے، میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے، فرمایا اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے، کہ اس کی عبادت کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جو شخص اس کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو اس کو عذاب نہ دے، میں نے عرض کیا میں اس بات کی لوگوں کو بشارت دے دیتا فرمایا بشارت نہ دو، ورنہ وہ اسی پر تکیہ کرلیں گے، اور اعمالِ صالحہ چھوڑ بیٹھیں گے، " لا تبشرهم فيتكلوا " (۲)

☆ استاذ شاگرد کی توجہ مبذول کرانے اور بات کو اس کے ذہن ودماغ میں جاگزیں کرنے کیلئے اس کے کاندھے اور ہاتھ کو بھی پکڑ سکتا ہے، جیسا کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس حوالہ سے معمول تھا۔

---

(۱) بخاری : باب عقوق الوالدین من أکبر الکبائر ،حدیث:٥٩٧٦

(۲) بخاری : کتاب الجهاد ، باب اسم الفرس والحمار ، حدیث:٦٥٨٢

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے تشہد اس طرح سکھایا جس طرح قرآن کی صورت سکھاتے تھے اور میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں کے بیچ میں لے لیا (وہ کلماتِ تشہد یہ تھے) التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله " (آپ ﷺ اس وقت ہمارے درمیان موجود تھے) جب آپ ﷺ کی وفات ہوگئی تو ہم لوگ السلام على النبي صلى الله عليه وسلم کہنے لگے۔(۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا مونڈھا پکڑ کر فرمایا کہ تم دنیا میں اس طرح رہو گویا تم مسافر ہو یا راستہ طے کرنے والے ہو اور ابن عمر کہتے ہیں کہ جب شام ہو جائے تو صبح کا انتظار نہ کرو، اور جب صبح ہو جائے تو شام کا انتظار نہ کرو اور اپنی صحت کے اوقات سے اپنی مرض کے اوقات کیلئے حصہ لے لے، اور اپنی حیات کے وقت سے اپنی موت کیلئے کچھ حصہ لے لے، " ومن حياتك لموتك " (۲)

☆ استاذ کو چاہئے کہ شمار کی جانے والی چیزوں میں پہلے اجمال پھر تفصیل بیان کرے، اس سے طالبِ علم کے ذہن و دماغ میں بات بالکل جاگزیں ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت سمجھو: بڑھاپے سے پہلے جوانی کو، بیماری سے پہلے صحت کو، فقر و محتاجی سے پہلے مالداری کو، مشغولیت سے پہلے فرصت کو اور موت سے پہلے زندگی کو " وحياتك قبل موتك " (۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شادی کیلئے عورت کی چار باتیں

---

(۱) بخاری: باب الأخذ باليدين، حديث: ۱۹۵

(۲) بخاری: باب قول النبي ﷺ، كن في الدينا الخ، حديث: ۳۵۰۶

(۳) المستدرك: كتاب الرقاق، حديث: ۷۸٤٦

دیکھی جاتی ہیں، مال، نسب، خوبصورتی، دین، تجھے دینداری کو حاصل کرنا چاہئے (اگر تو نہ مانے) تو تیرے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں گے " فاظفر بذات الدين تربت يداك "(۱)

☆ استاذ اگر کسی باعث شرم وحیابات کی تعلیم دینا چاہتا ہو تو اس سے پہلے بطور تمہید اور تقریب کے کوئی بات کہہ سکتا ہے، تاکہ شرم وحیاء کا ازالہ ہوسکے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تمہارے لئے ایسا ہی (شفیق اور مربی) ہوں جیسا باپ اپنے بیٹے کیلئے میں تمہیں از راہ شفقت تمام امور کے متعلق تعلیم دیتا ہے، " انما انا مثل الوالد لولده " مثلاً (جب تم قضائے حاجت کیلئے جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ مت کرو اور تین پتھر استعمال کرنے کا حکم دیا اور گوبر اور ہڈی استعمال کرنے سے اور دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔(۲)

☆ استاذ کو چاہئے کہ قابل شرم وحیاء امور کی تعلیم میں اشارات وکنایات کا اسلوب اختیار کرے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک عورت نے حضرت نبی ﷺ سے اپنے غسل حیض کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ اس طرح غسل کرے، فرمایا کہ ایک ٹکڑا (کپڑے کا) مشک سے (بسا ہوا) لے اور اس سے صفائی کر، اس نے عرض کیا کہ اس سے کس طرح صفائی کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! صفائی کرلے، تو میں نے اس عورت کو اپنی طرف کھینچ لیا اور کہا کہ اسے خون کے مقام پر پھیر دے " تتبعي بها اثر الدم " (۳)

حضرت محمد بن کعب قرظیؒ کہتے ہیں کہ: ایک آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی مسئلہ پوچھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا کچھ جواب دیا، اس آدمی نے کہا: اے امیر المؤمنین! مسئلہ اس طرح

(۱) بخاری: باب الأكفاء في الدين، حديث: ٥٠٩٠
(۲) ابن ماجة: باب الاستنجاء بالحجارة والنهي عن الروث، حديث: ۳۱۲
(۳) بخاری: كتاب الحيض، باب دلك المرأة نفسها إذا تطهرت من المحيض، حديث: ۳۰۸

نہیں ہے، بلکہ اس طرح ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا: تم نے ٹھیک کہا، میری بات غلط تھی اصبت واخطأت " فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ " (۱) اور ہر جاننے والے کے اوپر اس سے زیادہ جاننے والا ہوتا ہے۔ (۲)

حضرت خلف بن احمر مشہور امام لغت گذرے ہیں، امام احمدؒ ان کے تلامذہ میں سے ہیں لیکن علوم اسلامی میں مہارت اور زہد وتقویٰ کی وجہ سے امام صاحبؒ کو اپنے استاذ سے بھی زیادہ عزت ملی، اس کے باوجود امام احمدؒ کبھی ان کے برابر بیٹھنے کو تیار نہیں ہوتے اور کہتے ہیں کہ: آپ کے سامنے بیٹھوں گا؛ کیونکہ ہمیں اپنے اساتذہ کے ساتھ تواضع اختیار کرنے کا حکم ہے۔ (۳)

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے شاگردوں میں سے ہیں، کہتے ہیں کہ: جب میں امام مالکؒ کے سامنے ورق پلٹتا تو بہت نرمی سے کہ کہیں آپ کو بارِ خاطر نہ ہو۔ (۴)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں منقول ہے کہ اپنے استاذ حمادؒ کے مکان کی طرف پاؤں کرنے میں بھی لحاظ ہوتا تھا، امام صاحبؒ خود اپنے صاحبزادے کا نام اپنے استاذ کے نام پر حماد رکھا۔

حضرت قاضی ابو یوسفؒ کو اپنے استاذ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے ایسا تعلق تھا کہ جس روز بیٹے کا انتقال ہوا اس روز بھی اپنے استاذ کی مجلس میں حاضری سے محرومی گوارا نہ کی۔

طلبہ کی تادیب کے شرعی اصول

استاذ اور شاگرد کا تعلق روحانی باپ اور بیٹے کا سا ہوا کرتا ہے، جس طرح ماں باپ بچے کیلئے جسمانی وجود کا ذریعہ ہوتے ہیں، ایسے ہی استاذ بچے کی روح اور اس کے اندرونی مایہ کے وجود اور اس کے حقیقی انسان بننے کا سبب ہوتے ہیں، اس لئے استاذ کو شاگرد کے حق میں

---

(۱) یوسف: ۷٦
(۲) جامع بيان العلم وفضله، فصل في الانصاف في العلم، ۱۳۱/۱
(۳-۴) تذكرة السامع والمتكلم: ۸۷

ایک شفیق باپ کا کردار ادا کرنا چاہیے، چنانچہ استاذ کو شاگرد کی اصلاح کی خاطر تادیب کی اجازت ضروری ہے؛ لیکن اس کے کچھ حدود و قیود ہیں۔

☆ اصلاح کیلئے سب سے پہلے طالب علم کو اپنے سے مانوس کرنا ضروری ہے، جب تک استاذ اور شاگرد کے درمیان روحانی تعلق اور رشتہ اور محبت وعقیدت کے جذبات نہ ہوں گے استاذ کا اصلاح اور تادیب کیلئے اقدام کرنا قبل از وقت ہوگا۔ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ہمیں اس حوالہ سے روشنی ملتی ہے۔

ایک دیہاتی نے جب مسجد نبوی میں پیشاب کرنا شروع کر دیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو مسجد سے نکالنا چاہا تو آپ ﷺ نے منع فرمایا اور جب وہ پیشاب کر چکا تو اسے پانی سے دھو دیا اور نہایت نرمی سے فہمائش کی کہ مسجد صرف عبادت کی جگہ ہے انّ ھذہ المساجد لا تصلح لشیئ من ھذا البول ولا القذر وہ صحابی رضی اللہ عنہ چونکہ نو مسلم تھے، اس لئے آپ ﷺ نے ان کے مسجد میں پیشاب کرنے پر ان کا سخت نوٹ نہیں لیا، حالانکہ دوسری طرف مسجد میں تھوکنے پر سخت قسم کی وعیدیں سنائی گئی ہیں۔ (۱)

☆ اس کے ساتھ ساتھ بچوں کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہئے، ایسی صورت اختیار کرنا چاہئے کہ وہ ان کی غلطیوں سے واقف ہی نہیں؛ تاکہ طلبہ اپنے آپ کو ہر دم قید و بند میں محسوس نہ کریں اور انہیں گھٹن محسوس نہ ہو، پھر وہ مدرسہ کے ماحول اور وہاں کی ترتیب میں خود کو ڈھال لیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نشہ کی حالت میں پکڑا گیا، لوگوں نے اس کو پکڑ کر حضور ﷺ کے پاس لانے لگے، جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مکان کے پاس لوگ پہنچے تو ان کا نشہ اتر گیا اور مارے شرم کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے چمٹ گئے اور کسی طرح حضور ﷺ کے پاس آنے کو تیار نہ ہوئے " فدخل علی العباس

(۱) مسلم : باب وجوب غسل البول ،حدیث: ۲۸۵

فالتزمه“ حضور ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے ان کو کوئی سزا نہیں دی اور نہ خود اپنے سامنے بلایا“ (۱)

یہ غلطی کو نظر انداز کر دینے کی ایک مثال ہے۔

☆ اصلاح کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان کی فطری صلاحیت اور ذوق ومزاج کو بدلا نہیں جاسکتا، البتہ اس کا رخ تبدیل کیا جاسکتا ہے، اگر استاذ کسی طالب علم کے اندر یہ صفت دیکھے کہ وہ دوسرے طلباء کو ہمیشہ زیر کرنے اور نیچا دکھانے کا خواہشمند رہتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر مسابقت اور آگے بڑھنے کا جذبہ ہے، لہٰذا اس کو صحیح رخ دیا جائے، کتاب اور اس یادداشت پر اس کو پھیر دے۔ بعض طلباء میں اپنے آپ کو نمایاں کرنے کا جذبہ ہوتا ہے، ان کے اس جذبۂ نمائش کو تحریری اور تقریری صلاحیتوں کے اجاگر کرنے میں لگایا جائے اور ان کی ہمت افزائی کی جائے۔ اسی کو حضور ﷺ نے ”خیارکم فی الجاهلية خيارکم فی الاسلام“ فرمایا۔ (۲)

☆ جب طالب علم سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو پہلے نصیحت وموعظت سے کام لے اور انفرادی طور پر اور تنہائی میں اس کی غلطی پر متنبہ کرے، اس عادت کی قباحت اور برائی کو بیان کرے، پھر اس کے ازالہ کیلئے کوشاں ہو، اگر طالبِ علم چوری کرتا ہے، کسی سے قرض لیتا ہے، اپنا سامان بیچ لیتا ہے، پیسے جلد ختم کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ فضول خرچی کرتا ہے، لہٰذا اب مربی استاذ کا کام یہ ہے کہ اس میں کفایت شعاری کی عادت ڈلوائے، اس کو خرچ کم دے، اگر کوئی طالب علم ذہین تو ہے، لیکن مفوضہ کام اور ذمہ داری کو وقت پر پورا نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کام چور ہے، اس کی تربیت یوں ممکن ہے کہ اس کے اوقات کا نظام طے کر کے وقتِ مقررہ پر فلاں کام انجام دے اس طرح اس کے اوقات اور مفوضہ وقت میں

---

(۱) ابوداؤد: حديث: باب في الحد في الخمر: ٤٤٧٦، علامہ حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ: اس کو ابوداؤد اور نسائی نے سندِ قوی کے ساتھ روایت کیا ہے: فتح الباری: الضرب بالجريد والنعال: ۱۸۹/۱۹

(۲) بخاری: كتاب التفسير، سورة يوسف: حديث ٤٦٨٩

سپرد کیئے ہوئے کاموں کی نگرانی کرے، اس طرح وہ انضباطِ وقت کا پابند ہو جائے گا۔
سب سے پہلے نصیحت وموعظت سے کام لیا جائے اس پر یہ آیت دلالت کرتی ہے "واللّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ" (۱) اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بد دماغی کا احتمال ہو تو ان کو زبانی نصیحت کرو۔

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بچہ تھا اور رسول اللہ ﷺ کی نگرانی میں، اور میرا ہاتھ پیالہ میں چاروں طرف پڑتا تھا تو مجھ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے لڑکے! اللہ کا نام لے (بسم اللہ پڑھ) اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھا اور جو تیرے قریب ہے اس میں سے کھا "یا غلام ،سم الله ، کل بیمینك ،وکل مما یلیك" میں اس کے بعد اسی طرح ہی کھاتا تھا۔(۲)

☆ اگر نصیحت وموعظت کارگر نہ ہو تو ڈانٹ ڈپٹ سے بھی کام لیا جائے، اس لئے کہ انبیاء کو جہاں بشیر (خوشخبری دینے والا) کہا گیا ہے وہیں نذیر (ڈرانے والا) بھی بتایا گیا ہے بعض طبیعتیں اور بعض مزاج نرم گفتگو کو قبول نہیں کرتے، بلکہ نرمی اور نرم خوئی ان کا حوصلہ بڑھا دیتی ہے، البتہ یہ ڈانٹ ڈپٹ کے سلسلے میں دو چیزوں کا ضرور خیال رہے کہ یہ ڈانٹ ڈپٹ بد دعا کے الفاظ پر مشتمل نہ ہو، کیونکہ اس کی وجہ سے طالبِ علم استاذ کو اپنا بدخواہ اور دشمن تصور کرنے لگے گا۔

حضرت محمد بن زیاد روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے صدقہ کی کھجور میں سے ایک کھجور کو لے کر اپنے منہ میں ڈال لیا، تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تھوکو، تھوکو، "کخ ، کخ لیطرحها" تاکہ وہ اسے پھینک دیں، پھر فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ ہم لوگ صدقہ نہیں کھاتے۔(۳)

---

(۱) النساء: ۳٤

(۲) بخاری: ۳٥٦

(۳) بخاری: حدیث: ۱٤۳۲ھ

ایک صحابی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ہنسایا کرتے تھے، لوگ غالباً مزاحاً ان کو "حمار" (گدھا) کہا کرتے تھے، "وكان يلقب حمارا" ان سے کئی دفعہ شراب نوشی کی غلطی سرزد ہوگئی، لوگ ان کو شرم و عار دلانے لگے، اسی دوران ایک صاحب نے کہہ دیا کہ: تم پر اللہ کی لعنت ہو اور کسی نے کہہ دیا کہ: خدا تم کو رسوا کرے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فقرہ کو پسند نہیں فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ: ایسی بات کہہ کر تم شیطان کی مدد نہ کرو اور جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے "لا تلعنوه ، فوالله ما علمتُ انّه يُحبّ الله ورسوله " (۱)

☆ اصلاحِ حال کا ایک طریقہ بے توجہی اور بے التفاتی بھی ہے، اگر کوئی طالبِ علم کسی غلطی کا بار بار اعادہ کرے تو استاد اس کی طرف چند دن توجہ کرنا چھوڑ دے اور اس کے ہم سبق طلبہ سے بھی اس سے قطعِ تعلق کو کہے، اس طرح وہ اپنے ماحول میں بیگانہ اور اجنبی ہو جائے گا، اس طرح یہ اقدام بعض دفعہ اس کے اصلاحِ حال میں زیادہ مؤثر ثابت ہوگا۔

حدیث میں اس کی اصل حضرت کعب، وحضرت لبابہ اور مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم میں ملتی ہے کہ جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی طریقہ اختیار فرمایا تھا، خود بھی ان سے بظاہر بے توجہی کرتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی چند دنوں کیلئے ان سے بے توجہی کیلئے کہا، دراصل مقاطعہ کسی انسان کو ماحول سے کاٹ دینا بھی اصلاحِ حال کا نہایت مؤثر ذریعہ ہے، البتہ اس کیلئے یہ ضروری ہے کہ طالبِ علم میں دینی تعلیم کا ذوق اور اپنے استاذ سے محبت پیدا ہوگئی ہو۔ ورنہ یہ اقدام طالبِ علم کے مدرسہ سے فرار اور اس کے ماحول سے نفرت اور اس قید و بند سے چھٹکارے کا جذبہ اس کے اندر پیدا کر سکتا ہے، اور یہ آیت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے "وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ" (۲) اور ان کو ان کے لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو۔

☆ تنبیہ اور اصلاحِ حال کا ایک طریقہ "جسمانی سرزنش" بھی ہے مثلاً کسی مخصوص

---

(۱) بخاری: کتاب الحدود: حدیث: ٦٧٨٠

(۲) النساء: ٣٤

انداز میں کھڑا کردینا یا بٹھادینا، یا ایسے بھی کیا جاسکتا ہے کہ اس سے کچھ نفل نمازیں پڑھائی جائیں، ایک دووقت کا کھانا بند کردیا جائے وغیرہ۔

شریعت میں تادیب کے اس طریقہ کی جانب اشارہ ملتا ہے، چنانچہ متعدد غلطیوں کا کفارہ ''روزہ'' کو قرار دیا گیا ہے، اس سے پتہ چلا کہ جسمانی سرزنش بھی اصلاحِ حال کا ایک مؤثر اور کارگر طریقہ ہے۔

☆ اصلاحِ حال کا آخری درجہ ''ضرب'' اور مناسب حد میں مار پیٹ کا ہے، مار پیٹ ایک مناسب چیز ہے، لیکن کبھی یہ اصلاحِ حال کیلئے ضروری اور ناگزیر ہو جاتی ہے، بہر حال نہ یہ نظریہ درست ہے کہ طلبہ کو بالکل نہ مارا جائے اور نہ یہ نظریہ درست ہے کہ ایسے مارا جائے جیسے جانوروں پر کوڑے برسائے جاتے ہیں۔ حدیث میں حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ: دس سال کی عمر ہونے کے باوجود بچہ نماز نہ پڑھتا ہو تو اس کو مارو'' واذا بلغ عشر سنين فاضربوه '' (۱)

یہ آیت بھی اگر چہ اس کا خاص پس منظر ہے؛ لیکن مطلقا تادیب کے طریقہ کار اسلوب اور درجہ بدرجہ اپنانے میں دلالت کرتی ہے '' وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا '' (۲) اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بد دماغی کا احتمال ہو تو ان کو زبانی نصیحت کرو اور ان کو ان کے لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو اور ان کو مارو پھر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کردیں تو ان پر بہانا مت ڈھونڈو۔

اور ایک حدیث میں ہے حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جو اپنے گھر میں ڈنڈا لٹکا کر رکھے، تاکہ اس کے ذریعہ بچوں کی تربیت کی جائے '' رحم الله عبدا علّق في بيته سوطا يؤدب به أهله '' (۳)

---

(۱) ابوداؤد: باب متى يؤمر الغلام بالصلوة، حديث: ٤٩٤

(۲) النساء: ٣٤

(۳) كنز العمال، باب تربية أهل البيت، حديث، ٤٤٩٩٨

غصہ میں ہرگز نہ مارے، غصہ میں آدمی بے قابو ہوتا ہے، غصہ ختم ہونے کے جرم کے برابر سزا طئے کر کے مصنوعی غصہ بنا کر نافذ کرنا چاہئے، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ایک شخص کو مارنے کا حکم دیا، جب وہ مارنے کیلئے جانے جانے گا تو تو فرمایا: اسے چھوڑ دو، میں نے اپنے اندر غصہ پایا " وجدت في نفسي عليه غضبا "

حضرت مولانا الیاسؒ صاحب فرماتے ہیں کہ: استاذ کیلئے طالب علم کو مارنا اس وقت تک جائز نہیں ہے کہ جب تک کہ اس چپت (طمانچہ) طالب علم کی نگاہ میں چپاتی سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے۔

''ضرب مبرح'' وہ پٹائی جس کی ممانعت وارد ہوئی ہے کے متعلق تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

۱- رسول اللہ ﷺ نے جانور کو بھی چہرے پر مارنے سے منع فرمایا ہے " لا تلطموا وجوه الدواب فان كلّ شيئ يسبّح بحمده " (۱)

اسی طرح غلام کو بھی چہرہ پر مارنے کی ممانعت فرمائی ہے " لا يضرب رجل عبدا ظالما الا أقيد منه يوم القيامة " (۲)

اور سرزنش کے سلسلے میں صراحۃً حکم فرمایا کہ چہرہ سے بچا جائے " اذا ضرب أحدكم فليتّق الوجه " (۳)

۲- جسم کے نازک حصے جیسے پیٹ، سینہ وغیرہ پر بھی نہ مارا جائے۔

۳- مسلسل ایک ہی مقام پر نہ مارا جائے، بلکہ جسم کے مختلف حصوں پر مارا جائے۔

۴- اس طرح نہ مارا جائے کہ ہڈی ٹوٹ جائے، یا مار کا نشان جسم پر نمایاں ہو جائے یہ فقہاء کی رائے میں ''ضربِ مبرح'' میں داخل ہے۔

---

(۱) کنز العمال، حقوق الراكب والمركوب، حديث: ۲۵٦۲۳

(۲) کنز العمال: حقوق المملوك، حديث: ۲۵٦٦۱

(۳) ابوداؤد: باب في ضرب الوجه، حديث: ۱٤٤۹۳

ان اُمور کی رعایت کے بغیر سخت ترین اور تکلیف دہ سزا دینا نامناسب تو ہے ہی شرعاً بھی ناجائز ہے اور علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ: خود اس مدرس کی تعزیر کی جائے گی۔

۵- ایک دفعہ دس چھڑی سے زیادہ نہ مارا جائے، حدیث میں ہے کہ حد کے علاوہ کسی اور غلطی پر دس کوڑے سے زیادہ نہیں مارنا چاہئے، "لا یجلد فوق عشر جلدات الّا فی حدّ من حدود اللّٰہ" (۱)

☆ اگر نصیحت وموعظت، تہدید، جسمانی تادیب اور مار پیٹ کے باوجود اگر طالب علم کی اصلاح نہ ہوسکے یا طالب علم کوئی حد سے گذری ہوئی بات کر جائے تو ایسے طالب علم سے مدرسہ کے ماحول کو خالی کر دینا، یہ نہ صرف دوسرے طلبہ؛ بلکہ خود اس کے ساتھ بھی انصاف ہے، اسلام میں اس کی واضح نظیر "تغریب" یعنی جلاوطنی ہے، فقہاء از راہِ تعزیر کی اجازت دی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں بارہا اس طریق کو استعمال فرمایا ہے، قرآن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے درمیان فراق کا جو واقعہ لکھا ہے وہ ایک طالبِ علم کے اخراج کی بہترین نظیر ہے۔

حدیث پاک میں نمک کی ضرورت کو بھی اللہ سے مانگنے کا حکم دیا گیا ہے تو پھر طالب علم کی تربیت کیلئے مناسب طریقہ اللہ سے مانگنا چاہئے کہ وہ کنجیاں اللہ کے دل پر کھول دے کہ جس کے ذریعہ اس کے دل کا تالا کھولا جاسکتا ہو۔

---

(۱) بخاری: باب ما یکرہ من ضرب النساء، حدیث: ۴۹۰۸

ماں باپ کے حقوق

والدین کے اولاد پر بے شمار احسانات ہیں جو احصاء اور شمار سے بھی باہر ہیں، ماں نے اولاً اپنے لڑکے کو نو ماہ تک پیٹ میں رکھا، اور دردِ زہ کی تکلیف برداشت کی، اور اپنے سینے سے اس کیلئے رزق کی شکل میں دودھ فراہم کیا، لڑکپن میں اس کی راحت کیلئے راتوں جاگ کر گذار دیا، اپنے ہاتھوں سے اس کی گندگی کو دور کیا، خود تو بھوکی رہی اور اس کو آسودہ کیا، اس نے اپنے گود کو اس کیلئے جھولا بنایا، اگر لڑکے کو کوئی تکلیف یا کوئی مرض ہو جاتا تو بے انتہا افسوس اور غم کا اظہار کرتی، اس کے درد اور تکلیف پر خود بھی درد اور تکلیف محسوس کرتی، اس کے رونے پر دوڑ کر چلی آتی، اگر اسے اس بات کا اختیار دیا جاتا کہ وہ یا تو لڑکے کی موت کو برداشت کرے یا اپنے موت کو گوارا کرلے تو اپنی موت کو اپنی اولاد کی موت پر ترجیح دیتی، اور باپ نے بھی اس کیلئے اپنے آپ کو کچھ کم نہیں تھکایا، اس کی ہر ضرورت اور خواہش کی تکمیل کی اور اس کی ہر حاجت کو اپنا خون پسینہ ایک کر کے پورا کیا، بچے کی تکلیف پر وہ بھی خود درد اور تکلیف محسوس کرتا، اس کی تعلیم اور تعلّم کا انتظام کیا اور لکھا پڑھا کر جوان کیا، جب ان کے قویٰ کمزور ہو گئے اور یہ جوان اور توانا مضبوط ہو گیا اور وہ بڑھاپے کی دہلیز پر پہنچ گئے، ان کے قوی جواب دے گئے اور یہ اب اس کے محتاج ہو گئے تو وہ انہیں چھوڑ کر دنیا کی رنگ رلیوں میں کھو گیا اور اس نے ان کو پناہ گزیں کیمپوں، بیت المعذورین، اور اولڈ ایج ہوم کے حوالہ کر دیا۔

☆ اللہ عزوجل نے جگہ جگہ والدین کے احسانات اور ان کے اولاد پر نوازشات کا ذکر کیا ہے چنانچہ ارشادِ باری عزوجل ہے: "وَقَضٰی رَبُّكَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا

تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا، وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا (۱)

اور تیرے رب نے حکم فرمادیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ سے حسن سلوک کرو، اور ان میں سے ایک یا وہ دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اف (بھی) نہ کہو، اور انہیں نہ جھڑکو اور ان دونوں کے ساتھ ادب سے بات کرو اور ان کیلئے عاجزی کے (ساتھ) بازو جھکا دو مہربانی سے اور کہو اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسے انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔

"اُف" کی تفسیر میں حسن بن علیؓ سے مروی ہے کہ "لو علم اللہ شیئًا من العقوق أدنی من أفّ لحرمه" اگر والدین کے حق میں اف سے کمتر بھی کوئی نافرمانی اور ان کی حکم عدولی کی ہوتی تو اللہ عزوجل اس کا ذکر ضرور فرماتے۔ (۲)

والدین کے حق میں اولاد کو اف تک کہنے کی اجازت نہیں چہ جائیکہ وہ انہیں کسی طرح کی جسمانی یا ذہنی کوفت اور اذیت سے دوچار کریں۔

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں مجاہدؒ کہتے ہیں: اگر وہ دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں اور ان کا پیشاب اور پاخانہ نکلنے لگے تو ان کو برا نہ سمجھو اور ان کی اس گندگی کو دور کرتے رہو، جیسا کہ وہ تمہاری گندگی کو بچپن میں دور کیا کرتے تھے "وامط عنهما الخراء والبول كما كانا يميطانه عنك صغيرًا" (۳)

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس جہاد میں اجازت لینے کیلئے آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تیری والدہ حیات ہیں؟ اس نے کہا: ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو ان ہی میں جہاد کر "ففیها جاهد" (۴) یعنی ان کی خدمت کر۔

---

(۱) الاسرائیل: ۲۳-۲۵

(۲) الدرّ المنثور: ۲۵۸/۵، دار الفکر، بیروت

(۳) الدرّ المنثور: ۲۵۸/۵

(۴) بخاری: باب لا یجاهد الّا باذن الوالدین، حدیث: ۵۹۲۷

امام جصاصؒ ''احکام القرآن'' میں فرماتے ہیں کہ: ہمارے اصحاب نے فرمایا: والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کرنا جائز نہیں، جب کہ جہاد کیلئے کافی لوگ دشمن کے مقابلہ میں موجود ہوں اور اگر جہاد کیلئے کافی لوگ موجود نہ ہوں تو والدین کی اجازت کے بغیر بھی جہاد میں جانا ضروری ہوگا۔(۱)

امام نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ: ابومحمد بن عبدالسلامؒ نے فرمایا: لڑکے کا والدین کی اجازت کے بغیر جہاد میں جانا حرام ہے، چونکہ ان کو اس کے قتل یا اس کے کسی عضو کے کٹ جانے کے اندیشہ سے تکلیف ہوگی۔(۲)

☆ اسلاف نے ماں باپ کی خدمت کیسے کی؟ والدین کی خدمت کے تعلق سے یہ واقعات ہمارے لئے مشعلِ راہ اور روشن چراغ ہیں۔

۱- محمد بن منکدرؒ کہتے ہیں کہ: ان کے بھائی یعنی عمر نماز پڑھ رہے تھے اور میں والدہ کے پیر داب رہا تھا، (چنانچہ وہ والدہ کی خدمت کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ): ''وما أحبّ أنّ ليلتي بليلتي'' مجھے پسند نہیں ہے کہ اپنی رات ان کی رات کے بدلے ان کو دے دوں۔(۳)

جہاد کی فضیلت اپنی جگہ مسلّم ہے؛ لیکن شریعت نے یہ اجازت نہیں دی ہے کہ ماں باپ کی رضامندی کے بغیر جہاد میں شریک ہوا جائے۔

۲- انس بن نضر اشجعیؒ سے مروی ہے کہ: حضرت ابن مسعودؓ کی ماں نے ان سے پانی مانگا، ان کے پانی لے کر آنے تک وہ سو گئیں، چنانچہ وہ صبح تک اسی طرح پانی لئے کھڑے رہے ''فثبت بالشربة عند رأسها حتى أصبح'' (۴)

---

(۱) احكام القرآن للجصاص: ۴/ ۲۳۵

(۲) شرح مسلم للنووی: ۲/ ۲۷۵، دار احياء التراث العربی، بيروت

(۳) البرّ والصلة: ۷۹

(۴) حلية الأولياء: مسعر بن كدام: ۷/ ۲۱۷، دار الكتاب العربی، بيروت

۳۔ حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں کہ: والدین کا رتبہ اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ لڑکے کیلئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے والد کو مارنے سے روکے، جس نے والدین کو تیز نظر سے دیکھا تو اس نے ان سے بدسلوکی کی، "ومن شدّ النظر الی والدیه فلم یبرّھما" (۱)

۴۔ جب حضرت ایاسؒ کی والدہ کا انتقال ہوگیا وہ رو پڑے ان سے پوچھا گیا کہ کیوں روتے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ: میرے جنت کے دو دروازے کھلے تھے، ان میں سے ایک دروازہ بند ہوگیا "کان لی بابان مفتوحان الی الجنّة وغلق أحدھما" (۲)

۵۔ حضرت ہشام بن حسّانؒ کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت حسنؒ سے کہا: میں قرآن سیکھتا ہوں اور میری ماں میرا شام کے کھانے میں انتظار کررہی ہوتی ہے، حسنؒ نے کہا: تم اپنی ماں کے ساتھ کھاؤ اور اس کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرو یہ میرے یہاں تمہارے نفل حج سے بڑھ کر ہے "أحبّ الیّ من حجّة تحجّھا تطوّعًا" (۳)

۶۔ حضرت حیاۃ بن شریحؒ یہ ایک بڑے امام اور مسلّم عالم تھے، ان کا حلقۂ درس ہوتا، ان کے دورانِ تعلیم ان کی ماں ان سے یہ کہتی کہ: اے حیاؒ! اٹھو، اور جا کر مرغی کو دانے ڈال دو تو وہ حلقۂ درس کو چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوتے اور مرغی کو دانہ ڈال آتے "فیقوم ویترك التعلیم" (۴)

۷۔ حضرت حجر بن ادبرؒ ایک بزرگ تھے، یہ اپنی ماں کے سونے سے پہلے اس کے بستر کو ٹٹول کر دیکھتے، پھر انہیں اپنے ہاتھ کے کھردرے پن کا احساس ہوتا تو اپنی پیٹھ کے بل اس پر لیٹتے، پھر جب ان کو یہ اطمینان ہو جاتا کہ بستر پر کوئی چیز نہیں ہے تو ماں کو اس پر لٹاتے۔ (۵)

---

(۱) البرّ والصلة : ۱۱۳
(۲) موسوعة خطب المنبر : ٤١٤٢/١
(۳) البرّ و الصلة : ٤٥
(۴) البرّ والصلة لابن الجوزی : ۷۹
(۵) البر والصلة : ٥

۸۔ مامونؒ کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت فضل بن یحییٰؒ سے بڑھ کر اپنے والد کا مطیع اور فرماں بردار نہیں دیکھا، ان کی اطاعت اور والد کی فرماں برداری کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ یحییٰ گرم پانی ہی سے وضو کرتے تھے، اور وہ دونوں جیل میں تھے، جیل والوں نے ٹھنڈی راتوں میں اندر لکڑی لانے سے منع کیا تھا، تو فضلؒ اپنے والد کے سونے کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے اور پانی گرم کرنے کیلئے لوٹے کو لے کر اسے چراغ کی روشنی کے قریب کیا، اسی طرح اس پانی کے لوٹے کو چراغ کی روشنی پر لئے صبح تک کھڑے رہے۔

مامونؒ کے علاوہ دیگر لوگوں نے بتلایا کہ جیل میں جیلروں کو پتہ چل گیا کہ چراغ کے ذریعہ پانی گرم کیا گیا تو انہوں نے رات میں چراغ جلانے سے بھی روک دیا، فضلؒ نے اپنے والد کیلئے پانی گرم کرنے کے واسطے پانی کے بھرے ہوئے لوٹے کو اپنے بستر میں لے لیا اور اسے سینے سے لگائے رکھا اس طرح پانی گرم کیا۔(۱)

یہ تھا ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا جذبہ کہ والد کی سہولت کیلئے پانی گرم کرنے کا کوئی انتظام نہ ہوسکا تو اخیر میں یہ کیا کہ اس پانی کو اپنے بستر میں لے کر اُسے صبح تک سینے سے لگائے رکھا کہ وہ پانی گرم ہوجائے اور والد کے استعمال کے قابل ہوجائے۔

☆ آدمی پوری زندگی ماں باپ کی خدمت گذاری کرے تب بھی وہ ماں باپ کے حق کی ادائیگی نہیں کرسکتا۔

لڑکا باپ کا پورا حق بالکل ادا نہیں کرسکتا، خواہ اس راہ میں جو کچھ بھی قربان کردے، باپ کے حق کی ادائیگی کی ایک ہی صورت ہوسکتی ہے، جس کو نبی کریم ﷺ نے والد کے احسانات کا بدلہ قرار دیا ہے کہ وہ اپنے باپ کو غلامی کی حالت میں پائے اور وہ اس کو خرید کر آزاد کردے "الّا أن یجد مملوکا فیشتریه فیعتقه" (۲)

(۱) البرّ والصلة : ۸۵
(۲) مسلم : باب فضل عتق الوالد، حدیث : ۱۵۱۰

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے اپنی ماں کو سخت گرم اور ریتیلی زمین میں تین میل کے فاصلہ تک اپنے کاندھے پر لے چلا ہوں، اتنی گرم زمین کہ اگر میں اس پر اپنے گوشت کا ایک ٹکڑا بھی ڈال دیتا تو وہ بھن جاتا تو کیا میں نے اپنی ماں کا حق ادا کر دیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: شاید کہ یہ تمہارے دنیا میں آنے کے وقت کے چیخوں میں سے ایک آہ کا بدلہ ہو جائے "لعلّه أن يكون لطلقة واحدة" (۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنی ماں کو کاندھے پر اٹھائے ہوئے بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے، اس نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ کی کیا رائے ہے کہ میں نے اس کا حق ادا کر دیا؟ انہوں نے کہا: تم نے اس کے درد زہ کے چیخوں میں سے ایک چیخ کا بھی حق ادا نہیں کیا؛ لیکن تم نے بہتر ہی کیا ہے، اللہ عزوجل تھوڑے سے عمل پر زیادہ اجر بھی عنایت کرتے ہیں "والله يثيبك على القليل كثيرا" (۲)

☆ ماں باپ کی نافرمانی اور حکم عدولی کا انجام بہت برا ہو سکتا ہے۔

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے "اصحابِ اعراف" جن کا ذکر قرآنِ کریم میں آیا ہے کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ کون ہیں؟ اور "مقامِ اعراف" سے کیا چیز مراد ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: "اعراف" یہ جنت اور جہنم کے درمیان ایک پہاڑ ہے، اس کو "اعراف" اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ جنت اور جہنم کے قریب واقع ہے، وہاں پر بھی درخت، پھل، نہریں اور چشمے ہیں، جو لوگ اس جگہ رہیں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جو والدین کی رضا اور خوشنودی کے بغیر جہاد میں چلے گئے ہوں اور وہ جہاد میں شہید ہو گئے، ان کا شہید کا رتبہ پانا ان کے دخول جہنم کیلئے مانع بنے گا اور والدین کی نافرمانی اور حکم عدولی ان کو جنت میں جانے سے روک دے گی، وہ مقام "اعراف" پر ہی رہیں گے؛ یہاں تک کہ ان کے متعلق اللہ عزوجل کچھ فیصلہ کریں

---

(۱) مجمع الزوائد: باب ما جاء في البر وحق الوالدين، حديث: ۱۳۳۹٤

(۲) الكبائر: الكبيرة الثامنة عقوق الوالدين: ۱/٤۲، دار الندوة الجديدة، بيروت

" فمنعهم القتل في سبيل الله عن دخول النّار ومنعهم عقوق الوالدين عن دخول الجنّة فهم على الأعراف حتّى يقضي الله بينهم " (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چار لوگوں پر اللہ عزوجل نظر رحمت نہ فرمائیں گے، ایک والدین کا نافرمان، دوسرا اِحسان جتانے والا، تیسرا شراب کا عادی اور تقدیر کو جھٹلانے والا، " عاق، منّان، ومد من خمر و مكذّب قدر " (۲)

ابوقزعہ نے ایک شخص کے بارے میں بتلایا کہ ہم نے دورانِ سفر ایک جگہ پڑاؤ کیا تو وہاں ہم نے رات میں گدھے کی آواز سنی، لوگوں سے دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ ہمارے یہاں ایک آدمی تھا جب اس کی ماں اس سے کچھ کہتی تو وہ اس سے کہتا کہ گدھے کی طرح نہ چلا، جب یہ شخص مرگیا تو اس کی قبر سے گدھے کے چلانے کی طرح آواز آتی ہے " فلمّا مات سمعنا نهيقه من القبر " (۳)

یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک نافرمان اپنے باپ کو گھر سے نکالنے کیلئے اس کو پیر سے کھینچا کرتا تھا، اس کا ایک لڑکا اس سے بھی زیادہ نافرمان تھا، وہ اس کو دروازے تک کھینچ کرلایا تو اس نے کہا: بس بھی کرو، میں نے اپنے باپ کو اسی جگہ تک کھینچ کرلایا تھا تو اس کے لڑکے نے اس سے کہا: یہ تمہارے لئے اس کئے کا بدلہ ہے اور یہ مزید میری طرف سے تم پر صدقہ ہے " هذا جزاء ك والزائد صدقة منّي عليك " (۴)

اس واقعہ میں غور طلب پہلو یہ ہے کہ اس زندگی میں آدمی کا ہر کئے کا بدلہ مل کر رہتا ہے " جیسا کروگے ویسا بھروگے " تم اپنے لڑکوں کا اپنے ساتھ جس طرح کا معاملہ اور سلوک کے طلب گار ہو اسی طرح اپنے ماں باپ کے ساتھ سلوک کرو۔

☆ ماں باپ کے ساتھ احسان اور بہترین سلوک سے یہ فضائل اور انعامات حاصل ہوتے ہیں۔

---

(۱) الكبائر: ۱/۴۱، دار الندوة الجديدة، بيروت
(۲) المعجم الكبير: صدى بن عجلان أبو أمامة: حديث: ۷۹۵۴
(۳) البر والصلة: باب عقوق الوالدين: ۱/۵۵، دار الوطن، الرياض
(۴) موسوعة خطب المنبر: ۲/۴۲۱

۱- ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک یہ سب سے بڑی نیکی ہے :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کونسا عمل زیادہ پسندیدہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: نماز کا اپنے وقت پر پڑھنا، میں نے کہا: پھر کونسا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''والدین کے ساتھ نیک سلوک'' '' بر الوالدین '' پھر میں نے کہا: پھر کونسا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ۔(۱)

۲- یہ گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے :

اللہ عزوجل کا ارشادگرامی ہے ''وَوَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡهِ اِحۡسَانًا .... اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ نَتَقَبَّلُ عَنۡهُمۡ اَحۡسَنَ مَا عَمِلُوۡا وَنَتَجَاوَزُ عَنۡ سَیِّاٰتِهِمۡ (۲)

اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا............یہی وہ لوگ ہیں جن کے بہترین عمل جو انہوں نے کیے ہم قبول کرتے ہیں اور ہم ان کی برائیوں سے درگذر کرتے ہیں۔

۳- یہ دخولِ جنت کا سبب ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ '' رغم أنفه، رغم أنفه '' اس کی ناک خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو، کہا گیا: کس کی اے اللہ کے رسول ﷺ! تو آپ نے فرمایا: جو شخص اپنے ماں باپ کو بڑھاپے کی حالت میں پائے اور وہ جنت میں داخل نہ ہو سکے '' ثمّ لم يدخل الجنّة '' (۳)

۴- والدین زیادتیٔ عمر کی وجہ ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جس کو یہ بات پسند ہو کہ اس کی عمر دراز ہو اور اس کے رزق میں کشائش ہو تو وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے اور ان کی رشتہ داری کو نبھائے '' فليبرّ والديه وليصل رحمه '' (۴)

---

(۱) بخاری : باب فضل الصلوة على لوقتها، حديث: ٥٠٤

(۲) الاحقاف : ١٥

(۳) مسلم: باب رغم أنف من أدرك أبويه، حديث: ٢٥٥١

(۴) المعجم الكبير: احاديث عبدالله بن عباس، حديث: ١١٨٢٢

۵- رزق میں اضافہ کے باعث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو یہ چاہتا ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی ہو اور اس کے آثار قدم تادیر قائم رہیں (لمبی زندگی یا شہرت چاہتا ہو) تو وہ صلہ رحمی کرے " فیصل رحمه " (۱)

۶- اس کی اپنی اولاد بھی مطیع ہوگی:

ماں باپ کی اطاعت کا ایک نقد فائدہ یہ ہوگا کہ خود اس کی اولاد مطیع اور فرماں بردار ہوگی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " برّوا اباء کم تبرّکم أبناء کم وعفّوا تعفّوا نساء کم " (۲)

اپنے ماں باپ کی اطاعت اور فرماں برداری کرو، اولاد تمہاری مطیع اور فرماں بردار ہوگی، تم عفیف اور پاکیزہ رہو، تمہاری عورتیں عفیف اور پاکیزہ ہوں گی۔

☆ ایسا نہیں ہے کہ مرنے کے بعد ماں باپ کے حقوق ختم ہو جاتے ہیں اور ان کا کوئی حق باقی نہیں رہتا بلکہ مرنے کے بعد والدین کے ساتھ کیسے سلوک کیا جا سکتا ہے۔

مرنے کے بعد ان کے لئے دعا اور استغفار کرے:

ان کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ان کیلئے دعا و استغفار اور ایصال ثواب کا اہتمام کرے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال بند ہو جاتے ہیں؛ لیکن تین اعمال کا ثواب باقی رہتا ہے،

۱- "صدقۂ جاریہ"

۲- "علم جس سے لوگ منتفع ہوں" اور

۳- "نیک لڑکا جو ماں باپ کیلئے دعا کرتا رہے" او ولد صالح يدعوا له " (۳)

---

(۱) بخاری : باب من أحبّ البسط في الرزق ، حديث : ۱۹۶۱

(۲) المعجم الأوسط : حديث : ۶۲۹۵

(۳) مسلم : باب بيان أنّ اسم الصدقة : حديث : ۱۰۰۶

اور ایک روایت میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ: مرنے کے بعد آدمی کے درجات بلند ہوں گے تو وہ کہے گا: اے میرے رب! یہ کیا چیز ہے؟ تو اس سے کہا جائے گا: تیرے لڑکے نے تیرے لئے مغفرت طلب کی ہے "وللدك استغفر لك" (۱)

ایسے ہی ایک روایت میں ہے مالک بن ربیعہ ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک انصاری شخص آئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا میرے والدین کے وفات پا جانے کے بعد کیا ان کے ساتھ اب بھی میرے حقوق متعلق ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، چار چیزیں ہیں: ان کی نماز جنازہ پڑھنا، ان کیلئے استغفار کرنا، ان کے عہد وصیت کو پورا کرنا، ان کے دوست کا اکرام کرنا، اور اس رشتے کو نبھانا جو رشتہ تم کو ان سے حاصل ہوا ہے، یہی چیزیں ان کے مرنے کے بعد تم پر بطورِ حقوق کے باقی ہیں "فهو الذى بقى عليك من برّهما بعد موتهما" (۲)

والدین کے چودہ حقوق ہیں:

سات زندگی کے حق ہیں:

۱- عظمت، خدا اور رسول ﷺ کے بعد سب سے بڑا درجہ والدین کا ہے، استاذ، پیر سے بھی زیادہ ہے، استاذ صاحب یا پیر صاحب نے بلایا کہ چار بجے ہمارے ہاں آؤ اور والد نے بھی اسی وقت آنے کو کہا تو استاذ اور پیر سے عذر کر دے اور والد کے ہاں حاضری دے۔

۲- محبت۔ ۳- اطاعت۔

۴- خدمت، ان کو زیادہ سے زیادہ آرام پہنچائے۔

۵- رفعِ حاجت۔ ان کی جو بھی ضرورت ہو اس کو پوری کرنا۔

۶- فکرِ راحت، ان کے آرام کی بھی فکر کرے، اپنے لئے تو اچھا بستر، گدا اور والدین کیلئے پرانا میلا کچیلا بستر، اپنے لئے پنکھا اور راحت کا انتظام اور والدین کیلئے کچھ نہیں۔

۷- کبھی کبھی ان کی زیارت و ملاقات، ان چیزوں کا خیال اور لحاظ رکھے۔

(۱) الأدب المفرد: باب عرض الاسلام على الأم، حديث: ۳۶

(۲) مسند احمد: حديث ابى اسيد الساعدى، حديث: ۱۶۱۰۳

وفات کے بعد کے سات حق ہیں:

۱- دعائے مغفرت

۲- ایصالِ ثواب طاعت، کچھ قرآن کریم پڑھ کے ثواب پہنچادے، قرآن نہیں پڑھا تو کلمہ شریف اور سبحان اللہ نیز الحمد للہ وغیرہ پڑھ کے اس کا ثواب پہنچادے۔

۳- اعانتِ احباب واہلِ قرابت، ان کے دوستوں نیز رشتہ داروں کی حسبِ استطاعت مدد کرنا۔

۴- اکرام واحترام احباب واہلِ قرابت، کسی کے والدین نے اگر دوسرا نکاح کرلیا تو ان کے جو اعزہ ہیں ان کی بھی مالی خدمت کرنا۔

۵- ادائے دین وامانت، والد کے پاس کسی کی امانت تھی، والد کے اوپر کسی کا قرضہ تھا، تو اس کو ادا کرے۔

۶- تنفیذِ وصیت، انہوں نے جو وصیتیں کی تھیں اس کو پورا کرے۔

۷- گاہے گاہے ان کی قبر کی زیارت، ہفتہ میں ایک دن تو جاکے ان کی قبر کی زیارت کرلیا کرے۔(۱)

والدین کی اطاعت کس حد تک؟

اللہ عزوجل نے جہاں والدین کو اُف کہنے سے منع کیا ہے اور ان کے ساتھ احسان کا حکم کیا ہے، اس آیت کے اخیر میں الفاظ ہیں " اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا " (۲) دے قرابت دار کو اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو، اور مال مت اُڑا بگاڑ کر۔

حق تعالیٰ نے حد اعتدال کو قائم رکھتے ہوئے حقوقِ والدین کے ساتھ دیگر لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی تعلیم دی؛ کیونکہ احتمال تھا کہ اس سختی اور شدت کے ساتھ والدین کی اطاعت کا حکم

(۱) ارشاداتِ ابرار: ۱۸۸، مرتب: سید سلیم اللہ غوری صاحب، خلیفہ ومجاز بیعت حضرت محی السنہ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

(۲) اسراء: ۲۶

دیکھ کر کوئی شخص کسی دوسرے کے ادائے حقوق کو محض معمولی بات سمجھ کر اس کے ادا کرنے میں کوتاہی کرے اور رضائے والدین کو مقدم کرے، مثلاً والدین کہیں کہ اپنے اہل وعیال کو ایذاء دے، خورد ونوش واجب میں کمی کرے تو وہ کرنے لگتا، پس رحیم وکریم نے بتلایا کہ ہر چیز کی حد ہے، والدین کی وجہ سے کسی دوسرے کی حق تلفی نہ کرو۔

کن چیزوں میں والدین کا حکم ماننا ضروری نہیں

۱۔ جو سفر (خواہ تجارت کا ہو خواہ حج وغیرہ کا بشرطیکہ وہ سفر فرض وواجب نہ ہو) ایسا ہو جس میں غالب ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو، بغیر اجازتِ والدین درست ہے، اگر والدین اس سفر سے منع کریں تو ان کے کہنے سے سفر نہ کرنا ضروری نہیں، چنانچہ یہ مسئلہ درمختار اور عالمگیری میں موجود ہے: جو سفر فرض یا واجب ہو، اس میں تو بطریق اولیٰ یہ حکم ہوگا اور یہ سب اس صورت میں ہے جب والدین اپنی ضروری خدمت کے محتاج نہ ہوں خواہ ان کو حاجت ہی نہ ہو یا ہو لیکن دوسرا کوئی خدمت کرنے والا موجود ہو۔

۲۔ اگر والدین ضروری حاجت کیلئے (جس کو شریعت نے ضروری کہا ہے مثلاً طعام ولباس وعلاج وغیرہ وادائے قرض) خرچ کی ضرورت نہ ہو اور اولاد کے پاس اپنی ضروری حاجت سے روپیہ یا دوسری قسم کا مال زائد نہ ہو اور والدین اولاد سے طلب کریں تو اولاد کو دینا ضروری نہیں۔

۳۔ والدین بغیر احتیاجِ خدمت نوافل پڑھنے کو منع کریں یا کسی دوسرے غیر ضروری کام کرنے سے روکیں تو اس صورت میں ان کا کہنا ماننا ضروری نہیں، ہاں اگر وہ ضروری خدمت کے محتاج ہو اور نوافل وغیرہ میں مشغولی ان کو تکلیف دے اور کوئی دوسرے خادم نہ ہو تو اولاد پر واجب ہے کہ نوافل وغیرہ چھوڑ کر ان کی خدمت کرے۔

اس حوالے سے یہ روایت ملاحظہ ہو:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک آدمی تھا جس کا نام جریج تھا وہ نماز پڑھ رہا تھا کہ اس کی ماں آئی اور اس کو بلایا، لیکن

اس نے جواب نہ دیا، اور اپنے جی میں کہا کہ میں نماز پڑھوں یا اس کی بات کا جواب دوں، " أجيبها أم أصلي " اس کی ماں اس کے پاس واپس آ گئی اور کہا، یا اللہ اس کو موت نہ دے جب تک کہ وہ فاحشہ عورت کا منہ نہ دیکھ لے، ایک دن جریج اپنے عبادت خانہ میں تھا، ایک عورت نے کہا کہ میں جریج کو پھانس لوں گی، وہ اس کے سامنے آئی اور اس سے بات چیت کی، لیکن اس نے انکار کر دیا، تو وہ ایک چرواہے کے پاس گئی اور اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر دیا، چنانچہ اس کو ایک بچہ پیدا ہوا تو کہنے لگی یہ جریج کا ہے، لوگ جریج کے پاس آئے اس کے عبادت خانے کو توڑ دیا، اس کو عبادت خانے سے نیچے اتارا اور اس کو گالی دی، جریج نے وضو کیا اور نماز پڑھی، پھر اس لڑکے کے پاس آ کر کہا اے بچے تیرا باپ کون ہے؟ اس بچہ نے جواب دیا، فلاں چرواہا لوگوں نے (جریج سے کہا) ہم تیرا عبادت خانہ سونے کا بنا دیں گے جریج نے کہا نہیں مٹی ہی کا بنوا دو۔(۱)

۴- اگر والدین حقہ نوش ہوں (بیڑی، سگریٹ، گٹکے اور دیگر تمباکو والی چیزیں اس میں شامل ہیں) اور حقہ پینا بغیر مرض اور معذوری کے نہ ہو، اور اولاد سے حقہ تیار کرنے کی فرمائش کریں تو اولاد پر اس کہنے پر عمل کرنا ضروری نہیں؛ بلکہ اس میں فعل مکروہ کا ارتکاب کرنا ہے، جو شرعاً مذموم ہے۔

۵- اگر کسی کی بیوی سے کوئی (واقعی) تکلیف اور رنج اس شخص کے والدین کو نہ پہنچتا ہو خواہ مخواہ والدین اس شخص کو حکم کریں کہ تو اپنی عورت کو طلاق دیدے، اس کی تعمیل اس آدمی پر ضروری نہیں، بلکہ اس صورت میں طلاق دینا عورت پر ایک طرح کا ظلم کرنا ہے، طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی ناپسندیدہ چیز ہے، فقط مجبوری میں جائز رکھی گئی ہے، خواہ مخواہ طلاق دینا ظلم اور مکروہِ تحریمی ہے، نکاح تو وصال کیلئے وضع کیا گیا ہے، یہ فراق بلا وجہ کیسے روا ہو سکتا ہے؟ (۲)

---

(۱) بخاري : واذكر في الكتاب مريم : حديث: ٣٢٥٣
(۲) فتح القدير : باب الايمان في الطلاق : ٤ / ١١٦ ، دار الفكر بيروت

حضرت سعید بن المسیبؒ (یہ بڑے درجے کے تابعی ہیں، علم میں کوئی تابعی ان کے درجہ کو نہیں پہنچ سکا، اور یہ بڑے بزرگ اور صاحبِ کرامت بھی تھے، اپنے باپ سے علاحدگی اختیار کی اور بالکل چھوڑ دیا" وسعيد بن المسيب هجر أباه حتى مات " دینی وجہ سے یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی۔(۱)

۶۔ اگر والدین کسی گناہ کا حکم دیں کہ فلاں گناہ کرو مثلاً فرمائیں کہ اہل حق کی مدد نہ کرو یا زکوٰۃ نہ دو، دینی تعلیم حاصل نہ کرو، اور کوئی ایسی ہی بات کا حکم دیں تو اس صورت میں ان کا کہنا ماننا حرام ہے اور ان کی مخالفت فرض ہے جبکہ وہ کام ضروری ہو جس سے وہ روکتے ہیں، ہاں اگر ان کو کوئی (واقعی اور سخت) تکلیف ہو مثلاً وہ بیمار ہوں، اور کوئی خادم نہ ہو اور نماز کا وقت ہے، اگر ان کی خبر گیری نہ کی جائے تو سخت تکلیف کا اندیشہ ہے، پس اس صورت میں اگر وہ نماز قضا کرنے کو کہیں تو قضا کردے، پھر کسی وقت پڑھ لے، اور اگر کسی مستحب کام سے روکیں اور اپنی کسی ضروری حاجت (واقعی اور معتبر) کی وجہ سے روکیں تو ان کے حکم کی تعمیل واجب ہے اور خواہ مخواہ روکیں تو واجب نہیں ہے۔

ماں کا نفقہ کب واجب ہوتا ہے؟

بیوی کے نفقے کے سوا دیگر اہل قرابت کا نفقہ مرد کے ذمہ اس وقت واجب ہوتا ہے جبکہ وہ اس قدر مال کا مالک ہو، جس سے صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے اور والدین بھی اس حکم میں داخل ہیں اور بیوی کا نفقہ ہر صورت میں فرض ہے خواہ شوہر فقیر ہو یا امیر ہو (حاشیہ شرح وقایہ) پس معلوم ہوا کہ جب تک ذکر کردہ مال کی مقدار مرد کے پاس نہ ہو تو والدین کا نفقہ (ضروری خرچ) واجب نہ ہوگا، اس تصریح سے یہ غرض نہیں کہ انسان والدین سے بے رُخی اور ان کے ادائے حقوق میں کوتاہی اور ان کی احسان فراموشی کرے، یہ بہت بری بات ہے، بلکہ غرض اس تقریر سے یہ ہے کہ مبالغہ دور کردینا ہے۔(۲)

(۱) المعارف لابن قتيبة: ۱/ ۵۵

(۲) رسالہ حقوق الوالدین، مؤلفہ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حدیث "أنت ومالک لأبیک" کی توضیح:

حدیث " أنت ومالك لأبيك " اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اولاد کے کل مال وجائیداد کا والد مالک ہوتا ہے، اس میں جس طرح چاہے تصرف کرے، جیسا کہ اس حدیث سے بعض لوگوں نے یہ مفہوم لیا ہے؛ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ باپ اولاد کے مال میں بقدر ضرورت وحاجت لے سکتا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے یہاں یہ واقعہ پیش آیا تو انہوں نے اس حدیث کی ایسی ہی تشریح فرمائی:

حضرت قیس بن ابی حازم سے روایت ہے کہ: ایک شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، کہنے لگا: میرے والد میرا تمام مال کسی ضرورت سے لینا چاہتے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس نوجوان کے والد سے فرمایا: تمہیں اس کے مال سے بقدر کفایت ہی لینے کا حق ہے، "إنما لك من ماله ما يكفيك" اس نے کہا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ! کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں نہیں فرمایا: "أنت ومالک لأبیک" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نفقہ ہی مراد لیا ہے؛ لہٰذا اس حوالہ سے تم اللہ کی تقسیم پر راضی رہو"۔(۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے طلاق کا حکم دینے کی وجہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے واقعات پہلے بھی گذر چکے ہیں جس میں انہوں نے والدین کی اطاعت میں طلاق دینے کا حکم کیا ہے، پھر ان اصحابِ نبی رضی اللہ عنہما کے طلاق دینے کا حکم کرنے کی کیا تاویل ہوسکتی ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میری ایک بیوی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وہ ناپسند تھی، انہوں نے کہا: اس کو طلاق دے دو، میں نے انکار کردیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے باپ کی اطاعت کرو " اطع أباك " (۲)

(۱) السنن الكبرى للبيهقي : باب نفقة الأبوين ،حديث: ۱۵۵۳۲
(۲) ترمذی: الرجل يسأل أبوه أن يطلق امراته ،حدیث: ۱۱۸۹ ، امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔

یہاں یہ مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کے صاحبزادے اپنی بیوی کو طلاق دیں، صاحبزادے طلاق دینا نہیں چاہتے تھے تو انہوں نے جناب سرورِ عالم ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا آپ نے بھی طلاق دینے کو کہا، ظاہر ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے مقبول صحابی کسی پر ظلم کیسے کر سکتے ہیں؟ اگر بفرضِ محال وہ ایسا کرتے بھی تو حضور ﷺ اس کو گوارا کیسے کرتے اور ظلم کی اعانت کیسے کرتے؟

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: میری ایک بیوی ہے، میری ماں اس کو طلاق دینے کو کہتی ہے، تو انہوں نے کہا: میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ: باپ جنت کے دروازوں میں سے بیچ کا دروازہ ہے، اگر چاہو تو اُسے باقی رکھو، ورنہ ضائع کردو " فان شئت فاضع ذٰلك أو احفظه " (۱)

ظاہر ہے کہ اس عورت سے اس مرد کی والدہ کو تکلیف واقعی پہنچی تھی، اس وجہ سے وہ اس کو طلاق دلانا چاہتی تھی، ورنہ خواہ مخواہ طلاق دینا ظلم ہے اور ظلم پر مدد کرنا بھی ظلم ہے، اگر مذکورہ صورت میں طلاق دینا اس ظلم ہوتا تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اس کی کیسے اجازت دیتے۔

☆ سوتیلی ماں چونکہ باپ کی قرین ہوتی ہے اور باپ کے دوست کے ساتھ احسان کرنے کا حکم آیا ہے، اس لئے سوتیلی ماں کے بھی کچھ حقوق ہیں مثل حقیقی ماں کے ہیں۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ دیگر ازواج نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا، حضور ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما تھے، تو اس کام کے متعلق گفتگو ہوئی، پھر نبیِ اقدس نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "یا بنیّة ! الستِ تحبّین ما أُحبّ ، قالت: بلٰی ، قال احبّی هذه " یعنی اے میری بیٹی! جس کو میں محبوب رکھتا ہوں کیا تو اسے محبوب نہیں رکھتی؟ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے

---

(۱) ترمذی: من الفضل فی رضا الوالدین، حدیث: ۱۹۰۰، امام ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے

عرض کیا: کیوں نہیں؟ میں محبوب رکھتی ہوں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ: عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ محبت رکھنا۔(۱)

ساس کیلئے ہدایات

بہو کو اپنی بیٹی کی طرح سمجھے اور سوچے کہ وہ کتنی بڑی قربانی دے کر گھر آتی ہے، اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو بہو بیٹے کے رشتے میں مداخلت کرنے نہ دیں، پردہ کا اہتمام ضرور کروائیں، بہو کے غلطی کرنے پر سلیقے سے تنہائی میں سمجھائیں، بھری محفل میں بے اِکرامی کے ساتھ نصیحت نہ کریں، اس کی خوبیاں بھی کبھی بیان کرنا چاہئے، نکاح کے بعد خواہ مخواہ اپنے بیٹے سے بدگمانی نہ کرے کہ شاید وہ اپنی بیوی کا غلام ہوگیا، کبھی ٹوکتے ہوئے لڑکی کے خاندان کو برا بھلا نہ کہے، بڑا پن عمر کی درازی اور بالوں کی سفیدی سے نہیں ملتا؛ بلکہ چھوٹوں کو معاف کرنے سے ملتا ہے، بہو کی ضرورت اور علاج و معالجہ کا اللہ کو راضی کرنے کیلئے فکر کرے، دنیا میں بیٹے یا بہو سے صلہ یا بدلہ لینے کی امید دنیا میں ہرگز نہ کرے، سارے بیٹوں کو ایک چولہے سے کھانے اور ایک چھت کے نیچے رکھنے پر اصرار نہ کریں، اگر سارے بیٹے اور بہویں محبت والفت کے ساتھ دِلوں کی صفائی کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک جگہ رہ رہے ہوں تو بہت اچھا ہے، مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے، دِلوں کو ایک رکھنے کی فکر کریں، چولہے کے ایک رہنے کا غم نہ کریں، مطبخ اور گھریلو مسائل کے جھمیلے کو کم کریں، بہوؤں کے حوالے کر کے آخرت کی فکر میں لگ جائیں، خود اپنے سے غلطی ہونے پر بہو سے معافی چاہنے میں شرم نہ کریں، بہو کے گھریلو مسائل ہوں تو میکہ جانے کی اجازت دیں، اپنے چھوٹوں کیلئے دعائیں کرتی رہیں۔

بیٹی کی ماں کیلئے ہدایات

لڑکی کی ماں کیلئے چاہئے کہ داماد کا اِکرام کرے اور اپنی بیٹی کو ہمیشہ داماد کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کرے، اگر زندگی میں کچھ سرد وگرم آجائے تو بیٹی کو آگاہ کرے کہ دنیا

(۱) مسلم: باب فضائل عائشة، حديث: ۲٤٤٢

مسا ملکستان ہے، جنت نشان نہیں، ساس اور داماد کی خوبیاں اپنی بیٹی کے سامنے بیان کرے، ہرگز بیٹی کے سسرال والوں کی اہمیت بیٹی کی نگاہ میں کم نہ کرے، ہر دم یہی سمجھنا چاہئے کہ اصل گھر تمہارا سسرال ہے، میکہ نہیں، خاموش رہنے سے کبھی نقصان نہیں ہوا، بولنے سے ہی مصیبت جڑی ہے، ”والبلاء مؤکل بالمنطق“ وقتاً فوقتاً لڑکی کے سسرال والوں کیلئے ہدیہ بھیجیں، اگر بیٹی سے فون پر بات ہو تو ساس سے بھی ضرور بات کریں، نواسے، نواسیوں کو دادا، دادی سے بھی جوڑیں، دادا، دادی کا مقام ان کی نگاہوں میں گرنے نہ دیں، اپنی بیٹی کی کوتاہیوں پر بے جا طرف داری نہ کریں۔ جس بات کا بوجھ دل سے ہلکا کرنا ہو، اس کا تذکرہ کرنا چھوڑ دیں، پچھلی باتوں کا بار بار تذکرہ کر کے دل کی زخموں کو تازہ نہ کرتی رہیں۔

یہاں اس حوالے سے یہ واقعہ بیٹی کی ماں کیلئے نہایت عبرت خیز ہے:

یہ ہمارے نبی ﷺ کی ساس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ماں ہیں، حضرت عائشہؓ پر ایک منافق نے توبہ توبہ تہمت لگائی تھی جس میں بعض بھولے سیدھے مسلمان بھی شامل ہو گئے تھے اور نبی کریم ﷺ بھی ان سے کچھ چپ چپ ہو گئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی پاکی کے متعلق قرآنِ مجید میں چند آیتیں اُتریں اور نبی کریم ﷺ نے وہ آیتیں پڑھ کر گھر میں سنائیں اس وقت حضرت اُمّ رومان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کہا: اٹھو، اور حضرت کی شکر گزاری کرو، اور اس سے پہلے بھی؛ حالانکہ ان کو اپنی بیٹی کا بڑا صدمہ تھا؛ مگر کیا ممکن ہے کہ کوئی ذرا سی بات بھی ایسی ہو کہ جس سے حضورِ اکرم ﷺ کی شکایت ٹپکتی ہو۔(۱)

فائدہ: عورتوں سے ایسا تحمل اور ضبط بہت تعجب کی بات ہے ورنہ ایسے وقت میں کچھ نہ کچھ منہ سے نکل ہی جاتا ہے مثلاً یہ کہہ دیتیں کہ افسوس میر بیٹی سے بے وجہ کھنچ گئے، خاص کر جب پاکی ثابت ہو گئی اس وقت تو ضرور کچھ نہ کچھ غصہ اور رنج ہوتا کہ لو ایسی پاک پر شبہ تھا رنج و تکرار کے وقت بیٹی کو بڑھاوے مت دیا کرو، اس کی طرف ہو کر سسرال والوں سے مت لڑا کرو، اس قصہ میں ایک اور بی بی کا ذکر کیا ہے جن کے بیٹے ان ہی تہمت لگانے والوں میں

---

(۱) بخاری، باب في حديث الافك، حديث: ۲۷۷۰

بھولے پن سے شامل ہو گئے تھے ان بی بی نے ایک موقع پر ایک بیٹے ہی کو کوسا اور حضرت عائشہ کی طرف دار رہیں یہ بی بی اُمِّ مسطح کہلاتی ہیں دیکھو حق پرستی یہ ہوتی ہے کہ بیٹے کی بات کی پچ نہیں کی؛ بلکہ سچ بات کی طرف رہیں اور بیٹے کو برا کہا۔(۱)

ان کی رشتہ داری اور تعلقات کو نبھائے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب مکہ مکرمہ جاتے تو اپنے ساتھ ایک گدھا بھی بطور سواری کے رکھتے، جب اونٹنی پر سفر کرتے کرتے اکتا جاتے تو آرام کرنے کیلئے اس پر بیٹھ جاتے اور ایک پگڑی بھی ساتھ لے جاتے جسے بوقتِ ضرورت سر پر باندھ لیتے، ایک دن وہ اس گدھے پر سوار ہو کر جا رہے تھے کہ ایک دیہاتی کے پاس سے گذر ہوا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: کہ کیا تم فلاں ابن فلاں ہو؟ اس نے کہا: ہاں میں وہی ہوں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنا وہ گدھا دے دیا اور فرمایا: اس پر سوار ہو جاؤ، اور پگڑی بھی اسے دے دی، اور فرمایا: اس اسے اپنا سر باندھ لینا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ایک ساتھی نے ان سے کہا: آپ رضی اللہ عنہ جس گدھے پر آرام کرتے تھے وہ بھی سے دے دیا اور جس پگڑی سے اپنا سر باندھا کرتے تھے وہ بھی اسے دے دیا، اللہ آپ کی مغفرت فرمائے، (آپ نے ایسا کیوں کیا؟) ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نیکیوں میں سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے والد کے انتقال کے بعد اس کے محبت وتعلق رکھنے والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے (اس دیہاتی کے والد میرے والد کے محبوب دوست تھے "انّ من أبرّ البرّ صلة الرجل أهل ودّ أبيه بعد أن يُولّي، وانّ أباه كان صديقًا لعمر" (۲)

☆ ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ذرا تیز مزاج اور غصیلی تھیں اور اس میں اچھنبے کی کوئی بات نہیں، یہ اپنی اپنی عادت ہے، ایک دفعہ انہوں نے کسی بات پر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جھڑکا، کسی نے سیدہ سے کہا: آپ ان کے پاس نہ جایا کریں، فاطمہ رضی اللہ عنہا بولیں:

---

(۱) بہشتی زیور اختری: ۳۳، آٹھواں حصہ

(۲) مسلم: باب بیان صلة أصدقاء الأب، حدیث: ۲۵۵۲

کیوں نہ جاؤں؟ وہ تو میری ماں ہیں، مجھے لاکھ برا بھلا کہیں، وہ پھر بھی میری ماں اور میرے لئے قابل تکریم ہیں اور میں ان کی ہر خدمت کرنے کیلئے تیار ہوں۔ (۱)

☆ ام المؤمنین حضرت جویریۃ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ آزمائش کے طور پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کوئی سخت کام بتایا، جب فاطمہ رضی اللہ عنہا فوراً تعمیل حکم کیلئے اٹھیں تو انہوں نے ان کا منہ اور سر چوم لیا اور یہ کہہ کر بٹھا دیا کہ میں تو تمہارا امتحان لینا چاہتی تھی، واقعی تم ایک فرماں بردار بیٹی ہو۔ (۲)

ام المؤمنین حضرت میمونہؓ نے ایک مرتبہ بی بی فاطمہؓ سے فرمایا: بیٹی! جس قدر تم ہماری خدمت کرتی ہو، اس سے زیادہ اپنے ابا جان کی خدمت کیا کرو، حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا، محترم امی! والد گرامی کی خدمت میں اگر تھوڑی بہت کوتاہی بھی ہو جائے تو مجھ سے باز پرس نہ کریں گے لیکن آپ کی خدمت کرنے کو بھی میں اپنے لئے اہم فرض سمجھتی ہوں اور ابا حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "ماؤں کا خاص خیال رکھا کرو، ان کے قدموں تلے جنت ہے۔ (۳)

دادا، دادی اور نانا، نانی کا حکم شرعاً مثل ماں باپ کے ہے، پس ان کے حقوق بھی مثل ماں باپ کے سمجھنا چاہئے۔

خالہ اور ماموں کے حقوق

اسی طرح خالہ اور ماموں مثل ماں کے اور چچا اور پھوپھی مثل باب کے ہیں، حدیث میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ایک شخص نے آکر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے، کیا میرے لئے توبہ کی گنجائش ہے؟ تو فرمایا: کیا تمہارے اہل میں سے کوئی ہے؟ اس نے کہا: نہیں تو فرمایا: کیا تیری خالہ ہے؟ تو اس نے کہا: ہاں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے ساتھ حسن سلوک کیا کر "ھل لك من خالة ؟ قال: نعم، قال: فبرھا" (۴)

(۱-۲-۳) سیرت فاطمۃ الزہراء: از مولانا عبد المجید خام: ۸۰ بحوالہ: حضرت فاطمہ کے سو قصے: ۷۸، مولانا محمد اویس سرور، مطبوعہ پاکستان

(۴) الأحكام الكبرى: باب ما جاء في الخالة: ۷۱/۳، مكتبة الرشيد، السعودية

چچا و تایا کے حقوق

جس طرح بیٹے کے حق میں باپ کے حقوق بتلائے گئے اور اس کے ساتھ سلوک اور برتاؤ کے آداب بتائے گئے ہیں، اسی طرح اسلام میں چچا کو بھی باپ ہی کے درجہ میں رکھا گیا ہے، اولاد کے حق میں باپ کے بعد چچا ہی ہمدردی، شفقت اور ضروریاتِ زندگی میں کفیل اور سہارا بنتا ہے، اس لئے اسلام نے چچا کے ادب واحترام اور عظمت وتقدس کی بجا آوری میں باپ کا ہی درجہ دیا ہے، چنانچہ اس بارے میں مشہور حدیث ہے " فإنما عم الرجل صنو أبيه " (۱)

آپ ﷺ کے کل دس تا بارہ چچا اور چھ پھوپیاں تھیں، آپ ﷺ نے ان کے ساتھ احترام وعقیدت اور ان کے ساتھ سلوک وبرتاؤ کیا تھا، اس کے چند ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

☆ چچاؤں میں آپ ﷺ کے سب سے محبوب، چہیتے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے، جنہیں آپ ﷺ نے سید الشہداء کے لقب سے سرفراز کیا، اور شہادت کے وقت تعلقِ خاطر کی وجہ سے یوں فرمایا: میرے چچا! خدا آپ پر مہربان ہو، آپ بڑے صلہ رحمی کرنے والے اور نیکیوں کا بڑا اہتمام کرنے والے تھے "وقف رسول الله ﷺ على حمزة، وقد مثل به، فلم ير منظرا كان أوجع لقلبه منه فقال: رحم الله، أى عم، فلقد كنت وصولا للرحم فعولا للخيرات" (۲)

---

(۱) ترمذی: باب مناقب ابی الفضل عم النبی ﷺ وهو العباس بن عبد المطلب، حدیث: ۳۷۵۸، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) اسد الغابة : حمزة بن عبد المطلب : ۶۷/۲

ان کے قاتل حضرت وحشیؓ جب اسلام لے آئے تو ان سے چچا کے قتل کی دلخراش داستان سنانے کیلئے کہا، اور پھر سن کر فرمایا: وحشی! افسوس کہ تم نے کیسے یہ کام انجام دیا؟ کیا یہ تمہارے لئے ممکن ہے کہ آئندہ میرے سامنے مت آیا کرو (اس سے میرے چچا کا غم تازہ ہوگا)۔
قال: آنت وحشِي قلت: نعم، قال: أنت قتلت حمزة قلت: قد كان مِن الأمر ما بلغك، قال: فهل تستطِيع أن تغيّب وجهك عنِي" (۱)

میدانِ احد میں جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو ہند بنت عتبہ نے ان کے کلیجہ کو نکال کر چبایا اور نگلنا چاہا مگر نگلا نہ گیا تو تھوک دیا، آپ ﷺ کو پتہ چلا تو پوچھا کہ کیا اس نے کچھ کھایا بھی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اے اللہ! حمزہ رضی اللہ عنہ کے کسی جزو بدن کو جہنم میں داخل نہ ہونے دے دینا "ما كان الله ليدخل شيئا من حمزة النار"(۲)

حضور ﷺ نے اپنے چچا کے غم میں بھی شرکت کی ہے، حضور ﷺ نے جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو نعش کو دیکھ کر انتہائی غمزدہ ہوگئے اور کہا کہ: خدا کی قسم مجھ پر تمہارا انتقام لینا واجب ہے، آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے عوض ستر کافروں کا مثلہ کروں گا، لیکن تھوڑی دیر بعد وحی الٰہی کا نزول ہوا جس میں اس طرح کے انتقام سے منع کیا گیا، اس لئے کفارہ یمین ادا کر کے صبر اختیار فرمایا "فلما شهده النبى ﷺ اشتد وجده عليه، وقال: "لئن ظفرت لأمثلن بسبعين منهم"، فأنزل الله سبحانه وإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خير للصابرين واصبر وما صبرك إلا بالله" (۳)

پھر جب غزوۂ احد سے واپسی کے بعد مدینہ منورہ پہنچے تو دیکھا کہ لوگ اپنے اپنے رشتہ داروں پر رو رہے ہیں، تو فرمایا کہ: افسوس حمزہ پر کوئی رونے والی نہیں ہے، تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

---

(۱) بخاری: باب قتل حمزة بن عبد المطلب، حديث: ٤٠٧٢
(۲) مسند احمد: مسند عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ، حديث: ٤١١٤
(۳) الطبقات الكبرى لابن سعد: حمزة بن عبد المطلب: ۳/۷

نے اس جملہ کو سنا تو بنی عبد الاشہل کی عورتوں کو لے کر آئے، چنانچہ ان کو رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر لا چھوڑا تو انہوں نے حضرت حمزہ پر رویا "لكن حمزة لا بواكي له، فسمع ذلك سعد بن معاذ فرجع لنساء بني عبد الأشهل فساقهن إلى باب رسول الله- صلى الله عليه وسلم- فبكين على حمزة" اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں اپنے اپنے گھروں پر روانہ کر دو، آج کے بعد پھر کسی پر نہ روئیں۔(۱)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ان شہیدوں میں سے ہیں جنہیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ ﷺ نے راہِ خدا میں شہادت پانے والے پہلے شہید کی نمازِ جنازہ انہیں پر پڑھی ہے، آپ ﷺ نے سب سے پہلے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور علاحدہ پڑھائی، کسی اور شہید کا جنازہ ساتھ نہ تھا، پھر ایک ایک کر کے تمام شہدائے احد کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور ہر جنازہ کے ساتھ اپنے چچا کے جنازہ کو آپ ﷺ نے شامل رکھا، اس طرح شہداءِ احد کی نمازِ جنازہ اجتماعی طور پر نہیں پڑھی گئی "وكان حمزة أول من صلى رسول الله عليه ذلك اليوم من الشهداء وكبر عليه أربعا، ثم جمع إليه الشهداء فكلما أتي بشهيد وضع إلى جنب حمزة فصلى عليه وعلى الشهيد، حتى صلى عليه سبعين مرة" (۲)

گویا رسول اللہ ﷺ نے تمام جنازوں پر چار دفعہ تکبیر کہی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جنازہ پر ستر دفعہ تکبیر کہی "ان النبي صلى الله عليه وسلم إذا كبر على جنازة كبر عليها أربعا، وأنه كبر على حمزة سبعين تكبيرة" (۳)

☆ حضور ﷺ کے ایک محبوب چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے، ان سے آپ نے بڑی محبت اور تعلق خاطر کا اظہار فرمایا، چنانچہ آپ ﷺ نے بدر کے دن یہ عام اعلان فرمایا کہ: کہ کسی کا بھی اگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے سامنا ہو تو انہیں قتل نہ کرو؛ اس لئے کہ وہ تو قریش کے

(۱) الطبقات الكبرى لابن سعد : حمزة ابن عبد المطلب : ۷/۳
(۲) الطبقات الكبرى لابن سعد : حمزة بن عبد المطلب : ۷/۳
(۳) اسد الغابة : حمزة بن عبد المطلب : ۶۷/۲

زور وزبردستی کی بنا پر بادل نخواستہ نکلے ہیں " وكان ممن خرج مع المشركين إلى بدر مكرها "(۱)

حضرت عباسؓ نے ایک دفعہ حضور ﷺ کی خدمت میں شکایت کی کہ قریش جب باہم ملتے ہیں تو ہشاش بشاش ہوتے ہیں، اور جب ہم سے ملتے ہیں تو وہ بشاشت نہیں ہوتی؟ بلکہ ہم پر برہم ہوتے ہیں، آپ ﷺ یہ سن کر غضبناک ہوگئے، اور فرمایا کہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جو تم سے محبت نہ کرے گا، اس کے دل میں نور ایمان نہ ہوگا چچا باپ کے قائم مقام ہوتا ہے " أيها الناس، من آذى عمي فقد آذاني، فإنما عم الرجل صنو أبيه " (۲)

حضور اکرم ﷺ اپنے چچا کی پریشانی اور درد و کسک کو دیکھ کر تڑپ اٹھے، جب جنگ بدر کے موقع سے کفار کے ستر لوگ قید کئے گئے تو اس موقع سے جنگی قیدیوں کو باندھے رکھنے کیلئے ان کی مشکیں زور سے کسی گئیں، ان میں حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس بھی شامل تھے، مشکیں زور سے کسنے کی وجہ سے درد سے حضرت عباسؓ کے کسک اور درد کی آوازیں آرہی تھیں، آپ ﷺ کو جب ان کے کراہنے کی آوازیں آنے لگیں تو آپ ﷺ کی نیند اچاٹ ہوگئی، اور آپ ﷺ بے چینی میں کروٹیں بدلنے لگے، صحابہ کرام کو اس کا علم ہوا تو حضرت عباس کی مشک کھول دی اس کے بعد آپ نے تمام قیدیوں کی مشکیں کھولنے کا حکم دیا " وأسر يومئذ فيمن أسر، وكان قد شد وثاقه، فسهر النبي ﷺ تلك الليلة ولم ينم" (۳)

رسول اکرم ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بڑی محبت فرماتے، ان سے خصوصی تعلق کا اظہار فرماتے، اور ان کی بڑی تعریف فرماتے کہ یہ تو بڑی صلہ رحمی کرنے والے اور میرے آباء و اجداد کے چشم و چراغ ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے تعلق سے فرمایا: خدا نے مجھے خلیل بنایا ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بنایا تھا، میری اور حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی منزل جنت میں آمنے سامنے ہوگی، اور حضرت

(۱-۳) اسد الغابة : عباس بن عبد المطلب :۳/۱۶۳

عباس رضی اللہ عنہ ہمارے درمیان دو دوستوں کے بیچ ایک مومن کی طرح ہوں گے " ان اللّٰہ اتخذني خليلا كما اتخذ ابراهيم خليلا، ومنزلي ومنزل ابراهيم تجاهين في الجنة، ومنزل العباس بن عبد المطلب بيننا مؤمن بين خليلين" (۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ نبی کریم ﷺ سے گذارش کی کہ: یا رسول اللہ! مجھے ایسی دعا سکھلا دیجئے جس کا میں اہتمام کروں، انہوں نے دوبارہ یہی درخواست کی، آپ ﷺ نے پھر وہی جواب ارشاد فرمایا "علمني شيئا ادعو به، فقال: يا عباس يا عم رسول الله، سل الله العافية في الدنيا والآخرة " (۲)

حضور ﷺ کو اپنے چچا کے بارے میں دنیا اور آخرت میں کہ ان کو چین وسکون حاصل ہو جائے اس کی فکر تھی۔

نبی کریم ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ایسا احترام فرماتے جیسے لڑکا اپنے باپ کا احترام کرتا ہے، اسی کو روایت میں فرمایا: "ان رسول الله صلى الله عليه و سلم يجل العباس إجلال الولد والده خاصة خص الله العباس بها من بين الناس " (۳)

آپ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کیلئے دعائیں بھی دی ہیں، حضور ﷺ نے ایک دفعہ ان سے فرمایا کہ کل صبح آپ اپنے فرزند کے ساتھ تشریف لائیے، میں آپ لوگوں کو ایسی دعا دوں گا جو آپ کیلئے نفع بخش ہوگی، اگلے دن صبح کے وقت میں اپنے بیٹے کے ہمراہ آپ کی خدمت میں پہنچا، حضور ﷺ نے ہمیں ایک چادر اڑھائی اور دعا فرمائی: اے اللہ! عباس اور ان کے فرزند کی مغفرت فرما، ظاہر و باطن ہر دو اعتبار سے کہ جس کو کوئی گناہ نہ چھوڑے، اے اللہ! ان کے فرزند کے بارے میں ان کی حفاظت فرما " اللّٰهم اغفر للعباس وولده مغفرة ظاهرة وباطنة لا تغادر ذنبا اللّٰهم حفظه في ولده " (۴)

(۱-۲) اسد الغابة : عباس بن عبد المطلب :۳/ ۱۶۳

(۳) المستدرك: ذكر مناقب عباس بن عبد المطلب، حديث : ۵۴۱۰

(۴) ترمذی: باب مناقب العباس بن عبد المطلب، حديث: ۳۷۶۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

☆ حضور ﷺ کے ایک مہربان اور مشفق چچا حضرت ابوطالب کی آپ ﷺ پر بڑی عنایات اور توجہات رہی ہیں، انہوں نے اپنے اس برادرزادہ کو مثل اپنی اولاد کے پالا پوسا، اور قریش کی ایذاء رسانیوں کے مقابلے میں آپ ﷺ کے سینہ سپر رہے، چنانچہ آپ ﷺ نے بھی اپنے چچا کے ساتھ اسی محبت وعقیدت اور تعلق خاطر کا اظہار فرمایا۔

جب حضرت ابوطالب کا وفات کا وقت آیا تو آپ کو ان کے ایمان کی بے انتہا فکر لاحق ہوئی، حضرت سعید بن مسیّب کی روایت میں ہے کہ: جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ ﷺ مسلسل کلمہ کی تلقین کرتے رہے، پاس ہی ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ بھی بیٹھے ہوئے عار دلا رہے تھے کہ اخیر وقت میں موت کے ڈر سے عبدالمطلب کی ملت کو چھوڑ دیں گے؟ بالآخر ابوطالب نے یہی کہا کہ: میں عبدالمطلب کی ملت پر ہوں، اس کے بعد وفات ہوگئی، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی جانب سے جب تک ممانعت نہ آجائے میں آپ کے حق میں دعائے مغفرت کرتا رہوں گا، ایک دوسری روایت میں ہے کہ موت کے وقت آپ نے کلمہ طیبہ کی تلقین کی تو ابوطالب نے کہا: اے محمد! مجھے قریش کی جانب سے عار کا اندیشہ ہے، ورنہ تم جو میرے سلسلہ میں فکرمندی وخیرخواہی کر رہے ہو اس کے شکریہ میں کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کرتا "وأقررت عينك بها، لما أرى من شكرك ووجدك بي ونصيحتك لي"(۱)

اپنے چچا کی وفات کی خبر سن کر آپ ﷺ رو پڑے، حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے والد ابوطالب کی موت کی خبر دی تو آپ سن کر رو پڑے، پھر مجھ سے فرمایا کہ جاؤ، انہیں غسل دو، کفن پہناؤ، پھر یہ دعا فرمائی کہ خدا ان کی مغفرت کرے اور ان پر رحم فرمائے، وہ کہتے ہیں کہ: حضور ﷺ نے جیسا فرمایا میں نے ویسا ہی کیا، آپ نے چند دنوں تک ان کے حق میں دعائے مغفرت بھی فرمائی، اور آیت ممانعت (کفار ومشرکین کے حق میں دعاءِ مغفرت کی ممانعت) کے نزول تک گھر میں ہی بند رہے،

(۱) الطبقات الكبرى لابن سعد: ۱/۱۲۳، دار صادر، بيروت

باہر نہ نکلے "وجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم، يستغفر له أ ياما، ولا يخرج من بيته حتى نزل عليه جبريل عليه السلام، بهذه الآية: ماكان للنبي والذين آمنوا ان يستغفروا للمشركين ولوكانوا اولي قربى" (۱)

آپ ﷺ کا اپنے چچا کے ساتھ تعلق اور خاطر کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت ابوطالب کی اہلیہ کا جب انتقال ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: چچا ابوطالب کے بعد چچی سے زیادہ میرے ساتھ کوئی بھلائی کرنے والا نہ تھا، جب ان کی قبر تیار ہوئی تو اس میں خود اترے اور اپنے دستِ مبارک سے لحد بنائی، اپنے ہاتھ سے مٹی نکالی اور پہلے قبر میں خود لیٹ گئے، پھر قبر کے سرہانے کھڑے ہوکر فرمایا: "جزاك الله من ام ربيبة خيرًا فنعم الام ونعم الربيبة" اے ماں! اور اے پرورش کرنے والی! خدا تمہیں جزائے خیر دے، تم کتنی اچھی ماں اور کتنی اچھی پرورش کرنے والی تھی۔(۲)

☆ آنحضرت ﷺ کی ایک چہیتی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب بھی ہیں، تمام پھوپھیوں میں، ان کے اسلام قبول کرنے کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، مشہور صحابیِ رسول حضرت سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ جو عشرۂ مبشرہ میں ہیں، ان ہی کے فرزند ہیں انہیں رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ احد کے موقع پر صبر و تسلی کی تلقین فرمائی، جبکہ ان کے برادر عزیز عم رسول حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا اندوہناک حادثہ پیش آیا، وہ بھائی کی نعش کا دیدار کرنا چاہتی تھیں، آپ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا: اپنی ماں کو یہاں سے لے جاؤ، وہ اپنے بھائی کی نعش کو دیکھ کر تاب نہ لاسکیں گی، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی بات سنائی تو کہا کہ: یہ سب راہِ خدا میں ہوا ہے، میں اس پر صبر کرلوں گی، آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی، آکر اپنے بھائی کی نعش کا دیدار کیا اور استرجاع کیا (انا لله وانا اليه

---

(۱) الطبقات الكبرى لابن سعد: ۱/۱۲۳، دار صادر، بيروت

(۲) تاريخ المدينة النبوية: ۱/۸۰، دار الفكر بيروت

راجعون پڑھا) اورا ستغفار کیا "فأتته فنظرت إليه واسترجعت ، واستغفرت له ثم أمر به رسول الله صلى الله عليه وسلم فدفن" (۱)

☆ حضور ﷺ کی ایک پھوپھی حضرت امیمہ بھی ہیں، آپ نے ان کے ساتھ بھی حسن سلوک فرمایا، فتح خیبر کے موقع سے اموال غنیمت میں چالیس وسق کھجور بطورِ غلہ کے عنایت فرمایا "وأطعم رسول الله ﷺ أميمة بنت عبد المطلب أربعين وسقا من تمر خيبر" (۲) جبکہ انہوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

---

(۱) اسد الغابة : صفية بنت عبد المطلب ، ۱۷۱/۷:
(۲) الطبقات الکبری لابن سعد : أميمه بنت عبد المطلب :۳۷/۸

بھائی اور بہنوں کے حقوق

انسان کو دنیا میں جن رشتہ داریوں اور تعلقات سے وابستگی ہوتی ہے، ان رشتہ داریوں میں ایک نہایت قریبی رشتہ بھائی اور بہنوں کا ہوتا ہے، یہ بھائی حقیقی ہوتے ہیں تو یہ رشتہ نہایت ہی مستحکم ہوتا ہے اور اگر چچیرے، خلیرے بھائی وغیرہ ہوتے ہیں تو ان سے بھی قربت اور تعلق ہوتا ہے، دیگر رشتہ داروں کی اور ان برادرانہ تعلقات کے بھی کچھ حقوق ہیں، ان کا پاس ولحاظ بھی آپسی معاشرت میں ضروری ہوتا ہے، اگر چھوٹے ہیں تو ان کے ساتھ شفقت، مہربانی کا سلوک کرنا ہے اور اگر بڑے ہیں تو عظمت واحترام کا معاملہ کرنا ہے، اور ایک دوسرے کے ساتھ زندگی کے نشیب وفراز اور اونچ نیچ میں ساتھ دینا ہے، ہمدردی، خیر خواہی، خوشی وغم میں شرکت، ایک دوسرے کے مسائل میں دلچسپی کا اظہار اور ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک اور ایک دوسرے کے کام آنے وغیرہ جیسے امور شامل ہیں، حضور اکرم ﷺ کا اپنے چچازاد بھائیوں کے ساتھ احسان وسلوک ہمارے لئے اس معاملہ میں نمونہ اور مشعل راہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے بھا چچازادئیوں کا کس طرح خیال رکھتے اور ان پر کس طرح اعتماد کرتے، ان کے مسائل ومشکلات کے حل کیلئے کس طرح کوشاں اور سرگرداں ہوتے۔

☆ آپ ﷺ کے ایک چچازاد بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ تھے، حضور ﷺ کو ان سے کئی طرح کی خاندانی نسبتیں حاصل تھیں، ایک اپنے چہیتے چچا کے فرزند تھے اور دوسرے اپنے داماد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے، اور یہ ابتدائی اسلام لانے والوں میں سرِ فہرست ہیں جب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کی اجازت سے مکہ کی جانب ہجرت فرمائی تھی تو مکہ کے لوگوں نے حبشہ پہنچ کر شاہِ حبش سے ان کے تعلق سے غلط اطلاعات دے کر ان کو شاہ حبش سے بد دِل کرنا چاہا تھا، تو اس موقع پر انھیں جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے اسلام کی بہترین

ترجمانی کی تھی، یہ فتح خیبر تک حبشہ ہی میں مقیم رہے، فتح خیبر کے بعد جب یہ مدینہ تشریف لائے تو حضور ﷺ نے ان کا والہانہ استقبال کیا تھا، معانقہ کیا، پیشانی کا بوسہ دیا، ازراہِ محبت فرمایا کہ: میں اندازہ نہیں کر پا رہا ہوں کہ مجھے ان کی آمد کی خوشی زیادہ ہے یا فتح خیبر کی؟ ”ما أدری أنا بقدوم جعفر أسر أم بفتح خيبر“ (۱)

☆ آپ ﷺ نے بھائیوں کے غم اور ان کے دکھ و درد میں شرکت اور ان کے غم کو غلط کرنے کیلئے ان کیلئے تسلی آمیز کلمات بھی کہے ہیں: حضرت سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہوگیا تو آپ ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے، ان کے بچوں کے ساتھ ہمدردی اور شفقت کا اظہار فرمایا، آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے، وہاں سے لوٹ کر اپنے گھر والوں سے جا کر کہا: جعفر کے گھر والوں کا خیال رکھو، کیوں کہ وہ غم میں ہیں، ”لا تغفلوا آل جعفر فإنهم قد شغلوا“ حضرت سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے وقت رسول اللہ ﷺ کے چہرہ انور پر غم کے آثار نمایاں تھے ”لما أتى وفاة جعفر عرفنا في وجه رسول الله ﷺ الحزن“ (۲)

☆ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن جحش کی وفات پر ان کی بہن حمنہ بنت جحش کو تسلی دی تھی، اسی طرح ان کے ماموں اور آپ ﷺ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر تسلی آمیز کلمات کہے اور ان کیلئے انا للہ پڑھی اور دونوں کیلئے دعائے مغفرت فرمائی ”یا حمنة احتسبي أخاك عبد الله بن جحش، قالت: إنا لله وإنا إليه راجعون، رحمه الله وغفر له، ثم قال: يا حمنة احتسبي خالك حمزة بن عبد المطلب، قالت: انا لله وانا اليه راجعون رحمه الله وغفر له“ (۳)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب مناقب جعفر بن أبي طالب، حدیث: ۱۵۴۸۸، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کو طبرانی نے تینوں معجم میں نقل کیا ہے اور کبیر کے رجال میں انس بن اسلم ہیں جن کو میں نہیں جانتا، اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

(۲) اسد الغابة: جعفر بن أبي طالب: ۳۴۳/۱

(۳) طبقات ابن سعد: حمنة بنت جحش: ۱۹۱/۸

☆ حضور اکرم ﷺ کے ایک چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں جو کثیر العیال تھے، ان کے تمام ہی فرزندوں سے حضور اکرم ﷺ کو بہت پیار تھا، ان کے ایک فرزند "قثم" تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو مکہ کا حاکم بنایا تھا، یہ اپنے لڑکپن میں اپنے چچازاد بھائی عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی سواری وہاں سے گذری تو آپ ﷺ نے ان سب کو سوار کرلیا، عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: مجھے حضور ﷺ نے اپنے سامنے بٹھایا، اور قثم کو پیچھے بٹھانے کیلئے کہا، اور قثم کیلئے دعا دی "احملوا الی هذا، فوضعنی بین یدیه ثم قال: احملوا الی هذا، فوضع قثم خلفه" (۱)

☆ نبی کریم ﷺ کا اپنے چچازاد بھائیوں کے ساتھ شفقت کے برتاؤ کے اس واقعہ کو دیکھئے، عبداللہ بن حارث روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لڑکوں عبداللہ، عبیداللہ اور دیگر بچوں کی صف بندی دوڑ کے لئے فرماتے پھر فرمایا: جو سب سے پہلے مجھ سے آکر ملے گا تو میں اس کو یہ دوں گا، تو وہ دوڑ کر حضور ﷺ کے پاس آتے، اور آپ کی پیٹھ اور سینے پر گرتے، آپ ان کا بوسہ لیتے اور ان کو سینہ سے لگا لیتے" "من سبق لی فله كذا، فيستبقون إليه، فيقعون على ظهره وصدره، فيقبلهم ويلزمهم" (۲)

☆ حضور ﷺ کے چچازاد بھائیوں میں مشہور صحابی حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی ہیں ہجرت کے تین سال قبل شعب ابی طالب میں پیدائش ہوئی، پیدائش کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے منہ میں لعاب دہن ڈال کر دعا فرمائی، والد کے حکم سے دربار نبوی میں کثرت سے حاضری ہوتی تھی، جبکہ آپ رضی اللہ عنہ کی گیارہ برس کی عمر تھی، ایک دفعہ انہیں بلا کر حضور ﷺ نے گود میں بٹھایا اور سر پر ہاتھ رکھ کر دعا بھی دی کہ:

---

(۱) الطبقات الكبرى لابن سعد، متمم، قثم بن العباس: ۲۱۸/۱

(۲) اسد الغابة: عبيد الله بن العباس، حديث: ۳۴۷۰: ۵۱۹/۳

اے اللہ! اس میں برکت عطا فرما اور اس کے ذریعہ علم کی روشنی پھیلا " اللّٰهم بارك عليه، اللّٰهم اجعل منه كثيرا طيبا " (۱)

اور ایک موقع سے فرمایا: اے اللہ! اس بچہ کو حکمت اور تفسیر کا علم عطا فرما "اللّٰهم فقهه في الدين وعلمه التأويل" (۲)

یہ ان خوش نصیب صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے حضور اکرم ﷺ سے خوب دعائیں لی ہیں، ایک دفعہ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے یہاں رات میں قیام کیا، جبکہ حضور ﷺ کی شب گذاری کی باری تھی، آپ ﷺ جب نماز کیلئے بیدار ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ کیلئے وضو کا پانی رکھ دیا تھا، حضرت میمونہؓ جو حضرت ابن عباسؓ کی خالہ تھیں، انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے فرمایا: ابن عباسؓ نے آپ کے وضو کیلئے یہ پانی رکھا ہے، تو آپ ﷺ نے ان کو دعا دی: "اے اللہ! اس بچے کو دین کی سمجھ اور تفسیر کا علم عطا فرما "اللهم فقهه في الدين وعلمه التأويل" (۳)

حضور ﷺ نے اپنے چچا زاد بھائی کو تعلیم دی اور ان کو علم سے آراستہ کیا چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: میں ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ کے پیچھے چل رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے بچے! میں تمہیں چند کلمات سکھلاتا ہوں، تم اللہ کی (اس کے احکام کی) حفاظت کرو وہ تمہاری حفاظت کرے گا، تم اللہ کی حفاظت کرو تو تم اس کو (ہر وقت) اپنے روبرو پاؤ گے اور یہ بات تمہارے علم میں ہونی چاہئے کہ پوری امت بھی مل کر کوئی فائدہ پہنچانا چاہے اور اللہ ہی نہ چاہیں تو تمہارے مقدر میں جتنا لکھا گیا ہے اس سے کچھ بھی بڑھ کر تمہیں فائدہ نہ ہوگا، اور یہ بات بھی تمہارے علم میں رہے کہ پوری امت مل کر تمہیں کسی نقصان سے دوچار کرنا چاہے اور اللہ تعالیٰ ہی نہ چاہے تو پھر تمہارے مقسوم کے کچھ نقصان نہ ہوگا یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اٹل فیصلہ ہے) قلم تقدیر اٹھا لئے گئے

(۱-۲) كنز العمال: عبد الله بن عباس رضي الله عنه، حديث: ۳۷۱۹۳

(۳) مسند احمد: مسند عبد الله بن عباس، حديث: ۳۱۰۲

اور صحیفے خشک ہو چکے" يا غلام، إني أعلمك كلمات: احفظ الله يحفظ، احفظ الله تجده تجاه " (۱)

☆ آپ ﷺ کے ایک چچازاد بھائی ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ، ان کو حضور ﷺ نے بچپن ہی سے اپنی پرورش میں رکھا تھا، یہ بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے ہیں، آپ ﷺ نے ان کے ساتھ یہ احسان فرمایا کہ اپنی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان سے فرمایا اپنی دامادی کے شرف سے ان کو نوازا، دو دفعہ ان کے ساتھ رشتۂ مواخاۃ قائم فرمایا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ہجرت کا مشقت آمیز سفر کر کے مدینہ پہنچے اور حضور اکرم ﷺ کو ان کی آمد کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ان کو اپنے پاس بلایا، لوگوں نے بتایا کہ وہ چلنے کے قابل نہیں ہیں، تو آپ ﷺ بنفسِ نفیس ان کے یہاں تشریف لے گئے، دیکھا کہ پیروں پر ورم آگیا ہے اور دونوں پیر زخم خوردہ ہیں اور خون بہہ رہا ہے، انہیں دیکھ کر سینہ سے چمٹا لیا اور رو پڑے اور رحمت وشفقت کا معاملہ کیا، پھر اپنے دست مبارک سے لعاب دہن نکال کر پیروں پر لگایا اور ان کیلئے عافیت کی دعا کی، جس کے نتیجے میں بوقتِ شہادت ان کے پیروں میں کسی قسم کے درد کی شکایت نہیں ہوئی " فلما رآه اعتنقه وبكى، رحمة لما بقدميه من الورم، وكانتا تقطران دما، فتفل النبي ﷺ في يديه، ومسح بهما رجليه، ودعا له بالعافية " (۲)

☆ اور ایک موقع سے جب نبی کریم ﷺ نے ان کو بحیثیتِ قاضی یمن کی جانب روانہ کیا تو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: آپ مجھے یمن بھیج رہے ہیں، اگر لوگ مجھ سے قضا کے متعلق سوال کریں تو میں کیا کروں؟ مجھے تو اس کا علم نہیں ہے، آپ ﷺ نے انہیں اپنے سے قریب کیا، پھر سینہ پر ہاتھ مارا اور یہ دعا دی کہ " اے اللہ! اس کی زبان کو ثبات اور اس کے قلب کو راہِ راست عطا فرما، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اس ذات کی قسم جس نے

---

(۱) اسد الغابة : عبد الله بن عباس رضی اللہ عنہ : ۱۸۹/۳

(۲) اسد الغابة : فضائل علي رضی اللہ عنہ : ۸۷/۴

دانہ کو پھاڑ کر غلہ نکالا، اس کے بعد دو آدمیوں کے بیچ فیصلہ کرنے میں مجھے کبھی تردد نہ ہوا،
" اللّٰهم ثبت لسانه، واهد قلبه ، فلا والذی فلق الحب ، وبر النسمة ما شككت فی قضاء بين اثنين بعد " (۱)

اپنے چچازاد بھائیوں پر اعتماد بھی نہایت ضروری ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اعتماد تھا اس حوالے سے یہ واقعات ملاحظہ کیجئے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اعتماد کرتے ہوئے جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کی تھی تو انہیں یہ تاکید کی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر سو جائیں اور آپ کے پاس رکھی گئی امانتیں وہ صاحبِ امانت کے حوالہ کر کے مدینہ طیبہ آجائیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعتماد اور بھروسہ کو پورا کیا اور ساری امانتیں اس کے اہل کے حوالہ کر کے تین روز بعد مدینہ آگئے "وأمره أن ينام علیٰ فراشه، وأجله ثلاثا، وأمره أن يؤدی إلی كل ذی حق حقه ففعل، ثم لحق برسول الله صلی الله عليه وسلم" (۲)

☆ غزوۂ تبوک کے موقع سے کسی گھریلو مجبوری کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے رہ گئے تھے، لوگوں نے یہ افواہ پھیلا دی کہ ان کو اب صحبتِ نبوی سے کوئی دلچسپی نہیں رہی، یہ سن کر ان کو بڑا افسوس ہوا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جملہ ارشاد فرمایا وہ ان کے حوالے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل اعتماد کا غماز ہے "تم میرے حق میں ایسے ہی ہو جیسے حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے حق میں سیدنا ہارون علیہ السلام تھے" أما ترضی أن تكون منی بمنزلة هارون من موسی إلا أنه لا نبوة بعدی" (۳)

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بحیثیت بڑے بھائی اور پرورش کنندہ ہونے کے ان کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی، چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری کی دعا اور اس کے آداب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سکھائے تھے، ایک دفعہ یہ سواری پر

(۱-۳) اسد الغابة : فضائله : ۸۷/٤

سوار ہوئے اور سواری کی دعا پڑھی اور ہنس پڑے، لوگوں نے ہنسنے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ: حضور ﷺ کو میں نے ایک دفعہ سواری پر سوار ہوتے ہوئے ایسا ہی کرتے دیکھا تھا۔(۱)

☆ آپ ﷺ کے ایک پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ تھے، بچپن ہی میں انہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا، عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، آپ ﷺ کے ساتھ غزوۂ بدر، خندق، حدیبیہ، فتح مکہ، حنین، طائف جیسے بڑے بڑے غزوات میں شرکت کی۔(۲)

انہیں زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے تعلق سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: "ان لکل نبی حواریا وحواری الزبیر بن العوام" (۳)

☆ چچازاد بھائی بہنوں کے ساتھ حسن سلوک کا واقعہ بھی ہمدردی اور خیر خواہی اور صلہ رحمی کا بہترین نمونہ ہے۔

حضرت سیدہ عمارۃؓ آپ کی چچازاد بہن حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھی، والد کی شہادت کے بعد مکہ مکرمہ میں ننہیال میں رہنے لگیں تھی، حضور اکرم ﷺ جب ۷ ھ میں عمرۃ القضاء سے فراغت کے بعد مدینہ واپس ہو رہے تھے، تو آپ کو دیکھ کر پکارتی اور دوڑتی ہوئی آئیں، حضرت علی، جعفر اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم بھی وہیں کھڑے تھے، بچی کی پرورش کے سلسلہ میں اپنا دعویٰ پیش کیا، حضور ﷺ نے فیصلہ کرتے ہوئے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی پرورش میں دے دیا، کیوں کہ ان کی بیوی حضرت اسماءؓ اس بچی کی خالہ تھیں، اور خالہ کے متعلق آپ ﷺ ہی کی حدیث شریف میں ہے، "الخالة بمنزلة الأم" (۴)

☆ آپ ﷺ کے ایک پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن عبدالاسد ہیں، جو ابو سلمہ کی کنیت سے مشہور ہیں، ان کی والدہ بَرّہ آپ ﷺ کی پھوپھی ہیں، ان کے ساتھ آپ ﷺ کا رضاعت کا رشتہ بھی تھا، ابتداءِ اسلام قبول کرنے والوں میں ان کا گیارہواں نمبر تھا، ان کے ساتھ

(۱) کامل ابن عدی: ۱۲۱/۵

(۲) اسد الغابة: الزبير بن العوام: ۳۷۷/۱

(۳) اسد الغابة: الزبير بن العوام: ۳۰۷/۲

(۴) السيرة النبوية لابن كثير: ذكر خروجه عليه السلام من مكة: ۴۴۲/۳، دار المعرفة للطباعة والنشر

حضور ﷺ کی ہمدردی اور خیر خواہی کا واقعہ یہ ہے کہ ان کی شہادت کے بعد نہ صرف ان کی بیوہ (ام سلمہؓ) سے نکاح فرمایا، بلکہ ان کی اولاد عمر، سلمہ، زینب اور درہ کو اپنی پرورش میں لے لیا۔(۱)

☆ ابولہب جو نہ صرف دشمن خدا تھا، بلکہ دشمن نبی ﷺ بھی تھا، اس نے حضور اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو تکلیفیں پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اس کی اولاد نے جب اسلام قبول کیا تو آپ ﷺ نے چچازاد بھائی ہونے کے ناتے ان کے ساتھ جو خیر خواہی اور حسن سلوک کیا وہ بھی ملاحظہ کیجئے: درّہ بنتِ ابی لہب اسلام قبول کرنے کے بعد ہجرت کر کے جب مدینہ منورہ پہنچی تو کچھ عورتوں نے ان سے کہا: تم ابولہب کی بیٹی ہو جس کی بددعا میں قرآن کی سورت تبت نازل ہوئی، اب تم کو ہجرت کر کے کیا فائدہ ہوگا، انہوں نے دربارِ رسالت میں پہنچ کر یہ شکایت کردی، آپ ﷺ نے انہیں بٹھا کر پہلے تسلی دی، پھر نمازِ ظہر سے فراغت کے بعد منبر پر کھڑے ہوئے اور کچھ دیر توقف کے بعد فرمایا کہ: میرے رشتہ داروں کو ستا کر مجھے تکلیف نہ دو، بخدا میرے رشتہ داروں کو ضرور میری شفاعت حاصل ہوگی "أيها الناس، مالي أوذى في أهلي؟ فوالله ان شفاعتي لتنال بقرابتي حتى ان صداء وحكما وسلهما لتناولها يوم القيامة" (۲)

☆ ایسا ہی ایک واقعہ ابولہب کی دوسری بیٹی سبیعہ کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں شکایت پیش کی کہ لوگ چیخ چیخ کر مجھ سے یہ کہہ رہے تھے کہ جہنم رسید ابولہب کی بیٹی آئی ہے، آپ ﷺ نے سن کر غصہ میں بھر آئے اور فرمایا کہ: لوگوں کو کیا ہوا کہ مجھے اپنے رشتہ داروں کے سلسلہ میں تکلیف پہنچاتے ہیں، سن لو کہ جس نے میرے رشتہ داروں کو تکلیف دی، اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی، اس نے اللہ کو تکلیف دی "ما بال الأقوام يؤذونني في نسبي وذوي رحمي، لا ومن اذى نسبي وذوي رحمي فقد اذاني، ومن اذاني فقد اذى الله عزوجل" (۳)

---

(۱) اسد الغابة: عبد الله بن عبد الاسد: ۲۹۵/۳
(۲) اسد الغابة: درة بنت أبي لهب: ۱۰۳/۷
(۳) اسد الغابة: سبيعة بنت أبي لهب: ۱۳۹/۷

☆ رسول اکرم ﷺ کے چچا ابولہب کے دو بیٹے عتبہ اور معتب فتح مکہ کے وقت ڈر کر بھاگ گئے تھے، آپ ﷺ نے ان کے متعلق دریافت فرمایا کہ: وہ دونوں کہاں ہیں؟ بتلایا گیا کہ قتل کے ڈر سے بھاگ گئے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں میرے سامنے لاؤ، حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے مقام عرفہ سے پکڑ کر حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا، آپ ﷺ نے پہلے ان کے سامنے اسلام پیش فرمایا، ان لوگوں نے قبول کرلیا، پھر ان دونوں کا ہاتھ پکڑ کر ملتزم کے پاس لے آئے، دیر تک دعا فرمائی اور ہنستے ہوئے واپس آئے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ہنسی کی وجہ پوچھی تو فرمایا: میں نے انہیں اللہ سے مانگا کہ تو ان کو مجھے ہبہ کردے تو اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور مجھے عطا کئے گئے " نعم انی استوهبت ابنی عمی هذین ربی فوهبهما لِی "(۱)

☆ حضرت سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک دفعہ کسی نے یہ خبر پھیلادی کہ آپ ﷺ کو کفار نے گرفتار کرلیا ہے، ان تک یہ خبر پہنچی تو ننگی تلوار لے کر مجمع کو چیرتے ہوئے نکلے، حضور ﷺ سے ان کی ملاقات مکہ کے اعالی میں ملاقات ہوئی تو راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان سے ملاقات کی اور فرمایا: زبیر یہ ننگی تلوار کیسی ہے؟ تو فرمایا: مجھے پتہ چلا ہے کہ کسی نے آپ کو گرفتار کرلیا ہے، اس ارادہ سے نکلا تھا کہ اگر خبر درست ہو تو تلوار سے اس کی خبر لوں، آپ ﷺ ان سے خوش ہوئے، اور انہیں دعا ی دی " أخذ رسول الله فخرج الزبير يشق الناس بسيفه ورسول الله بأعلى مكة قال: فلقي النبي صلى الله عليه وسلم فقال: مالك يا زبير؟ قال: أخبرت أنك أخذت؟ قال: فصلى عليه ودعا له ولسيفه " (۲)

---

(۱) طبقات ابن سعد : ٤/٤٤، دار الكتب العلمية، بيروت

(۲) مصنف ابن أبي شيبه : ماذكر في فضل الجهاد والحث عليه، حديث : ١٩٥٢٠

سسرالی رشتہ داروں کے حقوق

انسانی زندگی میں نکاح وہ بابرکت تقریب ہے جس سے خاندان کے اَساسی ارکان مرد وعورت کے سسرال کا رشتہ ظہور میں آتا ہے۔

ویسے تو عمومی رشتہ کا حق ادا کرنا ہے " وَاٰتِ ذَا لْقُرْبٰی حَقَّهٗ " (۱)

لیکن سسرالی رشتہ کے بھی کچھ حقوق ہیں اور اس سسرالی رشتہ کو مقامِ امتنان میں ذکر کرتے ہوئے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے " وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا ، فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا " (۲) اور وہ ایسا ہے جس نے پانی سے بشر کو پیدا کیا، پھر اس کو نسب والا اور سسرال والا بنایا اور تیرا رب بڑی قدرت والا ہے۔

مرد وعورت پر سسرال کے حقوق کی ادائیگی اس طرح یکساں فرض ہے جس طرح ان دونوں کی اپنی ذات کے حقوق ایک دوسرے پر یکساں فرض ہیں، اور ان کے ایک دوسرے کے اقرباء سے حسن سلوک ہی میں ان دونوں کی کامیاب زندگی کا راز پنہاں ہے۔

سسرالی اور رحم کے رشتوں کی پاس داری اور خیال انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے، اس کا اندازہ ان احادیث سے ہوتا ہے "تم لوگ عنقریب ایک ملک (مصر) فتح کرو گے جہاں قیراط کا رواج ہوگا وہاں کے لوگوں سے بھلائی کرنا؛ کیونکہ ان کا تم پر حق اور ان سے تمہارا دامادی کا رشتہ بھی ہے اور رحم کا بھی " فانّ لكم ذمّة ورحمًا " (۳)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ہاجرہؓ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ابراہیم کی والدہ ماریہ قبطیہؓ دونوں کا تعلق مصر سے تھا، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا

---

(۱) بنو اسرائیل : ۲٦

(۲) سورة الفرقان : ٥٤

(۳) مسلم : باب وصية النبی ، حدیث : ۱۹۷۰

پاس رکھا، جب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مصر فتح کرنے گئے تو لڑائی رکی رہی، اور ان کے نمائندہ پادریوں سے کہا: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم آپ لوگوں سے بھلائی کریں؛ کیونکہ آپ لوگوں کے ساتھ ہمارا رحم کا تعلق ہے، پادریوں نے سنا تو بول اٹھے: سوائے انبیاء علیہم السلام کے اس جیسی دور کی رشتہ داری کا کوئی لحاظ نہیں کرتا " قرابة بعيدة لا يصلُ مثلها الا الأنبياء "(۱)

☆ ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا غزوۂ بنو مصطلق میں قید ہو کر ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زرِ کتابت مانگنے آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا زرِ کتابت ادا کر کے ان سے نکاح فرما لیا، جیسے ہی نکاح کا علم ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کے قبیلہ کے جتنے قیدی تھے سب کو رہا کر دیا، اور کہا کہ: جس خاندان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا، وہ غلام نہیں بن سکتا، یعنی ان سے رشتہ داری کے بعد انہیں قیدی رکھنا حق قرابت کے خلاف ہے، اس واقعہ کے بارے میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "میں کسی عورت کو نہیں جانتی جو اپنی قوم کیلئے جویریہؓ سے بڑھ کر برکت والی ہو، ان کی وجہ سے بنو مصطلق کے سینکڑوں گھرانے آزاد کر دیئے گئے تھے "أُعتق في سببها مائة أهل بيت من بني مصطلق "(۲)

☆ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازے پر کسی عورت کی آواز سنی جو اندر آنے کی اجازت طلب کر رہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اشتیاق سے فرمایا: "اللّٰهمّ هالة، اللّٰهم هالة " یا اللہ یہ ہالہ ہیں۔ ہالہ یہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کی بہن تھیں اور شکل وصورت اور آواز میں ان سے مشابہ تھیں۔(۳)

☆ رشتہ دار تو ایک طرف رہے، ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کی سہیلیوں کی آمد پر خوشی کا اظہار فرماتے تھے، چنانچہ ایک بار حسانہ مزنیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) تاريخ الطبري: تاريخ الرسل، ذكر الخبر عن فتحها: ۱۰۷/۴، مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر، بيروت

(۲) ابوداود : باب في بيع المكاتب اذا فسخت الكتابة، حديث : ۲۹۳۱

(۳) بخاري: باب تزويج النبي صلی اللہ علیہ وسلم، حديث: ۳۶۱۰

کافی دیر تک ان سے باتیں کرتے اور ان کے حالات دریافت کرتے رہے، یہ بھی پوچھا کہ: ہمارے بعد آپ لوگوں کا کیا حال رہا، جب وہ چلی گئیں تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: یہ کون تھیں جس کی جانب آپ اس قدر توجہ فرمار ہے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ خدیجہ کی سہیلی تھیں، تعلقات کو نبھانا بھی ایمان ہے "انّ حسن العهد من الايمان " (۱)

☆ ایک مرتبہ ام المؤمنین ام حبیبہؓ سے ان کے بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ملنے کیلئے تشریف لائے، ان دونوں بہن، بھائیوں کا آپس میں بہت پیار تھا، یہ دونوں آپس میں باتیں کررہے تھے، نبی اکرم ﷺ نے ام حبیبہؓ سے فرمایا: کیا تمہیں معاویہؓ سے محبت ہے، عرض کیا: جی ہاں، بہت محبت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تو مجھے بھی ان سے پیار ہے " فانی احب معاوية وأحبّ من يحبّه " (۲)

☆ آپ ﷺ امہات المؤمنینؓ کے بہن بھائیوں کی نیک عادات کا تذکرہ فرماتے جسے سن کر بیوی کا دل یقیناً مسرت اور خوشی سے لبریز ہو جاتا، چنانچہ ام المؤمنین حضرت حفصہؓ نے بھائی عبداللہ بن عمرؓ کا ایک خواب سن کر فرمایا: " أرى عبد الله رجلًا صالحا " (۳) عبداللہ صالح نوجوان ہے۔

☆ آپ ﷺ نے امہات المؤمنینؓ کے بہن بھائیوں کی آمد پر بالکل روک ٹوک نہیں کی، جب جی چاہتا وہ اپنی بہنوں سے ملاقات کیلئے آجاتے، یہ بھی بیوی سے حسن سلوک اور سسرالی رشتہ کے حقوق کا حصہ ہے، اسماء بنت ابوبکرؓ آپ ﷺ کے پاس اکثر آتی رہتی تھیں، آپ ﷺ نے کئی بار انہیں کچھ ہدایات فرمائیں، ایک بار فرمایا: " گن گن کر خرچ نہ کیا کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہیں گن گن کر دے گا " " ولا تُحصى فيحصى الله عليك " (۴)

---

(۱) المستدرك: كتاب الايمان: حديث: ٤٠، حاکم کہتے ہیں کہ: یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور علامہ ذہبیؒ نے ان کی موافقت کی ہے۔

(۲) تاریخ دمشق، معاویہ بن صخر: ۸۹/۵۹، دار الفکر، بیروت

(۳) مسلم: كتاب الفضائل، باب من فضائل عبد الله، حديث: ٦٥٢٤

(۴) مسلم: باب الحثّ على الانفاق وكراهية الانفاق، حديث: ١٠٢٩

☆ آپ ﷺ امہات المؤمنینؓ کے بھائیوں پر شفقت فرماتے، چنانچہ ایک دفعہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا گٹھلیاں اٹھائے گھر کی طرف آ رہی تھیں، اثنائے راہ آپ ﷺ کو چند صحابہ ہمراہ ملے، آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور ان سے کہا کہ: سوار ہو جاؤ۔ (۱)

☆ حضرت اسماء بنتِ عمیسؓ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کی ماں کی جانب سے بہن تھیں، نبی کریم ﷺ اپنے اکثر گھریلو معاملات میں ان سے رائے لیتے اور ان پر اعتماد فرماتے، چنانچہ آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ اور حضرت فاطمہؓ کے غسل اور تکفین کا انتظام انہوں نے ہی کیا تھا، حضرت فاطمہؓ کی رخصتی کے وقت بھی ان کے ساتھ گئیں تھیں۔

☆ نبی کریم ﷺ کی بیماری کے آخری ایام میں انہوں نے ایک دوا لا کر پلائی، اس وقت آپ ﷺ پر بیہوشی طاری تھی، جب ہوش آیا تو پتہ چلا کہ حضرت اسماءؓ نے دوا تجویز کی تھی اور دیگر تمام اہل خانہ کی رضامندی سے پلائی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو لوگ مجھے دوا پلانے میں شامل تھے، ان سب کو دوا پلائی جائے۔

☆ حضرت عرباض بن ساریہ ﷺ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ دعا دیتے ہوئے سنا ہے '' اللّٰهمّ علّم معاوية الكتاب والحساب ووقه العذاب " (۲)

☆ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کی والدہ ام رومانؓ کے تعلق سے فرمایا تھا: ''من سرّه أن ينظر الى امرأة من الحور العين فلينظر الى ام رومان" (۳)

☆ ایک دفعہ حضرت اسماء بنتِ عمیسؓ کی دلجوئی کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا تھا، واقعہ یوں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت اسماء بنتِ عمیسؓ کو کہہ دیا کہ ہم نے (مکہ سے مدینہ شریف) کی طرف ہجرت کرنے میں تم سے سبقت کی، پس ہم رسولِ خدا ﷺ

(۱) مسلم: کتاب الأدب، جواز ارداف المرأة الاجنبية اذا اعيت فى الطريق، حديث: ۲۱۸۲
(۲) الاستيعاب : واسم ابى سفيان صخر بن حرب : ۱/۴۴
(۳) الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: ۸/۲۷۷

کے ساتھ تم سے زیادہ حقدار ہیں، یہ سن کر حضرت اسماءؓ غصہ میں آئیں، اور حضور ﷺ کی خدمت میں جا کر شکایت کی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یوں کہتے ہیں: تو حضور ﷺ نے تسلی دلائی اور فرمایا کہ "له ولأصحابه هجرة واحدة ولكم أنتم أهل السفينة هجرتان" یعنی اس کے اور اس کے ساتھیوں کیلئے ایک ہجرت ہے، اور اے اہل سفینہ تمہارے لئے دو عدد ہجرتیں ہیں، تمہارے لئے دوگنا ثواب ہے۔ (۱)

حضور ﷺ بحیثیتِ داماد

آپ ﷺ نے گیارہ نکاح فرمائے ہیں، اور ان تمام سسرالی رشتہ داروں کے ساتھ بحیثیتِ شریف داماد آپ ﷺ کے اخلاق اور آپ ﷺ کا سلوک و برتاؤ نہایت شریفانہ رہا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا (آپ ﷺ کی خوش دامن صاحبہ) کے بارے میں آپ ﷺ نے توصیفی کلمات ارشاد فرمائے: "اگر کوئی دنیا کے اندر حور جیسی عورت کو دیکھ کر خوش ہونا چاہے تو ام رومان کو دیکھو" "من سرّه أن ينظر الى امرأة من الحور العين فلينظر الى ام رومان" (۲)

ان کی وفات ذوالحجہ ۶ھ میں ہوئی تو آپ ﷺ خود بنفسِ نفیس قبر میں اترے اور یہ بھی دعا فرمائی کہ: اے اللہ! ام رومانؓ تیری راہ میں اور تیرے رسول ﷺ کی خاطر کیا کیا مصیبتیں جھیلی ہیں تجھ سے پوشیدہ نہیں ہیں" اللّٰهم لم يخف عليك ما لقيت ام رومان فيك" (۳)

ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ کی درخواست پر ان کے حق میں آپ ﷺ نے صحت کی دعا فرمائی۔ (۴)

---

(۱) مسلم: باب فضائل جعفر واسماء بنت عميس، حديث: ۲۵۰۳
(۲) طبقات ابن سعد: ۲۷۷/۸، دار صادر بيروت
(۳) معرفة الصحابة: ۲۰۷، دار الجيل، بيروت
(۴) السيرة النبوية لابن كثير: ۳۱۵/۲

آپ ﷺ کے ایک خسر امیر المؤمنین وخلیفۃ المسلمین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی ہیں، آپ ﷺ کا سلوک ان کے ساتھ بھی نہایت شریفانہ تھا۔

جب ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوگئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تمنا تھی کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ان کی شادی کردیں، مگر ان دونوں نے بھی خاموشی اختیار کی تو یہ کبیدہ خاطر ہوگئے اور اس کا اظہار انہوں نے دربارِ رسالت میں بھی کردیا، آپ ﷺ نے انہیں تسلی دی اور فرمایا کہ: اس کی پرواہ نہ کرو، میں عثمان کیلئے تمہاری بیٹی سے بہتر بیوی اور تمہاری بیٹی کیلئے عثمان سے بہتر شوہر کا انتظام کروں گا اور پھر آپ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اپنی دختر ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح فرمایا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو خود کے نکاح میں لیا، اس طرح آپ ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوہ بیٹی سے شادی کرکے ان کے وقار میں اضافہ کے خواہشمند تھے۔(۱)

اسلام سے دور خسر اور سسرالی رشتہ داروں کے ساتھ بھی آپ ﷺ نے اخلاق ورَواداری میں کوئی فرق آنے نہیں دیا۔

چنانچہ آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں ایک حضرت ام المؤمنین حضرت جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار بھی ہیں، غزوۂ بنی مصطلق میں مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاریاں ۵ ھ میں شروع ہوئیں، کفار کی طرف سے حارث بن ابی ضرار ہی قیادت کررہے تھے، ادھر مدینہ میں آپ ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ تیاری کے ساتھ روانہ ہوئے، تب تک وہ منتشر ہوچکے تھے، بالآخر مسلمانوں کو کامیابی ہوئی، اور چھ ہزار لوگ گرفتار ہوئے، جن کو آپ ﷺ نے مسلمانوں میں تقسیم کردیا، ان کی بیٹی جویریہ صحابیٔ رسول حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں تو انہوں نے گذارش کی کہ مجھ سے بدلِ کتابت کرکے مجھے چھوڑ دو، اس رقم کے سلسلے میں گفتگو کرنے کیلئے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے پاس آئیں، بعض روایات میں اس واقعہ کا دوسرا رخ یہ ملتا ہے کہ ان کے والد جو سردارِ عرب تھے

---

(۱) اسد الغابة : حفصة بنت عمرؓ: ۱/ ۱۳۳۱

کہا: میری بیٹی کو کنیز بنا کر رکھنے میں میری رسوائی ہے، لہٰذا اسے آزاد کر دیا جائے، آپ ﷺ نے اس معاملہ کو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا پر چھوڑ دیا، انہوں نے حضور ﷺ کی صحبت وخدمت کو پسند کیا، آپ ﷺ نے ان سے نکاح فرمالیا۔(۱)

آپ ﷺ کے ایک خوش نصیب خسر ابوسفیانؓ بھی تھے، جو اگر چہ فتح مکہ کے موقعہ پر ۸ھ کو مسلمان ہوئے، مگر ان کی دختر رملہ بنت ابوسفیان کنیت اُم حبیبہ اس سے بہت قبل ہی ہجرت سے پہلے مسلمان ہو چکی تھیں، اور ہجرتِ حبشہ کے موقع پر وہیں قیام کے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آکر اُم المومنین کے دائمی شرف واعزاز سے فیضیاب ہو چکی تھیں، ان کے والد (آپ ﷺ کے خسر) اگر چہ بعد میں مسلمان ہوئے، مگر بعید از اسلام ہونے کے زمانے میں بھی آپ ﷺ کا ان کے ساتھ برتاؤ اخلاق ورَواداری، اپنائیت اور دلجوئی کا رہا ہے، چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ کی جانب روانہ ہوئے، مکہ کے ایک میل کے فاصلہ پر مقام الظہران میں پڑاؤ ڈالا، ادھر قریش کو اطلاع ہوئی تو تحقیقِ احوال کیلئے ابوسفیان کو بھیجا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا تو فرمایا: کفر کے وجود کو مٹانے کا وقت آگیا، ویسے بھی آپ ﷺ کے سامنے ابوسفیان کے اسلام ومسلمان کے خلاف پوری داستان موجود تھی، اگر حضور ﷺ چاہتے تو انہیں قتل کروا دیتے؛ لیکن اتنے بڑے دشمنِ اسلام کو بھی آپ ﷺ نے معاف فرمادیا، بلکہ الٹا احسان یہ فرمایا کہ: اعلان کروایا کہ ابوسفیان کو بھی پناہ اور جو اس کے ہاں پناہ لے اس کو بھی امن ہے۔

آپ ﷺ کے اخلاق کا یہی شریفانہ برتاؤ ابوسفیانؓ کی اہلیہ (آپ کی خوش دامن) کے ساتھ رہا ہے، یہ وہی خاتون ہیں جس نے آپ ﷺ کے چہیتے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کروایا تھا ان کا سینہ چاک کر کے کلیجہ کو چبا گئی تھیں، فتح مکہ کے موقع پر صفا کے مقام پر بیٹھ کر اسلام قبول کرنے والے مرد وخواتین کو اپنے ہاتھ پر بیعت کے وقت حضور ﷺ سے گفتگو کرتی رہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو،

(۱) الروض الانف: ۱۳۴-۲۲

انہوں نے کہا: یہ اقرار تو آپ ﷺ نے مردوں سے نہیں لیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ قتل نہ کرنا، انہوں نے کہا کہ: ہم نے اپنے بچوں کو پالا تھا اور جب بڑے ہوئے تو جنگِ بدر میں آپ ﷺ نے نہیں قتل کردیا، اب آپ اور وہ باہم سمجھ لیں۔(۱)

ان کے اس اندازِ گفتگو کو آپ ﷺ نے برداشت کیا اور سنجیدگی سے ان کی گفتگو سماعت فرمائی اور بیعت کرلیا۔

حضور ﷺ بحیثیتِ خسر

حضور اکرم ﷺ نے ایک خسر کی حیثیت سے دامادوں کے ساتھ بھی اعلیٰ اور مثالی کردار ادا کیا ہے، جس میں داماد و خسر کے رشتہ کی نزاکت کی بھرپور رعایت بھی ہے، باپ کا پیار بھی، سرپرست کی شفقت و مہربانی بھی، ازدواجی زندگی میں مداخلت سے پرہیز بھی۔

آپ ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں، بڑی صاحبزادی سیدہ زینب ؓ تھیں، ان کا نکاح آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں ابوالعاص بن ربیع ؓ سے فرمایا جو اس وقت اسلام نہیں لائے تھے، ابتدائے نبوت کے زمانہ میں کفار نے ان کو بہت اکسایا کہ بنتِ رسول ﷺ کو طلاق دیں، مگر مزاج میں سلامتی تھی، اس لئے اس پر بالکل تیار نہ ہوئے، حضور ﷺ نے اس وصف کی مدح سرائی کی اور ان کا شکریہ ادا کیا۔(۲)

آپ ﷺ کے یہی بڑے داماد ابوالعاص ۶ھ میں قبیلہ قریش کے چند افراد کے ہمراہ بغرضِ تجارت ملکِ شام گئے ہوئے تھے تو شام کی سرحد کے ایک پہاڑ پر ابوجندل ؓ اور ابوبصیر ؓ (دومۃ الجندل کی تفصیلات احادیث وسیر کی کتابوں میں منقول ہیں) پناہ گزیں تھے، ان تمام افراد کے سامان کو ضبط کرلیا، اور انہیں گرفتار بھی کرلیا، البتہ داماد ابوالعاص کو گرفتار نہیں کیا، وہ سیدھے مدینہ چلے جہاں حضرت زینب ؓ نے انہیں امان دی، اور آپ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے صحابہ ؓ سے فرمایا کہ: میری بیٹی نے جس کو

---

(۱) تفسیر البحر المحیط: ۲۷۳/۱۰

(۲) الروض الانف: ۱۰۴/۳

پناہ دی ہے بہتر ہے تم بھی ان کو پناہ دو، یہ تم پر حق ہے، نہ صرف یہ بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارش کی کہ ان کا مال جو تمہیں حاصل ہوا ہے اس پر اگرچہ تمہارا حق ہے تم اس بارے میں بااختیار ہو؛ لیکن میرا ان سے جو تعلق ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم ان پر احسان کر کے ان کا مال واپس لوٹا دو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کے بعد کیا مجال تھی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم مال کو روک لیتے؟ سارا مال حتی کہ اونٹ کی نکیل کی رسی بھی واپس لوٹا دی اور ابوالعاص اس کو لے کر مکہ لوٹے اور جس کا مال تھا وہ اسے واپس دے دیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ وحسنِ سلوک سے اسلام سے محروم مگر سلیم الطبع داماد متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، چنانچہ اسی وقت وہ اسلام میں داخل ہوگئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اپنی دختر سے فرمایا تھا کہ "بیٹی ان کی عزت کرنا اور ان کو اچھا ٹھکانہ دینا"۔ (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی حضرت سیدہ رقیہؓ ہیں، ان کی پیدائش کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۳۳ برس تھی، ان کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ ہی میں حضرت سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ سے فرما دیا، حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو بیعتِ رضوان لی تھی، اس کا باعث ومحرک دراصل یہی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر مکہ بھیجا تھا، ادھر یہ خبر گرم ہوگئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ بدسلوکی کی گئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بدلہ لینے کیلئے جہاد کی غرض سے بیعت لی اور ان کے ہاتھ کی جگہ اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ "یہ عثمان کا ہاتھ ہے" اس کو دیکھ کر ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے رشک آمیز انداز میں فرمایا: "عثمان کیلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ تمام اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے زیادہ بہتر ہے۔ (۲)

ادھر جب سے کہ حضرت سیدہ رقیہؓ کی وفات ہوئی اس وقت سے حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ غمگین رہنے لگے تھے، اور انہیں اپنی بے بسی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاندانی نسبت سے محرومی کا احساس بڑا ستانے لگا تھا، ان کی دلبری کرنے کیلئے اگلے ہی سال ۳ھ اپنی تیسری بیٹی

---

(۱) الروض الانف: غزوة بدر الكبرى: ۱۲۷/۵، دار احياء التراث العربي، بيروت

(۲) بخاري: باب مناقب عثمان بن عفان، حديث: ۳۶۹۸

حضرت ام کلثومؓ سے ان کا نکاح فرمایا، چنانچہ حضرت سعید بن مسیبؒ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ حضرت سیدہ رقیہؓ کی وفات کے بعد سے وہ غمگین رہنے لگے ہیں تو پوچھا: عثمان! کیا بات ہے؟ کیوں غمگین ہو؟ کہا: یارسول اللہ ﷺ مجھے اب وہ اعزاز حاصل نہ رہا، آپ ﷺ کی دختر جو میری زوجہ تھیں وفات پاچکیں تو میری کمر ٹوٹ چکی ہے اور آپ ﷺ سے رشتہ دامادگی بھی باقی نہ رہا، یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ اچانک آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اے عثمان! یہ دیکھو جبرئیل علیہ السلام آئے ہیں، مجھے اللہ کی طرف سے یہ حکم ملا ہے کہ میں مرحومہ کی بہن ام کلثوم سے ان ہی کے مہر کے مطابق تمہارا نکاح کردوں" یا عثمان هذا جبريل عليه السلام يا أمرني عن الله عزوجل ان ازوّجك اختها ام كلثوم على مثل صداقها، ولي على مثل عشرتها "(۱)

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کو دوہری دامادگی کا اعزاز حاصل ہوا، آپ ﷺ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ: "اگر میری کوئی تیسری بیٹی ہوتی تو اس کو بھی تمہارے نکاح میں دے دیتا" " لو أنّ لنا ثالثةً لزوجنا عثمان بها " (۲)

اس سے بھی آگے کی بات یہ ہے کہ ابن عساکرؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت ام کلثومؓ کا انتقال ہوگیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اے عثمان! اگر میری چالیس بیٹیاں ہوتیں تو میں (یکے بعد دیگرے) تم سے ان کا نکاح کردیتا۔(۳)

اور ایک روایت میں ہے کہ " لو كنّ عشرًا لزوجتهنّ عثمان " یعنی اگر میرے پاس دس بیٹیاں ہوتیں تو میں (یکے بعد دیگرے) عثمان کی تزویج میں دے دیتا۔(۴)

اور ایک دفعہ آپ ﷺ نے اپنی بیٹی کے سامنے داماد کی تعریف فرمائی، حضرت عائشہؓ

(۱-۲) اسد الغابة : ۷/ ۳۷۴، دار الكتب العلمية، بيروت

(۳) تاريخ دمشق : عثمان بن عفان : ۳۹/ ۴۳، دار الفكر، بيروت

(۴) طبقات ابن سعد : ذكر ام كلثوم : ۸/ ۳۸

راوی ہیں کہ: آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے شوہر تمہارے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تمہارے والد محمد ﷺ سے بہت مشابہ ہیں''۔(۱)

ایک طرف اس میں جہاں داماد کی تعریف وتوصیف ہے وہیں دوسری طرف بیٹی کو داماد کی قدر ومنزلت بتا کر شوہر کی عظمت دل میں بٹھانا ہے۔

آپ ﷺ کی آخری اور چہیتی بیٹی خاتونِ جنت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ ہیں، آپ ﷺ نے ان کا نکاح حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے غزوۂ بدر کے بعد اور غزوۂ احد سے پہلے فرمایا۔

حضور ﷺ نے دامادوں کے ساتھ ایک شفیق، نرم دل باپ کا سا معاملہ فرمایا ہے: سیرت کا مشہور واقعہ ہے کہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کسی بات پر ناراض ہو کر چلے اور مسجد کے فرش پر لیٹ گئے، ادھر حضور ﷺ تلاش کرتے ہوئے پہنچے تو دیکھا کہ پیٹھ برہنہ ہونے کی وجہ سے مٹی اس پر لگ گئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''قم یا اباتراب'' (مٹی پر لیٹنے والے کھڑے ہو جا)۔(۲)

اسی طرح داماد کی ہر بات پر ناراضگی واختلاف آپ ﷺ کا بالکل شیوہ نہ تھا؛ چنانچہ بسا اوقات کسی کمزور اور غیر مناسب بات پر درگذر اور نظر انداز بھی فرمایا کرتے تھے، ایک موقع پر اپنے داماد کے مقام ومرتبہ کو اجاگر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: ''یہ میرے چہیتے ہیں، ان کے حق کو پہچانو، اور ان کی حیثیت کے موافق ان کا اِکرام کرو۔(۳)

اسی طرح موقع محل دیکھ کر حالات وتقاضوں کی رعایت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ناراضگی ظاہر فرمائی، جب حضرت فاطمہؓ کے نکاح میں ہوتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شادی کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ نے برملا اظہارِ ناراضگی فرمایا، ناراضگی مناسبِ حال بھی تھی کہ جس خاندان کی عورت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نکاح فرمانا چاہتے تھے، وہ حضرت فاطمہؓ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی تھی اور حضرت فاطمہؓ والدہ کی وفات کے حادثہ سے نڈھال تھیں،

---

(۱) تاریخ الخلفاء جلال الدین سیوطی:۱۹۱

(۲) المعجم الکبیر: سهل بن سعد الساعدی : حدیث: ۶۰۲۱

(۳) ذخائر العقبی: ۶۲/۱

دو غم خوار بہنیں بھی یکے بعد دیگرے گذر گئیں تھیں، ایسے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سوکن کو لے آنا یہ حضرت فاطمہ ؓ کو تکلیف دینے کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کی ناراضگی کا مستحق بنا سکتا تھا۔

زوجین کے درمیان زندگی کے نشیب وفراز میں تھوڑی سے نوک جھونک ہو جائے یہ تو عین قرین قیاس ہے، اس میں بحیثیت فریق ثالث کے جو کردار خسر کو ادا کرنا ہوتا ہے وہ حضور ﷺ کے اسوہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک موقع پر جب کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کی سختی کی شکایت لے کر ابا حضور ﷺ کی خدمت میں آئیں تو ان کے پیچھے پیچھے حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی چلے آئے آپ ﷺ نے ایک طرف اپنی دختر کی بات باطمینان سنی؛ تاکہ ان کی دل شکنی نہ ہو، اور دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: بیٹی! تم کو خود سمجھنا چاہئے کہ کسی کا شوہر اپنی بیوی کے پیچھے پیچھے خاموش چلا آتا ہے، اس کا اثر داماد پر یہ پڑا کہ انہوں نے خود حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ: ”میں آپ کے مزاج کے خلاف کوئی بات نہیں کہوں گا“۔(۱)

حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ دولت مند تھے، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جفاکش اور غریب تھے؛ لیکن دونوں ہی سے آپ ﷺ کے تعلقات بہترین اور دونوں کے ساتھ سلوک یکساں اور برابر تھا، مالدار کے حق میں جھکاؤ پن اور غریب سے نظر انداز کا پہلو اس طرح کے دورُخی اور دو نظری کا ذرہ برابر شمہ بھی وہاں نہیں پایا جاتا تھا، بلکہ بعض عوامل وخصوصیات کی بناء پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دلجوئی کا زیادہ اہتمام فرمایا کرتے تھے، حضرت عائشہ ؓ کا بیان ہے کہ خواتین میں رسول اللہ ﷺ کی چہیتی حضرت فاطمہ ؓ تھیں اور مردوں میں ان کے شوہر علی رضی اللہ عنہ ہیں

”كان أحبّ النساء الى رسول الله فاطمة ومن الرجال علي“ (۲)

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۸/۲۶

(۲) ترمذی: باب ما جا في فضل فاطمة، حدیث: ۳۸۶۸، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔

خسر کی حیثیت چونکہ باپ کی سی ہوتی ہے اور نیز حضور اکرم ﷺ پیغمبر کے منصبِ جلیلہ پر بھی فائز تھے، ان دونوں حیثیتوں کے پیشِ نظر دامادوں کے ساتھ جہاں شفقت ومحبت ودلجوئی کا اہتمام فرمایا، اپنی دختر کو ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی وہیں اپنی جانب سے ان کی اصلاح وتربیت کی بھاری ذمہ داری بھی خوب اچھی طرح انجام دی، چنانچہ ایک مرتبہ دونوں دامادوں کو لے کر مدینہ کے باہر گئے، حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ پتھر کی اس چٹان پر چڑھ کر مجھے دن بھر کا حساب بتاؤ، عرب کی شدت کی گرمی میں پتھر کی چٹان پر چڑھ کر وہ تھوڑی ہی دیر میں گھبرا گئے، آپ ﷺ نے ان کی نازک مزاجی کی رعایت کرتے ہوئے انہیں نیچے اتار دیا، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہی حکم دیا، ظاہر ہے کہ غریب آدمی کی زندگی کا حساب ہی کتنا، بس وہ تھوڑی ہی دیر میں حساب سے فارغ ہو کر نیچے اتر آئے، پھر آپ ﷺ نے خود ہی وجہ بتلائی اور فرمایا کہ: ایسا میں نے اس لئے کیا کہ روزِ قیامت کا احساس ہو، اور اس روز وہی آدمی آرام سے رہے گا جس کا حساب کتاب کم سے کم ہو، یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رو پڑے۔(۱)

---

(۱) اخلاقِ رسولِ اکرم ﷺ: ۱/۴۷

رشتہ داروں کے مالی حقوق

سب سے پہلے تو انسان پر خود اپنا نفقہ واجب ہے کہ آدمی اپنے آپ کی ضروریات کو پورا کرے، اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ: پہلے اپنے سے شروع کرو، پھر اپنے زیر پرورش لوگوں پر خرچ کرو، ”ابدأ بنفسك فتصدق عليها؛ فإن فضل شيء فلأهلك“ (۱)

کیوں کہ انسان کے ہاتھ میں اس کا وجود اللہ کی امانت ہے اور حتی المقدور اس کی حفاظت وصیانت واجب ہے۔

دوسرے آدمی کا نفقہ آدمی پر تین اسباب سے واجب ہوتا ہے، ازدواجی رشتہ، قرابت مندی اور ملکیت، مالکیہ کے نزدیک نفقہ صرف والدین، بیٹے اور بیٹیوں کا واجب ہے، دادا، دادی، نانا، نانی یا پوتے، نواسے کا واجب نہیں، شوافع کے نزدیک علاوہ والدین کے والدین کا جو آبائی سلسلہ دادا، دادی، نانا، نانی اور اولاد ہی کی طرح اولاد کے ذیلی سلسلے پوتے، نواسے وغیرہ کا نفقہ بھی واجب نہیں، حنفیہ کے نزدیک ان رشتہ داروں کے علاوہ بعض حالات میں دوسرے محرم رشتہ داروں کا نفقہ بھی واجب ہوا کرتا ہے، غیر محرم رشتہ داروں کا نفقہ واجب نہیں ہوتا، حنابلہ نے محرم ہونے کی بھی شرط نہیں رکھی، بلکہ غیر محرم رشتہ داروں جیسے چچازاد بھائی وغیرہ کا نفقہ بھی بوقت ضرورت واجب قرار دیتے ہیں۔

☆ بیوی کا نفقہ واجب ہونے پر امت کا اجماع واتفاق ہے، اور کیوں نہ ہو خود قرآنِ کریم میں اس کی صراحت موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے صاحبِ گنجائش پر اپنی گنجائش کے مطابق نفقہ ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ (۲)

---

(۱) نسائي: باب أي الصدقة أفضل ، حديث: ٢٥٤٦

(۲) الطلاق: ٧

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ: تم پر بیویوں کے رزق اوران کا لباس معروف طریقہ پرواجب ہے، "ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف "(۱)

☆ شوہر پر بیوی کا نفقہ تو بطورِ معاوضہ کے واجب ہوتا ہے، بیوی اپنے آپ کو شوہر کیلئے محبوس رکھتی ہے اور شوہر اس کے بدلے نفقہ ادا کرتا ہے، نفقہ کے واجب ہونے کا دوسرا سبب قرابت ورشتہ داری ہے، پھر قرابت کی بھی مختلف صورتیں ہیں ان میں سب سے اہم قرابت اولاد ہے، قرابت اولاد سے مراد اولاد اور والدین ہیں؛ کیوں کہ اولاد اور والدین کی حیثیت ایک دوسرے کیلئے ان کے وجود کے ایک حصہ کی ہے۔

فی الجملہ اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہونے کے سلسلے میں فقہاء امت کا اجماع واتفاق ہے، یہ خود قرآن سے بھی ثابت ہے، اس لئے بچے کے دودھ پینے کی اجرت باپ پر واجب قرار دی گئی ہے۔(۲)

بلکہ عورتوں کی کفالت بھی باپ کے ذمہ رکھی گئی ہے جو اس کے بچے کی پرورش کرنے میں مشغول ہوں اوران کو دودھ پلاتی ہوں۔(۳)

یہ حدیث سے بھی ثابت ہے، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اخراجات کی ادائیگی میں کس قدر تنگی سے کام لیا کرتے تھے، ان کی بیوی حضرت ہندہ نے آپ ﷺ سے اس تنگی کی شکایت کی اور دریافت کیا کہ: کیا میں شوہر کی اجازت کے بغیر ان کے مال میں سے خرچ کرسکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اتنی مقدار لے سکتی ہو جو تمہارے اور تمہارے بچوں کیلئے کفایت کرجائے، "خذي ما يكفيك وولدك بالمعروف " (۴)

---

(۱) ابوداؤد: حدیث: ۱۹۰۵

(۲) الطلاق: ۲

(۳) البقرہ: ۲۳۳

(۴) بخاری: باب إذا لم ينفق الرجل فللمرأة أن تأخذ بغير علمه ما يكفيها وولدها بالمعروف، حدیث: ۵۳٦٤

کن صورتوں میں اولاد کا نفقہ واجب ہوگا کن صورتوں میں واجب نہ ہوگا؟ اس کی بحیثیتِ مجموعی چار صورتیں ہیں:

۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ باپ مالدار ہو، بچے نابالغ ہوں، اگر بچے خود اتنی جائیداد کے مالک نہ ہوں جس سے ان کی کفالت ہوسکے تو لڑکوں کے کمانے کے لائق ہونے تک اور لڑکیوں کی شادی تک باپ پر نفقہ کی ذمہ داری ہوگی اور باپ کو تنہا کفالت کی ذمہ داری اٹھانی پڑے گی اور اگر بچے خود بھی صاحبِ استطاعت ہوں اور مال ان کے پاس موجود ہو تو باپ ان کا مال ان پر خرچ کرسکتا ہے اور اگر مال ان کی دسترس میں نہ ہو اور قاضی کی اجازت سے باپ خرچ کرے یا اس نیت سے خرچ کرے کہ یہ پیسے بچے کی جائیداد سے وصول کرتے ہیں اور اس نیت پر گواہ بھی بنالے تو بعد کو جب بچے کا مال حاصل ہوجائے وہ اس میں سے اپنا پیسہ وصول کرسکتا ہے اور اگر قاضی کا فیصلہ بھی نہ ہو اور بعد میں وصول کرنے کی نیت سے گواہ بھی نہ بنایا ہو تو قانوناً اپنے پیسے واپس نہیں لے سکتا، اور دیانۃً اگر پہلے ہی سے واپس لینے کی نیت رہی ہو تو لے سکتا ہے۔
لڑکیاں بھی اگر سلائی کے ذریعہ اپنی ضرورت کے بقدر پیسے حاصل کرلیں تو باپ پر ان کا نفقہ واجب ہوگا۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ باپ مالدار ہو، اور اولاد بالغ ہوں تو اگر بچے خود اپنی کفالت کے لائق اور صاحبِ معاش ہوں تو ان کی کفالت باپ کے ذمہ نہ ہوگی، اگر بچے محتاج ہوں تو:

الف: نکاح تک لڑکیوں کا نفقہ باپ کے ذمہ ہوگا، اسی طرح شادی شدہ لڑکیاں مطلقہ یا بیوہ ہوجائیں تب بھی باپ ان کے نفقہ کا ذمہ دار ہوگا۔

ب: لڑکے مفلوج، نابینا، فاتر العقل یا معذور ہونے کی وجہ سے کسبِ معاش کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں، یا ابھی حصولِ تعلیم میں مشغول ہوں تو ان کا نفقہ بھی باپ کے ذمہ ہوگا۔

۳- تیسری صورت یہ ہے کہ باپ محتاج ہو، بچے بھی نابالغ محتاج ہوں؛ لیکن کسبِ معاش نہیں کرسکتے تو باپ کو کسبِ معاش کرنا چاہئے اور نہ کرے تو اسے اس پر مجبور کیا جائے گا اور اس پر مجبور کرنے کیلئے اسے قید کی بھی سزا دی جاسکتی ہے، پھر اگر باپ کفالت نہ کرسکتا ہو، اور دادا یا ماں یا ماموں یا چچا اس کی کفالت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں تو اس پر ان لوگوں کی کفالت واجب ہوگی اور وہ اس پر مجبور کیے جائیں گے، البتہ جب اس کے والد کے حالات بہتر ہوجائیں تو ان قرابت داروں کو حق ہوگا کہ وہ اپنے کیے ہوئے اخراجات ان سے وصول کرلیں۔

اولاد کی اولاد کا نفقہ

نفقہ کے سلسلے میں جو حکم اولاد کا ہے، وہی حکم دوسری فروع یعنی سلسلۂ اولاد کا بھی ہے کہ اگر باپ کا نفقہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو، اور کسب معاش سے بھی عاجز ہو اور دادا نفقہ ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو دادا کو نفقہ ادا کرنا ہوگا، اسی طرح دادی اور نانی، ماں کے نہ ہونے کے وقت ماں کے درجہ میں ہوں گی جیسے باپ کو بلا شرکتِ غیر اولاد کا نفقہ ادا کرنا ہے، اسی طرح مذکورہ صورت میں دادا کو بھی بلا شرکتِ غیر پوتے، پوتی کا نفقہ ادا کرنا ہوگا۔(۱)

☆ اگر کسی کے والدین بھی ہوں اور بچے بھی اور وہ ان دونوں میں سے کسی ایک ہی کا نفقہ ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اول تو یہ کوشش ہونی چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو دونوں کی پرورش کی جائے، لیکن اگر ایسا ممکن ہی نہ ہو تو جو بچے کسبِ معاش کے لائق نہیں ہیں وہ مقدم ہیں۔(۲)

☆ والدین کا نفقہ : قرابت کی وجہ سے جن لوگوں کا نفقہ واجب ہوتا ہے، ان میں والدین کا نفقہ واجب ہونے پر بھی فقہاء کا اجماع و اتفاق ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا ہے: ”وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا“ (۳)

(۱) رد المحتار : ۶۷۱/۲ (۲) درمختار : ۶۷۳/۲ (۳) الاسراء : ۲۳

اور والدین کی کفالت حسن سلوک میں داخل ہے، اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے پاکیزہ کھانا وہ ہے جو آدمی کی اپنی کمائی کا ہو، اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے "إن أطیب ما أکل الرجل من کسبه وان ولده من کسبه" (۱)

والدین کا نفقہ اسی وقت واجب ہے جب کہ ان میں خود اپنی ضروریات مکمل کرنے کی صلاحیت نہ ہو، باپ اگر محتاج ہو اور کسب معاش کی صلاحیت رکھتا ہو، لیکن نہ کماتا ہو، جب بھی اس کا نفقہ بیٹے کے ذمہ واجب ہے، وہ اپنے باپ کو کمانے پر مجبور نہیں کر سکتا، یہ حنفیہ کی رائے ہے، حنابلہ وغیرہ کے نزدیک بشمول والدین اقارب کا نفقہ اسی وقت واجب ہوتا ہے کہ وہ کمانے کی صلاحیت بھی نہ رکھتا ہو۔ (۲)

والدین کا نفقہ جس میں کھانا، پینا، رہائش سبھی شامل ہیں، بقدر کفایت واجب ہوتا ہے، اگر کسی شخص کے ماں باپ دونوں ہوں اور اس کی معاشی حالت اس بات کی متحمل نہ ہو، دونوں کی کفالت کر سکے تو تنگی کے ساتھ دونوں کی کفالت کرنی چاہیے؛ لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو تو نفقہ کے اعتبار سے ماں کا حق مقدم ہے؛ کیوں کہ بظاہر ماں کیلئے کسب معاش مشکل ہے، اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ: ہمارے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں تین دفعہ ماں کا اور چوتھی دفعہ باپ کا نام لیا، لیکن اگر باپ کسبِ معاش سے معذور ہو، اور ماں کسب معاش کی صلاحیت رکھتی ہو تو باپ کا حق مقدم ہوگا، کیوں کہ باپ ہی نے بچپن میں اس کی کفالت کا فریضہ انجام دیا ہے، اس لئے بعض فقہاء نے تو مطلقاً باپ کو ماں پر مقدم رکھا "قال بعضهم الأب احق" (۳)

---

(۱) ابوداؤد : کتاب البیوع ، باب الرجل یأکل من مال ولده ، حدیث:۳۵۲۸
(۲) المغنی : ۱۶۹/۸
(۳) رد المحتار : ۶۷۳/۲

☆ **سوتیلی ماں کا نفقہ:** سوتیلی ماں کا نفقہ اگر باپ میں اس کے نفقہ کی ادائیگی کی صلاحیت نہ ہو تو مالکیہ حنابلہ اور شوافع کے نزدیک بیٹے پر اس کا نفقہ واجب ہوگا؛ کیوں کہ یہ بھی باپ کی ضروریات میں داخل ہے، حنفیہ کا ایک قول بھی یہی ہے اور اسی کو علامہ حصکفی نے ترجیح دی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ اگر باپ مریض یا معذور ہونے کی وجہ سے محتاج خدمت ہو تب اس کی بیوی کا نفقہ بیٹے کے ذمہ ہے؛ کیوں کہ وہ گویا باپ کی خادمہ ہے۔(۱)

☆ **دادا، نانا وغیرہ کا نفقہ:** نفقہ کے وہ احکام جو والدین سے متعلق ہیں، دادا، دادی، نانا، نانی کو بھی شامل ہیں، اگر وہ محتاج ہوں تو پوتے، پوتیاں، نواسے، نواسیاں ان کا نفقہ ادا کریں گے۔(۲)

☆ **دوسرے رشتہ داروں کا نفقہ:** اقرباء میں بیٹے، پوتے، نواسے اور نواسیوں کا ذیلی سلسلہ ''فروع'' کہلاتا ہے، باپ، ماں، دادا، دادی، نانا، نانی اور ان کا آبائی سلسلہ ''اصول'' کہلاتا ہے، جن کے استحقاق کی تفصیلات اوپر ذکر کی گئیں، کیا ان کے علاوہ دیگر رشتہ داروں کا بھی نفقہ واجب ہوگا تو اس سلسلہ میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک ہر ذی رحم محرم رشتہ دار کا نفقہ واجب ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ محتاج ہو، نابالغی، نابینائی، مرض یا عورت ہونے کی وجہ سے کسبِ معاش کرنے سے عاجز ہو، مسلمان ہو اور جس کے ذمہ نفقہ واجب قرار دیا جائے، وہ صاحبِ گنجائش ہو، صاحبِ گنجائش ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نصابِ زکوۃ کا مالک ہو، یعنی کسی بھی نوعیت کا اتنا مال ہو جو نصابِ زکوۃ کی قیمت کو پہنچ جائے، یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے، امام محمدؒ کے نزدیک اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ایک ماہ کی ضروریات سے زیادہ مال اس کے پاس موجود ہو اور جو روز کماتا کھاتا ہو تو اس کے حق میں صاحب وسعت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر دن کا نفقہ ادا کرنے کے بعد اس کے پاس اتنا بچ رہتا ہو۔

---

(۱) هدایه مع الفتح : ٤/ ٤١٥

(۲) تلخیص از قاموس الفقه : ۲۰۳-۲۱۷، حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ

ذی رحم محرم کے نفقہ کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ یہ میراث کے تناسب سے واجب ہوگا، یعنی جو رشتہ دار، اس محتاج شخص کی موت کی صورت میں اس سے جتنی میراث پاسکتے ہیں، اسی تناسب سے نفقہ بھی ادا کریں گے، مثلاً اگر ایک شخص کی ایک حقیقی، ایک باپ شریک اور ایک ماں شریک بہنیں ہوں تو حقیقی بہن پر تین خمس (۳/۵) اور باپ شریک اور ماں شریک بہن پر ایک ایک خمس (۱/۵) واجب ہوگا۔(۱)

(۱) تلخیص از قاموس الفقہ : ۲۰۳-۲۱۷، مکتبہ نعیمیہ دیوبند

شوہر کی ذمہ داریاں

۱- ادائیگیٔ مہر

مہر کی اہمیت شرعی نقطۂ نظر سے

شریعت نے عصمتِ انسانی کی اہمیت وقدر کو بتلانے کیلئے شوہر پر بیوی کیلئے ایک خاص مالی حق رکھا ہے، جس کو مہر کہا جاتا ہے، حدیث میں بعض مواقع سے اسے "صداق" یا کسی اور نام سے تعبیر کیا گیا ہے، ارشادِ خداوندی ہے "وَاٰتُوا النِّسَاءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً" (۱) عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے ادا کردیئے جائیں۔

اور ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ (۲) اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں یعنی یہ کہ ان کو اپنے مالوں کے ذریعے سے حاصل کرو۔

☆ شریعت کا اصل حکم تو یہ ہے کہ مہر جلد از جلد ادا کرنا چاہئے، اگر کوئی کسی عورت سے مہر کی ایک خاص مقدار پر نکاح کرے اور دل میں ادائیگی کا ارادہ بھی ہو اور کسی وجہ سے ادا نہ کر سکا ہو، اور بیوی نے اس سے مطالبہ بھی نہ کیا ہو، اسی حالت میں اس کی موت آجائے تو اس کے ترکہ سے حساب لگا کر بیوی کو مہر ادا کرنا واجب ہے، اگر بیوی کا انتقال ہو جائے تو اس کو بیوی کی میراث میں شامل کرکے ورثاء میں تقسیم کر دیں، جو لوگ مہر کی خاص مقدار پر نکاح کرتے ہیں اور اس کی ادائیگی کا ارادہ نہیں کرتے ایسے لوگوں پر شریعت نے سخت لعنت کی ہے اور ایسے شخص کو زانی اور بدکار قرار دیا ہے۔

(۱) النساء : ٤ (۲) النساء : ٢٤

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص مہر کی ایک مقدار پر عورت سے نکاح کرے اور وہ اس مہر کی ادائیگی کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو وہ شخص زانی ہے:
”من تزوّج امرأة علی صداقٍ وھو لا یرید أن یفی لھا بہ فھو زانٍ“ (۱)

اور ایک دوسری روایت جو میمون کردیؒ اپنے والد سے اور وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں، اس میں ایسے شخص کو زانی، بدکار اور فریبی اور دھوکہ باز کہا گیا ہے ” أیّما رجلٍ تزوّج امرأة علی ما قلّ من المھر أو کثر لیس فی نفسہ ان یؤدی الیھا حقّھا خدعھا فمات ولم یؤدّ الیھا حقّھا، لقی اللہ یوم القیامۃ وھو زانٍ“ (۲)

جو بھی مرد کسی عورت سے کم یا زیادہ مہر کی کسی مقدار پر نکاح کرتا ہے اور اس کا ارادہ ادا کرنے کا نہیں تو اس نے اس عورت کو دھوکہ دیا؛ لہٰذا اگر اسی حالت میں ادا نہ کرکے مرجاتا ہے تو قیامت کے دن اللہ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اس کا شمار زانیوں میں ہوگا، اور جو بھی آدمی کسی سے اس ارادہ سے قرض لیتا ہے کہ ادا نہیں کرنا ہے، پھر قرض ادا نہ کرکے مرجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اس کا شمار چوروں میں ہوگا۔

☆ قرآنِ مجید میں وضاحت کے ساتھ یہ بات بتلائی گئی ہے کہ مہر کی زیادہ سے زیادہ کوئی مقدار متعین نہیں، ارشادِ خداوندی ہے: ” اٰتَیْتُمْ اِحْدٰھُنَّ قِنْطَارًا “ (۳) اور تم اس کو انبار کا انبار مال دے چکے ہو۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک خاتون سے نکاح کیا تو اسے سو باندیاں بھیجیں اور ہر باندی کے ساتھ ایک ہزار درہم ” تزوّج الحسن بن علی

---

(۱) مجمع الزوائد : حدیث : ۷۵۶۶، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں: اسے بزار نے محمد بن الحسین الجزریؒ سے روایت کیا ہے اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

(۲) علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے اوسط اور صغیر میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں، مجمع الزوائد : باب فیمن نوی أن لا یقضی دینہ، حدیث : ٦٦٥٤

(۳) النساء : ۲۰

امرأة قال: فأرسل الیها بمائة جاریةٍ مع کلّ جاریة الف درهم" (۱)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے یہاں مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے، جس کا وزن موجودہ زمانے کے گرام کے حساب سے تیس گرام چھ سو اٹھارہ ملی گرام ہوتا ہے؛ لہٰذا اس گرام کے تولے حساب سے تین تولہ چھ سو اٹھارہ گرام ہوتے ہیں، احناف کے پیشِ نظر وہ روایت جس میں فرمایا گیا ہے "لا مهر اقلّ من عشرة دراهم" (۲)

مہر کے متعین کرنے میں درمیانی راہ اختیار کرنی چاہیے، نہ اس قدر معمولی مہر ہو کہ اس کی کوئی قدر نہ رہے اور نہ اتنا زیادہ ہو کہ اس کی ادائیگی دشوار ہو جائے؛ بلکہ اس قدر مہر مقرر کرے جس قدر مرد کی معاشی حالت متقاضی ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مہر باندھنے میں غلو کو ناپسند فرمایا ہے اور کہا ہے کہ: زیادہ مہر باندھنا دنیا کے اندر عزت کی چیز ہوتی یا اللہ کے نزدیک تقویٰ کی چیز ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مقابلے میں اپنے ازواج کیلئے زیادہ مہر باندھنے کے مستحق تھے "فـانّهـا لو کانت مکرمة فی الدنیا أو تقوی عند الله لکان أولٰـکـم بهـا نبی الله صلی الله علیه وسلّم" میں نہیں جانتا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے براہِ راست کسی عورت سے نکاح کیا ہو، یا اپنی بیٹیوں میں سے کسی کا نکاح کر دیا ہو، ساڑھے بارہ اوقیہ پانچ سو درہم سے زیادہ پر۔ (۳)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب الصداق: حدیث: ۷۵۰۳۰، اسے طبرانی نے روایت کیا ہے، اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

(۲) سنن البیهقی الکبریٰ: باب ما یجوز ان یکون مهرًا حدیث: ١٤١٦٦، ابن ہمام نے "فتح القدیر: ۲/۱۴۷" میں کہا ہے کہ: پھر ہم نے اس روایت کو شیخ برہان الدین الحلبی کی "شرح بخاری" میں پایا، وہ یہ کہتے ہیں کہ: اس کو بغوی نے حسن کہا ہے، حافظ ابن حجر نے اس کو ایک دوسری سند کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: یہ اس سند کے اعتبار سے حسن سے کم درجے کی نہیں ہے، اس کی یہ سند یہ ہے: علامہ حجر کہتے ہیں کہ: ابن ابی حاتم نے کہا: ہم سے عمرو بن عبد اللہ الاودی نے بیان کیا، ان سے وکیع نے، وہ عباد بن منصور سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے قاسم بن محمد نے بیان کیا کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ولا مهر اقل من عشرة: هامش نصب الرایة: باب المهر: ۱۹۲/۲

(۳) ابوداؤد: کتاب النکاح، باب الصداق، حدیث: ۱۲۰٦، امام ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے: ترمذی: حدیث: ۱۱۱۴

ادائیگی نفقہ

شوہر کی ایک اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ بیوی کو نفقہ (کپڑا، کھانا اور گھر) دیا کرے، اور بیوی کو ان ضروریات سے بے نیاز کردے، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: " لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ، وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ ، فَلْيُنْفِقْ مِمَّا اٰتَاهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا " (۱) جس کی گنجائش ہو اس کو چاہئے کہ اپنی گنجائش سے خرچ کرے اور جس کی آمدنی نپی تلی ہو وہ جتنا اس کو خدا نے دیا ہے اسی کے موافق خرچ کرے، خدا نے جس کو جتنا دیا ہے اس سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔

ایک روایت میں نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: حکیم بن معاویہ القشیریؒ سے روایت ہے وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم میں سے ہر شخص کے بیوی کے متعلقہ حقوق کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تو کھائے تو اُسے کھلائے، جب تو پہنے تو اُسے پہنائے، " ان تُطعمها اذا طعمت، وتكسوها اذا كسوت " (۲)

اور ایک جگہ نبی کریم ﷺ نے مرد کی اس ذمہ داری کو بیان کرتے ہوئے یوں فرمایا: " ان تُحسنوا اليهنّ في كسوتهنّ وطعامهنّ " (۳) کہ تم ان بیویوں کے ساتھ کپڑا اور کھانا دینے میں خوش اخلاقی کا برتاؤ کرو۔

ایسے ہی اس کیلئے دیگر طہارت و پاکیزگی کے سامان کا بھی نظم کرے؛ تاکہ وہ اپنے آپ کو صاف ستھرا رکھ سکے۔

شوہر پر واجب ہے کہ بیوی کیلئے ایسی چیزوں کا بھی سامان مہیا کردے جس سے وہ

---

(۱) الطلاق: ۷

(۲) ابوداؤد: كتاب النكاح، باب في حق المرأة على زوجها، حديث: ۲۱۴۲ ، ابن الملقن نے البدر المنیر میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے: ۸/۲۹۰، دار الهجرة للنشر والتوزيع، الرياض

(۳) ترمذی: الرضاع، باب حق المرأة على زوجها، حديث: ۱۱۶۳ ، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

اپنے آپ کو صاف ستھری رکھ سکے، اور میل کچیل سے پاک رہے، جیسے کنگھی، تیل، بیری کی پتی، خطمی، اشنان اور صابون جیسا کہ وہاں رواج ہو جیسے اس زمانہ میں پاؤڈر، کریم، اور پھول وغیرہ اور جس سے بد بو دور کر سکے اتنی خوشبو کا فراہم کرنا ضروری ہے، اسی طرح بغل کی بو کو دور کرنے کا سامان بھی مہیا کرے۔(۱)

اتنا پانی فراہم کرنا بھی شوہر پر ضروری ہے جس سے وہ اپنے کپڑے اور بدن کو دھو سکے۔(۲)

عورت کے علاج و معالجہ کا خرچ بھی شوہر کے ذمہ ہے، اس بارے میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں: مجھے اس بارے میں بہت ساری فقہی کتابوں کی مراجعت کا موقع ہوا، سب کے یہاں صورت حال یکساں نظر آئی، یعنی علاج کے خرچے کو نفقہ قرار نہیں دیا گیا ہے، لیکن تلاش کے باوجود قرآن وسنت کی کوئی ایسی نص نہیں ملی جس میں یہ صراحت ہو کہ علاج کا خرچہ شوہر پر واجب نہیں، اس لئے احقر کو کچھ خیال یہ ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم میں نفقہ کے ساتھ ''بالمعروف'' کی قید لگائی ہے، جس کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ نفقہ کا تعین عرف پر مبنی ہے، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دور میں عرفاً علاج، نفقہ کا حصہ ہے۔(۳)

بیوی کے حقِ زوجیت کی ادائیگی میں کوتاہی درست نہیں

عبادت الٰہی یہ نہایت ہی اونچے درجے کی چیز ہے؛ لیکن اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی ہے کہ عورتوں کی حق تلفی کرکے اپنے آپ کو عبادات میں مصروف رکھا جائے، دن رات عورت سے علاحدہ رہ کر نماز، روزوں میں لگے رہیں، اس طرح کے کئی ایک واقعات حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے کتابوں میں مذکور ہیں کہ وہ پوری رات عبادت میں گذار دیتے تھے، حقِ زوجیت کی ادائیگی کیلئے ان کے پاس کوئی وقت نہیں تھا، ایسے ہی لوگوں کو مخاطب کرکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فلا تفعل، صم، وافطر ونم، فانّ لجسدك عليك

(۱-۲) رد المحتار: مطلب لا تجب على الاب نفقة زوجة ابنه الصغير: ۲۹۱/۵، مکتبہ زکریا دیوبند

(۳) فتاویٰ عثمانی: ۴۹۱/۲، کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند

حقًّا، وانّ لعینك علیك حقًّا، وانّ لزوجك علیك حقًّا "اس طرح نہ کرو، روزہ بھی رکھو، افطار بھی کرو، عبادت بھی کرو، سو بھی جاؤ؛ کیونکہ تم پر تمہارے جسم کا بھی حق ہے، تمہاری آنکھ کا بھی حق ہے اور تم پر تمہاری بیوی کا بھی حق ہے۔ (۱)

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس آئیں، وہ نہایت ہی پراگندہ حال اور بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس تھیں، ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے ان سے کہا: تمہاری یہ کیا حالت ہوگئی ہے؟ تو انہوں نے کہا: وہ (یعنی شوہر) تو رات کے شب بیدار اور دن کے روزہ دار ہیں " واما اللیل فقائم واما النہار فصائم " حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اس بات کی اطلاع دی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات کر کے ان کو ڈانٹ پلائی اور فرمایا: "مالك بی اسوة " (کیا میرے اندر تمہارے لئے نمونہ نہیں ہے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں؟ میری جان آپ پر قربان، اس واقعہ کے بعد وہ اچھی اور بہترین حالت میں آئیں، وہ اپنے شوہر کی وفات کے بعد یہ اشعار پڑھا کرتی تھیں :

یا عین جودی بدمع غیر ممنون	علی رزیة عثمان بن مظعون
علی امرءٍ بات فی رضوان خالقه	طوبیٰ له من فقید الشخص مدفون
طاب البقیع له سکنیٰ وغرقده	واشرقت ارضه من بعد تفتین
وأورثت القلب حزنًا لا انقطاع له	حتی الممات، فما ترقیٰ له شئونی

اے آنکھ تو عثمان بن مظعون کے موت پر مسلسل آنسو بہاتے رہ
ایسے شخص پر جس نے اپنے خالق کی خوشنودی میں راتیں گذاریں، اس مدفون اور غیر موجود شخص کا بہترین ٹھکانہ ہو۔
بقیع غرقدان کا بہترین ٹھکانہ ہو، ان کی زمین فتنوں کے بعد روشن ہوگئی اس نے دل پر ایسا غم ڈھایا ہے کہ موت تک ختم ہونے والا نہیں، ان کیلئے مسلسل آنسو بہتے رہیں گے۔ (۲)

---

(۱) بخاری: باب لزوجك علیك حق، حدیث: ۴۹۰۳

(۲) حلیة الأولیاء: مصعب بن عمیر الداری: ۱/۱۰۶، دار الکتاب العربی، بیروت، الطبعة الأولیٰ ۱۴۰۵ھ

چار مہینے سے زیادہ بیوی سے علاحدہ نہ رہے

شوہر کو چاہئے کہ بیوی سے چار مہینے سے زیادہ علاحدہ نہ رہے، چار مہینے سے زیادہ دور رہنے پر جو نقصانات ہو سکتے ہیں اس کا اندازہ ان احادیث اور واقعات سے لگایا جا سکتا ہے:

حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ کو دورانِ گشت کسی عورت کی آواز سنائی دی جو اس طرح کہہ رہی تھی: "رات کافی لمبی ہو چکی ہے، اس کے دونوں اُفق بالکل سیاہ ہو گئے اور اس نے مجھے بیدار کر دیا ہے، میرا کوئی محبوب نہیں ہے کہ جس سے میں کھلواڑ کروں، اگر اللہ تعالیٰ کا خوف دامن گیر نہ ہوتا، تو اس جیسی چیز پھر کوئی نہیں ہوتی پھر اس کی وجہ سے اس تخت کے چاروں سمت ہل جاتے"۔

حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ نے اُس سے کہا: تمہیں کیا ہو گیا؟ اس نے کہا: میرا شوہر کئی مہینوں سے میرے پاس موجود نہیں ہے، مجھے اس کی چاہ ہو رہی ہے، حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم نے بدکاری کا ارادہ کیا ہے؟ اس نے کہا: اللہ کی پناہ! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اپنے اوپر قابو رکھو، ڈاک جانے ہی والی ہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کے پاس تشریف لائے اور اُن سے کہنے لگے: میں تم سے اپنے ایک اہم معاملے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں، تم اُس کے بارے میں مجھے بتانا، کتنی مدت میں عورت کو شوہر کی خواہش ہوتی ہے؟ انہوں نے اپنا سر نیچے کر لیا اور شرما گئیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ عزّ و جل حق بات کہنے سے نہیں حیاء کرتا، انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے تین مہینے یا چار مہینے بتلایا، حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تحریر روانہ کی کہ فوجیوں کو چار مہینے سے زیادہ روکے نہ رکھا جائے "ان لا تحبس الجیوش فوق أربعة أشهر" (۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا تلجّوا علی المغیبات فانّ الشیطن یجری من أحدکم مجری الدم" ان عورتوں کے پاس نہ جاؤ جن کے شوہر موجود نہ ہوں؛ چونکہ شیطان تم میں سے ہر ایک کے

(۱) کنز العمّال: حقوق متفرقہ: حدیث: ۴۵۹۲۴

اندر ایسے دوڑتا ہے جیسے جسم میں خون دوڑتا ہے، ہم نے کہا آپ کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: رہا میرا سوال تو اللہ نے مجھے اس پر غلبہ دیا تو وہ مسلمان ہوگیا۔ (۱)

ابو صالح سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اجازت چاہی تو انہوں نے ان کو اجازت مرحمت کردی تو حضرت عمر بن عاص رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود ہیں، تو کہا کہ: نہیں ہیں، تو وہ لوٹ گئے، پھر دوسری مرتبہ اجازت چاہی، تو فرمایا: کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں؟ تو کہا کہ: ہاں موجود ہیں تو اندر آئے، ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: تم میری عدم موجودگی میں اندر کیوں نہیں آئے، تو انہوں نے کہا: " أنّ رسول الله نهانا أن ندخل على المغيبات " نبی کریم ﷺ نے ہمیں ان عورتوں کے پاس جن کے شوہر نہ ہوں جانے سے منع کیا ہے۔ (۲)

اس بارے میں فقہاء کی یہ تصریحات بھی ملحوظ رہیں: "يسقط حقها بمرّة ويجب ديانة ولا يبلغ مدة الايلاء " عورت کا حق ایک مرتبہ جماع سے ساقط ہو جاتا ہے، اور واجب ہے دیانۃً اور ایلاء کی مدت (چار مہینے) کو نہیں پہنچنا چاہئے۔

اس کے تحت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ: "ويجب أن لا يبلغ به مدة الايلاء الاّ برضاها وطيب نفسها به" اور یہ ضروری ہے کہ ایلاء کی مدت کو نہ پہنچ جائے مگر یہ کہ اس کی خوشی اور دل کی رضا سے ہو۔ (۳)

ان فقہی عبارات کے تحت علامہ تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں کہ

لیکن یہ مسئلہ حق جماع سے متعلق ہے اور اس میں تصریح ہے کہ عورت اپنی رضامندی سے

---

(۱) ترمذی: باب من ما جاء في كراهية الدخول على المغيبات: حديث: ۱۱۷۲، حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت کے رجال کو ثقہ قرار دیا ہے سوائے مجالد بن سعید کے یہ مختلف فیہ ہیں: فتح الباری: ۳۳۱/۹

(۲) مسند احمد: حديث: ۱۷۸۵۷، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے، اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں، سوائے ابو صالح کے انہوں نے فاطمہ سے نہیں سنا ہے؛ بلکہ انہوں نے عمرو سے سنا ہے: مجمع الزوائد: باب الدخول على النساء: حديث: ۱۲۸۲۶

(۳) الرد المحتار على الدر المختار: ۳۷۸/۴-۳۷۹، دار عالم الكتب، الرياض

اپنا حق ترک کرسکتی ہے؛ لیکن یہ درست ہے کہ مطلق سفر کے بارے میں فقہاء کرام کی کوئی تصریح احقر کی نظر سے نہیں گذری، لیکن فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا واقعہ علی اختلاف الروایات چار مہینے یا پانچ مہینے یا چھ مہینے تک سفر پر رہنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ یہ عورت کے حق کی وجہ سے ہے اور یہ جب عورت کا حق ہے تو وہ اس سے دست بردار بھی ہوسکتی ہے، رہا یہ معاملہ کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ بیوی کی اجازت سے سپاہیوں کو چار مہینے سے زیادہ سفر پر بھیجا جاسکتا ہے، تو اس بارے میں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے لشکر کے سپاہیوں کیلئے ایک ضابطہ طئے کرنا تھا کہ ان کو کتنی مدت کے بعد واپس بلایا جائے، اس کیلئے انہوں نے چار ماہ کی مدت علی الاطلاق مقرر فرمادی، اس کی تدقیق کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ کس کی بیوی اس سے زائد کیلئے راضی ہے اور کس کی بیوی راضی نہیں۔

البتہ یہ ساری تفصیل اس وقت ہے جب کہ گھر سے باہر رہنے میں کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو، جہاں فتنے کا اندیشہ ہو، وہاں اس طرز عمل کی ہرگز حوصلہ افزائی نہیں ہونی چاہئے، آپ کا یہ فرمانا بھی بجا اور درست ہے کہ احیاناً ضرورت کے مواقع پر طویل سفر اختیار کرنا اور بات ہے اور عمل کو معمول بنالینا دوسری بات ہے اور چونکہ ایسی صورت میں فتنے کے امکانات بہت قوی ہوجاتے ہیں، اس لئے اس سے احتراز ہی کرنا چاہئے، خلاصہ یہ کہ جہاں فتنے کا ظن غالب ہو، وہاں تو بیوی کی اجازت کے ساتھ بھی سفر اختیار کرنا جائز نہیں اور اس میں مدت کی کوئی قید نہیں اور جہاں ظن غالب نہ ہو؛ لیکن معتد بہ احتمال ہو وہاں بھی حتی الامکان اس سے احتراز ہی لازم ہے۔ (۱)

ماں باپ سے کب ملاقات کروائے؟

بیوی کو اپنے والدین سے ملنے سے نہ روکا جائیگا، ہر ہفتہ میں ان کو ایک مرتبہ ملنے کی اجازت ہے اور دیگر محارم کو ایک سال میں ایک مرتبہ سے زیادہ ملنے کی اجازت نہیں، اگر کسی قسم کا شر اور فتنے کا اندیشہ ہو تو شوہر کو بیوی کے والدین کے گھر پر آنے سے روکنے کی بھی

(۱) فتاویٰ عثمانی: کتاب النکاح: ۳۱۱/۲، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

اجازت ہے، لیکن دور سے دیکھنے اور بات کرنے سے منع نہیں کیا جائیگا، شامی میں ہے: "ولا یمنعھما من الدخول علیھا فی کلّ جمعة وفی غیرھما من المحارم فی کلّ سنة لھا الخروج ولھم الدخول" (۱)

اور نہ روکے والدین کو ہر ہفتہ اس کے پاس آنے سے اور دیگر محارم اس کے پاس ملاقات کیلئے سال میں ایک دفعہ آسکتے ہیں اور وہ ان سے ملاقات کیلئے سال میں ایک دفعہ جاسکتی ہے۔

ہدایہ میں ہے "لا یمنعھم من النظر الیھا و کلامھما فی ایّ وقت اختار لما فیه من قطیعة الرحم ولیس فی ذلك ضرر" (۲)

شوہر اپنی بیوی کے والدین کو اس کے دیکھنے اور اس سے بات چیت کرنے سے نہ روکے جب بھی ماں باپ چاہیں، کیونکہ بالکل روکنے میں قطع رحمی لازم آتی ہے۔

علاحدہ رہائش کا مطالبہ

یہ بات بالکل واضح ہے کہ عورت کا حق ہے کہ شوہر اسے علاحدہ ٹھکانہ فراہم کرے (چاہے کرایہ کا ہو) لیکن سمجھدار بیوی کو چاہئے کہ شوہر کے تمام حالات کا اولاً جائزہ لے، اس کے والدین کی صحت کیسی ہے، اس کے بھائی بہن کی تربیت ونگرانی، تعلیم ونکاح کے مسائل کیا باقی ہیں، شوہر کی آمدنی یا تنخواہ علاحدہ رہنے کے خرچ کا تحمل کرسکتی ہے یا نہیں؟ کیا خود اس کے اندر اپنے بچوں کے نہلانے دھلانے پڑھانے سکھانے اور امورِ خانہ داری کو سنبھالنے کی استعداد پیدا ہوئی ہے یا نہیں؟ وغیرہ مسائل کو سنجیدگی کے ساتھ سوچے بغیر اور ساس سسر کو ضرورت کا احساس دلا کر باہم اعتماد کی فضا قائم کئے بغیر الگ مکان کی فکر بہت سے انتشار اور پھوٹ کا سبب بنتی ہے اور نہایت خود غرضی اور بے رحمی ہے، جب تک حالات بن نہ پائیں، شوہر کے والدین اجازت نہ دیں، شوہر کے بھائی کی بیویوں اور شوہر کی بہنوں کے ساتھ خدمت تواضع اور معافی کا معاملہ کریں، انسان خصوصاً عورت کے ساتھ صحت مرض، حمل ولادت وغیرہ

---

(۱) الرد المحتار علی الدر المختار: ۵/۳۷۸-۳۷۹

(۲) الهداية: ۲/۴۲، المكتبة الاسلامية

کے اونچ نیچ لگے ہوئے ہیں، سماج سے کٹ کر کوئی زندگی نہیں گذار سکتا، اگر الگ مکان میں رہ رہے ہوں تو اپنے والدین کی طرح شوہر کے والدین کی مزاج پرسی اور ہر قسم کا تعاون کرتے رہے۔

بیوی کو چاہئے کہ شوہر کے احوال اور اس کی وسعت اور گنجائش کو علاحدہ مکان اور رہائش کے مطالبہ کے وقت پیشِ نظر رکھے، جب تک اس کے احوال درست نہ ہوں موجودہ زندگی اور احوال کو سہتی رہے، اس حوالہ سے یہ اثر نصیحت خیز ہے۔

حضرت محمد بن حنفیہؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: وہ صاحبِ عقل وحکمت نہیں ہے جو اس شخص کے ساتھ رواج کے مطابق تعلقات نہ رکھے جس کے ساتھ بہرحال اس کو رہنا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کیلئے کشائش کا راستہ نکال دے " ليس بحكيم من لا يعاشر بالمعروف من لا يجد من معاشرته بدًا، حتى يجعل الله له فرجة أو مخرجًا " (۱)

علاحدہ گھر کا مطالبہ کر کے بیوی اپنے شوہر اور اس کی ماں کے درمیان بلاضرورت جدائیگی اور دوری پیدا کر کے اس وعید کی مستحق نہ ہو کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: جو شخص ماں اور اس کے لڑکے کے درمیان جدائیگی کرے تو اللہ عزوجل روزِ قیامت اس کے اور اس کے عزیزوں کے درمیان جدائی پیدا کر دیتے ہیں " من فرّق بين والدة وولدها فرّق الله بينه وبين أحِبَّتِهِ يوم القيامة " (۲)

بیوی کے کاموں میں دلچسپی لیں

خوشگوار زندگی کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ شوہر بیوی کے کاموں میں توجہ اور دلچسپی لے، مطلب یہ ہے کہ گھریلو کاموں میں تھوڑا ہاتھ بٹائے یا کم از کم اپنی جانب سے گھریلو معاملات میں کچھ مشورہ دے، اس طرح بیوی کے دل کو جیتا جا سکتا ہے۔

---

(۱) الأدب المفرد: باب التؤدة في الأمور، حديث: ۹۸۸، اس کو البانی نے صحیح کہا ہے۔

(۲) ترمذی، باب في كراهية التفريق بين السبي، حديث: ۱۵٦٦، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام اہل خانہ کی ضروریات کا خیال کرتے تھے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر ہیں، ان کی بیوی بیمار حالت میں ہیں، انہیں سردی لگی اور وقت کے پیغمبر آگ ڈھونڈنے کیلئے چل پڑے، پروردگار کو یہ عمل پسند آیا اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔

نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ تھی، کبھی گھر میں آٹا گوندھ دیتے، گھر کی دیگر ضروریات کو پورا کرتے، حضرت عائشہؓ سے حضور ﷺ کے گھر میں معمولات کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے بتایا کہ: ”اپنے سر سے جوئیں نکالتے، اپنی بکری کا دودھ دوہتے، اپنے کپڑے سی لیتے اپنی خدمت خود کر لیتے، اپنے جوتے سی لیتے اور وہ تمام کام کرتے جو مرد اپنے گھر میں کرتے ہیں، وہ اپنے گھر والوں کی خدمت میں لگے ہوتے کہ جب نماز کا وقت ہوتا تو چھوڑ کر چلے جاتے ”ویکون فی مھنة اھله، اذا حضرته الصلاة قام الی الصلوة“ (۱)

ایک روایت میں نبی کریم ﷺ نے اپنے غلاموں کے کاموں میں مدد کرنے کا حکم کرتے ہوئے فرمایا: حضرت سلام بن عمرو رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں، ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، ان سے اس کام میں مدد لو جو تم پر بھاری پڑے، اور ان کا تعاون کرو اس کام کی ادائیگی میں جو ان پر بھاری پڑے، ”استعینوھم علی ما غلبکم وأعینوھم علی ما غلبوا“ (۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: خادم کے کام میں مدد کرو؛ کیونکہ اللہ کا بندہ جو اس کے نزدیک عامل ہے (یعنی) خادم وہ محروم نہیں رہتا ”اعینو العامل من عمله“ (۳)

---

(۱) ترمذی: باب مما فی صفة اوانی الحوض: حدیث: ۲۴۸۹، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۲) الأدب المفرد: باب ھل یعین عبده، حدیث: ۱۹۰، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس روایت کو ابو یعلی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں: مجمع الزوائد: باب ما یکره من حبس الرقیق: ۷۲۱۴

(۳) الأدب المفرد: باب ھل یعین عبده، حدیث ۱۹۱، البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

جب نبی کریم ﷺ نے خادم کے کاموں میں مدد اور تعاون کرنے کو کہا ہے تو بیوی کے کاموں میں مدد و تعاون کس اہمیت کا حامل ہوسکتا ہے اس کا خود ہی اندازہ لگالیں۔

شوہر بیوی پر بے جا شک نہ کرے

شوہر بیوی پر بے جا شک نہ کرے، شوہر میں غیرت اور حیا تو ہونی چاہئے کہ وہ اپنی بیوی کے کسی کے ساتھ دوستانہ یا میل جول یا ہنسی مذاق ہر گز برداشت نہ کرے؛ لیکن بے جا بغیر کسی یقینی اور حقیقی بات کے محض اپنے شک و گمان کی بناء پر بیوی پر الزام تراشی، روزانہ کی تو تو میں میں، لڑائی جھگڑا اور بات کا بتنگڑ بنانا اور ہر وقت بے جا شک کی سوئی بیوی کی جانب کر کے اس کو لعن طعن اور ملامت کا نشانہ بنانا، اسے ہر وقت کڑوی اور کسیلی سناتے رہنا یہ کسی بھی طرح درست نہیں، اسی کو حدیث میں یوں فرمایا:

حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایک غیرت وہ ہے جو اللہ کو محبوب اور پسندیدہ ہے اور ایک غیرت وہ ہے جو اللہ کو ناپسند ہے، جو غیرت اللہ کو پسند ہے یہ غیرت ہے جو شک کی جگہ میں اور تہمت کی جگہ میں ہو (مثلاً: شوہر یہ دیکھے کہ کوئی اجنبی شخص اس کی بیوی کے پاس آمد و رفت رکھتا ہے یا وہ کسی اجنبی مرد کے پاس آتی جاتی ہے اور دونوں کے درمیان مزاح و مذاق کا تبادلہ ہوتا ہے، اگر اس طرح کی کوئی شک و شبہ والی بات نہ ہو، بس یوں ہی بغیر کچھ دیکھے اور سمجھے محض شک کی بنیاد پر الزام تراشی ایسی غیرت اللہ کو ناپسند ہے، یہ محض بدگمانی کے قبیل سے ہے) اور ایک غیرت جو اللہ کو مبغوض اور ناپسندیدہ ہے وہ ہے جو بغیر کسی شک کی جگہ کے ہو " وامّا الّتی یحبّها الله فالغیرة فی الریبة وامّا الّتی یبغضها الله فالغیرة فی غیر ریبة "(۱)

---

(۱) نسائی: الاختیال فی الصدقة: حدیث: ۲۵۵۸، حاکم نے اس حدیث کو صحیح السند کہا ہے: المستدرك: كتاب الزكاة، حديث: ۱۵۲۵

حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غیرت

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اگر کسی مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھ لوں تو میں اس کو بلا جھجک تلوار سے ختم کردوں گا، جب نبی کریم ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: " اتعجبون من غيرة سعد لأنا أغير منه والله أغير منى " (۱)

کیا تم سعد کی غیرت اور حمیت سے تعجب کرتے ہو، اللہ کی قسم! میں ان سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ عزوجل مجھ سے زیادہ غیرت رکھتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں نے معراج کی رات ایک سفید محل دیکھا، جس کے صحن میں ایک لڑکی تھی، میں نے کہا: یہ محل کس کا ہے؟ تو بتلایا گیا کہ: عمر کا، میں نے اس میں داخل ہو کر اس کو دیکھنے کا ارادہ کیا، معاً مجھے تمہاری غیرت یاد آگئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا میں آپ پر غیرت کرسکتا ہوں؟ " بأبى انت وامى يا رسول الله او عليك اغار " (۲)

مطلب یہ ہے کہ موقع اور محل کے لحاظ سے غیرت مطلوب اور محمود ہے، اس کو یہاں مقام مدح میں ذکر کیا گیا ہے۔

عورت کی رائے کا احترام کیا جائے

صلح حدیبیہ کا موقع ہے، سارے صحابہ رضی اللہ عنہم تقریباً پندرہ سو کی تعداد میں ساتھ ہیں، آپ ﷺ کو عمرہ کرنے سے روک دیا گیا، اور آپ ﷺ نے بڑی خدائی بصیرت، دور اندیشی سے بظاہر دب کر کفار سے صلح کرلی، سارے صحابہ رضی اللہ عنہم طبعی طور پر غمزدہ تھے، صلح نامہ لکھے جانے کے بعد آپ ﷺ نے حکم دیا " قوموا فانحروا " کھڑے ہو جاؤ، اور

---

(۱) بخاری: باب من رأى مع امرأته رجلاً، حديث: ٦٤٥٤

(۲) مسند احمد: مسند جابر بن عبد الله، حديث: ١٥٠٤٤، شعیب الارنؤط نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

اپنے جانوروں کو ذبح کر کے واپس چلو؛ لیکن تین مرتبہ کہنے پر بھی نڈھال صحابہ رضی اللہ عنہم کھڑے نہ ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ کر صحابہ کی اس حرکت کا ذکر کیا تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نہایت حسن ظن اور مزاج فہمی کے ساتھ یہ رائے دی کہ آپ ان سے کچھ نہ کہئے، کھڑے ہو کر اپنا اونٹ ذبح کر دیجئے اور حلق کرا لیجئے، " اخرج، ثم لا تكلّم أحداً منهم كلمة حتى تنحر بدنك وتدعوا حالقك فيحلقك " حضور اکرم ﷺ نے ان کی رائے قبول کی، چنانچہ ایسے ہی ہوا۔(۱)

چنانچہ آپ ﷺ نے امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے کہنے کے مطابق باہر نکل آئے، اپنی قربانی کی اور احرام اُتارنے کیلئے بال منڈھوائے، اب جب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اس فیصلہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی تو سب نے قربانیاں کی اور احرام اتارا، ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتا تھا اور عجلت اس قدر تھی کہ ہر شخص حجامت بنانے کی خدمت انجام دے رہا تھا۔

قرآنِ کریم میں ہے کہ بلقیس جو سورج پرست تھیں اور قوم سبا کی سربراہ تھیں، حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب ہدہد کے ذریعہ خط بھیج کر اسلام کی دعوت دی تو اس عورت نے سارے مرد وزراء سے رائے لی " مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنَ " (۲)

اس طرح سارے مرد اس کے حوالے ہو گئے کہ ہم تمہارے فیصلہ پر راضی ہیں، جب عورت مشورہ اور رائے لینے کے ذریعہ سے مردوں کو اپنے سے جوڑ سکتی ہے تو مرد کو تو ضرور عائلی مسائل میں بیوی کی رائے لینا چاہئے، اس طرح جوڑ باقی رہتا ہے۔

☆ گھر والوں کو دیندار بنائیں

شوہر کو چاہئے کہ شریعت کی پابندی خود بھی کرے اور اپنی بیوی و اولاد سے بھی کروائے، شریعت کی پابندی نہ کرنے کا براہِ راست اثر سارے گھر پر پڑتا ہے، بیوی اور اولاد نافرمان

(۱) بخاری: باب الطيب للجمعة: حديث: ۱۰۲: ۲، مع تحقيق محمد زهير بن ناصر
(۲) النمل: ۳۲

ہو جاتی ہے؛ اس لئے سر کے بالوں سے لے کر پیر کے ناخن تک سنتوں کا اہتمام ہو، خصوصاً پردہ وغیرہ کا اہتمام کروایا جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب گھر میں تشریف لاتے تو کسی قدر آواز سے یہ الفاظ دُہراتے: لو كان لابن ادم واديا من مال لا بتغى واديًا ثالثا ولا يملأ فمه الا التراب وما جعلنا المال الا لاقامة الصلوة وايتاء الزكوة و يتوب الله على من تاب (۱)

آدم کے بیٹے کی ملکیت میں اگر دولت و مال سے بھرے ہوئے دو میدان ہوں تو وہ تیسرے کی حرص کرے گا، اس کی حرص کے منہ کو صرف مٹی بھر سکتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے دولت تو اپنی یاد دِلانے اور مسکینوں کی مدد کرنے کیلئے پیدا کی ہے، جو اللہ کی طرف لوٹے تو اللہ بھی اس کی طرف لوٹے گا، ان الفاظ کی روزانہ تکرار سے مقصود یہ تھا کہ تمام اہل بیت کو دنیا کی بے ثباتی اور دولت کا ہیچ ہونا یاد رہے۔

حضرت فضیلؒ تابعین میں سے ایک بزرگ تھے، وہ فرماتے تھے کہ: جب بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے میں مجھ سے کوتاہی ہوئی تو میں نے اس کا اثر اپنی بیوی میں یا اپنی باندی میں یا اپنی سواری کے جانور میں دیکھا، یعنی میں نے اللہ کے حکم کو ماننے میں سستی اور غفلت کی تو جو چیزیں میرے ماتحت تھیں انہوں نے میرے حکم کو ماننے میں کوتاہی کی "انی لأعصی الله فأعرف ذلك في خلق دابتي وزوجتي" (۲)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے مجھے دس باتوں کی وصیت کی، ان میں ایک وصیت یہ فرمائی کہ: "ولا ترفع عنهم عصاك" ان کو ادب سکھانے کے پیشِ نظر ان سے اپنی لاٹھی اُٹھا کر مت رکھنا، مطلب یہ ہے کہ: اپنے گھر والوں کو ادب و اخلاق کے سکھانے میں کمی کوتاہی نہ کرے اور لاٹھی اٹھا کر مت رکھ دینا کہ وہ مطمئن ہو کر

---

(۱) مسند احمد: ۵۵/۶

(۲) حلية الأولياء: الفضيل بن عياض، حديث: ۱۱/۲۱

احکام خداوندی کو فراموش کردیں، مقصد یہ ہے کہ اپنے گھر والوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام پر لگانے کی ہر وقت فکر رکھو، دین کے بارے میں ان کا خیال رکھنا خواہ ان کو گوار گذرے یا ناگوار، نمازیں پابندی سے پڑھاؤ، رمضان کے روزے رکھواؤ، حرام کاموں سے بچاؤ، گناہوں سے پرہیز کرواؤ، اخلاق وآداب سکھواؤ، خواہ اس کیلئے مار پیٹ کرنی پڑے، اور فرمایا:

"وأخفهم في الله" (۱)

اوران کو (اللہ کے احکام وقوانین) کے بارے میں ڈراتے رہنا (، مطلب یہ ہے کہ محض ڈنڈے ہی کے زور سے کام نہ چلاؤ، اس میں گھر والے صرف تم سے ڈریں گے، بلکہ یہ کرو کہ خدا سے ڈریں، ان کے دل میں خدائے پاک کا خوف بٹھانے کی کوشش کرو، اگر خدا کا خوف بیوی بچوں کے دل میں بٹھا دیا تو فرائض کی ادائیگی اور گناہ چھوڑنے میں اور نوافل اور اذکار میں لگنے میں انہیں تکلیف محسوس نہ ہوگی۔

اور ایک جگہ میاں بیوی کے آپس میں ایک دوسرے کو خیر کی ترغیب دینے کی صورت کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس مرد پر اللہ رحم فرمائے جو رات کو اٹھے اور نوافل ادا کرے، اپنی بیوی کو جگائے اور وہ بھی نوافل ادا کرے اور اگر بیوی اٹھنے میں سستی کرے تو اس کے چہرے پر پانی چھڑک کر اُسے جگائے "رحم الله رجلًا قام من اللّيل فصلّى وأيقظ امرأته فصلّت، فإن أبت رشّ في وجهها الماء" اللہ رحم فرمائے اس عورت پر جو رات کے وقت اٹھے اور نفل پڑھے اور اپنے شوہر کو بھی جگائے اور وہ بھی نفل پڑھے اور اگر شوہر اٹھنے میں دیر کرے تو اس کے چہرے پر پانی چھڑک کر اسے جگائے۔ (۲)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ: جب کوئی مرد اپنی بیوی کو جگاتا ہے اور وہ دونوں مل کر

---

(۱) المستدرك : ذكر أميمة مولاة رسول الله ، حديث : ۶۸۳۰، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے، اس میں عمرو بن واقد ہیں ، ان کو بخاری اور ایک جماعت نے ضعیف قرار دیا ہے، اور ثوری کہتے ہیں: وہ صدوق تھے: مجمع الزوائد: باب الكبائر: حديث: ۳۹۶

(۲) ابوداؤد: باب قيام الليل، حديث: ۱۳۰۸

دو رکعت نماز پڑھتے ہیں تو شوہر کا نام ذکر کرنے والوں میں اور بیوی کا نام ذکر کرنے والیوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔

خلیفۂ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ شب میں خدا کے حضور کھڑے ہوئے عبادت کرتے رہتے، پھر جب سحر کا وقت آتا تو اپنی رفیقۂ حیات کو جگاتے اور کہتے: اُٹھو اُٹھو، نماز پڑھو، اور پھر یہ آیت پڑھتے " وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا " (۱)

جس کے سامنے قبر کے حالات بیان ہوتے رہتے ہوں، میدانِ حشر کا عالم بیان کیا جاتا ہو، دوزخ کے سخت عذاب کی کیفیت بیان کی جاتی ہو وہ شخص گناہوں کی جرأت کیسے کرے گا اور کیونکر خدائے پاک کی رضا اور ہمیشہ کے آرام وراحت کی جگہ یعنی جنت کا طالب نہیں ہوگا۔

بیوی سے محبت کا اظہار کرے

شوہر کو چاہئے کہ بیوی سے محبت والفت کا اظہار بھی کرتا رہے، کوئی ایسا قول یا عمل کرے جس سے بیوی کی محبت کا اظہار ہوتا ہو، اس سے آپس کے تعلقات پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے، نبی کریم کو اپنی ازواج سے بے انتہا محبت تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ پیالہ لے کر اس جگہ سے پانی پیتے جہاں سے میں نے پانی پیا ہوتا، "ويضع فمه حيث وضعت فمي في القدح" (۲)

سنن ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ "كنتُ اتعرّق العظم وانا حائض فيأخذ رسول الله فيضع فمه حيث كان فمي" میں حالتِ حیض میں (کھانے کے دوران) ہڈی کو چوستی تو آپ ﷺ جہاں سے میں نے اس ہڈی کو چوسا ہوتا تھا وہاں منہ رکھ کر ہڈی کو چوستے۔ (۳)

(۱) كنز العمال: فضائل الفاروق: حديث: ۳۵۷۵۸

(۲) نسائي: كتاب الطهارة، باب مؤاكلة الحائض والشراب من سؤرها، حديث: ۲۷۹
اس روایت کو البانی نے صحیح السند قرار دیا ہے۔

(۳) ابن ماجه: كتاب الطهارة، باب ما جاء مؤاكلة الحائض وسؤرها، حديث: ۶۴۳،
محقق شعیب الارنؤوط نے اس حدیث کی سند کو مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی بی بی عاتکہؓ سے اس قدر محبت تھی کہ ان کے عشق میں جہاد کو بھی ترک کردیا تھا، اس خیال سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دینے پر مجبور کیا، پہلے تو انہوں نے ٹال دیا؛ لیکن جب ان کی طرف سے سخت اصرار ہوا تو اطاعتِ والدین کے خیال سے طلاق دی اور یہ اشعار کہے:

اعاتك لا انساك ما ذرّ شارق　　وما ناح قمرى الحمام المطوق

اعاتك قلبى كل يوم وليلة　　اليك لما تخفى النفوس معلق

ولم ار مثلى طلق اليوم مثلها　　ولا مثلها فى غير جرم تطلق

اے عاتکہ! سورج چمکتا اور قمری بولتی رہے گی میں تجھے نہ بھولوں گا

اے عاتکہ! میرا دل ہر دن اور ہر رات بصد ہزار تمنا وشوق تجھ سے لگا ہوا ہے

مجھ جیسے شخص نے اس جیسی عورت کو طلاق نہ دی ہوگی اور نہ ایسی عورت کو بغیر گناہ طلاق دی

حضرتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ان اشعار کا سخت اثر ہوا اور انہوں نے رجعت کرنے کی اجازت دے دی۔(۱)

بیوی کے اچھے کاموں کی تعریف کرے

☆ شوہر بیوی کے اچھے کاموں کی تعریف کرے مثلاً: آپ نے کھانا بہت اچھا بنایا، اب یہ کھانے کی تعریف کرنا بھی سنت ہے، نبی کریم ﷺ کے سامنے جب کھانا آتا، اگر کھانا ناپسند ہوتا تو آپ ﷺ خاموش رہتے اور آپ ﷺ کھانا تناول نہ فرماتے، مگر زبان سے کچھ نہ کہتے؛ لیکن اگر کھانا اچھا ہوتا تو آپ ﷺ فرماتے: کھانا اچھا ہے "ما عاب رسول الله طعامًا قطّ ان اشتهاه أكله ان كرهه تركه" (۲)

اگر کسی کام پر تنقید کرنی ہو تو اس کے اچھے کام کی تعریف بھی کی جائے، اگر تعریف کرتے ہوئے کبھی ایک دفعہ تنقید کی جائے تو وہ قابلِ اصلاح سمجھ کر اصلاح کرلے گی، نبی کریم ﷺ کا

(۱) الاستيعاب فى معرفة الأصحاب: ۱۰۷/۲

(۲) بخاری: باب ماعاب النبيا طعامًا قط: حديث: ۵۰۹۳

طریقۂ کار بھی یہی تھا کہ ایک صحابی تھے، تہجد کی نماز میں ان کیلئے اٹھنا مشکل تھا، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان کو بلایا اور نام لے کر فرمایا کہ: یہ آدمی بڑا ہی اچھا ہے، مگر تہجد کا پابند ہوتا تو کیا بات تھی "نعم الرجل عبد الله لو کان یقوم من اللیل" (۱)

بیوی کے عزیز واقارب سے بے اعتنائی نہ کرے

☆ بیوی کے عزیز واقارب سے بے اعتنائی اور بے التفاتی نہ برتے، بیوی کی طرح ان کے اہل خانہ سے بھی محبت رکھے، یہ نہ کہے کہ: تم سے تو مجھے پیار ہے مگر تمہارے ابو، یا تمہاری امی، یا تمہارے بھائی مجھے اچھے نہیں لگتے، ہر شخص کو اپنے والدین، بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ جذباتی لگاؤ ہوتا ہے، یہی حال بیوی کا ہوتا ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے حضرت خدیجہؓ پر غیرت آتی تھی حالانکہ میں نے انہیں دیکھا بھی نہیں تھا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ ان کا کثرت سے ذکر کیا کرتے تھے، کبھی بکری ذبح فرماتے تو اس کا گوشت حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں میں بھیجا کرتے تھے بعض مرتبہ میں نے کہا "کانه لم یکن فی الدنیا امرأة الا خدیجة" کیا دنیا میں خدیجہ کے علاوہ کوئی عورت نہیں ہے تو رسول اللہ ﷺ فرماتے، "انها کانت وکان له منها ولد" ان کا مقام اونچا ہے اور ان سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد عطا فرمائی۔ (۲)

بیوی کے ساتھ وقت گذاری کرے

خوشگوار زندگی کیلئے یہ اصول بھی ملحوظ رہے کہ بیوی کے ساتھ وقت گذاری کریں، یوں نہیں کہ دفتر کی مصروفیات کے بعد دیر رات تک دوستوں کے ساتھ خوش گپیوں میں گذار دیں، جب آنکھیں نیند سے بوجھل ہو جائیں تو بستر پر آ کر دھڑام سے لیٹ جائیں، بیوی سے بات نہ کریں، خیر وخیریت دریافت نہ کریں، صحیح یہی ہے کہ رات کے اوقات اپنے اہل کے ساتھ گھروں میں گذاریں، اسی میں سکون وعافیت ہے۔

---

(۱) بخاری: باب فضل قیام اللیل: حدیث: ۱۰۷۰

(۲) بخاری: باب تزویج النبی، حدیث: ۳۶۰۷

قرآن مجید میں تین چیزیں باعثِ سکون بتلائی گئی ہیں :

۱- ایک بیوی شوہر کیلئے سکون کا باعث ہوتی ہے: چنانچہ قرآن مجید فرمایا: " اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا " (۱) تم میں سے تمہارے لئے جوڑا اس لئے بنایا کہ تم سکون حاصل کرو۔

۲- گھر انسان کیلئے سکون کا باعث ہوتا ہے، اس لئے اس کو مسکن کہتے ہیں " وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا " (۲) اور اللہ نے تمہارے گھروں میں سکون رکھا۔

۳- " هُوَالَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا " (۳) وہ جس نے تمہارے لئے رات بنائی کہ تم سکون حاصل کرو۔

کچھ تجربہ کی باتیں

اپنے ماں باپ، بھائی بہنوں کی بے جا حمایت نہ کرے، بیوی کا احسان سمجھے کہ وہ اپنے علاحدہ مکان کے حق کو معاف کر رہی ہے اور ماں باپ، بھائی بہنوں کی یعنی نند اور دیور کی خدمت کر کے مجھ پر احسان کر رہی ہے، میکے آنے جانے، علاج ومعالجہ اور خرچ وغیرہ دینے کے معاملہ کو شوہر اپنے ذمہ میں رکھے؛ کیوں کہ وہی اس کا ذمہ دار ہے، ہر وقت ہر چیز میں ماں سے اجازت لینے پر مجبور نہ کرے، یہ بات ضرور ہے کہ ماں کی رائے سے اپنی رائے ملانا اور اطلاع واعتماد میں رکھنا بہت ضروری ہے، بیوی کے خاندان کو ذلیل ورسوانہ کرے، اگر نند اور دیور اور جیٹھ جٹھانی سے مزاجوں کی موافقت نہ ہو رہی ہو تو ایک ہی گھر میں رہنے اور ایک ہی چولہے سے کھانے پر اصرار نہ کرے، بیوی کے ماں باپ کیلئے

(۱) الروم : ۲۱
(۲) النحل : ۸۰
(۳) یونس : ٦٨

تحفے تحائف دیا کرے، نہ ہی سسرال کو اپنا دشمن سمجھے کہ وہاں کے کھانے پانی کو بھی قبول نہ کرے اور نہ ہی اتنا بے غیرت بن جائے کہ وہیں کی روٹیوں پر پلنے کو طئے کر چکا ہو، خدائے مجازی ہو کر بھی بیوی کو معاف نہ کرے تو وہ کیسا شوہر ہے؟ ضرور کسی اللہ والے سے اصلاحی تعلق رکھے، قدم قدم پر ان سے پوچھ کر چلتا رہے اور بیوی کو بھی کسی اللہ والے سے وابستہ کرے، کم از کم اتنا تو ضرور کرے کہ دونوں ناراضگی کی حالت میں نہ سوئیں تو ایک بڑھ کر معاملہ صاف کرالے۔

شوہر بیوی کی خوبیاں اور قربانیاں دیکھے، گھر آنے کے بعد دن بھر کی کہانیاں سننے کیلئے وقت دے، بیوی کی خوبیوں کا اعتراف بھی کریں، بیوی کے خاندان کو اپنا خاندان سمجھے، کبھی ساس، سسر، نسبتی برادر، نسبتی ہمشیرہ کو برا نہ کہیں، سسرالی مہمان آنے پر ان کا اپنائیت سے اکرام کرے، والدہ اور بیوی کی شکایت اہتمام سے سن کر ہمیشہ حل کرنے کا اطمینان دلائے، بیوی کو اگر ماں کے ساتھ رکھ رہا ہو تو الگ سے کچھ خرچ بھی دے دیا کرے، ماں باپ کی گھریلو ضرورتوں کا خیال ضرور رکھے مگر یہ مسئلہ میں بیوی کو ان کے ساتھ ماتحت نہ کر دے، ماں کو اعتماد میں لے کر اطاعت میں کام کرے، اپنی بہنوں اور بھائیوں کو بیوی شوہر کے رشتہ میں دخل دینے نہ دے، بیوی سے محبت میں یا ماں سے محبت میں دوسرے پر ظلم ہونے نہ دیں، ایک غصہ میں ہو تو دوسرا خاموش ہو، دونوں ایک ساتھ غصہ نہ کریں، آپریشن، بی پی اور شوگر نارمل کر کے ہوا کرتا ہے، اگر نظامِ جسم غیر معتدل ہو تو آپریشن مفید نہیں ہوتا، نصیحت معتدل فضا میں مؤثر ہوتی ہے، گرم سرد فضا میں نہیں، گھر والی کی گھریلو ضروری اشیاء بروقت فراہم کردے۔

بیوی کی ذمہ داریاں

جس طرح شوہر کے ذمے کچھ حقوق وفرائض ہیں، ایسے ہی عورت سے متعلق کچھ حقوق ہیں جس کی رعایت کرنا زندگی کے اس طویل سفر کو طے کرنے کیلئے نہایت ضروری ہے۔

" وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ " (۱) عورتوں کا حق مردوں پر ایسے ہی ہے جیسا کہ دستور کے مطابق مردوں کا حق عورتوں پر ہے۔

مرد امیر ہے

جب یہ معلوم ہو چکا کہ مرد و عورت زندگی کے سفر کی گاڑی کے دو پہیے ہیں، زندگی کا سفر دونوں کو مل کر ایک ساتھ طے کرنا ہے، اب زندگی کے طویل سفر میں انتظام کے خاطر یہ بات لازم ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک شخص کو سربراہ اور ذمہ دار بنایا جائے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ تین شخص سفر کر رہے ہوں تو ایک شخص کو امیر بنالو؛ تا کہ وہ سارے انتظامات میں اس کے ماتحت ہو" اذا خرج ثلاثة فى سفر فليؤمّر أحدهم " (۲)

لہٰذا جب ایک چھوٹے سے سفر میں امیر بنانے کی تاکید کی گئی ہے تو زندگی کا یہ طویل سفر جو ایک ساتھ گذارنا ہے، اس میں یہ کیسے ہوتا کہ یہ سفر بغیر کسی امیر اور سربراہ کے طے ہو جاتا، زندگی کے اس سفر میں مرد کو سربراہ بنایا جائے یہ زیادہ قرین قیاس ہے، مرد خلقت، فطرت،

---

(۱) البقرة : ۲۲۸

(۲) ابوداؤد: كتاب الجهاد، باب فى القوم يسافرون ويؤمّرون أحدهم، حديث: ۲۶۰۸، علامہ نووی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور یہ کہا کہ: ابوداؤد نے اس روایت کو سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے: المجموع: ۴/ ۲۳۰

قوت، صلاحیت ہر اعتبار سے عورت سے فائق اور برتر ہے، اس کے مقابل عورت پر زندگی کا ایک طویل وقفہ ایسا گذرتا ہے جس میں وہ بڑی حد تک بیکار ہو کر رہ جاتی ہے، دوسروں کی محتاج ہو جاتی ہے، یعنی حمل، رضاعت، بچوں کی تربیت، حیض ونفاس کا زمانہ، اسی کو فرمایا:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (۱) مرد عورتوں پر حاکم ہیں، اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے، اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔

اسی کو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں یوں فرمایا ہے:

'' ضروری ہے کہ مرد کو اس کی بیوی کا قوّام بنایا جائے، اور فطرت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ مرد کو عورت پر غلبہ حاصل ہو؛ اس لئے کہ مرد عقل میں کامل، سیاست میں ماہر، حمایت میں مضبوط اور ننگ وعار کو دور کرنے کی صلاحیت کا مالک ہے، اور اس حیثیت سے بھی مرد کو عورت پر برتری حاصل ہے، مرد عورت کو کپڑا، روٹی اور گھر مہیا کرتا ہے۔'' (۲)

یہاں یہ بات سمجھ لیں کہ '' قوّام'' کا جو لفظ یہاں اللہ عز وجل نے استعمال کیا ہے ''امیر'' ''حاکم'' '' یا بادشاہ'' کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے؛ چونکہ ''قوّام'' کے معنی ذمہ دار کے آتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی گذارنے کا طریقہ وہ طئے کرے گا، اسی کے منصوبے کے مطابق زندگی گذاری جائے گی، اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ شوہر آقا ہے اور بیوی اس کی کنیز یا لونڈی، اسلام میں ''امیر'' یا ''حاکم'' کا یہ مطلب نہیں کہ وہ تخت پر بیٹھ کر حکم چلائے؛ بلکہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے۔ (۳)

---

(۱) النساء: ٣٤

(۲) حجة الله البالغة : حقوق الزوجية ، ١٣٦/٢

(۳) کنز العمال: اداب متفرقة، حدیث: ١٧٥١٧، علي المتقي الهندي کہتے ہیں: اس روایت کو علجونی نے کشف الخفاء میں ذکر کیا ہے اور اس کے متعدد طرق کو بیان کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ: یہ حدیث ضعیف ہے اور کہا ہے کہ: یہ کہا جاتا ہے کہ یہ روایت تعدد طرق کی وجہ سے حسن درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ

مرد، عورت کیلئے ''قوّام'' ہے؛ لیکن ساتھ میں دوستی کا تعلق بھی ہے، انتظامی طور پر ''قوّام'' ہے؛ لیکن باہمی تعلق دوستی جیسا ہے، ایسا تعلق نہیں ہے جیسا آقا اور کنیز کے درمیان ہوتا ہے، اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے دو دوست کسی سفر پر جارہے ہوں، اور ایک دوست نے دوسرے دوست کو امیر بنالیا ہو؛ لہٰذا شوہر اس لحاظ سے تو امیر ہے کہ ساری زندگی کا فیصلہ کرنے کا وہ ذمہ دار ہے؛ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرے جیسے نوکروں، ملازموں کے ساتھ کیا جاتا ہے؛ بلکہ اس دوستی کے کچھ آداب اور تقاضے ہیں، ان آداب اور تقاضوں میں نازکی کی باتیں بھی ہوتی ہیں، جن کو حاکم ہونے کے خلاف نہیں کہا جاسکتا ہے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ :

ہمارے یہاں بعض مرد حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ ہم حاکم ہیں؛ لہٰذا ہمارا اتنا رعب ہونا چاہئے کہ ہمارا نام سن کر بیوی کانپنے لگے، اور بے تکلفی کے ساتھ بات نہ کرسکے، میرے ایک ہم سبق دوست تھے، انہوں نے ایک مرتبہ بڑے فخر کے ساتھ مجھ سے یہ بات کہی کہ جب میں کئی مہینوں کے بعد اپنے گھر جاتا ہوں تو میرے بیوی بچوں کی جرأت نہیں ہوتی کہ وہ میرے پاس آجائیں، اور مجھ سے بات کریں، بڑے فخر کے ساتھ وہ یہ بات کہہ رہے تھے میں نے پوچھا: آپ جب گھر جاتے ہیں تو کیا کوئی درندہ، شیر یا چیتا بن جاتے ہیں، جس کی وجہ سے بیوی بچے آپ کے پاس آنے سے ڈرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ: یہ نہیں؛ بلکہ اس لئے کہ ہم ''قوّام'' ہیں ہمارا رعب ہونا چاہئے، اچھی طرح سمجھ لیں کہ ''قوّام'' ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ بیوی بچے پاس آنے اور بات کرنے سے بھی ڈریں؛ بلکہ اس کے ساتھ دوستی کا تعلق بھی ہے اور دوستی کا تعلق کس طرح ہونا چاہئے اس کا نمونہ ہمیں حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں ملتا ہے، جیسا کے اس بارے میں حضور اکرم ﷺ کے بیویوں کے ساتھ سلوک کے واقعات پہلے گذر چکے۔

بیوی شوہر کی اطاعت اور فرماں برداری کرے

اللہ عزوجل نے مرد کو عورت کے مقابل جو فضیلت اور شرافت سے نوازا ہے، اس کا لحاظ کرتے ہوئے بیوی کو شوہر کی تعظیم بجالانا چاہئے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں کسی کو کسی مخلوق کیلئے سجدہ کا حکم کرتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے "لو کنتُ امر أحدًا أن یسجد لأحدٍ لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها" (۱)

حضرت عبداللہ وضاحی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میری ایک بیوی ہے جب میں اس کے پاس جاتا ہوں تو مجھ سے کہتی ہے: میرے سردار اور میرے گھر کے سردار! تم کو مبارک ہو، "مرحبًا بسیدی وسیدی اهل بیتی" اور جب وہ مجھے غمزدہ دیکھتی ہے تو کہتی ہے: کیا تمہیں دنیا نے غم واندوہ میں مبتلا کررکھا ہے، آخرت کا معاملہ ہی تمہارے لئے بہت زیادہ بھاری ہے، "ما یحزنك الدنیا، وقد کفیت أمر الأخرة" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اسے یہ بتلادینا کہ وہ اللہ کیلئے کام کرنے والوں میں سے ایک ہے، اور اس کیلئے مجاہد کا آدھا ثواب ہے۔ (۲)

عورت شوہر کی محبت اور خوش نودی کو شوہر کی اطاعت وفرمابرداری ہی کے ذریعے حاصل کرسکتی ہے، یعنی جائز امور میں اطاعت کرکے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت پنج وقتہ نماز پڑھے رمضان کے مہینے کے روزے رکھے، اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کرے اور شوہر کی فرمانبردار ہو تو

---

(۱) ترمذی: الرضاع، حق الزوج علی المرأة، حدیث: ۱۱۵۹، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ روایت حسن اور غریب ہے، حاکم اور علامہ ذہبی نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے: المستدرك: کتاب البر والصلة: حدیث: ۷۳۲۵

(۲) کنز العمال: الفصل الثانی فی ترغیبات تختص بالنساء، حدیث: ۴۵۵۱۵۰، علامہ سیوطی نے جامع الکبیر میں فرمایا ہے کہ: اس روایت کو خرائطی نے مکارم الاخلاق میں روایت کیا ہے، اور اس روایت کے ایک راوی زافر بن سلیمان کے بارے میں ابن عدی کہتے ہیں کہ: ان کی بیشتر روایتوں کے متابعات نہیں ہوتے اور حدیثوں کو اس کے ضعف کے باوجود نقل کرتے ہیں۔

وہ جنت کے دروازوں میں سے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے "المرأة اذا صلّت خمسها وصامت شهرها واحصنت فرجها ، واطاعت بعلها فلتدخل من أيّ أبواب الجنّة شاء ت" (۱)

حضرت حصین بن محصن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی ایک پھوپھی نبی کریم ﷺ کے پاس کسی ضرورت سے آئیں، وہ اپنی ضرورت سے فارغ ہو گئیں تو ان سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تم شوہر والی ہو؟ تو انہوں نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا اس کے ساتھ کیسا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا: میں اس کی خدمت کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: سوچ لو تم کتنا حق ادا کر رہی ہو؟ کیوں کہ وہی تمہاری جنت اور دوزخ ہے" فانظری این انت منه، فانّما هو جنّتك ونارك " (۲)

قاضی شریح ؒ نے اپنے ساتھی شعبی سے کہا: میں نے اپنی اہلیہ کی جانب سے بیس سال کی مدت میں کوئی مبغوض اور ناپسندیدہ چیز نہیں دیکھی، شعبی نے تعجب سے کہا: یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ قاضی شریح نے کہا: میں پہلی رات جب اپنی بیوی کے پاس گیا، تو اس کے قریب گیا اور اس کی جانب اپنا ہاتھ بڑھایا، تو بیوی نے کہا: ابوامیہ! رک جاؤ، پھر کہا: تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں اور درود وسلام اللہ کے رسول ﷺ پر...... میں ایک غریب اور اجنبی عورت ہوں اور مجھے تمہارے اخلاق کا کوئی علم نہیں، تم کو جو چیزیں محبوب ہیں اس کو بتلاؤ کہ میں اس کی پیروی کروں اور تمہاری ناپسندیدہ چیزیں بتاؤ کہ میں اس کو ترک کردوں "انّی امرأة غريبة لا علم لی باخلاق فبيّن لی ما تحبّ فاتبعه وما تكره فاتركه " میں نے کہا: حمد وصلاۃ کے بعد! تم نے ایسی بات کہی اگر تم اس پر ثابت قدم رہتی ہو تو اس میں تمہارا اچھا ہے، اور

---

(۱) حلية الاولياء: الربيع بن صبيح، ۳۰۸/۶، دار اكتاب العربی بيروت، الطبعة الثانية علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد اور طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں ابن لہیعہ ہیں، ان کی حدیث حسن درجے کی ہے اور اس کے بقیہ رجال صحیح کے رجال ہیں: مجمع الزوائد: باب حق الزوج علی المرأة ، حديث: ۷۶۳۵

(۲) مسند احمد: حديث محصين بن محصن، حديث: ۱۹۰۲۵ ، محقق شعیب الارنوط کہتے ہیں کہ اس روایت کے حسن ہونے کا احتمال ہے، حصین بن محصن مختلف فیہ ہیں۔

اگر اُسے تم چھوڑ دو گی تو اس کا وبال بھی تم ہی پر ہوگا، مجھے فلاں فلاں چیزیں پسند ہیں اور فلاں فلاں چیزیں ناپسند " أحبّ كذا وكذا وأكره كذا وكذا " (۱)

بیوی شوہر کی جائز اُمور میں اطاعت کے ذریعہ اس کی خوشنودی اور رضامندی کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

اسی کو یوں بیان فرمایا گیا:

تقوی کے بعد مسلمانوں کیلئے بہترین چیز جو اس کیلئے قابل استفادہ ہے، وہ نیک عورت ہے کہ اگر اسے شوہر حکم کرے تو بجالائے، اس کو دیکھے تو خوش کردے، اس کو قسم دے تو پورا کر دکھائے، اور اگر شوہر موجود نہ ہو تو اپنی ذات اور شوہر کے مال میں خیر خواہ بن کر رہے "ما استفاد المؤمن بعد تقوى الله خيرًا من زوجة صالحة ان أمرها اطاعته وان نظر اليها سرّته ، وان أقسم عليها أبرّته ، وان غاب عنها حفظته في نفسها ومالها " (۲)

حضرات صحابیات رضی اللہ عنہن بھی اپنے شوہروں کی رضامندی اور خوشنودی کا نہایت خیال رکھتی تھیں: حضرت حولاء رضی اللہ عنہا عطر فروش تھیں، ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آئیں اور کہا: میں ہر رات کو خوشبو لگاتی ہوں اور بناؤ سنگار کر کے دلہن بن جاتی ہوں اور خالصۃً لوجہ اللہ اپنے شوہر کے پاس جا کر سوتی ہوں؛ لیکن پھر بھی وہ میری طرف متوجہ نہیں ہوتے اور منہ پھیر لیتے ہیں، پھر ان کو متوجہ کرتی ہوں اور پھر اعراض کر لیتے ہیں، رسول اللہ ﷺ آئے تو ان سے بھی اس کا ذکر کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہو، " اذهبي أيتها المرأة فاسمعي واطيعي زوجك " (۳)

---

(۱) عشرة النساء للنسائي: ۱/۱۲۹

(۲) ابن ماجه: باب افضل النساء: حديث: ۱۸۵۷، عجلونی کہتے ہیں کہ: اس کو ابن ماجہ اور طبرانی نے ابوامامہ سے سند ضعیف کے ساتھ نقل کیا ہے؛ لیکن اس کے شواہد موجود ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی بھی کوئی اصل ہے: کشف الخفاء: ۲/۱۸۱، دار احياء التراث العربي

(۳) اسد الغابة : تذكرة حولاء العطارة : ۷/۷۷، دار الكتب العلمية ، بيروت

ایک روز آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ میں چاندی کے چھلے دیکھے فرمایا: عائشہ! یہ کیا ہے؟ بولیں، میں نے اس کو اس لئے بنایا ہے کہ آپ ﷺ کیلئے بناؤ سنگار کروں "صنعتهن أتزين لك يارسول الله" (۱)

ایک صحابیہؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان کے ہاتھ میں سونے کے کنگن تھے آپ ﷺ نے ان کے پہننے سے منع فرمایا، بولیں "انّ المرأة اذا لم تزين لزوجها صفلت عنده" عورت جب اپنے شوہر کیلئے بناؤ سنگار نہیں کرتی ہے تو اس کی نگاہوں سے گر جاتی ہے۔(۲)

شوہر کی اطاعت وفرماں برداری اور اس کی خدمت کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے والدۂ محترمہ حضرت مولانا ابوالحسن ندوی فرماتی ہیں:

''جس کے ساتھ تمہاری شادی ہوئی ہے اگر وہ مفلس ہے تو اسے تونگر سمجھو، اس کی عزت کرو، جو کہیں اس کے خلاف نہ کرو، بغیر ان کی اجازت کسی کام میں ہاتھ نہ لگاؤ، ان کی خوشی کو اپنی خوشی پر مقدم رکھو، جو کچھ تمہیں دیں خوش ہو کے لے لو اور جس کام کو کہیں ایسی خوبی کے ساتھ انجام دو کہ وہ خوش ہو جائیں، انہیں اس قدر آرام دو کہ وہ بے فکر ہو جائیں اور انہیں اپنی قلیل آمدنی سے تکلیف نہ ہو زندہ ہو کر رہیں، اپنے ہم نشینوں میں عزت پائیں، ان کی ضروریات اپنی ضروریات سے پہلے پوری کرو، انہیں جہاں تک ممکن ہو اچھا کھلاؤ، کپڑے ان کی مفلسی کے دور میں خود سی کر پہناؤ، ان کے سب کام اپنے ہاتھ سے کرتی رہو، کسی پر نہ ڈالو، چائے، ناشتہ اور کھانا وقت سے پہلے تیار رکھو، کوئی بات فکر کی اس وقت ان سے نہ کہو، بے ضرورت فرمائش نہ کرو، اگر وہ نہ کر سکیں گے تو ان کو اور تم کو دونوں کو ملال ہوگا، تمہاری قسمت ہے تو ضرور ملے گا، فرمائش بے کار ہے، جو ضرورت ہو حتی المقدور تم ہی پوری کرو،

---

(۱) ابوداؤد: كتاب الزكوة، باب الكنز ما هو وزكوة الحلي، حديث: ۱۵٦٥، حاکم نے اس کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے: المستدرك: كتاب الزكاة، حديث: ۱٤۳۷

(۲) نسائی: كتاب الزينة، حديث: ۵۱٤۲، محقق شعیب الارنؤط کہتے ہیں کہ: اس روایت کی سند ضعیف ہے اس کے ایک راوی ابی زید کی وجہ سے جو ابوہریرہ کے صاحب ہیں، البانی نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔

مردوں کو تکلیف نہ دو، بعضے متحمل مزاج نہیں ہوتے، انہیں سخت تکلیف ہوتی ہے"۔ (۱)

پھر آگے فرماتی ہیں کہ: جب مرد گھر آئیں تو آتے ہی کوئی تردد والی بات نہ ہونے پائے، معلوم نہیں کس خیال میں آئے ہوں اور کیا خیال پیدا ہو جائے، کھانے کے وقت ایسی دلچسپی کی باتیں کرو کہ وہ خوش ہو کر کھائیں...... اگر اللہ نے تمہیں کچھ بھی لیاقت دی ہے تو ان کے غم غلط کرو، مصیبت بٹاؤ، لگی بجھاؤ، آرام دو، تکلیف میں شریک ہو، انہیں فکر مند دیکھو تو کوشش کرو کہ یہ پریشانی دور ہو جائے، اگر قرض دار ہو جائیں تو تم اپنی دست کاری و محنت سے سبکدوش کر دو، یا تمہارے پاس نقد ہو تو ہاتھ میں رکھ دو، یا زیور اتار کر دے دو کہ یہ ادائے قرض کیلئے ہے، اگر چہ وہ تمہارے میکہ کا کیوں نہ ہو، تم بلا تکلف اتار دو اور کچھ خیال نہ کرو؛ لیکن ان پر اپنا احسان نہ رکھو، یہ نہ سمجھو کہ ہم نے ایسا کیا ہے ورنہ سب کیا کرایا بے کار ہے۔ (۲)

شوہر کی شکر گذار اور اِطاعت شعار اور خدمت گذار رہیں

خانہ کعبہ بنانے سے پہلے دو دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بھی مکہ میں آئے ہیں مگر حضرت اسماعیل علیہ السلام دونوں دفعہ گھر میں نہیں ملے اور اور زیادہ دیر ٹھہرنے کا حکم نہ تھا، سو پہلی بار جب تشریف لائے اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گھر میں ایک بی بی تھیں اس سے پوچھا کہ کس طرح گزر ہوتا ہے کہنے لگی کہ بڑی مصیبت میں ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تمہارے خاوند آئیں ان سے میرا سلام کہنا اور یہ کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دیں، چنانچہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر آئے تو سب حال معلوم ہوا، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا: وہ میرے والد تھے اور وہ چوکھٹ تم ہو، وہ یوں کہہ گئے ہیں کہ تجھ کو چھوڑ دوں، چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس بی بی کو طلاق دے کر پھر ایک اور بی بی سے نکاح کیا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ آئے ہیں تو یہ دوسری بی بی گھر میں تھیں، اس دوسری بی بی نے بڑی خاطر کی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے بھی گذران کا حال پوچھا،

(۱) حسن معاشرت : ۳۵-۳۶

(۲) حسن معاشرت : ۳۶-۳۷

انہوں نے کہا: خدائے تعالیٰ کا شکر ہے بہت آرام میں ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کیلئے دعا کی اور فرمایا کہ جب تمہارے شوہر آئیں تو تو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ کو قائم رکھیں چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو آنے کے بعد یہ حال معلوم ہوا، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنی بی بی سے فرمایا کہ: یہ میرے باپ تھے یوں کہہ گئے ہیں کہ تم کو اپنے پاس رکھوں۔(۱)

فائدہ: دیکھو! ناشکری کا پھل پہلی بیوی کو کیا ملا، ایک نبی ناراض ہوئے دوسرے نبی نے اپنے پاس سے الگ کر دیا اور شکر وصبر کا پھل دوسری بیوی کو کیا ملا کہ ایک نبی نے دُعا دی دوسرے نبی کی خدمت میں رہنا نصیب ہوا، بیبیو! کبھی ناشکری نہ کرنا جس حالت میں ہو، صبر وشکر سے رہنا۔(۲)

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کی خدمت گذاری

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کا نام رحمت ہے جب حضرت ایوب علیہ السلام کا تمام بدن زخم ہوگیا اور سب نے پاس جانا چھوڑ دیا، یہ بی بی اس وقت خدمت گزاری میں مصروف رہتیں اور ہر طرح کی تکلیف اٹھاتیں، ایک بار ان کو آنے میں دیر ہوگئی تھی، حضرت ایوب علیہ السلام نے غصہ میں قسم کھائی، اچھا ہو جاؤں تو ان کو سو لکڑیاں ماروں گا جب آپ کو صحت ہوگئی تو اپنی قسم پورا کرنے کا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے یہ آسان حکم کر دیا کہ تم ایک جھاڑ دلو، جس میں سو سینکیں ہوں اور ایک دفعہ ماردو۔(۳)

فائدہ: دیکھو! کیسی صابرہ بی بی تھیں کہ ایسی حالت میں بھی برابر اپنے خاوند کی خدمت کرتی رہیں اور بیماری میں ان کی قسم سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مزاج نازک ہوگیا تھا وہ اس کو بھی سہتی تھیں اس خدمت اور صبر کی برکت تھی کہ اللہ میاں نے ان کو لکڑیوں سے بچوالیا،

(۱) قصص الأنبياء: ذكر مهاجرة إبراهيم بابنه اسماعيل وأمه: ۲۰۷/۱، مطبعة دار التأليف، القاهرة

(۲) بہشتی زیور اختری: ۸، آٹھواں حصہ

(۳) قصص الأنبياء: ذكر ما وقع من الأمور العجيبة في حياة أيوب: ۳۶۸/۱

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بہت ہی پیاری تھیں کہ خدائے تعالیٰ نے حکم کو کیسا آسان کردیا، اب یہ مسئلہ نہیں ہے کہ اس طرح اگر کوئی قسم کھائے تو جھاڑو مارنے سے قسم پوری نہ ہوگی؛ بلکہ ایسی قسم کو توڑ کر کفارہ دینا ہوگا، بیبیو! خاوند کی تابعداری اور اس کی نازک مزاجی کو خوب سہار کیا کرو، تم بھی ایسی ہی پیار بن جاؤ گی۔(۱)

وہ اُمور جن میں شوہر کی اطاعت شرعاً واجب ہے

۱۔ مرد عورت کے نفس پر مطلقاً حاکم ہے، عورت کو اپنے نفس کے بارے میں انکار کا بالکل کسی وقت میں اختیار نہیں، سوائے ان چیزوں کے جن کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔

۲۔ نہ بلا اجازت اور شوہر کی رضامندی اور بلا عذرِ شرعی کے مرد کے گھر سے کہیں باہر جاسکتی ہے۔

۳۔ اور نہ کسی غیر محرم کو بلا اجازت گھر میں بلاسکتی ہے۔

۴۔ نہ خلوت میں کسی غیر محرم کے پاس بیٹھ سکتی ہے، گرچہ پردہ حائل ہو۔

۵۔ نہ تنہائی میں کسی غیر محرم سے بات چیت کرسکتی ہے۔

۶۔ نہ بلا اجازت کسی غیر محرم کے سامنے ہوسکتی ہے۔

۷۔ نہ بلا اجازت زینت ترک کرسکتی ہے؛ کیوں کہ زینت بھی مرد کا حق ہے، جیسے مرد کی زینت عورت کا حق ہے۔

۸۔ نہ بلا اجازت نفلی روزے رکھ سکتی ہے اور تہجد پڑھ سکتی ہے، ان امور میں شوہر کی اطاعت مطلقاً واجب ہے، ورنہ وہ ناشزہ، غیر مطیع ونافرمان کہلائے گی۔

۹۔ عورت مرد کے مال میں بلا اجازت کسی کو بطور صلہ یا ہدیہ دینے کی حقدار نہیں، الا بالمعروف یعنی عرف میں عورتیں جس قدر بلا اجازت دینے کی مستحق ہیں۔(۲)

---

(۱) بہشتی زیور اختری:۹، آٹھواں حصہ

(۲) میاں بیوی کے حقوق: از مولانا مفتی عبدالغنی، مدرس مدرسہ امینیہ دہلی، دینی بک ڈپو

شوہر کی اطاعت کے حدود

شوہر کی اطاعت نیک کاموں میں ہے، ناجائز اموراور حق تلفی اور نقصان دہ اور تکلیف وضرر رساں امور میں اطاعت نہیں۔

جیسا کہ حضرت نواس ابن سمعان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: مخلوق کے کسی ایسے حکم کی بھی تابعداری جائز نہیں جس سے خالق کی نافرمانی ہو، "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق"(۱) یعنی ناجائز امور میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر روانہ فرمایا اور ایک شخص کو اس کا سردار بنادیا اور لوگوں کو اس کی اطاعت کی تاکید کی پس اس نے آگ جلائی اور ان سے کہا آگ میں کود جاؤ پس کچھ لوگوں نے اس کی یہ بات ماننے سے انکار کیا اور کہا ہم تو آگ سے بھاگ کر اسلام میں آئے اور بعض لوگوں نے اطاعت امیر کی بناپر آگ میں داخل ہونا چاہا یہ خبر جناب رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ لوگ آگ میں کود جاتے تو وہ ہمیشہ اسی میں رہتے اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں ہے اطاعت تو صرف معروف میں ہے" لا طاعة في معصية الله أإنما الطاعة في المعروف " (۲)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے "مرقاة الصعود" میں " انما الطاعة في المعروف" حدیث کے تحت لکھا ہے کہ: امام کا حکم شریعت کے حکم کے تابع ہے، اگر امام کسی امر واجب کا شرعی حکم دے تو اس میں امام کی اطاعت بھی واجب ہے اور اگر کسی امر مندوب (مستحب) کا حکم دے تو اس میں امام کی اطاعت بھی مندوب ہے، واجب نہیں، اور اگر کسی امر مباح کا

(۱) شرح السنة للامام البغوی: باب العتق علي الخدمة: ۱۰/ ٤٤، المكتب الاسلامی دمشق

(۲) ابوداؤد: باب الطاعة في المعروف ، حديث: ٢٦٢٥

حکم دے تو اس میں اطاعت مباح ہے نہ واجب، نہ مندوب اور اگر کسی امر مکروہ کا حکم دے تو اس میں اطاعت مکروہ ہے، اور اگر کسی امر حرام کا حکم دے تو اطاعت حرام ہے۔ (۱)

اور شامی میں ہے کہ امیر کی اطاعت ہر امر میں واجب ہے بشرطیکہ معصیت اور خلافِ شرع نہ ہو، اور صریح مضر و نقصان رساں اور تکلیف دہ بھی نہ ہو؛ بلکہ نافع ہو اور مباح ہو۔ (۲)

تو اس سے شوہر کی اطاعت کا حکم بھی خود بخود معلوم ہوا کہ حکم جس درجہ کا ہو تو اطاعت بھی اسی درجہ ہوگی، امر واجب، مستحب، مباح کی اطاعت واجب، مستحب اور مباح ہوگی، اور امر مکروہ، حرام کی اطاعت مکروہ اور حرام ہوگی، مثلاً شوہر بے پردہ ہونے کو کہے، یا نامحرم کے سامنے بلائے، اس طرح کے امور میں شوہر کی اطاعت نہیں کی جاسکتی۔

شوہر کی جنسی خواہش کی تکمیل کی جائے

شوہر کی جنسی خواہش کی تکمیل یہ بھی عورت کا ایک اہم فریضہ ہے؛ اس لئے بیوی کو چاہئے کہ شوہر جب اس کو اپنی خواہش کی تکمیل کیلئے بلائے تو برضا و رغبت اس کیلئے تیار ہو جائے، اس حوالے سے شوہر کی اطاعت کس قدر ضروری ہے کہ اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شوہر جب اپنی بیوی کو اپنی ضرورت کیلئے بلائے تو وہ فوراً اس کیلئے حاضر ہو جائے اگرچہ کہ وہ تنور پر بیٹھی (روٹی پکا رہی ہو) " اذا الرجل دعا زوجته لحاجته خلت له وان كانت على التنور " (۳)

بلکہ ایک روایت میں یوں فرمایا گیا ہے کہ "اگر اس کے حکم کو وہ بجا نہ لائے تو گنہ گار ہوگی" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشادِ گرامی ہے کہ "شوہر جب اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ

---

(۱) از: حاشیہ ابو داؤد: ۱/۳۵۳، مطبوعہ مجتبائی، کتاب الجهاد

(۲) میاں بیوی کے حقوق: از مولانا مفتی عبدالغنی، مدرس مدرسہ امینیہ دہلی، دینی بک ڈپو

(۳) ترمذی: حق الزوج على المرأة، حدیث: ۱۱۶۰، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

آنے سے انکار کردے تو فرشتے اس پر صبح تک لعنت کرتے رہتے ہیں "اذا دعا الرجل امرأته الی فراشه فأبت أن تجئ لعنها الملائکة حتی تصبح " (۱)

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عورت اللہ عزوجل کا حق اس وقت تک ادا نہیں کرسکتی جب تک کہ وہ اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے، اگر وہ اس وقت اونٹ کے پالان پر ہو اور وہ اس سے اس کے نفس کا سوال کرے تو اُسے اس کے حق سے نہ روکے " المرأه لا تؤدی حق اللہ حتی تؤدی حق زوجها کله ولو سألها وهو علی ظهر قتبٍ لم تمنعه حقها " (۲)

شوہر کے گھر کی نگرانی کرے

عورت کا ایک فرض یہ بھی ہے کہ وہ شوہر کے گھر کی نگرانی اور حفاظت کرے، اس کی حفاظت اور نگرانی میں بچوں کی تربیت، شوہر کے مال و جائیداد کی حفاظت اور خود اپنی عفت و عصمت کا تحفظ، یہ تمام باتیں داخل ہیں، اسی کی جانب اللہ عزوجل کے اس ارشاد میں اشارہ ہے "حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ " (۳) ان پوشیدہ امور کی حفاظت کرے، جس کی حفاظت اللہ نے کر رکھی ہے۔

آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ " کلّکم راع وکلکم مسئول عن رعیته" تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے، اور ہر شخص سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال ہوگا، اور پھر آگے آپ ﷺ نے فرمایا: "والمرأة راعیة علی بیت زوجها ولده " اور وہ اپنے شوہر کے بچوں اور اس کے گھر پر نگہبان ہے۔ (۴)

---

(۱) بخاری: کتاب النکاح، اذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها، حدیث: ۴۸۹۷

(۲) ابن ماجه : باب حق الزوج علی المرأة ، حدیث : ۱۸۵۳ ، اس روایت کو حاکم نے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذھبی نے ان کی موافقت کی ہے، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے مغیرہ بن مسلم کے وہ ثقہ ہیں: مجمع الزوائد : باب حق الزوج علی المرأة ، حدیث : ۷۶۳۴

(۳) النساء: ۳۴

(۴) بخاری: باب الجمعة فی القریٰ والمدن، حدیث: ۸۵۳

اگرچہ شوہر اور اس کے گھر کی حفاظت کا یہ وصف تمام صحابیات میں موجود تھا؛ لیکن قریش کی عورتیں اس حوالہ سے خاص طور پر ممتاز تھیں، چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے ان کی اس خصوصیت کو نمایاں کیا " نساء قریش خیر نساء رکبن الابل ، احناه علی الطفل، وارعاه علی زوج فی ذات یده " قریش کی عورتیں کس قدر اچھی ہیں، بچوں سے محبت رکھتی ہیں اور شوہر کے مال واسباب کی نگرانی کرتی ہیں۔ (۱)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی، ایک بار وہ گھر میں تھیں کہ ایک غریب سوداگر آیا اور کہنے لگا کہ: اپنے سایۂ دیوار میں مجھ کو سودا بیچنے کی اجازت دیجئے، تو وہ عجیب کشمکش میں مبتلا ہوگئیں، فیاضی اور کشادہ دِلی سے اجازت دینا چاہتی تھیں؛ لیکن شوہر کی اجازت کے بغیر حکم نہیں دے سکتی تھیں، بولیں: اگر میں اجازت دے دوں گی اور زبیر رضی اللہ عنہ انکار کردیں تو بڑی مشکل پڑے گی، زبیر کی موجودگی میں آؤ، اور مجھ سے سوال کرو، وہ اسی حالت میں آیا اور کہا: ام عبداللہ! میں محتاج آدمی ہوں، آپ کی دیوار کے سایہ میں کچھ سودا بیچنا چاہتا ہوں، بولیں تم کو مدینہ میں میرا ہی گھر ملتا تھا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہارا کیا بگڑتا ہے جو ایک محتاج آدمی کو خرید وفروخت سے روکتی ہو، وہ تو پہلے سے چاہتی تھیں کی اجازت دے دیں۔ (۲)

شوہر کی بغیر اجازت کے گھر سے باہر نہ جائے

☆ بیوی بلا اجازت شوہر کے عام حالات میں گھر کے باہر نہ جائے، ارشادِ خداوندی ہے " اَسۡكِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِكُمۡ " (۳) عدت گذارنے والی عورتوں کو اپنی حیثیت کے موافق بہ رہنے کا مکان دینا۔

---

(۱) بخاری: باب الی من ینکح وای نساء خیر، حدیث: ۴۷۹۴

(۲) مسلم: کتاب الأدب، باب جواز ارداف المرأة الأجنبية اذا عييت فی الطريق ، حدیث: ۲۱۸۲

(۳) الطلاق: ۶۵

اسی لئے عورتوں کو اندرونِ خانہ رہنے کو کہا گیا ہے: ”وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی“ اے نبی ﷺ کی بیویو! اپنے گھروں میں ٹھہری رہو، اور اس طرح زینت دکھاتی نہ پھرو جس طرح اگلی عورتیں جاہلیت کے زمانے میں دکھاتی تھیں۔(۱)

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں: ”ومنها ملك الحبس والقيد وهو صيروتها ممنوعة عن الخروج والبروز“ (۲)

شوہر کا ایک حق ”حبس“ اور بیوی کو روکے رکھنے کا ہے یعنی وہ اپنی بیوی کو نکلنے اور گھر سے باہر جانے سے روک سکتا ہے۔

مجبوری کی صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں مثلاً: بیوی کے والدین شدید بیمار ہوں اور کوئی تیماردار موجود نہ ہو تو شوہر کی ممانعت کے باوجود تیمارداری کیلئے والدین کے پاس جانا جائز ہے، ”ولو أبوها زمنًا فاحتاج فعليها تعاهده ولو كافرًا وان ابى الزوج“ (۳) اگر عورت کا باپ مثلاً اپاہج ہو، اور بیٹی کی خدمت کا محتاج ہو تو عورت پر اس کی دیکھ بھال واجب ہے، گو وہ کافر ہو، اور شوہر اس کی اجازت نہ دیتا ہو۔

اسی طرح والدین سے ملاقات وغیرہ کیلئے بھی (اگر والدین خود بیٹی کے پاس آنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں) تو جا سکتی ہے، کتنی مدت میں جا سکتی ہے، یہ رواج پر موقوف ہے۔

اس کے علاوہ خواتین اپنی اہم ضروریات کیلئے گھر سے باہر جا سکتی ہیں، جیسے: بیمار پڑ جائیں اور گھر سے باہر نکلے بغیر علاج ممکن نہ ہو وغیرہ، ابنِ نجیم مصری نے لکھا ہے کہ اگر عورت کو کوئی مسئلہ درپیش ہو اور شوہر معلوم کر کے اس کو مطلع نہ کر سکے تو تحقیق مسئلہ کیلئے کسی عالم یا مفتی کے پاس جا سکتی ہے۔(۴)

---

(۱) الأحزاب: ۳۳
(۲) بدائع الصنائع: ۲/۳۳۱
(۳) رد المحتار: ۲/۶۶٤
(۴) البحرالرائق: ٤/۱۹۵

عورتوں کو ہدایت

بہتر ہے کہ فون اس زمانے میں شوہر کی اجازت کے بغیر استعمال نہ کریں؛ بلکہ اس کے فون سے اپنی ضروریات پوری کرلیں تو بہتر ہے، شوہر کی موجودگی میں اپنے رشتہ داروں سے طویل گفتگو نہ کریں؛ بلکہ شوہر کو وقت دیں، بیوی شوہر کو یاد رکھنا چاہیے کہ دونوں ایک دوسرے کے ماں باپ کے احترام کے بغیر اپنے رشتہ کو مضبوط نہیں کرسکتے، جب کبھی میکہ آئیں تو اپنی ساس کی خیر خیریت ضرور لے لیا کریں اور ساس کیلئے کوئی نہ کوئی ہدیہ ضرور لے جائیں، شوہر جب غصہ میں ہو تو خاموش ہو جائے، جائز چیزوں میں صرف شوہر کی اطاعت کریں، اچھی طرح جان لے کہ خاموش رہنے سے نقصان نہیں ہوتا، زبان میں ہڈی نہیں، اس سے ہڈی تو کیا رشتہ بھی ٹوٹ جاتا ہے، ساس سے جلد جدا ہونے کی فکر نہ کرے، اخیر بڑھاپے میں اسے بھی تو اپنی اولاد کا سہارا چاہیے، سسرال میں میکے کی تعریف ہرگز نہ کرے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بہشتی زیور میں عورتوں کو بہت ساری نصیحتیں اور مفید ہدایات اور انتظامی اور خانگی امور سے متعلق چند ایک ہدایات دی ہیں جس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

بہترین جہیز

(مولانا سید عبدالحق صاحب رحمہ اللہ نے اپنی بیٹی سلمہا اللہ تعالیٰ کے عقد نکاح کے وقت جو کہ سنت کے طریق پر کیا گیا تھا چند ہدایتیں بوقتِ رخصتی لکھ کر دیں، جس کو افادۂ عام کیلئے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اپنے کتاب ''بہشتی زیور'' کے چھٹویں حصہ میں شامل کیا تھا وہ یہ ہیں):

حامداً و مصلیاً: پیاری دختر ''أسعدك الله تعالىٰ فى الدارين متفاولا باسمك الميمون'' ابھی تک تم اپنی مادرِ مشفقہ (مشفق ماں) اور اپنے مہربان والد کے

سایۂ عاطفت میں پرورش پاتی رہی ہو، تمہارے والدین تمہارے آرام وراحت کو ہر چیز پر مقدم سمجھتے رہے ہیں، تمہاری تعلیم وتربیت ودرستی واخلاقی اور ہر قسم کے بہبودی کے ذمہ دار تھے، آج تم ایک نئی دنیا میں قدم رکھتی ہو جہاں تمہارے تمام اخلاق وعادات اور حرکات وسکنات کی ذمہ داری تم خود پر عائد ہوگی، اس لئے میں چند ہدایتیں تم کو کرتا ہوں کہ اگر تم ان پر کار بند ہوگی تو انشاء اللہ تعالیٰ دین اور دنیا کی کامیابی تم کو نصیب ہوگی، وہ ہدایتیں یہ ہیں:

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت

سب سے مقدم اور اس کے رسولِ مقبول ﷺ کی اطاعت ہے، اس کا ہمیشہ دل سے خیال رکھو، خداوند تعالیٰ اور رسولِ مقبول ﷺ کے خلاف اگر کوئی کام کہے کہنے والا خواہ کوئی ہوئی ہو، اس کا کہنا ہرگز مت مانو، دیکھو ماں باپ کی اطاعت کی قرآن مجید میں حد درجہ تاکید آئی ہے اور جنت ماں باپ کے قدموں کے نیچے ہے؛ لیکن خداوند تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے خلاف اگر ماں باپ بھی کہیں تو ان کا کہنا نہ مانو اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے، ”فَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِاللّٰهِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا“ اگر ماں باپ تجھے میرے ساتھ اس چیز کو شریک کرنے پر مجبور کریں جس کا تجھے علم نہیں ہے تو ان کی اطاعت اس بات میں مت کر اور دنیا میں ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتی رہ، ہم نے جو چہل حدیث تمہارے واسطے تالیف کی ہے اور اسے تم نے ترجمہ کے ساتھ یاد بھی کرلیا ہے، اس میں یہ حدیث: ”لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق“ خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہ چاہئے، پس جب تمہیں تہ دل سے اطاعتِ الٰہی کا خیال رہے گا تو جو احکامِ خداوندی ہیں تم خود ان کی پابند رہوگی، شرائع اور احکامِ الٰہی بہت ہیں، جن کی کسی قدر تفصیل تم نے دینی رسالوں خصوصاً بہشتی زیور میں پڑھی ہے، ان سب کی یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں؛ البتہ ان میں جو نہایت اہم ہیں ان کا ذکر اختصار کے ساتھ کیا جارہا ہے۔

نماز کی پابندی

بعد اعتقادِ توحید الٰہی و رسالت پناہی محمد مصطفیٰ ﷺ کے جو چیز اہم اور قرآن شریف میں جا بجا اس کی تاکید آئی ہے وہ نماز ہے، نماز اسلام کا ایسا رُکن اور فرض اہم ہے کہ عاقل، بالغ سے یہ کسی وقت ساقط نہیں ہوتا، پس نماز پنجگانہ نہایت پابندی کے ساتھ ہمیشہ وقت پر سفر و حضر میں برابر ادا کرتی رہو، اکثر مستورات پابند نماز ہونے پر بھی سفر کی حالت میں زیادہ اہتمام نماز کا نہیں رکھتیں، اس کا تم خیال رکھو کہ سفر میں بھی تمہاری نماز قضا نہ ہو، سفر یا ریل کا ہوتا ہوتا ہے یا بس وغیرہ کا، اگر اپنی گاڑی سے سفر ہو تو اپنی سواری ایک طرف ٹھہرا دو اور ایک طرف ہو کر برقع یا بڑی چادر سے نماز پڑھ لو، اگر وضو نہیں ہے تو کسی بھی آڑ میں وضو کر لو، اور اگر ریل کی سواری ہے تو اور تم ایسی گاڑی میں سوار ہو جو مستورات کیلئے مخصوص ہے تو اس میں تم کو جبکہ تم نے پورا عزم نماز پڑھنے کا کر ہی لیا ہے خواہ کیسی کشمکش ہو نماز پڑھنے کی جگہ مل جائے گی، ریل اکثر اسٹیشنوں پر اتنی دیر ٹھہرتی ہی ہے کہ دو یا تین رکعت نماز پڑھ لیجاوے؛ کیوں کہ سفر شرعی میں یا دو رکعت نماز فرض ہے یا تین رکعت، پس اس قدر مہلت ضرور مل جاتی ہے، اگر سنن و نوافل مذکورہ بالا سفر میں نہ ہو سکیں تو کچھ مضائقہ نہیں؛ مگر فرض و واجب سفر کی حالت میں بھی نہ چھوڑو، اور اگر تم ایسی گاڑی پر سوار نہیں ہو جو عورتوں کیلئے مخصوص ہو تو ایسی صورت میں ضرور ہے کہ تمہارا شوہر یا محرم تمہارے پاس بیٹھا ہوگا، وہ ضرور تمہارا کفیل ہوگا، غرض عزم بالجزم کے سامنے کوئی روک نہیں جو نہایت مضبوطی کے ساتھ نماز کا پابند ہوگا خواہ عورت ہو مرد، سفر میں بھی نماز ادا کرے گا، ریل کی سواری گو اختیاری سواری نہیں ہے؛ مگر ترکِ نماز کے واسطے ہرگز عذر نہیں ہے، ہم بہت خوش ہیں کہ تم نماز نہایت اطمینان کے ساتھ جس میں پورے طور سے تعدیل ارکان ہوتی ہے ادا کرتی ہو، اللہ تعالیٰ تم کو مزید توفیق حسنات عنایت فرمائے، فرائض کے سوائے سنن مؤکدہ کا التزام بھی رکھو اور ہو سکے تو اور سنن و نوافل جو حدیث سے ثابت ہیں پڑھا کرو، تہجد کی نماز کا بہت بڑا ثواب ہے، اور ہمارے حضور اکرم ﷺ نے ہمیشہ تہجد کی نماز پڑھی ہے، اگر کبھی رات میں

پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہے تو دن میں اس کو پڑھا ہے، آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن بھی تہجد کی نماز پڑھتی تھیں، تہجد کا وقت مقبولیتِ دعا اور نزولِ رحمت کا وقت ہے۔

تلاوتِ قرآن کا اہتمام

کسی ایک نماز کے بعد تلاوتِ قرآن شریف بھی کرتی رہو، صبح کی نماز کے بعد وقتِ تلاوت مقرر رکھو تو اچھا ہے، تم نے قرآن شریف اور قرآن شریف کا ترجمہ پڑھا ہے، تلاوت کے وقت ترجمہ کا بھی دھیان رکھو، اور جہاں سمجھ میں نہ آوے اسے پوچھ لو یہ نہایت خوشی کی بات ہے کہ تم قرآن شریف پڑھنے میں حروف کو ان کے مخارج سے ادا کرتی ہو، اور عین اور حائے حطی اپنے مخارج سے ادا ہوتے ہیں، ورنہ عموماً عورتوں سے قرآن شریف پڑھنے میں مخارج سے حروف ادا نہیں ہوتے، حائے حطی اور ہائے ہوز اور عین کی جگہ الف یعنی ہمزہ نکلتا ہے۔

روزہ کا اہتمام

روزہ کی نسبت تمہیں تاکید کرنے کی ضرورت نہیں ہے، تم خود علاوہ رمضان شریف کے اور نفلی روزے بھی رکھتی ہو، جیسا کہ اکثر لڑکیوں کی عادت ہے اور خاص اس بات میں عورتوں کی ہمت مردوں سے زیادہ ہے؛ لیکن کہنے کی ضروت یہ ہے کہ روزے کو پاک وصاف رکھو، غیبت سے تو پرہیز ہر حالت میں ضروری ہے، کیوں کہ غیبت سخت گناہِ کبیرہ ہے، اس کیلئے قرآن شریف اور حدیث شریف میں سخت وعید ہے؛ لیکن خاص کر روزہ میں بہت زیادہ خیال رکھنا چاہئے کہ کسی کی غیبت نہ ہو؛ غیبت سے روزہ کا ثواب جاتا رہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو ایسے روزہ کی پرواہ نہیں ہے جس میں آدمی جھوٹ اور غیبت وغیرہ میں مبتلا ہو۔

زکوۃ کی اہمیت

زکوۃ فرض ہے جیسے کہ تم نے دینی رسالوں میں پڑھا ہے اور اس کی شرائط کی تفصیل اور سونے چاندی کی مقدارِ نصاب کا حال اور مصارفِ زکوۃ کی طرف سے بے پرواہی ہوتی ہے

اول تو مال ایک عزیز چیز ہے، یوں بھی انسان کا دل اسے الگ کرنے نہیں چاہتا، دوسرے سستی اور لاپرواہی سے زکوۃ ادا نہیں کی جاتی ہے، اس کے ادا کرنے کا بہت خیال رکھنا چاہئے، تمہیں جو زیور ہم نے دیا ہے وہ قدرِ نصاب کو پہنچ گیا ہے، اس کی زکوۃ ہمیشہ ادا کرنی چاہئے، اگر شوہر بی بی کی جانب سے دے دے تو جائز ہے، اگر کوئی عورت جس پر زکوۃ فرض ہے اپنے مال میں سے زکوۃ دے، اور اس کا شوہر منع کرے تو اس میں شوہر کا کہنا نہ ماننا چاہئے جیسا کہ اوپر حدیث میں مذکور ہوا، "لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق" یہ مسئلہ صرف آگاہی کے واسطے لکھ دیا ہے، ورنہ انشاء اللہ تعالیٰ تمہیں ہرگز ایسا موقع پیش نہ آئے گا۔

حج کی فرضیت

حج فرض ہے استطاعت ہونے پر اور جس شخص پر حج فرض ہو جائے اور وہ حج ادا نہ کرے تو اس کیلئے سخت وعید حدیث میں آئی ہے، ایسے شخص کے نا مسلمان مرنے کی وعید مخبر صادق ﷺ نے فرمائی ہے، ہمیں معلوم ہے کہ تمہارے پاس جو زیور ہے، وہ اس قدر نہیں ہے کہ حج تم پر فرض ہو، عورت کیلئے علاوہ زادِ راہ کے محرم یا شوہر کا ساتھ ہونا بھی شرط ہے جیسا کہ تم نے دینی رسائل میں پڑھا ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی قدرت دے کہ حج فرض ہو جائے تو بلا تامل وتساہل حج ادا کرنا چاہئے۔

اب ہم چند باتیں تمہارا معاشرت کے متعلق ذکر کرتے ہیں:

شوہر کی فرمانبردار عورت پر واجب ہے اور احادیث میں اس کی بہت تاکید آئی ہے اور رسولِ مقبول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: اگر میں کسی انسان کیلئے سجدہ کرنے کا حکم کرتا تو عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے؛ مگر چونکہ ہماری شریعت میں سجدہ تعظیم بھی حرام ہے؛ اس لیے آپ نے سجدہ کرنے کی کسی کو اجازت نہیں دی، اس حدیث سے خیال کرنا چاہیے کہ کس قدر شوہر کی فرمانبرداری کا حکم ہے، اور جو عورت شوہر کی نافرمانبردار ہو، اور شوہر اس سے ناراض ہو وہ عورت اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور رہتی ہے تاوقتیکہ شوہر کو

رضا مند نہ کرے، یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اگر کوئی شوہر فرائض کے ادا کرنے سے ناراض ہو تو اس کی پرواہ نہ کرنی چاہیے، جیسا کہ مکرر حدیث " لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق " ذکر کی گئی ہے یہاں بھی صرف آگاہ کے واسطے یہ مسئلہ ذکر کر دیا، ورنہ انشاء اللہ تعالیٰ تمہیں یہ موقع پیش نہ آئے گا، تین وصف جس عورت میں ہوں اس سے کبھی اس کا شوہر ناخوش نہ ہوگا جن کو سعدی علیہ الرحمہ نے بوستان کے اس شعر میں جمع کر دیا ہے:

زن خوب و فرماں بر و پارسا　　　　کند مرد درویش را بادشا

(خوبصورت اور فرماں بردار، پرہیزگار عورت فقیر مرد کو بادشاہ بنا دیتی ہے، یعنی بادشاہی کا لطف اس مرد کو عورت سے حاصل ہوتا رہتا ہے)

ان میں آخری کی دو صفتیں اختیاری ہیں اگر کسی عورت میں پہلی صفت نہ بھی موجود ہو تو آخری کے دو وصف موجود ہونے سے میاں بیوی کے تعلقات خوشگوار رہیں گے اور پہلی صفت موجود ہو، اور دو آخری کی مفقود ہوں تو ایسی عورت دنیا میں بدنام اور آخرت میں اس کیلئے سخت عذاب ہے جو عورت شوہر کی فرمانبردار نہ ہو، یا تند مزاج ہو، بات بات میں جھگڑا پیدا کرے تو اس کیلئے بھی سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے

زن بد در سرائے مرد نکو　　　　ہم دریں عالم است دوزخ او

(بدزبان عورت نیک مرد کے گھر میں اسی عالم میں یعنی دنیا میں اس کیلئے دوزخ ہے)۔

اور واقعی بات بھی یہ ہے کہ جس گھر میں زن و شوہر کے تعلقات خوشگوار نہیں ہیں وہ گھر مثل جہنم کے ہو جاتا ہے علاوہ اس کے کہ لوگ ان پر ہنستے ہیں خود زن و شوہر کی زندگی وبال جان ہو جاتی ہے، چنانچہ یہ کیفیت ہم نے کہیں کہیں دیکھی ہے اور جس گھر میں زن و شوہر کے تعلقات خوشگوار ہیں وہ گھر اگرچہ غربت اور افلاس کا گھر ہو لیکن وہ دولت خانہ اور بادشاہ محل سے بہتر بلکہ نمونہ جنت بن جاتا ہے یہ ممکن ہے کہ کبھی شوہر کی خفگی ایسی وجہ سے ہو جو تمہارے خیال میں واجب نہیں ہے اور ممکن ہے کہ واقعی ایسا ہو تو اس حالت میں بھی تم نہایت

تحمل اور وقار سے برداشت کرو حتی کہ تمہاری زبان سے تو کیا کسی اشارہ اور ادا سے بھی یہ بات نہ معلوم ہو کہ غصہ بے حد تھا، تمہارا تحمل آخر کار خود اس کو آگاہ کر دے گا کہ یہ غصہ ناواجب تھا، اور اس کا انجام بہت اچھا اور تم پر وفور مہربان کا سبب ہوگا جبکہ اس برتاؤ سے دشمن بھی دوست ہو جاتا ہے تو شوہر تو شوہر ہی ہے، اس تحمل میں اس بات کا ضرور خیال رہے کہ آنکھ بھوؤں نہ چڑھے بلکہ ہشاش بشاس رہنا چاہیے، اور کلام میں حرکات وسکنات میں ناراضگی کا اظہار ہرگز ہرگز نہ ہو۔

شوہر کے ساتھ گفتگو اور خطاب میں شوہر کے مرتبے کا لحاظ رکھو یہ بات بے تکلفی میں بھی ملحوظ رہنی چاہیے۔

خطاب میں ایسا لفظ جس سے سوءِ ادب معلوم ہو، ہرگز مت استعمال کرو۔

اگر شوہر کچھ کہے تو اول غور سے سنو، پھر ادب کے ساتھ مناسب جواب دو، نہ بہت بلند آواز سے اور نہ اس پست آواز سے کچھ سنائی نہ دے۔

اگر کسی واقعہ کا علم شوہر کو نہ ہو یا مغالطہ ہو تو اس واقعہ کی نسبت غلط فہمی کو بہت ادب واحترام کے ساتھ رفع کرو، ایسے الفاظ نہ ہوں جن سے شوہر کے اس واقعہ کی نسبت علم کی تحقیر ہو۔

اور اگر بمقتضائے بشریت تم سے غلطی ہو یا فروگذاشت کسی امر میں ہو جائے تو اس کا اقرار کر کے معافی مانگ لو، اس کا بہت اچھا اثر ہوگا۔

تمہیں کوئی چیز دریافت کرنی ہو، خواہ وہ مسائل دین سے تعلق رکھتی ہو، خواہ معاملات دنیا سے تو اسے بکشادہ پیشانی دریافت کرو، اور اچھے طرح سمجھ کر تسکین کر لو۔

در طلب کردن حقیقت کار   از خدا شرم دار و شرم مدار

(کسی مسئلہ کے دریافت کرنے میں شرم نہ کرنی چاہئے،
شرم خدا سے کرنی چاہیئے کہ گناہ نہ ہو)۔

عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ شوہر کی ناشکری کرتی ہیں، یہ عادت بہت بری ہے۔

شوہر یا خسر کی جانب سے جو کھانے پینے کو ملے اس کو شکر کے ساتھ قبول کرنا چاہیے۔

اور گو کتنا ہی قلیل ہو، اس پر بھی شکر واجب ہے، لاکھوں ایسے ہوں گے جن کو نہ تم جیسا کھلانے کو، اور نہ تم جیسا پہننے کو ملتا ہوگا اور نہ تم جیسا آرام ہوگا۔

کھانے پہننے میں دولت مندی میں ہرگز کسی کی حرص مت کرو۔

رشک وحسد سے بچو کہ اس میں علاوہ سخت گناہ کے خود انسان عذاب میں مبتلا رہتا ہے۔

دنیا کے اسباب میں ہمیشہ اپنے سے کمتر پر اور دین کے کاموں میں ہمیشہ اپنے سے بالاتر پر نظر رکھو، اس سے تم کو دنیا میں راحت اور نیک کی توفیق ہوگی۔

ہدایت سسرال کے گھر والوں کے ساتھ آداب معاشرت

خوش دامن کا ادب ہر امر میں مثل اپنی والدہ مشفقہ کے کرو، اور ہر حال میں ان کی رضا مندی کو مقدم سمجھو، خواہ تم کو تکلیف ہو یا راحت، مگر ان کی خلاف مرضی ایک قدم مت چلو، زبان سے کوئی ایسا لفظ مت نکالو جس سے ان کو کلفت ہو، ان سے جب بات کرو، اور خطاب کرو تو ایسے الفاظ سے خطاب مت کرو جیسے اپنی برابر والیوں سے خطاب کرتی ہو، بلکہ ان الفاظ سے خطاب کرو جو بزرگوں کیلئے استعمال کیے جاتے ہیں، (چنانچہ ہم نے آدابِ شوہر میں اس کا بیان کر دیا ہے)، اگر خوشدامن تم کو کسی امر میں تنبیہ کریں تو ان کے کہنے کو خاموشی کے ساتھ سننا چاہیے، اگر بالفرض ناگوار اور تلخ بھی کہیں جس کی امید نہیں ہے تب بھی اس کو شربت خوشگوار کے گھونٹ کی طرح پی جاؤ، اور ہرگز درشتی سے جواب نہ دو، اور ان کی خدمت مثل اپنی والدہ کے کرو، اگر کسی کو کوئی کام کہہ دیں تم اس کو اپنی طرف سے انجام دو، سسر کی تعظیم واحترام مثل اپنے والد مہربان کے کرو، اور جس طرح خوشدامن کے ساتھ کلام کرنے میں ادب کا بیان ہم نے کیا ہے یہاں بھی اس طرح لحاظ رکھو، مثلاً اگر کوئی تم سے دریافت کرے کہ وہ کہاں گئے ہیں تو تم اس کے جواب میں کہو کہ فلاں جگہ تشریف لے گئے ہیں، اگر کوئی پوچھے کہ فلاں امر کی نسبت انھوں نے کیا کہا ہے؟ تم جواب میں کہو کہ ایسا فرمایا ہے ان کو آرام پہنچانے اور ان کی خدمت کرنے میں جہاں تک ممکن ہو، سعی کرو۔

کسی تقریب میں جانا ہو یا کسی عزیز سے ملنے جانا ہو تو اپنے سسر و شوہر سے اجازت لو، اور اگر وہ موجود نہ ہوں تو خوشدامن سے اجازت چاہو، اگر اجازت دیں تو جاؤ، ورنہ مت جاؤ، اگر کسی تقریب میں جانے کو کہیں تو جاؤ، گو تمہارا جی نہ چاہتا ہو، یہ نہیں ہو سکتا کہ خدانخواستہ وہ تمہیں ایسی جگہ جانے کو کہیں جہاں منہیاتِ شرعیہ ہوں جس گھر یا مجلس میں منہیاتِ شرعیہ ہوں وہاں جانا منع ہے۔

اگر کوئی بی بی تم سے مرتبہ اور عمر میں بڑی ہے جیسے شوہر کے بھائی کی بیوی، اس کے ساتھ گفتگو اور نشست و برخاست میں اس کے مرتبہ کا لحاظ رکھو، اور اس کے ساتھ اس طرح شیر و شکر ہو کر رہو کہ گویا سگی بہنیں ہیں، ایک بڑی اور ایک چھوٹی، تم اگر ایسا برتاؤ رکھو گی تو ضروری ہے کہ طرفِ ثانی سے بھی ایسا ہی برتاؤ ہوگا اور اگر عمر و مرتبہ میں تم سے چھوٹی ہے تو اس کے ساتھ محبت اور پیار کا برتاؤ رکھو، اور اس کو نہایت نرمی و ملایمت سے اچھی اچھی باتوں کی تعلیم دیتی رہو، اور وہ کوئی کام کرے تو تم خود مدد دے کر وہ کام کرا دو، اسی طرح شوہر کی بہن بھانجی وغیرہما کے ساتھ علی قدر المراتب سلوک اور مدارات سے پیش آؤ مگر اس میں حدِ اعتدال کو ضرور ملحوظ رکھو، کیونکہ حدِ اعتدال سے زیادہ مدارات میں نباہ مشکل ہے۔

اپنے گھر میں بیبیوں کے ساتھ جب بیٹھو یا کسی دوسرے گھر کسی تقریب میں عورتوں میں شامل ہو تو کسی کی نسبت پس پشت ایسی بات مت کہو کہ اگر وہ سنے تو برا مانے، اس کو غیبت کہتے ہیں، غیبت کرنے کا سخت گناہ ہے، اس کی نسبت اول بھی ہم نے روزے کے بیان میں ذکر کیا ہے، اور اب یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعض آدمی کہا کرتے ہیں، ہم کوئی جھوٹ بات نہیں کہتے، یہ بات تو فلاں شخص میں موجود ہے، یاد رکھو یہ نفس کا ایک مکر ہے، غیبت کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ جو عیب کس کا بیان کیا وہ اس میں نہ ہو بلکہ کسی کی واقعی عیب کا بیان کرنا غیبت ہے اور اگر وہ عیب اس شخص میں نہیں ہے تو دو چند گناہ ہوتا ہے تہمت کا اور غیبت کا۔

گھر میں جو بچے ہیں خواہ وہ تمہارے سسر کی اولاد ہوں یا ایسے قریب رشتہ داروں کے جو اس گھر میں رہتے ہیں ان کے ساتھ نہایت شفقت و مہربان سے پیش آؤ، حدیث شریف میں

آیا ہے کہ جو شخص بڑوں کا ادب نہ کرے اور چھوٹوں پر رحم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، ہمارے حضورِ اقدس رسولِ مقبول ﷺ کو بچوں کے ساتھ بہت محبت تھی، حتی کہ ایک مرتبہ ایک بچے نے آپ ﷺ کی گود میں پیشاب بھی کر دیا تھا، بعض عورتیں جن کو بچوں سے محبت ہوتی ہے بچے کو اس بہانے سے بلاتی ہیں آ تمہیں ہم ایک چیز دیں، حالانکہ کوئی چیز دینے کا قصد نہیں ہوتا، صرف بلانا مقصود ہوتا ہے لیکن ایسا کہنا ایک قسم کا جھوٹ بولنا ہوتا ہے ایسا مت کرو، ایک بی بی نے ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے بچے کو کچھ دینے کو کہہ کر بلایا، مگر اس نے خالی بہکایا نہ تھا؛ بلکہ کوئی چیز اس کو دی بھی، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر ہو سکے تو تم کو اس کی مدد کر دینی چاہئے۔

اس سے درشتی اور سخت کلامی سے پیش نہ آؤ، وہ بیمار ہو، یا اسے کوئی تکلیف ہو تو اس میں اس کی پوری ہمدردی کرو جیسا کہ تم نے اپنی والدہ کا برتاؤ خادمہ عورتوں کے ساتھ دیکھا ہے، اگر کبھی خادمہ کے سر میں ذرا درد بھی ہوا ہے تو خود اس کا کام کر لیا ہے اور ایسی حالت میں اُسے تکلیف نہیں دی، ہاں یہ بھی نہ ہونا چاہئے کہ خادمہ بالکل آرام طلب اور کام چور ہو جائے ایسا کر دینا گویا خادمہ کے حق میں دشمنی ہے کہ پھر وہ جہاں جائے گی آقا کی موردِ عتاب رہے گی۔

کوئی اچھی تحفہ چیز کھانے پینے کی آئے تو اس میں سے اس کو بھی کسی قدر دینی چاہئے، تم نے یہ برتاؤ بھی اپنی والدہ کا دیکھا ہے کہ گو کتنی ہی قلیل چیز ہو، مگر اس میں بھی وہ خادمہ کا حصہ ضرور لگاتی ہیں، ہمیں اس سے کمالِ مسرت ہوتی ہے کہ ایثار کی صفت تم میں فطرۃً ہے، اس صفت میں اللہ تعالیٰ اور ترقی دے، اپنے شوہر اور سب گھر کی بیبیوں کے ساتھ یہ برتاؤ رکھو، گھر میں جو عورتیں اور باہر مرد مہمان ہوں، ان کی مہمان دار حسب مرضی شوہر بہت کشادہ دِلی اور ایثار سے کرنی چاہئے، مہمان کی خاطر اپنے معمولی کھانے کی نسبت تکلف بھی جائز ہے، جو حدِ اسراف تک نہ پہنچے، اگر مہمان کوئی متقی خدا کے نیک بندوں میں سے ہو تو اس کی مہمانی کو موجبِ خیر و برکت سمجھنا چاہئے، اور یوں تو کسی مہمان سے بھی دل تنگ نہ ہونا چاہئے، ہمارے نبی ﷺ نے کافر کو بھی مہمان کیا ہے، مہمان کی مدارات اور اس کے ٹھہرانے میں

التجا کرنے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں؛ مگر اس قدر اصرار کہ مہمان کیلئے موجب اضرار ہو، یہ بہت بری بات ہے کہ مہمان کو خاص کوئی ضرورت درپیش ہے اور وہ اس کی وجہ سے رخصت ہونا چاہتا ہے؛ مگر میزبان صاحب ہیں کہ اصرار کررہے ہیں اور خدا اور رسول اللہ ﷺ کا واسطہ دے رہے ہیں، یہ خود بھی اچھی بات نہیں ہے جس میں مہمان کا دل تنگ ہو، اور اس کا حرج بھی ہو، ہمارے حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ ایسے اصرار کو ہرگز پسند نہ فرماتے تھے، مہمان کے ساتھ جو مدارات کی جائے اس کو ہرگز اپنی طرف سے احسان مت سمجھو؛ بلکہ اس نے تم پر احسان کیا ہے کہ اپنا مقسوم رزق تمہارے یہاں کھایا اور تم کو ثواب میں داخل کیا ہے۔

شکر بجا آر کہ مہمان تو   روزی خود میخورد از خوانِ تو

اسی طرح اگر کسی کے ساتھ سلوک کرو تو اس پر احسان مت دھرو، قرآن شریف سے ثابت ہے کہ احسان دھرنے سے سلوک کرنے کا ثواب باطل ہوجاتا ہے، پس یہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کیلئے ہونا چاہئے۔

انتظام خانہ داری

بعد حسن معاشرت جس کا اوپر ذکر ہوا، گھر کی بہبود اور اس کی رونق کیلئے ایک نہایت ضروری چیز انتظام خانہ داری، اگر عمدہ طور سے ہے تو باوجود قلتِ معاش کے بھی گھر پر رونق معلوم ہوتی ہے، اور اس گھر پر ناداری معلوم نہیں ہوتی، اور اگر یہ انتظام درست نہیں ہے تو باوجود دولت مندی کے بھی گھر پر نکبت اور نحوست معلوم ہوتی ہے، ہم نے بچشم خود بعض دولت مند گھروں کو دیکھا ہے کہ انتظام خانہ داری کا مستورات میں سلیقہ نہ ہونے سے ان کے گھر کی حالت مفلسوں کے گھروں سے بدتر ہے، بہت بڑی بات اس میں اخراجات کا اندازہ اور ان کے مواقع کا لحاظ رکھنا ہے، اعتدال سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ آمدنی کے لحاظ سے خرچ زیادہ نہ ہو، اور نہ اس قدر کم کہ کنجوسی کی نوبت پہنچے، کنجوسی کرنے والوں اور حدِ اعتدال سے زیادہ خرچ کرنے والوں دونوں کی مذمت قرآن شریف میں آئی ہے،

مال اور پیسے کی ایسی محبت کہ آدمی پیسہ پیسہ جوڑے اور ننانوے کے پھیر میں پڑا رہے علاوہ شرعاً مذموم ہونے کے اس سے خود زندگی وبال جان بن جاتی ہے، البتہ میانہ روی ایک ایسی چیز ہے کہ نہ تو اس سے انسان کنجوس کہلاتا ہے اور نہ مسرف، اور نہ ضرورت کے وقت اپنی حاجت سے بند رہتا ہے، اخراجات کے موقع کا لحاظ خود صرف کرنے والے انسان کا کام ہی کہ وہ خیال کرے کہ کس موقع میں کس قدر خرچ کرنا چاہئے، اس کی نسبت جزئیات کا محفوظ کرنا دشوار ہے۔

روزہ مرہ کے مصارف کا حساب اگر حسب مرضی شوہر لکھ لیا کرو اور روز مرہ یا ہفتہ میں ایک بار اس کو شوہر کے ملاحظہ میں پیش کر دیا کرو تو بہت کچھ موجب اطمینان ہے، حساب ایک ایسی چیز ہے کہ دنیا اور دین دونوں کیلئے کار آمد ہے۔

غلہ وغیرہ اجناس جو گھر میں آویں اس کو تول لیا کرو اور اسی طرح روپئے پیسے کا شمار کر لیا کرو، اور اگر کسی کو قرض دینے یا کسی سے لینے کا اتفاق ہو تو اس کو بھی لکھ لیا کرو، اور اس کے واپس آنے پر بھی۔

اسی طرح دھوبی کے یہاں جو کپڑے دیئے جائیں وہ بھی بغیر لکھے نہ دیئے جائیں۔

اور زیادہ تر خوبی کی بات تو یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس پارچہ وغیرہ نقد زیور ہو، سب لکھا رہے کہ یہ بہت کار آمد ہے، من جملہ انتظام خانہ داری کے اثاث البیت کی ترتیب ہے کہ جو چیز جہاں رکھنے کی ہے اس کو اسی جگہ رکھنا مناسب ہے، فرش، پلنگ، چوکی وغیرہ وغیرہ سب اپنی اپنی جگہ پر رکھے جاویں، اور جس چیز کے نکالنے کی ضرورت ہو تو بعد رفع ضرورت اس کو اسی جگہ رکھنا لازم ہے۔

اسی طرح تمام ظروف روزہ مرہ کے استعمال کے اور دیگر روز مرہ کے کام کی چیزوں کا خیال رکھو، ایسا نہ ہونا چاہئے کہ لوٹے ایک طرف کو لڑکتے پھرتے ہیں، رکابیاں کہیں پڑی ہیں، دیگچیاں دھوئی بے دھوئی ہیں کہ مکھیاں بھنکتی ہیں، گھڑے الگ کھلے پڑے ہیں کہ کوے ان میں پانی پیتے اور بیٹ کرتے ہیں۔

کپڑوں کو ہمیشہ تہ کر کے رکھو، ایسا نہ ہو کہ ادھر ادھر بکھرتے پھریں، اگر اونی کپڑے ہیں یا ریشمی تو ان کی ہمیشہ خبر گیری کرنی چاہئے، خاص کر موسم برسات میں بہت خیال رکھو کہ ان کو کرم یعنی کیڑا لگ جاتا ہے، اگر چہ انتظامی قوت انسان میں فطرتی ہوتی ہے؛ لیکن کوشش اور سعی کو بھی بہت کچھ دخل ہے۔

گھر میں جو بی بی لیاقت والی اور صاحبِ سلیقہ ہو، ہمیشہ اس سے انتظامِ خانہ داری سیکھتی رہو، اور بغور اس کے انتظام کو دیکھتی رہو، اور پھر اس کی پیروی کرو۔

اب ہم ان چند کلمات پر ختم کرتے ہیں اور مکرر یہ نصیحت کرتے ہیں کہ اگر تم ان ہدایات پر عمل کروگی تو انشاء اللہ تعالیٰ تم کو دونوں جہاں میں کامیابی نصیب ہوگی اور دنیا میں ایسی آرام وراحت سے رہوگی کہ گھر نمونۂ جنت بن جائے گا اور یہ ہماری طرف سے تمہارے لئے تمہاری شادی نکاح کا بہترین جہیز ہے، اس کو تم ہفتہ میں دو تین بار دیکھ لیا کرو، اگر دو تین بار ممکن نہ تو ایک بار ضرور بالضرور پڑھ لیا کرو۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ تمہیں دین اور دنیا کی برکتیں نصیب فرمادے اور تم کو شامل کر کے یہ دعا کرتے ہیں ”رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّار“ ہم تم سے صرف یہ چاہتے ہیں کہ جب تک تمہارے والدین زندہ ہیں ان کیلئے سلامتی ایمان اور عاقبت بخیر ہونے کی دعا کرو، اور بعد اس جہاں سے ان کے رخصت ہونے کے ان کو دعائے مغفرت سے یاد رکھو، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین، والصلاۃ والسلام علی رسولہ خیر الخلائق محمد وآلہ وأصحابہ أجمعین. (۱)

بندہ ناچیز عبدالحق عفا اللہ عنہ،

قصبہ پور قاضی، ضلع مظفرنگر، ۱۴ر محرم ۱۳۳۰ھ

(۱) اختری بہشتی زیور عکسی، چھٹا حصہ: ۸۷، کتب خانہ اختری، متصل مدرسہ مظاہر العلوم، سہارنپور

بعض باتیں عیب اور تکلیف کی جو عورتوں میں پائی جاتی ہیں:

(۱) ایک عیب یہ ہے کہ بات کا معقول جواب نہیں دیتیں جس سے پوچھنے والے کو تسلی ہوجائے، بہت سے فضول باتیں ادھر ادھر کے اس میں ملادیتی ہیں اور اصل بات پھر بھی معلوم نہیں ہوتی، ہمیشہ یاد رکھو کہ جو شخص کچھ پوچھے اس کا مطلب خوب غور سے سمجھ لو، پھر اس کا جواب ضرورت کے موافق دے دو۔

(۲) ایک عیب یہ ہے کہ کوئی کام ان سے کہا جائے تو سن کر خاموش ہوجاتی ہیں، کام کہنے والے کو یہ شبہ رہتا ہے کہ خدا جانے انہوں نے سنا بھی ہے یا نہیں سنا، بعض دفعہ غلطی سے اس نے یوں سمجھ لیا کہ سن لیا ہوگا اور واقع میں سنا نہ ہوتو اس بھروسہ پر وہ کام نہیں ہوتا اور یہ پوچھنے کے وقت یہ کہہ کر الگ ہوگئیں کہ میں نے نہیں سنا، غرض وہ کام تو رہ گیا، اور بعض دفعہ غلطی سے اس نے یوں سمجھ لیا کہ نہیں سنا ہوگا دوبارہ اس نے پھر کہا تو اس غریب کیلئے (مذاق کیا جاتا ہے) لیے جاتے ہیں کہ سن لیا سن لیا کیوں جان کھائی ہے، غرض جب بھی آپس میں رنج ہوتا ہے اگر یہ پہلے ہی دفعہ میں اتنا کہہ دیتیں کہ اچھا تو دوسرے کو خبر تو ہوجاتی۔

(۳) ایک عیب یہ ہے کہ نوکرانی کو جو کام بتلادیں گے یا اور کسی سے گھر میں کوئی بات کہیں گے دور سے چلا کر کہیں گے اس میں دو خرابیاں ہیں ایک تو بے حیائی اور بے پردگی کہ باہر دروازے تک بلکہ بعضے موقع پر سڑک تک آواز پہنچتی ہے، دوسری خرابی یہ کہ دور سے کچھ بات سمجھ میں آئی اور کچھ نہ آئی جتنی سمجھ میں نہ آئی اتنا کام نہ ہوا، اب بی بی خفا ہورہی ہے کہ تو نے یوں کیوں نہ کیا، دوسری جواب دے رہی ہے کہ میں نے تو سنا نہ تھا غرض خوب تو تو میں میں ہوتی ہے اور کام بگڑا، سوا لگ اس طرح ان کی نوکرانیاں ہیں کہ جس بات کا جواب باہر سے لادیں گی دروازے سے چلاتی ہوئی آئیں گی اس میں بھی کچھ سمجھ میں آیا اور کچھ نہ آیا، تمیز کی بات یہ ہے کہ جس سے بات کرنا ہو اس کے پاس جاؤ یا اس کو اپنے پاس بلاؤ، اور اطمینان سے اچھی طرح سمجھا کر کہہ دو اور سمجھ کر سن لو۔

(۴) ایک عیب یہ ہے کہ چاہے کسی چیز کی ضرورت ہو یا نہ ہو لیکن پسند آنے کی دیر ہے ذرا پسند آئی اور لے لی خواہ قرض ہو جائے؛ لیکن کچھ پرواہ نہیں اور اگر قرض بھی نہ ہوا تب بھی اپنے پیسے کو اس طرح بیکار کھونا کونسی عقل کی بات ہے، فضول خرچ بھی ہے جہاں خرچ کرنا ہو، اول خوب سوچ لو کہ یہاں خرچ کرنے میں کوئی دین کا فائدہ یا دنیا کی ضرورت بھی ہے اور اگر خوب سوچنے سے ضرورت اور فائدہ معلوم ہو خرچ کرو نہیں تو پیسہ مت کھوؤ، اور قرض تو جہاں تک ہو سکے ہرگز مت لو چاہے تھوڑی تکلیف بھی ہو جائے۔

(۵) ایک عیب یہ ہے کہ جب کہیں جاتی ہیں خواہ شہر کے شہر میں یا سفر میں ٹالتے ٹالتے بہت دیر کر دیتی ہیں کہ وقت تنگ ہو جاتا ہے اگر سفر میں جانا ہے تو منزل پر دیر میں پہنچیں گی، اگر راستہ میں رات ہو گئی تو جان و مال کا اندیشہ ہے اگر گرمی کے دن ہوئے تو دھوپ میں خود بھی تپیں گی اور بچوں کو بھی تکلیف ہو گی اگر برسات ہے اول تو برسنے کا ڈر دوسرے گارے کیچڑ میں گاڑی کا چلنا مشکل اور دیر میں دیر ہو جاتی ہے اگر سویرے سے چلیں ہر طرح کی گنجائش رہے اور اگر بستی ہی میں جانا ہوا جب بھی کہاروں (گاڑی لے جانے والے) کو کھڑے پریشان، پھر دیر میں سوار ہونے سے دیر میں لوٹنا ہو گا اپنے کاموں میں حرج ہو گا کھانے کے انتظام میں دیر ہو گی کہیں جلدی میں کھانا بگڑ گیا کہیں میاں تقاضا کر رہے ہیں، کہیں بچے رو رہے ہیں، اگر جلد سوار ہو جاتیں تو یہ مصیبتیں کیوں ہوتیں۔

(۶) ایک عیب یہ ہے کہ سفر میں بے ضرورت بھی اسباب بہت سا لاد کر لے جاتی ہیں جس سے جانور کو بھی تکلیف ہوتی ہے جگہ میں بھی تنگ ہو جاتی ہے اور سب سے زیادہ مصیبت ساتھ کے مردوں کو ہوتی ہے ان کو سنبھالنا پڑتا ہے کہیں کہیں لادنا بھی پڑتا ہے مزدور کے پیسے ان ہی کو دینے پڑتے ہیں غرضیکہ تمام تر فکر ان بیچاروں کی جان پر ہوتی ہے یہ اچھی خاصی گاڑی میں بن کر بیٹھی رہتی ہیں، اسباب ہمیشہ سفر میں کم لے جاؤ ہر طرح کا آرام ملتا ہے، اس طرح ریل کے سفر میں خیال رکھو بلکہ ریل میں زیادہ اسباب لے جانے سے اور زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔

(۷) ایک عیب یہ ہے کہ گاڑی وغیرہ میں سوار ہونے کے وقت مردوں سے کہہ دیا کہ منہ ڈھانک لو یا ایک گوشہ میں چھپ جاؤ، اور جب سوار ہو چکیں تو ان لوگوں کو دوبارہ اطلاع نہیں دی جاتی کہ اب پردہ نہیں ہے اس میں دو خرابیاں ہوتی ہیں کبھی تو وہ بیچارے منہ ڈھانکے ہوئے بیٹھے ہیں خواہ مخواہ تکلیف ہو رہی اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ اٹکل سے سمجھتے ہیں کہ بس پردہ ہو چکا اور یہ سمجھ کر منہ کھول دیتے ہیں یا سامنے آجاتے ہیں اور بے پردگی ہوتی ہے یہ ساری خرابی دوبارہ نہ کہنے کی ہے نہیں تو سب کو معلوم ہو جائے کہ دوبارہ کہنے کی بھی عادت ہے بس سب آدمی اس کے منتظر رہیں اور بے کہے کوئی سامنے نہ آئے۔

(۸) ایک عیب یہ ہے کہ ابھی سوار ہونے کو تیار نہیں ہوئیں اور آدھ گھنٹہ پہلے سے پردہ کرا دیا یا راستہ رُکوا دیا بے وجہ خدا کی مخلوق کو تکلیف ہو رہی ہے اور یہ ابھی گھر میں چوچلے بگھار رہی ہیں۔

(۹) ایک عیب یہ ہے کہ جس گھر میں جاتی ہیں گاڑی ڈولی سے اتر کر جھپ سے گھر میں جا گھستی ہیں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس گھر کا کوئی مرد اندر ہوتا ہے اس کا سامنا ہو جاتا ہے تم کو چاہیے کہ ابھی گاڑی سے یا ڈولی سے مت اُترو پہلے کسی نوکر وغیرہ کو گھر میں بھیج کر دکھوا لو، اور اپنے آنے کی خبر کر دو، کوئی مرد وغیرہ ہوگا تو علیحدہ ہو جائے گا جب تم سن لو کہ اب گھر میں کوئی مرد وغیرہ نہیں ہے تب اتر کر اندر جاؤ۔

(۱۰) ایک عیب یہ ہے کہ آپس میں دو عورتیں جو باتیں کرتی ہیں اکثر یہ ہوتا ہے کہ ایک کی بات ختم ہونے نہیں پاتی کہ دوسری شروع کر دیتی ہے بلکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ دونوں ایک دم سے بولتے ہیں وہ اپنی کہہ رہی ہے اور یہ اپنی ہانک رہے ہیں نہ وہ اس کی سنے نہ یہ اس کی، بھلا ایسی بات کرنے ہی سے کیا فائدہ ہمیشہ یاد رکھو کہ جب ایک بولنے والے کی بات ختم ہو جائے اس وقت دوسر کو بولنا چاہیے۔

(۱۱) ایک عیب یہ ہے کہ زیور اور کبھی روپیہ پیسہ بھی بے احتیاط سے کبھی تکیے کے نیچے

رکھ دیا کبھی کسی طاق میں کھلا رکھ دیا، تالا کنجی ہوتے ہوئے سستی کے مارے اس میں حفاظت سے نہیں رکھتیں پھر کوئی چیز جاتی رہی تو سب کا نام لگاتی پھرتی ہیں۔

(۱۲) ایک عیب یہ ہے کہ ان کو ایک کام کے واسطے بھیجو تو جا کر دوسرے کام میں لگ جاتی ہیں جب دونوں سے فراغت ہو جائے تب لوٹتی ہیں اس میں بھیجنے والے کو سخت تکلیف اور الجھن ہوتی ہے کیونکہ اس نے تو ایک کام کا حساب لگا رکھا ہے کہ یہ اتنی دیر کا ہے جب اتنی دیر گزر جاتی ہے پھر اس کو پریشانی شروع ہوتی ہے اور یہ عقلمند یہ کہتی ہیں کہ آئے تو ہیں ہی، لاؤ دوسرا کام بھی لگے ہاتھ کرتے چلیں، ایسا مت کرو، اول پہلا کام کر کے اس کی فرمائش پورکر دو، پھر اپنے طور پر اطمینان سے دوسرا کام کرلو۔

(۱۳) ایک عیب سستی کا ہے کہ ایک وقت کے کام کو دوسرے وقت پر اٹھا رکھتی ہیں اس سے اکثر حرج اور نقصان ہو جاتا ہے۔

(۱۴) ایک عیب یہ ہے کہ مزاج میں اختصار نہیں اور ضرورت اور موقع کو نہیں دیکھتیں کہ یہ جلدی کا وقت ہے مختصر طور پر اس کام کو نبٹا لو ہر وقت ان کو اطمینان اور تکلف ہی سوجھتا ہے، اس تکلف میں بعض دفعہ اصل کام بگڑ جاتا ہے اور موقع نکل جاتا ہے۔

(۱۵) ایک عیب یہ ہے کہ کوئی چیز کھو جائے تو بے تحقیق کس پر تہمت لگا دیتی ہیں یعنی جس نے کبھی کوئی چیز چرائی تھی بیدھڑک کہہ دیا کہ بس جی اس کا کام ہے حالانکہ یہ کیا ضروری ہے کہ سارے عیب ایک ہی آدمی نے کیے ہوں اس طرح اور بری باتوں میں ذرا سے شبہ سے ایسا پکا یقین کر کے اچھا خاصا گھڑ مڑھ دیتی ہیں۔

(۱۶) ایک عیب یہ ہے کہ پان تمباکو کا خرچ اس قدر بڑھا لیا ہے کہ غریب آدمی تو سہار ہی نہیں سکتا اور امیروں کے یہاں اتنے خرچ میں چار پانچ غریبوں کا بھلا ہو سکتا ہے اس کو گھٹانا چاہیے خرابی یہ ہے کہ بے ضرورت بھی کھانا شروع کر دیتی ہیں پھر وہ لت لگ جاتی ہے۔

(۱۷) ایک عیب یہ ہے کہ ان کے سامنے دو آدمی کسی معاملہ میں بات کرتے ہوں اور ان سے نہ کوئی پوچھے؛ مگر یہ خواہ مخواہ دخل دیتی ہیں اور صلاح بتلانے لگتی ہیں جب تک تم سے کوئی صلاح نہ لے تم بالکل گونگی بہری بن بیٹھی رہو۔

(۱۸) ایک عیب یہ ہے کہ محفل میں سے آ کر تمام عورتوں کی صورت شکل ان کے زیور اور پوشاک کا ذکر اپنے خاوند سے کرتی ہیں بھلا اگر خاوند کا دل کسی پر آ گیا اور وہ اس کے خیال میں لگ گیا تو تم کو کتنا بڑا نقصان پہنچے گا۔

(۱۹) ایک عیب یہ ہے کہ ان کو کسی سے کوئی بات کرنا ہو تو وہ دوسرا آدمی چاہے کیسے ہی کام میں ہو یا وہ کوئی بات کر رہا ہو کبھی یہ انتظار نہ کریں گی کہ اس کا کام یا بات ختم ہو لے تو ہم بات کریں بلکہ اس کی بات یا کام کے بیچ میں جا کر ٹانگ اڑا دیتی ہیں یہ بری بات ہے ذرا ٹھہر جانا چاہیے جب وہ تمہاری طرف متوجہ ہو سکے اس وقت بات کرو۔

(۲۰) ایک عیب یہ ہے کہ ہمیشہ بات ادھوری کریں گی، پیغام ادھورا پہنچا دیں گی جس سے مطلب غلط سمجھا جائے گا بعض دفعہ اس میں کام بگڑ جاتا ہے اور بعض دفعہ دو شخصوں میں اس غلطی سے رنج ہو جاتا ہے۔

(۲۱) ایک عیب یہ ہے کہ ان سے بات کی جائے تو پورے طور سے متوجہ ہو کر اس کو نہیں سنتیں اس میں اور کام بھی کر لیا کسی اور سے بھی بات کر لی نہ تو بات کرنے والے کا بات کر کے جی بھلا ہوتا ہے اور نہ اس کام کے ہونے کا پورا بھروسہ ہوتا ہے؛ کیونکہ جب پوری بات سنی نہیں تو اس کو کریں گی کس طرح۔

(۲۲) ایک عیب یہ ہے کہ اپنی خطا یا غلطی کا کبھی اقرار نہ کریں گی جہاں تک ہو سکے گا بات کو بنا دیں گی خواہ بن سکے یا نہ بن سکے۔

(۲۳) ایک عیب یہ ہے کہ کہیں سے تھوڑی چیز ان کے حصہ کی آئے یا ادنی درجہ کی چیز آئے تو اس کو ناک ماریں گی، طعنہ دیں گی ایسی چیز بھیجنے کی کیا ضرورت تھی بھیجتے ہوئے شرم نہ آئی یہ بری بات ہے اس کی اتنی ہی ہمت تھی تمہارا تو اس نے کچھ نہیں بگاڑا اور

خاوند کے ساتھ بھی ان کی یہ عادت ہے کہ خوش ہو کر چیز کم لیتی ہیں اس کو رد کر کے عیب نکال کر تب قبول کرتی ہیں۔

(۴۴) ایک عیب یہ ہے کہ ان کو کوئی کام کہو، اس میں جھک جھک کر لیں گی پھر اس کام کو کریں گی، بھلا جب وہ کام کرنا ہے پھر اس واہیات سے کیا فائدہ نکلا، ناحق دوسرے کا بھی جی برا کیا۔

(۴۵) ایک عیب یہ ہے کہ کپڑا اپورا سل جانے سے پہلے پہن لیتی ہیں بعض دفعہ سوئی چبھ جاتی ہے بے ضرورت تکلیف میں کیوں پڑے۔

(۴۶) ایک عیب یہ ہے کہ آنے کے وقت اور چلنے کے وقت مل کر ضرور روتی ہیں چاہے رونا نہ بھی آئے مگر اس ڈر سے روتی ہیں کہ کوئی یوں نہ کہے کہ اس کو محبت نہیں۔

(۴۷) ایک عیب یہ ہے کہ اکثر تکیہ میں یا ویسے ہی سوئی رکھ کر اٹھ جاتی ہیں اور کوئی بے خبری میں بیٹھتا ہے اس کو چبھ جاتی ہے۔

(۴۸) ایک عیب یہ ہے کہ بچوں کو گرم سرد سے نہیں بچاتیں اس سے اکثر بچے بیمار ہو جاتے ہیں پھر تعویذ گنڈے کراتی پھرتی ہیں۔ دوا علاج یا آئندہ کو احتیاط پھر بھی نہیں کرتیں۔

(۴۹) ایک عیب یہ ہے کہ بچوں کو بے بھوک کھانا کھلا دیتی ہیں یا مہمان کو اصرار کر کے کھلاتی ہیں پھر بے بھوک کھانے کی تکلیف ان کو بھگتنی پڑتی ہے۔

بعض باتیں سلیقہ اور آرام کی

(۱) جب رات کو دروازہ گھر کا بند کرنے لگو تو بند کرنے سے پہلے گھر کے اندر خوب دیکھ بھال لو کہ کوئی کتا بلی تو نہیں رہ گیا، کبھی رات کو جان کا یا چیز بستی کا نقصان کر دے یا اور کچھ نہیں تو رات بھر کی کھڑ کھڑ ہی نیند اڑانے کو بہت ہے۔

(۲) کپڑوں کو اور اپنی کتابوں کو کبھی کبھی دھوپ دیتی رہا کرو۔

(۳) گھر صاف رکھو اور ہر چیز اپنے موقع پر رکھو۔

(۴) اگر اپنی تندرستی چاہو تو اپنے کو بہت آرام طلب مت بناؤ، کچھ محنت کا کام اپنے ہاتھ سے کیا کرو، سب سے اچھی چیز عورتوں کے واسطے چکی کا پیسنا یا موسل سے کوٹنا یا چرخہ کا تنا ہے اس سے بدن تندرست رہتا ہے۔

(۵) اگر کسی سے ملنے جاؤ تو وہاں اتنا مت بیٹھو یا اس سے اتنی دیر تک باتیں مت کرو کہ وہ تنگ ہو جائے یا اس کے کسی کام میں حرج ہونے لگے۔

(۶) سب گھر والے اس بات کے پابند رہیں کہ ہر چیز کی ایک جگہ مقرر کرلیں اور وہاں سے جب اٹھائیں تو برت کر پھر وہاں ہی رکھ دیں تاکہ ہر آدمی کو وقت پر پوچھنا ڈھونڈنا نہ پڑے اور جگہ بدلنے سے بعض دفعہ کسی کو بھی نہیں ملتی سب کو تکلیف ہوتی ہے اور جو چیزیں خاص تمہارے برتنے کی ہیں ان کی جگہ بھی مقرر رکھو تاکہ ضرورت کے وقت ہاتھ ڈالتے ہی مل جائے۔

(۷) راہ میں چارپائی یا اور کوئی برتن اینٹ پتھر سل وغیرہ مت ڈالو۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اندھیرے میں یا بعض دفعہ دن ہی میں کوئی جھپٹا ہوا روز کی عادت کے موافق بے کھٹکے چلا جا رہا ہے وہ الجھ کر گر گیا اور جگہ بے جگہ چوٹ لگ گئی۔

(۸) جب تم سے کوئی کسی کام کو کہے تو اس کو سن کر ہاں یا نہیں ضرور زبان سے کچھ کہہ دو تاکہ کہنے والے کا دل ایک طرف ہو جائے نہیں تو ایسا نہ ہو کہ کہنے والا تو سمجھے کہ اس نے سن لیا ہے اور تم نے نہ سنا ہو یا وہ سمجھے کہ تم یہ کام کر دو گی اور تم کو کرنا منظور نہ ہو تو ناحق دوسرا آدمی بھروسہ میں رہا۔

(۹) نمک کھانے میں کسی قدر کم ڈالا کرو کیونکہ کم کا تو علاج ہو سکتا ہے لیکن اگر زیادہ ہو گیا تو اس کا علاج ہی نہیں۔

(۱۰) دال میں ساگ میں مرچ کتر کر مت ڈالو بلکہ پیس کر ڈالو کیونکہ کتر کر ڈالنے سے بیج اس کے ٹکڑوں میں رہتے ہیں اگر کوئی ٹکڑا منہ میں آ جاتا ہے تو ان بیجوں سے منہ میں آگ لگ جاتی ہے۔

(۱۱) اگر رات کو پانی پینے کا اتفاق ہو تو اگر روشنی ہو تو اس کو خوب دیکھ لو نہیں تو لوٹے وغیرہ کو کپڑا لگا لو تا کہ منہ میں کوئی ایسی ویسی چیز نہ جائے۔

(۱۲) بچوں کو ہنسی میں مت اچھالو، اور کسی کھڑکی وغیرہ سے مت لٹکاؤ، اللہ بچائے کبھی ایسا نہ ہو کہ ہاتھ سے چھوٹ جائے اور ہنسی کی گل پھنسی ہو جائے، اس طرح ان کے پیچھے ہنس میں مت دوڑو شاید گر پڑیں اور چوٹ لگ جائے۔

(۱۳) جب برتن خالی ہو جائے تو اس کو ہمیشہ دھو کر الٹا رکھو اور جب دوبارہ اس کو برتنا چاہو تو پھر اس کو دھو لو۔

(۱۴) برتن زمین پر رکھ کر اگر ان میں کھانا نکالو تو ویسے ہی دستر خوان پر مت رکھ دو پہلے اس کے تلے دیکھ لو، اور صاف کر لو۔

(۱۵) کسی کے گھر مہمان جاؤ تو اس سے کسی چیز کی فرمائش مت کرو بعض دفعہ چیز تو ہوتی ہے بے حقیقت مگر وقت کی بات ہے گھر والا اس کو پورا نہیں کر سکتا، ناحق اس کو شرمندگی ہوگی۔

(۱۶) جہاں اور آدمی بھی بیٹھے ہوں وہاں بیٹھ کر مت تھوکو، ناک مت صاف کرو، اگر ضرورت ہو، ایک کنارے پر جا کر فراغت کر لو۔

(۱۷) کھانا کھانے میں ایسی چیزوں کا نام مت لو جس سے سننے والوں کو گھن پیدا ہو، بعضے نازک مزاجوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔

(۱۸) بیمار کے سامنے یا اس کے گھر والوں کے سامنے ایسی باتیں مت کرو جس سے زندگی کی ناامیدی پائی جائے ناحق دل ٹوٹے گا بلکہ تسلی کی باتیں کرو کہ انشاء اللہ تعالیٰ سب دُکھ جاتا رہے گا۔

(۱۹) اگر کسی کی پوشیدہ بات کرنی ہو، اور وہ بھی اس جگہ موجود ہو تو آنکھ سے یا ہاتھ سے ادھر اشارہ مت کرو، ناحق اس کو شبہ ہوگا اور یہ سبب ہے کہ اس بات کا کرنا شرع سے درست بھی ہو، اور اگر درست نہ ہو تو ایسی بات ہی کرنا گناہ ہے۔

(۲۰) بات کرتے وقت بہت ہاتھ مت نچاؤ۔
(۲۱) دامن آنچل آستین سے ناک مت پونچھو۔
(۲۲) پائخانے کے قدمچے میں طہارت مت کرو۔
(۲۳) جوتی ہمیشہ جھاڑ کر پہنو شاید اس کے اندر کوئی موذی جانور بیٹھا ہو اس طرح کپڑا بستر بھی۔
(۲۴) پردے کی جگہ میں کسی کو پھوڑا پھنسی ہو تو اس سے یہ مت پوچھو کہ کس جگہ ہے ناحق اس کو شرمانا ہے۔
(۲۵) آنے جانے کی جگہ مت بیٹھو تم کو بھی تکلیف ہوگی۔
(۲۶) بدن اور کپڑے میں بدبو پیدا نہ ہونے دو۔ اگر دھوبی کے گھر کے دھلے ہوئے کپڑے نہ ہوں تو بدن ہی کے کپڑوں کو دھو ڈالو نہا ڈالو۔
(۲۷) آدمیوں کے بیٹھے ہوئے جھاڑو مت دلواؤ۔
(۲۸) گٹھلی چھلکے کسی آدمی کے اوپر مت پھینکو۔
(۲۹) چاقو یا قینچی یا سوئی یا کسی اور ایسی چیز سے مت کھیلو شاید غفلت سے کہیں لگ جائے۔
(۳۰) جب کوئی مہمان آئے سب سے پہلے اس کو پائخانہ بتلا دو، اور بہت جلد اس کے ساتھ کی سوار کے کھڑے کرنے کا اور بیل یا گھوڑے کی گھاس چارے کا بندوبست کردو، اور کھانے میں اتنا تکلف مت کرو کہ اس کو وقت پر کھانا نہ ملے، کھانا وقت پر پکالو چاہے سادہ اور مختصر ہو، اور جب اس کا جانے کا ارادہ ہو تو بہت جلد اور سویرے ناشتہ تیار کردو، غرض اس کے آرام اور مصلحت میں خلل نہ پڑے۔
(۳۱) پائخانہ یا غسل خانہ سے کمر بند باندھتی ہوئی مت نکلو، بلکہ اندر ہی اچھی طرح باندھ کر تب باہر آؤ۔
(۳۲) جو تم سے کوئی کچھ بات پوچھے پہلے اس کا جواب دے دو پھر اور کام میں لگو۔
(۳۳) جو بات کہو یا کسی بات کا جواب دو خوب منہ کھول کر صاف بات کہو تا کہ دوسرا اچھی طرح سمجھ لے۔

(۳۴) کسی کو کوئی چیز ہاتھ میں دینا ہو، دور سے مت پھینکو شاید دوسرے کے ہاتھ میں نہ آسکے تو نقصان ہو پاس جا کر دے دو۔

(۳۵) اگر دو آدمی پڑھتے پڑھاتے ہوں یا باتیں کر رہے ہوں تو ان دونوں کے بیچ میں کر چلانا یا کسی سے بہت کرنا نہ چاہیے۔

(۳۶) اگر کوئی کس کام میں یا بات میں لگا ہو تو جاتے ہی اس سے اپنی بات مت شروع کر دو بلکہ موقع کا انتظار کرو جب وہ تمہارا طرف متوجہ ہو تب بات کرو۔

(۳۷) جب کسی کے ہاتھ میں کوئی چیز دینا ہو؛ تاوقتیکہ وہ دوسرا آدمی اس کو اچھا سنبھال نہ لے اپنے ہاتھ سے مت چھوڑو بعض دفعہ یوں ہی بیچ بیچ میں گر کر نقصان ہو جاتا ہے۔

(۳۸) اگر کسی کو پنکھا جھلنا ہو تو خوب خیال رکھو کہ سر میں یا اور کہیں بدن یا کپڑے میں نہ لگے اور ایسی زور سے مت جھلو جس سے دوسرا پریشان ہو۔

(۳۹) کھانا کھاتے میں ہڈیاں ایک جگہ جمع رکھو، اس طرح کس چیز کے چھلکے وغیرہ سب طرف مت پھیلاؤ جب سب اکٹھا ہو جائیں موقع سے ایک طرف ڈال دو۔

(۴۰) بہت دوڑ کر یا منہ اوپر اٹھا کر مت چلو کہ کبھی گر نہ پڑو۔

(۴۱) کتاب کو بہت سنبھال کر احتیاط سے بند کرو اکثر، اول آخر کے ورق مڑ جاتے ہیں۔

(۴۲) اپنے شوہر کے سامنے کسی نامحرم مرد کی تعریف نہ کرنا چاہیے، بعضے مردوں کو ناگوار گزرتا ہے۔

(۴۳) اس طرح غیر عورتوں کی بھی تعریف شوہر سے نہ کرے شاید اس کا دل اس پر آ جائے اور تم سے ہٹ جائے۔

(۴۴) جس سے بے تکلفی نہ ہو، اس سے ملاقات کے وقت اس کے گھر کا حال یا اس کے مال و دولت زیور و پوشاک کا حال نہ پوچھنا چاہیے۔

(۴۵) مہینے میں تین دن یا چار دن خاص اس کام کیلئے مقرر کر لو کہ گھر کی صفائی پورے طور سے کر لیا کرو، جالے اتار دیئے فرش اٹھا کر جھڑوا دیئے ہر چیز قرینے سے رکھ دو۔

(۴۶) کسی کے سامنے سے کوئی کاغذ لکھا ہوا یا کتاب رکھی ہوئی اٹھا کر دیکھنا نہ چاہیے، اگر وہ کاغذ قلم ہے تو شاید اس میں کوئی پوشیدہ بات لکھی ہو، اور اگر وہ چھپی ہوئی ہے تو شاید اس میں کوئی ایسا کاغذ لکھا ہوا رکھا ہو۔

(۴۷) سیڑھیوں پر بہت سنبھل کر اترو چڑھو بلکہ بہتر یہ ہے کہ جس سیڑھی پر ایک پاؤں رکھو دوسرا بھی اس پر رکھو کہ پھر اگلی سیڑھی پر اس طرح پاؤں رکھو نہ یہ کہ ایک سیڑھی پر ایک پاؤں اور دوسری سیڑھی پر دوسرا پاؤں، لڑکیوں اور عورتوں کو تو بالکل مناسب نہیں اور بچپن میں لڑکوں کو بھی منع کرو۔

(۴۸) جہاں کوئی بیٹھا ہو وہاں کپڑا یا کتاب یا اور کوئی چیز اس طرح جھٹکنا نہ چاہیے کہ اس آدمی پر گرد پڑے اس طرح منہ سے یا کپڑے سے بھی جھاڑنا نہ چاہیے بلکہ اس جگہ سے دور جا کر صاف کرنا چاہیے۔

(۴۹) کسی کے غم و پریشانی یا دکھ بیماری کی کوئی خبر سنے تو جب تک خوب پختہ طور پر تحقیق نہ ہو جائے کسی سے ذکر نہ کرے اور خاص کر اس شخص کے عزیزوں سے تو ہرگز نہ کہے کیونکہ اگر غلط ہوئی تو خواہ مخواہ دوسرے کو پریشانی دی پھر وہ لوگ اس کو بھی برا بھلا کہیں گے کہ کیوں ایسی بدفالی نکالی۔

(۵۰) اس طرح معمولی بیماری اور تکلیف کی خبر دور پردیس کے عزیزوں کو خط کے ذریعہ سے نہ کرے۔

(۵۱) دیوار پر مت تھوکو، پان کی پیک مت ڈالو، اس طرح تیل کا ہاتھ دیوار یا کواڑ سے مت پونچھو بلکہ دھو ڈالو؛ لیکن جلے ہوئے تیل کو ناپاک مت کہو جیسا کہ بعض جاہل عورتیں کہتی ہیں۔

(۵۲) اگر دسترخوان پر اور سالن کی ضرورت ہو تو کھانے والے کے سامنے سے برتن مت اٹھاؤ، دوسرے برتن میں لے آؤ۔

(۵۳) کوئی آدمی تخت یا چارپائی پر بیٹھا لیٹا ہو تو اس کو ہلاؤ مت اگر پاس سے نکلو تو ایسی طرح پر نکلو کہ اس میں ٹھوکر گھٹنا نہ لگے اگر تخت پر کوئی چیز رکھنا ہو یا اس پر سے کچھ اٹھانا ہو تو ایسے وقت آہستہ آہستہ اٹھاؤ آہستہ رکھو۔

(۵۴) کھانے پینے کی کوئی چیز کھلی مت رکھو یہاں تک کہ اگر کوئی چیز دسترخوان پر بھی رکھی جائے لیکن وہ ذرا دیر میں یا اخیر میں کھانے کی ہو تو اس کو بھی ڈھانک کر رکھو۔

(۵۵) مہمان کو چاہیے کہ اگر پیٹ بھر جائے تو تھوڑا سالن روٹی دسترخوان پر ضرور چھوڑ دے تاکہ گھر والوں کو یہ شبہ نہ ہو کہ مہمان کو کھانا کم ہو گیا اس سے وہ شرمندہ ہوتے ہیں۔

(۵۶) جو برتن بالکل خالی ہو، اس کو الماری یا طاق وغیرہ میں رکھنا ہو تو الٹا کر کے رکھو۔

(۵۷) چلنے میں پاؤں پورا اٹھا کر آگے رکھو گھسر اکر مت چلو، اس میں جوتا بھی جلد ٹوٹتا ہے اور برا بھی معلوم ہوتا ہے۔

(۵۸) چادر، دوپٹے کا بہت خیال رکھو کہ اس کا پلہ زمین پر لٹکتا نہ چلے۔

(۵۹) اگر کوئی نمک یا اور کوئی کھانے پینے کی چیز مانگے تو برتن میں لاؤ ہاتھ پر رکھ کر مت لاؤ۔

(۶۰) لڑکیوں کے سامنے کوئی بے شرمی کی بات مت کرو ان کی شرم جاتی رہے گی۔

بعض باتیں تجربہ اور انتظام کی

(۱) اپنے دو لڑکوں یا دو لڑکیوں کی شادی جہاں تک ہو سکے ایک دم مت کرو کیونکہ بہوں میں ضرور فرق ہوگا اور دامادوں میں ضرور فرق ہوگا، خود لڑکوں اور لڑکیوں کی صورت شکل میں، کپڑے کی سجاوٹ میں، نور وصبور میں، حیا و شرم میں ضرور فرق ہوگا اور بھی بہت باتوں میں فرق ہو جاتا ہے اور لوگوں کی عادت ہے ایک کو گھٹانے اور دوسرے کو بڑھانے کی اس سے ناحق دوسرے کا جی برا ہوتا ہے۔

(۲) ہر کسی پر اطمینان مت کرلیا کرو، کسی کے بھروسے گھر مت چھوڑ جایا کرو، غرض جب تک کسی کو ہر طرح کے برتاؤ سے خوب آزمانہ لو، اس کا اعتبار مت کرو خاص کر اکثر شہروں میں بہت سی عورتیں کوئی جن بن ہوئی کعبہ کا غلاف لیے ہوئے اور کوئی تعویذ گنڈے جھاڑ پھونک کرتی ہوئی کوئی فال دیکھتی ہوئی کوئی تماشا لیے ہوئے گھروں میں گھستی پھرتی ہیں ان کو تو گھر میں ہی مت آنے دو، دروازے ہی سے روک دو، ایسی عورتوں نے بہت سے گھروں کی صفائی کردی ہے۔

(۳) کبھی صندوقچی یا پاندان جس میں روپیہ پیسہ، گہنا، زیور رکھا کرتی ہوں کھلا چھوڑ کر مت اٹھو، قفل لگا کر یا اپنے ساتھ لے کر اٹھو۔

(۴) جہاں تک ہوسکے سودا قرض مت منگاؤ جو بہت ناچار میں مانگنا ہی پڑے تو دام پوچھ کر تاریخ کے ساتھ لکھ لو، جب دام ہوں فوراً ادے دو۔

(۵) دھوبن کے کپڑے پسنہاری (دکاندار) کا اناج اور پسائی ان سب کا حساب لکھتی رہو، زبانی یاد کا بھروسہ مت کرو۔

(۶) جہاں تک ہوسکے گھر کا خرچ بہت کفایت اور انتظام سے اٹھاؤ؛ بلکہ جتنا خرچ تم کو ملے اس میں سے کچھ بچالیا کرو۔

(۷) جو عورتیں باہر سے گھر میں آیا کرتی ہیں ان کے سامنے کوئی ایسی بات مت کیا کرو جس کا تم کو دوسری جگہ معلوم کرانا منظور نہیں؛ کیونکہ ایسی عورتیں گھروں کی باتیں دس گھر جا کر کہا کرتی ہیں۔

(۸) آٹا چاول اٹکل سے مت پکاؤ اپنے خرچ کا اندازہ کر کے دونوں وقت سب چیزیں تول ناپ کر خرچ کرو۔ اگر کوئی تم کو طعنہ دے کچھ پرواہ مت کرو۔

(۹) جو لڑکیاں باہر نکلتی ہیں ان کو زیور بالکل مت پہناؤ اس میں جان ومال دونوں طرح کا اندیشہ ہے۔

(۱۰) اگر کوئی مرد دروازے پر آ کر تمہارے شوہر یا باپ بھائی سے اپنی ملاقات یا دوست یا کسی قسم کی رشتہ داری کا تعلق ظاہر کرے ہرگز اس کو گھر میں مت بلاؤ یعنی پردہ کر کے بھی اس کو مت بلاؤ اور نہ کوئی قیمتی چیز اس کے قبضہ میں دو، غیر آدمی کی طرح کھانا وغیرہ بھیج دو، زیادہ محبت واخلاص مت کرو جب تک تمہارے گھر کا کوئی مرد اس کو پہچان نہ لے اس طرح ایسے شخص کی بھیجی ہوئی چیز ہرگز مت برتو، اگر وہ برا مانے کچھ غم نہ کرو۔

(۱۱) اس طرح اگر کوئی انجانی عورت ڈولی وغیرہ کے ساتھ کہیں سے آ کر کہے کہ مجھ کو فلانے گھر سے آپ کے بلانے کو بھیجا ہے ہرگز اس کے کہنے سے ڈول میں مت سوار ہو۔ غرض انجان آدمیوں کے کہنے سے کوئی کام مت کرو، نہ اس کو اپنے گھر کی کوئی چیز دو، چاہے وہ مرد ہو یا عورت ہو، چاہے وہ اپنے نام سے لے یا دوسرے کے نام سے مانگے۔

(۱۲) گھر کے اندر ایسا کوئی درخت مت رہنے دو جس کے پھل سے چوٹ لگنے کا اندیشہ ہو۔

(۱۳) کپڑا سردی میں ذرا زیادہ پہنو اکثر عورتیں بہت کم کپڑا پہنتی ہیں کہیں زکام ہو جاتا ہے کہیں بخار جاتا ہے۔

(۱۴) بچوں کو ماں باپ بلکہ دادا کا بھی نام یاد کرا دو اور کبھی کبھی پوچھتی رہا کرو؛ تا کہ اس کو یاد رہے اس میں یہ فائدہ ہے کہ اگر خدانخواستہ بچہ کھو جائے اور کوئی اس سے پوچھے کہ تو کس کا ہے تیرے ماں باپ کون ہیں تو اگر بچہ کو نام یاد ہوں گے تو بتلا تو دے گا پھر کوئی نہ کوئی تمہارے پاس اس کو پہنچا دے گا اور اگر یاد نہ ہوا تو پوچھنے پر اتنا ہی کہے گا کہ میں اماں کا ہوں ابا کا ہوں یہ خبر نہیں کون اماں کون ابا۔

(۱۵) ایک جگہ ایک عورت اپنا بچہ چھوڑ کر کہیں کام کو چلی گئی پیچھے ایک بلی نے آ کر اس قدر نوچا کہ اس میں جان گئی، اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ ننھے بچے کو کبھی تنہا نہ چھوڑنا چاہیے، دوسرے یہ کہ بلی کتے جانور کا کچھ اعتبار نہیں بعض عورتیں بیوقوفی

کرتی ہیں کہ بلیوں کو ساتھ سلاتی ہیں بھلا اس کا کیا اعتبار، اگر رات کو کہیں دھوکہ میں پنجہ دانت مار دے یا زخرہ پکڑ لے تو کیا کرلو۔

(۱۶) دوا ہمیشہ پہلے حکیم کو دکھلا لو، اور اس کو خوب صاف کرلو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اناڑی پنساری دوا کچھ کی کچھ دے دیتا ہے، بعض دفعہ اس میں ایسی کوئی چیز ملی ہوتی ہے کہ اس کی تاثیر اچھی نہیں ہوتی اور جو دوا کسی بوتل یا ڈبیہ یا پڑیہ میں بچ جائے اس کے اوپر ایک کاغذ کی چٹ لگا کر اس دوا کا نام لکھ دو بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو اس کی پہچان نہیں رہی اس لیے چاہے کتنی ہی لاگت کی ہوئی مگر پھینکنا پڑا اور بعض دفعہ غلط یاد رہی اور اس کو دوسری بیماری میں غلطی سے برت لیا اور اس نے نقصان کیا۔

(۱۷) لحاظ کی جگہ سے قرض مت لو، اور زیادہ قرض بھی مت دو، اتنا دو کہ اگر وصول نہ ہو تو وہ تم کو بھاری نہ معلوم ہو۔

(۱۸) جو کوئی بڑا یا نیا کام کرو، اول کسی سمجھدار دیندار خیر خواہ آدمی سے صلاح لے لو۔

(۱۹) اپنا روپیہ پیسہ مال ومتاع چھپا کر رکھو، ہر کسی سے اس کا ذکر نہ کرو۔

(۲۰) جب کسی کو خط لکھو تو اپنا پتہ پورا اور صاف لکھو اور اگر اس جگہ پھر خط لکھو تو یوں نہ سمجھو کہ پہلے خط میں تو پتہ لکھ دیا تھا اب کیا ضرورت ہے کیونکہ پہلا خط خدا جانے ہے یا نہیں اگر نہ ہوا تو دوسرے آدمی کو کیسی دقت پڑے گی شاید اس کو زبانی بھی یاد نہ رہا ہو یا اَن پڑھ ہونے کی وجہ سے لکھنے والے کو نہ بتلا سکے۔

(۲۱) اگر ریل کا سفر کرنا پڑے تو اپنا ٹکٹ بڑی حفاظت سے رکھو یا اپنے مردوں کے پاس رکھو، اور گاڑی میں غافل ہو کر زیادہ مت سوو، نہ کسی عورت مسافر سے اپنے دل کے بھید کہو، نہ اپنے اسباب اور زیور کا اس سے ذکر کرو اور کسی کی دی ہوئی چیز پان یا مٹھائی کھانا وغیرہ کچھ مت کھاؤ، اور زیور پہن کر ریل میں مت بیٹھو بلکہ اتار کر صندوقچہ وغیرہ میں رکھ لو، جب منزل پر پہنچ کر گھر جاؤ اس وقت جو چاہو پہن لو۔

(۲۲) سفر میں کچھ خرچ ضرور پاس رکھو۔

(۲۳) باؤلے آدمی کو مت چھیڑو نہ اس سے بات کرو جب اس کو ہوش نہیں خدا جانے کیا کہہ بیٹھے یا کیا کر گزرے پھر ناحق تم کو شرمندگی اور رنج ہو۔

(۲۴) اندھیرے میں ننگا پاؤں کہیں مت رکھو، اندھیرے میں کہیں ہاتھ مت ڈالو پہلے چراغ کی روشنی لے لو پھر ہاتھ ڈالو۔

(۲۵) اپنا بھید ہر کسی سے مت کہو بعضے آدمی اوچھوں سے بھید کہہ کر پھر منع کر دیتے ہیں کہ کسی سے کہنا مت، اس سے ایسے آدمی اور بھی کہا کرتے ہیں۔

(۲۶) ضرور دوائیں ہمیشہ اپنے گھر میں رکھو۔

(۲۷) ہر کام کا پہلے انجام سوچ لیا کرو اس وقت شروع کرو۔

(۲۸) چینی اور شیشے کے برتن اور سامان بھی بلا ضرورت زیادہ مت خریدو کہ اس میں بڑا روپیہ برباد ہوتا ہے۔

(۲۹) اگر عورتیں ریل میں بیٹھیں اور اپنے ساتھ کے مرد دوسری جگہ بیٹھے ہوں تو جس اسٹیشن پر اترنا ہو، ریل پہنچنے کے وقت اس اسٹیشن کا نام سن کر یا تختے پر لکھا ہوا دیکھ کر اترنا نہ چاہیے بعض شہروں میں دو تین اسٹیشن ہوتے ہیں شاید ان کے ساتھ کا مرد دوسرے اسٹیشن پر اترے اور یہ یہاں اتر پڑیں تو دونوں پریشان ہوں گے یا مرد کی آنکھ لگ گئی اور وہ یہاں نہ اترا اور یہ اتریں تب بھی مصیبت ہوگی بلکہ جب اپنے گھر کا مرد آجائے تب اتریں۔

(۳۰) سفر میں لکھی پڑھی عورتیں یہ چیزیں بھی ساتھ رکھیں ایک کتاب، مسئلوں کی پنسل کاغذ، تھوڑے سے کارڈ، وضو کا برتن۔

(۳۱) سفر میں جانے والوں سے حتی الامکان کوئی فرمائش مت کرو کہ فلاں جگہ سے یہ خرید لانا، ہماری فلاں چیز فلاں جگہ رکھی ہے تم اپنے ساتھ لیتے آنا، یہ اسباب لیتے جاؤ فلانے کو پہنچا دینا یہ خط فلانے کو دے دینا، ان فرمائشوں سے اکثر دوسرے آدمی کو تکلیف ہوتی ہے اور اگر دوسرا بے فکر ہو تو اس کے بھروسے رہنے سے تمہارا نقصان ہوگا

خط تو تین پیسے میں جہاں چاہو بھیج دو، اور چیز ریل میں منگا سکتی ہو یا وہ چیز اگر یہاں مل سکتی ہو تو مہنگی لے سکتی ہو اپنی تھوڑی سی بچت کے واسطے دوسروں کو پریشان کرنا بہتر نہیں، بعض کام ہوتا تو ہے ذرا سا مگر اس کے بندوبست میں بہت الجھن ہوتی ہے اور اگر بہت ہی ناچار پڑے تو چیز کے منگانے میں پہلے دام بھی دے دو، اگر ریل میں آئے جائے تو کچھ زیادہ دام دے دو کہ شاید اس کے پاس خود اپنا اسباب بھی ہو، اور سب مل کر تولنے کے قابل ہو جائے۔

(۳۲) ریل میں یا ویسے کہیں سفر میں انجان آدمی کے ہاتھ کی دی ہوئی چیز کبھی نہ کھائے بعضے شریر آدمی کچھ زہر یا نشہ کھلا کر مال اسباب لے بھاگتے ہیں۔

(۳۳) ریل کی جلدی میں اس کا خیال رکھو کہ جس درجہ کا ٹکٹ تمہارے پاس ہے اس سے بڑے کرایہ کے درجہ میں مت بیٹھ جاؤ۔

(۳۴) سینے میں اگر کپڑے میں سوئی اٹک جائے تو اس کو دانت سے پکڑ کر مت کھینچو، بعض دفعہ ٹوٹ کر یا پھسل کر تالو میں یا زبان میں گھس جاتی ہے۔

(۳۵) ایک ناخن تراش ناخن تراشنے کو ضرور اپنے پاس رکھو۔

(۳۶) بنی ہوئی دوا کبھی استعمال مت کرو جب تک اس کا پورا نسخہ کسی تجربہ کار سمجھدار حکیم کو دکھلا کر اجازت نہ لی جائے خاص کر آنکھ میں تو کبھی ایسی ویسی دوا ہرگز نہ ڈالنا چاہیے۔

(۳۷) جس کام کا پورا بھروسہ نہ ہو، اس میں دوسرے کو کبھی بھروسہ نہ دے ورنہ تکلیف اور رنج ہوگا۔

(۳۸) کسی کی مصلحت میں دخل اور صلاح نہ دے البتہ جس پر پورا اختیار ہو، یا جو خود پوچھے وہاں کچھ ڈر نہیں۔

(۳۹) کسی کو ٹھیرانے پر یا کھانا کھلانے میں زیادہ اِصرار نہ کرے بعض دفعہ اس میں دوسرے کو الجھن اور تکلیف ہوتی ہے ایسی محبت سے کیا فائدہ جس کا انجام نفرت اور الزام ہو۔

(۴۰) اتنا بوجھ مت اٹھاؤ جو مشکل سے اٹھے ہم نے بہت آدمی دیکھے ہیں کہ لڑکپن میں بوجھ اٹھا لیا اور ایسا کوئی بگاڑ پڑ گیا جس سے ساری عمر کی تکلیف کھڑ ہو گئی، خاص کر لڑکیاں اور عورتیں بہت احتیاط رکھیں ان کے بدن کے جوڑ اور رگ پٹھے اور بھی کمزور نرم ہوتے ہیں۔

(۴۱) سوا یا سوئی یا ایسی کوئی چیز چھوڑ کر مت اٹھو شاید کوئی بھولے سے اس پر بیٹھے اور وہ اس کے چبھ جائے۔

(۴۲) آدمی کے اوپر سے کوئی چیز وزن کی یا خطرہ کی مت دو، اور کھانا پانی بھی کسی کے اوپر سے مت دو شاید ہاتھ سے چھوٹ جائے۔

(۴۳) کسی بچہ یا شاگرد کو سزا دینا ہو تو موٹی لکڑی یا لات گھونسہ سے مت مارو، اللہ بچائے اگر کہیں نازک جگہ چوٹ لگ جائے تو لینے کے دینے پڑ جائیں اور چہرے اور سر پر بھی مت مارو۔

(۴۴) اگر کہیں مہمان جاؤ اور کھانا کھا چکو ہو تو جاتے ہی گھر والوں کو اطلاع کر دو؛ کیونکہ وہ لحاظ کے مارے خود پوچھیں گے نہیں چپکے چپکے سب فکر کریں گے خواہ وقت ہو یا نہ ہو، انہوں نے تکلیف جھیل کر کھانا پکایا، جب سامنے آیا تو تم نے کہہ دیا کہ ہم نے تو کھا لیا اس وقت ان کو کتنا افسوس ہوگا تو پہلے ہی سے کیوں نہ کہہ دو، اس طرح اگر کوئی دوسرا تمہاری دعوت کرے یا تم کو ٹھیرائے تو گھر والے سے اجازت لو، اور اگر ایسی ہی مصلحت ہو جس سے تم کو خود منظور کرنا پڑے تو گھر والے کو ایسے وقت اطلاع کرو کہ وہ کھانا پکانے کا سامان نہ کرے۔

(۴۵) جو جگہ لحاظ اور تکلف کی ہو وہاں خرید و فروخت کا معاملہ مناسب نہیں کیونکہ ایسی جگہ نہ بات صاف ہو سکتی ہے نہ تقاضا ہو سکتا ہے ایک دل میں کچھ سمجھتا ہے دوسرا کچھ سمجھتا ہے، انجام اچھا نہیں۔

(۴۶) چاقو وغیرہ سے دانت مت کریدو۔

(۴۷) پڑھنے والے بچوں کو دماغ کس طاقت کس غذا ہمیشہ کھلاتی رہو۔

(۴۸) جہاں تک ممکن ہو تو رات کو تنہا مکان میں مت رہو، خدا جانے کیا اتفاق ہو، اور ناچار کی اور بات ہے بعضے آدمی یونہی مر کر رہ گئے اور کئی کئی روز کے بعد لوگوں کو خبر ہوئی۔

(۴۹) چھوٹے بچوں کو کنویں پر مت چڑھنے دو؛ بلکہ اگر گھر میں کنواں ہو تو اس پر تختہ ڈلوا کر ہر وقت قفل لگائے رکھو اور ان کو لوٹا دے کر پانی لانے کے واسطے کبھی مت بھیجو، شاید وہاں جا کر خود ہی کنویں سے ڈول کھینچنے لگیں۔

(۵۰) پتھر سل اینٹ بہت دنوں تک جو ایک جگہ رکھی رہتی ہے اکثر اس کے نیچے بچھو وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں اس کو دفعۃً مت اٹھالو خوب دیکھ بھال کر اٹھاؤ۔

(۵۱) جب بچھونے پر لیٹنے لگو تو اس کو کسی کپڑے سے پھر جھاڑ لو شاید کوئی جانور اس پر چڑھ گیا ہو۔

(۵۲) ریشم اور اون کپڑوں کی تہوں میں نیم کی پتی اور کافور رکھ دیا کرو کہ اس سے کیڑا نہیں لگتا۔

(۵۳) اگر گھر میں کچھ روپیہ پیسہ دبا کر رکھو تو ایک دو آدمی گھر کے جن کا تم کو پورا اعتبار ہو ان کو بھی بتلا دو ایک جگہ ایک عورت پانچ سو روپے میاں کی کمائی کے دبا کر مر گئی جگہ ٹھیک ٹھیک کس کو معلوم نہیں تھی سارا گھر کھود ڈالا کہیں پتہ نہ لگا میاں غریب آدمی تھا خیال کرو کیسا صدمہ ہوا ہوگا۔

(۵۴) بعضے آدمی تالا لگا کر کنجی بھی ادھر ادھر پاس ہی کو رکھ دیتے ہیں یہ بڑی غلطی کی بات ہے۔

(۵۵) مٹی کا تیل بہت نقصان کرتا ہے اس کو نہ جلائیں اور چراغ میں بتی اپنے ہاتھ سے بنا کر ڈالیں جو نہ بہت باریک ہو نہ بہت موٹی بعض نوکرانیاں بے تمیز بہت موٹی بتی ڈال دیتی ہیں مفت میں دوگنا تگنا تیل برباد ہو جاتا ہے اور چراغ میں بتی اُکسانے کیلئے پابندی کے ساتھ ایک لکڑی یا لوہے پیتل کا تار ضرور رکھیں ورنہ انگلی خراب کرنی پڑتی ہے اور چراغ گل کرنے کے وقت احتیاط رکھیں اس پر ایسا ہاتھ نہ ماریں کہ چراغ ہی آپڑے؛ بلکہ اس کیلئے پنکھا یا کپڑا مناسب ہے اور مجبوری کو منہ سے بجھا دیں۔

(۵۶) رات کے وقت اگر روپے وغیرہ گننا ہو بہت آہستہ سے گنو کہ آواز نہ ہو، اس کے ہزاروں دشمن ہیں۔

(۵۷) جلتا چراغ تنہا مکان میں چھوڑ کر مت جاؤ اس طرح دیا سلائی سلگتی ہوئی ویسی ہی کہیں مت پھینک دو اس کو یا تو بجھا کر پھینکو یا پھینک کر جوتی وغیرہ سے مل ڈالو تاکہ بالکل اس میں چنگاری نہ رہے۔

(۵۸) بچوں کو دیا سلائی سے یا آگ سے یا آتشبازی سے ہرگز کھیلنے مت دو، ہمارے پڑوس میں ایک لڑکا دیا سلائی کھینچ رہا تھا کرتے میں آگ لگ گئی تمام سینہ جل گیا ایک جگہ آتشبازی سے ایک لڑکے کا ہاتھ اڑ گیا۔

(۵۹) پاخانہ وغیرہ میں چراغ لے جاؤ تو بہت احتیاط رکھو کہ کہیں کپڑوں میں نہ لگ جائے بہت آدمی اس طرح جل چکے ہیں خاص کر مٹی کا تیل تو اور بھی غضب ہے۔

بعض باتیں نیکیوں کی اور نصیحتوں کی

(۱) پرانی باتوں کا کسی کو طعنہ دینا بری بات ہے، عورتوں کی ایسی بری عادت ہے کہ جن رنجوں کی صفائی اور معافی بھی ہو چکی ہے جب کوئی نئی بات ہوگئی، پھر ان رنجوں کے ذکر کو لے بیٹھیں گی یہ گناہ بھی ہے اور اس سے دلوں میں دوبارہ رنج و غبار بھی بڑھ جاتا ہے۔

(۲) اپنے سسرال کی شکایت ہرگز میکے میں جا کر مت کرو، بعض شکایات گناہ بھی ہیں اور یہ بے صبری کی بھی بات ہے اور اکثر اس سے دونوں طرف رنج بھی بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح سسرال میں جا کر میکے کی تعریف یا وہاں کی بڑائی بھی مت کرو، اس میں بھی بعض دفعہ فخر و تکبر کا گناہ ہو جاتا ہے اور سسرال والے سمجھتے ہیں کہ ہم کو بہو بے قدر سمجھتی ہے اس سے وہ بھی اس کی بے قدری کرنے لگتے ہیں۔

(۳) زیادہ بکواس کی عادت مت ڈالو، ورنہ بہت سی باتوں میں کوئی نہ کوئی بات نامناسب ضرور نکل جاتی ہے جس کا انجام دنیا میں رنج اور عقبیٰ میں گناہ ہوتا ہے۔

(۴) جہاں تک ہو سکے اپنا کام کسی سے مت لو، خود اپنے ہاتھ سے کرلیا کرو بلکہ دوسروں کا بھی کام کر دیا کرو، اس سے تم کو ثواب بھی ہوگا اور اس سے ہر دلعزیز ہو جائے گی۔

(۵) ایسی عورتوں کو کبھی منہ مت لگاؤ، اور نہ کان دے کر ان کی بات سنو جو ادھر ادھر کی باتیں گھر میں آ کر سنا دیں، ایسی باتیں سننے سے گناہ بھی ہوتا ہے اور فساد بھی ہو جاتا ہے۔

(۶) اگر اپنی ساس نند دیورانی جٹھانی یا دور نزدیک کے رشتہ دار کی کوئی شکایت سنو تو اس کو دل میں مت رکھو بہتر تو یہ ہے کہ اس کو جھوٹ سمجھ کر دل سے نکال ڈالو۔ اگر اتنی ہمت نہ ہو تو جس سے تم نے کہا ہے اس کا سامنا کرا کر منہ در منہ اس کو صاف کرلو اس سے فساد نہیں بڑھتا۔

(۷) نوکروں پر ہر وقت سختی اور تنگی مت کیا کرو اور اپنے بچوں کی دیکھ بھال رکھو تاکہ نوکروں کو یا ان کے بچوں کو نہ ستانے پائیں کیونکہ یہ لوگ لحاظ کے مارے زبان سے تو کچھ نہ کہیں گے لیکن دل میں ضرور کوسیں گے پھر اگر نہ بھی کوسا جب بھی ظلم کا وبال اور گناہ تو ضرور ہوگا۔

(۸) اپنا وقت فضول باتوں میں مت کھویا کرو اور بہت سا وقت اس کام کیلئے بھی رکھو کہ اس میں لڑکیوں کو قرآن اور دین کی کتابیں پڑھایا کرو، اگر زیادہ نہ ہو تو قرآن کے بعد یہ کتاب بہشتی زیور شروع سے ختم تک تو ضرور پڑھا دیا کرو، لڑکیاں چاہے اپنی ہوں یا پرائی ہوں ان سب کیلئے اس کا بھی خیال رکھو کہ ان کو ضرور ہنر بھی آ جائیں؛ لیکن قرآن کے ختم ہونے تک ان سے دوسرا کام مت لو، اور جب قرآن پڑھ چکیں اور صاف بھی کرلیں پھر صبح کے وقت پڑھا پھر جب چھٹی لے کر کھانا کھا چکیں ان سے لکھواؤ، پھر دن رہے سے ان کو کھانا پکانے کا اور سینے پرونے کا کام سکھاؤ۔

(۹) جو لڑکیاں تم سے پڑھنے آئیں ان سے اپنے گھر کے کام مت لو نہ ان سے اپنے بچوں کی ٹہل کراؤ، بلکہ ان کو بھی اپنی اولاد کی طرح رکھو۔

(۱۰) نام کے واسطے کبھی کوئی فکر کوئی بوجھا پنے اوپر مت ڈالو، گناہ کا گناہ مصیبت کی مصیبت۔

(۱۱) کہیں آنے جانے کے وقت اس کی پابند مت بنو کہ خواہ مخواہ جوڑا ضرور ہی بدلا جائے زیور بھی سارا لادا جائے کیونکہ اس میں یہ نیت ہوتی ہے کہ دیکھنے والے ہم کو بڑا سمجھیں سو ایسی نیت خود گناہ ہے اور چلنے میں اس کے سبب دیر بھی ہو جاتی ہے جس سے طرح طرح کے حرج ہو جاتے ہیں۔ مزاج میں عاجزی اور سادگی رکھو کبھی جو کپڑے پہنے بیٹھی ہو یہ پہن کر چلی جایا کرو، کبھی اگر کپڑے زیادہ میلے ہوئے یا ایسا ہی کوئی موقع ہو مختصر طور پر جتنا آسانی سے اور جلدی سے ہو سکا بدل لیا بس چھٹی ہوئی۔

(۱۲) کسی سے بدلہ لینے کے وقت اس کے خاندان کے یا مرے ہوؤں کے عیب مت نکالو، اس میں گناہ بھی ہو جاتا ہے اور خواہ مخواہ دوسروں کو رنج ہوتا ہے۔

(۱۳) دوسروں کی چیز جب برت چکو یا جب برتن خالی ہو جائے فوراً واپس کر دو، اگر کوئی اتفاق سے اس وقت لے جانے والا نہ ملے تو اس کو اپنے برتنے کی چیزوں میں ملا جلا کر مت رکھو، بالکل علیحدہ اٹھا کر رکھ دو تا کہ وہ چیز ضائع نہ ہو، ویسے بھی بے اجازت کسی کی چیز برتنا گناہ ہے۔

(۱۴) اچھا کھانے پینے کی عادت مت ڈالو۔ ہمیشہ ایک سا وقت نہیں رہتا پھر کس وقت بہت مصیبت جھیلنی پڑتی ہے۔

(۱۵) احسان کسی کا چاہے تھوڑا سا ہو اس کو کبھی مت بھولو، اور اپنا احسان چاہے جتنا ہو بڑا ہو، مت جتلاؤ۔

(۱۶) جس وقت کوئی کام نہ ہو سب سے اچھا شغل کتاب دیکھنا ہے، اس کتاب کے ختم پر بعض کتابوں کے نام لکھ دیئے ہیں ان کو دیکھا کرو، اور جن کتابوں کا اثر اچھا نہ ہو ان کو کبھی مت دیکھو۔

(۱۷) چلا کر کبھی مت بولو، باہر آواز جائے گی کیسی شرم کی بات ہے۔

(۱۸) اگر رات کو اٹھو، اور گھر والے سوتے ہوں تو کھڑے کھڑے دھڑ دھڑ مت کرو، زور سے مت چلو تم تو ضرورت سے جاگیں بھلا اَوروں کو کیوں جگایا جو کام کرو، آہستہ کرو، آہستہ کواڑ کھولو، آہستہ پان لو، آہستہ تھوکو، آہستہ چلو، آہستہ گھڑا بند کرو۔

(۱۹) بڑوں سے ہنسی مت کرو، بے ادبی کی بات ہے اور کم حوصلہ لوگوں سے بے تکلفی نہ کرو کہ وہ بے ادب ہو جائیں گے پھر تم کو ناگوار ہوگا یا وہ لوگ کہیں دوسری جگہ گستاخی کر کے ذلیل ہوں گے۔

(۲۰) اپنے گھر والوں کی یا اپنی اولاد کی کسی کے سامنے تعریف مت کرو۔

(۲۱) اگر کسی محفل میں سب کھڑے ہو جائیں تم بھی مت بیٹھی رہو کہ اس میں تکبر پایا جاتا ہے۔

(۲۲) اگر دو شخصوں میں آپس میں رنج ہو تو تم ان دونوں کے درمیان ایسی بات کوئی مت کہو کہ اگر ان میں میل ہو جائے تو تم کو شرمندگی اٹھانی پڑے۔

(۲۳) جب تک روپے پیسے نرمی سے کام نکل سکے سخت اور خطرہ میں نہ پڑو۔

(۲۴) مہمان کے سامنے کسی پر غصہ مت کرو، اس سے مہمان کا دل ویسا کھلا ہوا نہیں رہتا جیسا کہ پہلے تھا۔

(۲۵) دشمن کے ساتھ بھی اخلاق کے ساتھ پیش آؤ اس کی دشمنی نہ بڑھے گی۔

(۲۶) روٹی کے ٹکڑے یوں ہی مت پڑے رہنے دو جہاں دیکھو اٹھا لو، اور صاف کر کے کھا لو، اگر نہ کھا سکو کسی جانور کو دے دو، اور دستر خوان جس میں ریزے ہوں، اس کو ایسی جگہ مت جھاڑو، جہاں کسی کا پاؤں آئے۔

(۲۷) لڑکیوں پر تاکید رکھو کہ لڑکوں میں نہ کھیلا کریں کیونکہ اس میں دونوں کی عادت بگڑتی ہے اور جو غیر لڑکے گھر میں آئیں چاہے وہ چھوٹے ہی ہوں مگر اس وقت لڑکیاں وہاں سے ہٹ جایا کریں۔

(۲۸) کسی سے ہاتھ پاؤں کی ہنسی ہرگز مت کرو اکثر تو رنج ہو جاتا ہے اور کبھی جگہ بے جگہ چوٹ بھی لگ جاتی ہے اور زبان بھی زیادہ ہنسی مت کرو جس سے دوسرا چڑنے لگے اس میں بھی تکرار ہو جاتی ہے خاص کر مہمان سے ہنسی کرنا اور بھی بیہودہ بات ہے جیسے بعضے آدمی براتیوں سے ہنسی کرتے ہیں۔

(۲۹) اپنے بزرگوں کے سرہانے مت بیٹھو لیکن اگر وہ کسی وجہ سے خود حکم کے طور پر بیٹھنے کو کہیں تو اس وقت ادب یہ ہے کہ کہنا مان لو۔

(۳۰) اگر کسی سے کوئی چیز مانگنے کے طور پر لو تو ایک تو اس کو خوب احتیاط سے رکھو اور جب وہ خالی ہو جائے فوراً اس کے پاس پہنچا دو، یہ راہ مت دیکھو کہ وہ خود مانگے اول تو اس کو خبر کیا کہ اب خالی ہو گئی، دوسرے شاید لحاظ کے مارے نہ مانگے اور شاید اس کو یاد نہ رہے پھر ضرورت کے وقت اس کو کیسی پریشانی ہو گی اس طرح کسی کا قرض ہو تو اس کا خیال رکھو کہ جب ذرا بھی گنجائش ہو فوراً جتنا ہو سکا قرض اتار دیا۔

(۳۱) اگر کبھی کسی ناچاری میں کہیں رات بے رات پیدل چلنے کا موقع ہو تو چھڑے کڑے وغیرہ پاؤں میں سے نکال کر ہاتھ میں لے لو، راستہ میں بجاتی ہوئی مت چلو۔

(۳۲) اگر کوئی بالکل تنہا کوٹھڑی وغیرہ میں ہو، اور کواڑ وغیرہ بند ہوں تو دفعۃً کھول کر اندر مت چلی جاؤ، خدا جانے وہ آدمی ننگا ہو، کھلا ہو، یا سوتا ہو، اور ناحق بے آرام ہو، بلکہ آہستہ آہستہ پہلے پکار دو، اور اندر آنے کی اجازت لو، اگر وہ اجازت دے تو اندر جاؤ، نہیں تو خاموش ہو جاؤ، پھر دوسرے وقت سہی، البتہ اگر کوئی بہت ہی ضرورت کی بات ہو تو پکار کر جگا لو، جب تک وہ بول نہ پڑے تب تک اندر پھر بھی مت جاؤ۔

(۳۳) جس آدمی کو پہچانتی نہ ہو، اس کے سامنے کسی شہر یا قوم کی برائی مت کرو شاید وہ آدمی اس شہر یا اس قوم کا ہو پھر تم کو شرمندہ ہونا پڑے۔

(۳۴) اس طرح جس کام کا کرنے والا تم کو معلوم نہ ہو تو یوں مت کہو یہ کس بے وقوف نے کیا ہے یا ایسی ہی کوئی بات مت کہو، شاید کسی ایسے شخص نے کیا ہو، جس کا تم لحاظ کرتی ہو، پھر معلوم ہوئے پیچھے شرمندہ ہونا پڑے۔

(۳۵) اگر تمہارا بچہ کسی کا قصور خطا کرے تو تم کبھی اپنے بچہ کی طرفداری مت کرو خاص کر بچے کے سامنے ایسا کرنا بچے کی عادت خراب کرنا ہے۔

(۳۶) لڑکیوں کی شادی میں زیادہ یہ بات دیکھو کہ داماد کے مزاج میں خدا کا خوف اور دینداری ہو، ایسا شخص اپنی بی بی کو ہمیشہ آرام سے رکھتا ہے، اگر مال و دولت بہت کچھ ہو، اور دین نہ ہوا تو وہ شخص اپنی بی بی کا حق ہی نہ پہچانے گا اور اس کے ساتھ وفاداری نہ کرے گا بلکہ روپیہ پیسہ بھی نہ دے گا اگر دیا بھی تو اس سے زیادہ جلا دے گا۔

(۳۷) بعض عورتوں کی عادت ہے کہ پردے میں سے کسی کو بلانا ہو تو خبر کرنے کیلئے آڑ میں کھڑے ہو کر ڈھیلا پھینکتی ہیں بعض دفعہ وہ کسی کے لگ جاتا ہے ایسا کام کرنا نہ چاہیے جس میں کسی کو تکلیف پہنچنے کا شبہ ہو بلکہ اپنی جگہ بیٹھی ہوئی اینٹ وغیرہ کھٹ کھٹا دینا چاہیے۔

(۳۸) اپنے کپڑوں پر سوئی ڈورے سے کوئی نشان پھول وغیرہ بنا دیا کرو کہ دھوبی کے گھر کپڑے بدلے نہ جائیں ورنہ کبھی غلطی سے تم دوسرے کے اور دوسرا تمہارے کپڑے برت کر خواہ مخواہ گنہگار ہوگا اور دنیا کا بھی نقصان ہے۔

(۳۹) عرب میں دستور ہے کہ جو کسی بزرگ آدمی سے کوئی چیز تبرک کے طور پر لینا چاہتے ہیں تو وہ چیز اپنے پاس سے ان بزرگ کے پاس لا کر کہتے ہیں کہ آپ اس کو ایک دو روز استعمال کر کے ہم کو دے دیجئے۔ اس میں ان بزرگ کو تردد نہیں کرنا پڑتا ورنہ اگر بیس آدمی کسی بزرگ سے ایک ایک کپڑا مانگیں تو ان کی گٹھری میں تو ایک چیتھڑا بھی نہ رہے ہمارے ہندوستان میں بے دھڑک مانگ بیٹھتے ہیں بعض دفعہ ان کو سوچ ہو جاتا ہے، اگر ہم لوگ بھی عرب کا دستور برتیں تو بہت مناسب ہے۔

(۴۰) اگر کوئی شخص اپنی طرف سے کوئی بات کہے تو اگر اس کے خلاف مناسب جواب دینا ہو تو اپنی طرف سے جواب دو کسی اور کے نام سے مت کہو کہ تم یوں کہتے ہو، اور فلاں شخص اس کے خلاف کہتا ہے کیونکہ اگر اس دوسرے شخص کو اس نے کچھ کہہ دیا تو وہ سن کر رنجیدہ ہوگا۔

(۴۱) محض اٹکل اور گمان سے بدون تحقیق کیے ہوئے کسی پر الزام مت لگاؤ اس سے بہت دل دکھتا ہے۔(۱)

شوہر کے رشتہ داروں کا خیال رکھے

عورت کو چاہئے کہ اپنے سسرال میں اپنی ہر ذمہ داری کو بحسن وخوبی پورا کرتی رہے اور ساس سسر اور دیگر لوگوں کی خدمت اخلاص وللّٰہیت سے کرے، اس بارے میں کوئی کمی کوتاہی اپنی طرف سے نہ کرے، سسرال والوں کی جانب سے ان کا رویہ کس قدر خراب اور برا کیوں نہ ہو، وہ اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کو اپنا مطمح نظر اور مقصود بنائے رہے، ان سے اجر یا ان کی خوشنودی کی شکل میں ان سے معاوضہ کی طالب نہ ہو؛ بلکہ نیک نیتی اور اپنائیت کے جذبہ کے ساتھ ذمہ داریوں کی ادائیگی میں لگی رہے اس اخلاص کے بدولت ایک دن وہ آئے گا کہ ان کے دل خود پسیج جائیں گے اور وہ خود اس کے ہمدرد اور ہم نوا بن جائیں گے، جب اخلاص سے صدقے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس سے بدکار عورت بدکاری سے اور چور چوری سے اور بخیل بخل سے تائب ہوسکتا ہے تو کیوں کر اس کے اخلاص کی وجہ سے ان کی دل کی دنیا نہ بدلے گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص نے کہا: میں آج رات ضرور صدقہ کروں گا، وہ اپنے صدقہ کو رات میں لے کر نکلا، اسے ایک بدکار عورت کے ہاتھ میں رکھ دیا، صبح لوگوں میں چرچا ہوا کہ کل رات ایک بدکار عورت کو صدقہ دیا گیا، اس نے کہا: زانیہ پر صدقہ کرنے میں بھی تعریف اللہ ہی کیلئے ہے، پھر اس نے

(۱) اختری بہشتی زیور: دسواں حصہ:۲-۱۹

کہا: میں ضرور صدقہ کروں گا، وہ اپنے صدقہ کے مال کو لے کر گیا اور اسے ایک مالدار کے ہاتھ میں رکھ دیا، صبح چرچا ہوا کہ کل رات ایک مالدار کو صدقہ دیا گیا، اس نے کہا: مالدار کو صدقہ دینے پر بھی تیرے ہی لئے تعریف ہے، پھر وہ رات صدقہ لے کر نکلا، پھر اسے وہ ایک چور کے ہاتھ میں رکھ دیا، پھر صبح چرچا ہوا کہ رات چور کو صدقہ دیا گیا، اس نے کہا: اے اللہ! بدکار عورت، مالدار اور چور کو صدقہ کرنے پر بھی تیرے ہی لئے تعریف ہے، پھر اسے یہ بتلایا گیا کہ تیرا صدقہ قبول ہو گیا، بدکار عورت شاید کہ عفیف اور پاک دامن ہو جائے، مالدار عبرت حاصل کرے اور اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچنے لگے، اور چور اپنی چوری سے تائب ہو جائے "أمّا الزانية لعلّها تستعفف، ولعلّ الغنيّ يعتبر فينفق ممّا أعطاه الله، ولعلّ السّارق يستعفف عن سرقته" (۱)

سسرال کے یہاں عورت کے رہن سہن کے تعلق سے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی والدہ مرحومہ فرماتی ہیں کہ: اپنے ساس وسسر کو ماں باپ کی جگہ پر سمجھو، اور نندوں کو حقیقی بہن سمجھو، تم جو کام کرو ان کی رائے سے کرو، جو چیز تمہارے میکہ سے آئے وہ تم اپنی ساس نندوں کے پاس بھیج دو، پھر وہ جو کریں اس پر تم خوش رہو، جو کچھ تم والدین کے پاس سے لائی ہو وہ سب سامان انہیں کے ماتحت رکھو، کپڑوں کے بکس ان کی خوشی پا کر اپنے پاس رکھو، اور تقریبات کیلئے الگ رکھو، ان کی مرضی کے موافق کپڑے بدلو، اپنی پسند کو بے جا دخل نہ دو، اپنی چیزوں کا خود خیال رکھو، ان سے حساب نہ لو، فرصت میں کچھ دیر ان کے پاس بیٹھو، اور ان کی نشست وبرخواست پر نظر کرتی رہو، تا کہ اس گھر کے طور وطریقے تم جان سکو، چپکے چپکے گھر کے انتظامات سے واقف ہوتی رہو کہ کیا پکتا ہے اور کس طرح تقسیم ہوتا ہے، مہمانوں کی کیا خاطر ہوتی ہے اس طرح تم خود آہستہ آہستہ تمام امور سیکھتی جاؤ گی۔ (۲)

---

(۱) مسلم: باب ثبوت أجر المتصدق، حدیث: ۱۰۲۲
(۲) حسن معاشرت: ۳۰-۳۱

پڑوسی کے حقوق

انسان کے اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور قریبی رشتہ داروں کے علاوہ ایک مستقل واسطہ اور تعلق پڑوسیوں اور ہم سایوں کے ساتھ بھی ہوتا ہے، پڑوسی اور ہمسائے سے تعلقات کی خوشگواری اور ناخوشگواری کا اثر براہِ راست انسان کی زندگی پر ہوا کرتا ہے، اس لئے حضور ﷺ نے خصوصاً پڑوسی کے حقوق کو بڑی عظمت اور اہمیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی کو جزو ایمان اور داخلہ جنت کی شرط اور اللہ ورسول ﷺ کی محبت کا معیار قرار دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: پڑوسی کا بھی حق ہے ”للجار حق“ (۱)

☆ چنانچہ حضرت عائشہؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ (اللہ کے خاص قاصد جبرئیل علیہ السلام پڑوسی کے حق کے بارے میں مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) برابر وصیت اور تاکید کرتے رہے، یہاں تک کہ میں خیال کرنے لگا کہ وہ اس کو وارث قرار دیں گے ”مازال جبرئیل یوصینی بالجار حتی ظننتُ أنّه سیورّثه“ (۲) یعنی کسی کے انتقال کے بعد جس طرح اس کے ماں باپ اس کی اولاد اور دوسرے اقارب اس کے ترکہ کے وارث ہوتے ہیں اسی طرح پڑوسی کا بھی اس میں حصہ ہوتا ہے، مقصود پڑوسی کے حق کی اہمیت کو بیان کرنا ہے۔

☆ اور ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس کی یہ خوشی اور چاہت ہو کہ اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت نصیب ہو یا یہ کہ اس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو محبت ہو تو اسے چاہئے کہ وہ ان تین باتوں کا اہتمام کرے:

---

(۱) مسند بزار: ومما روی عن سعید بن زید، حدیث: ٤/۱۰۱، مؤسسة علوم القرآن، بیروت، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس میں ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع ضعیف ہیں، مجمع الزوائد: باب حق الجار، حدیث: ۱۳۵۳۷

(۲) بخاری: باب الوصاءة بالجار، حدیث: ٥٦٦٩

۱- بات کرے تو سچ بولے۔
۲- جب کوئی امانت اسکے سپرد کی جائے تو امانت داری کے ساتھ اس کو ادا کرے۔
۳- اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا رویہ رکھے "ولیحسن جوار من جاوره"(۱)

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ خدا کی قسم! وہ شخص مومن نہیں خدا کی قسم اس میں ایمان نہیں خدا کی قسم وہ صاحب ایمان نہیں" عرض کیا گیا یارسول اللہ ﷺ کون شخص؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور خرابیوں سے مامون اور بے خوف نہ ہوں یعنی ایسا آدمی ایمان سے محروم ہے " الذی لا یأمن جاره بوائقه " (۲)

☆ اور ایک روایت میں فرمایا: "وہ آدمی جنت میں داخل نہ ہوسکے گا جس کی شرارتوں اور ایذاءرسانیوں سے اس کے پڑوسی مامون نہ ہوں" لا یدخل الجنة من لا یأمن جاره بوائقه " (۳)

ان احادیث مبارکہ میں حضور ﷺ نے پڑوسی کو ایذاء پہنچانے والے کو کہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کی نفی اور کہیں اس کے ایمان کی نفی اور کہیں اس کے دخول جنت کی نفی فرمائی اس سے پڑوسی کے حقوق اور اس کے ساتھ خوشگوار تعلقات کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

☆ پڑوسی کی ضرورت کا خیال رکھا جائے:

اور ایک جگہ فرمایا پڑوسی بھوکا رہے اور خود آسودہ ہو کر سو جائے تو فرمایا یہ شخص بھی مومن نہیں (یہاں کامل ایمان کی نفی مراد ہے)، "لیس المؤمن الذی یشبع وجاره جائع الی جنبه وهو یعلم به " (۴)

---

(۱) شعب الایمان، باب فی تعظیم النبی وسمواجلاله، حدیث: ۱۵۳۳
(۲) بخاری: باب اثم من لا یأمن جاره بوائقه، حدیث: ۵۶۷۰
(۳) مسلم: باب بیان تحریم ایذاء الجار، حدیث: ۴۶
(۴) مسند أبی یعلی: مسند عباس، حدیث: ۲۶۹۹، حسین سلیم اسد نے اس کی سند کو حسن کہا ہے، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی اور بزار نے روایت کیا ہے اور بزار کی سند حسن درجے کی ہے۔

اب ہم خود غور کرلیں کہ ہم کتنا اپنے پڑوسیوں کی بھوک و پیاس اور دیگر ضرورتوں کا خیال کرتے ہیں اور اس کی روشنی میں اپنے ایمان کا معیار طے کرلیں۔

حضور ﷺ نے پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں آسان صورت یہ بتائی کہ ''جب تم میں سے کوئی ہانڈی تیار کرے تو اس کے سالن میں اضافہ کرے پھر اس میں سے کچھ اپنے پڑوسی کو دے'' فلیکثر مرقھاثم لینا ول جارہ منہا ''(۱)

ایک موقع سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوذر! جب تم سالن پکاؤ تو اس میں اضافہ کرلو اور اپنے پڑوسی کا خیال کرو''یا اباذر اذاطبخت فاکثر المرق وتعاھد جیرانک''(۲)

اور ایک روایت میں فرمایا اے عائشہ! اگر تمہارے پڑوس کا بچہ کہے تو اس کے ہاتھ میں کچھ رکھ دو اس سے محبت بڑھتی ہے'' فان ذلک یجر مودۃ '' (۳)

☆ رسول اللہ ﷺ نے پڑوسی کے بعض متعین حقوق کی نشاندہی بھی فرمائی ہے۔

معاویہ بن جیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پڑوسی کے حقوق تم پر یہ ہیں کہ اگر وہ بیمار ہوجائے تو اس کی عیادت اور خبر گیری کرو اور اگر انتقال ہوجائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ (اور تدفین کے کاموں میں ہاتھ بٹاؤ) اور اگر وہ (اپنی ضرورت کیلئے) قرض مانگے تو (بقدرِ استطاعت) اس کو قرض دو، اور اگر وہ برا کام کر بیٹھے تو پردہ پوشی کرو، اور اگر اسے کوئی نعمت ملے تو اس کو مبارک باد دو اور اگر کوئی مصیبت پہنچے تو تعزیت کرو، اور اپنی عمارت کو اس کی عمارت سے اس طرح بلند نہ کرو کہ اس کے گھر کی ہوا بند ہوجائے ''ولا ترفع بناءك فوق بنائه فسد عليه الريح'' اور جب تمہارے گھر کوئی اچھا کھانا پکے تو اس کی کوشش کرو کہ تمہاری ہانڈی کی مہک اس کیلئے اور اس کے بچوں کیلئے باعثِ ایذاء نہ ہو

---

(۱) مجمع الزوائد: باب ما جاء فی الجار، حدیث: ۱۳۵۴۶، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے، اس میں عبداللہ بن سعید قائد الاعمش ہیں، ان کی ابن حبان نے توثیق کی ہے اور دیگر لوگوں نے ان کی تضعیف کی ہے اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

(۲) مسلم: باب الوصیۃ بالجار، حدیث: ۲۶۲۵

(۳) کنز العمال: الاکمال من حق الجار، حدیث: ۲۴۹۳۶

(یعنی اس کا اہتمام کرو کہ ہانڈی کی مہک اس کے گھر تک نہ جائے) الا یہ کہ اس میں سے تھوڑا کچھ اس کے گھر بھیج دو اس صورت میں کھانے کی مہک اس کے گھر تک جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔(۱)

یہ حدیث پڑوسی کے حقوق کے متعلق نہایت جامع ہے اس میں خصوصاً دو چیزوں کو اہتمام سے بیان کیا گیا جس کے سلسلہ میں کوتاہی عام ہے:

ایک یہ کہ اپنے گھر کی تعمیر میں اس کا لحاظ رکھو کہ اپنی دیوار اس طرح نہ اٹھاؤ کہ پڑوسی کے گھر کی ہوا بند ہو جائے اور اس کو تکلیف پہنچے۔

دوسری قابل توجہ چیز یہ ہے کہ جب کوئی اچھی و مرغوب چیز پکے تو یا تو اسے پڑوسی کے گھر بھیجنے کا اہتمام کرو یا اس کا اہتمام کرو کہ ہانڈی کی مہک پڑوسی کے گھر تک نہ پہنچ پائے کہ اس کے یا اس کے بچوں کے دل میں اس کی طلب اور طمع پیدا ہو اور اس سے ان کو ایذاء اور تکلیف پہنچے، رسول اللہ ﷺ کی ان دو ہدایتوں سے پتہ لگایا جا سکتا ہے کہ پڑوسیوں کے بارے میں کتنے نازک اور باریک پہلوؤں کی رعایت کو آپ ﷺ نے ضروری قرار دیا ہے۔

خرائطی ؒ نے مکارم الاخلاق میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت نقل کی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے "وان اشتریت فاکھۃً فاھدلہ، فان لم تفعل فادخلھا سرّاً ولا یخرج بھا ولدک لیغیظ بھاولدہ" (۲)

اور اگر تم کوئی پھل خرید کر لاؤ تو اس میں پڑوسی کے ہاں بھی ہدیہ بھیجو اور اگر ایسا نہ کر سکو تو اس کو چھپا کر لاؤ (کہ پڑوس والوں کو خبر نہ ہو) اور اس کی بھی احتیاط کرو کہ تمہارا کوئی بچہ وہ پھل لے کر گھر سے باہر نہ نکلے کہ پڑوسی کے دل میں اس کو دیکھ کر جلن ہو۔

---

(۱) مجمع الزوائد: باب ماجاء فی الجار، حدیث: ۱۳۵٤۵، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں ابوبکر الھذلی ضعیف ہیں۔

(۲) کنز العمال: الاکمال من حق الجار، حدیث: ۲٤۹۳۵، علامہ حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ: اس روایت کی سندیں واہی قسم کی ہیں، لیکن اس کا مختلف سندوں سے مروی ہونا اس کے اصل کے ہونے کو بتاتا ہے: فتح الباری: من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر، حدیث: ۵۵٦۰

ایک روایت میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی دیگر دس عورت پر دست درازی کرے اور ایک پڑوسی عورت کے ساتھ کرے تو یہ بڑھ کر ہے اور آدمی دس گھروں سے چوری کرے اور ایک پڑوسی کے گھر سے چوری کرے تو یہ بڑھ کر ہے" ولأن يسرق الرجل من عشره أبيات أيسرله من أن يسرق من بيت جاره" (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کہا گیا: ایک شخص (عورت) رات بھر عبادت کرتی ہے، دن بھر روزہ رکھتی ہے، صدقہ اور دیگر اعمال خیر انجام دیتی ہے، اور اپنی زبان سے اپنے پڑوسی کو تکلیف دیتی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " لا خير فيها هي من أهل النار" اس میں کوئی بھلائی نہیں وہ جہنمی ہے اور کہا گیا: فلاں عورت فرض نماز پڑھتی ہے اور صدقہ دیتی ہے اور پڑوسی کو تکلیف نہیں دیتی تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ جنتی ہے۔(۲)

☆ آدمی کے اچھے اور بھلے ہونے کا معیار یہ بتلایا ہے کہ اس کے پڑوس والے اگر اُسے اچھا سمجھتے ہیں تو وہ اچھا ہے اگر برا سمجھتے ہیں تو وہ برا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا: "ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے کوئی بھلا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت کا مستحق بنا دے؟ فرمایا: تم اچھے اور بھلے بنو، انہوں نے کہا: مجھے یہ کیسے پتہ ہو کہ میں اچھا اور بھلا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا اپنے پڑوس سے پوچھ لو، اگر وہ یہ کہیں تم اچھے اور بھلے ہو تو تم اچھے ہو اور اگر وہ تمہیں برا کہیں تو تم برے ہو" فان قالها انك محسن فانّك محسن وان قالوا انّك مسيئ فانك مسيئ" کہ جو کوئی مسلم انتقال کر جاتا ہے اور اس کے اڑوس پڑوس کے چار قریب گھرانے اس کے بارے میں یہ گواہی دیں کہ ہم کو صرف ان کی بھلائی ہی

---

(۱) کنز العمال: في حق الجار، حدیث: ۹۲۴۹۰۱، علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ منذری اور ہیثمی نے اس کے رجال کو ثقہ کہا ہے: فیض القدیر: حرف اللام، ۲۵۸/۵، المكتبة التجارية الكبرى، مصر

(۲) الأدب المفرد: باب لا يؤذي جاره، حدیث: ۱۱۹، علامہ بوصیری فرماتے ہیں کہ: اس کو مسدد، احمد بن حنبل اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے: اتحاف الخيرة المهرة: باب الترهيب من اذى الجار: ۱۸۰/۵

معلوم ہے" انهم لا يعلمون الا خيرًا" تو اللہ عزوجل فرماتے ہیں "میں نے تمہاری بات قبول کرلی" یا یہ فرماتے ہیں: "یہ تمہاری اس کے بارے میں گواہی ہے، اور میں نے اس کی ان چیزوں کو بھی بخش دیا جس کا تم کو علم نہیں۔" (۱)

☆ پڑوسی کی تین قسمیں ہوتی ہیں اور، غیر مسلم پڑوسی کا بھی حق ہے :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "پڑوسی تین قسم کے اور تین درجے کے ہوتے ہیں" ایک وہ پڑوسی جس کا صرف ایک ہی حق ہو اور وہ (حق کے لحاظ سے) سب سے کم درجہ کا پڑوسی ہے اور دوسرا وہ جس کے دو حق ہیں اور تیسرا وہ جس کے تین حق ہیں تو ایک حق والا وہ مشرک (غیر مسلم) پڑوسی ہے جس سے کوئی رشتہ داری بھی نہ ہو (تو اس کا صرف پڑوسی ہونے کا حق ہے) "وأمّا الذی له حق حق واحد فالجار الکافر له حق الجوار" دو حق والا وہ پڑوسی ہے جو پڑوسی ہونے کے ساتھ مسلم (یعنی دینی بھائی) بھی ہو، اس کا ایک حق مسلمان ہونے کی وجہ سے ہوگا اور دوسرا پڑوسی ہونے کی وجہ سے اور تین حق والا پڑوسی وہ ہے جو پڑوسی بھی ہو، مسلم بھی ہو، اور رشتہ دار بھی ہو تو اس کا ایک حق مسلمان ہونے کا ہوگا دوسرا حق پڑوسی ہونے کا اور تیسرا حق رشتہ داری کا ہوگا۔ (۲)

اس حدیث میں صراحت اور وضاحت کے ساتھ پڑوسیوں کے حقوق بیان کئے گئے ہیں اس سلسلہ میں جو اکرام اور رعایت وحسن کی تاکید کی گئی ان میں غیر مسلم پڑوسی بھی برابر کے شامل ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی احادیث کا یہی مفہوم سمجھا ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت کیا گیا ہے کہ ایک دن اُن کے گھر بکری ذبح ہوئی وہ تشریف لائے

---

(۱) شعب الإیمان: فصل فی ترك الغضب وفی کظم الغیظ، حدیث: ۸۲۷۸، حاکم نے اس روایت کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے، المستدرك: کتاب الجنائز، حدیث: ۱۳۹۹

(۲) شعب الایمان، السابع والستون من شعب الایمان، حدیث: ۹۵۶۰، ابن رجب الحنبلی فرماتے ہیں کہ: اس حدیث کی مختلف سندیں ہیں متصل بھی اور مرسل بھی اور یہ تمام سندیں کلام سے خالی نہیں ہیں، جامع العلوم والحکم، الحدیث الخامس عشر: ۱/۳۸۱، دار السلام للطباعة والنشر والتوزیع

توانہوں نے گھر والوں سے کہا:اهديتم لجارنا اليهودى،أهديتم لجارنا اليهودى؟ کیا تم لوگوں نے ہمارے یہودی پڑوسی کیلئے بھی گوشت کا ہدیہ بھیجا؟ تم لوگوں نے ہمارے یہودی پڑوسی کیلئے بھیجا؟ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: آپ ﷺ فرماتے تھے کہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں مجھے جبرئیل علیہ السلام (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) برابر وصیت اور تاکید کرتے رہے، یہاں تک کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ وہ اس کو وارث بھی قرار دیں گے۔ (۱)

☆ تعلیم وتربیت کا اہتمام بھی پڑوسی کا حق ہے:

پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے جو ارشادات یہاں تک درج ہوئے ان کا زیادہ تر تعلق زندگی کے معاملات میں اُن کے ساتھ اکرام ورعایت کے برتاؤ اور حسن سلوک سے تھا، آخر میں آپ ﷺ کا ایک وہ ارشاد بھی ملاحظہ ہو جس میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اگر کسی پڑوس میں بیچارے ایسے لوگ رہتے ہوں جو دینی تعلیم وتربیت اور اپنی عملی اور اخلاقی حالت کے لحاظ سے پسماندہ ہوں تو دوسرے لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کی تعلیم وتربیت اور اپنی عملی اور اُن کے سدھار اور اصلاح کی فکر وکوشش کریں، اگر وہ اس میں کوتاہی کریں گے تو مجرم اور سزا کے مستحق ہوں گے۔

حضرت علقمہ بن عبدالرحمٰن ابزیؒ نے اپنے والد عبدالرحمٰن کے واسطے سے اپنے دادا ابزی خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے ایک خاص خطاب میں) ارشاد فرمایا: ”کیا ہو گیا اُن لوگوں کو اور کیا حال ہے اُن کا (جنھیں اللہ نے سمجھ بوجھ دیا ہے) وہ اپنے پڑوسیوں کو دین سکھانے اور اُن میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے ہیں نہ ان کو وعظ ونصیحت کرتے ہیں، اور نہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری ادا کرتے ہیں...... اور کیا ہو گیا ہے ان (بے علم اور پسماندہ) لوگوں کو کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے دین سیکھنے اور دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی فکر نہیں کرتے نہ ان سے نصیحت لیتے ہیں...... خدا کی قسم (دین کا علم اور اس کی سمجھ رکھنے والے) لوگوں کا فرض ہے کہ

(۱) ترمذی: حق الجار، حدیث: ۱۹۴۳، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

وہ اپنے (ناواقف اور پسماندہ) پڑوسیوں کو دین سکھائیں اور دین کی سمجھ بوجھ ان میں پیدا کرنے کی کوشش کریں اور وعظ ونصیحت کے ذریعہ ان کی اصلاح کریں، اور انہیں نیک کاموں کی تاکید کریں اور برے کاموں سے منع کریں......اور اسی طرح ان کے ناواقف پڑوسیوں کو چاہیے کہ وہ خود طالب دین بن کر اپنے پڑوسیوں سے دین کا علم وفہم حاصل کریں اور اُن سے نصیحت لیں یا پھر (یعنی اگر یہ دونوں طبقے اپنا فرض ادا نہیں کریں گے) تو میں اُن کو دنیا ہی میں سخت سزا دلواؤں گا، لولا أعاجلنّهم بالعقوبه في الدنيا (۱)

☆ ابوجہم العدویؒ نے اپنا گھر فروخت کیا، ان کے پڑوس میں سعید ابن العاص رضی اللہ عنہ رہتے تھے، اور انہوں نے اس گھر کا ایک لاکھ درہم میں معاملہ کیا تھا، جب خریدنے والے نے یہ رقم لے آئی تو انہوں نے اس سے کہا: یہ گھر کی قیمت ہے، پڑوس کی قیمت دو، اس نے کہا: کونسا پڑوسی؟ انہوں نے کہا: سعید ابن العاص رضی اللہ عنہ کا پڑوس، اس نے کہا: کیا کبھی کسی نے پڑوس کو خریدا ہے؟ تو انہوں نے کہا: میرا گھر مجھے واپس دے دو، اور مال لے لو، میں ایسے شخص کے پڑوس کو چھوڑ نہیں سکتا، اگر میں بیٹھا ہوتا ہوں تو وہ میرے بارے میں دریافت کرتے ہیں، اور جب مجھے دیکھتے ہیں تو مجھے مبارکبادی دیتے ہیں، اگر میں کہیں چلا جاتا ہوں تو میری حفاظت کرتے ہیں، اگر میں ان کے پاس ہوتا ہوں تو مجھے قریب کرتے ہیں اور اگر ان سے کچھ مانگتا ہوں تو میری ضرورت پوری کرتے ہیں، اگر ان سے کچھ نہ مانگوں تو عطا کرتے ہیں، اگر مجھ پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تب بھی میری مصیبت دور کرتے ہیں "وان نابتني نائبة فرّج عني" (۲)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب في تعليم من لا يعلم، حديث: ۷۴۸، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں بکیر بن معروف ہیں، بخاری نے ان کے تعلق سے کہا، میں ان پر بھروسہ کرتا ہوں، ان کی امام احمد نے ایک روایت میں توثیق کی ہے اور ایک دوسری روایت میں تضعیف کی ہے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ: میں امید کرتا ہوں کہ ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۲) قصص العرب: ۸۷

☆ حضرت کعب بن امامہ رضی اللہ عنہ جب کسی کے پڑوس میں رہتے ہیں تو اس کی ضروریات کا خیال کرتے اور اس کے مصائب میں کام آتے اور اگر اس کی کوئی چیز برباد ہوگئی ہوتی تو اس کا بدل عنایت کرتے، اگر کوئی ان میں سے مرجاتا تو اس کے اہل کو تسلی اور دلاسا دیتے، ابوداؤد الایادی نے ان کے پڑوس کو اختیار کیا، وہ اپنی عادت کے موافق ان کے پاس آمد ورفت کرنے لگے، ان کا بے انتہا اعزاز واکرام کرتے، اس لئے کہ عرب جب پڑوسی کی تعریف کرتے تو یوں کہتے: "کجار أبوداؤد" ابوداؤد کی طرح پڑوسی ہونا چاہئے۔(۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "الجار قبل الدار والرفيق قبل الطريق" گھر حاصل کرنے سے پہلے اس کے پڑوس کے بارے میں معلومات حاصل کرلو اور سفر سے پہلے رفیق سفر کا انتخاب کرلو۔(۲)

ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے کہ: تین چیزیں جب کسی شخص میں ہوتی ہیں تو اس کی عقل اور اس کے فضل کے بارے میں کوئی شک نہیں کیا جانا چاہئے: جب اس کا پڑوسی، اس کے رشتہ دار اور اس کے دوست واحباب اس کی تعریف کریں "اذا حمده جاره وقرابته ورفيقه"(۳)

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے پڑوسی کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے سامان کو لے جاکر راستہ میں رکھ دو، جس کسی کا بھی وہاں سے گذر ہوگا وہ اس پر لعنت وملامت کرے گا "احمل متاعك فضعه على الطريق مرّ به يلعنه" پھر ہر گذرنے والا اس کو لعنت وملامت کرے گا۔(۴)

(۱-۲) قصص العرب: ۱/۸۷

(۳-۴) الاداب الشرعية: فصل فی حسن الجوار: ۲/۱۸، مؤسسة الرسالة، بيروت

یتیموں اور بیواؤں کے احکام

یتیموں اور بیواؤں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی دیکھ بھال کرنے کی حضور ﷺ نے سختی سے تاکید کی ہے۔

☆ آپ ﷺ نے یتیم کی کفالت اور اس کی دیکھ بھال کرنے والے کیلئے جنت کی ضمانت دی ہے، اور اس کو بہترین گھر قرار دیا ہے۔

حضرت سہل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح قریب ہوں گے۔

نبی کریم ﷺ نے شہادت کی اور بیچ کی انگلی سے اشارہ فرمایا: اور ان دونوں کے درمیان تھوڑی سی کشادگی رکھی "أنا و كافل اليتيم هكذا" (۱)

اور ایک روایت کے الفاظ ہیں:

جو شخص رشتہ دار یا غیر رشتہ دار یتیم کی کفالت کرے "من كفّل يتيمًا له ذو قرابة أو لا قرابة له (۲)

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرو بن مالک قشیری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جس شخص نے ایسے یتیم بچے کو جس کے ماں باپ مسلمان تھے اسے اپنے ساتھ کھانے میں شریک کیا یعنی اپنی کفالت میں لے لیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے بچے کو ان (کی کفالت) سے بے نیاز کر دیا یعنی وہ اپنی ضرورت خود

---

(۱) بخاری: باب اللعان، حديث: ٥٣٠٤

(۲) مجمع الزوائد: باب منه في الأولاد والأقارب وفضل النفقة عليهم، حديث: ١٣٤٩٣، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کو بزار نے روایت کیا اور اس میں لیث بن سلیم ہیں اور یہ مدلس ہیں۔

پوری کرنے لگا تو اس شخص کیلئے جنت واجب ہوگی "من ضم يتيما بين أبوين مسلمين الى طعامه وشرابه حتى يغنيه الله، وجبت له الجنة "(۱)

حضرت عمرو بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں کا بہترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو جس کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کا بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہے "وشرّ بيت في المسلمين بيت فيه يتيم يساء اليه"(۲)

☆ یتیموں اور بیواؤں کو اپنے کھانے میں شریک کیا جائے:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جن لوگوں کے ساتھ کوئی یتیم ان کے برتن میں کھانے کیلئے بیٹھے تو شیطان ان کے برتن کے قریب نہیں آتا "ما قعد يتيم مع قوم على قصعتهم فيقرب قصعتهم شيطان" (۳)

☆ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے اور اس کیلئے سایہ اور سہارا ہونے کا ثبوت دے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی سخت دلی کی

---

(۱) مجمع الزوائد: باب ما جاء في الأيتام والأرامل والمساكين، حديث: ۱۳۵۱۵، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں علی بن زید یہ حسن الحدیث ہیں اور اس کے بقیہ رجال صحیح کے رجال ہیں۔

(۲) ابن ماجة: باب حق اليتيم، حديث: ۳۶۷۹، علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ: عقیلی نے کہا ہے کہ: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے، اور منذری نے ابراہیم بن اسحاق الضبی کو ضعیف کہا ہے اور علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس میں اسحاق بن ابراہیم الضبی ہیں اور یہ غلطی کرتے ہیں لیکن ابن ماجہ کی روایت اس کی شاہد ہے: فيض القدير، حرف الهمزه، ۱/۷۴، المكتبة التجارية الكبرى، المصر

(۳) مجمع الزوائد: باب ما جاء في الأيتام والأرامل والمساكين، حديث: ۱۳۵۱۵، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں علی بن زید یہ حسن الحدیث ہیں اور اس کے بقیہ رجال صحیح کے رجال ہیں۔

شکایت کی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو
"امسح رأس اليتيم واطعم المسكين "(۱)

☆ حضرت بشیر بن عقبہ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: میں نے اُحد کے دن رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی، میں نے کہا: میرے ابو کا کیا ہوا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ تو شہید ہو گئے، تو میں رو پڑا، تو آپ ﷺ نے مجھے پکڑا اور میرے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے اور مجھے اپنے ساتھ لے گئے، اور فرمایا: کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ میں تمہارا باپ ہو جاؤں اور عائشہ تمہاری ماں "أما ترضىٰ أن أكون أبوك وعائشة أمّك " (۲)

ایک روایت میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص رحمت اور شفقت کے ساتھ یتیم کے سر پر ہاتھ رکھے تو جس قدر بالوں پر سے اس کا ہاتھ گذرتا ہے، اس کیلئے اتنی نیکیاں لکھی جاتی ہیں "من وضع على رأس اليتيم ترحمًا كانت له بكلّ شعرة تمرّ بيده عليها حسنة " (۳)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: اس دوران کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے یہاں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک لڑکا آیا اور کہنے لگا: میرے ماں باپ آپ پر قربان اے اللہ کے رسول ﷺ! ایک لڑکا یتیم ہے، اس کی بہن یتیمہ ہے، اور اس کی ماں بیوہ ہے، ہمیں آپ کھلائیے اللہ عز و جل آپ کو اپنے پاس سے کھلائے گا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لڑکے تم نے کتنی اچھی بات کہی، چلو ہم اپنے اہل کے پاس جاتے ہیں اور جو کچھ ان کے پاس ہے لے کر آتے ہیں، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اکیس کھجور لے آئے، اس کو

---

(۱) مجمع الزوائد: باب ما جاء في الايتام والأرامل والمساكين، حديث: ۱۳۵۰۸،
علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

(۲) شعب الايمان: الخامس والسبعون من شعب الايمان، حديث: ۱۱۰٤٤،
مجمع الزوائد: باب ما جاء في الايتام والأرامل والمساكين، حديث: ۱۳۵۱۷،
علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو بزار نے روایت کیا ہے، اس میں ایک غیر معروف شخص ہیں۔

(۳) كنز العمال: الاكمال من الرحمة بالشيوخ، حديث: ٦٠٣٦

حضور ﷺ نے ہتھیلی میں رکھا، رسول اللہ ﷺ نے اپنی ہتھیلیوں کو اپنے منہ کے قریب کیا، ہم یہ سمجھے کہ آپ ﷺ اس میں برکت کی دعا فرما رہے ہیں، پھر فرماتے ہیں کہ: اے لڑکے! سات تو تیرے لئے ہیں، سات تیری ماں کیلئے ہیں، اور سات تیری بہن کیلئے، ایک کھجور سے شام کا کھانا کھانا، اور ایک سے صبح کا، پھر وہ لڑکا حضور ﷺ کے پاس سے واپس ہونے لگا، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا، پھر فرمایا: اللہ عزوجل تیری یتیمی کی تلافی کرے اور تیرے لئے تیرے باپ کا نائب بنادے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے اس لڑکے پر بطور رحمت اور شفقت کے یوں کیا ہے، تو اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میری جان ہے، جب کوئی مسلمان کسی مسلمان یتیم کا ولی بنتا ہے تو اس کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے اور اس پر اس کو ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے اور اس کے ہر بال کے بدلے ایک گناہ مٹا دیا جاتا ہے "وكفّر عنه بكلّ شعرة سيّئة" (۱)

☆ جو بیوہ عورت اپنے شوہر کے انتقال کے بعد اپنے بچوں کی پرورش کو اپنا وظیفہ بنا لیتی ہے تو اس کے بے شمار فضائل ومناقب روایتوں میں آئے ہیں۔

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اور وہ عورت جس کا چہرہ (اپنی اولاد کی پرورش، دیکھ بھال اور محنت ومشقت کی وجہ سے) سیاہ پڑ گیا ہو قیامت کے دن اس طرح ہوں گے، حدیث کے راوی حضرت یزید رحمہ اللہ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے اشارہ کیا (مطلب یہ تھا کہ جس طرح یہ دونوں انگلیاں ایک دوسرے کے قریب ہیں، اسی طرح قیامت کے دن آپ ﷺ اور وہ عورت قریب ہوں گے) رسول اللہ ﷺ نے سیاہ چہرہ والی عورت کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

---

(۱) مجمع الزوائد: باب ما جاء في الايتام والأرامل والمساكين، حديث: ۱۳۵۱۸، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو بزار نے مکمل روایت کیا ہے، اور امام احمدؒ نے اس کے ابتدائی حصہ کو بیان کیا ہے، اس کی سند میں ابوالورقاء متروک ہے۔

اس سے مراد وہ عورت ہے جو بیوہ ہوگئی ہو اور اس کا حسن و جمال ماند پڑ گیا ہو اور عزت و منصب والی ہونے کے باوجود اپنے یتیم بچوں (کی پرورش) کی خاطر دوسرا نکاح نہ کرے، یہاں تک کہ وہ بچے بالغ ہونے کی وجہ سے اپنی ماں کے محتاج نہ رہیں یا انہیں موت آجائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں پہلا وہ شخص ہوں گا جو جنت کے دروازوں کو کھولوں گا، لیکن ایک عورت آگے بڑھتے ہوئے آئے گی، میں اس سے کہوں گا: تو کون ہے؟ تجھے کیا ہو گیا ہے؟ تو وہ کہے گی: میں وہ عورت ہوں جس نے اپنے یتیموں کیلئے شادی نہیں کی "انا امرأة قعدت علی أیتام لی"(۱)

☆ بیواؤں اور مسکینوں کی دیکھ بھال اور ان کی ضروریات کا خیال رکھے:

حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیوہ عورت اور مسکین کی ضرورت میں دوڑ دھوپ کرنے والے کا ثواب اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے ثواب کی طرح یا اس شخص کے ثواب کی طرح ہے جو دن کو روزہ رکھتا ہو اور رات بھر عبادت کرتا ہو "کالمجاھد فی سبیل اللّٰہ أو کالذی یصوم النّھار ویقوم اللیل"(۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص میری امت کے کسی شخص کی حاجت کی تکمیل کرے جس سے وہ اس شخص کو خوش کرنا چاہتا ہو تو اس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا "ومن سرّہ ادخلہ اللّٰہ الجنّة"(۳)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب ما جاء فی الایتام والأرامل والمساکین، حدیث ۱۳۵۱۹، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے، اس میں عبد السلام بن عجلان ہیں، ان کی ابو حاتم اور ابن حبان نے توثیق کی ہے، اور فرمایا: یہ خطا کرتے ہیں اور مخالفت کرتے ہیں، اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

(۲) بخاری: باب الساعی علی الأرملة : حدیث : ۶۰۰۶

(۳) شعب الایمان الثالث والخمسون من شعب الایمان، حدیث: ۷۶۵۳

عیادت اور مزاج پرسی کے آداب

☆ صحت اور بیماری یہ انسانی زندگی کا لازمہ اور خاصہ ہے، بیماری یہ انسان کو نحیف وناتواں اور کمزور بنادیتی ہے، انسان اپنی اس عاجزی اور کمزوری کی حالت میں دوسروں کے رحم وکرم کا محتاج ہوتا ہے، اس کی اس حالت میں عیادت، مزاج پرسی اور اس کو تسلی آمیز کلمات کے ذریعہ اس کی بیماری اور اس کی تکلیف میں کمی کیلئے کوشش کرنا، جہاں یہ چیز اس کی ڈھارس بندھوائی اور اس کی تسلی کا سامان بنتی ہے وہیں یہ عمل اخروی اعتبار سے بھی نہایت اجر وثواب کا باعث ہے۔

☆ بیمار پرسی کا یہ عمل نہایت عظیم الشان اور متبرک عمل اور عبادت ہے، بیمار کی عیادت کرنے والا جب تک اس عمل میں ہوتا ہے تو وہ جنت کی کیاریوں میں سیر کرنے والا ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان المسلم اذا عاد أخاه المسلم لم یزل فی خرفة الجنّة حتی یرجع (۱)

ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان کی عیادت کرتا ہے تو گویا وہ جنت کے نخلستان میں ہوتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی مسلمان بندہ اپنے مسلمان بھائی کی صبح کے وقت عیادت کرتا ہے تو صبح سے لے کر شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں، اور اگر شام کو عیادت کرتا ہے تو شام سے لے کر صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کیلئے ایک باغ متعین فرمادیتے ہیں "وکان له خریف فی الجنّة" (۲)

(۱) مسلم: باب فضل عیادة المریض، حدیث: ۲۵۶۸

(۲) ترمذی: کتاب الجنائز، باب عیادة المریض، حدیث: ۹۶۹، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ: یہ حسن اور غریب ہے اور یہ روایت حضرت علیؓ سے کئی ایک طریق سے منقول ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی بیمار کی عیادت کیلئے جاتا ہے تو وہ رحمت میں غوطہ لگاتا ہے اور (جب بیمار پرسی کیلئے) اس کے پاس بیٹھتا ہے تو رحمت میں ٹھہر جاتا ہے "فاذا جلس عنده استنقع فيها" (۱)

حضرت عمرو بن حزم کی روایت میں ہے کہ: بیمار کے پاس سے اٹھ جانے کے بعد بھی وہ رحمت میں غوطہ لگاتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جس جگہ سے عیادت کے لئے گیا تھا وہاں واپس لوٹ آئے "فلا يزال يغوص فيها حتى يرجع من حيث خرج" (۲)

عیادت کی اسی اہمیت اور فضیلت کی بناء پر بعض فقہاء نے مریض کی عیادت کو واجب قرار دیا ہے، خود امام بخاری کا رجحان اسی طرف ہے، چنانچہ انہوں نے عنوان قائم کیا ہے "باب وجوب عیادة المریض" (مریض کی عیادت واجب ہونے کے بیان میں) اکثر فقہاء نے عیادت کو مستحب قرار دیا ہے۔ (۳)

مگر عیادت کا واجب اور مستحب ہونا یہ حالات پر موقوف ہے، اگر مریض کے مختلف تیماردار موجود ہوں تو مستحب ہے، کوئی دیکھ ریکھ کرنے والا نہ ہو تو واجب ہے، یہی بات علامہ بغوی نے کہی ہے گویا عبادت واجب علی الکفایہ اور مستحب علی العین ہے۔ (۴)

☆ عیادت کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ جب آدمی کسی کی عیادت کیلئے جائے تو مختصراً حال دریافت کرنے کے بعد جب مریض اپنی تکلیف بتادے تو اس کے حق میں دعا کرے۔

آپ ﷺ داہنا ہاتھ مریض پر رکھتے اور یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ اِذْهَبِ الْبَاْسَ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شَافِيَ اِلَّا اَنْتَ ، شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سُقْمًا

(۱) مسند احمد: حديث كعب بن مالك الانصاری، حديث: ۱۵۸۳۵، عبدالقوی المنذری کہتے ہیں کہ: اس کو امام احمد نے سند حسن کے ساتھ ذکر کیا ہے: الترغيب والترهيب: كتاب الجنائز وما يتقدمها، حديث: ۵۲۷۷

(۲) مجمع الزوائد: باب عيادة المريض، حديث: ۳۷۷۰، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۳) فتح الباری: باب وجوب عيادة المريض: ۱۱۲/۱۰

(۴) شرح السنة: ۲۱۲/۵

اے اللہ! آپ تمام لوگوں کے پالنہار ہیں، مرض دور فرما دیجئے، اور شفا دیجئے کہ آپ ہی شافی ہیں اور ایسی شفاء نصیب فرما کہ اس کے بعد مرض کا حملہ نہ ہو۔(۱)

اور آپ ﷺ یہ بھی دعا پڑھتے "لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْشَاءَ اللّٰهُ "(۲)

بیماری سے گھبراؤ نہیں، انشاء اللہ یہ تمہارے لئے خطاؤں کا کفارہ اور پاکی کا ذریعہ ہوگی۔

ایک صاحب کو آپ ﷺ نے درد کی حالت میں درد کے مقام پر ہاتھ رکھ کر تین بار بسم اللہ اور سات بار" اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰه وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ "(۳) میں اللہ کی عزت اور اس کی قدرت کی پناہ چاہتا ہوں ان تمام چیزوں کے شر سے جو موجود ہیں اور جن کا اندیشہ ہے) پڑھنے کی تلقین کی۔

یہ بھی مستحب ہے کہ مریض کی پیشانی پر ہاتھ رکھا جائے کہ اس سے اس کی تسلی اور تسکین خاطر ہوتی ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی عیادت فرمائی تو ان کی پیشانی پر دستِ مبارک رکھا۔(۴)

اور ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "جب کوئی مسلمان بندہ کسی مریض کی عیادت کرے اور سات مرتبہ یہ دعا پڑھے "اَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ اَنْ يَّشْفِيَكَ "(۵) میں اللہ سے سوال کرتا ہوں جو بڑے ہیں، عرشِ عظیم کے مالک ہیں کہ وہ تم کو شفا دے دیں۔ تو اس کو ضرور شفا حاصل ہوگی۔

---

(۱) ترمذی: باب في دعاء المريض، حديث: ۳۶۶۵، امام ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔
(۲) بخاری : باب عيادة الاعراب، حديث: ۵۳۳۲
(۳) مسلم : باب استحباب وضع يده على موضع الألم، حديث: ۲۲۰۲
(۴) بخاری: باب وضع اليد على المريض، حديث: ۵۶۵۹
(۵) ترمذی: باب من باب في التداوي بالعسل، حديث: ۲۰۸۳ امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے اور امام حاکم نے اس کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے: المستدرك: كتاب الجنائز، حديث: ۱۲۶۸

☆ مختصر عیادت کی جائے، عیادت کو طول دینے میں مریض کو پریشانی اور دقت ہو سکتی ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب تم کسی کی عیادت کیلئے جاؤ تو ہلکی پھلکی عیادت کرو "من عاد منکم فلیُخفف" یعنی مریض کے پاس اتنی دیر نہ بیٹھے کہ اس کے آرام میں خلل واقع ہو۔

☆ مسلمان اگر فاسق ہو تب بھی اس کی عیادت کی جا سکتی ہے، کیونکہ یہ بیمار کے ساتھ ہمدردی کا مسئلہ ہے۔

چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ : وجاز عیادة الفاسق علی الأصحّ لانه مسلم، والعیادة من حقوق المسلمین " (۱)

☆ اسی طرح کافر کی عیادت بھی کی جا سکتی ہے، اس سے اسلام کے اخلاقِ حسنہ کا اظہار ہوتا ہے، جس سے اس کے دخولِ اسلام کی راہ ہموار ہوتی ہے، چنانچہ آپ ﷺ کے یہاں ایک یہودی لڑکا خدمت انجام دیا کرتا تھا، وہ بیمار ہوا تو آپ ﷺ اس کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے "فاتاه النبی یعوده "(۲)

چنانچہ درمختار میں علامہ حصکفیؒ نے مسلمان کی ذمی، نصرانی، یہودی وغیرہ کی عیادت کا جواز لکھا ہے۔

---

(۱) الدر مع الرد، فصل فی البیع :۳۸۸/۶، دار الفکر، بیروت
(۲) بخاری : باب اذا اسلم الصبی فمات ،حدیث: ۱۲۹۰

تعزیت کے آداب

☆ کسی کے غم کے موقع پر تسلّی و تسکین کا سامان کرنا، غم زدہ شخص کی ڈھارس باندھنا، اس کے سامنے تسلی آمیز کلمات کہنا یہ اس کی مصیبت میں تخفیف اور کمی کا باعث ہوتا ہے، حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ: "من عزّى مصابا فله مثل أجره" جو شخص کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کرے، اس کو بھی اتنا ہی اجر ہے جتنا خود اس مصیبت زدہ شخص کو مصیبت پر صبر کرنے پر ہے۔(۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ: جس نے بچے کی موت پر اس کی ماں کی تعزیت کی اس کو جنت میں چادر عطا کی جائے گی "من عزّى ثكلى كسي بردا في الجنّة" (۲)

☆ جب کسی کے یہاں تعزیت کیلئے جائے سلام ودعا کے بعد ان الفاظ میں اس کو تسلی دے:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی بیٹی کو یہ تعزیتی پیغام بھجوایا کہ: "اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی ، وَکُلُّ شَیْئٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی" (۳)

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء في اجر من عزى مصاباً، حديث : ۱۰۷۳، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے، یہ مرفوع صرف علی بن عاصم کی حدیث سے منقول ہے اور بعض لوگوں نے اسے محمد بن سوقہ سے اسی سند کے ساتھ موقوفا روایت کیا ہے، ابن الترکمانی کہتے ہیں کہ: اس روایت کو مزی نے اپنے اطراف میں ذکر کیا ہے کہ اس کو ثوری نے ابن سوقہ سے روایت ہے، اس طرح یہ ابن عاصم کے دو متابع ہیں جنہوں نے ابن سوقہ سے اس کو روایت کیا ہے: الجوهر النقي: ۵۹/۴، دار الفكر، بيروت

(۲) ترمذی: باب اخر في فصل التعزية : حديث : ۱۰۷۶، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند قوی نہیں ہے۔

(۳) بخاری : باب عيادة الصبيان، حديث: ۵۳۳۱

اللہ ہی کیلئے ہے جو اس نے لیا، وہ بھی اسی کا ہے جو اس نے دیا، ہر شئی کیلئے اس کے پاس ایک مقررہ وقت ہے، پھر ثواب اور صبر جمیل کی وصیت کرے۔

بعض روایتوں میں تعزیتی الفاظ اس طرح آئے ہیں: "اَعْظَمَ اللّٰہُ اَجْرَكَ وَاَحْسَنَ عِزَائَكَ وَغَفَرَ لِمَيِّتِكَ "(۱)

اللہ تعالیٰ آپ کا اجر زیادہ کرے، اچھی تسلی کا سامان پیدا کرے، آپ کے میت کی مغفرت فرمائے۔

☆ اہل میت کیلئے کھانا پکوا کر بھیجے :

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اصنعوا لآل جعفر طعامًا فانّه قد أتاهم ما شغلهم " آل جعفر رضی اللہ عنہ کیلئے کھانا بناؤ؛ کیونکہ ان پر ایسی چیز آن پڑی ہے جس نے ان کو مشغول کردیا ہے۔(۲)

---

(۱) الدر مع الرد: مطلب في الثواب على المصيبة: ۲/ ۲۴۰

(۲) ابوداؤد : باب صنعة الطعام لأهل الميت ،حديث: ۳۱۳۲،ترمذی : الطعام يصنع لأهل الميت ،حديث: امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

رنج وغم کے آداب

انسانی زندگی سراسر مجموعۂ اضداد ہے، خوشی ومسرت اور رنج وغم کا عجیب سنگم ہے، پل میں مصیبت، پل میں راحت، لیکن نہ یہاں کے فرحت وسرور کے لمحات کو دوام ہوتا ہے اور نہ درد والم کے صدمات کو قرار، ساری زندگی ہی تغییر وتبدیل سے عبارت ہے، یہ زندگی اپنی تمام ترمسرتوں وشادمانیوں اور مصائب ومشکلات کے ساتھ پھول اور کانٹے، دھوپ اور چھاؤں کا حسین امتزاج معلوم ہوتی ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ خوشی کے لمحات غیر محسوس طریقے پر گذر جاتے ہیں، ایک لمبی مدت بھی خوشحالی وفارغ البالی، ہر طرح کے آسائش وآرام اور ہر طرح کے سامانِ راحت کے ساتھ بالکل معمولی سی نظر آتی ہے، اس کے بالمقابل مصائب ومشکلات کا معمولی سا وقفہ بھی بحرِ حیات میں تلاطم اور ہلچل بپا کر دیتا ہے، مبتلائے درد اور غم آشنائے حیات کیلئے پل پل بھی کوہِ گراں اور بارِ خاطر ثابت ہوتا ہے، اسے انسانی فطرت کہئے کہ وہ آسانی اور خوشی کی خوگر اور عادی ہوا کرتی ہے، امتحان وآزمائش، درد والم اور رنج وغم کی ہلکی سی پھوار بھی اس کیلئے ساون کی برسات، طوفانِ بلاخیز اور معمولی سی گھڑی بھی سوہانِ روح بن جاتی ہے اور وہ سراپا تصویرِ الم بن جاتا ہے، شکوہ وشکایت سے اس کی زبان معمور ہو جاتی ہے، وہ اپنی پھوٹی قسمت کو کوسنے لگتا ہے۔

لیکن ایک مومن کامل کا یہ شیوہ نہیں کہ وہ مصائب ومشکلات کی گھڑیوں میں صبر کے دامن کو ہاتھ سے جانے دے، اس کی قوتِ ایمانی، رب کائنات کے ساتھ اس کے لگاؤ وتعلق کی مضبوط کیفیت اسے ان حالات کا پامردی واستقامت کے ساتھ مقابلہ کا سبق سکھاتی ہے، وہ ہر قسم کے

منفی ومثبت احوال کو خدا کی مشیت گمان کرتا ہے، وہ اپنے وجود سمیت اس کو در پیش ہونے والے تمام احوال کو خدائے ذوالجلال اور اس کے مالک حقیقی کا تصرف گردانتا ہے، اس طرح اس کی زبان شکوہ وشکایت، ناشکری اور لعن وطعن کے کلمات سے خالی ہوتی ہے، اور وہ فانی وعارضی مصائب کا ہنسی خوشی مقابلہ کرتے ہوئے راہئ عالم بقا ہو جاتا ہے۔

یہ مصائب ومشکلات، زندگی کے یہ نشیب وفراز، حیاتِ انسانی کو در پیش یہ اونچ نیچ اور اتار چڑھاؤ کی کیفیات، جو بظاہر ناکامی ونامرادی کی تصویر نظر آتے ہیں، اگر ان کے حقائق ومضمرات اور شرعی نقطۂ نظر سے ان منفی احوال کا تجزیہ کیا جائے تو یہ مصائب مومن کیلئے خیر ہی خیر نظر آتے ہیں ان ہی شرور وفتن کے بطن سے خیر وبھلائی کے پہلو وجود میں آتے ہیں۔

ان مصائب ومشکلات اور غمہائے زمانہ کے تعلق سے علماء نے اس کے خیر وشر ہونے کا یہ معیار بتلایا ہے کہ اگر ان مصائب ومشکلات میں انسان کا رجوع ذات خداوندی کی طرف روز افزوں ہے، اس کی عبادات واطاعات اور ذات باری کے ساتھ اس کے لَو اور لگاؤ میں دن بہ دن اضافہ ہو رہا ہے تو یہ مصائب وپریشانیاں اس کے حق میں رحمتِ خداوندی کے عناوین ہیں، اگر وہ گنہ گار ہے تو یہ مصائب اس کیلئے کفارہ سیئات ہیں اور وہ نیکوکار ہے تو بلندیٔ درجات کا باعث ہیں، اس کے مقابل مشکل کی ان گھڑیوں میں اگر وہ معاصی اور گناہوں میں ہی دن بہ دن بڑھتا جا رہا ہے تو اس کے حق میں عقاب وسزا ہے۔

اسی دستور خداوندی اور قانونِ الٰہی کو آیت کریمہ میں یوں بیان کیا گیا ہے: وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنٰى دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (۱) اور ہم ان کو قریب کا عذاب بھی اس بڑے عذاب سے پہلے چکھا دیں گے، تاکہ یہ لوگ باز آ ویں۔

بہر حال انسان کو اس کی اس زندگی میں مختلف پریشانیوں اور مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے وہ ان مصائب کو کیسے انگیز کرے اور کس طرح ان مسائل سے چھٹکارہ اور نجات کی راہ اپنائے اس کیلئے مندرجۂ ذیل نکات ملحوظ رکھے:

(۱) السجدة: ۲۱

☆ ان مصائب کوانگیز کرنے اوران کوآسان تر بنانے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ مومن کیلئے ہر وقت یہ تصور پیش نگاہ رہے کہ یہ دنیا دارالامتحان ہے، یہ دارالقرار یا دارالبقا (ابدی یا دائمی گھر) نہیں ہے، یہ عمل کی جگہ ہے اورآخرت دارالجزاء ہے، وہاں بدلہ ملے گا، مزدور صبح سے شام تک، کسان بوبائی سے لے کر کٹائی تک تمام تکالیف، سردی کی شدت، دھوپ کی حدت، اور عمل کی محنت اس لئے برداشت کرتا ہے کہ مزدور کو شام ڈھلنے پر اجرت کی امید اور کسان کو کٹائی کے وقت پھل کی توقع ہوتی ہے، مومن بھی دین پر عمل کی راہ میں مصائب کی بھٹیوں میں اپنے آپ کو اس لئے جلاتا ہے کہ اسے گناہوں کے میل سے پاک صاف ہو کر دخولِ جنت کی توقع ہوتی ہے، آخرت کے آرام وراحت اور وہاں کی نعمتوں کے مقابلے میں دنیا کے مصائب، بلکہ یہاں کی اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی نعمت بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتی، خدا کا دستور اس دنیا میں یہ ہے کہ جو بندہ جس قدر اللہ عزوجل کا مقرب ومحبوب ہوتا ہے، اسی قدر اسے اس دنیا کے احوال وپریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے، حدیث میں مومن کیلئے دنیا کو ''قید خانہ'' قرار دیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ قید خانہ میں آدمی کو گھر کی طرح سہولیات وآرام نہیں مل سکتا۔

چنانچہ احادیث میں مصائب کو خدا سے تقرب ونزدیکی کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ مصائب وشدائد میں سب سے زیادہ کون ہوتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے زیادہ مصائب وشدائد میں انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں، پھر اس کے بعد درجہ بہ درجہ دوسرے افضل لوگ، آدمی کی اس کی دینداری کے لحاظ سے آزمائش ہوتی ہے، اگر وہ دین میں سخت ہوتا ہے تو اس کی آزمائش بھی سخت ورنہ ہلکی، آدمی پر مصائب کا سلسلہ اس وقت تک رہتا ہے کہ وہ روئے زمین پر بغیر گناہ چلتا ہے '' فما يبرح البلاء بالعبد حتى يتركه يمشي على الأرض ما عليه خطيئة '' یعنی مصائب کی وجہ سے اس کے سارے گناہ دھل جاتے ہیں۔(۱)

---

(۱) ترمذی: الصبر علی البلاء، حدیث: ۲۳۹۸، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ: بڑا بدلہ بڑی آزمائش کے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ جس قوم کو چاہتے ہیں اسے آزمائش میں مبتلا کرتے ہیں، جو شخص اس آزمائش پر اللہ سے راضی رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی رہتے ہیں اور جو ناراض رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناراض رہتے ہیں، "ومن سخط فله السخط" (۱)

جو شخص مصائب میں دنیا کی عدم پائیداری، اس کے مقابل آخرت کی زندگی کے دوام وبقا اور مصائب میں خدا سے قرب ونزدیکی کے تصور کو ذہن میں رکھے گا، اس کی مشکلیں اس کیلئے کسی حد تک ضرور کم ہو جائیں گی۔

☆ مصائب وآلام اور اس کے درد وکسک کو دور کرنے اور ان مصائب وپریشانیوں کے بادلوں سے لطف خداوندی اور عنایاتِ ایزدی کی بارش کے متلاشی کیلئے یہ بھی ایک آسان نسخہ ہے کہ وہ بیماریوں، پریشانیوں، تنگیوں وتنگ دستیوں میں اجرِ خداوندی، ثوابِ آخرت، گناہوں اور خطاؤں سے پاکی کی بشارتوں کو بھی پیش نظر رکھے، اس طرح اس کے مصائب اس کیلئے ایمان ویقین کی تازگی، فکر آخرت میں اضافہ اور پائے ثبات واستقامت میں مضبوطی کا باعث ہوں گے۔

۱۔ ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: مردِ مومن کو جو بھی دکھ درد، جو بھی بیماری وپریشانی، جو بھی رنج وغم اور جو بھی اذیت وتکلیف پہنچتی ہے، یہاں تک کہ جو کانٹا بھی اس کو چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہوں کی صفائی کر دیتا ہے "حتى الشوكة يشاكها" (۲)

۲۔ ایک دوسری روایت میں ہے: بندۂ مومن کو جو بھی کانٹے وغیرہ کی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ عزوجل اس طرح گناہوں کو جھاڑ دیتے ہیں، جیسے سوکھا درخت اپنے پتوں کو جھاڑ دیتا ہے۔ (۳)

---

(۱) ترمذی: الصبر على البلاء، حدیث: ۲۳۹۶، امام ترمذی نے اس کو حسن غریب کہا ہے۔

(۲-۳) صحیح ابن حبان، باب ما جاء في الصبر، حدیث: ۲۹۲۵، محقق شعیب الارنوط نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

۳۔ بعض مومن مرد اور بعض مومن عورتوں پر مصائب وحوادث کبھی ان کی جان، کبھی ان کے مال اور کبھی ان کی اولاد پر اس طرح آتے ہیں کہ (اس کے نتیجے میں اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں) اور وہ مرنے کے بعد اللہ عز وجل سے اس حال میں ملتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا "حتى يلقى الله وما عليه من خطيئة "(۱)

۴۔ دنیا کے مصائب اور آزمائشیں آخرت کے عذاب وعقاب کے مقابلے میں کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں رکھتے، بسا اوقات اللہ عز وجل ان تکالیف وبلیات کے ذریعہ بندہ کے ساتھ خیر خواہی کا ارادہ فرماتے ہیں، وہ اس طرح کہ اسے عذابِ آخرت سے بچانے کیلئے اسے دنیا ہی میں اس کے گناہوں کی سزا دے دیتے ہیں اور وہ آخرت کے ہولناک وخطرناک عذاب سے بچ جاتا ہے، "اذا أراد الله بعبده الخير عجّل له العقوبة في الدنيا" اس کے بالمقابل جب اللہ عز وجل کسی بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو دنیا میں اس کے گناہوں کی سزا کو روک لیتے ہیں، اور اسے روزِ قیامت پوری طرح وصول فرماتے ہیں۔ (۲)

۵۔ کبھی یوں ہوتا ہے کہ ایک بندۂ مومن اخروی اعتبار سے ایک مقام ومرتبہ کا حامل ہوتا ہے، وہ اپنی صحت مند، آرام دہ زندگی کے ساتھ اس مقام ومرتبہ کی جانب اس قدر سبک روی اور تیز گامی کے ساتھ بڑھتا ہوا نہیں ہوتا ہے، اللہ عز وجل اسے اس کے طئے شدہ مقام تک پہنچانے کا سامان یوں فرماتے ہیں کہ اس پر مصائب وحوادث کا بوجھ ڈال کر، اسے اندیشہائے زمانہ اور غمہائے زمانہ میں مبتلا کر کے اسے اس کے طئے شدہ مقام تک پہونچا دیتے ہیں۔

اسی کو رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا: جب بندہ اللہ عز وجل کے یہاں ایک مقام ومرتبہ کا حامل ہوتا ہے، جسے وہ اپنے عمل کے ذریعہ حاصل نہیں کر سکتا تو اللہ عز وجل خود اسے یا اس کی جان یا مال یا اس کی اولاد کو مصیبت میں مبتلا کرتے ہیں، پھر اسے ان مصائب پر صبر کی توفیق

(۱) صحيح ابن حبان، باب ما جاء في الصبر، حديث: ۲۹۱۳، حاکم نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا اور اس کے ایک صحیح شاہد کے موجود ہونے کو بھی بتلایا ہے: المستدرك: كتاب الجنائز، حديث: ۱۲۸۱

(۲) ترمذی: باب الصبر على البلاء، حديث: ۲۳۹۶، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

دیتے ہیں، پھر اسے من جانب اللہ طے شدہ مقام تک پہنچا دیتے ہیں "حتی یبلّغه المنزلة التی سبقت له من اللّٰه" (۱)

۶۔ مصائب کے نعمتِ خداوندی ہونے پر یہ روایت بھی دلالت کرتی ہے:

جس وقت روزِ قیامت دنیا میں مصائب برداشت کرنے والوں کو ثواب دیا جارہا ہوگا، اس روز اہلِ عافیت بھی یہ چاہیں گے کہ ان کے جسم کی کھال دنیا میں قینچیوں سے کاٹی جاتی، "لو أنّ جلودهم قرضت فی الدنیا بالمقاریض" (۲)

۷۔ ایک روایت میں مصائب ومشکلات کے گناہوں کے ازالہ میں اثر انگیزی کو بیان کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی حدیثِ قدسی کی شکل میں یوں بیان کیا گیا ہے: کہ اللہ عزوجل یوں فرماتے ہیں: میری عزت وجلال کی قسم جس شخص کی میں مغفرت اور بخشش کا ارادہ کرتا ہوں تو اس کے جسم کو بیماریوں میں ڈال کر اور اس کی روزی کو تنگ کر کے اس کی ہر غلطی اور گناہ کو مٹا دیتا ہوں۔ (۳)

☆ مصائب میں دعاؤں کا اہتمام کرے:

جیسا کہ مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ مصائب میں بندہ کا رجوع خدائے ذوالجلال کی طرف بڑھ رہا ہے تو یہ مصائب اس کے حق میں رحمتِ خداوندی کے نزول کے عنوان ہیں

---

(۱) ابوداؤد: باب الامراض، حدیث: ۳۰۹۰، علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد، ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں سوائے خالد کے ان سے صرف ان کے لڑکے محمد نے نقل کیا، اور ان کے باپ کے نام کے سلسلے میں اختلاف ہے اور صحابی کا ابہام نقصاندہ نہیں ہوتا: فتح الباری: ما جاء فی کفارة المرض: ۱۳۲/۱۶

(۲) ترمذی: باب من باب ما جاء فی الصبر علی البلاء، حدیث: ۲۴۰۲، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اس کو ہم اس سند سے صرف اسی طریق سے جانتے ہیں اور بعض لوگوں نے اسے اعمش عن طلحہ بن مصرف عن مسروق سے روایت کیا ہے، امام منذری فرماتے ہیں کہ: اس کو ترمذی، ابن ابی الدنیا نے عبدالرحمٰن بن مغراء کی روایت سے نقل کیا ہے اور اس کے بقیہ رواۃ ثقہ ہیں: الترغیب کتاب الجنائز وما یتقدمها، حدیث: ۵۱۵۹

(۳) الترغیب والترهیب: کتاب الجنائز وما یتقدمها، حدیث: ۵۲۱۳، امام منذری کہتے ہیں کہ: اس کو رزین نے روایت کیا ہے اور میں نے اسے نہیں دیکھا۔

لیکن بندہ چونکہ کمزور وناتواں ہوتا ہے، وہ رحمتِ خداوندی کا ادراک نہیں کرسکتا، وہ اپنی آخرت کے بناؤ وبگاڑ کے پہلو سے واقف نہیں ہوتا، وہ دوسروں کے مانند اپنے کو بھی خوشحال وفارغ البال دیکھنا چاہتا ہے اور وہ حقیقت میں بھی مصائب کو انگیز کرنے کی سکت بھی اپنے اندر نہیں پاتا، اس لئے اللہ عزوجل سے عافیت کو طلب کرتا رہے، دعاؤں کے اہتمام کے ذریعہ بارگاہِ خداوندی میں اس بات کی التجا کرتا رہے کہ اللہ عزوجل اس کی بیماری کی نعمت کو صحت کی نعمت اور بیروزگاری کی نعمت کو روزگاری کی نعمت سے مبدّل کردے، دراصل اللہ عزوجل بندہ کو مبتلائے مصیبت کرکے اس کی عاجزی وبندگی کے مظاہرہ کو دیکھنا چاہتے ہیں، ظاہر ہے دعا سے بڑھ کر اپنی عاجزی وبے بسی کا اظہار بندہ اپنے دوسرے اعمال کے ذریعہ کہاں کرسکتا ہے؟ بلکہ دعا کو احادیث میں حاصل عبادات قرار دیا گیا ہے۔

مصائب میں مبتلا شخص ان دعاؤں کا خوب اہتمام کرتا رہے:

اَللّٰھُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَاتَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عینٍ وَاَصْلِحْ لِیْ شَانِیْ کُلَّہٗ لَااِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اے اللہ! میں تیری رحمت کی امید کرتا ہوں تو مجھے پل بھر بھی میرے سپرد نہ کر اور میرا سارا حال درست فرمادے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ اے زندہ اور اے قائم رکھنے والے میں تیری رحمت کے واسطے سے فریاد کرتا ہوں۔

اَللّٰہُ اَللّٰہُ رَبِّیْ لَااُشْرِكُ بِہٖ شَیْئًا! اللہ میرا رب ہے میں اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہیں بناتا۔

ان دعاؤں کا مصائب اور پریشانیوں کے دفاع میں خوب اثر ہے، حضور اکرم ﷺ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو مصائب اور مشکلات کے وقت انہیں دعاؤں کی تلقین فرمائی تھی۔(۱)

دعاؤں کے ذریعہ بندہ اللہ عزوجل کے قریب ہوجاتا ہے، اس کے الطاف وعنایات، اور عطایا ونوازشات کے دائرہ میں آجاتا ہے، اس طرح اس کے مصائب آسانیوں سے بدلنے لگتے ہیں۔

(۱) حیاۃ الصحابہ عربی: ۵۳۱/۳

☆ مصائب میں نیک لوگوں سے مشورہ کرے:

آدمی خواہ جس قسم کی بھی پریشانی میں مبتلا ہو، خواہ بیماری یا تکلیف میں، یا افلاس وتنگدستی میں یا قرض و بیماری کی پریشانی میں، ان بیماریوں اور پریشانیوں میں آدمی اپنے آپ کو یکا وتنہا تصور کرتا ہے وہ اپنی عقل وتدبیر اور بسا اوقات ہر طرح کے ظاہری اسباب کے اختیار کرنے کے بعد بھی اسے پریشانیوں سے باہر نکلنے کی کوئی صورت یا راہ نظر نہیں آتی، دعاؤں کے خوب اہتمام کے باوجود اس کے مصائب ختم ہونے کا نام نہیں لیتے ان مصائب میں سکون وراحت کے متلاشی کیلئے ایک لازمی امر یہ بھی ہے کہ وہ اس بارے میں نیک لوگوں اور اللہ والوں سے مشورہ طلب کرے، ان کے بتائے ہوئے رہنمایانہ خطوط پر اپنی زندگی کی گاڑی کو آگے بڑھائے، حضور اکرم ﷺ باوجود کہ آپ ﷺ کو مشورہ کی کوئی ضرورت نہیں تھی، لیکن دشوار گذار اور کٹھن مراحل میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب کرتے تھے، پھر حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم، ائمہ کرام اور بزرگانِ دین اور علماء وصلحاء کا بھی معمول رہا ہے کہ وہ مصائب میں اللہ والوں سے رجوع کرتے ہیں۔

☆ مصائب میں تدبیر سے نہ چوکے

پریشان حال شخص اگر بیمار ہے تو یوں ہی ہاتھ پر ہاتھ دھرا بیٹھا نہ رہے، تقدیر کا بہانہ بنا کر تدبیر سے نہ چوکے، بلکہ علاج ومعالجہ کرے، اگر بے روزگار ہے تو حصول رزق کیلئے سعی وکوشش کرے، اگر اولاد کی نافرمانی سے دوچار ہے تو ان کی اصلاح کی راہیں اختیار کرے، غرضیکہ مصائب کو دور کرنے کیلئے آدمی مذکورہ بالا امور کے ساتھ اپنی مقدور بھر اسباب وذرائع کی دنیا میں کوشش بھی کرے، ہاں البتہ تمام محنت ومجاہدے اور علاج ومعالجہ کے بعد اس کے نتیجے یعنی صحت یابی اور رزق کی کشائش وغیرہ کو اللہ عزوجل کے حوالے کردے۔

تدبیر اختیار کرنا تقدیر سے فرار نہیں ہے، بلکہ بقول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تدبیر کرنا دراصل یہ اللہ کی تقدیر سے اسی کی تقدیر کی طرف بھاگنا ہے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تدبیر کے اختیار

کرنے پر تقدیر سے فرار کا طعنہ دیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم تقدیر سے فرار اختیار نہیں کررہے بلکہ : نفِرُّ مِن قَدَرِ اللّٰہِ اِلٰی قَدَرِ اللّٰہ ہم اللہ کی تقدیر سے اس کی تقدیر ہی کی طرف بھاگ رہے ہیں۔(۱)

توکل کی حقیقت بھی دراصل اسباب کو اختیار کرنے کے بعد نتیجہ کو ذاتِ خداوندی کے حوالہ کرنا ہے اور ایسے ہی لوگوں کو اللہ عزوجل نے محبوب قرار دیا ہے: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ (۲) اللہ عزوجل توکل اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

دراصل اس تحریر کی روشنی میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ انسان کو مصائب کیوں درپیش ہوتے ہیں اور ان مصائب ومتاعب سے انسان اپنے آپ کو کیوں کر نکال سکتا ہے؟ اگر مصائب میں انسان مذکورہ بالا امور کو ملحوظ رکھے تو کچھ بعید نہیں کہ اس کے مصائب نعمتوں سے بدل جائیں یا کم از کم ان مصائب میں ضرور کمی واقع ہوگی۔

---

(۱) بخاری: باب ما یذکر فی الطاعون، حدیث: ۵۳۹۷
(۲) ال عمران: ۱۵۹

مزدوروں کے حقوق

مزدور سماج کا ایک اہم حصہ اور طبقہ ہے، انہیں کے دم قدم سے دنیا میں یہ رونق اور شادابی ہے، یہ بلند قامت عمارتیں، صاف وشفاف سڑکیں، بل کھاتی ہوئی نہریں، سرسبز وشاداب کھیتیاں، حسین وخوبصورت بستیاں، حتی کہ روٹی اور غذا بھی انہیں کے خون پسینے سے حاصل ہوتے ہیں لیکن عجب ستم ظریفی یہ ہے کہ سماج کا یہی طبقہ محرومیوں اور معاشی غیر اعتدال کا شکار ہے، اور خوش حالی اور فارغ البالی سے محروم ہے؛ اس لئے اسلام نے ان کے حقوق بھی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔

☆ اسلام نے مزدوروں کو بلند اور عظیم مقام عطا کیا ہے اور عام طور پر اس طبقہ کو جو حقیر اور کمتر سمجھا جاتا ہے، اس کی نفی کی ہے۔

۱- آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آٹھ سال یا دس سال تک حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس مزدوری کی "انّ موسیٰ اجر نفسه ثمانی سنین أو عشرًا، علی عفّة فرجه، وطعام بطنه" (۱)

۲- چھوٹے بچوں، اہل وعیال، ماں باپ اور خود اپنی کفالت کیلئے دوڑ دھوپ اور سعی کرنے کو آپ ﷺ نے اللہ کی راہ میں جد وجہد بتلایا "من سعی علی والدیه ففی سبیل اللّٰه، ومن سعی علی عیاله ففی سبیل اللّٰه، ومن سعی علی نفسه لیُعفّها ففی سبیل اللّٰه" (۲)

---

(۱) ابن ماجة : عباب اجارة الأجیر، حدیث: ۲۴۴۴

(۲) المعجم الصغیر : من اسمه محمد، حدیث: ۹۴۰، ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو بزار، طبرانی نے اوسط میں نقل کیا ہے اور اس میں رباح بن عمر ہیں ان کی ابوحاتم نے توثیق کی ہے اور اس کے بقیہ رجال صحیح کے رجال ہیں: مجمع الزوائد: باب منه فی البر، حدیث: ۱۳۴۱۶

۳- آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے پاکیزہ عمل یہ ہے کہ آدمی خود اپنے ہاتھوں سے کمائے "عمل الرجل بیده "(۱)

اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں ہی کی کمائی سے کھاتے تھے "انّ نبی الله داؤد کان یأکل من عمل یده " (۲)

۴- اللہ تعالیٰ ایسے مومن بندہ کو پسند کرتا ہے جو صنعت وحرفت سے واقف ہو اور اس سے کام لیتا ہو "ان الله یحبّ العبد المومن المحترف" (۳)

☆ جس کو اجرت پر رکھے یہ خیال ضرور رہے کہ اس کو اتنی اجرت دے کہ اس کی تمام ضروریاتِ زندگی کی تکمیل ہو سکے۔

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں حضور ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، مجھ سے حضور ﷺ نے فرمایا: اے ربیعہ! کیا تم نکاح نہیں کرو گے؟ میں نے کہا: نہیں اللہ کے رسول ﷺ! میں نکاح کرنا نہیں چاہتا، نہ تو میرے پاس بیوی کی ضروریات کی تکمیل کی سکت ہے اور نہ ہی میں آپ ﷺ کو چھوڑ کر کسی دوسری چیز میں مشغول ہونا چاہتا ہوں، فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے میری اس بات سے مجھ سے اعراض فرمایا، پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے ربیعہ! کیا تم شادی نہیں کرو گے؟ میں نے کہا: نہیں اللہ کے رسول ﷺ! میں نکاح کرنا نہیں چاہتا، نہ تو میرے پاس بیوی کی ضروریات کی تکمیل کی سکت ہے اور نہ ہی میں آپ کو چھوڑ کر کسی دوسری چیز میں مشغول ہونا چاہتا ہوں، تو حضور ﷺ پھر مجھ سے اعراض فرمایا،

(۱) مجمع الزوائد: باب أی الکسب أفضل، حدیث: ٦٢١٠، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد، بزار، طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں مسعودی ہیں اور یہ ثقہ ہیں؛ لیکن ان کو اختلاط ہو گیا تھا اور احمد کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

(۲) بخاری: باب کسب الرجل وعمله بیده، حدیث: ١٩٦٦

(۳) مجمع الزوائد: باب الکسب والتجارة ومحبتهما والحث علی طلب الرزق، حدیث: ٦٢٣١، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں عاصم بن عبید اللہ یہ ضعیف ہیں۔

کہتے ہیں کہ: پھر میں نے اپنے نفس سے رجوع کیا، پھر میں نے کہا: اللہ کی قسم! آپ ﷺ میری دنیا اور آخرت کی مصلحت کو زیادہ جاننے والے ہیں، کہتے ہیں: میں نے اپنے دل میں کہا اگر تیسری دفعہ حضور ﷺ مجھ سے دریافت کریں تو میں کہوں گا: ہاں، کہتے ہیں: حضور ﷺ نے مجھ سے تیسری دفعہ کہا: اے ربیعہ! کیا تم شادی نہیں کرو گے؟ کہتے ہیں: میں نے کہا: ضرور، اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں، اور جو کچھ آپ کی مرضی ہو، فرمایا: انصار کی بستی میں فلاں کے اہل کے پاس جاؤ "انطلق الی ال فلان الی حیّ من الانصار (۱)

بلکہ روایتوں میں تو ملازموں کو مالکین کے مساوی اور یکساں زندگی گذارنے کے مطابق اُجرت دینے کا حکم دیا گیا ہے، ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: وہ تمہارے بھائی ہیں، جن کو خدا نے تمہارے ماتحت رکھا ہے؛ لہٰذا خدا نے جس کے ماتحت اس کے بھائی کو رکھا ہے، اس کو چاہیے کہ اس کو وہی کھلائے جو خود کھائے، جو خود پہنے وہی پہنائے، اس کو ایسے کام کی تکلیف نہ دے جو اس کیلئے دشوار ہو اور اگر ایسے کام کی ذمہ داری سونپ دی تو پھر اس کی مدد کرے" فليطعمه مما يأكل وليلبسه مما يلبس ولا تكلفوهم ما يغلبهم فان كلفتموهم ما يغلبهم فأعينوهم " (۲)

☆ اجرت کی مقدار کی تعیین پہلے ہی کر دے، اجرت کو مبہم نہ رکھے:

رسول اللہ ﷺ نے کسی مزدور سے کام لینے سے منع فرمایا یہاں تک کہ اس کی اجرت واضح کردی جائے، "نهى عن استجارة الأجير حتى يبين له أجره " (۳)

---

(۱) المستدرك: كتاب النكاح: حديث: ۲۷۱۸، حاکم کہتے ہیں کہ: یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

(۲) بخاری: باب قول النبي صلى الله عليه وسلم العبيد اخوانكم فاطعموهم مما تأكلون حديث: ۴۲۰۷

(۳) مسند احمد: مسند ابي سعيد الخدري، حديث: ۱۱۶۹۴، محقق شعیب الارنوط نے اس کی سند کے انقطاع کی وجہ سے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

حضور ﷺ نے مزدور کو اس کی محنت اور مشقت کے مطابق بغیر کسی ظلم یا ٹال مٹول کے اجرت دینے کا حکم کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "أعطوا الأجير أجره قبل أن يجف عرقه" (۱)

آپ ﷺ نے فرمایا: تین شخص ایسے ہیں کہ قیامت کے دن میں ان کا دشمن ہوں گا، ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو کسی مزدور کو اجرت پر رکھے، اس سے پورا کام لے اور اسے اجرت نہ دے "رجل استأجر اجيرًا فاستوفى منه ولم يعطه منه ولم يعطه أجره" (۲)

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ: اجرت ادا کرنے کی تین صورتیں ہیں: یا تو خود آجر کام سے پہلے اجرت دیدے، یا مزدور نے پیشگی مزدوری دینے کی شرط لگا دی ہو، تو اس کو کام سے پہلے مزدوری دینی ہوگی، یا مزدور اپنے کام کی تکمیل کر دے تو کام کی تکمیل پر اجرت ادا کرنی ہوگی۔ (۳)

☆ اس کے ساتھ ساتھ کام کی مقدار کا بھی تعین ہو:

آپ ﷺ نے فرمایا: غلام سے کوئی ایسا کام نہ لو جو ان کی طاقت اور قوت سے باہر ہو۔ (۴)

مثلاً اصول صحت کے اعتبار سے جن کاموں کو روزانہ چھ گھنٹے کیا جا سکتا ہے ان کے چھ گھنٹے اور جن کاموں کو آٹھ گھنٹے کیا جا سکتا ہے ان ملازمین کو آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی ہوگی، بعض لوگ کم عمر بچوں اور بوڑھوں سے ان کی طاقت اور قوت سے زیادہ کام لیتے ہیں، یہ قانوناً جرم ہے، مستقل ملازمین کیلئے ہفتہ میں ایک دن تعطیل، بیماری اور رشتہ داروں سے ملاقات کیلئے بھی رخصت ہونا چاہئے۔ (۵)

---

(۱) ابن ماجة: باب أجر الأجراء، حديث: ۲۴۴۳، علامہ منذری کہتے ہیں کہ: اس روایت کو ابن ماجہ نے عبدالرحمن بن اسلم سے روایت کیا ہے اور ان کی توثیق کی گئی ہے، ابن عدی نے کہا ہے کہ: ان کی احادیث حسن درجہ کی ہیں اور لوگوں کو ان کے سلسلے میں شبہ ہوا ہے، بعض نے ان کو صدوق کہا ہے اور بعض نے ان کی تکذیب کی ہے: الترغيب: باب الترهيب من منع الأجير أجره والأمر بتعجيل اعطائه: ۲۸۹۱

(۲) بخاری: باب اثم من باع حرًا، حديث: ۲۱۱۴

(۳) الفتاوی الهندية: ۵۶/۳

(۴) مؤطامالك

(۵) رد المحتار: ۸۰/۳

☆ مزدوروں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کیا جائے:

حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: مزدور تمہارے بھائی ہیں "أنّهم اخوانكم" (۱)

قرآنِ کریم نے حضرت شعیب علیہ السلام کے بحیثیتِ آجر (ملازمت پر رکھنے والے) کی یہ صفتیں بیان کی ہیں "مَآ اُرِيۡدُ اَنۡ اَشُقَّ عَلَيۡكَ سَتَجِدُنِىۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ" (۲) میں تم کو تکلیف دینا نہیں چاہتا، انشاء اللہ تم مجھ کو صالح اور نیک لوگوں میں پاؤ گے۔

☆ خادم کو مار پیٹ نہ کرے، خادم کو مار پیٹ کرنا یہ اس کے ساتھ بدسلوکی اور اس کے حق خدمت کے خلاف ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے اپنے ایک غلام کو مارا، تو میں نے اپنے پیچھے سے یہ آواز سنی، اے ابومسعود! "انّ الله أقدر منك عليك" اللہ کو تم پر تمہاری اس پر قدرت اور طاقت سے زیادہ طاقت حاصل ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ حضور ﷺ تھے، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ اللہ کیلئے آزاد ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم نے ایسا نہ کیا ہوتا تو تم کو جہنم کی آگ اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔ (۳)

اس حوالے سے حضور ﷺ کا خادموں اور نوکروں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ ہمارے لئے اسوہ اور نمونہ ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: "ما ضرب رسول الله شيئا قط بيده ولا امرأة ولا خادما" حضور ﷺ نے کبھی کسی چیز کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا نہ اپنی بیوی کو اور نہ ہی خادم کو۔ (۴)

---

(۱) ابوداؤد: باب في حق المملوك، حديث: ۵۱۵۷، علامہ بوصیری فرماتے ہیں کہ: اس کی سند صحیح ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں اور ابوعارم الهانی ان کا نام عبداللہ بن غابر ہے۔

(۲) القصص: ۲۷

(۳) مسلم: كتاب الايمان، باب صحبة المماليك وكفارة من لطم عبده، حديث: ۱۶۵۹

(۴) مسلم: كتاب الفضائل، باب مباعدته للاثام، حديث: ۲۳۲۸

حضور ﷺ کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ اس حوالے فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ اخلاق والے تھے، حضور ﷺ نے ایک دفعہ مجھے کسی ضرورت سے بھیجا، میں نے کہا: اللہ کی قسم! میرا اِرادہ حضور ﷺ کے بتلائے ہوئے کام کیلئے جانے کا تھا، کہتے ہیں: میں گھر سے نکل کر بچوں کے پاس سے گذرا وہ بازار میں کھیل رہے تھے، حضور ﷺ نے میرے پیچھے آ کر میری گدی کو پکڑا، میں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو آپ مسکرانے لگے، اور فرمایا: اے انس! میں نے جس کام کیلئے بھیجا تھا اس کیلئے جاؤ "اذهب حيث أمرتك" میں نے کہا: ہاں، اے اللہ کے رسول ﷺ! میں جاؤں گا، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! میں نے حضور اکرم ﷺ کی سات سال یا نو سال خدمت کی حضور ﷺ نے کبھی کسی کام کے متعلق یوں کہا ہو کہ: تم نے ایسا ایسا کیوں کیا اور نہ ہی میرے کسی کام کے نہ کرنے پر یوں کہا ہو کہ تم نے ایسا ایسا کیوں نہیں کیا "هلّا فلعت كذا وكذا"(۱)

☆ کام میں اس کا ہاتھ بٹائے، پورے کام کا بوجھ اسی پر نہ ڈالے، مثلاً وہ کسی بوجھ کو اٹھا رہا ہے اور اس کے اٹھانے میں اس کو کافی مشقت ہو رہی ہے تو تھوڑا ہاتھ خود بھی لگائے، آپ ﷺ نے خادم کے کام میں ہاتھ بٹانے پر اجر وثواب کا وعدہ فرمایا ہے، ارشادِ نبوی ہے "ما خفّفت عن خادمك من عمله كان لك أجرًا في موازينك"(۲)

☆ اس کے ساتھ یکساں سلوک کرے اس کو نیچ یا کمتر نہ سمجھے حضور ﷺ نے اپنی امت کے خادموں کے ساتھ بھی تواضع اور انکساری کا حکم کرتے ہوئے فرمایا: "ما استكبر من أكل معه خادمه، وركب الحمار بالاسواق واعتقل الشاة فحلبها" وہ شخص کبر سے بری ہے جو اپنے خادم کے ساتھ کھائے، اور گدھے پر سوار ہو کر بازار جائے، اور بکری کو باندھ کر اس کا دودھ دوھے۔(۳)

---

(۱) مسلم: كتاب الفضائل: باب كان رسول الله أحسن الناس خلق، حديث: ۲۳۱۰

(۲) شعب الايمان: الاحسان الى المماليك، حديث: ۸۲۲۶

(۳) الأدب المفرد: باب الكبر، حديث: ۵۵۰

☆ ملازم کو بھی امانت اور قوت کی صفت سے متصف ہونا چاہئے جو کہ کسی بھی عمل کے انجام وہی کیلئے ضروری ہوتے ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس بنیاد پر اپنا ملازم متعین کیا، وہ ان کی صاحبزادی کی یہ اطلاع تھی یَآ اَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ " (۱) ابا جان! ان کو مزدور رکھ لیجئے، بہترین مزدور جسے آپ رکھیں گے وہ ہوگا جو طاقتور اور امانت دار ہو۔

یہاں اچھے مزدور کی دو صفات بیان ہوئی ہیں :

ایک تو وہ قوت وصلاحیت کا حامل ہو چنانچہ، غیر اہل کو کسی کام کی ذمہ داری سونپی نہ جائے۔

دوسرے یہ کہ وہ اپنے کام کو بحسن وخوبی اور پوری احساسِ ذمہ داری کے ساتھ، متعینہ وقت پر پوری دیانت داری کے ساتھ ادا کرے۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "عدل کے ساتھ وزن کرو" میں یہ بھی داخل ہے کہ ملازمین اپنے اوقاتِ ملازمت کا پورا پورا خیال رکھیں۔

امانت میں یہ بھی داخل ہے کہ اپنے مفوضہ کام کی ادائیگی میں رشوت اور الگ سے پیسہ نہ لے، چونکہ رشوت خوری کا یہ عمل شریعت کی نگاہ میں بڑا بھیانک اور دخولِ جہنم کا موجب عمل ہے "الراشی والمرتشی کلاهما فی النار "(۲)

☆ ناجائز ملازمت نہ کرے یا ایسی ملازمت جو گناہ اور معصیت کی وجہ اور سبب بنتی ہو اس سے بھی پرہیز کرے، گناہ کا سبب بننا خود یہ گناہ کرنے کے درجہ میں ہے اس لئے فقہاء نے لکھا ہے: " لا یجوز الاستئجار علی شیئ من الغناء والنوح والمزامیر ولا أجر لهم " (۳)

---

(۱) القصص : ۲٦

(۲) ترمذی: الراشی والمرتشی فی الحکم، حدیث: ۱۳۳٦، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۳) المبسوط للسرخسی، باب الاجارة الفاسدة: ۳۸/۱٦، دار المعرفة، بیروت

مزامیر، نوحہ خوانی اور گانے بجانے وغیرہ کے کاموں پر کسی کو اجیر رکھنا درست نہیں اور وہ اجرت کے حقدار نہیں ہوتے۔

اسی حکم میں سینما ہال کی ملازمت، گانے بجانے کے کام، انشورنس کی ایجنسی اور انشورنس اور بنک کی ایسی ملازمتیں ہیں جن میں سودی کاروبار لکھنا پڑھے یا اس میں سود کا لین دین ہو۔

مسنون معاشرت

احکام و آداب

اُسوۂ نبوی کی روشنی میں

جلدِ دوم

مفتی محمد ابو بکر جابر قاسمی
مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

نامِ کتاب : مسنون معاشرت احکام وآداب، اُسوۂ نبوی کی روشنی میں
جلدِ دوم
مصنفین : مفتی ابوبکر جابر قاسمی، مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی
صفحات : ۴۷۶
سنِ طباعت : شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ م جون ۲۰۱۴ء
کمپوزنگ و تزئین : حبیب گرافکس — فون : 040-65583159
ناشر :

ملنے کے پتے

- مدرسہ خیر المدارس بورابنڈہ، حیدرآباد 040-23836868
- دکن ٹریڈرس، پانی کی ٹانکی، مغلپورہ، حیدرآباد 040-66710230
- فضل بک ڈپو جامع مسجد ملے پلی، حیدرآباد +91-40-9440039231
- مکتبہ احیاءِ سنت مسجدِ ٹین پوش لال ٹیکری، حیدرآباد 040-23325952
- مکتبہ فیض العلوم سعید آباد، حیدرآباد 040-24557422
- ہندوستان پیپر ایمپوریم مچھلی کمان، حیدرآباد 040-66714341
- مکتبہ کلیمیہ رحمٰن کامپلکس (پہلی منزل)، روبرو ہمالیہ بک ڈپو
حضرات یوسفینؒ چوراستہ، نامپلی، حیدرآباد 9885655591, 9030474265
- مکتبہ عمر نواب صاحب کنٹہ، حیدرآباد

فہرستِ مضامین

عناوین	صفحہ
ایک ضروری بات	۱۸۹
پردہ کے شرعی حدود وقیود	۱۹۰
حیاء حیاتِ انسانی کا جوہر	۱۹۰
پردہ کا پہلا درجہ	۱۹۵
پردہ کا دوسرا درجہ	۱۹۷
پردہ کا تیسرا درجہ	۲۰۰
ستر اور حجاب میں فرق	۲۰۹
مرد کا ستر	۲۰۹
نابالغ بچے کا ستر	۲۱۰
اَمرد کا ستر	۲۱۰
عورت کا ستر مرد سے	۲۱۱
عورت کا ستر عورت سے	۲۱۱
عورت کا پردہ	۲۱۲
لڑکی کتنی عمر سے پردہ کرے؟	۲۱۳
کافر عورتوں سے مردوں کی طرح پردہ	۲۱۴
عورت کی آواز کا پردہ	۲۱۶
دل ودماغ کا بھی پردہ ضروری ہے	۲۱۸
پازیب کی جھنکار کی آواز کا پردہ	۲۱۹
جسم سے مہکنے والی خوشبو کا پردہ	۲۱۹
آج کل کے بھڑکیلے اور شوخ برقعوں سے پردہ نہیں ہوتا	۲۲۰
عورت کا مرد سے پردہ تین طرح کا ہوتا ہے	۲۲۱

عناوین	صفحہ

بوڑھے حضرات شریعت کی نظر میں

انسان جب پیدا ہوتا ہے تو بالکل ناتواں، نحیف اور کمزور ہوتا ہے، نہ خود کھا سکتا ہے، نہ کھڑا ہوسکتا ہے، نہ بیٹھ سکتا ہے، نہ چل سکتا ہے، نہ بول سکتا ہے، پھر اس میں کھڑے ہونے، چلنے، خود سے کھانے پینے، بولنے کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے، آہستہ آہستہ وہ رینگتے رینگتے اپنے پاؤں کے بل کھڑا ہونا سیکھتا ہے، اس کے تمام قوی واعضاء مضبوط ہوجاتے ہیں، پھر وہ جوانی کی دہلیز پر پہنچتا ہے تو نہ صرف وہ اپنے پاؤں کے بل کھڑا ہوسکتا ہے بلکہ اپنی محنت اور کاوش سے ایک پورے کنبہ اور خاندان کی پرورش اور ان کی کفالت اور ان کی تمام ضروریاتِ زندگی کا تکفل کرنے والا بن جاتا ہے، پھر جب یہ جوانی کی بہار اور شادابی رخصت ہونے لگتی ہے تو پھر بوڑھاپے کا خزاں اس کو لگ جاتا ہے، اور یہ جوانی کی تمام بہار آہستہ آہستہ کر کے چلی جاتی ہے، پھر بوڑھاپا سایہ فگن ہوجاتا ہے، اب قوی اور اعضاء کمزور پڑ رہے، چہرے پر جھریاں نمایاں ہوگئی ہیں، آنکھوں پر موٹی عینک ہے، ہاتھ میں عصا ہے، قوت سماعت اور بصارت نے بھی ساتھ چھوڑ دیا ہے، قدموں پر بھی رعشہ طاری ہے، ذہانت اور قوتِ حافظ بھی جواب دے رہا ہے۔

انسانی زندگی کا یہ مرحلہ نہایت ہی رحم وکرم کے قابل مرحلہ ہوتا ہے، اس لئے اسلام نے بوڑھوں کے ساتھ خصوصی احترام واکرام کا حکم دیا ہے۔

☆ اسلام نے سب سے پہلے تو یہ تصور دیا ہے کہ آدمی یہ تصور نہ کرے کہ یہ رزق اور معاش جو اسے حاصل ہورہا ہے، اس کے قوتِ بازو کی کمائی ہے، بلکہ شریعت اور اسلام نے یہ تصور دیا ہے کہ تم لوگوں کو جو رزق حاصل ہورہا ہے یہ تمہارے کمزور اور ناتواں لوگوں کی وجہ سے حاصل ہورہا ہے "هل تنصرون وترزقون الّا بضعفائكم" (۱)

(۱) بخاری: باب من استعان بالضعفاء والصالحين، حديث: ۲۸۹۶

آپ ﷺ نے اس روایت کے ذریعہ اس تصور کو یکلخت ختم کردیا کہ یہ بوڑھے صرف کھاتے ہیں کماتے نہیں، بلکہ یہ تصور دیا کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کے خزانے سے رزق تمہیں حاصل ہورہا ہے، یہ تمہارے انہیں بزرگوں، کمزوروں اور بوڑھوں کی وجہ سے، اس لئے ان لوگوں کے وجود کو اپنے گھر کیلئے رحمتِ خداوندی اور نعمتِ ایزدی کا وجود تصور کرو۔

☆ شریعت نے بوڑھوں کو نہایت قدر واحترام اور عزت وعظمت کی نگاہ سے دیکھا ہے، ان کیلئے ان کی عمر اور ضعف وکمزوری کے لحاظ سے رعایت پر مبنی احکام دیئے ہیں، چنانچہ نماز میں قیام جو کہ فرض ہے بوڑھاپے کی وجہ سے اس کی سکت نہ ہو تو بیٹھے ہوئے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، اگر رکوع اور سجدہ جو کہ فرض ہیں اس کی ادائیگی کی سکت نہ ہو تو ان کی اشارہ سے ادائیگی کو کہا گیا ہے، اور روزہ کی سکت نہ ہو تو فدیہ اس کی طرف سے کافی ہوگا اور اگر کمزوری کی وجہ سے سفر ممکن نہ ہو تو حج بدل کروانے کی گنجائش دی گئی ہے، ان لوگوں سے جہاد کا معاف ہونا یہ سارے احکام ان کیلئے سہولت پر مبنی ہیں۔

☆ بوڑھے حضرات کی شرعاً کفالت واجب ہے، اگر وہ ماں باپ ہیں تو اگر وہ کسبِ معاش کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں تب بھی بال بچوں پر ان کی ضروریات کی تکمیل واجب ہے، اگر دیگر رشتہ دار ہیں اور ان کی اولاد نہ ہو تو قریب ترین رشتہ داران کی کفالت کے ذمہ دار ہوں گے، اگر خود ان کے اندر کمانے اور ضرورت کی تکمیل کی صلاحیت ہو تو ان کی ذمہ داری دوسروں پر نہیں۔ (۱)

☆ بڑھاپے میں آدمی یہ چاہتا ہے کہ چھوٹے ان کے ساتھ احترام واکرام کا معاملہ کریں، آپ ﷺ نے ان کے ان جذبات کا احترام فرمایا کہ جو شخص چھوٹے پر شفقت نہ کرے اور بڑوں کی توقیر نہ کرے وہ ہم سے نہیں، " لیس منّا من لم یرحم صغیرنا ویؤقّر کبیرنا " (۲)

---

(۱) ردالمحتار: ۵/۳۵۵-۳۵۶

(۲) ترمذی: باب ماجاء فی رحمۃ الصبیان، حدیث: ۱۹۲۱، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

اور ایک جگہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو نوجوان کسی بوڑھے کی اس کی عمر کی رعایت کرتے ہوئے تعظیم کرے گا تو جب وہ نوجوان اس عمر کو پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے بھی ویسا ہی تعظیم کرنے والا مہیا کرے گا "ما أكرم شابّ شيخا لسنّه الاّ قيض الله له من يكرمه عند سنّه" (۱)

☆ بزرگوں کی تعظیم واکرام کے عمومی احکام تو ہیں لیکن چند خصوصی مواقع سے ان کے ساتھ خصوصی احترام واکرام کا معاملہ کرنے کی تاکید آئی ہے، جس سے شریعت میں بوڑھے و بزرگ لوگوں کی فضیلت واہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کئی لوگ ہوں اور ان کو اپنی بات پیش کرنی ہو تو بڑے کو گفتگو کا اور نمائندگی کا موقع دینا چاہئے، "كبّر الكبر في السنّ" (۲)

ایسے ہی اگر دو اشخاص علم وقرأت اور ورع وتقویٰ کے اعتبار سے برابر ہوں تو جو ان میں عمر دراز ہو، اس کو حقِ امامت میں اولیت حاصل ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنے دو رفقاء کو رخصت کرتے ہوئے اس کی نصیحت فرمائی "وليؤمكما أكبر كما سنّا" (۳)

☆ اسی طرح بڑوں، بوڑھوں کے احترام واکرام میں یہ بات بھی شامل ہے کہ کوئی بوڑھا جارہا ہو، بوجھل سامان اس کے ہاتھ میں ہو، آپ نوجوان ہیں تو آپ کا اخلاقی فرض بنتا ہے کہ آپ ان کا تھیلا اپنے کاندھوں پر اٹھالیں اور منزلِ مقصود تک پہنچادیں، آپ بس یا ٹرین میں سفر کررہے ہیں، آپ کو سیٹ مل چکی ہے، لیکن کوئی بوڑھا ضعیف شخص کھڑا ہے، بوڑھاپے کے احترام کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اپنی سیٹ سے اٹھ کر ان کو بیٹھنے کیلئے جگہ دیں، اگر ہم ان ضعیف اور بوڑھے، بزرگ لوگوں کے ساتھ یہ طرزِ عمل اور حسنِ سلوک اور تعظیم وتوقیر کا معاملہ کریں گے تو

---

(۱) ترمذی: باب ماجاء في اجلال الكبير: حديث: ۲۰۲۲، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔

(۲) مسلم: كتاب القسامة والمحاربين، حديث: ۱۶۶۹

(۳) بخاری: باب اثنان فما فوقهما، حديث: ٦٢٧

حضور ﷺ کی حدیث کے بموجب ہمارے بوڑھاپے اور درازگی عمر کے وقت ہمیں اللہ عزوجل ایسے لوگ عطا فرمائیں گے جو ہمارا احترام واکرام کریں گے، اگر ہمارا رویہ بوڑھوں کے ساتھ بے توقیری، بے ادبی اور ناشائستگی اور تمسخر واستہزاء کا ہوگا اور سن رسیدہ لوگوں کے ساتھ ہم دستِ تعاون دراز نہ کریں گے تو یہی سلوک اور رَویہ بوڑھاپے میں ہمارے ساتھ ہوگا۔

دوستی: آداب اور تقاضے

☆ دوستی اور محبت جس کا نام ہے، یہ دنیا کی مخلوق میں حقیقی اور صحیح معنی میں ہو ہی نہیں سکتی، اصل دوستی اور محبت کے لائق ذات تو وہ وحدہ لاشریک لہٗ کی ہے جو ساری کائنات اور اس کی تمام چیزوں کا مالک اور خود ہمارا خالق ہے، اس نے انسان کے جسم میں جو دل دیا ہے، وہ صرف اپنے لئے بنایا ہے، اس لئے دل میں صرف اسی کو بسایا جائے۔

اس کو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "لو کنتُ متّخذًا خلیلًا لأتخذت ابا بکر خلیلًا" (۱)

مطلب یہ ہے کہ میں نے دنیا میں اللہ کے سوا کسی کو دوست بنایا ہی نہیں ہے۔

☆ اس لئے دنیا میں جو بھی دوستیاں اور تعلقات ہوں گے وہ اللہ کی محبت اور دوستی کے تابع ہوں گے، دوستی ہوگی تو اللہ عز وجل کیلئے ہوگی، دوست کے کہنے کی وجہ سے اللہ عز وجل کی نافرمانی نہیں کی جائے گی، جو دوستی صرف خدا کے احکام اور خدا کی محبت کے تابع ہوگی یہ دوستی صرف دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں نفع بخش ہوگی، دنیوی دوستی دنیاوی منافع اور فوائد کے حصول کیلئے ہوگی، ویسے تو تمام مسلمان ایک دوسرے کے دوست اور اسلامی بھائی اور خیر خواہ ہیں۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمانوں کی مثال ایک دوسرے سے محبت کرنے میں، ایک دوسرے پر رحم کرنے اور ایک دوسرے پر شفقت کرنے میں ایک بدن کی طرح ہے، جب اس کا کوئی عضو دکھتا ہے تو اس دُکھن کی وجہ سے بدن کے باقی سارے اعضاء بھی بخار اور بے خوابی میں اس کے شریکِ حال ہو جاتے ہیں "مثل المؤمنین فی توادّھم وتراحمھم وتعاطفھم مثل الجسد" (۲)

---

(۱) بخاری: کتاب الفضائل: باب قول النبی لو کنتُ متّخذًا خلیلًا، حدیث: ۳۴۵۴

(۲) مسلم: تراحم المؤمنین، حدیث: ٦٥٨٥

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا اللہ کی رضا و خوشنودی کیلئے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے عرش کے سایہ میں ہوں گے جس دن عرش کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، انبیاء علیہم السلام اور شہداء ان کے خاص مرتبہ اور مقام کی وجہ سے ان پر رشک کریں گے " یغبطھم بمکانھم النبیّون والشھداء " (۱)

☆ ہمیشہ نیک اور صالح لوگوں سے دوستی کی جائے، پہلے ان کے اخلاق و عادات کا جائزہ لیں، ورنہ بری عادات کا اثر خود پر پڑے گا اور بجائے ہم ان پر اثر انداز ہونے کے خود متاثر ہو جائیں گے۔

اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، اس لئے ہر آدمی کو غور کر لینا چاہئے کہ کس سے دوستی کر رہا ہے " المرء علی دین خلیله فلینظر أحدکم من یخلل " (۲)

اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا: دیندار اور متقی شخص کے ساتھ رہو، اور تمہارا کھانا متقی اور پرہیزگار لوگ ہی کھائیں، "لا تصاحب الاّ مؤمنًا ولا یأکل طعامك الاّ تقیّ" (۳)

چونکہ متقی لوگ کھانا کھائیں گے تو وہ اس سے حاصل ہونے والی قوت کو اللہ کی عبادت اور اطاعت میں صرف کریں برخلاف اللہ کے نافرمان کے وہ اس کی نافرمانی میں حاصل ہونے والی طاقت کو صرف کریں گے۔

---

(۱) صحیح ابن حبان: باب الصحبة والمجالسة، حدیث: ۵۷۷، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو عبداللہ بن احمد، طبرانی نے اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے، عبداللہ اور طبرانی کے رجال ثقہ ہیں: مجمع الزوائد باب المتحابین فی اللّٰہ عزوجل، حدیث: ۱۸۰۰۸

(۲) ترمذی: باب من باب ما جاء فی أخذ المال، حدیث: ۲۳۷۸، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔

(۳) ترمذی: باب صحبة المومن، حدیث: ۲۳۹۵، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

اور ایک موقع سے حضور ﷺ نے اچھے اور برے دوست اور ان سے حاصل ہونے والے اثرات کو اس تمثیل کے ذریعہ واضح کیا "اچھے اور برے دوست کی مثال مشک بیچنے والے اور بھٹی دھونکنے والے لوہار کی طرح ہے،، مشک بیچنے والے کی صحبت سے تم کو کچھ فائدہ ضرور پہنچے گا یا مشک خریدو گے یا تو مشک کی خوشبو پاؤ گے "امّا أن تبتاع منه وامّا أن تجد منه ريحًا طيّبًا " لیکن لوہار کی بھٹی تمہارا گھر یا کپڑے جلائے گی یا تمہارے دماغ میں اس کی بدبو پہنچے گی۔(۱)

ابوداؤد شریف میں ہے "نیک دوست کی مثال جیسے مشک بیچنے والے کی دکان کہ اور کچھ فائدہ نہ بھی ہو تو خوشبو تو ضرور آئے گی اور برا دوست ایسا ہے جیسے بھٹی آگ نہ لگے تو دھوئیں سے کپڑے تو ضرور کالے ہو جائیں گے۔"اما أن يحرق ثيابك واما ان تجد ريحا خبيثة " (۲)

☆ اللہ عزوجل کی رضا اور خوشنودی کیلئے صالحین اور نیکوکاروں کے ساتھ محبت اور تعلق رکھئے اور خدا سے صالح اور نیک صحبت کے حصول کیلئے دعا کیجئے، اگر ہم کسی درجہ میں نیک نہ بھی بن سکے تو ان کے صالح اثرات سے تو ضرور مستفید ہوں گے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ایک شخص کسی نیک آدمی سے اس کی نیکی کی بناء پر محبت کرتا ہے، مگر خود اُس شخص جیسے اچھے اعمال نہیں کرتا، ارشاد فرمایا: کوئی مضائقہ نہیں، آدمی قیامت کے روز اسی کی معیت میں ہوگا جس سے وہ محبت کرے گا "المرء مع من أحبّ " (۳)

ایک رات حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے کہا: مانگئے

---

(۱) بخاری: باب المسك، حديث: ٥٢٢٤

(۲) بخاری: باب المسك، حديث: ٥٢١٤

(۳) ترمذی: باب أنّ المرء مع من أحبّ، حديث: ٢٣٨٥، امام ترمذی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

تو نبی ﷺ نے یہ دعا مانگی ”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ وَاَنْ تَغْفِرَلِيْ وَتَرْحَمَنِيْ فَاِذَا اَرَدْتَّ فِتْنَةً فِيْ قَوْمٍ فَتَوَفَّنِيْ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ وَاَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُنِيْ اِلٰى حُبِّكَ“ (۱) اے اللہ! میں تجھ سے نیک کاموں کی توفیق چاہتا ہوں، اور برے کاموں سے بچنے کی قوت چاہتا ہوں اور مسکینوں کی محبت چاہتا ہوں اور یہ کہ تو میری مغفرت فرمادے اور مجھ پر رحم فرمائے اور جب تو کسی قوم کو عذاب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے تو مجھے اس حال میں اٹھالے کہ میں اس سے محفوظ رہوں اور میں تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں اور اس شخص کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو تجھ سے محبت کرتا ہے اور اس عمل کی توفیق چاہتا ہوں، جو تیرے قرب کا ذریعہ ہو“۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک شخص اپنے (مسلمان) بھائی سے دوسری بستی میں ملاقات کیلئے روانہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے راستے پر ایک فرشتہ کو بٹھایا (جب وہ شخص اس فرشتے کے قریب پہنچا) تو فرشتہ نے اس سے پوچھا: تمہارا کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ اس شخص نے کہا: میں اس بستی میں رہنے والے اپنے ایک بھائی سے ملنے جارہا ہوں، فرشتے نے پوچھا: کیا تمہارا اس پر کوئی حق ہے، جس کو لینے کیلئے جارہے ہو؟ اس شخص نے کہا: نہیں میرے جانے کی وجہ صرف یہ ہے کہ مجھے اس سے اللہ تعالیٰ کیلئے محبت ہے، فرشتے نے کہا: مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس یہ بتانے کیلئے بھیجا ہے کہ جس طرح تم اس بھائی سے محض اللہ تعالیٰ کی وجہ سے محبت کرتے ہو، اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرتے ہیں” بأنّ اللّٰه قد أحبّك كما احببته فيه “ (۲)

☆ جس کسی سے محبت، تعلق اور دوستی ہو اس کا اظہار اس سے کرے، اس کا اثر یہ ہوگا کہ

---

(۱) مسند احمد: حديث معاذ بن جبل، حدیث: ۲۲۱۶۲، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو بزار نے روایت کیا ہے اور اس میں سعید بن سنان ہیں اور یہ ضعیف ہیں، اور بعض لوگوں نے ان کی توثیق کی ہے؛ لیکن اس پر توجہ نہیں دی گئی: مجمع الزوائد: باب باب فيما راه النبى ﷺ فى المنام حديث: ۱۱۷۴۳

(۲) مسلم: باب فضل الحب في الله تعالىٰ، حديث: ۲۵۶۷

وہ بھی آپ سے خلوص اور تہہ دل سے محبت کرے گا، تعلقات بڑھیں گے، ایک دوسرے سے قربت اعتماد اور محبت استوار ہوگی، اس طرح وہ ایک دوسرے کے تمام دیگر معاملات میں دلچسپی لینے لگیں گے۔

حضرت مقداد بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب آدمی اپنے بھائی سے محبت کرے تو اس کو اس کی اطلاع دے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے "فليخبره أنّه يحبّه "(۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک دفعہ آپ ﷺ کے سامنے ایک شخص کا گذر ہوا، آپ ﷺ کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے، انہیں میں سے ایک شخص نے کہا: میں اس گذرنے والے شخص سے اللہ کیلئے محبت کرتا ہوں تو حضور ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے اس کی اطلاع اس کو دی ہے "اعلمته" اس نے کہا: نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ جاکر اسے اطلاع دو، اس شخص نے اس کو اپنی محبت اور تعلق خاطر سے آگاہ کیا تو اس نے کہا: تم سے وہ ذات محبت کرے جس کیلئے تم مجھ سے محبت کی ہے "أحبّك الذی احببتنی له" پھر وہ شخص لوٹ کر آیا اور اس کے جواب کی حضور ﷺ کو اطلاع دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "أنت مع من أحببت" تمہارا حشر اس شخص کے ساتھ ہوگا جس سے تم نے محبت کی اور تم کو تمہارے گمان کا بدلہ ملے گا۔ (۲)

☆ دوستانہ تعلقات کو مزید استوار اور نتیجہ خیز بنانے اور مزید قربت پیدا کرنے کیلئے دوستوں کے شخصی اور ذاتی معاملات میں دلچسپی لی جائے اور اس سے اپنے قرب اور خصوصی تعلق کا اظہار کرے۔

اس لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی شخص کسی سے دوستی اور اخوت کا رشتہ جوڑے تو اس کا نام اور اس کے والد کا نام اور اس کے خاندان کے احوال دریافت کرے، کیونکہ

---

(۱) ابوداؤد: باب اخبار الرجل الرجل، حدیث: ۱۵۲۴، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے: مجمع الزوائد: باب المرء مع من أحب، حدیث: ۱۸۰۳۳

(۲) شعب الایمان: قصة ابراهیم فی المعانقة، حدیث: ۹۰۱۱

اس سے باہمی الفت اور محبت کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں "فليسأله عن اسمه واسم أبيه وممن هو فانّه أوصل للمودّة" (۱)

☆ دوستی اور دشمنی میں بھی حدّ اعتدال میں رہے، نہ اس قدر قربت اور نزدیکی کو اپنائے کہ اپنے ہر چھوٹے بڑے معاملہ اور اپنے ہر راز کو اس کے سامنے اگل دے کہ پھر دشمنی ہونے پر وہ تمہارے رازوں کو ظاہر کرتا پھرے جس سے تم کو اذیت اور تکلیف کا سامنا ہو، اور اسی طرح دشمنی میں بھی حد اعتدال اور میانہ روی اختیار کرے کہ دوست ہونے پر دشمنی کے دوران اس کے ساتھ کیئے ہوئے برے سلوک پر پچھتاوا اور افسوس کرنا نہ پڑے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے دوست سے دھیرے دھیرے محبت کرو، یعنی اعتدال سے کرو، کیونکہ ہوسکتا ہے تمہارا دوست کسی دن تمہارا دشمن بن جائے، اور مبغوض بن جائے، "أحبب حبيبك هونًا مّا عسٰى أن يكون بغيضك يومًا ما" (۲)

اور جس شخص سے تمہیں دشمنی اور بغض ہے اس کے ساتھ بغض اور دشمنی بھی دھیرے دھیرے کرو، کیا پتہ کہ وہ شخص کسی دن تمہارا محبوب اور دوست بن جائے۔

حضرت اسلم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہاری محبت جنون کی شکل نہ اختیار کرنے پائے، اور تمہاری دشمنی ایذاء رسانی کا باعث نہ بنے، میں نے کہا: وہ کیسے؟

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء فی اعلام الحب، حدیث: ۲۳۹۲، امام ترمذیؒ نے اس روایت کو غریب کہا ہے، بوصیری نے اس کی سند کو صحیح مرسل قرار دیا ہے، یزید کی حضور ﷺ سے صحبت کے سلسلے میں اختلاف ہے امام بخاریؒ صحبت کو ثابت مانتے ہیں، ذہبیؒ نے کاشف میں کہا ہے کہ: یہ ان کا وہم ہے، اور ابو حاتمؒ نے کہا ہے کہ یہ صالح الحدیث ہیں، ان کو ابن حبان نے ثقہ لوگوں میں ذکر کیا ہے: اتحاف خيرة المهرة: باب في اداب شتى: ٦/ ١٦٠، دار الوطن للنشر، الرياض

(۲) ترمذی: الاقتصاد فی الحب والبغض، حدیث: ۱۹۹۷، امام ترمذیؒ نے اس روایت کو غریب کہا ہے، بوصیری نے اس حدیث کو موقوف قرار دیا ہے اور اس کی سند کو حسن کہا ہے اور ہبیرہ کو مختلف فیہ قرار دیا ہے اور اس کی سند کے بقیہ رجال کو ثقہ بتلایا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: جب محبت کرنے لگو تو بچوں کی طرح چمٹنے اور طفلانہ حرکتیں کرنے لگو اور جب کسی سے ناراض ہو جاؤ تو اس کے جان و مال کی تباہی کے در پے ہو جاؤ "اذ أحببت کلفت کلف الصبیّ واذا أبغضت أحببت لصاحبك التلف" (۱)

☆ دوستوں کے ساتھ خیر خواہی کی جائے، ان کو دینی، اخلاقی، روحانی اور تعلق مع اللہ کے اعتبار سے آگے بڑھانے کی کوشش کی جائے، چونکہ ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کی آخرت بنے اللہ عزوجل سے تعلق استوار ہو، اور اس دنیا میں احکام خداوندی کی تعمیل کے ذریعہ اخروی سرخروئی سے ہمکنار ہو، اسی طرح یہ چیز وہ اپنے بھائی کیلئے بھی پسند کرے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کوئی بندۂ مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ بھائی کیلئے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے، "یحبّ لاخیه ما یحبّ لنفسه" (۲)

اور ایک موقع سے حضور ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں جب ملاقات ہو تو اس کو سلام کرے، جب دعوت دے تو اس کی دعوت کو قبول کرے، جب اسے چھینک آئے (اور وہ الحمد للہ کہے) تو اس کے جواب میں "یرحمك الله" کہے، جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے، جب انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے اور اس کیلئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے "ویحبّ له ما یحب لنفسه" (۳)

☆ دوست کے دکھ درد میں شریک رہے، اس کی خوشیوں میں بھی حصہ لے، اس کے غم غلط کرنے کی کوشش کرے، اس کی خوشیوں میں شریک ہو کر اس میں اضافہ کی کوشش کرے۔

---

(۱) الأدب المفرد: باب لا یکون بغضك تلفا، حدیث: ۱۳۲۲، مولانا الیاس بارہ بنکوی نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

(۲) بخاری: باب من الایمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه، حدیث: ۱۳

(۳) ابن ماجة: باب ما جاء فی عیادة المریض، حدیث: ۱۴۳۳، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے، ترمذی: باب تشمیت العاطس، حدیث: ۲۷۳۶

حضور ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کیلئے ایک عمارت کی طرح ہے، وہ ایک دوسرے کو قوت پہنچاتا اور سہارا دیتا ہے، جیسے عمارت کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کا سہارا بنتی ہے، اور قوت پہنچاتی ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں اور اس طرح مسلمانوں کے باہمی تعلق اور قرب کو واضح فرمایا "المؤمن للمؤمن كالبنيان يشدّ بعضه بعضًا ثمّ شبّك بين أصابعه"(۱)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم مسلمانوں کو باہم رحم دلی، باہم الفت ومحبت اور باہم تکلیف کے احساس میں ایسا پاؤ گے جیسے ایک جسم کہ اگر ایک عضو بیمار پڑ جائے تو سارا جسم بخار اور بے خوابی میں اس کا شریک رہتا ہے "كمثل جسد اذا اشتكى عضوًا تداعىٰ له سائر الجسد بالسهر والحمّٰى " (۲)

☆ سچا، مخلص، اور ایماندار دوست وہی ہوتا ہے جو نیکیوں پر حوصلہ افزائی کرتا ہو اور برائیوں پر ٹوکتا ہو، اخلاقی عیوب ونقائص کی نشاندہی کر کے اس کی اصلاح کرتا ہو؛ لہٰذا وہ دوست سچا اور مخلص نہیں جو مخرب اخلاق اعمال سے بچانے کے بجائے تاویلات کر کے ان عیوب کو ہنر یا مجبوری ومعذوری کا نام دے کر پردہ پوشی کرتا ہو۔

اسی کو حضور ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک "اپنے بھائی کا آئینہ ہے، پس اگر وہ اپنے بھائی میں کوئی خرابی دیکھے تو اسے دور کر دے "المؤمن مراۃ المؤمن" (۳)

حضرت عبد اللہ بن حنطب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان

---

(۱) بخاري: باب تشبيك الأصابع في المسجد وغيره، حديث: ٤٦٧

(۲) بخاري: باب رحمة الناس والبهائم، حديث: ٥٦٦٥

(۳) ابوداؤد: باب في النصيحة، حديث: ٤٩١٨، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو بزار، طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے، اس میں عثمان بن محمد ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن کے لڑکے، ابن القطان نے ان کے بارے میں کہا ہے: ان کی حدیث میں غالب وہم ہوتا ہے، اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں: مجمع الزوائد: باب المؤمن مراة المومن، حديث: ١٢١٢٠

دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس کی غیر موجودگی میں اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس کی جائیداد کا دفاع کرتا ہے اور ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا آئینہ ہے" المؤمن أخو المومن حيث يغيب يحفظه من ورائه ويكف عنه ضيعته " (۱)

مطلب یہ ہے کہ جس طرح آدمی آئینہ کے سامنے کھڑا ہو تو آئینہ بے کم وکاست اس کے محاسن اور عیوب کو ظاہر کرتا ہے، ایک مخلص مسلمان بھی اپنے بھائی کی کمی وکوتاہی کی چپکے سے نشاندہی کر کے اس کو اس کے ازالہ کیلئے آمادہ کرتا ہے۔

☆ ان اوصاف کے حامل لوگوں سے دوستی کرے:

۱۔ عقل مند ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف دنیوی معاملات میں زیرک، دانا اور ہوشیار نہ ہو بلکہ ساتھ ہی ساتھ اخروی معاملات میں اس سے کہیں زیادہ ہوشیار اور عقل مند ہو، ایسا شخص ہی دوستی اور قربت کے لائق ہے۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا: عقل مند وہ ہے جو خود کو پہچان لے اور موت کے بعد آنے والی زندگی کی تیاری کرے، مجنون و بے وقوف اور نادان شخص وہ ہے جو دنیوی زندگی میں اپنے نفس کی خواہشات پر چلے اور اللہ تعالیٰ سے صرف امیدیں باندھا رہے (کہ وہ بڑے بخشنے اور معاف کرنے والے ہیں) "والعاجز من اتبع نفسه هواها وتمنى على الله " (۲)

۲۔ اخلاقِ حسنہ کا حامل ہو: جھوٹ، غیبت، چغلی، حسد، کبر وغرور، فضول گوئی اور چاپلوسی جیسے اخلاقِ سیہ سے پاک ہو، صداقت، امانت، دیانت، ایثار وسخاوت، سچائی وصداقت، احترام وشفقت، حلم وبرد باری کی صفات سے متصف ہو، متبع سنت ہو، یورپین تہذیب اور اس کی چکا چوند سے مرعوب نہ ہو۔

---

(۱) شعب الایمان: الثالث والخمسون من شعب الایمان، حدیث: ۷٦٤٤

(۲) ترمذی: باب حدیث الکیس من دان نفسه، حدیث: ۲٤٥۹، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:" اکمل المؤمنین ایمانًا أحسنهم خلقًا " کامل مومن وہ ہے جو اخلاقی اعتبار سے بہتر ہے۔(۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ "اشرفکم عند اللّٰه احسنکم خلقًا"(۲)

۳۔ متبعِ سنت ہو: بدعتی سے دوستی ناپسندیدہ ہے؛ کیونکہ بدعت گمراہی کا باعث ہوتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:" کلّ بدعة ضلالة و کلّ ضلالة فی النّار "ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔(۳)

۴۔ کفایت شعار ہو: قناعت پسند، کفایت شعار ہو، جب کچھ مل جائے اس پر راضی اور قانع ہو، گنجائش سے زائد خرچ کرکے قرض کا بوجھ مول لینے والے سے دوستی کرنا آئندہ تباہی کے دروازے کھول دیتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: " قد أفلح من أسلم ورزق کفافًا وقنع اللّٰه بما اتاه " کامیاب ہوا وہ شخص جو اسلام لایا اور بقدر کفاف جسے رزق عطا کیا گیا اور اس نے اللہ عزوجل کی عطا پر قناعت سے کام لیا۔(۴)

۵۔ فاسق نہ ہو: فاسق خواہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو یا گناہِ صغیرہ پر اصرار کرتا ہو، مثلاً: سود خور، زانی، چغل خور، شرابی، جواری وغیرہ کی دوستی، اس کی وجہ سے نہ صرف خود اس کے گناہوں میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے؛ بلکہ پابندِ صوم وصلاۃ شخص بھی اس کی صحبت میں بگڑ جاتا ہے اور تارکِ صلوۃ ہوجاتا ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: فَاَعْرِضْ عَمَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا " (۵)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ دوست کس کو بنایا جائے اس کے تعلق سے فرماتے ہیں کہ

(۱) ترمذی: حق المراة علی زوجها، حدیث: ۱۱۶۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) السنن الکبری: باب لا یردّ نکاح غیر الکفو، حدیث: ۱۳۵۶۲، امام بیہقی نے اس کی سند کو منقطع کہا ہے۔

(۳) نسائی: کیف الخطبة، حدیث: ۱۵۷۸

(۴) مسلم: باب فی الکفاف والقناعة : حدیث ۲۴۷۳

(۵) النجم: ۲۹

''اور جن سے دوستی اور راہ ورسم زیادہ ہے ان میں اس کا خیال رکھو کہ اول تو ہر کسی سے دوستی اور راہ ورسم مت پیدا کرو، ہر آدمی دوستی کے قابل نہیں ہوتا، البتہ جس میں پانچ باتیں ہوں اس سے راہ ورسم رکھنے میں مضائقہ نہیں۔

۱۔ عقلمند ہو: کیونکہ بیوقوفوں سے اول دوستی کا نباہ نہیں ہوتا، دوسرے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فائدہ پہنچانا چاہتا ہے مگر بیوقوفی کی وجہ سے الٹا نقصان کر گذرتا ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کے اخلاق وعادات اور مزاج اچھا ہو، اپنے مطلب کی دوستی نہ ہو، اور غصہ کے وقت آپے سے باہر نہ ہو جائے، ذرا ذرا سی بات میں طوطے کی سی آنکھیں نہ بدلے۔

۳۔ دیندار ہو: کیونکہ جو شخص دیندار نہیں، جب وہ اللہ کا حق ادا نہیں کرسکتا تو تم کو اس سے کیا امید؟ دوسری خرابی یہ ہے کہ اس کی صحبت کا اثر تم کو بھی پہنچے گا، اور ویسے ہی گناہ تم سے بھی ہونے لگیں گے۔

۴۔ اس کو دنیا کی حرص نہ ہو: کیونکہ حرص والوں کے پاس بیٹھنے سے ضرور دنیا کی حرص بڑھتی ہے اور جس کو خود حرص نہ ہو موٹا جھوٹا کھانا کپڑا ہو، دنیا کی ناپائیداری کا ذکر ہو، اس کے پاس بیٹھو کہ جو کچھ تھوڑی بہت حرص ہو وہ بھی بالکل نکل جاتی ہے۔

۵۔ جھوٹ بولنے کی عادت نہ ہو: جھوٹ بولنے والے کا اعتبار نہیں ہوتا، خدا جانے اس کی کس بات کو سچا سمجھ کر آدمی دھوکہ میں آجائے۔

پھر فرماتے ہیں کہ

ان پانچ باتوں کا خیال تو دوستی پیدا کرنے سے پہلے کرنا چاہئے، اور جب کسی سے دوستی اور راہ ورسم پیدا کر لی اب اس کا حق اچھی طرح ادا کرو جہاں تک ہوسکے اس کی ضرورت میں کام آؤ، اگر خدا تعالیٰ گنجائش دیں تو اس کی مدد کرو، اس کا بھید کسی سے نہ کہو، جو کوئی اس کو برا کہے اس کو خبر مت کرو، جب وہ بات کرے کان لگا کر سنو، اگر اس میں کوئی عیب دیکھو نرمی وخیر خواہی سے تنہائی میں سمجھاؤ، اگر اس سے کوئی خطا ہو جائے تو درگذر کرو، اس کی بھلائی کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔

کفار ومشرکین کے تعلقات کی مختلف نوعیتیں ہیں اور قرآن وحدیث میں کفار ومشرکین کے ساتھ تعلقات کی ممانعت اوران کے ساتھ مواساۃ اور ہمدردی پرمشتمل جواحکام ہیں ان کی نوعیت مختلف احوال سے متعلق ہے۔

۱۔ پہلا درجہ ”موالات“ یعنی قلبی تعلق

موالات یادِلی محبت ومودت کا ہے، یہ صرف مومنین کے ساتھ مخصوص ہے، غیر مومن کے ساتھ مومن کا یہ تعلق کسی حال میں قطعاً جائز نہیں، ان سے قلبی دوستی جائز نہیں۔

اسی کو مختلف آیتوں میں یوں فرمایا گیا ہے:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَـآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ، وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْئٍ “(۱) مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار کو دوست نہ بناویں، مسلمانوں (کی دوستی) سے تجاوز کر کے اور جو شخص ایسا کرے گا سو وہ اللہ کے ساتھ دوستی رکھنے کے کسی شمار میں نہیں۔

اور ایک جگہ فرمایا: يَـآ اَيُّهَـا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُـلْقُوْنَ اِلَيْهِ بِالْمَوَدَّةِ “(۲) یعنی اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمن یعنی کافر کو دوست نہ بناؤ کہ تم ان کو پیغام بھیجو دوستی کے۔

---

(۱) ال عمران: ۲۸
(۲) الممتحنة: ۱

☆ ان کی اطاعت نہ کی جائے، ان کی پیروی نہ کی جائے :

”یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَرُدُّوْکُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ“ (۱) اے ایمان والو اگر تم کہنا مانوگے کافروں کا تو وہ تم کو الٹا پھیر دینگے پھر تم ناکام ہو جاؤ گے۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (۲) اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانئے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے۔

☆ ان کی جانب میلان اور رجحان نہ رکھا جائے :

”وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِیَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ“ (۳) اور (اے مسلمانو) ان ظالموں کی طرف مت جھکو کبھی تم کو دوزخ کی آگ لگ جاوے اور (اس وقت) خدا کے سوا تمہارا کوئی رفاقت کرنے والا نہ ہو پھر حمایت تو تمہاری ذرا بھی نہ ہو۔

☆ ان سے اپنے امور میں مشورہ نہ کیا جائے :

”یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ“ (۴) اے ایمان والو! اپنے سوا کسی کو صاحب خصوصیات مت بناؤ، وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تمہاری مضرت کی تمنا رکھتے ہیں واقعی بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو پڑتا ہے اور جس قدر ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت کچھ ہے ہم علامات تمہارے سامنے ظاہر کر چکے اگر تم عقل رکھتے ہو۔

یہاں جو غیر مذہب والوں سے خصوصیت کی ممانعت فرمائی ہے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ

(۱) ال عمران: ۱۴۹ (۲) الکھف: ۲۸

(۳) ھود: ۱۱۳ (۴) ال عمران: ۱۱۸

ان کو اپنا ہمراز نہ بنایا جائے اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اپنے خاص امور انتظامی میں ان کو داخلہ نہ دیا جائے۔

☆ ان سے محبت اور مودت نہ رکھی جائے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (۱) جولوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف ہیں گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہوں ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کردیا ہے اور ان کے (قلوب) کو اپنے فیض سے قوت دی ہے (فیض سے مراد نور ہے)۔

☆ ان کے یہاں ذلت اور پستی کے ساتھ نہ رہا جائے:

”وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ“ (۲) اللہ کی ہے عزت (بالذات) اور اس کے رسول کی (بواسطہ تعلق مع اللہ کے) اور مسلمانوں کی (بواسطہ تعلق مع اللہ والرسول کے) اور لیکن منافقین جانتے نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ کافر کے یہاں ذلیل اور خسیس اور گھٹیا قسم کے کام جس میں اس کی تعظیم کا پہلو نظر آتا ہو نہ کیا جائے، اس کے سامنے تعظیم سے کھڑا نہ ہوا جائے اور اس کی مبالغہ آمیز تعریف نہ کی جائے، اس کو اس عزت وعظمت پر مشتمل القاب سے مخاطب نہ کیا جائے۔

۲- دوسرا درجہ ”مواسات“

جس کے معنی ہیں ہمدردی وخیر خواہی اور نفع رسانی کے یہ بجز کفار اہل حرب کے جو مسلمانوں سے برسرِ پیکار رہیں، باقی سب غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے۔

---

(۱) المجادلة: ۲۲

(۲) المنافقون: ۸

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ " (۱) اللہ تعالیٰ تم کو منع نہیں کرتا ان سے جو لڑتے نہیں تم سے دین پر اور نکالا نہیں تم کو تمہارے گھروں سے کہ ان کے ساتھ احسان اور انصاف کا سلوک کرو۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (۲) ان (کافروں) کو ہدایت پر لے آنا کچھ آپ کے ذمہ (فرض وواجب) نہیں، لیکن خدا تعالیٰ جس کو چاہیں ہدایت پر لے آویں اور (اے مسلمانو!) جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اپنے فائدے کی غرض سے کرتے ہو اور تم اور کسی غرض سے خرچ نہیں کرتے بجز رضا جوئی ذات پاک حق تعالیٰ کے اور جو کچھ مال خرچ کر رہے ہو یہ سب (یعنی اس کا ثواب) پورا پورا تم کو مل جاوے گا اور تمہارے لیے اس میں ذرا کمی نہ کی جائے گی۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بعض انصار کی بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودیوں سے قرابت تھی، انصار ان پر اس لئے صدقہ نہیں کیا کرتے تھے کہ جب ضرورت مند ہوں گے تو اسلام قبول کریں گے۔ (۳)

یعنی ان کی ہدایت کا تعلق تو اللہ تعالیٰ سے ہے، لیکن تم اس کی وجہ سے ان کا دستِ تعاون نہ کھینچو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء نے عملی طور پر اس کو برت کر دکھایا، مکہ میں شدید قحط پڑا، حتیٰ کہ لوگ مردار وغیرہ کھانے پر مجبور ہو گئے، یہ زمانہ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان شدید اختلاف اور گرما گرمی کا تھا، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے قحط زدہ مشرکین کیلئے پانچ سو دینار بھیجے، حالاں کہ اس وقت خود مدینہ کے مسلمان سخت مالی پریشانیوں اور

---

(۱) الممتحنة: ۸

(۲) البقرة: ۲۷۲

(۳) الجامع لاحکام القرآن: ۳/ ۳۳۷

فاقہ کشی کے شکار تھے، نیز آپ ﷺ نے یہ رقم سرداران قریش ابوسفیان اور صفوان بن امیہ کو بھیجی، جو مسلمانوں کی مخالفت میں پیش پیش تھے، اور مشرکین مکہ کی قیادت کر رہے تھے۔ (۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بوڑھے غیر مسلم کو دیکھا کہ وہ بھیک مانگ رہا ہے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وجہ پوچھی تو کہا کہ: ہمیں جزیہ ادا کرنا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر فرمایا اور کہا: "ہم نے تمہاری جوانی کو کھایا اور اب پھر تم سے جزیہ وصول کریں، یہ انصاف کی بات نہیں" ما أنصفناك أكلنا شيبتك، ثم نأخذمنك الجزية (۲)

☆ انسانی نقطہ نظر سے شریعت نے غیر مسلموں کی جان ومال اور عزت وآبرو کے تحفظ کو وہی اہمیت دی ہے جو مسلمانوں کی جان ومال اور عزت وآبرو کو حاصل ہے، اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے اصولی بات ارشاد فرمائی ہے کہ ان کے خون ہمارے خون کی طرح، اور ان کے مال ہمارے مال کی طرح ہیں: " دمائهم كدمائنا ، وأموالهم كأموالنا "(۳)

چنانچہ قرآن مجید نے مطلق نفس انسانی کے قتل سے منع کیا ہے، ارشاد ہے: " وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ " (۴) اور جس شخص (کے قتل) کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل مت کرو ہاں مگر حق پر، اور جو شخص ناحق قتل کیا جاوے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے، سو اس کو قتل کے بارے میں حد (شرع) سے تجاوز نہ کرنا چاہئے وہ شخص طرفداری کے قابل ہے۔

اور ایک موقع پر کسی معقول سبب کے بغیر ایک شخص کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا گیا:

"مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَّمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا " (۵) جو شخص کسی شخص کو بلا معاوضہ

(۱) رد المحتار : باب الصرف : ۳۰۲/۲

(۲) نصب الراية : ۴۵۴/۳ ، بحوالہ غیر مسلم بھائیوں سے تعلقات، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

(۳) نصب الراية : ۳۸۷/۳، دار الحديث ، مصر

(۴) سورہ بنی اسرائیل : ۳۳

(۵) سورہ مائدہ : ۳۲

دوسرے شخص کے یا بدون کسی فساد کے (جو) زمین میں (اس سے پھیلا ہو) قتل کرڈالے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کرڈالا ،اس آیت میں مسلمان اور غیر مسلم کی کوئی قید نہیں ہے، بلکہ مطلقاً کسی بھی انسان کے قتل کو منع کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے وہ غیر مسلم (جس سے امن اور بقاء باہم کا معاہدہ ہو) کے قاتل کے بارے میں فرمایا کہ وہ جنت کی بو سے بھی محروم رہے گا، "من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة ، وان ريحها توجد من مسيرة اربعين عاما " (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص عہد والے کو قتل کرے گا وہ جنت کی بو نہیں پائے گا اور جنت کی بو چالیس برس کی راہ سے آتی ہے۔

اگر کوئی مسلمان غیر مسلم کو قتل کردے تو مسلمان کو بھی اس کے قصاص میں قتل کردیا جائے گا؛ کیوں کہ قرآن مجید نے علی الاطلاق قصاص کا یہی اصول بتلایا ہے کہ جو شخص دوسرے شخص کا قاتل ہو، وہ اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا " النَّفْسَ بِالنَّفْسِ" (۲)

اس میں مسلمان اور غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک غیر مسلم (ذمی) کے قصاص میں ایک مسلمان کو قتل کیا گیا " قتل مسلما بذمي " (۳)

حضرت امام شافعیؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے بعض اہل ذمہ کو قتل کرنے والے مسلمانوں کو قتل کرنے کا حکم فرمایا " فقامت عليه البينة ، فأمر بقتله " (۴)

اگر مقتول کے ورثاء سزائے قتل کو معاف کردیں، یا قتل کے واقعہ میں قصد وارادہ کو دخل نہ ہو؛ بلکہ غلطی سے قتل کا ارتکاب ہوا ہو تو ان صورتوں میں قصاص کے بدلہ خون بہا (دیت)

---

(۱) بخاری: باب إثم من قتل معاهدا، حديث: ۲۹۹۵

(۲) المائدہ: ۴۵

(۳) نصب الراية : ۴/۳۳۵، مكتبة الريان للطباعة والنشر

(۴) نصب الراية : ۴/۳۳۵، مكتبة الريان للطباعة والنشر

واجب ہوتا ہے، چنانچہ خون بہا بھی مسلمان اور غیر مسلم کا یکساں ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے غیر مسلم کی دیت مسلمان ہی کی دیت کی طرح ادا کی "دية ذمی دية مسلم" (۱)

حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت اسامہ بن زید اور مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ مسلمان اور غیر مسلم کی دِیت برابر ہوگی۔

☆ اِنسانی شرافت کی بنیاد پر اسلام نے غیر مسلموں کی املاک کو بھی اسی طرح قابل احترام ٹھہرایا ہے جس طرح مسلمان کے املاک قابل احترام ہے، اس لئے بغیر رضامندی کے کسی مسلمان کا مال لیا جاسکتا ہے اور نہ کسی غیر مسلم کا۔

فتح خیبر کے موقع سے بعض مسلمان فوجیوں نے یہودیوں کے جانور ذبح کردیئے اور کچھ پھل کھالئے ، رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے اس موقع پر مختصر خطاب کیا، اس عمل پر ناگواری ظاہر کی اور فرمایا کہ: یہ تمہارے لئے حلال نہیں ہے۔

متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے: آپ ﷺ نے فرمایا "یاد رکھو" اس شخص نے اس (غیر مسلم) شخص پر ظلم کیا جس سے معاہدہ ہو چکا ہے (جیسے ذمی اور مستامن) یا اس کے حقوق کو نقصان پہنچایا، یا اس پر اس کی طاقت واستطاعت سے زیادہ بار ڈالا (جیسے کسی ذمی سے اس کی حیثیت واستطاعت سے زیادہ جزیہ لیا یا اس حربی مستامن سے جو دارالاسلام میں تجارت کی غرض سے آیا ہو اس کے مال تجارت میں سے عشر یعنی دسویں حصے سے زیادہ لیا) اور یا اس کی مرضی وخوشنودی کے بغیر اس سے کوئی چیز لے لی تو میں قیامت کے دن اس شخص کے خلاف احتجاج کروں گا " فأنا حجيجه يوم القيامة " (۲)

اسلامی قانون کی رو سے چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے جیسے مسلمان کا مال چوری کرنے میں ہاتھ کاٹا جائے گا، اسی طرح اگر کوئی مسلمان چور غیر مسلم کا مال چوری کرے تو اس صورت میں بھی

(۱) نصب الراية: ٣٦٦/٤، مكتبة الريان للطباعة والنشر

(۲) ابوداؤد: باب خروج الدجال ، حديث : ٣٠٥٣

اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، علامہ ابن قدامہ المقدسیؒ نے یہ لکھتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ یہ مسئلہ فقہاء کے یہاں متفق علیہ ہے۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی نظر میں مسلمان اور غیر مسلم کی ملکیت یکساں قابل احترام ہے۔

یہی معاملہ عزت وآبرو اور عصمت کی حفاظت کا ہے، رسول اللہ ﷺ نے بلا تفریق مذہب ہر بڑے کی توقیر کا حکم دیا ہے اور ہر چھوٹے کے ساتھ شفقت اور محبت کی تلقین کی ہے "لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یؤقر کبیرنا" (۲)

وہ شخص ہماری اتباع کرنے والوں میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم وشفقت نہ کرے، اور ہمارے بڑوں کا جو (خواہ مسلمان ہو یا کافر) احترام ملحوظ نہ رکھے۔

مومنوں سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُم بَعْضًا" (۳) اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور سراغ مت لگایا کرو اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے۔

اسی طرح مردوں سے فرمایا گیا کہ: وہ اپنی نگاہوں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور یہی حکم مسلمان عورتوں کو بھی دیا گیا۔(۴)

یہ حکم مطلق ہے، اس میں مسلمان اور غیر مسلم کی تفریق نہیں، معلوم ہوا کہ غیر مسلموں کی عزت وآبرو کی بھی وہی اہمیت ہے، جو مسلمانوں کی ہے۔

اسی طرح ان کی خوشی وغم میں شرکت کی جائے، سماجی تعلقات کے دائرہ میں کھانا، پڑھنا، پڑھانا، باہمی ملاقات، خوشی وغم کے موقع پر دلداری وغیرہ امور بھی آتے ہیں

(۱) المغني لابن قدامة : ۱۲ / ۴۵۱

(۲) ترمذي: باب ما جاء في رحمة الصبيان، حديث: ۱۹۱۹، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب قرار دیا ہے۔

(۳) الحجرات : ۱۱

(۴) النور : ۳۱

اسلام نے ان تمام شعبوں میں غیر مسلموں کے ساتھ بھی خوش گوار برتاؤ کا حکم دیا، رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں کی دعوت قبول فرمائی۔(۱)

خود غیر مسلموں کو دعوت دی ہے۔(۲)

انہیں اپنا مہمان بنایا ہے۔(۳)

اپنے رفقاء کو غیر مسلم کی تجہیز وتکفین کے انتظام کا حکم دیا ہے۔(۴)

نیز غیر مسلموں کی عیادت کی ہے۔(۵)

مجوسی کا ہر قسم کا کھانا جائز ہے، سوائے ذبیحہ کے۔

مسلمان کا مشرک رشتہ دار کے ساتھ صلہ رحمی کرنا درست ہے، وہ نزدیک کا ہو یا دور کا، اور ذمی ہو یا حربی، حربی سے مراد وہ شخص ہے جو دشمن ملک کا شہری ہو۔

مسلمانوں کیلئے عیسائی پڑوسی سے مصافحہ کرنا درست ہے۔

جب کسی غیر مسلم کی وفات ہو جائے تو اس کے عزیز سے عیادت کیلئے یہ الفاظ کہے جائیں: " أخلف الله خيرا منه ، وأصلحك " اللہ تجھ کو اس کا نعم البدل عطا فرمائے اور تمہاری حالت کو بہتر کرے"۔(۶)

ایک بار ایک یہودی کا جنازہ جا رہا تھا، آپ ﷺ کھڑے ہو گئے، لوگوں نے عرض کیا کہ: یہ یہودی کا جنازہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جان تو اس میں بھی ہے۔(۷)

غزوۂ احزاب کے موقع سے ایک مشرک مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا، اہل مکہ نے خواہش کی کہ اس کی قیمت لے کر لاش ان کے حوالہ کر دیں تو آپ ﷺ نے کوئی قیمت لئے بغیر لاش واپس کر دی۔

---

(۱) بخاری: باب قبول الهديه من المشركين، حديث: ۲۶۱۷

(۲) الدر المنثور : ۱۸۱/۵

(۳) الخصائص الكبرى: ۱۲۳/۱

(۴) اعلاء السنن : ۲۸۲/۸، باب ما يفعل المسلم إذا مات له قريب كافر

(۵) بخاری : باب عيادة المشرك ، حديث: ۵۶۵۷

(۶) البحر الرائق : فصل في البيع : ۲۳۲/۸

(۷) بخاری: باب من قام بجنازة يهودي، حديث: ۱۳۱۲

جہاں تک مواساۃ کی بات ہے تو اس بارے میں حضور ﷺ اور حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا کفار سے جو تعلق تھا وہ ظاہر ہے، اس کے بارے میں حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

رسولِ اکرم ﷺ جو رحمۃ للعالمین اس دنیا میں تشریف لائے، آپ نے غیر مسلموں کے ساتھ جو احسان و ہمدردی اور خوش خلقی کے معاملات کیے، اس کی نظیر دنیا میں ملنا مشکل ہے، مکہ میں قحط پڑا تو جن دشمنوں نے آپ کو اپنے وطن سے نکالا تھا، خود ان کی امداد فرمائی، پھر مکہ مکرمہ فتح ہوا تو ان سب کو یہ فرما کر آزاد کر دیا کہ "لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ" یعنی آج تمہیں صرف معافی ہی نہیں دی جاتی؛ بلکہ تمہارے پچھلے مظالم اور تکالیف پر ہم کوئی ملامت بھی نہیں کرتے، غیر مسلم جنگی قیدی ہاتھ آئے تو ان کے ساتھ وہ سلوک کیا جو اپنی اولاد کے ساتھ بھی ہر شخص نہیں کرتا۔ کفار نے آپ ﷺ کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں، کبھی آپ کا ہاتھ انتقام کیلئے نہیں اٹھا، زبانِ مبارک سے بددعا بھی نہیں فرمائی، بنو ثقیف جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، ان کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کو مسجد میں ٹھہرایا گیا جو مسلمانوں کیلئے سب سے زیادہ عزت کا مقام تھا۔ (۱)

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم محتاج ذمیوں کو مسلمانوں کی طرح بیت المال سے وظیفے دیئے، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاملات اس قسم کے واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔

۳۔ تیسرا درجہ "مدارات"

جس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری خوش اخلاقی اور دوستانہ برتاؤ۔ یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، جب کہ اس سے مقصود ان کو دینی نفع پہنچانا ہو یا وہ اپنے مہمان ہوں، یا ان کے شر اور ضرر رسانی سے اپنے آپ کو بچانا مقصود ہو۔

سورۂ آل عمران کی مذکورہ بالا آیت "اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً" (مگر ایسی حالت میں جبکہ تم ان سے اپنا بچاؤ کرنا چاہو تو، یہی درجہ مدارات کا ہے، مدارات میں بھی چونکہ صورت موالات کی ہوتی ہے؛ اس لئے اس کو موالات سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔

(۱) معارف القرآن: ۲۰۶/۵

۴۔ چوتھا درجہ "معاملات"

کہ ان سے تجارت یا اجرت وملازمت اور صنعت وحرفت کے معاملات کئے جائیں، یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، بجز ایسی حالت کے کہ ان معاملات سے عام مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو، رسول کریم ﷺ اور خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا تعامل اس پر شاہد ہے، فقہاء نے اسی بناء پر کفار اہل حرب کے ساتھ اسلحہ فروخت کرنے کو منع کیا ہے، باقی تجارت وغیرہ کی اجازت دی اور ان کو اپنا ملازم رکھنا یا خود اس کے کارخانوں اور اداروں میں ملازم ہونا یہ سب جائز ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ابوسفیانؓ اور جبیر بن مطعمؓ کے ساتھ مضاربت کے طریقہ پر تجارت کرنا منقول ہے، اسی طرح خیبر کے فتح ہونے کے بعد آپ ﷺ نے وہاں کی اراضی یہودیوں کے قبضہ میں ہی رہنے دی، اور ان سے بٹائی پر معاملہ طے کرلیا "خیبر الیهود أن يعملوها ويزرعوها ولهم شطر ما يخرج منها" (۱)

مسلمانوں کا کسی غیر مسلم کے پاس ملازمت کرنا بھی درست ہے، حضرت خباب رضی اللہ عنہ لوہاری کے فن سے واقف تھے، انہوں نے عاص بن وائل کیلئے کام کیا، "ان خباب كان قينا، فعل للعاص بن وائل" (۲)

مسلمان کافر کے یہاں اجرت پر کام کرسکتا ہے، لیکن اس کیلئے تین شرطیں ہیں:

۱۔ وہ کوئی ایسا کام نہ ہو جس کا کرنا مسلمان کیلئے حلال نہیں۔

۲۔ کافر کے کسی ایسے کام میں اعانت نہ کرے جس کا نقصان مسلمان کو پہنچے۔

۳۔ کفار سے کسی قسم کی محبت یا دوستی نہ کرے سوائے آپسی اختلاط اور میل جول کے۔ (۳)

---

(۱) بخاری: باب معاملة النبي ﷺ أهل خيبر، حديث: ۴۰۰۲

(۲) بخاری: باب الطيب للجمعة: حديث: ۲۰۹۱

(۳) التدابير الواقية من التشبه بالكفار: عثمان أحمد دوكلي: ۴۴۹

☆ کافر کو اجرت پر لینا

اسی طرح غیر مسلموں کو اپنے یہاں ملازمت کا موقع بھی دیا جا سکتا ہے، ان کو اجرت پر بھی لیا جا سکتا ہے، جیسے کپڑے سینے کیلئے، دیوار بنانے کیلئے، یا سامان لادنے اور ڈھونے کیلئے چنانچہ جب دور رسالت میں عرب جو کہ ہر چہار جانب سے ریت سے ڈھکا ہوا تھا، اس لئے راستے کی شناخت مشکل تھی، اس لئے سفر میں راہ بتانے والے لئے جاتے تھے جنہیں دلیل کہا جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی تو ایک مشرک کو اپنے لئے بطور ''دلیل'' اجرت دے کر ساتھ رکھا۔(۱)

☆ کافر کو وکیل بنانا

جو امور اللہ کے حقوق سے متعلق ہیں جس میں نیت کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے حج وغیرہ تو ان امور میں کافر کی نیابت اور وکالت مسلم کی جانب سے حج کی ادائیگی کیلئے درست نہیں، البتہ اللہ عزوجل کے وہ حقوق جن میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی اس میں کافر کو وکیل بنایا جا سکتا ہے، جیسے وضو کیلئے پانی لانے کیلئے کافر کو کہنا، وضو کا پانی ڈالنے یا غسل کا پانی ڈالنے، مال کو گن کر اس میں زکوۃ نکالنے اور اس کو اس کے مستحقین میں تقسیم کرنے کی ذمہ داری سونپنا۔(۲)

البتہ جو حقوق بندوں سے متعلق ہیں ان میں کافر کو اپنا وکیل بنانا اور اس ذمہ داری کی ادائیگی کو اس کے سپرد کرنا جائز ہے۔

☆ کافر کو کفیل بھی بنایا جا سکتا ہے :

کفالت کہتے ہیں: کسی کے حق کی ادائیگی کو اپنے ذمہ لینا۔

یہاں مسلمان کا کافر کیلئے کفیل بننا اور کافر کا مسلمان کیلئے کفیل بننا دونوں جائز ہیں، اگر کوئی مسلمان کفار کے قید میں ہو تو اس کیلئے جائز ہے کہ وہاں کسی کافر کو اپنا کفیل بنائے۔(۳)

---

(۱) احکام أهل الذمة : ۲۰۷، لابن قیم

(۲) التدابیر الواقیة من التشبه بالکفار : عثمان احمد وکیل :۴۳۸

(۳) التدابیر الواقیة من التشبه بالکفار : عثمان احمد وکیل :۴۳۸

☆ کافر سے علاج بھی کروایا جاسکتا ہے :

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں بہت سخت بیمار ہوا، نبی کریم ﷺ عیادت کی غرض سے میرے پاس تشریف لائے آپ ﷺ نے (اس وقت) میرے سینہ کے درمیان اپنا دستِ مبارک رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے دل پر محسوس کی "فوضع يده بين ثديي حتى وجدت بردها على فؤادي" پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ایک ایسے شخص ہو جو دل کے درد میں مبتلا ہے (یعنی تم قلب کے مریض ہو) لہٰذا تم حارث بن کلدہ کے پاس جاؤ جو قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ وہ شخص طب (علاج معالجہ کرنا) جانتا ہے اس کو چاہئے کہ وہ مدینہ کی (سب سے اعلیٰ قسم کی کھجور) عجوہ میں سے سات کھجوریں لے، پھر ان کو گٹھلیوں سمیت کوٹ لے اور اس کے بعد ان کو دوا کی صورت میں تمہارے منہ میں ڈالے۔(۱)

علماء نے لکھا ہے یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ غیر مسلم معالج سے رجوع ومشورہ کرنا جائز ہے کیوں کہ حارث بن کلدہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں گذرا ہے، اس کا اسلام قبول کرنا ثابت نہیں ہے۔

☆ کافر سے علم حاصل کرنا:

علم دو طرح کے ہیں: ایک دینی علوم ہیں، یہ وہ علوم ہیں جو عقیدہ، شریعت، اخلاق وغیرہ پر مشتمل ہوتے ہیں، تو اس قسم کے علوم کا کافروں سے حاصل کرنا مناسب نہیں، مسلمان کیلئے جائز نہیں ہے کہ اس شخص سے دینی علوم کو حاصل کرے جو ان علوم دینیہ پر ایمان نہیں رکھتا اور ان کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس کے عقیدہ اور اس کے دین میں شکوک وشبہات کی راہیں ہموار ہوسکتی ہیں، اس کی فکر اس کے عقیدہ اور اخلاق پر اس غیر مسلم معلم کا اثر ہوسکتا ہے۔

---

(۱) ابوداؤد: باب في تمرة العجوة، حديث: ۳۸۷۷، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں یونس بن حجاج الثقفی ہیں جن کو میں نہیں جانتا اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

دیگر نظریاتی اور عملی علوم کافروں سے حاصل کئے جاسکتے ہیں، تاریخ، جغرافیہ دیگر فنون اور زبانیں (لغات) طب اور ہندسہ وغیرہ۔

ان علوم کے سیکھنے کے جواز پر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت دلالت کرتی ہے، فرماتے ہیں کہ بدر کے کچھ قیدی فدیہ ادا نہ کرسکے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا فدیہ طئے کیا کہ وہ انصار کے بچوں کو لکھنا سکھادیں "فجعل رسول الله صلى الله عليه و سلم فداهم ان يعلموا أولاد الأنصار الكتابة" (۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حکمت کی بات مومن کا خزانہ ہے، وہ جہاں اس کو پائے وہ اس کا مستحق ہوتا ہے "الكلمة الحكمة ضالة المؤمن فحيث وجدها فهو أحق بها" (۲)

☆ کافر کو گواہ بنایا نہیں جاسکتا :

جمہور علماء کا کہنا یہ ہے کہ کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف قبول نہیں کی جاسکتی، کیونکہ گواہی دینے میں اپنے قول کو دوسرے پر نافذ کرنا ہوتا ہے اور یہ ولایت کے درجہ میں ہے اور کافر کو مسلمان کی ولایت حاصل نہیں "ولا ولاية للكافر علي المسلم" (۳)

☆ کافر کی حمایت حاصل کرنا جائز ہے:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مسلمان کو اپنی جان، مال اور آبرو پر کسی طرح کا خطرہ ہوتا ہے اور اس زیادتی اور ظلم کا دفع کرنے والا مسلمانوں میں سے کوئی نہیں ہوتا، اس صورت میں اس کو کافر کی حمایت لینی پڑتی ہے، کافر کی حمایت حاصل کرنا اور اس کو اپنے دفاع کیلئے حامی بنانا جائز ہے۔

---

(۱) مسند احمد: مسند عبد الله بن عباس، حديث: ۲۲۱٦، محقق شعیب الارنوط نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

(۲) ترمذی: باب في فضل الفقه على العبادة، حديث: ۲۸۲۷، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔

(۳) بدائع الصنائع: ٦/۲۸۰

حضور ﷺ نے اپنے چچا حضرت ابوطالب کی حمایت حاصل کی اور وہ کافر تھے، یہ کفار قریش کے جانب سے درپیش ہونے والی تکالیف میں حضور ﷺ کا دفاع کرتے تھے۔

چچا ابوطالب کے انتقال کے بعد حضور ﷺ نے کفار کی ایذاؤں اور تکلیفوں کے خلاف مطعم بن عدی کی حمایت حاصل کی، چنانچہ مطعم بن عدی نے لوگوں میں بآواز بلند کہا: "يا معشر قريش! إني أجرت محمدا فلا يهجه أحد منكم" اے قریش! میں نے محمد ﷺ کو پناہ دی ہے کوئی ان کی بے عزتی نہ کرے۔ (۱)

جب مسلمان سخت آزمائش وتکلیف میں تھے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کیلئے نکلے جب برک غماد پہنچے تو ان سے قارہ کے سردار ابن دغنہ کی ملاقات ہوئی، اس نے پوچھا ابوبکر کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھ کو میری قوم نے نکال دیا اس لئے میں چاہتا ہوں کہ زمین کی سیر کروں اور اپنے پروردگار کی عبادت کروں، ابن دغنہ نے کہا کہ تم جیسا آدمی نہ تو نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جاسکتا ہے اس لئے کہ تم بے مال والوں کیلئے کماتے ہو، صلہ رحمی کرتے ہو اور عاجز ومجبور کا بوجھ اٹھاتے ہو، مہمان کی ضیافت کرتے ہو، اور حق پر قائم رہنے کی وجہ سے آنے والی مصیبت پر مدد کرتے ہو، میں تمہارا پڑوسی ہوں تم لوٹ چلو اور اپنے ملک میں اپنے رب کی عبادت کرو، چنانچہ ابن دغنہ روانہ ہوا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر واپس ہوا، اور کفار قریش کے سرداروں میں گھوما اور ان سے کہا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا آدمی نہ تو نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جاسکتا ہے، جو تنگدستوں کیلئے کماتا ہے صلہ رحمی کرتا ہے، عاجزوں کا بوجھ اٹھاتا ہے، مہمان کی مہمان نوازی کرتا ہے، راہِ حق میں پیش آنے والی مصیبت میں مدد کرتا ہے، چنانچہ قریش نے ابن دغنہ کی پناہ منظور کرلی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امان دے دیا۔ "فنفذت قريش جوار ابن الدغنة وآمنوا أبا بكر" (۲)

البتہ کفار کی حمایت حاصل کرنے میں ایک شرط یہ ہے کہ کوئی مسلمان اس کی حمایت

---

(۱) تاريخ الطبري : ۲/۳٤٤

(۲) بخاري : باب جوار ابي بكر ، حديث : ۲۱۷۵

نہ کرسکتا ہو، اور کافر کی حمایت کی وجہ سے کسی حرام کا ارتکاب یا کسی واجب کا ترک لازم نہ آئے یا دین میں کسی طرح کا نقص یا کسی مسلمان کا ضرر اور نقصان نہ ہو۔

اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جسے اصحاب سیر نے ذکر کیا ہے کہ جب ابو طالب نے رسول اکرم ﷺ کو بلا کر یہ کہا کہ: ''میرے بھتیجے! تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور ایسا ایسا کہہ رہے تھے، ذرا میری جان کا بھی خیال کرو، اور اپنی جان کا بھی، مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جس کو میں اٹھا نہ سکوں۔

جب حضور ﷺ کو یہ پتہ چلا کہ ابو طالب اب ان کی زیادہ پشت پناہی اور حمایت نہ کرسکیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا: چچا! خدا کی قسم اگر وہ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو غالب کرے یا میں اس راستہ میں ہلاک ہو جاؤں، تب بھی میں اس سے باز نہ آؤں گا،

”یاعم، واللہ لو وضعوا الشمس فی یمینی، والقمر فی یساری، علي أن أترك هذا الأمر حتى يظهر الله أو أهلك فيه ما تركته “ (۱)

اس پر یہ واقعہ بھی دلالت کرتا ہے ''انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنالی اور باہر نکل کر وہاں نماز اور قرآن پڑھنے لگے، تو مشرکین کی عورتیں اور بچے ان کے پاس جمع ہو جاتے، ان لوگوں کو اچھا معلوم ہوتا، اور ابوبکر کو دیکھتے رہتے ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسے آدمی تھے کہ بہت روتے اور جب قرآن پڑھتے تو انہیں آنسوؤں پر اختیار نہیں رہتا تھا، مشرکین قریش کے سردار گھبرائے اور ابن دغنہ کو بلا بھیجا وہ ان کے پاس آیا تو انہوں نے ابن دغنہ سے کہا کہ ہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے گھر میں اپنے پروردگار کی عبادت کریں، لیکن انہوں نے اس سے تجاوز کیا اور اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنالی، اعلانیہ نماز اور قرآن پڑھنے لگے اور ہمیں خطرہ ہے کہ ہمارے بچے اور ہماری عورتیں گمراہ نہ ہو جائیں اس لئے ان کے پاس جا کر کہو کہ اگر وہ اپنے گھر کے اندر اپنے رب کی عبادت پر اکتفا کرتے ہیں تو کریں

(۱) سیرت ابن هشام : ۲۶۵-۲۶۶

اور اگر اس کو علانیہ کرنے سے انکار نہ کریں تو ان سے کہو کہ تمہارا ذمہ واپس کر دیں، اس لئے کہ ہمیں پسند نہیں کہ ہم تمہاری امان کو توڑیں اور نہ ہم ابو بکر کو رضی اللہ عنہ علانیہ عبادت کرنے پر قائم رہنے دے سکتے ہیں، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ابن دغنہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہارا ذمہ ایک شرط پر لیا تھا، یا تو اسی پر اکتفا کرو، یا میرا ذمہ مجھے واپس کر دو، اس لئے کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ عرب اس بات کو سنیں کہ میں نے ایک شخص کو اپنے ذمہ میں لیا تھا، اور میرا ذمہ توڑا گیا، حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا کہ میں تیرا ذمہ تجھے واپس دیتا ہوں اور اللہ کی پناہ پر راضی ہوں"۔

☆ اور ایک سیاسی تعلقات ہیں جو کفار و مشرکین کے ساتھ قائم کئے جا سکتے ہیں، کیوں کہ انسان جس خطہ میں رہتا ہو، وہاں کے سیاسی حالات سے بے تعلق نہیں رہ سکتا؛ کیوں کہ سیاسی مد و جزر اور اتار چڑھاؤ کا اثر زندگی کے تمام شعبوں پر پڑتا ہے اور بڑی حد تک سماج کا امن و امان بھی ان حالات سے متعلق ہوتا ہے، چنانچہ اسلام میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان سیاسی روابط کی گنجائش رکھی گئی ہے، سیاست کا مقصد ملک میں قانون کی حکمرانی کو قائم رکھنا اور مستحکم بنانا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اس دنیا میں تشریف لائے اس وقت حجاز کے علاقہ میں کوئی باضابطہ حکومت موجود نہیں تھی، البتہ قبائلی روایات اور دستور کے مطابق تحفظ ہوا کرتا تھا اور لوگوں کے باہمی تعلقات قائم رہتے ہیں۔

اسی زمانہ میں مکہ میں ایک واقعہ پیش آیا کہ مکہ کے ایک شخص نے ایک بیرونی شخص کا حق ادا کرنے سے انکار کر دیا، چوں کہ اس کا تعلق مکہ سے نہیں تھا اور مکہ میں اس کے قبیلہ کے لوگ بھی نہیں تھے، اس لئے ممکن نہیں تھا کہ وہ بزور طاقت اپنا حق حاصل کر سکے، اس غریب الوطن شخص نے صحن کعبہ میں اہل مکہ کو اپنی بپتا سنائی اور ان کے ضمیر سے انصاف کے طلبگار ہوئے، اس موقع سے کچھ لوگ اس کی مدد کیلئے کھڑے ہوئے اور عبد اللہ بن جدعان کے مکان پر اس کی نشست ہوئی، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پوری سرگرمی سے شرکت کی، اور اس طرح "حلف الفضول" نامی ایک تنظیم قائم ہوئی، جس کا مقصد انصاف کو قائم کرنا، ظلم کو روکنا اور

ظالم کے خلاف مزاحمت کرنا تھا، یہ واقعہ نبوت سے پہلے کا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ کو یہ کام اس قدر پسند آیا تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اگر مجھے آج بھی اس کی طرف بلایا گیا تو میں اس پر لبیک کہوں گا: "لو أدعي به في الإسلام لأجبت" (۱)

بنو امیہ کے دور میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے درمیان ایک مسئلہ پر نزاع پیدا ہوگیا، جس میں ولید کی زیادتی تھی، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں اسی حوالہ سے لوگوں کی مدد چاہی، یکے بعد دیگرے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر لبیک کہا، بالآخر ولید کو اپنے ارادہ سے باز آنا پڑا۔ (۲)

یہ واقعہ اس بات کیلئے بنیاد فراہم کرتا ہے کہ سیاسی جدوجہد میں مسلمان اور غیر مسلم ایک دوسرے کے ساتھ اشتراک کرسکتے ہیں اور سیاسی تعلقات میں اصولوں کی بنیاد پر غیر مسلموں کا تعاون کیا جاسکتا ہے اور ان سے تعاون لیا جاسکتا ہے، نیز ایسی سیاسی تنظیموں میں جو خالص مسلم تنظیم نہ ہو، مسلمان شریک ہوسکتے ہیں۔

قرآنِ مجید نے حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ تفصیل سے ذکر کیا ہے، مصر میں اس وقت مشرکین ہی کی حکومت تھی، حضرت یوسف علیہ السلام نے ملکی مفادات اور مصالح کو سامنے رکھتے ہوئے وزارت خزانہ طلب فرمائی، حضرت یوسف علیہ السلام کی خواہش قبول کی گئی اور انہوں نے اس فریضہ کو بہت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا، اس سے معلوم ہوا کہ ایسے اقتدار میں شریک وسہیم ہونا بھی درست ہے، جس میں غیر مسلموں کو غلبہ حاصل ہوا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قلبی اور دلی دوستی تو کسی کافر کے ساتھ کسی حال میں جائز نہیں، اور احسان وہمدردی ونفع رسانی بجز اہل حرب اور سب کے ساتھ جائز ہے، اسی طرح ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ بھی سب کے ساتھ جائز ہے، جب کہ اس کا مقصد مہمان کی خاطر داری یا غیر مسلموں کو اسلامی تعلیمات اور دینی نفع پہنچانا یا اپنے آپ کو ان کے کسی نقصان وضرر سے بچانا ہو۔

---

(۱) البداية والنهاية : ۲۹۱/۲

(۲) سیرت ابن هشام : ۱/ ۱۳۵

کفار سے جنگی مدد لینا :

اگر جنگ میں کافروں سے مالی مدد لی جاتی ہے، اس طرح سے ان کے یہاں سے جنگی ہتھیار بطورِ عاریت کے یا بطورِ اجرت لیے جاتے ہیں تو درست اور جائز ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے کفار سے جنگی ہتھیار بطورِ عاریت لیے تھے۔

آل صفوان کے بعض لوگوں سے عبدالعزیز بن رفیع روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے صفوان سے فرمایا کہ اے صفوان! کیا تمہارے پاس کچھ اسلحہ ہے؟ انہوں نے پوچھا کہ عاریتاً چاہیے یا غصباً وصول کر رہے ہو، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا نہیں، بلکہ عاریتاً۔ انہوں نے حضور ﷺ کو تیس سے چالیس کے درمیان زرہیں دیں، حضور اکرم ﷺ نے غزوہ حنین میں جنگ فرمائی جب مشرکین کو ہزیمت ہوئی تو صفوان کی زرہوں کو جمع کیا گیا تو ان میں کچھ زرہیں گم ہو گئیں، حضور اکرم ﷺ نے صفوان سے فرمایا کہ ہم نے بیشک تمہاری زرہوں میں سے چند زرہیں گم کر دی ہیں تو کیا ہم تمہیں اس کا ضمان ادا کر دیں؟ وہ کہنے لگے کہ نہیں یارسول اللہ ﷺ اس لیے کہ آج میرے دل میں وہ بات نہیں ہے جو اس روز تھی، "استعار منه أدرعا يوم حنين" (۱)

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے صفوان سے یہ ہتھیار اس کے زمانۂ کفر میں بطورِ عاریت لیے تھے " استعار رسول الله صلى الله عليه وسلم ادرع صفوان وهو يومئذ مشرك " (۲)

کافروں کو بطور جنگی فوجی کے استعمال کرنا تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ کافروں کو مسلمان باغیوں سے جنگ کیلئے شریک جنگ کیا جائے تو اس صورت میں کفار کی مدد نہیں لی جا سکتی؛ بلکہ مسلمانوں کی اس بغاوت کو خود مسلمان فرو کریں گے، کیوں کہ اس صورت میں

---

(۱) ابوداؤد : باب تضمين العارية ، حديث : ۳۵۶۲، حاکم کہتے ہیں: ابن عباسؓ کی حدیث اس کی شاہد ہے۔

(۲) زاد المعاد : ۴۷۹/۳

کافر کو مسلمان پر حاکم بنانا، فوقیت دینا اور مسلط کرنا لازم آتا ہے اور ارشادِ باری عز و جل ہے:
" وَلَن يَّجۡعَلَ اللّٰهُ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ سَبِيۡلًا " (۱)

البتہ احناف نے اس شرط کے ساتھ باغی مسلمانوں کے خلاف استعانت کی اجازت دے سکتے ہیں کہ آخر میں قوت اور غلبہ اور دبدبہ مسلمانوں کا ہی قائم رہے " بشرط أن تكون الغلبة والهيمنة للمسلمين فى النهاية " (۲)

دوسری صورت یہ ہے کہ کافروں کو کافروں کے خلاف جنگ میں استعمال کیا جائے تو یہ جائز ہے لیکن شرط ہے کہ انجام کار کے اعتبار سے غلبہ اور قوت اور دبدبہ مسلمانوں کا ہی برقرار رہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا: " واستعان رسول الله ﷺ بيهود قينقاع فرضخ لهم ولم يسهم لهم " (۳)

امام ترمذیؒ نے زہریؒ سے نقل کیا ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے یہودی قوم کو جس نے آپ کے ساتھ قتال کیا تھا حصہ دیا " أسهم لقوم من اليهود قاتلوا معه " (۴)

البتہ کفار کو شریک جنگ کرنے کیلئے اہل علم یہ شرائط رکھے ہیں:

۱۔ کافروں سے مدد لینے کی ضرورت ہو۔
۲۔ جس سے مدد لی جا رہی ہے وہ باوثوق اور با اعتماد شخص ہو۔
۳۔ مسلمانوں کی ایسی پوزیشن ہو کہ وہ احکام شرعیہ کے نفاذ کی قدرت رکھتے ہوں، اور ان احکام سے اعراض کی صورت میں کفار کا مقابلہ بھی کر سکتے ہوں۔ (۵)

---

(۱) النساء: ۱٤۱
(۲) المبسوط: ۱۰/۱۳۳-۱۳٤
(۳) السنن الكبرى: كتاب السير، باب الرضخ لمن يستعان به من أهل الذمة على قتال المشركين، حديث: ۱۷۸۷۷، بیہقی کہتے ہیں کہ: اس میں حسن بن عمارۃ جو ضعیف ہیں، رسول اللہ ﷺ نے بنو قینقاع کے یہودیوں سے مدد لی اور ان کو عطیہ دیا اور شریک غنیمت نہیں کیا۔
(۴) ترمذی: باب ما جاء في أهل الذمة يغزون مع المسلمين هل يسهم لهم: حديث: ۱۶۰۲، البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔
(۵) منهاج الطالبين مع مغني المحتاج: ٤/۲۲۱

☆ کافروں کی کتابیں پڑھنے کے احکام :

ان کے مذہب کی دیانت اور اخلاق سے متعلق جو کتابیں ہیں، ان کا پڑھنا جائز نہیں، کیونکہ ان کی کتابین تحریف شدہ ہیں، بجائے اس سے کہ ہدایت حاصل ہو وہ ضلالت اور گمراہی کا سامان بن سکتی ہیں، البتہ علماء کیلئے ان کی کتابوں کا رد کرنے کا کیلئے ان کا پڑھنا جائز ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک کتاب لے کر حاضر ہوئے جو انہیں کسی کتابی سے ہاتھ لگی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اسے پڑھنا شروع کر دیا اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آ گیا اور فرمایا کہ اے ابن خطاب! کیا تم اس میں گھسنا چاہتے ہو، اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے پاس ایک ایسی شریعت لے کر آیا ہوں جو روشن اور صاف ستھری ہے، تم ان اہل کتاب سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کیا کرو، اور کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں صحیح بات بتائیں اور تم اس کی تکذیب کرو، اور غلط بتائیں تو تم اس کی تصدیق کرو اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہوتا " والذی نفسی بیدہ لو ان موسی کان حیا، ما وسعه الا أن يتبعنی" (۱)

اسلامی تحقیق اور سرچ سے متعلق کفار کی کتابوں کا پڑھنا یہ تو سم قاتل ہے، اس کی وجہ سے عقائد میں تذبذب پیدا ہوتا ہے، طعن اور تشکیک کے چور دروازے اور چوپٹ کھل جاتے ہیں اس لئے ان کتابوں کا پڑھنا جائز نہیں، اس ممانعت پر مندرجہ ذیل روایت دلالت کرتی ہے:

امام بخاریؒ حضرت علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ اے مسلمانوں کی جماعت! تم اہل کتاب سے کیونکر پوچھتے ہو حالانکہ تمہاری کتاب تو وہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری ہے اس میں اللہ کی بتائی ہوئی سب سے نئی خبر وہ ہے جسے تم پڑھتے ہو،

---

(۱) مسند احمد: مسند جابر بن عبد اللّٰہ، حدیث ، ۱۵۱۵٦ ، علامہ حجر فرماتے ہیں: اس کی سند میں جابر جعفی ہیں جو ضعیف ہیں: فتح الباری: قول اللّٰہ: بل ہو قرآن مجید ، ۱۳/۵۳۵

اس میں کوئی آمیزش نہیں اور تم سے اللہ تعالیٰ نے بیان کردیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ لکھا تھا اس میں اہل کتاب نے تبدیلی کردی ہے اور اپنے ہاتھوں سے کتاب کو بدل ڈالا ہے اور ان لوگوں نے کہا یہ اللہ کی جانب سے ہے تاکہ اس کے ذریعہ تھوڑی قیمت وصول کریں کہا جو علم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس میں ان سے پوچھنے کے متعلق تم کو منع نہیں فرمایا ہے، اللہ کی قسم ہم نے ان اہل کتاب میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ کبھی تم سے اس کے بارے میں پوچھتا ہو جو تم پر نازل کیا گیا ہے:

" ما رأينا منهم رجلا قط يسألكم عن الذى أ نزل عليكم " (۱)

البتہ کفار کے دنیوی فنون سے متعلق کتابوں کے پڑھنے کی اجازت ہے جس کے متعلق تفصیل گذر چکی ہے۔

☆ کفار کی بستی میں رہائش کے احکام

کفار و مشرکین کے ساتھ ان کے محلے اور بستی میں رہن سہن اور ان کے ساتھ اقامت ممنوع ہے۔

چونکہ حدیث میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

" لا تساكنوا المشركين ولا تجامعوهم فمن ساكنهم أو جامعهم فليس منّا " (۲)

مشرکوں کے ساتھ سکونت اختیار نہ کرو اور ان کے ساتھ اختلاط نہ رکھو، جو شخص ان کے ساتھ سکونت اختیار کرے یا ان کے ساتھ میل جول رکھے گا تو وہ ہم میں سے نہیں " أنا برئ من كل مسلم يقيم بين أظهر المشركين " (۳)

(۱) بخاری : باب لا يسأل أهل الشرك ، حديث: ۲۵۳۹

(۲) السنن الكبرى للبيهقى باب الأسير يؤخذ عليه العهد: حديث: ۱۸۲۹

(۳) ترمذی: كراهية المقام بين أظهر المشركين، حديث: ۱۶۰۵، ابن الملقن کہتے ہیں کہ: ابوداؤد اور ترمذی نے کہا ہے کہ: اس کو ایک جماعت نے روایت کیا ہے اور انہیں انہوں نے جریر کا ذکر نہیں کیا ہے، اور یہی صحیح ہے، اور امام بخاری نے کہا ہے کہ: صحیح مرسل روایت ہی ہے، اور اسی طرح ابوحاتم الرازی اور دارقطنی "العلل" میں ان سے اس بارے میں سوال کئے جانے پر یہی کہا ہے، میں کہتا ہوں: اس کو امام شافعی اور اسی طرح نسائی نے اپنی سنن میں مرسل روایت کیا ہے: البدر المنير: الحديث السابع: ۱۶۳/۹، دار النشر والتوزيع، الرياض

علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ: ان کے ساتھ صلہ رحمی، دنیاوی معاملات وامورِ خرید وفروخت، لین دین وغیرہ کے تعلقات میں کوئی ممانعت نہیں، البتہ ان کے ساتھ رہائش اختیار نہیں کی جاسکتی "ولم یمنع من صلة أرحام من لهم من الكافرين ولا مخالتطهم فی أمر الدنيا بغير سكنى فيما يجرى مجرى المعاملة" (۱)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی کتاب الزھد میں ہے "میرے دشمنوں کے داخل ہونے کی جگہوں میں داخل مت ہو، اور میرے دشمن کا لباس مت پہنو، اور نہ میرے دشمنوں کی سواریوں پر سوار ہو، ورنہ تو تم بھی میرے ان کی طرح دشمن ہو جاؤ گے " فتكونوا أعدائى كما هم أعدائى" (۲)

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کے کافروں کے بیچ رہنے سے منع فرمایا ہے، اگر وہ وہاں سے ہجرت کرسکتا ہو تو ہجرت کر جائے، اور آپ ﷺ نے فرمایا: میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے بیچ رہے، کہا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیوں؟ وہ ایک دوسرے کی آگ کو دیکھنے نہ پائیں " لا تراء ناراهما " (۳)

یہ تو جمہور کے قول کے مطابق اس صورت میں ہے جب کہ اس کیلئے اپنے دین کی حفاظت وصیانت غیر بلاد اسلامیہ میں ممکن نہ ہو، اس کے دین، عزت آبرو اور جان ومال پر خطرات کے بادل منڈلا رہے ہوں۔

اس کے برخلاف اگر اس کیلئے غیر اسلامی ممالک میں اس کے دین پر عمل آوری کے سلسلے میں آزادی حاصل ہو۔

" اِنَّ الَّذِيۡنَ تَوَفّٰهُمُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ ظَالِمِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَالُوۡا فِيۡمَ كُنۡتُمۡ‌ؕ قَالُوۡا كُنَّا مُسۡتَضۡعَفِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ‌ؕ قَالُوۡۤا اَلَمۡ تَكُنۡ اَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوۡا فِيۡهَا

(۱) عون المعبود: باب الاقامة بأرض الشرك: ۳۳۸/۷، دار الكتب العلمية، بيروت
(۲) الزهد لابن حنبل: بقية زهد عليه السلام: ۱۰۳/۱، دار الريان للتراث
(۳) عون المعبود: ۳۳۹۷/، دار الكتب العلمية، بيروت

فَاُولٰٓئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا، اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا " (۱)

بیشک جب ایسے لوگوں کی جان فرشتے قبض کرتے ہیں جنہوں نے اپنے کو گنہگار کر رکھا تھا تو وہ ان سے کہتے ہیں کہ تم کس کام میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم سرزمین میں محض مغلوب تھے وہ کہتے ہیں کہ کیا خدا تعالیٰ کی سرزمین وسیع نہ تھی تم کو ترک وطن کر کے اس میں چلا جانا چاہئے تھا سو ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور جانے کیلئے وہ بری جگہ ہے پہنچے کی مگر جو ہیں بے بس، مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے جو نہیں کر سکتے کوئی تدبیر اور نہ جانتے ہیں کہیں کا راستہ۔

اس آیت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس شخص کیلئے دار کفر میں اقامت اور رہائش درست ہے جو وہاں رہ کر اپنے دین پر علی الاعلان عمل کر سکتا ہو، اور وہاں وہ کمزور نہ ہو۔

۲- جو مسلمان ہجرت کی قدرت رکھتے تھے جیسے حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب وغیرہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کرنے کو نہیں کہا، حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: سنتِ رسول ﷺ سے پتہ چلا کہ ہجرت اس شخص پر فرض ہے جس کو اپنے دین پر آنچ آنے کا اندیشہ ہو "إن فرض الهجرة على من أطاقها إنما هو على من فتن في دينه في البلاد الذي يسلم فيها، لأن رسول الله ﷺ أذن لقوم بمكة أن يقيموا بها بعد اسلامهم، منهم العباس بن عبد المطلب " (۲)

۳- نعیم بن نحام رضی اللہ عنہ نے جب ہجرت کرنی چاہی تو ان کے پاس ان کی قوم بنی عدی کے لوگ آئے، ان سے کہا: تم ہمارے یہاں اپنے دین کے ساتھ مقیم رہو، جو تم کو تکلیف پہنچانا چاہے تو اس کا دفاع کریں گے، یہ ایک مدت تک انہیں کے یہاں مقیم رہے، پھر انہوں نے وہاں سے ہجرت کی، حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا تھا، " قومك كانوا لك خيرا

---

(۱) النساء: ۹۷-۹۸

(۲) کتاب الأم: اصل فی فرض الجهاد: ۱۶۱/۴

من قومي لي، قومي أخرجوني وأرادو قتلي، وقومك حفظوك ومنعوك " تمہاری قوم تمہارے لئے میری قوم سے بہتر ثابت ہوئی، میری قوم نے مجھے اپنے شہر سے نکالا اور میرے قتل کا ارادہ کیا اور تمہاری قوم نے تمہاری حفاظت کی اور تمہارا دفاع کیا۔(۱)

تو اس حدیث سے پتہ چلا کہ جس کو دار الکفر میں حمایت اور صیانت حاصل ہو اور اس کو اپنے دین میں فتنہ اور آزمائش کا اندیشہ نہ ہو تو اس کا وہاں کی اقامت اختیار کرنا جائز ہے۔

۴- نجاشی شاہِ حبشہ جب دورِ رسالت میں مسلمان ہوئے تو وہیں اپنے ملک میں مقیم رہے، اور وہاں سے ہجرت کیے بغیر ان کا وہیں انتقال ہو گیا، حضور ﷺ نے ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھائی، اور ان کے تعلق سے فرمایا: " مات اليوم رجل صالح " (۲) آج ایک نیک شخص کا انتقال ہوا ہے،

اس سے بھی پتہ چلا کہ اگر دیارِ کفر میں دین وایمان کے محفوظ رہنے کی ضمانت دی جا سکتی ہو تو وہاں کی اقامت اختیار کرنا جائز ہے۔

۵- یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت فدیک رضی اللہ عنہ خدمتِ اقدس ﷺ میں حاضر ہوئے کہنے لگے: اے اللہ کے رسول ﷺ! لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جو شخص ہجرت نہ کرے وہ ہلاک ہو جائے گا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے فدیک! نماز قائم کرو، زکوۃ دو، اور برائی کو ترک کر دو، اور اپنی قوم میں جہاں چاہے رہو، " أقم الصلوة، وآت الزكوة، واهجر السوء، واسكن من دار قومك حيث شئت " راوی کہتے ہیں کہ: آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تم مہاجر ہو جاؤ گے۔(۳)

---

(۱) الطبقات الكبرى لابن سعد: ۱۳۸/۴، دار صادر، بيروت
(۲) بخاري: باب موت النجاشي، حديث: ۳۶۶۴
(۳) صحيح ابن حبان: باب الهجرة، حديث: ۴۸۶۱، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے اوسط اور کبیر میں اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں: مجمع الزوائد: باب فضل المهاجرين، حديث: ۹۳۰۳

۶۔ حضرت سلیمانؒ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد (حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ جب کسی شخص کو کسی چھوٹے یا بڑے لشکر کا امیر مقرر فرماتے تو خاص طور پر اس کی ذات سے متعلق تو اس کو اللہ سے ڈرتے رہنے کی اور اس کے ساتھ جانے والے مسلمانوں کے متعلق اس کو نیکی و بھلائی کرنے کی نصیحت فرماتے اور اس کے بعد یہ فرماتے کہ جاؤ اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کیلئے اور ان کے دین کا جھنڈا سر بلند کرنے کی غرض سے اسلام دشمن طاقتوں سے جنگ کرو اس شخص کے خلاف جہاد کرو جس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ہے جہاد کرو، جب تم اپنے مشرک دشمنوں کے سامنے پہنچو تو پہلے ان کو تین چیزوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لینے کی دعوت دو، ان تین چیزوں میں سے وہ مشرک جس چیز کو تم سے اختیار کریں اور اپنے لئے پسند کریں تم اس کو منظور کر لو اور ان کو اس سے زیادہ کسی اور چیز پر مجبور کرنے سے باز رہو، پھر یعنی ان تین چیزوں میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ ان کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ اس دعوت کو قبول کریں تو تم بھی اس کو منظور کر لو، اور ان سے جنگ کرنے سے باز رہو، (پھر وہ اسلام قبول کریں تو) ان کو اپنے ملک یعنی (دار الحرب سے) مہاجرین کے ملک (یعنی دار الاسلام) کو منتقل ہو جانے یعنی ہجرت کرنے کی دعوت دو، اور ان کو یہ بتا دو کہ ایسا کریں گے یعنی ہجرت کر کے دار الاسلام آ جائیں گے تو ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو مہاجرین کو حاصل ہیں اور ان پر وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو مہاجرین پر عائد ہیں، اگر وہ ترکِ سکونت اختیار کرنے پر تیار نہ ہوں تو ان کو بتا دو کہ ایسی صورت میں وہ دیہاتی مسلمانوں کی طرح ہوں گے اور ان پر اللہ کا ایسا حکم کیا جائے گا جو تمام مسلمانوں پر نافذ ہوتا ہے یعنی نماز، روزہ وغیرہ کا واجب ہونا اور قصاص و دیت جیسے احکام کا نافذ ہونا اور غنیمت وفئی کے مال میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا البتہ اس وقت حصہ ملے گا جبکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو کر جہاد کریں۔ "ولا يكون لهم في الفيء والغنيمة نصيب "(۱)

(۱) ابوداؤد: باب في دعاء المشركين، حديث: ۲۶۱۲، محقق شعیب الارنؤط کہتے ہیں: اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے: مسند احمد: حديث بريدة الأسلمي، حديث: ۲۳۰۲۸

اس حدیث سے پتہ چلا کہ اگر کوئی شخص دیارِ کفر میں مسلمان ہو جائے تو اس کیلئے دیارِ اسلام کو ہجرت کر جانا مستحب ہے، اگر وہ ہجرت نہ کرے تو اس پر کوئی پکڑ نہیں، البتہ اسلامی احکام کا اجراء اس پر ہوگا، اور اس کو مالِ غنیمت اور مالِ فئی سے حصہ نہ مل پائے گا۔

۷۔ اس کے علاوہ اگر دار کفر میں مسلمانوں کے اقامت کی اجازت نہ دی جائے تو دعوتِ اسلام پیش کرنے کا موقع اور میدان اس سے بڑھ کر کہاں ملے گا، اسلام کی حقیقت اور اسلام کی اصل روح کا پتہ ان کو کیسے چلے گا۔

چنانچہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی تو وہ دار الاسلام نہیں تھا، اور یہ اقامت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تھی۔

مسلم اقلیتی ممالک میں شہریت کے احکام

حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ مسلم اقلیتی ممالک میں شہریت کے احکام کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

☆ کسی غیر مسلم ملک میں مستقل رہائش اختیار کرنا اور اس کی قومیت اختیار کرنا اور اس ملک کے ایک باشندے اور ایک شہری ہونے کی حیثیت سے اس کو اپنا مسکن بنالینا، ایک مسئلہ ہے جس کا حکم زمانہ اور حالات کے اختلاف اور رہائش اختیار کرنے والوں کی اغراض و مقاصد کے اختلاف سے مختلف ہو جاتا ہے۔

۱- اگر ایک مسلمان کو اس کے وطن میں کسی جرم کے بغیر تکلیف پہنچائی جارہی ہو یا اس کو جیل میں ظلماً قید کرلیا جائے یا اس کی جائیداد ضبط کرلی جائے اور کسی غیر مسلم ملک میں رہائش اختیار کرنے کے علاوہ ان مظالم سے بچنے کی اس کے پاس کوئی صورت نہ ہو، ایسی صورت میں اس شخص کیلئے کسی غیر مسلم ملک میں رہائش اختیار کرنا اور اس ملک کا باشندہ بن کر وہاں رہنا بلا کراہت جائز ہے، بشرطیکہ وہ اس بات کا اطمینان کرلے کہ وہ وہاں جا کر عملی زندگی میں دین کے احکام پر کاربند رہے گا اور وہاں رائج شدہ منکرات وفواحشات سے اپنے کو محفوظ رکھ سکے گا۔

۲- اسی طرح اگر کوئی شخص معاشی مسئلہ سے دوچار ہو جائے اور تلاش بسیار کے باوجود اُسے اپنے اسلامی ملک میں معاشی وسائل حاصل نہ ہوں حتی کہ وہ نان شبینہ کا بھی محتاج ہو جائے، ان حالات میں اگر اس کو کسی غیر مسلم ملک میں کوئی جائز ملازمت مل جائے، جس کی بناء پر وہاں رہائش اختیار کرلے تو مذکورہ بالا دو شرطوں کے ساتھ اس کا وہاں اقامت اختیار کرنا جائز ہے؛ اس لئے کہ حلال کمانا بھی دوسرے فرائض کے بعد ایک فرض ہے جس کیلئے شریعت نے کسی مکان

اور جگہ کی قید نہیں لگائی ؛ بلکہ عام اجازت دی ہے کہ جہاں چاہو، رزقِ حلال تلاش کرو، چنانچہ قرآن مجید میں ہے: " هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِهَا وَکُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ " (۱) وہ ایسا (منعم) ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا، سو تم اس کے رستوں میں چلو (پھرو) اور خدا کی روزی میں سے کھاؤ (پیو) اور اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔

۳۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی غیر مسلم ملک میں اس نیت سے رہائش اختیار کرے کہ وہ وہاں کے غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دے گا اور ان کو مسلمان بنائے گا، یا جو مسلمان وہاں مقیم ہیں، ان کو شریعت کے صحیح احکام بتائے گا اور ان کو دینِ اسلام پر جمے رہنے اور احکامِ شرعیہ پر عمل کرنے کی ترغیب دے گا، اس نیت سے وہاں رہائش اختیار کرنا صرف یہ نہیں کہ جائز ہے بلکہ موجب اجر و ثواب ہے، چنانچہ صحابہ، تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسی نیک ارادے اور نیک مقصد کے تحت غیر مسلم ممالک میں رہائش اختیار کی اور بعد میں ان کے فضائل و مناقب اور محاسن شمار ہونے لگے۔

۴۔ اگر کسی شخص کو اپنے ملک اور شہر میں اس قدر معاشی وسائل حاصل ہیں، جس سے وہ اپنے شہر کے لوگوں کے معیار کے مطابق زندگی گذار سکتا ہے، لیکن صرف معیارِ زندگی بلند کرنے کی غرض سے اور خوش حالی اور عیش و عشرت کی زندگی گذارنے کی غرض سے کسی غیر مسلم ملک کی طرف ہجرت کرتا ہے تو ایسی ہجرت کراہت سے خالی نہیں، اس لئے کہ اس صورت میں دینی یا دنیاوی ضروریات کے بغیر اپنے آپ کو وہاں رائج شدہ فواحشات و منکرات کے طوفان میں ڈالنے کے مترادف ہے اور بلا ضرورت اپنی دینی اور اخلاقی حالت کو خطرہ میں ڈالنا کسی بھی طرح درست نہیں؛ اس لئے کہ تجربہ اس پر شاہد ہے کہ جو لوگ صرف عیش و عشرت اور خوشحالی کی زندگی بسر کرنے کیلئے وہاں رہائش اختیار کرتے ہیں ان میں دینی حمیت کمزور ہو جاتی ہے، چنانچہ ایسے لوگ کافرانہ محرکات کے سامنے تیز رفتاری سے پگھل جاتے ہیں۔

---

(۱) سورہ ملک : ۱۵

اسی وجہ سے حدیث شریف میں شدید ضرورت اور تقاضے کے بغیر مشرکین کے ساتھ رہائش اختیار کرنے کو منع کیا گیا ہے: "من جامع المشرك وسكن معه فإنه مثله" جو شخص مشرک کے ساتھ موافقت کرے اور اس کے ساتھ رہائش اختیار کرے وہ اسی کے مثل ہے۔(۱)

اسی وجہ سے فقہاء فرماتے ہیں کہ صرف ملازمت کی غرض سے کسی مسلمان کا دارالحرب میں رہائش اختیار کرنا، اوران کی تعداد میں اضافہ کا باعث بننا ایسا فعل ہے جس سے اس کی عدالت مجروح ہو جاتی ہے۔(۲)

۵- پانچویں صورت یہ ہے کہ کوئی شخص سوسائٹی میں معزز بننے کیلئے اور دوسرے مسلمانوں پر اپنی بڑائی کے اظہار کیلئے غیر مسلم ممالک میں رہائش اختیار کرتا ہے یا دارالکفر کی شہریت اور قومیت کو دارالاسلام کی قومیت پر فوقیت دیتے ہوئے اور اس کو افضل اور برتر سمجھتے ہوئے ان کی قومیت اختیار کرتا ہے یا اپنی پوری عملی زندگی میں بود و باش میں ان کا طرز اختیار کر کے ظاہری زندگی میں ان کی مشابہت اختیار کرنے کیلئے اور ان جیسا بننے کیلئے رہائش اختیار کرتا ہے، تو ان تمام مقاصد کیلئے وہاں رہائش اختیار کرنا مطلقاً حرام ہے، جس کی حرمت محتاج دلیل نہیں۔(۳)

☆ کفار سے ہدایا قبول کرنے کے احکام

کفار سے ہدایا قبول کرنے کے احکام مواساۃ اور مدارات کے تحت آتے ہیں، اگر کافر مسلمان سے برسرِ پیکار نہ ہوں تو ان سے صلہ رحمی کی جاسکتی ہے، ان سے ہدایا لئے اور دیئے جاسکتے ہیں، اگرچہ ان سے موالاۃ منقطع ہی کیوں نہ ہوں۔

قتیلہ بنت عبدالعزی جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی زوجہ اور حضرت اسماءؓ کی والدہ تھیں، اور یہ مسلمان نہ ہوئیں تھیں، ان کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے زمانۂ جاہلیت میں طلاق دے دی تھی،

---

(۱) ابوداؤد: باب في الإقامة في أرض المشرك، حديث: ۲۷۸۷
(۲) تکمله رد المحتار: ۱۰۱/۱
(۳) مغربی ممالک میں رہائش کے احکام: مفتی تقی عثمانی صاحب

صلح حدیبیہ کے موقع سے یہ مدینہ آئیں اور یہ اپنے ساتھ ہدایا کی شکل میں زیتون، گھی وغیرہ لے آئیں، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ان کو اپنے گھر میں آنے سے روک دیا، اوران کے ہدایا بھی قبول نہ کیے، پھر حضور ﷺ نے ان کو اجازت مرحمت فرمادی، " لَا یَنۡهٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ " (۱)

ابن الزبیر کہتے ہیں کہ: یہ آیت حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی تھی جس وقت ان کے پاس قتیلہ بنت عبدالعزی ہدایا لے کر مدینہ آئی تھیں، اور انہوں نے ان ہدایا کو قبول نہیں کیا تھا، اوران کو گھر میں داخل ہونے سے روک دیا تھا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے اس بابت دریافت کیا تو یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے ان کو گھر میں آنے اوران کے ہدایا قبول کرنے کی اجازت دی "فأمرها رسول اللّٰه أن تدخلها منزلها وتقبل هديتها وتحسن اليها " (۲)

اور فرمایا: "وَلَمۡ یُخۡرِجُوۡکُمۡ مِنۡ دِیَارِکُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡهُمۡ وَتُقۡسِطُوۡا اِلَیۡهِمۡ " یعنی ان کے ساتھ برابر سرابر کا معاملہ کرو۔(۳)

☆ کافر ماں باپ اور کافر ساس، سسر سے حسن سلوک

اسلام نے کافر ماں باپ سے بھی حسن سلوک کی تاکید کی ہے، الا یہ کہ وہ اللہ کی نافرمانی اور حکم عدولی کا حکم کریں۔

اسی کو اللہ عزوجل نے یوں فرمایا: " وَوَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡهِ اِحۡسَانًا وَاِنۡ جَاهَدَاكَ عَلٰۤی اَنۡ تُشۡرِكَ بِیۡ مَا لَیۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ فَلَا تُطِعۡهُمَا " (۴) ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی، اگر وہ میرے ساتھ کفر اور شرک کیلئے مجبور کرتے ہیں جس کا ان کو علم نہیں تو ان کی اطاعت نہ کی جائے۔

(۱) الممتحنة : ۸
(۲) تفسیر الرازی: سورة الممتحنه: ۲۹، ۲۶۳، دار الکتب العلمیة، بیروت
(۳) کشف المشکل من حدیث الصحیحین : ۱/ ۱۲۷۵، دار الوطن ، الریاض
(۴) العنکبوت : ۸

اس آیت کے شانِ نزول کے تعلق سے ابن منذر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ: فرماتے ہیں کہ: میری ماں نے کہا: میں نہ کھاؤں اور نہ پیوں گی جب تک تم محمد کا انکار نہیں کرتے، اور وہ کھانے پینے سے رک گئیں، ان کو زبردستی کھلانا پڑا، " فامتنعت من الطعام والشراب" (۱)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو فتح مکہ کے دن اپنے پیچھے سوار کیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کو دیکھ کر فرمایا: ابوسفیان تمہارا ناس ہو! کیا تمہیں ابھی اللہ کے ایک ہونے کا علم نہیں، ابوسفیان نے کہا: میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان، کیا ہی تم رحیم وکریم ہم نشین ہو، مجھے پتہ ہوگیا ہے کہ اگر اللہ کے علاوہ کوئی معبود ہوتا مجھے اس سے بے نیاز کرتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے! ابوسفیان: کیا ابھی میرے اللہ کے رسول ہونے کا علم نہیں ہوا؟ انہوں نے کہا: ابھی اس بارے میں شک ہے، تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: تیری تباہی ہو قبل اس کے کہ تیری گردن اڑادی جائے اسلام قبول کرلے، چنانچہ وہ مسلمان ہوگئے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ابوسفیان اپنے لئے اعزاز چاہتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے وہ مامون ہے، "من دخل دار ابی سفیان فهو آمن ومن أغلق عليه بابه فهو آمن" (۲)

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے کافر سسر کے ساتھ سلوک اور حسن برتاؤ کا نمونہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساس ہند بنت عتبہ یہ بھی مسلمانوں کو ختم کرنے اور ان کو اذیتیں دینے میں پیش پیش تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے چچا کے قتل کی سازش انہوں نے ہی رچی تھی، یہ بھی فتح مکہ کے موقع سے قبولِ اسلام کیلئے حاضر ہوئیں، جب عورتوں کے بیعت کی باری آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ولا يسرقن ولا يزنين" تو ہند نے کہا: کیا آزاد عورت زنا کرتی ہے

---

(۱) الدر المنثور: ۴۵۲/۶، دار الفكر، بيروت

(۲) ابوداؤد: باب ما جاء في خبر مكة، حديث: ۳۰۲۱، محقق شعیب الارنوط کہتے ہیں: اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے: مسند احمد: مسند أبي هريرة، حديث: ۱۰۹۶۱

اور چوری کرتی ہے، اور آپ ﷺ نے فرمایا: "ولا یقتلن أولادھن" تو ہند نے کہا: ہم نے ان کو بچپن سے پال پوس کر بڑا کیا تھا تم لوگوں نے ان کے بڑے ہونے کے بعد ان کو قتل کر دیا "ربیناھم صغارا وقتلتھم کبارًا" (۱) بہرحال حضور ﷺ نے اس تیز اور ترش زبان کو بھی گوارا کیا۔

(۱) جامع الاصول: ھند بنت عتبہ: ۹۹۳/۱۲، مکتبة الحلوانی

غیروں سے مشابہت کی ممانعت وجوہات ودلائل

دوسری اقوام کے ساتھ رہن سہن، لباس، تراش خراش، بودوباش، عادات واطوار میں ان کی نقالی اور مماثلت سے بے شمار نقصانات پیدا ہوتے ہیں۔

اس تشبہ کی ممانعت اور قومی امتیاز کے بقا کی وضاحت اور اس سلسلہ میں اصولی گفتگو کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

اپنی شناخت اور اپنے تشخص کو باقی رکھنا امتیازِ قومی کہلاتا ہے (یعنی اپنا لباس، اپنی وضع، اپنی بول چال، اپنا برتاؤ وغیرہ وغیرہ غیر مذہب والوں سے الگ رکھنا) دوسری قوموں کی وضع وعادات بلا ضرورت اختیار کرنے کو شریعت نے منع کیا ہے، پھر ان میں بعض چیزیں تو ایسی ہیں کہ اگر دوسری قوموں سے ان کی خصوصیت نہ بھی رہے تو تب بھی گناہ رہیں گی جیسے داڑھی منڈھوانا یا حد سے باہر کتروانا، گھٹنوں سے اونچا پائجامہ یا جانگیہ پہننا کہ ہر حال میں ناجائز ہے۔

اگر اس کے ساتھ شرعی وضع کو حقیر سمجھے، یا اس کی برائی کرے، تو پھر گناہ سے گزر کر کفر ہوجائے گا اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ اگر دوسری قوموں سے ان کی خصوصیت نہ رہے تو گناہ نہ رہیں گی اور خصوصیت نہ رہنے کی پہچان یہ ہے کہ ان چیزوں کو دیکھنے سے عام لوگوں کے ذہن میں یہ کھٹک نہ ہو کہ یہ وضع تو فلانے لوگوں کی ہے، جیسے انگرکھا اور اچکن پہننا مگر جب تک یہ خصوصیت ہے، اس وقت تک منع کیا جائے گا، جیسے ہمارے ملک میں کوٹ پتلون پہننا، یا گرگابی پہننا، یا دھوتی باندھنا، یا عورتوں کو لہنگا پہننا، پھر ایسی چیزوں میں جو چیزیں دوسری قوموں کی محض قومی وضع ہیں جیسے کوٹ پتلون وغیرہ یا قومی وضع کی طرح ان کی عام عادت ہے، جیسے میز کرسی پر یا چھری کانٹے سے کھانا، اس کے اختیار کرنے سے تو صرف گناہ ہی ہوگا،

کہیں کم کہیں زیادہ اور جو چیزیں دوسری قوموں کی مذہبی وضع ہیں، ان کا اختیار کرنا کفر ہوگا، جیسے صلیب لٹکانا یا سر پر چوٹی رکھ لینا، یا جنیو باندھنا، یا ماتھے پر قشقہ لگا لینا یا ''جے'' پکارنا وغیرہ اور جو چیزیں دوسری قوموں کی نہ قومی وضع ہیں، نہ مذہبی وضع ہیں، گو ان کی ایجاد ہوں اور عام ضرورت کی چیزیں ہیں جیسے دیا سلائی یا گھڑی یا کوئی حلال دوا یا مختلف سواریاں یا ضرورت کے بعضے نئے آلات جیسے ٹیلی گراف یا ٹیلیفون یا نئے ہتھیار یا نئی ورزشیں، جن کا بدل ہماری قوم میں نہ ہو، ان کا برتنا جائز ہے، نہ کہ گانے بجانے کی چیزیں جیسے گراموفون یا ہارمونیم وغیرہ، مگر ان جائز چیزوں کی تفصیل اپنی عقل سے نہ کریں؛ بلکہ علماء سے پوچھ لیں اور مسلمانوں میں جو فاسق یا بدعتی ہیں خواہ وہ بدعتی دین کے رنگ میں ہوں خواہ دنیا کے رنگ میں ہوں ان کی وضع اختیار کرنا بھی گناہ ہے، گو کافروں کی وضع سے کم سہی؛ بلکہ مرد کو عورت کی وضع اور عورت کو مرد کی وضع بنانا گناہ ہے، پھر ان سب ناجائز وضعوں میں اگر پوری وضع بنائی زیادہ گناہ ہوگا، اگر اَدھوری بنائی اس سے کم ہوگا اور اس سے یہ بھی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ یہ مسئلہ جس طرح شرعی ہے، اسی طرح عقلی بھی ہے، کیوں کہ مرد کیلئے زنانہ وضع بنانے کو ہر شخص عقل سے بھی برا سمجھتا ہے، حالاں کہ دونوں مسلمان اور صالح ہیں تو جہاں مسلمان اور کافر کا فرق ہو یا صالح و فاسق کا فرق ہو وہاں کافر یا فاسق کی وضع بنانے کو کس کی عقل اجازت دے سکتی ہے۔

اس تشبہ اور مماثلت کے درجے ہو سکتے ہیں:

(الف) دوسری قوموں کے مذہبی شعائر میں مماثلت اختیار کی جائے، جیسے مسلمان صلیب یا زنار پہننے لگیں، یا سکھوں کے جو مخصوص شعائر ہیں ان کو استعمال کریں، فقہاء نے اسے باعثِ کفر قرار دیا ہے، مجوسی خاص قسم کی ٹوپی پہنا کرتے تھے، فقہاء نے اس پر کفر کا حکم لگایا ہے: ''ولو وضع علی رأسه قلنسوة المجوس کفر'' (۱)

اسی طرح فقہاء کے یہاں زنار کے بارے میں بھی ملتی ہے، ہندوستان میں قشقہ لگانے کا حکم بھی یہی ہے، کیوں کہ وہ ہندو بھائیوں کے مذہبی شعائر میں ہے۔

(۱) الملتقط فی الفتاوی الحنفیة : ۲۴۵

(ب) غیر مسلم مذہبی تہواروں میں شرکت، یہ اگر یوں ہی ہو، یا اس کا مقصد اپنے گمان کے مطابق رواداری ہو تو حرام ہے اور اگر ان کے مذہبی معتقدات اور افعال پر خوشنودی ورضامندی کا اظہار اور تائید وتحسین مقصود ہو تو کفر ہے، "إنما الرضا بالكفر مستحسنا كفر" (۱)

کیوں کہ آدمی جس مذہب پر عقیدہ نہ رکھتا ہو، اور اپنے عقیدہ کے مطابق اس کو نادرست خیال کرتا ہو، اس میں شرکت اور اس پر رضامندی وخوشنودی کا اظہار کھلی ہوئی دوعملی اور نفاق کی بات ہے۔

(ج) تیسرا درجہ تہذیبی تشبہ کا ہے، یعنی ایسی وضع قطع اور لباس جو کسی خاص قوم کی شناخت بن گئی ہو، اور اس کا مذہب سے تعلق نہ ہو، اس کو اختیار کرنا، جیسے ہندوستان میں دھوتی کہ اس کا مذہب سے تعلق نہیں، لیکن ہندو بھائیوں کی پہچان سی بن گئی ہے، اگر کسی کو دھوتی میں ملبوس دیکھا جائے تو ذہن اسی طرف جاتا ہے کہ وہ ہندو ہے، ایسی مماثلت اور مشابہت اختیار کرنا مکروہ تحریمی ہے، علامہ ابن تیمیہ اس قسم کی تشبہ پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

لیکن تشبہ کی اس جہت میں تبدیلی آتی رہتی ہے، کیوں کہ اگر کوئی وضع ایک عہد میں کسی قوم کی پہچان بن گئی ہو، اور بعد میں اس کا استعمال عام ہو جائے اور وہ کسی خاص مذہبی گروہ کی شناخت باقی نہ رہ جائے تو پھر تشبہ کی کیفیت ختم ہو جائے گی اور اس کا استعمال جواز کی حد میں آجائے گا، حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ نے کوٹ، پینٹ کے بارے میں (۲) اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے ساڑی کے متعلق یہی لکھا ہے۔

۱- امحاءِ امتیاز: (امتیاز کا مٹ جانا)

غیر اقوام سے مشابہت کی وجہ سے اسلام اور کفر کے درمیان کوئی امتیاز اور فرق باقی نہیں رہ جاتا، حالانکہ اسلام ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ مسلمان اپنی شناخت کھودے، دوسری اقوام میں

(۱) الملتقط: ۲۴۵

(۲) امداد الفتاوی: ۴/ ۲۶۸

رَل مل جائے ، اسلام چونکہ ایک کامل و مکمل مذہب ہے ، وہ یہ کیسے گوارا کرسکتا ہے کہ لباس، تراش خراش اور عادات واطوار میں غیر قوموں کے طور طریق کو اپنا کر اسلامی شناخت کو کھودیا جائے جب ایک معمولی سی کمپنی اور اسکول چلانے والا اپنا ایک مستقل یونیفارم کمپنی کے کارکن اور اسکول کے اسٹوڈنٹس کیلئے ایک لباس اور اس کا رنگ مخصوص کرتا ہے، تو اسلام یہ کیسے گوارا کرسکتا ہے کہ اس کی تہذیب وتمدن، اس کی ثقافت ومعاشرت علاحدہ نہ ہو، اور اس کو صرف عبادات کی حد اختیار کر کے باقی معاشرت، معاملات اور اخلاقیات وغیرہ میں غیروں کے طریق کو اپنائے، پھر اسلام کے معاشرتی، اخلاقی اور معاملاتی تہذیب وتمدن کو کیا کیا جائے، کیا کوئی اس کا مصرف نہیں؟

☆ اسی غیروں سے مشابہت کی ممانعت کو بتلاتے ہوئے اللہ عزوجل نے فرمایا: "وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ" (۱) حق کو باطل میں نہ ملاؤ اور جانتے بوجھتے حق کو مت چھپاؤ۔

غیر اقوام کی تہذیب ان کے عادات واطوار کو اپنا کر حق کو باطل کے ساتھ رَل مل کرنا ہے اس طرح سے تو نیکی نیکی نہ رہے گی اور نہ ظلمت ظلمت رہے گی؛ بلکہ ایک تیسری چیز ہوجائے گی۔

☆ جنابِ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے اللہ عزوجل نے فرمایا: "ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَاتَتَّبِعْ اَهْوَاءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ" (۲) پھر ہم نے آپ ﷺ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کردیا سو آپ اسی طریقہ پر چلے رہیئے اور ان جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلئے۔

☆ اور فرمایا: "وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ، ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ" (۳) اور تقوی کا لباس یہ اس (عام لباس) سے بڑھ کر ہے، اور یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے، شاید یہ لوگ بیدار ہوں۔

☆ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے معرکۃ الاراء خطبے میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے

---

(۱) البقرۃ : ۴۲ (۲) الجاثیۃ : ۱۸ (۳) الاعراف: ۲۶

منع تشبہ کی بابت فرمایا: " ألا كل شيء من أمر الجاهلية تحت قدمي موضوع " (۱) خبردار ہو جاؤ کہ جاہلیت کی ہر چیز میرے قدموں کے نیچے مسل دی گئی۔

☆ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت (صورتاً بھی) اختیار کرے گا وہ (انجام کار) اسی میں قوم میں (حقیقۃً بھی) ہو جائیگا " من تشبّه بقوم فهو منهم " (۲)

اس حدیث سے پتہ چلا کہ ظاہری مشابہت جس قوم کے ساتھ اختیار کی جائے گی خواہ ابرار کے ساتھ ہو یا اخیار کے ساتھ، یا اشرار و فجار کے ساتھ، خیر میں ہو یا شر میں، معاشرت میں ہو، یا تہذیب و تمدن میں، انجام یہ ہے کہ مشابہت اختیار کرنے والا اپنا وجود چھوڑ کر اس قوم کے وجود میں مدغم ہو جائے گا جس کے ساتھ اس نے تشبّہ کیا۔

☆ حضرت حذیفۃ ابن الیمان رضی اللہ عنہ کو ایک ولیمہ میں بلایا گیا، آپ رضی اللہ عنہ نے جا کر دیکھا کہ اس تقریب میں کچھ عجمی رسم ادا کی گئی ہیں تو واپس ہو گئے، اور فرمایا: "من تشبه بقوم فهو منهم " (۳)

☆ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر دو کپڑے کسم کے رنگے ہوئے دیکھے فرمایا: یہ کفار کے کپڑوں میں سے ہیں، ان کو مت پہنو "إن هذه من ثياب الكفار فلا تلبسها " (۴)

☆ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹوپیوں کے اوپر

---

(۱) مسلم: باب حجة النبي صلى الله عليه وسلم، حديث: ۱۲۱۸، ابن ماجة: باب حجة رسول الله، حديث: ۳۰۷٤

(۲) ابوداؤد: باب في لبس الشهرة، حديث: ٤٠٣١، امیر عز الدین فرماتے ہیں کہ: اس کی ابوداؤد نے تخریج کی ہے اور اس کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

(۳) المنهج القويم في اختصار اقتضاء الصراط المستقيم: فصل الكلام على اجماع العلماء ۵۹/۱، دار عالم الفوائد، مكة المكرمة

(۴) مسلم: باب النهي عن لبس الرجل الثوب المعصفر، حديث: ۲۰۷۷

عماموں کا ہونا فرق ہے، ہمارے اور مشرکین کے درمیان "إن فرق ما بيننا وبين المشركين العمائم على القلانس" (۱) یعنی ہم عمامہ ٹوپیوں کے اوپر باندھتے ہیں اور مشرکین صرف عمامہ باندھتے ہیں۔

☆ حضرت ابو ریحانہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دس چیزوں سے منع فرمایا (ان میں یہ بھی ہے، یعنی) اس سے بھی کہ کوئی شخص اپنے کپڑوں کے نیچے حریر ریشم لگائے مثل عجمیوں کے یا اپنے شانوں پر حریر لگاوے مثل عجمیوں کے "ويجعل علىٰ منكبيه حريرا مثل الأعاجم" (۲)

☆ حضرت حجاج بن حسان ؒ سے روایت ہے کہ ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گئے حجاج اس وقت بچے تھے اور تمہارے (سر پر) بالوں کے دو چٹلے یا گچھے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے تمہارے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا کی اور فرمایا: ان کو منڈوا دو یا کاٹ دو، کیوں کہ یہ وضع یہود کی ہے، "احلقوا هذين و قصوهما فإن هذا زى اليهود" (۳)

☆ حضرت عامر بن سعد رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: صاف رکھو اپنے مکانوں کے سامنے کے میدانوں کو اور یہود کے مشابہ مت بنو "فنظفوا أراه قال أفنيتكم ولا تشبهوا باليهود" (وہ میلے کچیلے ہوتے تھے۔(۴))

☆ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: (جاہل) دیہاتی لوگ مغرب کی نماز کے نام میں غالب نہ آجائیں اور (یہ) دیہاتی اس کو عشاء کہتے تھے (یعنی تم اس کو عشاء مت کہو مغرب کہو) اور یہ بھی فرمایا کہ (جاہل) دیہاتی لوگ عشاء کی نماز کے نام میں تم پر غالب نہ آجائیں؛ کیوں کہ وہ کتاب اللہ میں عشاء ہے (اور وہ اس کو عتمہ کہتے تھے)

(۱) ترمذی: باب العمائم على القلانس، حدیث: ۱۷۸٤، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔
(۲) ابوداؤد: اللباس، من كرهه، حدیث: ٤٠٤٩
(۳) ابوداؤد: الترجل، باب ما جاء في الرخصة، حدیث: ٤١٩٧، البانی نے اس کو ضعیف الاسناد کہا ہے۔
(۴) ترمذی: باب ما جاء في النظافة، حدیث: ۲۷۹۹، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے خالد بن ایاس ضعیف ہیں۔

اس لئے کہ عتمہ (یعنی اندھیرے) میں اونٹوں کا دودھ دوہا جاتا تھا "لا تغلبنكم الأعراب علٰى اسم صلاتكم إلا إنها العشاء وهم يعتمون بالإبل" اس سے معلوم ہوا کہ بول چال میں بھی غیروں اور دین سے ناواقف لوگوں کی مشابہت اختیار نہ کرنا چاہئے۔(۱)

☆ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن کو عرب کے لہجے میں اور بلند آواز میں پڑھو (یعنی صحیح اور بلاتکلف) اور اپنے کو اہل عشق کے لہجہ سے اور دونوں اہل کتاب یعنی یہود و نصاری کے لہجہ سے بچاؤ۔(۲)

جب گھر سے باہر کے میدانوں کو میلا رکھنا یہود کی مشابہت کے سبب ناجائز ہے تو خود اپنے بدن کے لباس میں مشابہت کیسے جائز ہوگی۔

☆ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ گدی کے بال منڈوانا کیسا ہے؟ فرمایا کہ یہ تو مجوسیوں کا فعل ہے، "وكره حلق القفا وقال: هو من فعل المجوس، من تشبه بقوم فهو منهم" (۳)

☆ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے معمولی چیزوں میں بھی تشبہ بالاغیار سے بچانے کے احکام نہایت قوت سے صادر کئے تھے، چنانچہ انہوں نے ایک طویل فرمان آذربائجان کی عرب رعایا کے نام بھیجا تھا، جس کے چند جملے پیشِ خدمت ہیں، جس میں قومی خصائص کے باقی رکھنے پر کس قدر شدت سے ابھارا گیا ہے،" فاتزروا واتدوا وانتعلوا ودعوا الخفاف وانفوا السراويلات ،عليكم بلباس أبيكم ،واياكم التنعم وزى العجم ، وعليكم بالشمس فانها حمام العرب ،وتمعدوا واخشو شنوا واخلولقوا واقطعوا الركب وارموا الأغراض وانزوا (۴)

---

(۱) مسلم: باب وقت العشاء وتاخيرها ، حديث: ٦٤٤

(۲) شعب الايمان ، حديث: ٢٦٤٩

(۳) اقتضاء الصراط المستقيم: فصل فى ذكر اجماع الصحابة: ٣٧/٦،دار عالم الكتب بيروت

(۴) كنز العمال: الحرير،حديث: ٤١٨٧٠

بعد الحمد والصلوۃ: اے لوگو! اِزاراور چادر استعمال کرو، چپل پہنو، خفاف ترک کرو پاجاموں کے (پابندمت بنو) اپنے جدِاعلی اسماعیل علیہ السلام ہی کا لباس اپنے لئے ضروری سمجھو اور خبر دار تنعم اور عجمیوں کی ہیئت ومشابہت اختیار نہ کرو، حمام کی ضرورت ہو تو دھوپ کو کافی سمجھو، یہی عرب کا حمام ہے، طفلانہ شوخی اختیار نہ کرو، کھردُرا کپڑا پہنو، پھٹے پرانے سے پرہیز نہ کرو، سواری کرتے رہو، نشانہ بازی کو شعار بناؤ، کود، پھاند اور بھاگ دوڑ کو جاری رکھو۔

لباس میں، معاشرت میں اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں اس پچھلی روش پر پختہ رہنے کی ہدایت دینے کی سے غرض وہی قومی امتیاز قائم کرنا اور تشبہ والتباس کا مٹانا ہے۔

خلافتِ فاروقی میں جب عجمی ممالک میں فتوحات کا دائرہ بڑھا اور عجمیوں کا اختلاط بڑھنے لگا تو بہت زیادہ اس تحفظِ حدود کا اہتمام کیا گیا، کیونکہ بہت عربوں کا اپنی خالص اور سادہ عربیت کو چھوڑ کر عجمیوں کی نظر پر فریب معاشرت کے شکار ہونے کا اندیشہ تھا۔

وہیں ادھر غیر مسلم عجمیوں کو بحالتِ کفر مسلمانوں کے لباس وہیئت کو اختیار کرنے سے منع کیا گیا؛ تاکہ ہر ایک اپنی خصوصیات میں نمایاں رہیں۔

چنانچہ عہدِ فاروقی میں تمام قلمرو خلافت میں یہ اعلان کروایا اور عملاً نافذ کیا گیا کہ، ذمیوں سے بطورِ شرائط یہ عہد لیا گیا: ”ان نوقر المسلمين ونقوم من مجالسنا ان ارادو الجلوس ولا نتشبه بهم في شيء من ملابسهم قلنسوة أو عمامة أو نعلين أو فرق شعر، ولا نتكلم بكلامهم ولا نتكنى بكناهم ولا نركب السروج ولا ننقلد السيوف ولا نتخذ شيئا من السلاح ولا نحلى ولا ننقش خواتيمنا بالعربية ولا نبيع الخمور وان نجز مقادم رؤوسنا وان نلزم زيّنا حيثما كنا وان لا نظهر الصليب على كنائسنا ولا نظهر صليبًا ولا كتبا في شيء من طرق المسلمين ولا أسواقهم ولا نضرب بنوا قيسنا في كنائسنا الا ضربًا خفيفًا ولا نرفع أصواتنا مع موتانا ولا نظهر النيران معهم في شيء من طرق المسلمين (وفي رواية) ولا نرفع أصواتنا

فی الصلوۃ ولا القراء ۃ فی کنائسنا فیما یحضرہ المسلمون ولا نخرج باعوثا ولا شعانیا وان لا نجاورھم بالجنائز "(۱)

ہم مسلمانوں کی توقیر کریں گے، ہم اپنی مجلسوں سے کھڑے ہوجائیں گے، اگر وہ بیٹھنے کا ارادہ کریں گے، ہم ان کے ساتھ کسی بات میں مشابہت وتشبہ لباس میں نہ کریں گے، ٹوپی ہو یا عمامہ، جوتے ہوں یا سر کی مانگ، ہم ان کا سا کلام نہ کریں گے، ہم ان کی کنیتیں نہ رکھیں گے، ہم زین پر گھوڑے کی سواری نہ کرائیں گے، تلوار نہ لٹکائیں گے، کوئی ہتھیار نہ رکھیں گے، ہم اپنی مہروں کے نقش عربی میں کندہ نہ کرائیں گے، شراب کا بیوپار نہ کریں گے، ہم طرہ (سر کے اگلے حصے کے وہ بال ہیں جو بطور فخر وتزئین کے رکھے جاتے ہیں) کٹوادیں گے (جیسا کہ آج بھی انگریزی بالوں کے نام سے یہ طرہ مشہور ہے) ہم جہاں بھی رہیں اپنی ہی وضع میں رہیں گے، ہم اپنی کمروں پر زنار نہ باندھیں گے، گرجوں پر صلیب کو ظاہر نہ کریں گے، مسلمانوں کے راستوں اور بازاروں میں اپنی کتابوں اور صلیب کو ظاہر نہ کریں گے، ہم اپنے گرجوں میں ناقوس نہایت ہلکی آواز میں بجائیں گے، مسلمانوں کی سڑکوں میں ہم اپنے مردوں کے ساتھ آگ نہ جائیں گے (یہ مجوس کے متعلق ہے کیونکہ وہ آگ کے پجاری ہیں)۔

(پھر حرب کی روایت میں ہے کہ) ہم اپنی نمازیں بلند آواز سے نہ پڑھیں گے، اگر مسلمان کہیں قریب ہوں تو گرجوں میں قرات بھی زور سے نہ پڑھیں گے اور نہ ہم دعاءِ استسقاء کیلئے ہجوم لے جائیں گے، اور نہ اتوار کی عید اور اس کا جشن منائیں گے، ہم مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن بھی نہ کریں گے۔

پس تشبہ کی ممانعت جس طرح ایک سچے مذہب کے بقاء وتحفظ کا ضامن ہے، اسی طرح اس کی عزت وشوکت اور خودداری قائم رکھنے کا بھی کفیل ہے۔

اس مشابہت اور تشبہ پر قدغن لگانے اور غیر اقوام سے ظاہری امتیاز قائم کرنے کیلئے فرمایا:

---

(۱) اقتضاء الصراط المستقیم : فصل فی ذکر اجماع الصحابۃ ، حدیث : ۲۵/۶، دار عالم الکتب ، بیروت ، لبنان

"خالفوا المشركين حفاو الشوارب واعفوا اللحى (وفي رواية) جزوا الشوارب ارخوا اللحى" مشرکین کے خلاف کرو، مونچھیں پست کرواور ڈاڑھیاں بڑھاؤ، (اور ایک روایت میں ہے) مونچھیں کتر دو، اور ڈاڑھیاں لٹکاؤ۔(۱)

پھر جو اقوام ڈاڑھیاں رکھتے ہیں، ان کے یہاں داڑھی کے حوالہ سے کوئی حد بندی نہیں تھی، ان قوموں کی مخالفت کیلئے زائد از یکمشت ڈاڑھی کو لینے کا حکم دیا، حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاصؓ فرماتے ہیں کہ " كان رسول الله ياخذ من لحيته من عرضها وطولها "رسول اللہ اپنی ریش مبارک کو طول سے لیتے تھے اور عرض سے بھی۔(۲)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے گدی کے بال منڈوانے کی یہ کہہ کر ممانعت کردی تھی کہ یہ مجوس کا فعل ہے " قال المزورى: سألت أبا عبد الله يعني احمد بن حنبل عن حلق القفا فقال: هو من فعل مجوس ومن تشبه بقوم فهو منهم"(۳)

امام مزوری نے فرمایا کہ: میں نے ابوعبداللہ یعنی حضرت امام احمد بن حنبل سے حلق قفا (گدی) کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا: یہ مجوسیوں کا کام ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہیں میں سے ہوجاتا ہے (اس لئے مسلمانوں کو صرف سامنے کے بال بڑے رکھنے سے انگریزوں سے مشابہت کی وجہ سے منع کیا گیا)۔

بعض حکماء کا قول ہے کہ : "من رقّ ثوبه رقّ دينه "جس شخص کے کپڑے باریک ہوتے ہیں اس کا دین بھی ضعیف اور کمزور ہوتا ہے۔(۴)

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک آذربائیجان جانے والے فرمان میں تلقین فرمائی "عليكم بلباس أبيكم اسماعيل وايّاكم والتنعم وتمعدوا واخشوشنوا

---

(۱) بخاری: باب تقليم الأظفار، حديث: ۵۵۵۳

(۲) ترمذی: الأخذ من اللحية، حديث: ۲۷۶۲، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔

(۳) اقتضاء الصراط المستقيم: فصل في ذكر الأدلة، ۱۱۳/۴

(۴) فيض القدير: حرف السين: ۱۲۹/۴، المكتبة التجارية، مصر

واخلولقوا" (۱) اپنے باپ اسماعیل علیہ السلام کے لباس کو لازم پکڑو، اور تنعم سے بچو اور موٹے وسخت پرانے کپڑے پہنا کرو۔

۲۔ استخفافِ اوضاعِ شریعت (شریعت کی وضع وقطع کی حقارت)

شریعت نے اصولی طور پر لباس میں سادگی اور بذاذت کو پسند کیا ہے، اور ان میں روحانی منافع کو ملحوظ رکھا ہے، تشبہ بالغیر سے اس اسلامی لباس کی حقارت اور استخفاف اور استہزاء (مذاق) لازم آتا ہے، چنانچہ انگریزی معاشرت کے دلدادہ حضرات کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اسلامی ثقافت وتہذیب اور سادگی پسندی خواہ وہ لباس میں ہو یا معاشرت میں وقعت واحترام کی نگاہ سے نہیں دیکھتے؛ بلکہ حقارت اور نچلی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اسلام کی توہین یہ منافقین کا شعار ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "من سرّه أن يجد حلاوة الايمان فليلبس الصوف تذللا لربه عزوجل" (۲) جسے یہ پسند ہو کہ وہ ایمان کی حلاوت محسوس کرے اسے چاہئے کہ اپنے خدا کے سامنے تواضع ومسکنت اختیار کرنے کیلئے صوف کا استعمال کرے۔

اور فرمایا: "الا تستمعون الا تستمعون أنّ البذاذة من الايمان، أنّ البذاذة من الايمان" (۳) کیا تم سنتے نہیں ہو؟ کیا تم سنتے نہیں ہو کہ پراگندہ حالی (پھٹے حال رہنا) ایمان کی علامت ہے۔

اور فرمایا: "انما يلبس الحرير فی الدنيا من لا خلاق له فی الاخرة" (۴) دنیا میں ریشم وہ پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

اس کے علاوہ جو نہایت نرم وملائم، زرق وبرق لباس پہنتے ہیں ان میں تکبر، فخر اپنی برتری وبڑائی کا حصہ جلد سرایت کر جاتا ہے، جس سے ایک مسلمان کا بری ہونا ضروری ہے، اس لئے

---

(۱) کنز العمال: الحرير: حديث: ٤١٨٧٠

(۲) کنز العمال: الباب الأول فی الترغيب فيها، حديث: ٤١١١

(۳) ابوداؤد: كتاب الترجل، حديث: ٤١٦١

(۴) نسائی: التشديد فی لبس الحرير، حديث: ٥٣٠٧، بخاری: باب تجمل للوفود، حديث: ٥٧٣١

فرمایا کہ: ”یاابا ذر! البس الخشن الضیق حتی لا یجد الغرو الفخر مساغا“(۱) اے ابوذر! موٹا اور تنگ کپڑا پہنا کرو، تاکہ تمہارے اندر فخر اور تکبر راستہ نہ پائے۔

اسی طرح لباس اور رہن سہن میں ٹھاٹ باٹ یا عیش کوشی اور راحت طلبی بغیر مال کی زیادتی اور افراط کے ممکن نہیں، اس طرح ایک راحت طلب شخص کے دل میں اموال جمع کرنے کا داعیہ پیدا ہوگا، جس سے بخل کا دروازہ کھلے گا اور ایثار و ہمدردی کے جذبات سست پڑ جائیں گے، پھر قناعت کا جذبہ بھی ختم ہوگا، پھر یہ جمع اموال کا جذبہ دھوکہ دہی، خیانت، لوٹ کھسوٹ، چوری چکاری پر آمادہ کرے گا۔

۳- میلان باغیار (غیروں کی جانب میلان ورجحان)

پھر غیروں سے مشابہت اختیار کرنے کا جذبہ ان کی طرف میلان اور رغبت کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا، اور یہ میلان خود ایک ممنوع شرعی ہے ”وَلَاتَرْکَنُوْا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ“ (۲) جن لوگوں نے ظلم کیا ان کی طرف میلان نہ رکھو ورنہ تم کو جہنم کی آگ چھولے گی۔

اللہ عزوجل نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرکے فرمایا: ”ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَۃٍ مِنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْھَا وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَاءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ“ (۳) پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کردیا، سو آپ اسی طریقہ پر چلتے رہئے اور ان جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلئے۔

اور فرمایا کہ: ”وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَاءَ ھُمْ بَعْدَ مَا جَاءَ کَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ“ (۴) اور اگر آپ ان کے نفسانی خیالات کا اتباع کرنے لگیں گے بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم پہنچ چکا تو اللہ کے مقابلے نہ کوئی آپ کا مددگار اور نہ کوئی بچانے والا ہوگا۔

(۱) کنز العمال: الاکمال من البذاذۃ، حدیث: ۵۶۲۳
(۲) الھود: ۱۱۳
(۳) الجاثیۃ: ۱۸
(۴) البقرۃ: ۱۲۰

۴۔ الغاء تعاملِ سلف: (سلف کے لباس کے متعلق معمول کو لغو سمجھنا)

اسی طرح سلف صالحین نے ہر زمانے میں تشبہ کی ممانعت پر زور دیا ہے، اور لباس کو خصوصیت کے ساتھ تشبہ سے بچانے کی کوشش کی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وفاء (باندی کے) بدن سے آزاد عورتوں والا لباس اتروانا اور ڈانٹ کر کہنا کہ "تشبهين بالحرائر" (۱) کیا تم آزاد عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا چاہتی ہو، (ان کی طرح چہرہ چھپانا چاہتی ہو، جبکہ تم باندی ہو، آزاد عورت کا مقام تمہیں حاصل نہیں)۔

☆ ابن ملیکہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ سے کہا گیا کہ: ایک عورت (مردانہ نعل) جوتا پہنتی ہے، "إن امرأة تلبس النعل" انہوں نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے مردانی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔ (۲)

ایک شخص روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ام سعد دختر ابوجہل کو دیکھا کہ ایک کمان لٹکائے ہوئے تھی، اور مردوں کی چال چل رہی تھی، عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: یہ کون ہے؟ میں نے کہا: یہ ام سعد دختر ابوجہل ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے فرماتے تھے: ایسا شخص ہم سے الگ ہے جو عورت ہو کر مردوں کی مشابہت کرے یا مرد ہو کر عورتوں کی مشابہت کرے۔ (۳)

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں عربی کمان تھی، آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے ہاتھ میں فارس کی کمان تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو پھینک دو اور (عربی کمان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ) اس کو لو اور جو اس کے مشابہ ہے "وعليكم بهذه وأشباهها" (۴)

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبة : فی الامة تصلی بغیر خمار، حدیث: ۶۲۳۹

(۲) ابوداؤد: باب لباس النساء، حدیث: ۴۰۹۹، البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۳) شعب الإيمان، حدیث: ۲۶۴۹، ۲۶۵۰

(۴) ابن ماجة: باب السلاح حدیث: ۲۸۱۰، بوصیری کہتے ہیں کہ: اس کی سند میں عبداللہ بن بشر الحبانی ہیں جن کو یحیٰ القطان وغیرہ نے ضعیف کہا ہے، اور ان کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ برتنے کی چیزوں میں بھی غیر قوم سے مشابہت سے بچنا چاہئے۔
پھر عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا نصاری بنی تغلب کے وفد کے عربی لباس کو اُتروا دینا۔
" دخل ناس من بني تغلب على عمر بن عبد العزيز وعليهم العمائم كهيئة العرب فقالوا يا أمير المؤمنين! الحقنا بالعرب قال: فمن أنتم؟ قالوا نحن بنو تغلب، قال: أولستم من اواسط العرب؟ قالوا: نحن نصارىٰ. قال علي بمقص فأخذ من نواصيهم والقى العمائم وشق ردأ كل واحد شبرًا يحترم به وقال لا تركبو السرج واركبوا على الأكف ودلوا أرجلكم من شق واحد " (۱)
بنی تغلب کے کچھ لوگ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس حاضر ہوئے جو عربوں کے مانند عمامے باندھے ہوئے تھے، انہوں نے عرض کیا کہ: امیر المؤمنین! ہم کو عربوں ہی میں شمار کر لیجئے (یعنی عرب کے حقوق دیجئے) فرمایا کہ: تم کون لوگ ہو؟ عرض کیا: ہم بنی تغلب ہیں، فرمایا کہ: تم عربوں میں سے نہیں ہو؟ (یعنی ظاہری لباس وغیرہ تو تمہارا تم کو عرب بتا رہا ہے) عرض کیا کہ نہیں، ہم تو نصاریٰ ہیں، فرمایا کہ: میری قینچی لائی جائے، سو اسی وقت ان کی پیشانیوں کا طرہ کاٹ ڈالا، ان کے عمامے گرا دیئے، اور ہر ایک کی چادر میں بالشت بھر چوڑی پٹی اتار دی تا کہ ان کی کمروں میں پٹکے کی طرح باندھ دی جائے، جو نصاریٰ کا خاص امتیازی شعار ہوتا ہے اور عربوں سے ان کو متمیز کیا، پھر فرمایا کہ: زینوں پر مت سوار ہو، بلکہ پالانوں پر سوار ہو کر اپنے دونوں پیر ایک طرف لٹکا دو۔
امام ابوداؤدؒ کے ایک استاذ نے امیر وقت کو رقیق پارچوں میں ملبوس دیکھ کر کہا تھا " أميرنا يلبس ثياب الفساق " ہمارے امیر فساق کے کپڑے پہنتے ہیں۔ (۲)
حضرت صفیہ بنت ابی عبید فرماتی ہیں کہ: ایک عورت نکلی جس پر خمار بھی تھی اور جلباب

(۱) اقتضاء الصراط المستقيم: فصل في ذكر اجماع الصحابة: ٦/٦، دار عالم الكتب، بیروت
(۲) سنن الترمذي: حديث: ٢٢٢٤، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(برقعہ) بھی تھا، فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ: یہ کون ہے؟ کہا گیا کہ: یہ باندی ہے اوران ہی کے گھرانے کی ہے، فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اپنی زوجۂ محترمہ کو پیغام بھیجا "ما حملك ان تخمري هذه الأمة وتجليبها وتشبيهها بالمحصنات حتى هممت ان اقع بها لا احسبها الا من المحصنات" (۱)

تمہیں کس نے کہا تھا کہ: اس باندی کو اوڑھنی اڑھاؤ، اور برقع پہناؤ اور آزاد خواتین کے ساتھ مشابہ بنادو، میرا ارادہ ہوا کہ میں باندی کو سزا دوں، میں تو اسے آزاد ہی سمجھ رہا تھا۔

اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ: اس کے ستر ہزار یہود طیلسان پہنے ہوئے ہوں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک مسلم جماعت کو دیکھا کہ وہ طیلسان پہنے ہوئے ہے تو کراہت سے فرمایا: "ما شبههم بيهود خيبر" (۲) تعجب ہے کہ یہ لوگ خیبر کے یہود سے کس قدر مشابہ ہیں۔

امام ابو یوسفؒ نے اپنے زمانۂ قضا وحکمرانی میں علماء وفقہاء کیلئے الگ الگ ممتاز لباس تجویز کیا تھا؛ تا کہ فقیہ وغیر فقیہ نمایاں رہیں۔

اس طرح اسلاف کا تعامل اس حوالے سے یہ رہا ہے کہ انہوں نے غیروں سے مشابہت کو ممنوع اور ان کی مخالفت کو ضروری سمجھا ہے۔

۵۔ شہادتِ سیئہ: (مسلمانوں کی حق میں گواہی)

ایک مسلمان کو کافرانہ صورت میں دیکھ کر عام گمان یہی ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی اسلامی فرد نہیں یا اگر ہے تو اس کے دل میں مسلمانوں کی وضع قطع کی کوئی عظمت نہیں جو نفاق کی دلیل ہے، پس مسلمانوں کا کسی کے حق میں کافر یا منافق ہونے کا گمان رکھنا یا اس کے غیر مسلم اور اس کے منافق ہونے کی شہادت دینا کیا یہ اللہ کے یہاں کوئی اثر نہیں رکھتا، فهم شهداء الله في الأرض۔

---

(۱) السنن الكبرى: باب عورة الأمة، حديث: ۳۰۳۷

(۲) زاد المعاد: فصل في ذكر سراويله ونعله: ۱/۱۳۴، مؤسسة الرسالة، بيروت

۶- اجراءِ احکام کفار (اس پر کفار کے سے احکام مرتب ہونا)

پھر ان تمام امور سے قطع نظر جب یہ غیروں کی مشابہت اختیار کرنے والا غیر مسلم تصور کیا جائے گا تو یہ ممکن ہے کہ موت کے وقت جب کہ وہ کسی جگہ فوت ہو، احکام دنیا میں کوئی اسلامی ضابطہ اس پر جاری نہ ہو سکے گا، اس کی نمازِ جنازہ اور اس کے مسلمانوں کے مقبرے میں تدفین کا مسئلہ گمبھیر ہو جائے گا، پھر اس کی تجہیز و تکفین بھی کس طریقہ پر ہو؟ یہ امر بھی پیچیدہ ہو جائیگا اور یہ ایک مسلمان کیلئے بڑی محرومی ہے کہ اس کی موت پر احکامِ اسلام کا اجراء نہ ہو اور وہ لاوارث کفار کے طریق پر دفن کیا جائے۔

☆ بعض لوگ غیروں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: غیروں سے تشبہ اختیار کرنے سے کیا کفر لازم آتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کیا شریعت نے انہیں چیزوں کو منع کیا جو کفر کا باعث ہوتے ہیں، یا کفر کے علاوہ اس کے یہاں ممانعت کا کچھ کم درجہ اور بھی ہے، مثلاً کبیرہ گناہ جیسے شراب خوری، جوابازی، زنا کاری، لغو گوئی، بہتان بندی، چغل خوری، غیبت شعاری، تفرقہ بازی، فتنہ پروری ان ساری چیزوں کو بھی شریعت نے منع کیا ہے، ان کے ارتکاب سے انسان کافر نہیں ہو جاتا، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا ارتکاب کیا جائے؟ ایسے ہی غیروں سے مشابہت سے کفر تو لازم نہیں آتا؛ لیکن اس مشابہت سے اسلام میں اور ایمان میں فرق ضرور پڑتا ہے، جیسے ان مذکورہ بالا گناہوں کے ارتکاب سے ایمان اور اسلام میں فرق کا واقع ہونا مسلّم ہے۔

☆ پھر تشبہ کی ممانعت پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انسان کے ظاہری اطوار و عادات، رہن سہن، لباس، تراش خراش کا اس کے باطن پر کوئی اثر نہیں ہوتا، ایمان تو قلبی اور دلی کیفیات کا نام ہے، ایک مسلمان سر سے پیر تک صورت اور ہیئت کے اعتبار سے نصرانی بن جائے تو کیا اس کے اعترافِ توحید و رسالت میں کوئی فرق آ سکتا ہے؟

اگر یہ بات تسلیم بھی کرلیں کہ ظاہری تبدیلی و تغیر سے اسلام کی روح متاثر نہیں ہوتی،

غیر اقوام سے تشبہ کی وجہ سے ایمان فنا نہیں ہوتا...... لیکن کسی بھی چیز کی حقیقت اور کسی بھی چیز کی روح کے برقرار رہتے ہوئے اس کی ظاہری ہیئت بگڑ جائے تو اس کی صورت کا بگڑنا کیا کچھ کم عیب شمار ہوتا ہے۔ایک لنگڑا، لنجا، اندھا، مقطوع الاطراف اور دنیا بھر کا عیبی انسان بھی باوجود عیوب سے پر اور عاجز و بیکار ہونے کے انسان پکارا جاتا ہے، اور زندہ بھی رہتا ہے، لیکن کیا کوئی اس کیلئے یہ زندگی پسند کر سکتا ہے، یا خود اپنے لئے ایسی زندگی پر قناعت کیا جا سکتا ہے؟ لیکن اسلام کی صرف باطن کی درستگی اور ظاہر کے عیوب کے ساتھ اس کو کیوں کر قبول کیا جاتا ہے؟

ظاہر و باطن یا اسلام و ایمان ایک ہی حقیقت کے دو رُخ ہیں، جن میں سے کسی ایک پر اکتفا نہیں کیا جا سکتا، اور نہ ایک کے بغیر دوسرا باقی و برقرار رہ سکتا ہے، اس لئے ابن شاہین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کیا ہے کہ:الایمان والاسلام قرینان لا یصلح أحد منهما الا مع صاحبه (۱) ایمان اور اسلام دو ساتھی ہیں، جن میں کوئی ایک دوسرے کے بغیر باقی نہیں رہ سکتا۔

یہ تو یہودیت کا شیوہ ہوا، ایمان بالبعض، کفر بالبعض، جس ایمان کو بھی قرآن نے کفر کہا ہے "وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ اَنْ يَّتَّخِذُوا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا، اُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا" (۲) وہ کہتے ہیں کہ ہم بعض باتوں کو مانتے ہیں اور بعض کے منکر ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ایمان و کفر کے درمیان ایک راستہ (نیا) بنائیں، وہ بلاشبہ کافر ہیں۔

☆ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ظاہر کا اثر باطن پر ضرور ہوتا ہے، مثال کے طور پر نباتات ہی کو لے لو، پھولوں کی معنویت (خوشبو) ان کے عرق اور نازک پتیوں میں مقید ہے، اگر گلاب و یاسمین کی ان سرخ و سپید پنکھڑیوں کو مسل دو تو یقیناً ان کی خوشبو بھی ختم ہو گی، حالانکہ یہ قطع و برید کا عمل براہِ راست خوشبو پر نہیں واقع ہوا؟ بلکہ ظاہری پتیوں پر ہوا ہے۔

---

(۱) کنز العمال : الفصل الثانی فی المجاز والشعب ،حدیث: ٦٠

(۲) النساء: ١٥٠

خود انسان ہی کو دیکھ لیا جائے اس کی نگاہ کی لطیف طاقت آنکھ کے پردہ میں اور سماعت پردۂ گوش میں ہے، گر آنکھ اور کان کے ظاہر کو توڑ پھوڑ دیا جائے تو کیا یہ باطنی قوتیں بصارت اور سماعت باقی رہ سکتے ہیں، اگر جسم پاش پاش کر دیا جائے تو اس کا اثر روح پر نہیں ہوتا ہے؟ ان کا ان کے باطن پر ضرور اثر ہوگا۔

ظاہری الفاظ کا بھی ایک معنوی اثر ہوتا ہے، اگر کسی کو گالی دے دی جائے تو محض اس ایک لفظ کے بدولت جو ممکن ہے کہ غلطی ہی سے کہا گیا ہو، مخاطب کا خونِ جوش کھولنے لگتا ہے اور اس کے نفس میں ایک زبردست انقلاب اور ہیجان برپا ہوتا ہے۔

جراحات السنان لها التيام ولا يلتام ما جرح اللسان

اور کسی جوش میں بھرے ہوئے انسان کے کانوں میں چند نرم اور مہذب، خلیقانہ، متواضعانہ الفاظ کہہ دیئے جائیں تو اس کا جوش اور اس کا غیظ وغضب بالکل سرد پڑ جاتا ہے، یہ الفاظ کے ظاہر کا باطنی اثر ہے۔

اگر غسل کے ذریعہ بدن کو صاف ستھرا رکھا جائے تو روح بشاشت کے آثار قبول کرتی ہے، اور اگر مکدر اور پراگندہ رکھا جائے تو روح میں بھی یہی گندگی سرایت کرے گی، اگر میلے کچیلے کپڑے ہوں تو روح میں انقباض اور اضمحلال ہوگا، اگر کپڑوں پر عطریات کا چھڑکاؤ کیا جائے تو روح مسرت، شادمانی کے جذبات سے سرشار ہوگی۔

ایسے ہی ظاہری مشابہت کا اثر روح پر ضرور پڑے گا اور اس مشابہت کی وجہ سے آہستہ آہستہ دل ان کے تمام اعمال وافعال کے اپنانے کو چاہے گا اور ان کے رہن سہن اور طور وطریق کی عقیدت دل میں گھر جائے گی اور اسلام اور شریعت سے ایک قسم کی بغاوت کا ذہن بننا شروع ہو جائے گا، ظاہر کا اثر باطن پر ہوتا ہے اس کی شرعی مثالیں پیش خدمت ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ: "استووا ولا تختلفوا فتختلف قلوبکم" صفوفِ صلوۃ میں سیدھے رہو تو تمہارے قلوب سیدھے رہیں گے، آگے پیچھے مت رہو، ورنہ قلوب بھی اس طرح متفرق ہو جائیں گے۔(۱)

(۱) مسلم: باب تسوية الصفوف، حديث: ۱۰۰۰

اور قرآن ان کے ظاہری اعمال اور ارتکابِ گناہ کا باطنی اثر یہ بتلایا کہ ان کے قلوب حق کے قبول کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوگئے: " كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ "(۱) ہرگز نہیں، بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمالِ بد کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے جب ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو اذان کے الفاظ دوہرانے اور نقل اتارنے کو کہا ،اوران سے زبان سے کلماتِ توحید ورسالت کے الفاظ ادا کروائے تو ان ظاہری الفاظ کا اثر یہ ہوا کہ وہ مسلمان ہوگئے۔

اسی لئے حدیث کے الفاظ ہیں: " اسلم ولو كنت كارهًا " اسلام لے آؤ، اگر ابتداء اس سے کراہت بھی ہو۔(۲)

اسی طرح حدیث میں خشوع وخضوع پیدا کرنے کی ایک ترکیب یہ بتلائی گئی ہے کہ " فان لم تبكوا فتباكوا " (۳) اگر تم رونہ سکو تو رونے کی صورت ہی بنالو (یعنی بہ تکلف رونے کی صورت بنا لینے سے گریہ کی حقیقت دل میں پیدا ہوجائے گی۔

☆ سلام کرنے میں غیروں کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے کہ غیروں کی طرح صرف ہاتھ کے اشارے سے سلام نہ کیا جائے؛ حضور ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے، اور اس طرح سلام کرنے کو بعض تابعین (عطاء ابن ابی رباح) وغیرہ نے مکروہ کہا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، علامہ ابن بازؒ وغیرہ نے صرف سلام کے الفاظ کے بغیر ہاتھ کے اشارے سے سلام کو حرام کہا ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد حضرت شعیب سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص غیروں کے ساتھ مشابہت کرے گا یعنی ہماری امت کے لوگوں کے برعکس دوسرے مذاہب کے لوگوں کے طریقہ پر عمل کرے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے، تم نہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت کرو، اور نہ عیسائیوں کے ساتھ،

---

(۱) المطففين : ١٤

(۲) مسند ابی یعلی: حميد الطويل عن انس بن مالك، حديث: ٣٨٧٩، محقق حسین سلیم اسد نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

(۳) سنن ابن ماجة : باب الحزن والبكاء ، حديث: ٤١٩٦

یہودیوں کا سلام کرنا انگلیوں کے ذریعہ اشارہ کرنے اور عیسائیوں کا سلام کرنا ہتھیلیوں کے ذریعہ اشارہ کرنے کی صورت میں ہوتا ہے " فإن تسليم اليهود الاشارة بالأصابع، وتسليم النصارى الإشارة بالأكف "(۱)

یہاں پر غیروں کے ساتھ مشابہت سے بچانے کیلئے خصوصاً ان کی طرح ہاتھ سے، سر سے اور اشارہ سے سلام کرنے کو منع کیا گیا ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " لا تسلموا تسليم اليهود ، فإن تسليمهم بالرؤوس والأكف والإشارة "(۲)

نہی کا صیغہ حرمت پر دلالت کرتا ہے ہاں اگر کوئی صارف پایا جائے تو کراہت پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

البتہ ان مواقع پر اشارہ سے سلام کیا جاسکتا ہے :

جیسے نمازی شرعی رکاوٹ کی وجہ سے الفاظ کے ذریعے سلام نہیں کرسکتا اور گونگا طبعی رکاوٹ کی وجہ سے سلام کرنے سے عاجز ہوتا ہے، علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ: وأما من لم يقدر على السلام باللفظ شرعا كالمصلي، أو حسا كالأخرس فيجوز لهما السلام بالإشارة " (۳)

البتہ جو شخص دور ہو یا گونگا ہو تو اس کو اشارے اور تلفظ کے ساتھ سلام کرے، صرف اشارہ پر اکتفا نہ کرے "ولا يقتصر على الإشارة لقدرته على اللفظ " (۴)

البتہ اشارہ اور لفظ دونوں کو جمع کرنا علی الاطلاق جائز ہے، چونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ " مر في المسجد يوما وعصبة من النساء

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء في كراهية إشارة اليد بالسلام، حديث: ۲٦۹٥ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے۔

(۲) شعب الإيمان، فصل في السلام على أهل الذمة، حديث: ۸٥۲۰

(۳) فتح الباري : ۱۱/۱٤۰

(۴) كشف القناع للبهوتي : ۲/۱٥٦

قعود، فألوى بيده بالتسليم" حضور اکرم ﷺ کا گذر ایک روز مسجد کے پاس سے ہوا، عورتوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی، تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کو سلام کیلئے موڑا۔(۱)

یہاں حضور ﷺ نے تلفظ کے ساتھ ہی اشارہ کیا ہوگا، ورنہ ممانعت کے ساتھ یہ فعل کیسے ہوسکتا ہے؟

☆ برتنوں کے استعمال میں بھی غیروں کی مشابہت اختیار نہ کی جائے، اس لئے کھانے پینے میں سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا حرام ہے، اس کے علاوہ دیگر استعمالات میں سونے کا استعمال حرام ہے، چونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے " ولا تشربوا في آنية الذهب والفضة، ولا تأكلوا في صحافها، فإنها لهم في الدنيا ولنا في الآخرة" نہ سونے اور چاندی کے برتن میں پینے کی کوئی چیز پیو اور نہ سونے چاندی کی رکابیوں اور پیالوں میں کھاؤ کیونکہ یہ ساری چیزیں دنیا میں کافروں کیلئے ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں ہیں، یہاں پر برتنوں کے استعمال کو منع کر کے تمام استعمالات کی ممانعت کی گئی ہے اس کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ عموماً استعمال برتنوں میں زیادہ ہوتا ہے، ایک تو اس میں غیروں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے، اور دوسرے سونے کے برتن وغیرہ کے استعمال سے آدمی میں عجب اور تکبر پیدا ہوتا ہے۔

سونے کے علاوہ دیگر برتنوں میں بھی غیروں کے وہ برتن جو ان کے ساتھ خاص ہیں، مثلاً جو برتن اپنی ہیئت اور صورت کے اعتبار سے ان کے معتقدات کے مشابہ ہو یا اس قسم کے برتن شراب وغیرہ پینے کیلئے استعمال کئے جاتے ہوں، ان میں ان کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے، ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ : "إن ذالك إنما ورد تنبيها على تحريم التشبه بهم فيما يعانونه من أمور الدنيا تاكيدا للمنع منه " (۲)

یہ روایت غیروں سے مشابہت کی حرمت کو بتاتی ہے ان کے امور دنیا میں ان سے مشابہت اختیار کرنے کے حوالے سے۔

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء في التسليم على النساء، حديث: ۲۶۹۷
(۲) احكام الإحكام لابن دقيق العيد: ۲۱۵/٤

☆ کفار کے ساتھ مشابہت سے بچنے کیلئے مردوں کیلئے ریشم کے پہننے کو بھی حرام کیا گیا ہے سوائے اس کے کہ گوٹ وغیرہ کی شکل میں بالکل مختصر ہو یا کسی عارضے اور بیماری کی وجہ سے استعمال کیا جائے تو درست ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلی کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے پانی مانگا، ایک مجوسی ان کے پاس پانی لے کر آیا، جب پیالہ ان کے ہاتھوں میں رکھا تو انہوں نے اس کو پھینک دیا اور کہا کہ اگر میں اس کو ایک یا دو مرتبہ منع کر چکا ہوتا تو ایسا نہ کرتا (پیالہ کو نہ پھینکتا) میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ریشم اور دیباج نہ پہنو، اور نہ سونے چاندی کے برتن میں پانی پیو، اور نہ ان کی رکابیوں میں کھاؤ، اس لئے کہ یہ دنیا میں کفار کا سامان ہے اور ہمارے لئے آخرت میں ہے۔

اور ایک روایت میں ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بازار میں ایک جوڑا پایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس جوڑے کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس جوڑے کو خرید لیں تا کہ آپ عید کے دن اور وفود سے ملاقات کے وقت پہن لیا کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو ایسے آدمی کا لباس ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، راوی کہتے ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ نے جتنا چاہا ٹھہرے رہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف دیباج کا ایک جبہ بھیجا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس جبے کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے تو اس لباس کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ لباس اس آدمی کا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں یا جو آدمی یہ لباس پہنتا ہے اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں" إنما هذه لباس من لاخلاق له في الآخرة "(۱)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو خارش یا کسی اور بیماری کی وجہ سے سفر میں ریشمی لباس پہننے کی اجازت عطا فرمادی تھی، " من حكة كانت بهما و وجع كان بهما " (۲)

(۱) مسلم : باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة، حديث: ۲۰۶۸

(۲) مسلم : باب إباحة لبس الحرير ، حديث: ۲۰۷۶

☆ مردوں کیلئے عصفر سے رنگے ہوئے کپڑوں کو بھی کفار سے مشابہت کی وجہ سے پہننے سے منع کیا گیا ہے، چنانچہ عصفر سے رنگے ہوئے کپڑوں کا پہنا مکروہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ خبر دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے عصفر سے رنگے ہوئے کپڑوں کو پہنے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا یہ کافروں کے کپڑے ہیں ان کو نہ پہنو، "إن هذه من ثياب الكفار فلا تلبسها" (۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مجھے عصفر سے رنگے ہوئے دو کپڑوں کو پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا کیا تجھے تیری ماں نے یہ کپڑے پہننے کا حکم دیا ہے؟ میں نے عرض کیا میں اس رنگ کو دھوڈالوں گا آپ ﷺ نے فرمایا (نہیں) بلکہ اسے جلا ڈالو: "بل إحرقهما" (۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قسی کپڑا (ریشم کی ایک قسم) پہننے سے منع فرمایا ہے اور عصفر سے رنگے ہوئے کپڑے پہننے سے بھی "نهى عن لبس القسي، والمعصفر" اور سونے کی انگوٹھی پہننے سے اور رکوع کی حالت میں قرآن مجید پڑھنے سے بھی منع فرمایا ہے۔(۳)

(۱-۳) مسلم : باب النهي عن لبس الرجل الثوب المعصفر ، حديث : ۲۰۷۷

عیدوں اور تہواروں کے اسلامی اصول

تمام ہی اقوام وملل کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ سال کے کچھ دن بطور جشن مسرت کے مناتے ہیں جسے عرف عام میں ''عید'' یا ''تہوار'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ہر قوم کے مزاج ومذاق اور خوشی اور عید کے دن منانے کے حوالے سے طور وطریق جداگانہ ہوسکتے ہیں، لیکن مقصود تمام اقوام کا ''خوشی منانا'' ہوتا ہے۔

یہ انسانی طبیعت اور فطرت کا بھی تقاضا ہے کہ انسان زندگی کی یکسانیت سے اکتا جاتا ہے، وہ کچھ وقت ولمحات اور شب وروز، روزانہ کے معمول سے ہٹ کر ہنس بول کر خوشی اور مسرت کے اظہار کے ساتھ گذارنا چاہتا ہے، انسانی طبیعت اور اس کا یہی جذبہ عیدوں اور تہواروں کو جنم دیتا ہے، پھر یہ تہوار کسی بھی قوم اور ملت کا شعار اور خاص امتیاز بن جاتے ہیں۔

جب آنحضرت ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ نیروز اور مہرجان کے نام سے دو خوشی کے تہوار مناتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ: ہم ان تہواروں میں شرکت کریں، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کے بدلے ان سے بہتر دو دن عطا فرمائے ہیں، ایک عید الفطر کا دن اور دوسرا عید الاضحیٰ کا دن۔

چنانچہ اس حدیث کے بموجب امت مسلمہ کیلئے دو دن سال میں بطور خوشی منانے اور مسرت کے اظہار کیلئے طے کئے گئے ہیں، اس میں چونکہ جہاں انسانی طبیعت اور نفسیات کی تکمیل کا سامان مہیا کیا گیا ہے، وہیں ان دونوں دن کو بطور عید تعین میں بہت سے سبق بھی ہیں۔

☆ کسی بھی تہوار اور عید کے منانے کیلئے عموماً قومیں ایسے دن کا انتخاب کرتی ہیں، جس میں ان کی تاریخ کا کوئی اہم واقعہ پیش آیا ہوتا ہے، کہیں کسی قوم کے بڑے آدمی کی پیدائش کا، یا تخت نشینی کا دن منایا جاتا ہے، کہیں کسی خاص ملک یا شہر کی فتح اور کسی عظیم

تاریخی واقعہ جس کا حاصل سوائے اشخاص خاص کی عزت افزائی کے کچھ نہیں؛ حالانکہ اسلام اشخاص پرستی کا قائل نہیں ہے، اس نے تمام رسوم جاہلیت کو چھوڑ کر اصول اور مقاصد کی یادگاریں قائم کرنے کا اصول بنایا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ کا خطاب دیا گیا اور قرآن کریم میں ان کے مختلف امتحانات اور آزمائشوں میں کامیابی کو سراہا گیا، لیکن نہ ان کی پیدائش یا موت کا دن منایا گیا، نہ ان کے صاحبزادے اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ہاجرہ کی پیدائش وموت یا دوسرے حالات کی کوئی یادگار قائم کی گئی...... ہاں ان اعمال میں سے جو مقاصد دین سے تعلق رکھتے تھے ان کی یادگاروں کو نہ صرف محفوظ ہی رکھا گیا، بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں کے دین ومذہب کا جز اور فرض وواجب قرار دے دیا گیا۔

قربانی، ختنہ، صفا مروہ کے درمیان دوڑنا، منی میں تین جگہ کنکریاں مارنا، یہ سب ان ہی بزرگوں کے ایسے افعال کی یادگار ہیں جو بطورِ عمل کے بعد میں قائم کی گئی ہیں۔

اسی طرح اسلام میں کسی بڑے سے بڑے آدمی کی موت وحیات یا شخصی حالات کا کوئی دن منانے کے بجائے ان کے اعمال کے دن منائے گئے جو کسی خاص عبادت سے متعلق ہیں، جیسے شب برأت، رمضان المبارک، شب قدر، یوم عرفہ، یوم عاشورہ وغیرہ۔

پوری امت مسلمہ کیلئے سالانہ عید کے طور پر ان میں اسلام کے اہم واقعات اور حادثات یا شخصیات کی پیدائش ووفیات نہیں مقرر کیا گیا، ہماری عیدیں دیگر اقوام وملل کی طرح کسی بھی وفات یا ولادت کے تاریخی واقعہ سے متعلق نہیں ہیں، جیسا کہ عیسائیوں کے یہاں کرسمس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو بطور یادگار کے منایا جاتا ہے (حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تاریخ پیدائش کو یقینی طور پر کوئی نہیں جانتا) یہودیوں کے یہاں کی عید فسح اس دن کی یادگار سمجھی جاتی ہے جس میں بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم وستم سے نجات ملی، اسی طرح ہندوؤں کے بہت سے تہوار بھی ان کے کسی خاص واقعہ کی یادگار کے طور پر منائے جاتے ہیں۔

ان کا دیکھا دیکھی کچھ مسلمانوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پر عید میلاد النبی کے

نام سے ایک عید بنادی، اسی روز بازاروں میں جلوس نکالنے اور اس میں طرح طرح کی خرافات کو اور رات میں چراغاں کرنے کو عبادت سمجھ کر کرنے لگے، جس کی کوئی اصل صحابہ رضی اللہ عنہم تابعینؒ اور اسلاف امت کے عمل میں نہیں ملتی، بلکہ طرہ یہ کہ لوگ اس کو ''عید الاعیاد'' تمام عیدوں کی عید بھی قرار دینے لگے۔

یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ چند علماء یہود، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ تمہارے قرآن میں ایک آیت ایسی ہے جو اگر یہود پر نازل ہوتی تو وہ اس کے نزول کا ایک جشن عید مناتے، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سوال کیا وہ کونسی آیت ہے؟ انہوں نے آیت ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ'' پڑھی۔(۱)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں ہم جانتے ہیں کہ یہ آیت کس جگہ اور کس دن نازل ہوئی، اشارہ اسی بات کی طرف تھا کہ وہ دن ہمارے لئے دوہری عید کا دن تھا، ایک عرفہ اور دوسرے جمعہ۔ یعنی ہماری اعیاد دنوں اور شخصیات کی پیدائش اور وفیات سے متعلق نہیں ہیں بلکہ اعمال سے عبارت ہیں۔

اور یہ حقیقت ہے کہ یہ دن منانے کا طریقہ ان قوموں میں تو چل سکتا ہے جو باکمال افراد اور ان کے حیرت انگیز کارناموں کے لحاظ سے مفلس ہیں، دو چار شخصیات کل قوم میں اس قابل ہوتی ہیں اور ان کے بھی مخصوص کام ایسے ہوتے ہیں جن کی یادگار منانے کو قومی فخر سمجھتے ہیں۔

اسلام میں یہ دن منانے کی رسم چلے تو ایک لاکھ بیس ہزار سے زائد انبیاء علیہم السلام ہیں جن میں سے ہر ایک کی نہ صرف پیدائش بلکہ ان کے حیرت انگیز کارناموں کی طویل فہرست ہے جن کے دن منانے چاہیئے، انبیاء کے بعد خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو دیکھا جائے، تو آپ کی زندگی کا شاید کوئی دن ایسے کارناموں سے خالی ہو جس کا دن منانا چاہیئے، بچپن سے لے کر جوانی تک کے وہ کمالات جنہوں نے پورے عرب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امین کا لقب دیا تھا، کیا وہ ایسے نہیں ہیں کہ مسلمان ان کی یادگار منائیں، پھر نزولِ قرآن، ہجرت، غزوۂ بدر،

(۱) مسلم: کتاب التفسیر، حدیث: ۳۰۱۷

غزوۂ احد، خندق، فتح مکہ، حنین اور تبوک اور تمام غزوات ہیں، ایک بھی ایسا نہیں کہ جس کی یادگار نہ منائی جائے، اسی طرح آپ ﷺ کے ہزاروں معجزات یادگار منانے کی چیزیں ہیں، اور بصیرت کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کی زندگی پر نظر ڈالیں تو آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا ہر دن نہیں؛ بلکہ ہر گھنٹہ ایک یادگار منانے کا داعیہ رکھتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے بعد تقریباً ڈیڑھ لاکھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ ہیں، جن میں ہر ایک درحقیقت رسول اللہ ﷺ کا زندہ معجزہ ہے کیا یہ بے انصافی نہیں ہوگی کہ ان کی یادگاریں نہ منائی جائیں اور یہ رسم چل پڑے تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد امت کے اکابر، پھر اولیاء اللہ اور علماء و مشائخ پر نظر ڈالو، جو کروڑوں کی تعداد میں ہوں گے، اگر یادگار دن منائے جائیں تو ان کو چھوڑ دینا کیا ان کے حق میں بے انصافی اور قدر ناشناسی نہیں ہوگی؟ اور اگر یہ طے کرلیا جائے سبھی کے یادگاری دن منائے جائیں تو سال بھر میں ایک بھی دن ہمارا یادگار منانے سے خالی نہیں رہے گا، بلکہ ہر دن ہر گھنٹہ میں کئی کئی یادگاریں اور کئی کئی عیدیں منانی پڑیں گی۔

لیکن اسلام کی یہ شان نرالی ہے کہ پوری امت کیلئے سالانہ عید مقرر کرنے کیلئے ان میں سے ایسے دن کا انتخاب کیا گیا جس سے بظاہر تاریخ کا کوئی امتیازی واقعہ وابستہ نہیں تھا، بلکہ یہ دو دن ایسے مواقع پر مقرر کئے گئے جن پر پوری امت ایک ایسی اجتماعی عبادت کی تکمیل سے فارغ ہوتی ہے، جو سال میں ایک بار ہی انجام دی جاتی ہے، عید الفطر اس وقت منائی جاتی ہے جب مسلمان رمضان المبارک میں نہ صرف فرض روزوں کی تکمیل کرتے ہیں بلکہ اس مقدس مہینے کے ایک تربیتی دور سے گذر کر اپنی روحانیت کو جلا بخشتے ہیں۔

اسی طرح اسلام نے اپنے پیروؤں کیلئے سالانہ عید منانے کیلئے ایسے دن کا انتخاب نہیں کیا جو ماضی کے کسی یادگار واقعہ سے وابستہ ہو، اس کے بجائے مسلمانوں کی ایسے واقعات سے متعلق کی گئی ہیں جو حال سے تعلق رکھتے ہیں، جن کی ہر سال تجدید ہوتی ہے۔

پچھلا جو کوئی واقعہ یا مقدس کارنامہ یا یادگار تھی وہ ماضی کا حصہ بن گئی، اس کا یاد رکھنا اس طور پر مفید ثابت ہوسکتا ہے کہ مستقبل کی تعمیر اور قوت جہد و عمل کو مہمیز دینے کیلئے یہ واقعات

انرجی کا کام دیتے ہیں، لیکن پچھلی تاریخی واقعات پر تکیہ کئے رہنا یہ آدمی کو اپنے حال اور مستقبل سے غافل کر دیتا ہے، عید کو ماضی کے کسی واقعہ سے وابستہ نہ کر کے یہ بتلایا گیا کہ خوشی و مسرت کا حق تو ان اعمال پر ہے جو تم نے حال میں انجام دیئے ہیں، محض آباء واجداد کے انجام دیئے ہوئے کارناموں پر تکیہ کر کے ان ہی کی خوشی میں اپنے حال اور مستقبل سے غافل نہ ہو جائے۔

☆ غیروں کے اعیاد میں شرکت اور حاضری یا عید اور تہواروں کے منانے میں ان سے مشابہت کو بھی سختی سے منع کیا گیا ہے، اور یہ حرام ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل ذمہ پر یہ پابندی عائد کر رکھی تھی کہ وہ اپنے اعیاد کا برسر عام اظہار نہ کریں تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کے اس حکم کی موافقت کی تھی، جب مسلمانوں نے باتفاق ذمیوں کے اعیاد کو علی الاعلان اظہار کو منع کیا ہے، تو ان اعیاد میں حضوری یا شرکت یا ان کی مشابہت کیوں کر اختیار کی جا سکتی ہے؟ " فكيف يسوغ للمسلمين فعلها " (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو وہاں لوگوں کے لہو ولعب کے دو دن تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کونسے دو دن ہیں؟ تو ان لوگوں نے بتلایا: ہم ان دو دنوں میں زمانہ جاہلیت میں کھیل وتفریح کیا کرتے تھے (خوشی مناتے تھے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل نے تم کو ان دنوں سے بہتر دو دن دیئے ہیں، ایک تو یوم الاضحیٰ اور دوسرے یوم الفطر " إن اللّٰه قد أبدلكم بهما خيرا منهما: يوم الضحى، ويوم الفطر " (۲)

یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دو عید کے دنوں کو برقرار نہیں رکھا بلکہ اس کے بدلے دو دن اور متعین فرمائے، لہٰذا غیر کے اعیاد کو چھوڑ کر اپنے مخصوص عیدوں کا تعین ان کی مشابہت کی ممانعت پر دال ہے۔

---

(۱) اقتضاء الصراط المستقيم لابن تيمية : ۱/ ٤٢٤

(۲) سنن النسائي: كتاب صلاة العيدين، حديث: ۱۵۵۵، علامہ نووی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابوداود، نسائی وغیرہ نے صحیح سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے: خلاصة الأحكام: فصل في ضعيفه: حديث: ۲۸۸۳

حضرت ثابت ابن ضحاک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں ایک شخص نے یہ نذر مانی کہ وہ بوانہ میں (جو مکہ کے نشیبی علاقہ میں واقع ایک جگہ کا نام تھا) اونٹ ذبح کرے گا، پھر وہ شخص رسول کریم ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ کو اپنی (نذر کی) خبر دی۔ رسول کریم ﷺ نے (صحابہ رضی اللہ عنہم سے) دریافت کیا کہ: زمانہ جاہلیت میں اس مقام پر کوئی بت تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: نہیں، پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا وہاں کفار کے میلوں میں سے کوئی میلہ لگتا تھا؟ هل كان فيها عيد من أعيادهم؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ نہیں! اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے (اس شخص کو مخاطب) کر کے فرمایا کہ: تم اپنی نذر کو پورا کرو، نیز ابن آدم پر اس چیز کی نذر کو پورا کرنا بھی ضروری نہیں ہے جو اس کی ملکیت میں نہ ہو۔ (۱)

اس جگہ کے بارے میں آپ ﷺ کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ اگر وہاں زمانہ جاہلیت میں کوئی بت تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی یا وہاں کفار کا کوئی میلہ لگتا تھا جہاں وہ سیر تماشے اور ناچ گانے میں مشغول ہوتے تھے تو اس صورت میں اس شخص کو اپنی نذر پوری کرنے کی اجازت نہ دی جائے تاکہ کفار کے ساتھ مشابہت نہ ہو لیکن جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ وہاں ان دونوں میں سے کوئی چیز بھی نہیں تھی تو آپ ﷺ نے اس شخص کو نذر پوری کرنے کا حکم دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم عجمیوں کی بولی نہ سیکھو، اور مشرکوں کے منادر میں نہ جاؤ، کیونکہ وہاں پر ان کے اوپر اللہ کی ناراضگی نازل ہوتی ہے "لا تعلموا رطانة الأعاجم ولا تدخلوا على المشركين في كنائسهم يوم عيدهم، فإن السخط تنزل عليهم" (۲)

---

(۱) ابوداؤد: باب ما يؤمر به من الوفاء، حدیث: ۳۳۱۳، شمس الدین محمد بن عبدالہادی فرماتے ہیں کہ اس کو ابوداؤد، طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال شیخین کے رجال ہیں: المحرر في الحديث: كتاب النذور: ۱/ ۴۳۵، دار المعرفة، بيروت

(۲) السنن الكبرى للبيهقي: باب كراهية الدخول على أهل الذمة في كنائسهم، حديث: ۱۸۸۶۱

داڑھی کی شرعی حیثیت

☆ مردوں کیلئے داڑھی رکھنا واجب ہے، اوراس کی شرعی مقدار ایک مشت ہے، داڑھی تمام انبیاء علیہم السلام کی سنتِ مستمرہ رہی ہے، یہ اسلامی شعار ہے، شرافت وبزرگی کی علامت ہے چھوٹے اور بڑے میں امتیاز اور فرق کرتی ہے، اسی سے مردانہ شکل وصورت کی تکمیل اور صورت میں نورانیت حاصل ہوتی ہے، آپ نے داڑھی رکھنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے، لہٰذا داڑھی رکھنا واجب اور ضروری ہے اور داڑھی منڈانا حرام اور گناہ کبیرہ ہے، اس پر امت کا اجماع ہے۔

☆ چنانچہ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کے سر اور داڑھی کے بال پکڑے تو ہارون علیہ السلام نے فرمایا: لا تاخذ بلحيتي ولا برأسي (۱) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کے چہرے پر اتنی داڑھی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا تھا۔

☆ احادیث میں داڑھی رکھنے کی بہت تاکید آئی ہے، احادیث میں "اعفوا، أوفوا" أرخوا، أرجوا، اور وفروا " کے امر کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں جو داڑھی کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں: "احفوا الشوارب واعفوا اللحى" (۲) "مونچھیں پست کرو اور داڑھی بڑھاؤ۔"

☆ داڑھی نہ رکھنے کو طریقۂ کفار بتلایا گیا ہے، اوراس سے نفرت دلائی گئی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے

---

(۱) طه : ۹٤

(۲) مسلم رقم الحديث : ۲۵۹، باب خصال الفطرة

ارشادفرمایا: "خالفوا المشركين أحفوا الشوارب وأوفوا اللحى" (۱) "مشرکین کی مخالفت کرو، مونچھیں پست کرواور داڑھی بڑھاؤ"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں: "جزوا الشوارب وأرخوا اللحى وخالفوا المجوس" (۲) "مونچھیں کٹاؤ، داڑھی بڑھاؤ اور مجوس کی مخالفت کرو۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں "خالفوا المشركين وفروا اللحى واحفوا الشوارب" (۳) "مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں پست کرو۔"

ایک مرتبہ ایک مجوسی شخص آپ ﷺ کی خدمت میں آیا، جس نے داڑھی منڈا رکھی تھی، اور مونچھیں بڑھائے ہوا تھا، حضور ﷺ نے فرمایا: یہ کیا بنا رکھا ہے؟ اس نے کہا میرے دین میں یہی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے دین میں تو یہ ہے کہ مونچھیں کٹواؤں اور داڑھی بڑھاؤں "في ديننا أن نجز الشارب وأن نعفي اللحى" (۴)

ایک مرتبہ کسریٰ کے دو قاصد داڑھی منڈائے اور مونچھیں بڑھائے ہوئے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ ﷺ ان کی یہ صورت دیکھ کر کبیدہ خاطر ہوئے، پوچھا ایسی صورت بنانے کا تم لوگوں کو کس نے حکم دیا ہے؟ ان دونوں نے کہا کہ ہمارے رب کسریٰ نے آپ ﷺ نے فرمایا: "ولكن ربي أمرني بإعفاء لحيتي وقص شاربي" (۵)

☆ احادیث میں داڑھی رکھنے کے متعلق پانچ مختلف الفاظ مذکور ہیں، اعفوا، اوفوا، ارخوا، ارجوا، اور وفروا یہ پانچوں الفاظ اگرچہ اپنے اپنے مادۂ اشتقاق کے لحاظ سے مختلف ہیں؛ لیکن سب کے معانی قریب قریب ایک ہی ہیں کہ داڑھی کو بڑھاؤ اور اس میں

(۱) مسلم: رقم الحديث: ۲۵۹، باب خصال الفطرة
(۲) مسلم: رقم الحديث: ۲۶۰، باب خصال الفطرة
(۳) بخاری: رقم الحديث: باب تقليم الأظفار، حديث: ۵۸۹۲
(۴) مصنف ابن ابی شیبه: مايؤمر به الرجل من اعفاء اللحية الخ، حديث: ۲۵۵۰۲
(۵) السيرة النبوية لابن كثير: ذكر بعثه الى كسرى ملك الفرس: ۵۰۹/۳

تراش خراش نہ کیا کرو، چنانچہ علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وقد حصل من مجموع الأحاديث خمس روايات اعفوا واوفوا وارخوا وارجوا ووفروا ومعناها كلها تركها على حالها" (۱)

☆ "احادیث کی روشنی میں داڑھی کے متعلق منقول الفاظ پانچ ہیں: أعفوا، أوفوا، ارخوا، ارجوا اور وفروا، لیکن سب کا مفہوم یہی ہے کہ اسے اپنی حالت پر چھوڑ دو (تراش خراش نہ کرو)"۔

البتہ طبرانی کی روایت میں ان پانچ الفاظ کے علاوہ ایک چھٹا لفظ "دعوا" بھی وارد ہوا ہے، جس کے معنی ہیں "چھوڑ دو"۔ (۲)

اب کل الفاظ چھ ہو گئے، اور سب کا حاصل بس یہی ہے کہ داڑھی کو بڑھنے دیا جائے، کاٹا نہ جائے۔

☆ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی کے بال بہت تھے "کثر- یعنی الشعر واللحیۃ" (۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی گھنی اور اتنی گنجان تھی کہ اس نے سینہ مبارک کے بالائی حصہ کو طول وعرض میں بھر لیا تھا، یہی بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ام معبدؓ سے بھی منقول ہے۔ (۴)

رواتیوں میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے وقت داڑھی کا خلال کرتے تھے۔ (۵)

یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی کی کیفیت تھی، لیکن وہ کتنی لمبی تھی؟ اس بارے میں اُبو معمر

---

(۱) نيل الاوطار باب اخذ الشارب واعفاء اللحية: ۱۴۹/۱

(۲) المعجم الكبير للطبراني: مجاهد عن ابن عمر، حديث: ۱۳۴۷۶، ص

(۳) الطبقات الكبرى لابن سعد: ۱۳۴/۱

(۴) شرح الشفاء لملاعلي القاري: الباب الثاني في تكميل الله تعالى له المحاسن خلقا: ۶۰/۱

(۵) ترمذی: باب ما جاء في تخليل اللحية، حديث: ۲۹

کہتے ہیں کہ: ہم نے خباب رضی اللہ عنہ سے کہا، کیا رسول اللہ ﷺ ظہر اور عصر میں قرأت کیا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: ہاں، پھر ہم نے دریافت کیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوتا تھا کہ آپ ﷺ قرأت فرما رہے ہیں، جبکہ ان دونوں نماز میں سرّاً (آہستہ) قرأت کی جاتی ہے؟ اس پر حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ہم آپ ﷺ کی ریش مبارک کے ہلنے سے سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ قرأت فرما رہے ہیں" باضطراب لحیته (۱)

یہ ظاہر ہے کہ قرأت کرنے کے دوران وہی داڑھی ہلے گی جو کافی لمبی ہو، داڑھی اگر خشخشی ہو یا معمولی لمبی ہو، تو اس کی حرکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، نیز وضو کے دوران داڑھی کے خلال کرنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی داڑھی لمبی تھی، جس میں خلال کیا جاتا تھا۔

☆ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی داڑھی بھی گھنی اور گنجان تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی داڑھی بہت گھنی تھی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی داڑھی اگرچہ گھنی نہیں تھی لیکن دراز تھی " کان کبیر اللحیة عظیمها " اور ایک روایت کے الفاظ ہیں "طویل اللحیة ، حسن الوجه" (۲)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی داڑھی کے متعلق روایتوں میں آیا ہے کہ " أنه کان کثب اللحیة " حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی داڑھی گھنی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی داڑھی اتنی چوڑی تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ کے دونوں شانوں کے درمیان کی جگہ بھر رکھی تھی" وکان عظیم اللحیة جدا ، قد ملأت ما بین منکبیه ، بیضاء کأنها قطن " (۳)

---

(۱) ابوداؤد: باب ما فی القرآة فی الظهر، حدیث : ۸۰۱

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی: مجاهد عن ابن عمر، حدیث: ۱۳۴۷۶، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کو طبرانی نے سند حسن کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(۳) شرح الشفاء لملاعلی القاری: الباب الثانی فی تکمیل اللّٰه تعالی له المحاسن خلقا ۱/۶۰:

اس کے علاوہ عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ معمول تھا کہ وضو کرتے وقت اپنی اپنی داڑھی کا خلال کیا کرتے تھے۔(۱)

حضرت عثمان بن عبید اللہ بن رافع سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت ابوسعید خدری، حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت سلمہ بن الاکوع، حضرت ابواسید البدری، حضرت رافع بن خدیج اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ یہ لوگ مونچھ کو تراشتے اور داڑھی کو بڑھاتے "یأخذون من الشوارب ویعفون اللُّحٰی" (۲)

اس سے ان حضرات کی داڑھی کا بھی قابل لحاظ حد تک لمبی ہونا معلوم ہوتا ہے۔

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے امور فطرت میں سے قرار دیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتی ہیں کہ:"عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحیة "دس چیزیں امورِ فطرت میں سے ہیں، جن میں داڑھی کا بڑھانا اور مونچھوں کا کتروانا بھی شامل ہے۔(۳)

اور فطرت عرف شرع میں ان امور کو کہا جاتا ہے جو کہ تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی معمول بہ اور متفق علیہ سنت رہی ہو، اور اس پر ہم کو عمل کرنے کیلئے کہا گیا ہو۔

چنانچہ صاحب مجمع البحار اس حدیث میں فطرت کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"عشر من الفطرة أی من السنة أی سنن الأنبیاء علیهم السلام التی أمرنا بالاقتداء بهم فیها أی من السنة القدیمة التی اختارها الأنبیاء علیهم السلام واتفقت علیها الشرائع فکأنها أمر جبلی فطروا علیه" یعنی دس چیزیں فطرت یعنی سنت میں سے یعنی انبیاء کی ان سنتوں میں سے ہیں جن کی اقتداء کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء فی تخلیل اللحیة، حدیث:۲۹

(۲) مجمع الزوائد: باب ماجاء فی الشارب واللحیة وغیر ذالك ، حدیث:۸۸٤۷، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، عثمان کو میں نہیں جانتا، اور اس سند کے بقیہ رجال صحیح کے رجال ہیں۔

(۳) مسلم: باب خصال الفطرة ، حدیث:٦٢٧

یعنی اس سنتِ قائمہ سے جس کو انبیاء علیہم السلام نے اختیار فرمایا اور اس پر تمام شرائع متفق ہیں گویا وہ امر جبلی ہے جس پر انبیاء علیہم السلام کو پیدا کیا گیا ہے۔(۱)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ داڑھی بڑھانے کا حکم تمام شریعتوں میں تھا اور یہ تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت رہی ہے۔

☆ داڑھی منڈھوانے میں کفار و مشرکین، اغیار اور دین بیزار لوگوں کے ساتھ تشبّہ لازم آتا ہے اور غیروں سے مشابہت اختیار کرنے سے ہمیں روکا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مشرکین کی مخالفت کرو، مونچھیں پست کرو (چھوٹی کرو) اور داڑھی کو معاف رکھ، (یعنی اسے نہ کاٹو)"خالفوا المشر کین أوفرو اللحی وأحفوا الشوارب "(۲)

یہاں صیغۂ امر کے ساتھ داڑھی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور امر حقیقت میں وجوب کیلئے ہوتا ہے۔

☆ داڑھی منڈھوانے میں اناث (عورتوں) اور مخنثوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے، جس کا ناجائز اور حرام ہونا احادیث سے ثابت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو مخنث بنتے ہیں اور اسی طرح ان عورتوں پر (جو مردوں کی سی مشابہت اختیار کریں) اور فرمایا: انہیں اپنے گھروں سے نکال دو" وقال أخرجوهم من بيوتكم"(۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: اللہ تعالیٰ لعنت کرتے ہیں ان مردوں پر (جو داڑھی منڈا کر یا زنانہ لباس پہن کر) عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔(۴)

---

(۱) مجمع البحار: الفطرة: ۱۵۵/۴

(۲) بخاری: باب تقليم الأظفار، حديث: ۵۵۵۳

(۳) بخاری: باب نفي أهل المعاصي: حديث: ٦٤٤٥

(۴) بخاری: باب المتشبهين بالنساء، حديث: ٥٥٤٦

☆ نیز داڑھی مردوں کیلئے وقار اور زینت کی چیز ہے، چنانچہ تکملہ بحر الرائق میں ہے "لأن اللحية في أوانها جمال" اور آسمانوں پر ملائکہ کی تسبیح بھی ہے "سبحان من زين الرجال باللحى والنساء بالقرون والذوائب" پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو داڑھی سے اور عورتوں کو چوٹی سے زینت بخشی۔(۱)

☆ اور یہ اللہ کی خلقت اور پیدائش میں تغییر اور تبدیلی کے قبیل سے ہے اور باتفاق تغییر فی خلق اللہ حرام ہے، قرآنِ کریم میں ارشاد ربانی ہے، شیطان لعین نے یہ کہا تھا" وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ " (۲) میں خدا کے بندوں کو حکم دوں گا کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بگاڑیں۔

اور جو لوگ داڑھی منڈوا کر اللہ کی خلقت میں تبدیلی کرتے ہیں وہ شیطان لعین کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور اس کے مطیع وفرماں بردار خسارے اور نقصان میں ہوتے ہیں " وَمَن يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا " (۳) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو ولی بناوے وہ صریح نقصان میں پڑے گا۔

چنانچہ تفسیر روح المعانی میں ہے: وحلق اللحى قبيح بل مثلة وحرام كما ان حلق شعر الرأس في حق المر أةمثلة منهي عنها وتشبه بالرجال وتفويت للزينة،قال الفقهاء اللحية في وقتها جمال وفي حلقها تفويته على الكمال ومن تسبيح الملائكة سبحان من زين الرجال باللحى وزين النساء بالذوائب"(۴)

یعنی داڑھی منڈانا قبیح ہے بلکہ مثلہ اور حرام ہے، جس طرح عورت اگر اپنے سر کے بال منڈوادے تو یہ مثلہ ہے جو ممنوع ہے اور اس سے عورت کی زینت ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح

(۱) بدائع الصنائع : ۱٤۱/۲ ،دار الكتب العلمية بيروت
(۲) النساء : ۱۱۹
(۳) النساء : ۱۹
(۴) تفسير روح البيان: سورة البقرہ:۲۲۱/۱ ،دار الفكر بيروت ،بحواله فتاوى رحيميه : ۲٥۰/٦

مرد اگر داڑھی منڈا دے تو یہ بھی مثلہ ہے اور اس سے مردانہ شان ختم ہو جاتی ہے، فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ: داڑھی اپنے وقت میں جمال ہے اور اس کو منڈا دینا زینت کو ختم کر دینا ہے اور ملائکہ کی تسبیح ہے...... سبحان اللہ۔

☆ داڑھی منڈوانا قوم لوط کے ہلاکت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، درمنثور میں ہے: قوم لوط جن برے کاموں کی وجہ سے ہلاک کی گئی، ان میں سے ایک داڑھی منڈوانا بھی ہے:

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: عشر خصال عملها قوم لوط بها أهلكوا وتزيدها متي بخلة، اتيان الرجال بعضهم بعضا — ألى قوله — وقص اللحية وطول الشارب (۱)

☆ آج ہم حضور اکرم ﷺ کی محبت کے بڑے دعویدار ہیں، حبِ نبی کا دعوی بڑی شان سے کرتے ہیں اور اپنے چہرے مہرے کو ایسے بنائے پھرتے ہیں جو آپ ﷺ کو ناپسند اور مبغوض ہوتا ہے، آپ ﷺ نے کفار کو داڑھی مونڈتے ہوئے دیکھا تو ان کی اس ہیئت اور صورت پر آپ کبیدہ ہوئے اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، ہم اتنا قبیح عمل کریں کہ داڑھی کو بالکل نکال دیں یا اس کو تراشیں تو آپ ﷺ کو کتنی تکلیف ہوتی ہوگی؟

ایک حدیث میں ہے کہ کسری (شاہ ایران) نے یمن کے گورنر باذان (جو اس کا ماتحت تھا) کے توسط سے دو قاصد آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا، تاکہ یہ دونوں نبی کریم ﷺ کو نعوذ باللہ گرفتار کر کے کسری کے دربار میں بھیج دیں، جب یہ دونوں آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو ان کی داڑھیاں منڈی ہوئی اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں، ان کے چہروں پر نظر پڑی تو آپ ﷺ کو سخت تکلیف ہوئی، آپ ﷺ نے سب سے پہلا سوال ان دونوں سے یہ کیا کہ ایسی صورت تم نے کیوں بنالی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ ہمارا دین ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: في ديننا أن نجز الشارب وأن نعفي اللحية (۲)

(۱) کنز العمال: الفرع الأول في الوعيد، حديث: ۱۳۰۱٤

(۲) مصنف ابن ابی شيبه: باب ما يؤمر به الرجل من اعفاءه، حديث: ۲۵۵۰۲

لیکن ہمارے مذہب میں مونچھیں پست کرنا، اور داڑھی بڑھانا ہے۔

☆ جب داڑھی لٹکانے کے بجائے چڑھانے پر وعید ہے تو منڈانے اور شرعی مقدار (قبضہ) سے کم کرنے پر کیا وعید نہ ہوگی؟

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت رویفع رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا تھا کہ: اے رویفع! شاید تم میرے بعد بھی زندہ رہو، تم لوگوں کو خبر دے دینا کہ جو شخص داڑھی میں گرہ لگائے یا تانت کا قلادہ ڈالے یا گوبر یا ہڈی سے استنجا کرے تو محمد (ﷺ) اس سے بیزار ہیں "يا رويفع! لعل الحياة ستطول بك بعدى فأخبر الناس أ نه من عقد لحيته و تقلد وترا واستنجى برجيع دابة و عظم فإن محمدا صلى الله عليه و سلم منه برى" (۱)

☆ داڑھی میں گرہ لگانا یا ان کے بالوں کو اندر گھسانا (جیسا کہ سکھوں کا معمول ہے) شرعاً ناجائز ہے، کیونکہ احادیث میں اعفوا (بڑھاؤ) ارخوا (لٹکاؤ) جیسے الفاظ وارد ہوئے ہیں، یعنی عربی قواعد کے رو سے امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے، اور امر وجوب کیلئے آتا ہے، اس لئے داڑھی میں گرہ لگانا یا اسے اندر گھسانا واجب کے خلاف ہوگا۔ (۲)

☆ احادیث میں حضور اکرم ﷺ کی ریش مبارک کا ایک مشت بلکہ اس سے زائد ہونا بھی ثابت ہے، آپ ﷺ کی داڑھی مبارک اس قدر گنجان تھی کہ اس نے سینہ مبارک کو گھیر لیا تھا "كان النبى كث اللحية يملأ صدره" (۳)

☆ داڑھی کی مقدار مسنونہ ایک مشت ہے؛ لہٰذا اس سے کم کرنا اور خشخشی داڑھی رکھنا جائز نہیں۔

---

(۱) سنن ابوداؤد: باب ماينهى أن يستنجى به، حديث: ۵۶/۱، ابن الملقن کہتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد اور نسائی نے سند جید کے ساتھ ذکر کیا ہے: البدر المنير: ۳۵۲/۲، دار الهجرة للنشر والتوزيع

(۲) انبیاء علیہم السلام کی سنتیں: ۳۱۹، از مفتی جمال الدین صاحب

(۳) شمائل ترمذی: بحواله فتاوى رحيميه: ۲۴۰/۶

بنی اسرائیل کی گاؤ سالہ پرستی پر جو موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی اور ہارون علیہ السلام کے ایام خلافت میں پیش آئی، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واپسی پر حضرت ہارون علیہ السلام پر غصہ آیا اور جوش جلال میں سرزنش کرتے ہوئے ان کی داڑھی پکڑ لی تو انہوں نے عرض کیا: يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَأْسِيْ "(۱) میرے مائی جان بھائی میری داڑھی اور سر تو نہ پکڑیئے۔

داڑھی کی یہ پکڑ اور گرفت ایک مشت یا اس سے زیادہ ہونے پر ہوسکتی ہے، مٹھی بھر سے کم داڑھی ہوتی تو وہ پکڑی ہی نہ جاتی، اس آیت سے داڑھی کا کم از کم مقدار قبضہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ بات نص قرآنی سے ثابت ہوتی ہے۔

نیز روایتوں میں وارد ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنی ریش مبارک کے طول وعرض سے قبضہ سے زائد بالوں کو کتر لیتے تھے: عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده : أن النبی صلی الله علیه و سلم کان یأخذ من لحیته من عرضها وطولها "(۲)

اور اس کترنے کی تحدید شرح شرعۃ الاسلام میں مذکور اسی حدیث کے آخر میں ایک لفظ سے معلوم ہوتی ہے، حدیث اس طرح ہے : عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده أنه صلی الله علیه وسلم کان یأخذ من لحیته طولا وعرضا علی قدر القبضة (۳)

حضرت عمرو اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی ﷺ داڑھی کے یکمشت ہوجانے کی صورت میں طول وعرض سے کترتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو نبی کریم ﷺ کے بڑے شیدائی اور فدائی ہیں، امام بخاری نے اس حوالے سے ان کے عمل کو پیش کیا ہے "وکان ابن عمر إذا حج أو اعتمر قبض علی لحیته فما فضل أخذه" (۴)

---

(۱) طه: ۹٤

(۲) ترمذی: باب الأخذ من اللحية، حديث: ۲۷٦۲، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔

(۳) تفسير حقي: ۲۹۲/۱

(۴) بخاری: باب تقليم الأظفار، حديث: ۵۵۵۳

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب حج یا عمرہ سے فارغ ہوتے تو اپنی داڑھی کو مٹھی بھر پکڑ لیتے تھے جو زائد ہوتی تھی اس کو کاٹ دیتے تھے۔

علامہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ حج وعمرہ کے ساتھ کم کرنے کو خاص نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ اعفاء کا مطلب یہ لیتے تھے کہ داڑھی بڑھائی جائے لیکن اتنی نہیں کہ داڑھی کے بڑھنے سے آدمی کی صورت بری معلوم ہونے لگے، پھر حافظ طبری کا وہ کلام نقل کیا ہے جس میں حضرت ابن عمر وحضرت ابوہریرہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فعل مذکور ہے (جو مطلق ہے حج وعمرہ کی کوئی قید نہیں)۔

حضرت مروان بن مقفع کہتے ہیں کہ: میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ "یقبض علی لحیته فیقطع مازاد علی الکف" اپنی داڑھی کو پکڑ کر جو مٹھی سے زائد ہوتی اسے کاٹ دیتے۔(۱)

یہاں یہ سمجھنا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فانی فی الاتباع اور گرویدۂ اتباعِ سنت ہیں یہ بعید ہے کہ وہ اس مقدار کے بارے میں اتباعِ سنت سے کام نہ لیتے ہوں، پھر جب داڑھی رکھنے کی حدیث یعنی "احفوا الشوارب واعفوا اللحي" (مونچھیں پست کرو، اور داڑھیاں بڑھاؤ) کے راوی بھی خود عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی ہیں تو اس سے صرف یہی واضح نہیں ہوتا کہ ان کے نزدیک داڑھی تراشنے کی حد مقدار قبضہ تھی اور داڑھی کی اس مقدار کا ان کے نزدیک باقی رکھنا ضروری تھا، بلکہ غور کیا جائے تو ان کا یہ فعل حدیثِ مرفوع کا بیان بھی ثابت ہوتا ہے، کیوں کہ جب کوئی راوی پیغمبر علیہ السلام کے کسی فعل کو علی الاطلاق روایت کرتے ہیں جس میں کوئی قید مذکور نہ ہو، اور پھر عمل کرے تو یہ اسی کی دلیل ہوسکتی ہے کہ اس کے نزدیک پیغمبر علیہ السلام کے فعل میں بھی یہ قید ملحوظ تھی، ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ پیغمبر علیہ السلام کے کسی فعل پر جو بلا قید وشرط ثابت ہو، کوئی صحابی اور وہ بھی ابن عمر رضی اللہ عنہما جیسا فانی فی الاتباع صحابی اپنی طرف سے کسی قید کا اضافہ کردے۔

(۱) شعب الایمان: فصل في أخذ اللحية، حديث: ٦٤٣٦

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مقدار قبضہ سے زائد کا ثنا منقول ہے "عن أبی زرعة قال كان أبو هريرة رضی الله عنه يقبض على لحيته ثم يأخذ ما فضل عن القبضة " (۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی داڑھی کو پکڑتے اور جو قبضہ سے زائد ہوتی اسے کاٹ دیتے۔

درمختار میں انہی احادیث کی روشنی میں فرمایا ہے: ولا بأس بنتف الشيب، وأخذ أطراف اللحية والسنة فيها القبضة وهوأ ن يقبض الرجل لحيته فما زاد منها على قبضة قطعه كذا ذكره محمد فی كتاب الآثار عن الأمام، قال وبه نا خذ" (۲)

یعنی داڑھی کی مقدار مسنون ایک مشت ہے، لہٰذا جو حصہ ایک مشت سے زائد ہو اس کو کتر دے، یہی امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔

اور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں: " وما الأخذ منها وهی دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة، ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد " (۳)

اور داڑھی میں سے لینا اس حال میں کہ وہ مشت سے کم رہ جائے جیسا کہ بعض مغربی اور مخنث کرتے ہیں پس اس کو کسی نے مباح نہیں کیا اور کل کا کاٹنا اور منڈانا کفار کا فعل ہے اور عجم کے مجوسیوں کا طریقہ ہے۔

امام غزالی تحریر فرماتے ہیں کہ: "وقد اختلفوا فيما طال منها فقيل إن قبض الرجل على لحيته وأخذ ما فضل عن القبضة فلا بأس فقد فعله ابن عمر وجماعة من التابعين واستحسنه الشعبی وابن سيرين وكرهه الحسن و قتادة و قالا تركها عافية أحب لقوله صلى الله عليه وسلم اعفوا اللحى" (۴)

---

(۱) مصنف ابن ابی شيبه: ما قالوا فی الأخذ من اللحية، حديث: ۲۵۴۸۱
(۲) رد المحتار: فصل فی البيع : دار الفكر ، بيروت
(۳) رد المحتار: فصل فی البيع : ۴۰۷/۶، دار الفكر، بيروت
(۴) احياء علوم الدين: النوع الثانی فيما يحدث فی : ۱۴۳/۱، دار المعرفه ، بيروت

لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ اگر داڑھی لمبی ہو جائے تو کیا کرنا چاہئے، بعض کا قول یہ ہے کہ مقدار مشت چھوڑ کر باقی کاٹ ڈالے تو کچھ مضائقہ نہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے کہ مقدار مشت چھوڑ کر باقی کو کاٹ ڈالے تو کچھ مضائقہ نہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور بہت سے تابعین نے ایسا کیا ہے اور امام شعبیؒ اور ابن سیرینؒ نے اس کو اچھا سمجھا ہے، حضرت حسنؒ اور حضرت قتادہؒ نے اس کو مکروہ فرمایا ہے اور کہا ہے کہ اس کو لٹکی رہنے دینا مستحب ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اعفوا اللحی .ان روایات واقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ داڑھی رکھنا واجب ہے، اور ایک مشت سے زائد سنت مؤکدہ ہے ،اس سے کم کرنا مکروہ تحریمی ہے، اور اتنی لمبی رکھنا کہ لوگوں کی نگاہیں اس پر اٹھیں اور مذاق کا باعث بن جائیں یہ بھی خلاف سنت ہے۔

فقہاء نے اعفاء لحیہ ،مخالفت مجوس اور ایک مشت سے زائد لینے والی روایات کے درمیان تطبیق اس طرح دی ہے کہ صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے صرف اعفاءِ لحیہ کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ مخالفت مجوس کا بھی حکم دیا تھا، اس وقت مجوسی داڑھیاں چھوٹی کراتے تھے، ان میں منڈوانے کا رواج عام نہ ہوا تھا، اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا اور مشکل یہ پیش آتی تھی کہ داڑھی کی وہ کم سے کم مقدار کیا ہو، جو مجوسیوں کی داڑھیوں سے مختلف بھی ہو اور اس کو اعفاءِ لحیۃ کے حکم نبوی کے موافق بھی قرار دیا جائے، اس سوال اور مشکل کو ابن عمرؓ کے عمل سے حل کر دیا، انہوں نے اپنے عمل سے بتا دیا کہ مقدارِ مسنون کی آخری حد ایک مشت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی ان کے عمل پر اعتراض نہیں کیا، معلوم ہوا کہ وہ اس مقدار کے مسنون اور مخالف مجوس ہونے پر متفق تھے ورنہ ممکن نہ تھا کہ وہ اس پر اعتراض نہ کرتے۔(۱)

☆ داڑھی کی حد کیا ہے؟ اس کو ان اقوال کی روشنی میں معلوم کریں: "واللحیۃ ھی اسم لما نبت علی الخدین والذقن" داڑھی ان بالوں کو کہتے ہیں جو رخسار (یعنی ڈاڑھوں) اور ٹھوڑی پر اگتے ہیں۔(۲)

---

(۱) اختلاف امت اور صراط مستقیم: ۲۱۴، مکتبہ رشیدیہ، سہارنپور

(۲) فتح الباری: باب تقلیم الأظفار: ۱۰/۴۲۹

لہٰذا جو بال عذار، عارض اور ذقن کے علاوہ کسی اور مقام پر ہو مثلاً خد (گال) پر ہوں، اسے داڑھی نہیں کہیں گے، علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: "اما الأشعار التی علی الخدین فلیست من اللحیة "(۱) جو بال خد (گال) پر اگتے ہیں وہ داڑھی میں داخل نہیں ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں کہ :

کنپٹی کے نیچے جو ہڈی ابھری ہوئی ہے وہاں سے داڑھی شروع ہوتی ہے، اس سے اوپر سر ہے۔(۲)

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ صرف تین مقامات (عذار، عارض اور ذقن) پر نکلنے والے بالوں کو داڑھی کہا جاتا ہے، ان کے علاوہ اگر خد (یعنی گال) پر بال نکل آئیں، جیسا کہ عام طور پر وہاں نکل ہی آتے ہیں تو انھیں داڑھی نہیں کہا جائے گا، اور ان کا کٹانا جائز ہوگا، لیکن بقول علامہ کشمیریؒ خلاف اولی ہے، کیونکہ یا تو اسے بلیڈ وغیرہ سے دور کیا جائیگا، یا نوچ کر صاف کیا جائے گا، پہلی صورت میں جلد پر خراش اور کھر دراپن آنے کا احتمال ہے، اور دوسری صورت میں آنکھ کے کمزور ہونے کا اندیشہ ہے، اس لئے اس سے بچنا چاہئے۔(۳)

☆ داڑھی بچہ کے بال بھی داڑھی میں شامل ہیں، اس لئے اس کو کاٹنا نہ جائے، البتہ اس کے اطراف کے بال کے کاٹنے کی اجازت ہے:

نیچے کے ہونٹ کے درمیانی حصہ میں ٹھوڑی کے اوپر جو بال اگتے ہیں، انھیں اردو میں داڑھی بچہ اور عربی میں "عنفقه" کہتے ہیں، روایتوں میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے داڑھی بچہ (عنفقہ) کے چند بال سفید تھے۔(۴)

---

(۱) فیض الباری: باب اعفاء اللحیة : ٤/ ٣٤٠

(۲) امداد الفتاوی : بالوں کے حلق وقصر اور خضاب کے احکام:۴/ ۲۱۰،

(۳) فیض الباری : باب ما یذکر فی الشیب:۷/ ۱٤۷
انبیاء علیہم السلام کی سنتیں:۳۱۴/۲، مفتی جمال الدین صاحب

(۴) عمدۃ القاری: باب مایذکر فی الشیب: ۲۲/ ۴۸،

معلوم ہوا کہ آپ ﷺ بھی داڑھی بچہ رکھا کرتے تھے، انہیں کترتے یا منڈواتے نہیں تھے، فقہاء نے داڑھی بچہ کو بھی داڑھی ہی کے حکم میں مانا ہے، اس لئے اس کا مونڈنا یا کترنا جائز نہ ہوگا، علامہ محمود خطاب مالکیؒ لکھتے ہیں کہ: ”وأما شعر العنفقة فيحرم ازالته كحرمة ازالة شعر اللحية “ (۱)

داڑھی کے بال صاف کرنا جس طرح حرام ہے، اسی طرح داڑھی بچہ کے بال کو صاف کرنا بھی حرام ہے۔

داڑھی بچہ کے دونوں طرف کے بال جسے عربی میں ” فنيك “ کہا جاتا ہے، بعض حضرات مثلاً امام غزالیؒ اور صاحب غرائب نے اس کے منڈانے کو بدعت لکھا ہے۔ (۲)

اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ اس کا منڈانا تغییر خلق اللہ میں داخل ہے، اس لئے شرعاً ممنوع ہے۔ (۳)

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے یہاں ایک شخص کسی معاملے میں گواہی دینے کیلئے حاضر ہوا، اور وہ داڑھی بچہ کے دونوں طرف کے بالوں کو منڈائے ہوئے تھا اس کی یہ حالت دیکھ کر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ان کی گواہی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ (۴)

لیکن اس بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ اس کا منڈانا جائز ہے، حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

”گرفتن موئے فنیکین بروزن ملیکین کہ عبارت است از طرفین عنفقہ باک ندارد، محدث دہلوی در شرح صراط مستقیم می آرد حلق طرفین عنفقہ لاباس بہ است“

داڑھی بچہ کے اغل بغل کے بال صاف کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے صراط مستقیم کی شرح میں یہی بات لکھی ہے۔ (۵)

---

(۱) المنهل العذب : مذاهب العلماء في حكم اللحية : ۱/۱۸۷، ۱۸۸
(۲) احياء العلوم : مذاهب العلماء فى حكم اللحية ۱/۱٤٤،
(۳) الفتاوى الهندية : باب التاسع عشر فى الختان : ۵/۳۵۸
(۴) احياء العلوم : القسم الثالث من النظافة الخ: ۱/۱٤٤
(۵) الطرائف والظرائف: داڑھی اور انبیاء کی سنتیں: ۲۴

البتہ حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاوی میں یہ لکھا ہے کہ "احتیاط اور معمول ترکِ حلق ہے"۔(۱)

☆ جب داڑھی گھنی اور لمبی ہو تو اس کا اکرام کرنا چاہیے، یعنی اہتمام سے اسے دھونا، تیل لگانا اور کنگھا کرنا چاہیے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: من كان له شعر فليكرمه (۲) جسے بال ہوں اسے اس کا اکرام کرنا چاہیے۔

اور اس کا اکرام یہی ہے کہ اس کو صاف ستھرا رکھا جائے، اس کیلئے تیل اور کنگھا استعمال کیا جائے، حضرت سعد بن سعدیہؓ آپ ﷺ کا معمول بیان کرتے ہیں کہ "يكثر دهن رأسه وتسريح لحيته بالماء" آپ ﷺ بکثرت سر میں تیل لگاتے، اور (کم از کم) پانی سے (بھی) داڑھی میں کنگھا کر لیتے تھے۔(۳)

سنن بیہقی میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ ﷺ داڑھی میں بکثرت کنگھا کرتے تھے "يكثر القناع ويكثر دهن رأسه ويسرح لحيته بالماء" (۴)

حتی کہ جب آپ ﷺ سوتے تھے تو سرہانے دیگر چیزوں کے ساتھ کنگھا بھی ہوا کرتا تھا، اور رات میں جب تہجد کیلئے بیدار ہوتے تو وضو سے فارغ ہونے کے بعد کنگھا کرتے تھے "اذا اخذ مضجعه وضع له سواكه وطهوره ومشطه" (۵)

معجم اوسط میں طبرانی نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ داڑھی میں کنگھا کرتے وقت آئینہ بھی دیکھا کرتے تھے "وكان ينظر في المرأة اذا سرح لحيته" (۶)

---

(۱) امداد الفتاوی: بالوں کے حلق وقصر اور خضاب کے احکام: ۲۳۰/۴، بحوالہ انبیاء علیہم السلام کی سنتیں: مفتی جمال الدین صاحب: ۳۱۵-۳۱۶

(۲) ابو داؤد: باب اصلاح الشعر: حديث: ٤١٥٩

(۳) شعب الایمان: فصل في اكرام الشعر وتدهينه: حديث: ٦٤٦٥

(۴) شعب الایمان: فصل في إكرام الشعر، حديث: ٦٠٤٦

(۵) اخلاق النبی لأبي الشيخ الاصبهاني: ذكر مرآته ومشطه، حديث: ٢٥٩

(۶) مجمع الزوائد: باب ما تبتغي المحافظة عليه، حديث: ٨٨٧٦، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں سلمان بن أرقم الزہری ہیں اور یہ ضعیف ہیں۔

بعض مرتبہ پانی سے بھرے ہوئے پیالہ کی مدد سے بھی آپ ﷺ کا بالوں کو درست کرنا ثابت ہے۔(۱)

البتہ مردوں کو بناؤ سنگھار میں زیادہ مشغول نہ رہنا چاہئے کہ ہر وقت ان پر یہی فکر سوار ہو، حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے روز روز کنگھا کرنے سے منع کیا ہے " نهى رسول الله ﷺ عن الترجل إلا غبا " (۲)

☆ اسلاف کے یہاں داڑھی کی قدر واہمیت تھی؟ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے

حضرت احنف بن قیس اور قاضی شریح اطلس (پیدائشی طور پر داڑھی نہ ہونا) تھے، انھیں خلقی طور پر داڑھی نہیں تھی، جس کا انھیں بہت صدمہ تھا، انھیں بڑی خواہش تھی کہ کاش مجھے بھی داڑھی ہوتی، ایک مرتبہ بڑے متاسفانہ لہجہ میں قاضی شریحؒ نے فرمایا: وددنا أن لي لحية ولو بعشرة آلاف (۳)

مجھے تمنا ہے کہ مجھے داڑھی ہوجاتی، اگرچہ اس کیلئے دس ہزار کی موٹی رقم صرف کرنی پڑتی، اور احنف بن قیس کی خواہش وصدمہ کا اندازہ لگا کر ان کے مزاج شناس شاگرد بول پڑے کہ " ودودنا أن نشتري للأحنف لحية ولو بعشرين ألفا " (۴)

اگر بیس ہزار میں بھی داڑھی ملتی تو ہم اپنے استاد احنف کیلئے ضرور خرید لیتے (مگر افسوس کہ خلقی چیز خریدی نہیں جاسکتی۔(۵)

☆ قبر میں تین سوالوں میں سے ایک سوال یہ بھی ہوگا "ما تقول في هذا الرجل" (۶)

---

(۱) ادب الاملاء والاستملاء : فصل في أدب المملي: ۳۰

(۲) ترمذی: باب النهي عن الترجل الا غباء حديث: ۱۷۵۶، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۳) احياء العلوم : فصل في اللحية : ۱/۱۴۴

(۴) احياء العلوم: فصل في اللحية: ۱/۱۴۴

(۵) انبیاء کی سنتیں : ۳۰۰

(۶) بخاری: باب عرض المقعد من الجنة والنار، حديث: ۷۳۹۵

بعض علماء کے بقول حضرت محمد ﷺ کا مبارک چہرہ پیش کر کے پوچھا جائے گا، ایک داڑھی منڈا شخص اپنا چہرہ حضور ﷺ کے سامنے کیسے پیش کر سکے گا تو سوچنا چاہئے کہ

☆ اس کے علاوہ بہت سے گناہ جیسے زنا، لواطت، شرب خمر، جھوٹ، چوری ایسے ہیں جب تک آدمی ان کا مرتکب ہوتا ہے، اس وقت تک گنہ گار رہتا ہے۔ جب باز آجاتا ہے تو گناہ کا فعل بھی ختم ہو جاتا ہے، لیکن داڑھی کاٹنا ایسا گناہ ہے جب تک آدمی توبہ نہ کرے اور شرعی داڑھی نہ رکھے اس وقت تک اس کا گناہ قائم اور باقی رہتا ہے۔ (۱)

☆ مونچھ کاٹ کر بھی مخالفت کفار کا حکم کیا گیا ہے، مونچھ کترنا جسے عربی میں قص شارب کہا جاتا ہے یہ بھی امور فطرت میں سے ہے اور جمال وزینت میں بھی داخل ہے، مونچھ کا نہ کترنا اور اسے یوں ہی بڑھتے ہوئے چھوڑ دینا جمال ونظافت کے خلاف ہے، مونچھ کترنا فطرتِ ابراہیمی میں سے بھی ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ: مشرکین کی مخالفت کرو مونچھ کترواور داڑھی کو بڑھاؤ "خالفوا المشركين احفوا الشوارب وأوفوا اللحى" (۲)

اور ایک روایت میں مونچھ کے نہ کترنے پر اس طرح وعید سنائی گئی ہے: من لم يأخذ من شاربه فليس منا " (۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ اپنی مونچھ کو کاٹتے تھے اور فرماتے تھے: تمہارے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنی مونچھ کاٹتے تھے "وكان أبوكم ابراهم يقص شاربه (۴)

---

(۱) داڑھی کا وجوب: از حضرت شیخ زکریاؒ، بحوالہ داڑھی، مونچھ اور سر کے بال کے مسائل: ۱۲

(۲) مسلم: باب خصال الفطرة، حديث: ۲۵۹

(۳) السنن الكبرى للنسائي: باب الأمر باحفاء الشوارب واعفاء اللحى، حديث: ۱۴ محقق شعیب الارنوط نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

(۴) شعب الايمان: فصل في الأخذ من اللحية، حديث: ۶۴۴۳، محقق شعیب الارنوط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک آدمی کی لمبی مونچھ آپ نے دیکھی تو مسواک اور اُسترہ منگوایا اور آدمی کے مونچھ کے نیچے مسواک رکھی اور اس کو کاٹ دیا" ووضع السواك تحت شارب الرجل فقطعه " (۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "اخذ الشارب من الدين" مونچھ کا لینا دین کا جزء ہے۔ (۲)

☆ احادیث میں مونچھ کے کاٹنے کے سلسلے میں مختلف الفاظ آئے ہیں: " أحفوا، أنهكوا، جزّوا، قص الشارب" ، احفاء کا مطلب ہوتا ہے استقصاء یعنی پورا لینا اور نہک کا مطلب ہوتا ہے کسی چیز کے زائل کرنے میں مبالغہ کرنا اور جز کے معنی ہیں بال یا اون کو جلد تک کاٹنا، یہ تمام الفاظ یہ بتاتے ہیں کہ مطلوب ازالہ میں مبالغہ کرنا ہے۔ (۳)
رہا قص کا لفظ تو اس کے کئی معنی ہیں ایک معنی ہے کسی شئے کو کسی شئے سے یا مخصوص آلہ سے کاٹنا۔ (۴)

اس میں مبالغہ کی کوئی قید نہیں ہے، عام ہے، اب ظاہر ہے کہ دوسری حدیثوں میں جب مبالغہ پر دلالت کرنے والے الفاظ ہیں تو اس سے بھی مراد وہی مبالغہ والا معنی لینا چاہئے، امام بخاریؒ نے باب قص الشارب میں فطرت والی حدیثیں ذکر کیں جن میں قص الشارب کا لفظ ہے لیکن ترجمۃ الباب میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کا فعل ذکر کیا ہے " كان ابن عمر يحفي شاربه حتى ينظر الى بياض الجلد يعنى بين الشارب واللحية " (۵)

یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنی مونچھ کو مبالغہ سے کاٹتے حتی کہ جلد کی سفیدی نظر آتی اور دونوں طرف کے مونچھ اور داڑھی کے درمیان کے بال بھی کاٹتے تھے، اس سے امام بخاریؒ نے

(۱) شعب الايمان: فصل في الأخذ من اللحية ، حديث: ٦٤٤٦
(۲) شعب الايمان: فصل في الأخذ من اللحية ، حديث: ٦٤٢٥
(۳) فتح الباری: باب قص الشارب ، ۳۴۷/۱۰
(۴) فتح الباری: باب قص الشارب ، ۳۴۷/۱۰
(۵) بخاری: باب قص الشارب، حديث: ٥٥٤٩

غالباً اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ حدیث سے مراد احفاء ہے، حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے:
فکأنه أشار الٰی ان ذلك هو المراد من الحديث " (۱)

چوتھا ایک لفظ " اَخذ " کا آیا ہے " أخذ الشارب من الدين " (۲)
یہ بھی قص ہی کی طرح عام ہے۔

پانچواں لفظ حلق کا بھی نسائی کے بعض نسخوں میں آیا ہے، حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ یہ ایک لفظ ہے، دلیل یہ دی ہے کہ "جز، احفاء، انهاك" کے الفاظ جو دوسری حدیثوں میں آئے یہ سب مبالغہ پر دلالت کرتے ہیں۔(۳)

تو اسی کو راوی نے حلق سے تعبیر کر دیا ہوگا، کیوں کہ احفاء جو مبالغہ کے ساتھ ہوتا ہے حلق ہی کی طرح معلوم ہوتا ہے، دونوں میں بہت مشابہت ہے۔

☆ مونچھ کے بال اتنے کترے جائیں کہ اوپر کے ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہو جائے۔

چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ "مجتبیٰ کے حوالے سے لکھتے ہیں: " والقص منه حتى يوازى الحرف الاعلى من الشفة العليا سنة بالاجماع "مونچھ اس طرح کترنا کہ اوپر کے ہونٹ کا کنارہ واضح ہو جائے، بالاجماع سنت ہے۔(۴)

☆ ہفتہ میں کم از کم ایک بار مونچھوں کو کتر لینا چاہئے، کیونکہ اس سے زیادہ تاخیر کرنے میں بدنما معلوم ہوتا ہے اور بہتر یہ ہے کہ اس عمل کو جمعہ کے دن انجام دیا جائے، کیونکہ اس دن کو دیگر ایام پر خاص فضیلت حاصل ہے، حدیث میں جمعہ کے دن کو سید الایام کہا گیا ہے؛ اس لئے اچھی ہیئت کے ساتھ نماز جمعہ کیلئے حاضر ہونا چاہئے، آپ ﷺ کا معمول تھا: " كان يأخذ أظفاره وشاربه كل جمعة " آپ ﷺ ہر جمعہ کو ناخن تراشتے اور مونچھ بناتے تھے۔(۵)

---

(۱) فتح الباری: باب قص الشارب، ۳۴۷/۱۰
(۲) نسائی: فصل في الأخذ من الشارب، حديث: ۶۰۳۳
(۳) فتح الباری: باب قص الشارب، ۳۴۷/۱۰
(۴) رد المحتار: فصل في البيع: ۴۰۷/۶، دار الفكر، بيروت
(۵) شرح معاني الآثار: باب اللباس والطيب: ۲۳۱/۲

سر کے بال

☆ احادیث میں آپ ﷺ کے سر کے بال کی مختلف مقدار بیان کی گئی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بال نصف کان تک تھے: کان شعر النبی ﷺ الی انصاف اذنیہ (۱) آپ ﷺ کے بال نصف کان تک تھے۔

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کے بال کان کی لَو تک ہوتے تھے: شعرہ یبلغ شحمۃ أذنیہ (۲) آپ ﷺ کے بال مبارک کان کی لَو تک تھے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کے سر کے بال مونڈھوں تک تھے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: کان یضرب شعرہ منکبیہ آپ ﷺ کے بال مبارک کان کی لَو تک تھے۔ (۳)

نبی کریم ﷺ کے سر کے بال مونڈھوں تک تھے :

حافظ ابوالفضلؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے بالوں کی مقدار کے متعلق احادیث میں تین طرح کے الفاظ مروی ہیں:

۱- جمہ ۲- وفرہ ۳- لمہ

اور تینوں کے معانی الگ الگ ہیں، اور وہ درج ذیل ہیں:

---

(۱) مسلم: باب صفۃ شعر النبی ، حدیث: ۲۳۳۸

(۲) بخاری: باب الجعد ، حدیث: ۵۹۰۱

(۳) بخاری: باب الجعد ، حدیث: ۵۹۰۳

وفرہ : سر کے اس بال کو کہتے ہیں جو کان کی لو تک پہنچ جائیں۔
لمہ : اس بال کو کہتے ہیں جو کان کی لو سے نیچے تک ہوں۔
جمہ : اس بال کو کہتے ہیں جو مونڈھوں تک پہنچ جائیں۔

جمہور اور اہل لغت نے ان تینوں الفاظ کی یہی تعریف کی ہے۔(۱)

اور ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ احادیث میں آپ ﷺ کے سر کے بال کی چھ مختلف کیفیات کا ذکر ہے، چنانچہ ان روایات کو ذکر کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بال

۱۔ کبھی نصف کانوں تک
۲۔ کبھی کانوں کی لو تک
۳۔ کبھی کان کی لو اور کندھوں کے درمیان تک
۴۔ کبھی کندھوں تک
۵۔ کبھی کندھوں کے قریب تک
۶۔ کبھی چار چوٹیوں کی شکل میں ہوا کرتے تھے۔(۲)

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بالوں کے سلسلے میں مقدار و کیفیت کا یہ اختلاف درحقیقت احوال و زمانہ کے اختلاف کی وجہ سے ہے کہ جب آپ ﷺ بال نہیں بنواتے تھے تو مونڈھوں تک آجاتے تھے، اور جب بنوا لیتے تھے تو نصف کان تک ہو جاتے تھے، پھر جب بڑھ جاتے تو کان کی لو تک آجاتے، کچھ اور بڑھ جاتے تو کان اور مونڈھے کے درمیان تک ہو جاتے تھے۔(۳)

☆ عام طور پر آپ ﷺ اپنے سر کے بال رکھا کرتے تھے، آپ ﷺ سے حج و عمرہ کے علاوہ کسی اور موقع پر سر کے بال کا منڈانا ثابت نہیں ہے، علامہ مناویؒ بعض شارحین مصابیح کے حوالے سے آپ ﷺ کے بارے میں لکھتے ہیں: "لم یحلق رأسه فی سنی الهجرة الا عام الحدیبیة ثم عام عمرة القضاء ثم عام حجة الوداع" (۴)

---

(۱) جمع الوسائل: ۷۶/۱، باب ما جاء فی شعر رسول الله ﷺ
(۲) جمع الوسائل: ۸۱/۱، باب ما جاء فی شعر رسول الله ﷺ
(۳) جمع الوسائل: ۸۱/۱، باب ما جاء فی شعر رسول الله ﷺ
(۴) جمع الوسائل: ۸۲/۱، باب ما جاء فی ترجل رسول الله ﷺ

"ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ نے صلح حدیبیہ، عمرۃ القضاء اور حجۃ الوداع کے علاوہ کسی اور موقع پر سر کے بال کو نہیں منڈایا ہے۔"

اسی لئے سر پر بال کا رکھنا افضل ہے، حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: "بال رکھنا حضور ﷺ کا بطورِ عادت کے ہے نہ کہ بطورِ عبادت کے، اس لئے اولیٰ ہونے میں تو شبہ نہیں"۔(۱)

☆ سر پر بال رکھے تو اس کا اکرام بھی کرے:

سر کے بال رکھنا اولیٰ وافضل ایسے شخص کے حق میں ہے جو بالوں کی نگہداشت کرسکتا ہو، اور اس کی صفائی وستھرائی پر خاطر خواہ توجہ دے سکتا ہو، آپ ﷺ کا معمول تھا کہ بالوں میں کثرت سے تیل لگاتے اور کنگھا کرکے الجھے ہوئے بالوں کو درست فرماتے " ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یکثر دھن رأسہ ، وتسریح لحیتہ ، و یکثر القناع " (۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سر میں بکثرت تیل لگاتے تھے، حتی کہ آپ ﷺ کا کپڑا تیلی (زیات) کے کپڑے کی طرح ہوجاتا تھا "حتی کأن ثوبہ ثوب زیات" (۳)

تیل سے عمامہ اور ٹوپی کو بچانے کیلئے آپ ﷺ سر پر کپڑے کا ایک ٹکڑا رکھتے تھے، یہ کپڑا عموماً تیل سے تر رہا کرتا تھا، جو تیلی کے کپڑے کی طرح معلوم ہوتا تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ دن میں دو بار تیل لگاتے تھے۔(۴)

☆ جب سر میں تیل لگانے کا ارادہ ہو تو تیل کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھیں، پھر بسم اللہ پڑھ کر سب سے پہلے ابرو پھر آنکھوں پر لگائیں، اس کے بعد سر پر لگانا شروع کریں، حضرت

---

(۱) امداد الفتاویٰ : بالوں کے حلق وقصر اور خضاب کے احکام : ۴/۲۲۴

(۲) شمائل ترمذی : حدیث : باب ما جاء فی ترجل رسول اللہ ﷺ : ۳۳

(۳) شمائل ترمذی : حدیث : باب ما جاء فی ترجل رسول اللہ ﷺ : ۳۳

(۴) جمع الوسائل: ۱/۸۴، باب ما جاء فی ترجل رسول اللہ ﷺ

عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ سر میں تیل لگاتے تو اسے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھتے، اور ابرو پھر آنکھوں پر لگاتے، اس کے بعد سر پر لگاتے" ان اذا ادھن صب فی راحته الیسری فبدأ بحاجبیه ثم عینیه ثم رأسه " (۱)

☆ سر کے بال منڈائے بھی جاسکتے ہیں :

جیسا کہ گذشتہ سطور میں اس کی وضاحت آچکی ہے کہ جو سر کے بال رکھے تو اس کا اکرام بھی کرے، اکرام ہی کے قبیل سے تیل لگانا، کنگھا کرنا اور بالوں کو صاف ستھرا رکھنا ہے۔ (۲)

لیکن جو شخص بالوں کے حقوق ادا نہ کرسکتا ہو، اور اس کی صفائی وستھرائی کا مناسب خیال نہ رکھتا ہو تو اس کے حق میں بہتر یہ ہے کہ وہ بال نہ رکھے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ سر کے بال منڈا دیا کرتے تھے " ثم عادیت رأسی فمن ثم عادیت رأسی ثلاثا وکان یجز شعره " (۳)

اور اسی غرض سے آپ ﷺ نے بھی بچوں کے سر کے بال کو منڈوایا ہے۔ (۴)

اسی لئے علامہ عینیؒ لکھتے ہیں کہ سر کے بال منڈانے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ (۵)

مرقاۃ میں ہے کہ حج وعمرہ کے علاوہ بھی سر کے بال کو منڈانا جائز ہے۔ (۶)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ ہر جمعہ کو سر کے بال کا منڈانا مستحب ہے۔ (۷)

---

(۱) کنزالعمال: لباب الثالث فی شمائل تتعلق بالعادات ...... الخ: حدیث : ۱۸۲۹۹

(۲) مرقاۃ : باب الترجل، ۲۸۲۷/۷

(۳) ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۹، باب الغسل من الجنابة، ابن الترکمانی کہتے ہیں: اس کو ابوداؤد نے مسلم کے رجال سے نقل کیا ہے اور اس پر سکوت اختیار کیا ہے اور یہ ان کے یہاں حسن درجہ کی روایت ہے : الجوھر النقی : ۱۷۸/۱، دار الفکر، بیروت

(۴) سنن النسائی: حلق رؤوس الصبیان : ۵۲۲۷، حلق رؤوس الصبیان

(۵) عمدۃ القاری : باب القزع: ۵۸/۲۲

(۶) مرقاۃ : باب الترجل: ۲۸۱۸/۷

(۷) عالمگیری: الباب التاسع عشر فی الختان ...... الخ : ۳۵۷/۵

☆ سر کے بال قینچی سے چھوٹا کرنا بھی درست ہے، سنت کے خلاف نہیں ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: " إنی قصرت من رأس النبی ﷺ عند المروہ بمقص " (۱)

میں نے نبی ﷺ کے سر کے بال کو مروہ مقام کے پاس قینچی سے تراشا ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ عمرہ جعرانہ کا ہے، اسی میں آپ ﷺ نے سر کے بال کو قینچی سے ترشوایا تھا۔(۲)

مگر خیال رہے کہ سر کے بال قینچی سے ترشواتے وقت ہر طرف کے بال یکساں طور پر لئے جائیں، کسی جگہ کم اور کسی جگہ زیادہ کاٹنا درست نہیں ہے، آج کل قینچی سے بال ترشواتے وقت اگلے حصہ کے بال کو کم چھوٹا کیا جاتا ہے، اور پچھلے حصہ نیز کانوں کے اوپر کے بال کو زیادہ چھوٹا کیا جاتا ہے، یہ سنت کے خلاف ہے، نائی کو بال بنواتے وقت یکساں کرنے کی ہدایت کرنی چاہئے۔

☆ حضور ﷺ بالوں میں کنگھا بھی کرتے تھے، روایتوں سے ثابت ہے کہ کبھی آپ ﷺ خود اپنے ہاتھ سے کنگھا کرتے تھے، اور کبھی حضرت عائشہؓ اس عمل کو انجام دیا کرتی تھیں، چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: " کنت أرجل رأس رسول اللہ وأنا حائض " (۳)

میں حائضہ ہونے کی حالت میں بھی آپ ﷺ کے سر میں کنگھا کیا کرتی تھی۔

ایک صحابی جب بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ کو بڑی ناگواری ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ کوئی چیز (کنگھا وغیرہ) نہیں پاتا جس سے اپنے بال کو درست کر لیتا؟ " ما یجد هذا ما یسکن به شعره " (۴)

حضرت عطاء بن یسارؒ سے روایت ہے کہ ایک صحابی جن کے سر اور داڑھی کے بال پراگندہ

(۱) بخاری: باب الحلق والتقصیر عند الاحلال حدیث: ۱۷۳۰
(۲) مرقاۃ: باب الحلق: ۵/۱۸۲۸
(۳) بخاری: باب ترجیل الحائض زوجها: حدیث: ۵۹۲۵
(۴) سنن النسائی: تسکین الشعر، حدیث:: ۵۲۳۶

اور بکھرے ہوئے تھے، وہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے، آپ ﷺ نے ان کی اس حالت کو ناپسند فرمایا، اور بالوں کو درست کرنے کا حکم دیا، جب وہ درست کر کے دوبارہ حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ حالت اس حالت سے بہتر نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی مجلس میں آئے اور اس کے بال بکھرے ہوئے ہوں (اور دیکھنے والوں کو اس کی صورت) شیطان جیسی معلوم ہو؟ ”کأنه شیطان“ (۱)

☆ زیب و زینت والے امور میں خاص طور سے آپ ﷺ کو داہنی طرف سے ابتداء کرنا پسند تھا، خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ وضو کرنے میں، کنگھا کرنے میں اور جوتا پہننے میں داہنی طرف کو مقدم رکھتے تھے ”یعجبه التیمن فی تنعله وترجله وطهوره“ (۲)

☆ بالوں کے مونڈنے اور کترنے کے یہ احکام تو مردوں کے تھے، عورتوں کے حق میں سر کے بال چونکہ خلقی طور پر زیب و زینت میں داخل ہیں، اس میں تراش خراش کرنا شرعاً زینت کے خلاف اور خلقت الٰہی میں ایک طرح کا تغیر شمار ہوگا، تکملہ بحر میں ہے کہ آسمان پر موجود فرشتوں کی تسبیح ہے: ”سبحن من زین الرجال باللحی والنساء بالذوائب“ (۳)

”پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو داڑھی سے اور عورتوں کو چوٹیوں سے زینت بخشی۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے عورتوں کو سر کے بال منڈانے سے منع فرمایا ہے ”أن تحلق المرأة رأسها“ (۴)

---

(۱) موطا امام مالك: باب اصلاح الشعر : ۳٤۹٤

(۲) بخاری: باب التیمن فی الوضوء ، حدیث: ۱٦۸

(۳) تکمله البحر الرائق: فصل فی بیان ما یلحق بدیة النفس: ۳۷۷/۸

(۴) ترمذی : باب ما جاء فی کراهیة الحلق للنساء ،حدیث : ۹۱٤، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو بزار نے روایت کیا ہے اور اس میں معلی بن عبدالرحمٰن ہیں، جنہوں نے وضع حدیث کا اعتراف کیا ہے، ابن عدی کہتے ہیں: مجھے امید ہے کہ: ان میں کچھ حرج نہیں: مجمع الزوائد : باب النهی عن حلق المرأة رأسها ، حدیث: ۵٦۰۷

حج وعمرہ کے احرام سے نکلنے کیلئے بھی عورتوں کے ذمہ سر کے بال منڈانا نہیں ہے، بلکہ انگلی کے پوروں کے برابر چھوٹا کرنے کا حکم ہے۔(۱)

اس لئے عورتوں کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے سر کے بال مونڈوائے یا اسے ترشوائے۔(۲)

البتہ اگر سر میں زخم ہو، یا شدید قسم کا درد ہو، اور بال کٹانے سے حسب مشورہ ڈاکٹر اس میں کمی ہوسکتی ہوتو حسبِ ضرورت منڈانا یا کم کرانا درست ہے، مرض کے علاوہ باقی کسی صورت میں بالوں کی تراش وخراش درست نہیں ہے۔(۳)

---

(۱) البحر الرائق: فصل لم یدخل مکة وقف بعرفة : ۳۸۱/۲
(۲) شامی: مسائل شتی، فصل فی البیع: ۴۰۷/۶
(۳) عالمگیری: الباب التاسع عشر فی الختان ......الخ : ۳۵۸/۵

اسلامی کیلنڈر کی شرعی حیثیت

اسلام اپنے ہر معاملہ میں اپنا ایک تشخص، امتیاز اور خصوصیت چاہتا ہے، اب ہماری صورتحال یہ ہے کہ ہر معاملہ میں غیروں کی اتباع اور ان کی تقلید کو اپنے لئے سرمایۂ افتخار اور عزت وشرف کا باعث گردانتے ہیں، ہماری یہی صورتحال ہماری اسلامی تاریخ کے ساتھ بھی ہوئی ہے، ہم اپنی تاریخ کو تو بھول گئے اور دوسروں کی تاریخ پر اس قدر فریفتہ ہوئے کہ ہمیں اپنی تاریخ سرے سے یاد ہی نہیں رہی۔

اسلامی کیلنڈر ہجری کیلنڈر کہلاتا ہے، جس کی ابتداء ماہ محرم الحرام سے ہوتی ہے، شریعت کے بہت سے احکام کو اسی ہجری کیلنڈر سے وابستہ کیا گیا ہے، یہ اسلامی تاریخ مسلمانوں کیلئے ایک نشانِ امتیاز رکھتی ہے، جس طرح عیسائیوں کی ایک تاریخ ہے، نیز دیگر اقوام کی اپنی اپنی تاریخیں ہیں، اسی طرح اہل اسلام کی بھی اپنی ایک تاریخ ہے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب تاریخ مقرر کرنے کی ضرورت محسوس کی تو اسلام کی تاریخ کی از سر نو بنیاد ڈالی اور اس کو رواج دیا، حالانکہ اس دور میں مختلف تواریخ مختلف اقوام میں رائج تھیں، عیسائیوں کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت شریفہ یا ان کے رفع سے تاریخ موجود اور رائج تھی، اسی طرح یہود کی اپنی ایک تاریخ موجود تھی اور خود مکہ اور اس کے اطراف کے لوگوں میں ہاتھی کے اس عظیم واقعہ سے تاریخ چلتی تھی جس کا وقوع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ سے صرف ۵۵ دن پہلے ہوا تھا، اور اس کو "عام الفیل" کہا جاتا تھا۔

مگر اس کے باوجود حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا نہیں کیا کہ ان مروجہ تواریخ میں سے کسی تاریخ کو اپنا لیا ہو، اور اس پر اکتفا کیا ہو، بلکہ مستقل طور پر مشورہ کر کے ایک اسلامی تاریخ کی بنیاد رکھی اور اس کو رواج دیا۔

☆ اسلامی تاریخ جس کو ہجری تاریخ کہا جاتا ہے، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اس کی بنیاد رکھی گئی اور یہ تاریخ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے طے پائی تھی۔

علامہ ابن اثیر نے کہا ہے کہ: صحیح اور مشہور یہی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہجری تاریخ کی بنیاد رکھی، اس کی وجہ یہ بنی تھی کہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ آپ کی طرف سے ہم کو خط موصول ہوتے ہیں، مگر اس پر تاریخ لکھی ہوئی نہیں ہوتی "إنه تاتينا منك كتب ليس لها تأريخ" (یعنی یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ خط کب کا لکھا ہوا ہے) اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے مشورہ کیا، بعض حضرات نے مشورہ دیا کہ نبوت کے سال سے تاریخ لکھی جائے، بعض نے سال ہجرت کا اور بعض نے وفات کے سال کا مشورہ دیا، مگر جمہور نے اس پر اتفاق کیا کہ ہجرت کے سال سے اسلامی تاریخ مانی جائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی پر فیصلہ کیا، کیوں کہ ہجرت نے ہی حق اور باطل کے درمیان حد فاصل کا کام کیا ہے فإن مهاجرته فرق بين الحق والباطل (۱)

حضرت محمد بن سیرینؒ سے روایت ہے کہ: ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا کہ آپ تاریخ لکھا کریں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ: کیا تاریخ لکھیں؟ اس نے کہا: "شيء يفعله الأعاجم، يكتبون في شهر كذا، من سنة كذا" (ایک بات جو عجمی لوگ کرتے ہیں، وہ لوگ لکھا کرتے ہیں کہ فلاں سال کے فلاں مہینہ سے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ہاں! یہ تو اچھی چیز ہے، لہٰذا تاریخ لکھا کرو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ کس سنہ سے ہم اس کا آغاز کریں؟ بعض نے کہا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے، بعض نے کہا کہ: وفات سے، پھر ہجرت پر سب نے اتفاق کر لیا" فاتفقوا علي الهجرة " پھر ان لوگوں نے کہا: کس مہینہ سے؟ ان لوگوں نے کہا: رمضان سے، پھر کہا کہ: محرم سے، کیوں کہ لوگ اس مہینہ میں حج سے واپس ہوتے ہیں اور وہ محترم اور معزز مہینہ ہے" فالمحرم هو

(۱) الكامل في التاريخ: ۱/ ۹، دار الكتاب العربي، بيروت

منصرف الناس من حجهم وهو شهر حرام ، فأجمعوا عليه " (۱)

اور ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک دستاویز پیش کی گئی، جس کی میعاد شعبان تھی، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: کونسا شعبان مراد ہے؟ وہ جو گذر گیا یا جو آنے والا ہے؟ " فقال عمر : أي شعبان ، الذي هو آت ، أو الذي نحن فيه ؟ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو جمع کیا اور مشورہ کیا۔(۲)

مذکورہ بالا روایات کی روشنی میں پتہ چلا کہ اولاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی تاریخ مقرر کرنے کی ضرورت معلوم ومحسوس ہوئی ، پھر دوسرے اصحاب رضی اللہ عنہم کی طرف سے بھی تحریک ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ کیلئے صحابہ کو جمع کر کے ایک فیصلہ کر دیا۔

ہجرت سے اسلامی تاریخ کی ابتدا کی جائے اس کی طرف لطیف اشارہ جس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسلامی تاریخ کیلئے ماخذ بنایا وہ یہ آیت قرآنی ہے " لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ " (۳)

البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد اول روز سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہو کر نماز پڑھیں یہ پہلا دن وہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں وارد ہوئے تھے اور اسلام کو عزت ملی تھی ، پس یہاں اول روز سے مراد تاریخ اسلامی کا پہلا روز ہے اور وہ ہجرت کا دن ہے۔(۴)

ماہِ محرم سے اسلامی سال کی ابتداء کی ایک وجہ تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی یہ لوگوں کے ایک عظیم فریضۂ اسلام کی ادائیگی کے بعد واپسی کا مہینہ ہے اور اس کے علاوہ یہ معزز اور محترم مہینہ بھی ہے، اور اس کے علاوہ ایک وجہ ماہِ محرم سے سال کی ابتدا کی یہ بھی بتائی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کا جو عزم اور ارادہ فرمایا تھا وہ ماہِ محرم میں ارادہ فرمایا تھا، گرچہ

---

(۱) الکامل فی التاریخ : ۱/ ۱۰، دار الکتاب العربی، بیروت
(۲) تاریخ طبری: ذکر الوقت الذی عمل فیه التاریخ ، ۲/ ۳۸۸، دار التراث ، بیروت
(۳) التوبه : ۱۰۸
(۴) فتح الباری: ۷/ ۲۶۸

اس پر عمل ربیع الاول میں ہوا، علامہ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ: یہ سب سے قوی وجہ ہے جس کو میں نے محرم سے ابتداء کی مناسبت میں پایا ہے۔(۱)

☆ لہٰذا مہینوں کے عربی نام چھوڑ کر عجمی نام اختیار کرنا اس کو امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے مکروہ قرار دیا ہے، امام احمدؒ نے حضرت مجاہد کی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ وہ یوں کہنے کو مکروہ سمجھتے تھے: آزرماہ، وذماء (یہ فارسیوں کے یہاں مہینوں کے نام ہیں)۔(۲)

اگر یہ نام صرف کافروں کے یہاں ہی استعمال ہوتے ہیں تو اس کا استعمال کرنا حرام ہے اور اگر یہ مسلمانوں کے یہاں بھی استعمال کئے جاتے ہیں تو ان کا استعمال مکروہ ہے، (جیسے ہمارے معاشرہ میں گیارہویں، بارہویں، تیجہ کنڈے وغیرہ کے نام سے مہینوں کو موسوم کرنے کا جہلاء میں رواج ہے) چونکہ اسلامی اور دینی نام ہی کو شریعت نے مشروع کیا ہے، اسلامی احکام روزہ، حج وغیرہ دیگر امور بھی اسی سے متعلق ہیں "وکذالك الأصل هو كراهة التشبه بالأعاجم المسلمين فيما انفردوا به" ہاں اگر وہ غیر عرب جو عربی مہینوں کا تلفظ نہ کرسکتے ہوں تو ان کے حق میں یہ کراہت نہیں ہے۔(۳)

☆ اسی طرح اسلامی کیلنڈر کو ترک کر کے عیسوی کیلنڈر کا اپنانا بھی ظاہری روایات کے اعتبار سے ناجائز ہے۔

ت چونکہ عیسائی یا میلادی کیلنڈر اس میں نصاریٰ کے دین اور مذہب کی بوو باس موجود ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی طرف یہ کیلنڈر مشیر ہے، اور نصاریٰ کی مشابہت کسی امر میں جائز نہیں ہے خواہ وہ چیز تحریف شدہ ہو یا نہ ہو، اور نصاریٰ کی عیدیں اور ان کے دینی امور بھی اسی عیسوی کیلنڈر سے متعلق ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کا خود اپنا اسلامی کیلنڈر ہے، جس کی ایجاد ہی غیروں سے مشابہت سے بچنے کیلئے ہوئی ہے جیسا کہ اوپر کی روایات سے معلوم ہوا، اگر محض تاریخ کا مسئلہ ہوتا تو اس وقت

(۱) فتح الباری: ۲٦٨/٧

(۲) الآداب الشرعیه لابن مفلح : فصل فی دخول معابد الکفار : ۴۳۳/۳

(۳) التشبه المنهی عنه فی الفقه الإسلامی: رسالة مقدمة لنیل درجة الماجستیر: ٤٦٣

دیگر اقوام کی تاریخیں موجود تھیں، انہیں میں سے کسی ایک کو اختیار کیا جاتا، علیحدہ سے اسلامی تاریخ کے اختیار کرنے کی ضرورت بالکل نہ ہوتی۔

☪ عیسوی تاریخ پر تکیہ کئے رہنا، اور اسلامی تاریخ اور کیلنڈر کا ترک یہ مسلمان نسل کو عیسائی تاریخ اور ان کی اعیاد اور ادیان سے مربوط کرنا ہے، اور ان کو اسلامی تاریخ اور دینی مزاج و مذاق اور اپنی شناخت سے دور کرنا ہے۔

قرآن شریف میں اللہ عز وجل کا ارشاد گرامی ہے: "يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ" (۱)

روایات میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع مہینے کے چاند کے سلسلے میں سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ چاند کا کیا معاملہ ہے کہ ظاہر ہوتا ہے دھاگے کی طرح باریک سا اور پھر بڑھتا چلا جاتا اور گول بن جاتا ہے پھر گھٹنا شروع ہوجاتا ہے اور بالکل باریک ہوجاتا ہے جیسا کہ پہلے تھا، "يبدو ويطلع دقيقا مثل الخيط ثم يزيد حتى يعظم ويستوي ويستدير ثم لا يزال ينقص ويدق حتى يعود كما كان" اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ کہہ دیجئے کہ چاند دراصل لوگوں کے معاملات میں بھی اور ان کی عبادات میں بھی اوقات معلوم کرنے کا آلہ وذریعہ ہے۔ (۲)

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

"اس آیت سے تو اتنا معلوم ہوا کہ چاند کے ذریعہ تمہیں تاریخوں اور مہینوں کا حساب معلوم ہوجائے گا، جس پر تمہارے معاملات اور عبادات حج وغیرہ کی بنیاد ہے، اسی مضمون کو سورہ یونس کی آیت میں اس عنوان سے بیان کیا گیا ہے "وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ" (۳)

جس سے معلوم ہوا کہ چاند کو مختلف منزلوں اور مختلف حالات سے گذارنے کا فائدہ یہ ہے

(۱) البقرة : ۱۸۹

(۲) الدر المنثور : ۱/ ۴۹۰، دار الفكر، بيروت

(۳) يونس : ۵

کہ اس کے ذریعہ سال اور مہینوں اور تاریخوں کا حساب معلوم ہو سکے، مگر سورۂ بنی اسرائیل کی آیت میں اس حساب کا تعلق آفتاب سے بھی بتلایا گیا ہے، وہ یہ ہے "فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ" (۱) پھر مٹا یا رات کا نمونہ اور بنادیا دن کا نمونہ دیکھنے کو کہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا اور تاکہ معلوم کرو گنتی برسوں کی اور حساب۔

اس آیت کریمہ سے اگر چہ یہ ثابت ہوا کہ سال اور مہینوں وغیرہ کا حساب آفتاب سے بھی لگایا جاسکتا ہے، لیکن چاند کے معاملہ میں جو الفاظ قرآن کریم نے استعمال کئے ہیں، اس سے واضح اشارہ اس طرف ملتا ہے کہ شریعت اسلام میں حساب چاند ہی کا متعین ہے، خصوصاً ان عبادات میں جن کا تعلق کسی خاص مہینہ اور اس کی تاریخوں سے ہے، جیسے روزہ، رمضان، حج کے مہینے، حج کے ایام، محرم، شب برأت وغیرہ سے جو احکام متعلق ہیں، وہ سب رؤیت ہلال سے متعلق کئے گئے ہیں۔(۲)

اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ: عبادات میں قمری حساب کا اعتبار فرض وضروری ہے حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: "پھر عبادات کے معاملہ میں تو قمری حساب کو بطور فرض متعین کر دیا اور عام معاملات تجارت وغیرہ میں بھی اسی کو پسند کیا، جو عبادات اسلامی کا ذریعہ ہے اور ایک طرح کا اسلامی شعار ہے، اگر چہ شمسی حساب کو ناجائز قرار نہیں دیا، شرط یہ ہے کہ اس کا رواج اتنا عام ہو جائے کہ لوگ قمری حساب کو بالکل بھلا دیں، کیوں کہ ایسا کرنے میں عبادات روزہ وحج وغیرہ میں خلل لازم آتا ہے، جیسا کہ اس زمانہ میں عام دفتروں اور کاروباری اداروں؛ بلکہ نجی وشخصی مکاتبات میں شمسی حساب کا ایسا رواج ہو گیا ہے کہ بہت سے لوگوں کو اسلامی مہینے پورے یاد نہیں رہے، یہ شرعی حیثیت کے علاوہ غیرتِ قومی اور ملی کا بھی دیوالیہ پن ہے، اگر دفتری معاملات میں جن کا تعلق غیر مسلموں سے بھی ہے،

(۱) بنی اسرائیل: ۱۲

(۲) معارف القرآن: ۱/۳۱۱-۳۱۲

ان میں صرف شمسی حساب رکھیں، باقی نجی خط وکتابت اور روزمرہ کی ضروریات میں قمری اور اسلامی تاریخوں کا استعمال کریں تو اس میں فرض کفایہ کی ادائیگی کا ثواب بھی ہوگا اور اپنا قومی شعار بھی محفوظ رہے گا۔(۱)

اس سے پتہ چلا کہ اگر اسلامی تاریخ اور کیلنڈر کو بالکلیہ ترک کر دیا جائے اور عیسوی کیلنڈر ہی کو رواج دیا جائے تو یہ ناجائز ہوگا۔

(۱) معارف القرآن: ۳۶۸/۱

ہدیہ آداب واحکام

"ہدیہ" کے معنی تحفہ کے ہیں، تحفہ معمولی ہو یا قیمتی کسی انسان کی محبت میں اور اس سے اظہارِ تعلق کیلئے اس کو کچھ دینا ہدیہ ہے۔

☆ آپسی تعلقات کی درستگی اور آپسی جوڑ کو باقی اور برقرار رکھنے کیلئے ہدیہ اور تحفہ سے بڑھ کر کوئی موثر چیز نہیں، اس لئے احادیث میں آپس کے ہدایا کے تبادلے کی ترغیب دی گئی ہے کہ محبت والفت قائم اور باقی رہے، رشتے ناتے بنے رہیں۔

اس لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا "تهادو تحابّوا" ہدایا کے تبادلے کے ذریعہ محبت اور الفت میں اضافہ کرو۔(۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ: "تهادوا فانّ الهدية تذهب وحر الصدور" ایک دوسرے کو ہدایا دیا کرو، یہ دلوں کی رنجش دور کرتا ہے۔(۲)

☆ خود نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہدایا کے تبادلہ کا معمول تھا اور آپ ﷺ نے ہدیہ کے تبادلہ پر بڑے اجر وثواب کا وعدہ فرمایا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خالہ اُمِ حفیدؓ نے حضور ﷺ کو پنیر اور گھی کا ہدیہ پیش کیا تو حضور ﷺ نے پنیر اور گھی نوش فرمایا "فأكل النبي من الاقط والسمن" (۳)

---

(۱) الأدب المفرد: باب قبول الهدية، حديث: ٥٩٤، علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ: حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے: نيل الأوطار : باب افتقارها الى القبول : ٧٣/٦

(۲) ترمذی: باب في حثّ البنى على الهدية ، حديث: ۳۱۳۰، ادارة الطباعة المنيرية، ابن الملقن نے کہا ہے کہ: امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا، بعض اہل علم نے ابی معشر کے قوتِ حافظہ کے تعلق سے کلام کیا ہے اور ابن قطان کہتے ہیں کہ: نجیح ضعیف ہیں، بعض لوگ ان کی توثیق کرتے ہیں: البدر المنير: ١١٥/٧، دار الهجرة للنشر والتوزيع

(۳) بخاری : باب قبول الهدية ،حديث: ٢٤٣٦

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کھانا لایا جاتا تو اس کے بارے میں دریافت فرماتے: یہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر یہ کہا جاتا کہ یہ صدقہ ہے تو اپنے اصحاب سے کہتے: تم لوگ کھاؤ اور خود تناول نہ فرماتے اور اگر یہ کہا جاتا کہ: یہ ہدیہ ہے تو اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے اور نوش فرماتے "ضرب بيده فأكل معهم" (۱)

☆ معمولی ہدیہ کو بھی حقیر اور کمتر نہ تصور کرے، چونکہ ہدیہ کی مقدار کی کمی وزیادتی مطلوب نہیں ہوتی، پیش کرنے والے کی جانب سے محبت وخلوص کا اظہار اصل مقصود ہوتا ہے اور چونکہ جتنا میسر ہو اس کے دینے میں کلفت نہیں ہوتی، اہتمام میں کلفت ہوتی ہے، اور تکلف تکلیف کو شامل ہوتا ہے،، پھر اظہارِ محبت کیسے ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی مجھے بکری کا ایک پایا بھی پیش کرے تو میں اسے قبول کرلوں گا "لو أهدي الى كراع لقبلته" (۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی پڑوسن اپنے پڑوسن کے ہدیہ کو حقیر نہ سمجھے، اگرچہ وہ بکری کے کھر کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو "ولو فرسن شاة" (۳)

☆ ہدیہ کو رد نہ کرے اور قبول کرنے سے نہ رک جائے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کو ہدیہ کے طور پر خوشبودار پھول پیش کیا جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اسے رد نہ کرے، وہ بہت ہلکی اور کم چیز ہے اور اس کی خوشبو بھی اچھی ہوتی ہے "فانه خفيف المحمل، طيّب الريح" (۴)

---

(۱) بخاری: باب قبول الهدية، حديث: ۲۴۳۷

(۲) ترمذی: باب قبول الهدية واجابة الدعوة، حديث: ۱۳۳۸، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۳) بخاری: باب فضلها والتحريض عليها، حديث: ۲۴۲۷

(۴) مسلم: باب استعمال المسك، حديث: ۲۲۵۳

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین چیزوں کو رَد نہیں کرنا چاہئے (یعنی کوئی دے تو انکار نہیں کرنا چاہئے) تکیہ، خوشبو اور دودھ
" ثلاث لا تُردّ: الوسائد ، والدّهن واللّبن " (۱)

اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ جو شخص بغیر مانگے ملنے پر نہ لے اس کو مانگنے پر بھی نہیں ملتا۔(۲)

بعض علماء کا کہنا ہے کہ جو شخص احتیاج کے باوجود واپس کردے وہ کسی سزا میں مبتلا ہوتا ہے، طمع پیدا ہو جائے یا مشتبہ مال لینا پڑے اور کوئی آفت ایسی ہی آجائے۔(۳)

حضرت سری سقطیؒ نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے پاس ہدیہ بھیجا کرتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے واپس کردیا تو حضرت سری نے فرمایا کہ: احمد واپس کرنے کا وبال لینے کے وبال سے سخت ہے، حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ: ایک مرتبہ پھر اس بات کو فرمادیں (تاکہ میں اس پر غور کرو) حضرت سری نے پھر یہی بات فرمائی کہ واپس کرنے کا وبال لینے کے وبال سے زیادہ سخت ہے، حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ: میں نے اس لئے واپس کیا کہ میرے پاس ایک مہینے کے گذر کے قابل باقی ہے، آپ اس کو اپنے پاس رہنے دیجئے ایک مہینہ کے بعد مجھے مرحمت فرمادیں۔(۴)

امام غزالیؒ نے قبول ہدیہ کے سلسلہ میں چند اہم اور قابل عمل باتیں لکھی ہیں، اس سے واقفیت خصوصاً اس دَور میں بہت ضروری ہے :

ہدایا کے سلسلے میں تین چیزیں قابل غور وفکر ہوتی ہیں، ایک تو مال، دوسرے دینے والے کی غرض، تیسرے لینے والے کی غرض، اول تو دیکھا جاتا ہے کہ وہ مال کیسا ہے؟ اگر حرام مال ہے یا مشتبہ ہے تو اس سے احتراز ضروری ہے، اس کے بعد دوسری چیز دینے والے کی غرض دیکھنا ہے، وہ کس نیت سے دیتا ہے، یعنی ہدیہ کی نیت سے دے رہا ہے، جس سے

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء في كراهية رد الطيب، حديث: ۲۷۹۰، علامہ حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن درجہ کی ہے؛ لیکن یہ بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہے: فتح الباری: ۲۰۹/۵

(۲-۴) فضائل صدقات: ۲۳۳

دوسرے کا دل خوش کرنا اور اس کی محبت بڑھانا مقصود ہے یا صدقہ کی نیت سے دے رہا ہے (یا کسی اور غرض فاسد سے دے رہا ہے) پس اگر محض ہدیہ ہے تو اس کا قبول کرنا سنت ہے، بشرطیکہ اس میں لینے والے پر منت (احسان اور بوجھ نہ ہو) اگر منت ہو تو رد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اگر ہدیہ کی مقدار زیادہ ہونے پر منت (احسان) ہو تو اس میں سے کچھ مقدار لینے میں اور کچھ مقدار واپس کرنے میں مضائقہ نہیں، حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے گھی اور پنیر اور ایک مینڈھا پیش کیا، حضور اکرم ﷺ نے گھی اور پنیر قبول فرمالیا اور مینڈھا واپس کر دیا اور حضور ﷺ کی یہ عادت شریفہ بھی تھی کہ بعض کا ہدایہ قبول فرما لیتے اور بعض کا رد فرما دیتے، ایک مرتبہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: میرا ارادہ ہے کہ کسی شخص کا ہدیہ قبول نہ کروں، بجز ان لوگوں کے جو قریشی ہوں یا انصاری یا دوسی۔(۱)

☆ ہر شخص کے لائق اور مناسب ہدیہ پیش کرے، ہدیہ مہدی (ہدیہ دینے والے) کی عقل وفراست کا غماز ہوتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ: تین چیزیں آدمی کی عقل وفراست کا پتہ دیتی ہیں:

۱۔ ہدیہ : ہدیہ دینے والی کی
۲۔ پیغامبر : پیغام رساں کی
۳۔ خط اور تحریر : کاتب کی

اللہ عزوجل نے بلقیس کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے: "وَاِنِّیْ مُرْسِلَۃٌ اِلَیْھِمْ بِھَدِیَّۃٍ فَنَاظِرَۃٌ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ" (۲)

یعنی بلقیس نے ہدیہ کے جواب کے ذریعہ مدمقابل کے مقام ومرتبہ اور ان کی عقل وفراست کے اندازہ لگانے کی بات کہی ہے۔

☆ ہدیہ دینے میں قریب سے قریب تر کو دینے کی کوشش کرے، پہلے عزیز واقارب میں

(۱) احیاء العلوم: ۲۰۷/۴، دار المعرفۃ، بیروت
(۲) النمل: ۳۵

جو قریب کے ہوں، اور پڑوسیوں میں بھی جس کا گھر قریب ہو، دوست واحباب اور نیکوکاروں میں بھی یہ ترتیب ملحوظ رکھی جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے دو پڑوسی ہیں، میں ان میں سے کس کو ہدیہ دوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "الٰی أقربهما منك بابًا" جس کا دروازہ تم سے قریب ہو۔(۱)

☆ کافر کو ہدیہ دینا اور اس کا ہدیہ قبول کرنا دونوں جائز ہے:

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں ان دونوں مسائل کو الگ الگ عنوان کے تحت ایک ہی جگہ ذکر فرمایا ہے، مشرکین کو ہدیہ دینے کے سلسلے میں اس آیت سے استدلال کیا ہے جس میں امن پسند مشرکین کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کا حکم دیا گیا ہے، "لَا یَنۡهٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَلَمۡ یُخۡرِجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡهُمۡ وَتُقۡسِطُوۡۤا اِلَیۡهِمۡ، اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ" (۲) اللہ تم کو منع نہیں کرتا ان لوگوں سے جو لڑے نہیں تم سے دین پر اور نکالا نہیں تم کو تمہارے گھروں سے کہ ان سے کرو، بھلائی اور انصاف کا سلوک بیشک اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو۔

نیز اس روایت سے بھی کافر کو ہدیہ دینے کا جواز معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت اسماءؓ کی والدہ آئیں تو وہ مشرک تھیں، حضرت اسماءؓ نے دریافت کیا کہ: کیا ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے؟ تو آپ ﷺ نے اثبات میں جواب دیا "نعم صلی أملك" (۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے پاس ایک کپڑے کا جوڑا بکتے ہوئے دیکھا، تو نبی کریم ﷺ سے فرمایا: آپ ﷺ اس جوڑے کو جمعہ کے دن اور وفود کے آمد کے وقت پہننے کیلئے خرید لیجئے، تو آپ ﷺ نے

---

(۱) بخاری: باب حق الجوار فی قرب الأبواب، حدیث: ۵۶۷۴

(۲) الممتحنة: ۸

(۳) بخاری: باب الهدیة للمشرکین، حدیث: ۲۴۷۷

فرمایا: یہ لباس وہ شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، آپ ﷺ کے یہاں اس قسم کے جوڑے آئے تو آپ ﷺ نے ایک جوڑا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں بھی بھیجا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس کو کیسے پہنوں؟ حالانکہ آپ ﷺ نے اس کے بارے میں یوں فرمایا ہے، "كيف ألبسها وقد قُلت فيها ما قلت" آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہیں یہ پہننے کیلئے نہیں دیا، یا تو تم اس کو کسی کو بیچ دو، یا کسی اور کو دے دو، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے بھائی کے پاس جن سے ان کا قبل از اسلام تعلق تھا بھیجا "فأرسل الى أخ له من أهل مكة قبل أن يسلم" (۱)

کافروں کے ہدایہ کے قبول کرنے کا جواز اس طرح ثابت ہے کہ آپ ﷺ یہودیوں کے ہدایا کو قبول فرماتے تھے، اس یہودیہ کا قصہ معروف ومشہور ہے جس نے آپ ﷺ کو زہریلی بکری بطورِ ہدیہ پیش کی تھی "شاة مسمومة" جس کو خود آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے تناول فرمایا تھا۔

دومۃ الجندل نامی مقام کے فرماں روا اُکیدر نے ایک ریشمی جبہ پیش کیا، آپ ﷺ نے اسے قبول فرمالیا، اسی طرح آنحضرت ﷺ نے ملکہ اُیلہ سے خچر اور چادر کا تحفہ قبول فرمایا ہے اور امام بخاریؒ نے کافروں کے ہدیہ کو قبول کرنے کا جواز حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بادشاہِ مصر کے حضرت ہاجرہ کو بطور ہدیہ پیشکش کرنے اور ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبول فرمانے سے ثابت کیا ہے۔ (۲)

☆ ہدیہ کے سلسلے میں سب سے بری اور قبیح بات یہ ہے کہ انسان ہدیہ دے پھر اس کے واپسی کا مطالبہ کرے، ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "العائد في هبته كالكلب يقيء ،ثمّ يعود في قيئه" اپنے ھبہ کردہ ہدیہ کردہ چیز کا مطالبہ کرنے والا کتے کی طرح ہے جو قئی کرتا ہے، پھر اپنی قئی کو چاٹ جاتا ہے۔ (۳)

---

(۱) بخاري: باب الهدية للمشركين ،حديث: ۲٤۷٦

(۲) بخاري: باب قبول هدية المشركين

(۳) بخاري: باب هبة الرجل لامراته ،حديث: ۲٤٤۹

☆ اولاد کو ہدیہ اور تحفہ دینے میں برابری کرے، کسی ایک لڑکے کو اس سے محبت کی وجہ سے میراث کے علاوہ کوئی چیز بطور ہدیہ نہ دے کہ اس طرح دوسری اولاد کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کو عطیہ اور تحفہ دیا اور اس موقع سے وہ چاہتے تھے کہ حضور ﷺ بھی تشریف فرما ہوں، تاکہ آپ ﷺ اس ہدیہ اور تحفہ پر گواہ رہیں تو آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: کیا تم نے اپنی تمام اولاد کو اس طرح عطیہ دیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل کا ڈر کرو اور اپنی اولاد کے مابین انصاف اور عدل کرو" فاتقو اللّٰہ واعدلوا بین أولادکم"(۱)

☆ بطور ہدیہ کے گانے بجانے کے آلات اور حرام وناجائز قسم کے لباس نہ دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کے باہر کپڑے کا ایک جوڑا دیکھا تو فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کاش آپ ﷺ اس کو خرید کر جمعہ اور وفود کی آمد کے موقع سے پہن لیتے تو آپ ﷺ نے فرمایا: " انّما یلبسھا من لا خلاق لہ فی الاٰخرۃ " اس کو وہ شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔(۲)

☆ غیر شرعی اور غیر اسلامی ہدایا میں وہ بھی داخل ہیں جیسے غیروں کے تہوار اور اعیاد کے موقع سے ان کو دیئے جاتے ہیں، جیسے: سالگرہ گفٹ، نیا سال گفٹ، کرسمس گفٹ، اس طرح کے غیر شرعی مواقع سے ہدایا کا پیش کرنا یہ ان کی تائید کرنے کے مماثل ہے۔

☆ والیٔ ملک یا بادشاہِ سلطنت نے اپنے کسی کارندے کو کسی جگہ کے مالیات کے وصولی وغیرہ پر مقرر کیا، اس کو لوگوں نے سلطان کا کارندہ ہونے کی حیثیت سے کچھ ہدیہ یا تحفہ دیا تو اس کا یہ ہدیہ اور تحفہ کا لینا حرام اور ناجائز ہے۔

حضرت ابوحمید الساعدی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو جس کا نام ابن اللتبیہ تھا، وصولیٔ صدقات کیلئے بھیجا، جب وہ واپس آیا تو اس نے سارا حساب

(۱) بخاری: باب الاشھاد فی الھبۃ، حدیث: ۲۴۴۷
(۲) بخاری: باب یلبس أحد ما یجد ،حدیث: ۸۴۶

وکتاب کیا کہنے لگا: یہ تمہارا مال ہے اور یہ بطورِ ہدیہ مجھے ملا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیوں تم اپنے ماں باپ کے گھر میں بیٹھے نہیں رہے کہ تمہارے پاس تمہارا ہدیہ اگر تمہاری بات سچی ہوتی تو خود بخود آجاتا،" فهلّا جلست في بيت أبيك وأمّك حتى يأتيك هديتك ان كنت صادقًا " پھر آپ ﷺ نے خطبہ دیا، اللہ عزوجل کی تعریف کی، پھر فرمایا: حمد وصلوٰۃ کے بعد، میں تم میں سے کسی شخص کو اپنے کاموں پر مقرر کرتا ہوں تو وہ آکر کہتا ہے یہ تمہارا مال ہے، اور یہ میرے لئے ہدیہ ہے، کیوں وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں بیٹھا نہیں رہتا کہ اس کا ہدیہ اس کے پاس آجاتا، اللہ کی قسم! تم میں کوئی شخص اگر ناحق طریقہ سے لے گا تو وہ روزِ قیامت اللہ عزوجل کے یہاں اسے لے کر آئے گا، اگر وہ اونٹ ہوا تو بلبلاتا ہوا آئے گا اگر گائے ہوئی تو ڈکارتی ہوئی آئے گی یا بکری ہوئی تو ممیاتی ہوئی آئے گی، پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند فرمائے، حتی کہ ہم نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی، آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! میں نے یقیناً پہنچادیا، اے اللہ! میں نے یقیناً پہنچادیا " اَللّٰھُمَّ بلّغتُ ، اَللّٰھُمَّ بَلّغتُ " (۱)

☆ اسی طرح قاضی اور حاکم اللہ عزوجل کے حکم میں تبدیلی اور کسی فیصلہ میں شرعی حکم سے عدول کیلئے ہدیہ لینا یہ بھی رشوت اور حرام ہے، حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے "الهدية الى الامام غلول" امام المسلمین کو ہدیہ دینا رشوت ہے۔ (۲)

اللہ عزوجل کا ارشادِ گرامی ہے:" فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰنِیَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰكُمْ، بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ" (۳) جب وہ (قاصد) حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے کہا: کیا تم اس مال کے ذریعہ

---

(۱) مجمع الزوائد: باب هدايا الأمراء، حديث: ٦٧٤٤، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں حمید بن معاویہ الباہلی ہیں جو ضعیف ہیں۔

(۲) بخاری، باب محاسبة الإمام عماله، حديث: ٦٧٧٢

(۳) النمل: ٣٦

میری مدد کرنا چاہتے ہو، جو کچھ اللہ عزوجل نے مجھے دیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تم کو عطا کیا گیا ہے، تمہارے ہدیہ سے تم ہی خوش رہو۔

☆ اگر تحفہ دینے والے کی آمدنی ہی حرام ہو یا اس میں حرام کی آمیزش ہو تو ایسی صورت میں تحفہ قبول کرنے کے تعلق سے حسب ذیل تفصیل ہے:

۱- اگر پورا ذریعہ آمدنی ہی حرام ہو تو ایسے شخص کا تحفہ قبول کرنا جائز نہیں۔

۲- اگر اس کی آمدنی کا اغلب حصہ حرام ہو، اور اس بات کی وضاحت نہ ہو کہ ہدیہ میں جو مال دیا جارہا ہے وہ حرام ہے یا حلال تو اس کا قبول کرنا جائز نہیں۔

۳- اگر ایسا شخص اس وضاحت کے ساتھ ہدیہ دے کہ میں یہ ہدیہ مال حلال میں سے دے رہا ہوں تو ایسا ہدیہ قبول کرنے کی گنجائش ہے۔

۴- اگر کسی کی آمدنی کا غالب حصہ حلال ہو، اور ہدیہ کے بارے میں وضاحت نہ ہو کہ یہ مال حلال سے ہے یا حرام سے؟ تو ایسے شخص کا ہدیہ قبول کرنے کی گنجائش ہے۔

۵- اگر ایسے شخص کے ہدیہ کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ یہ مال حرام سے ہے تو اس ہدیہ کا قبول کرنا جائز نہیں۔(۱)

---

(۱) الفتاوی الهندیه: أبواب الهدایا والضیافات: ۵/۲۴۳-۲۴۲

سفارش : آداب واحکام

☆ لوگوں کی حاجت اور ضرورت کی تکمیل اوران کی اعانت ونصرت یہ بہت بڑی فضیلت اوراہمیت کی چیز ہے، اسی میں سفارش بھی داخل ہے جوایک طرح کی نصرت واعانت، حاجت روائی ومشکل کشائی ہے۔

☆ سفارش دوطرح کی ہےایک جائز سفارش اورایک ناجائز سفارش،اس کی تفصیل کو اللہ عزوجل کےاس ارشادمیں بیان کیا گیا ہے : ”مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا“ (۱) جوکوئی سفارش کرے نیک بات میں اس کا اجراُس کو ملے گا اور جوکوئی سفارش کرے بری بات کی اس کی سزا اُس کو ملے گی۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے اس آیت کی تفسیر میں یوں فرمایا ہے:اس آیت میں سفارش کو اچھی اور بری دوقسموں میں تقسیم فرماکراس کی حقیقت کوواضح فرمادیااور یہ بھی بتلادیا کہ نہ ہر سفارش بری ہےاورنہ ہرسفارش اچھی،اورساتھ ہی یہ بھی بتلادیا کہ اچھی سفارش کرنے والےکو ثواب کا حصہ ملے گا اور بری سفارش کرنے والےکواس کے عذاب کا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جائز شفاعت اورسفارش کیلئے ایک تو شرط یہ ہے کہ جس کی سفارش کی جائے،اس کا مطالبہ حق اور جائز ہو،اور دوسرے یہ کہ وہ اپنے مطالبہ کو بوجہ کمزوری خود بڑے لوگوں تک نہیں پہنچا سکتا،آپ پہنچادیں،اس سے معلوم ہوا کہ خلافِ حق سفارش کرنا یا دوسروں کواس کے قبول کرنے پر مجبور کرنا شفاعتِ سیئہ بری سفارش ہے۔

☆ ضرورت مندوں اورکمزوروں کی سفارش اوران کے کام کی تکمیل کیلئے سعی اورکوشش کرنے کی بے پناہ فضیلت بیان کی گئی ہے۔

(۱) النساء : ۸۵

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جب کوئی حاجت مند اپنی حاجت لے کر آتا اور اپنی ضرورت پوری کرنے کیلئے کوئی درخواست کرتا تو اس وقت آپ ﷺ مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی جانب متوجہ ہوتے اور فرماتے: اس حاجت مند کی مجھ سے سفارش کرو کہ آپ ﷺ اس کی حاجت پوری کردیں، تاکہ تمہیں بھی سفارش کا اجر وثواب مل جائے "اشفعوا وتوجروا" پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کے ذریعہ جو فیصلہ فرمائیں گے اس پر راضی رہو، "ویقضی اللّٰہ علی نبیہ ماشاء" (۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص دنیا میں کسی پریشان حال کی پریشانی کو دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی کوئی ایک پریشانی دور فرمادیتے ہیں "من وسّع علی مکروب کربة فی الدنیا وسّع اللّٰہ علیہ کربة فی الاٰخرة" (۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے کسی بھائی کے کام کیلئے چل کر جاتا ہے، تو اس کا یہ عمل دس سال کے اعتکاف سے افضل ہے اور جو شخص ایک دن کا اعتکاف بھی اللہ کی رضا کیلئے کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقین آڑ فرمادیتے ہیں، ہر خندق آسمان وزمین کی مسافت سے زیادہ چوڑی ہے "من مشی فی حاجة أخیہ کان خیرًا لہ من اعتکاف عشر سنین" (۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میری امت کے کسی شخص کی ضرورت کو پوری کردیا اور اس کے ذریعہ اس کو خوش کرنا چاہتا ہے تو وہ مجھ کو خوش کرتا ہے اور جس شخص نے مجھ کو خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کو

---

(۱) بخاری : باب التحریض علی الصدقة، حدیث: ١٣٦٥

(۲) مسند احمد: مسند أبی ھریرة، حدیث: ٧٦٨٧ محقق شعیب الارنؤط کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے اور اس کی سند کے رجال ثقہ شیخین کے رجال ہیں سوائے محمد بن واسع کے یہ مسلم کے رجال میں سے ہیں۔

(۳) مجمع الزوائد: باب فضائل قضاء الحوائج، حدیث: ١٣٧١٦، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند جید ہے۔

خوش کیا اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرے گا "من سرّ الله أدخله الله الجنّة "(۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو کوئی اپنے بھائی کی حاجت پوری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری فرماتے ہیں "من کان في حاجة أخيه كا ن الله في حاجته " (۲)

ان روایات سے پتہ چلا کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کیلئے جائز امور میں سفارش کرنا یہ بڑے اجر وثواب کا کام ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: " الشفاء ات زكاة المروء ات " سفارش یہ انسانیت کی زکوۃ ہے۔(۳)

☆ البتہ ناجائز کام کیلئے یا کسی کو ناحق مقدمہ سے چھڑانے یا حدود اللہ کے نفاذ سے بچانے، کسی چور یا بدمعاش مجرم کی سفارش کرنا یہ بالکل حرام اور ناجائز ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جس شخص کی سفارش اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کے جاری ہونے میں مانع بن گئی (مثلاً اس کی سفارش کی وجہ سے چور کا ہاتھ کاٹا نہ جا سکا) تو اس نے اللہ سے مقابلہ کیا اور جو شخص یہ جانتے ہوئے کہ وہ ناحق پر ہے، جھگڑا کرتا ہے تو جب تک وہ اس جھگڑے کو چھوڑ نہ دے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں رہتا ہے اور جو شخص مومن کے بارے میں ایسی بری بات کہتا ہے جو اس میں نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخیوں کے پیپ اور خون کے کیچڑ میں رکھیں گے یہاں تک کہ اپنے بہتان کی سزا پا کر اس گناہ سے پاک ہو جائے "من حالت شفاعته دون حدّ من حدود الله فقد ضادّ الله " (۴)

---

(۱) شعب الایمان : الثالث والخمسون من شعب الایمان، حدیث: ۷۶۵۳

(۲) ترمذی: الستر علی المسلم، حدیث: ۱۴۲۶، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔

(۳) کشف الخفاء: ۱/۱۴۶، المکتبة العصرية، المجموع للنووی، فصل فی تلخیص جملة من حال: ۱/۱۳

(۴) ابوداؤد: باب في الرجل يعين على خصومة، حدیث: ۳۵۹۷، امام حاکم نے اس کی سند کو صحیح الاسناد کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، اور علامہ ذہبیؒ نے ان کی موافقت کی ہے۔

قبیلۂ قریش کے ایک اعلیٰ خاندان بنو مخزوم کی ایک خاتون نے چوری کا ارتکاب کیا، اسے سزا کیلئے پیش کیا گیا، قریش کو سخت صدمہ اور ذلت کا احساس ہوا، تو انہوں نے اس کو بچانے کی سوچی، انہوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ جو حضور ﷺ کے چہیتے اور لاڈلے تھے، ان سے سفارش کرانے کو کہا: حضرت اسامہ قریش کے کہنے پر خدمتِ اقدس ﷺ میں بغرضِ سفارش حاضر ہوئے، حضور ﷺ کا چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا اور غصہ میں فرمایا: "یا اسامة ! أتشفع فی حد من حدود اللّٰه" اے اسامہ! کیا تم اللہ کے مقرر کردہ سزا کے بارے میں سفارش کرنے آئے ہو، اس کے بعد حضور ﷺ منبر پر تشریف لائے، اور فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ اگر ان کا کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر کمزور آدمی چراتا تو اسے سزا دیتے، خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنتِ محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ کاٹنے ہی کا حکم کرتا، "وایم اللّٰه لو انّ فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدها "(۱)

☆ سفارش محض ایک مشورہ ہے، خواہ سامنے والا مناسب سمجھے تو قبول کرے ورنہ نہیں، اس کا اندازہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے اس واقعہ سے ہوتا ہے۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی ایک باندی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا تھی اور ان کے شوہر مغیثؓ بھی ایک غلام تھے، غلام شوہر کی بیوی اگر شوہر سے پہلے آزاد کردی جائے تو اس کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کو قبول کرے یا رد کرے، چنانچہ حضرت عائشہؓ نے بریرہ کو آزاد کردیا، آزادی کے بعد انہوں نے اپنا نکاح توڑ دیا، ان کے شوہر کو ان سے بڑی محبت تھی، لیکن بریرہ کو وہ ناپسند تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: بریرہ کے شوہر کالے رنگ کے غلام تھے، میں ان کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ بریرہ کے پیچھے مدینہ کی گلیوں میں روتے ہوئے گھومتے تھے، ان کے آنسوؤں کی داڑھی پر بہتے تھے، یہ دیکھ کر حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ: تم مغیث کی بریرہ سے محبت اور بریرہ کی مغیث سے نفرت پر تعجب نہیں کرتے،

(۱) بخاری: باب ام حسبت انّ أصحاب الکهف والرقیم، مسلم: باب قطع السارق الشریف حدیث: ٤٥٠٥

پھر مغیث کی اس شدتِ محبت کی بناء پر حضور ﷺ نے حضرت بریرہؓ سے فرمایا: کاش تم رجوع کرلیتیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ مجھے کو حکم فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (نہیں) بلکہ میں سفارش کرتا ہوں، انہوں نے عرض کیا: ان کی مجھے ضرورت نہیں ہے (یعنی وہ مجھے ناپسند ہیں)، اس لئے میں سفارش قبول کرنے سے معذور ہوں، آپ ﷺ نے خوش دلی کے ساتھ ان کے حال پر رہنے دیا، "قالت یا رسول الله! تأمرني؟ قال: انّما أنا أشفع، قالت لا حاجة لي فيه" (۱)

☆ ان آیات وروایات کی روشنی میں چند باتیں اور بھی ثابت ہوتی ہیں:

۱- سفارش کرو تو اس طرح کہ سامنے والے کی آزادی میں بالکل خلل نہ آئے، اس میں جبر واکراہ نہیں۔

۲- سفارش قبول کرنے والے بہ طیبِ خاطر سفارش قبول کرے، محض اثر ورسوخ اور منصب وجاہ کے پیشِ نظر سفارش قبول نہ کرے، کیونکہ اس طرح سفارش کرنے سے منصب اور عہدہ پر غیر قابل لوگ متعین ہوں گے، اور اس کے جو نقصانات ہوتے ہیں وہ بالکل ظاہر ہیں۔

۳- صرف جائز امور میں سفارش کی جائے اور قبول کی جائے۔

۴- سفارش کرنا یہ سفارش کرانے والے کی اہلیت کی شہادت ہے، نااہل کی جانب سے شاہد بننا درست نہیں۔

۵- اگر سفارش قبول کرنے سے کوئی معذور ہو تو سفارش کرنے والے کو ناگواری کا اظہار نہ کرنا چاہئے، ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی سفارش کو رد کردیا تو آپ کو کسی طرح کی ناگواری کے اظہار کا کوئی حق نہیں۔

۶- جس کو ضرورت مند سمجھے اس کی سفارش کی جاسکتی ہے، اس کا براہِ راست سفارش کا مطالبہ کرنا کوئی ضروری نہیں، حضور ﷺ نے حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کے سفارش کے مطالبے کے بغیر بریرہؓ سے ان کے بارے میں سفارش کی تھی۔

(۱) بخاری: باب شفاعة النبي صلى الله عليه وسلم، حديث: ۴۹۷۹

۷- سفارش کے الفاظ اس طرح ہونے چاہئے، جس میں سفارش کرنے والے اور قبول کرنے والے ہر دو کی رعایت ہوتی ہے۔

سفارش کی حقیقت صرف اتنی ہوتی ہے کہ جس کے پاس سفارش جارہی ہے اس کو توجہ دلایا جائے، یعنی اس کے علم وذہن میں یہ بات نہیں ہے، آپ نے سفارش کے ذریعہ توجہ دلادی، اگر تم چاہو تو کرو، ورنہ نہیں، پریشر، دباؤ ڈالنا مقصود نہیں، چونکہ ہر ایک کے کچھ اصول وقواعد وضوابط ہوتے ہیں جس کے دائرہ میں رہ کر کام کرنا ہوتا ہے۔

اس لئے کسی حاجت مند کے بارے میں جب سفارش کرے تو ان الفاظ میں کرے ”میرے نزدیک یہ شخص حاجت مند ہے اور میں آپ کو متوجہ کررہا ہوں کہ یہ اچھا مصرف ہے اس پر اگر آپ کچھ خرچ کردیں گے تو انشاء اللہ اجر وثواب کا باعث ہوگا، یہ نہیں کہ یہ کام ضرور کرو“ (۱)

حضرت حکیم الامتؒ جب کسی کے نام کی سفارش لکھتے تو اکثر وبیشتر یہ الفاظ لکھتے ”میرے خیال میں یہ صاحب اس کام کیلئے موزوں ہیں، اگر آپ کے اختیار میں ہو، اور آپ کی مصلحت اور اصول کے خلاف نہ ہو تو ان کا یہ کام کردیجئے۔

۸- سفارش پر معاوضہ لینا حرام ہے، بعض لوگ اپنا اثر ورسوخ اور منصب ومقام کا استعمال کرکے سرکاری نوکریوں یا ایک جگہ سے دوسری جگہ شفٹ کراتے ہیں اور اس کے عوض مال لیتے ہیں، اس طرح کی سفارش کے ذریعہ مادی منفعت حاصل کرنا حرام ہے۔

چونکہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے: ”کوئی شخص سفارش کرے اور اس پر ہدیہ دیا جائے ”فأهدى له هدية“ اور وہ اس کو قبول کرے تو اس نے سود کا ایک بڑا دروازہ کھولا “ فقد أتى بابًا من أبواب الكبائر“ (۲)

---

(۱) اصلاحی خطبات: ۱/۸۷، مکتبہ نعیمیہ دیوبند

(۲) ابوداؤد: باب في الهدية، حديث: ۳۵۴۱، امام قشیری کہتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن ہے، اس کو امام احمد نے روایت کیا اور اس کی سند میں ابن لہیعہ ہے اور ان کے سلسلے میں کلام ہے اور ان کی عمر بن مالک نے متابعت کی ہے جس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ان کے سلسلے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ فقیہ ہیں جیسا کہ تقریب میں ہے، حدیث ان دو سندوں سے منقول ہونے کی وجہ سے حسن ہے، الالمام بأحاديث الأحكام: ۱/۲۰۷، دار ابن حزم لبنان

جس سفارش پر ہدیہ لیا جائے وہ رشوت ہے، حدیث میں اس کو سخت قرار دیا گیا ہے، اس میں ہر طرح کی رشوت داخل ہے۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: ناجائز اور حرام سفارش اس میں ہر طرح کی رشوت داخل ہے، خواہ وہ مالی ہو یا یہ کہ اس کا کام کرنے کے عوض اپنا کوئی کام اس سے لیا جائے۔

تفسیر کشاف وغیرہ میں ہے کہ: ''شفاعتِ حسنہ وہ ہے جس کا منشاء کسی مسلمان کے حق کو پورا کرنا ہو یا اس کو کوئی جائز نفع پہنچانا یا مضرت اور نقصان سے بچانا ہو اور سفارش کا کام بھی کسی دنیوی جوڑ توڑ کیلئے نہ ہو؛ بلکہ محض اللہ کیلئے کمزور کی رعایت مقصود ہو، اور اس سفارش پر کوئی رشوت مالی یا جانی نہ لی جائے اور یہ سفارش کسی ناجائز کام میں بھی نہ ہو، نیز یہ سفارش کسی ایسے ثابت شدہ جرم کی معافی کیلئے نہ ہو جن کی سزا قرآن میں معین ومقرر ہے۔

قرض: آداب واحکام

رسول اللہ ﷺ کی دعوت وتعلیم میں ایمان، اللہ کی عبادت کے بعد بندگانِ خدا اور عام مخلوق کے ساتھ حسن سلوک خاص طور پر ضرورت مندوں اور کمزوروں کی خدمت واعانت پر بڑا زور دیا گیا ہے، ہر فریق دوسرے فریق کی رعایت اور خیر خواہی کرے، جس پر کسی کا حق ہے تو وہ اُس کے ادا کرنے کی کوشش کرے اور جس کا کسی دوسرے پر حق ہے تو وہ اس کے وصول کرنے میں فراخ دلی، نرمی اور فیاضی سے کام لے، سخت اور بے باک رویہ اختیار نہ کرے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ کی رحمت اُس بندے پر ہوتی ہے جو بیچنے میں، خریدنے میں اور اپنے حق کا تقاضا کرنے میں اور وصول کرنے میں نرم اور فراخدل ہو "رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمُحًا اِذَا بَاعَ وَاِذَا اشْتَرٰی وَ اِذَا اقْتَضٰی" (۱)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: تم سے پہلے کسی امت میں ایک آدمی تھا، جب موت کا فرشتہ اُس کی رُوح قبض کرنے آیا اور قبض روح کے بعد وہ اس دنیا سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہوگیا تو اس سے پوچھا گیا کہ تو نے دنیا میں کوئی نیک عمل کیا تھا؟ اس نے کہا: میرا کوئی عمل ایسا نہیں ہے، اس سے کہا گیا کہ: نظر ڈال اور غور کر، اس نے پھر عرض کیا: کہ میرے علم میں کوئی چیز نہیں سوائے اس کے کہ میں لوگوں کے ساتھ کاروبار اور خرید وفروخت کا معاملہ کیا کرتا تھا تو میرا رویہ اُن کے ساتھ درگذر اور احسان کا ہوتا تھا، میں پیسے والوں اور اصحابِ دولت کو مہلت دیتا تھا اور غریبوں،

(۱) بخاری: باب السهولة في الشراء والبيع ومن طلب حقا، حديث: ۱۹۷۰

مفلسوں کو معاف بھی کردیتا تھا "فَانْظِرُ الْمُوسِرَ وَاَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ" تو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کیلئے جنت میں داخلہ کا حکم فرمایا۔(۱)

☆ قرض دینا بڑی فضیلت کی چیز ہے، اس کا اجر وثواب صدقہ سے بھی زیادہ ہے۔

قرض کے لین دین کا ثبوت قرآن سے بھی ہے اور حدیث سے بھی اور اس پر اجماع ہے اور مصلحتِ انسانی کا تقاضا ہے، قرآنِ مجید نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں انفاق کو "قرضِ حسن" قرار دیا ہے۔(۲)

اس میں قرض کے جائز؛ بلکہ مستحب اور مطلوب ہونے کی طرف واضح اشارہ ہے، اور ایک جگہ "دَین" کے ساتھ مدت لکھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے: (۳)

دَین کا لفظ عام ہے اور قرض بھی اس کے دائرہ میں آتا ہے۔

قرض لینا گو مباح ہے، لیکن قرض دینا مستحب ہے، کیوں کہ یہ نیکی اور بھلائی میں تعاون ہے۔(۴)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ: ایک آدمی جنت میں داخل ہوا تو اس نے جنت کے دروازہ پر لکھا دیکھا کہ صدقہ کا اجر وثواب دس گنا ہے، اور قرض دینے کا اٹھارہ گنا "الصدقة بعشر امثالها والقرض بثمانية عشر" (۵)

اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ: میں نے

---

(۱) بخاری: باب ما ذكر عن بني اسرائيل، حديث: ۳۲٦٦

(۲) البقرة : ۲٤٥

(۳) البقرة : ۲۸۲

(۴) الشرح الصغير: ۲۹۲/۲

(۵) ابن ماجة : باب القرض ، حديث: ۲٤۳۱ ، بوصیری کہتے ہیں کہ: اس کی سند ضعیف ہے، خالد بن یزید بن عبدالرحمٰن بن ابی مالک ابو ہاشم الھمدانی الدمشقی ان کی احمد، ابن معین، ابوداؤد، نسائی، ابوزرعہ، ابن جارود، ساجی، عقیلی، دارقطنی وغیرہ نے تضعیف کی اور احمد بن صالح المصری، ابوزرعہ الدمشقی، نے ان کی توثیق کی ہے، ابن حبان نے کہا ہے کہ: یہ شام کے فقہاء میں سے روایت میں صدوق ہیں، لیکن ان سے بہت زیادہ خطا ہوئی ہے اور ان کے والد دمشق کے فقیہ اور مفتی تھے: مصباح الزجاجة: كتاب الصدقات: ۴۳/۲ ، دار الجنان، بيروت

جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ: قرض میں کیا خاص بات ہے کہ وہ صدقہ سے افضل ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ سائل (جس کو صدقہ دیا جاتا ہے) اس حالت میں بھی سوال کرتا اور صدقہ لے لیتا ہے جبکہ اس کے پاس کچھ ہوتا ہے اور قرض مانگنے والا قرض جب ہی مانگتا ہے جب وہ محتاج اور ضرورت مند ہوتا ہے، "وَالْمُسْتَقْرِضُ لَا يَسْتَقْرِضُ اِلَّا مِنْ حَاجَةٍ" (۱)

نیز حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: یہ بات کہ میں دو دینار قرض دوں پھر وہ واپس آجائیں اور میں ان کو کسی کو قرض دوں، یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ان کو صدقہ کردوں۔ (۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ: کسی چیز کو قرض میں دینا اس کو صدقہ کرنے سے بہتر ہے "قرض الشيئ خير من صدقته" (۳)

حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس آدمی کا کسی دوسرے بھائی پر کوئی حق (قرضہ وغیرہ) واجب الاداء ہو اور وہ اُس مقروض کو ادا کرنے کیلئے دیر تک مہلت دیدے تو اس کو ہر دن کے عوض صدقہ کا ثواب ملے گا "فَمَنْ أَخَّرَهُ كَانَ لَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ صَدَقَةٌ" (۴)

☆ قرض لینا مباح ہے۔ (۵)

خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرض لینا ثابت ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ جائز مقصد کیلئے قرض لیا جائے۔

ابن ماجہ کی روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ قرض لینے والے کے ساتھ ہوتا ہے جب تک وہ

---

(۱) ابن ماجة: باب القرض، حديث: ٢٤٣١، اس کی سند پر بحث پچھلی حدیث میں گذر چکی ہے۔
(۲) المغني: ٢٧/٤
(۳) السنن الكبرى للبيهقي: باب ماجاء في فضل الاقراض، حديث: ١٠٧٣٦
(۴) مسند احمد: حديث عمران بن حصين، حديث: ١٩٩٩١ محقق شعیب الارنؤط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔
(۵) المغني: ٢٧/٤

ادا نہ کرے، سوائے اس کے کہ کسی ایسے مقصد کیلئے دَین حاصل کرے جو اللہ کو ناپسند ہو، "کان اللّٰہ مع الدائن حتی یقضی دینه، مالم یکن فیما یکره اللّٰہ" (۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ: حضور اکرم ﷺ کے پاس جب کوئی جنازہ لایا جاتا تو آپ ﷺ اس آدمی کے عمل کے بارے میں دریافت نہیں فرماتے؛ بلکہ اس کے قرض کے متعلق پوچھتے، اگر یہ کہا جاتا کہ اس پر قرض ہے تو اس کی نماز نہ پڑھاتے اور اگر یہ کہا جاتا کہ اس پر قرض نہیں ہے تو اس کی نمازِ جنازہ پڑھتے "وان قیل لیس علیه دین صلی علیه" (۲)

ابن حیان سے مروی ہے کہ: حضرت لقمان نے فرمایا: میں نے چٹانوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا اور لوہے کو اٹھایا، میں نے قرض سے زیادہ بھاری بوجھ کسی میں نہ پایا "ما رأیت أثقل من الدین" (۳)

اسی لئے احادیث میں قرض سے پناہ مانگنے کی تاکید آئی ہے اور اس سلسلہ کی دعائیں بھی منقول ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت آپ ﷺ نماز میں یہ دعا مانگتے تھے: "اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِكَ مِنَ الۡمَاثَمِ وَالۡمَغۡرَمِ (۴) اے اللہ! میں گناہ اور قرض سے پناہ مانگتا ہوں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ یہ دعا فرماتے: "اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الۡكُفۡرِ وَالدَّیۡنِ" (۵) اے اللہ! میں کفر اور قرضہ سے پناہ مانگتا ہوں۔

---

(۱) ابن ماجة : باب من أدان دینار، حدیث : ۲۴۰۹، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو ابن ماجہ نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے اور حاکم نے کہا ہے کہ: اس کی سند صحیح ہے اور اس کے شواہد موجود ہیں: الترغیب: کتاب البیوع وغیرها، حدیث: ۲۷۸۴

(۲) قصص العرب: ۱/۶۷

(۳) قصص العرب: ۱/۶۷

(۴) بخاری: باب الدعاء قبل السلام، حدیث: ۸۳۲

(۵) سنن النسائی : الاستعاذة من الدین، حدیث: ۵۳۷۸

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ان کبیرہ گناہوں کے بعد جن سے اللہ نے سختی سے منع فرمایا ہے جیسے (شرک اور زنا وغیرہ) سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی اس حال میں مرے کہ اس پر قرض ہو اور اس کی ادائیگی کا سامان چھوڑ نہ گیا ہو "أن يموت رجل وعليه دين لا يدع له قضاء" (۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے، اگر کوئی آدمی راہِ خدا میں یعنی جہاد میں شہید ہو، اور اس کے بعد پھر زندہ ہو جائے اور پھر راہِ خدا میں شہید ہو، اور پھر زندہ ہو، اور اُس کے ذمہ قرض ہو تو وہ جنت میں اس وقت تک نہ جاسکے گا جب تک کہ اُس کا قرض ادا نہ ہو جائے "مَا دَخَلَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يُقْضٰى دَيْنُه" (۲)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک جنازہ لایا گیا؛ تاکہ آپ ﷺ اس کی نمازِ جنازہ پڑھائیں، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا اس میت پر کسی کا قرض ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: نہیں، آپ ﷺ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی، پھر دوسری میت لائی گئی، اس کے بارے میں بھی یوں دریافت کیا تو اس کے ذمہ قرض ہونے کی بات کہی گئی، تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: تم لوگ اپنے ساتھی کی نمازِ جنازہ پڑھ لو، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اس کا قرض میں اپنے ذمہ لے لیا تو آپ ﷺ نے اس کی بھی نمازِ جنازہ پڑھادی "فَصَلّٰى عَلَيْهِ" (۳)

ان سب وعیدوں کا تعلق اُس صورت سے ہے جب کہ قرضہ ادا نہ کرنے میں بدنیتی، غفلت، لاپرواہی کا دخل ہو، اگر ادائیگی کی نیت تھی، لیکن قدرت نہ ہونے کی وجہ سے ادا نہ کرسکا تو امید ہے کہ اللہ اس کو معاف کردے۔

---

(۱) ابوداؤد: باب في التشديد في الدين، حديث: ٣٣٤٢

(۲) مسند احمد: حديث محمد بن عبد الله بن حجش، حديث: ٢٢٥٤٦، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو نسائی، طبرانی نے اوسط میں اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح الاسناد کہا ہے: الترغيب: كتاب البيوع وغيرها، حديث: ٢٧٧٨

(۳) بخاری: باب من تكفّل عن ميت، حديث: ٢٢٩٥

☆ اگر قرض کی ادائیگی کے سلسلے میں آدمی کی نیت درست ہو اور وہ ادائیگی قرض کیلئے کوشاں ہو تو اللہ عزوجل اس کا قرض ادا کریں گے، اور اس کے قرض کی ادائیگی کی شکلیں اور صورتیں پیدا فرمادیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو آدمی لوگوں سے (قرض اُدھار) مال لے اور اس کی نیت اور ارادہ ادا کرنے کا ہو تو اللہ عزوجل اس سے ادا کردے گا، (یعنی ادائیگی میں اس کی مدد کرے گا اور اگر زندگی میں وہ ادا نہ کرسکا تو آخرت میں اُس کی طرف سے ادا فرما کر اس کو اس سے سبکدوش کردے گا) اور جو کوئی کسی سے (قرض اُدھار) لے اور اس کا ارادہ ہی مار لینے کا ہو تو اللہ عزوجل اس کو تلف اور تباہ کردے گا (یعنی دنیا میں بھی وہ اس بدنیت آدمی کو ادائیگی کی توفیق نہ ہوگی اور وہ آخرت میں بھی عذاب کا مستحق ہوگا) "ومن أخذ يريد اتلافها أتلفه الله" (۱)

حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ مقروض کے ساتھ ہیں یہاں تک کہ وہ اپنا قرضہ ادا کرے، بشرطیکہ یہ قرض کسی ایسے کام کیلئے نہ لیا گیا ہو جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، "اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الدَّائِنِ حَتّٰى يَقْضِيَ دَيْنَهٗ مَا لَمْ يَكُنْ فِيْمَا يَكْرَهُ" (۲)

حضور اکرم ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت میمونہؓ قرض لیتیں، تو ان سے کہا گیا: ام المؤمنین! آپ قرض لیتی ہیں حالانکہ اس کو ادا کرنے کی سکت آپ میں نہیں ہوتی، تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جو شخص قرض لے اور وہ اس کو ادا کرنا چاہتا ہو تو اللہ عزوجل اس کی اعانت اور مدد فرماتے ہیں "من أخذ دينا وهو يريد أن يؤدّيه أعانه الله عزوجل" (۳)

---

(۱) بخاري: باب من أخذ أموال النّاس، حديث: ۲۲۵۷

(۲) ابن ماجة: باب من أدان دينار وهو ينوي قضاءه، حديث: ۲۴۰۹، بوصیری کہتے ہیں کہ: اس کی سند صحیح ہے: مصباح الزجاجة: كتاب الصدقات: ۲/۳۹، دار الجنان، بيروت

(۳) سنن النسائي: التسهيل فيه، حديث: ٤٦٨٧

☆ بہتر مال اور بہتر بدل سے قرض کی ادائیگی کی کوشش کرے، حضورِ اکرم ﷺ کا بھی یہی معمول تھا، چونکہ یہ اپنی خوشی سے دینا ہے شرط اور معاہدہ کی بناء پر دینا نہیں ہے، اس لئے یہ سود نہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرا رسول اللہ ﷺ پر کچھ قرض تھا تو آپ ﷺ نے جب وہ ادا فرمایا تو (میرا واجبی رقم سے) زیادہ عطا فرمایا" فَقَضٰی لِیُ وَزَادَنِیْ "(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک اونٹ قرض لیا، پھر آپ ﷺ نے قرض کی ادائیگی میں اس سے بڑی عمر والی اونٹنی عطا فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا: تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو قرض کی ادائیگی میں بہتر ہوں " خیارکم محاسنکم قضاء " (۲)

☆ کسی سے قرض لے تو ادائیگی کے وقت اسے دعا بھی دے " بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيُ اَهْلِكَ وَمَالِكَ "(اللہ عزوجل تمہارے اہل ومال میں برکت عطا فرمائے۔(۳)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص پر احسان کیا گیا اور اس نے احسان کرنے والے کو " جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا " (اللہ تم کو اس کا بہتر بدل عطا فرمائیں) کہا تو اس نے (اس دعا کے ذریعہ) پوری تعریف کی اور شکریہ ادا کردیا " فقد أبلغ فی الثناء " (۴)

☆ قرض دہندہ قرض خواہ سے کسی بھی قسم کا نفع حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے:

(۱) بخاری: باب حسن القضاء، حدیث: ۲۲۶۴
(۲) مسلم: باب جواز اقتراض الجیران، حدیث: ۴۱۱۱
(۳) النسائی: الاستقراض، حدیث: ۴۶۸۳
(۴) ترمذی: باب المتشبع بما لم یعطه، حدیث: ۲۰۳۵، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن جید کہا ہے۔

اس کو فرمایا: "كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبَا" ہر وہ قرض جس سے نفع حاصل کیا جائے تو وہ ربا اور سود ہے۔(۱)

قرض دہندہ کو قرض پر نفع حاصل کرنا اور شرط لگانا کہ مقروض اسے اضافے کے ساتھ واپس کرے حرام ہے، اور سود میں داخل ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے قرض پر نفع حاصل کرنے سے منع فرمایا ہے اور بعض روایتوں میں اسے سود قرار دیا گیا ہے "كلّ قرض جرّ نفعًا فهو ربا" (۲) اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

مقدار میں اضافہ تو حرام ہے ہی، کیفیت میں عمدگی کی شرط لگانا بھی جائز نہیں، مثلاً معمولی چیز دی اور شرط لگائی کہ اس کے بدلے میں بہتر چیز واپس کرے، یہ بھی درست نہیں۔(۳)

اگر قرض دہندہ نے شرط تو نہ لگائی، لیکن مقروض نے بذاتِ خود عمدہ چیز واپس کی یا زیادہ مقدار کے ساتھ واپس کی، تو ایسا کرنا جائز ہے۔

آج کل بعض ادارے قرض جاری کرتے ہیں اور قرض کے تناسب سے مقروض سے ماہانہ فیس رکنیت وصول کرتے ہیں، یہ صورت بھی جائز نہیں، اور یہ بھی سود میں آتا ہے، ایسے قرض کو غیر سودی قرض کہنا محض دھوکہ ہے۔

فقہاءؒ نے نہ صرف یہ کہ قرض پر اضافہ کو ناجائز قرار دیا اور اس کو نفع اٹھانے کا ذریعہ بنانے سے منع فرمایا ہے بلکہ بالواسطہ طریقہ پر قرض سے نفع حاصل کرنے کا راستہ بھی بند کر دیا، مثلاً قرض دہندہ مقروض آدمی کو سے کوئی معمولی چیز گراں قیمت میں بیچے، یہ بھی مکروہ ہے۔(۴)

---

(۱) السنن الکبری للبیهقي: باب كل قرض جر منفعة، حديث: ۱۰۷۱۵، اتحاف الخيرة المهرة: باب انما جزاء السلف: ۳/ ۳۸۰، دار الوطن للنشر، الرياض، بوصیری کہتے ہیں کہ: اس کی سند ضعیف ہے سوار بن مصعب ہمدانی کے ضعف کی وجہ سے، اور اس کا ایک شاہد بھی فضالۃ بن عبید کی حدیث سے موجود ہے، جس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں "فهو وجه من وجوه الربا" اس کو حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے سنن الکبری میں نقل کیا ہے۔

(۲) التلخيص الحبير: ۳/ ۳٤

(۳) فتاوى الهندية: ۳/ ۲۰۲

(۴) الدر المختار على هامش الرد: ٤/ ۱۹۵

اسی طرح یہ بھی صورت مکروہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص قرض لینے کیلئے آئے تو قرض دہندہ ساٹھ روپیہ تو اسے قرض کے دیدے اور بیس روپیہ کی چیز اسے چالیس روپیہ میں فروخت کردے؛ تاکہ مقروض کے یہاں اس کے سو روپیہ ہو جائیں گے؟ حالانکہ یہ مقروض کو اسی کا ہی روپیہ حاصل ہوگا۔(۱)

اسی بناء پر فقہاء نے مقروض کے ہدایا اور دعوتوں میں احتیاط کا حکم دیا ہے، حنفیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جو لوگ پہلے سے دعوت نہ دیتے رہے ہوں یا ہدایا و تحائف کا معمول نہ رہا ہو تو ایسی دعوت و تحفوں کا قبول کرنا جائز نہیں، ہاں معاملۂ قرض سے پہلے اس طرح کا معمول رہا تو اب جائز ہے۔(۲)

☆ قرض خواہ قرض ادا کرنے والے کو یہ دعا دے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں آکر ایک شخص نے آپ ﷺ سے اپنے قرضے کے اونٹ کا مطالبہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: دے دو، لوگوں نے (دیکھ کر) کہا: ہمارے پاس بطورِ قرض لئے ہوئے اونٹ سے زیادہ اچھی عمر کا ہے (یعنی جو اونٹ قرض پر لیا تھا یہ اس سے عمدہ ہے) اس نے وصول کر کے کہا: " اَوْفَيْتَنِيْ اَوْفَ اللّٰهُ لَكَ " (۳) آپ نے مجھے پورا پورا حق دیا، خدا آپ کو بھی پورا حق دے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جب تم میں سے کوئی شخص کسی کو قرض دے اور وہ اس کو کوئی ہدیہ دے تو اسے قبول نہ کرے اور اس کو اپنی سواری یا جانور پر سوار کرے تو سوار نہ ہو؛ البتہ یہ کہ ان کے درمیان ہدایا کے تبادلہ اور اس طرح آپسی احسان وسلوک کا معاملہ پہلے ہی سے ہو " اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ جَرىٰ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ قَبْلَ ذٰلِكَ " (۴)

---

(۱) در المحتار: ۱۹۵/٤

(۲) الهندية: ۲۰۳/۳

(۳) بخاری: باب حسن القضاء، حديث: ۲۲٦۳

(۴) ابن ماجة: باب القرض، حديث: ۲٤۳۲، بوصیری نے کہا کہ: اس کی سند میں کلام ہے: مصباح الزجاجة: كتاب الصدقات: ٤٤/۲، دار الجنان، بيروت

☆ قرض کے سلسلے میں یہ چند احکام بھی نکات کی شکل میں یاد رکھے جائیں جسے حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اپنے ایک رسالہ میں درج کیا ہے:

۱- بلا ضرورت قرض نہ لیا جائے یعنی حتی الامکان کسی کے مقروض نہ بنو اور اگر ضرورت کی بناء پر کسی کا مقروض ہونا پڑے تو اس کی ادائیگی کی فکر رکھو، بے پرواہ مت بن جاؤ، اگر وہ کچھ کہے تو اس پر صبر کرو، یہ اس کا حق ہے۔

۲- جب ایک مدت کیلئے اُدھار یا قرض کا معاملہ کیا کرو تو اُسے لکھ لیا کرو۔

۳- اگر لکھنے کا انتظام نہ ہو سکے تو دو آدمیوں کو گواہ بنا لیا کرو۔

۴- یہ تو احکام لینے کے وقت کے ہیں دینے کے سلسلے میں اگر مقروض تنگ دست ہو تو اس کو مہلت دینا چاہئے، اگر ہو سکے تو کچھ حصہ یا تمام کا تمام معاف کر دو۔

۵- اگر مقروض وقت سے پہلے ادا کرے تو قرض دہندہ کو نہ لینے کا اختیار نہیں۔

۶- اگر مقروض دوسرے سے قرض ادا کرائے اور اس سے تم کو وصول لنے کی بھی امید ہو تو اس حوالہ کو منظور کر لو۔

۷- اگر کوئی شخص تمہارا مقروض ہو اور اسی حالت میں وہ تم کو ہدیہ یا دعوت کرے تو اگر پہلے سے راہ رسم (یعنی عادت) جاری نہ ہو تو ہرگز قبول نہ کرو۔

۸- جب کسی کا قرض ادا کیا کرو، ادا کرنے کے ساتھ دعا بھی دیا کرو، اور اس کا شکریہ بھی ادا کیا کرو۔

۹- اگر تم کو وسعت ہو تو کسی مقروض کی طرف سے اس کا قرض ادا کر دیا کرو۔

۱۰- اگر تم مقروض ہو اور تمہارے پاس دینے کیلئے ہے بھی اس وقت ٹالنا بڑا ظلم ہے۔

۱۱- اور جب تم کسی کے مقروض ہو تو خراب چیز سے اس کا حق ادا مت کرو، بلکہ اس کی ہمت رکھو کہ اس کے حق سے بہتر اس کو ادا کروں گا۔(۱)

(۱) حقوق المال: ۵۶-۵۷

☆ قرض لینے کے سلسلے میں کئی قسم کی بد پرہیزیاں اور کوتاہیاں ہوتی ہیں۔

۱۔ بلاضرورت کسی کا مقروض ہوجانا، عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کہ فضول کاموں کیلئے (مثلاً بیاہ شادی کی رسموں کیلئے) قرض لیا جاتا ہے، بہت کم ایسا ہوتا ہے جو کسی مصیبت کیلئے قرض لیا جاتا ہے، اور عموماً یہ قرضے بھی یا تو کسی شادی میں (پیسہ) برباد کرنے کو یا کوئی عالیشان محل تیار کرنے کو یا غمی کی رسموں میں اڑانے کو جو اکثر خلافِ عقل اور خلاف شرع ہیں، غرض ناموری (شہرت) کے کاموں میں صرف کرنے کو قرض لیا جاتا ہے۔

۲۔ دوسری خرابی یہ ہوتی ہے کہ اپنے زیور یا جائیداد کو محفوظ رکھنا اور دوسروں سے قرض لینا (کیونکہ عام طور پر سودی قرض ملتا ہے) اور چندروز میں دوگنی اور چوگنے ہوکر وہ تمام زیور اور جائیداد برباد ہوجاتی ہے اور نقصان الگ رہا اور گناہ الگ، اگر قرض کی واقعی ضرورت ہے تو اپنے یہاں کی چیز بیچ ڈالے، خدا پھر دیں گے۔

☆ اہل اللہ کا معمول یہ تھا کہ سخت ضرورت میں قرض لیا کرتے، لہٰذا بلاضرورت مقروض نہ ہو یا جائے خواہ رسم ورواج کے خلاف کرنا پڑے، مقروض ہونے سے بڑی پریشانی ہوتی ہے حدیث میں ہے: گناہ کم کرو تو موت آسان ہوجائے گی اور کسی سے قرض مت لو دنیا میں آزادرہ کر زندگی بسر ہوگی۔

قرض لینا سخت مجبوری میں جائز ہے جیسے جہاد کیلئے یا کفن کیلئے، یا کپڑے پھٹ گئے ہوں، چھپا ہوا بدن ظاہر ہونے لگے اور اس جیسی ضرورتوں کیلئے ایسے شخص کے حق تعالیٰ قرض ادا ہوجانے کے ذمہ دار ہیں۔ (۱)

(۱) حقوق المال: از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ : ۶۳

مساجد: آداب واحکام

مساجد کو اسلام میں بہت زیادہ اہمیت اور فضیلت حاصل ہے، یہ دنیا میں اللہ عزوجل کے گھر ہیں، ایک مسلمان کا حقیقی معنی میں مسلمان ہونا اس پر موقوف ہے کہ اس کا تعلق اور ربط مساجد کے ساتھ کتنا ہے؟ پنج وقتہ نمازوں کی ادائیگی، خدا کے ساتھ خلوت وتنہائی اور اس کے ساتھ ربط وتعلق کے لئے مطلوبہ یکسوئی کیلئے مساجد سے بڑھ کر بہتر کوئی جگہ نہیں، اسی کو حدیث میں فرمایا گیا: " أحبّ البلاد الی اللّٰہ مساجدھا "سب سے بہتر جگہ روئے زمین پر مساجد ہیں۔(۱)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مساجد زمین میں اللہ عزوجل کے گھر ہیں، یہ آسمان والوں کیلئے ایسے ہی چمکتے ہیں جیسے زمین والوں کیلئے ستارے چمکتے ہیں، "المساجد بیوت اللّٰه فی الأرض "(۲)

☆ اس لئے خالص اللہ عزوجل کی رضا وخوشنودی کے حاصل کرنے کیلئے مسجد کی تعمیر کرنے والوں کیلئے اللہ عزوجل نے جنت کا وعدہ کیا ہے، ارشادِ نبوی ہے: "من بنٰی للّٰه مسجدًا یبتغی به وجه اللّٰه بنی اللّٰه له مثله فی الجنّة " (۳) جو شخص اللہ عزوجل کی رضا اور خوشنودی کے حصول کیلئے مسجد کی تعمیر کرے تو اللہ عزوجل اس کیلئے اس کے مثل جنت میں گھر بناتے ہیں۔(۴)

---

(۱) مسلم: باب فضل الجلوس فی مصلاہ، حدیث: ٦٧١

(۲) مجمع الزوائد: باب فضل المساجد ومواضع الذکر والسجود، حدیث: ١٩٣٤، اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۳) شعب الایمان: فصل المشی الی المساجد، حدیث: ۲۹۳۹، منذری کہتے ہیں اس کو احمد نے سندِ لین کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(۴) الترغیب: کتاب الصلاۃ، الترغیب فی الدعاء بین الأذان والاقامة، حدیث: ٤١٩

☆ مسجد میں آمد ورفت اور اس سے تعلق رکھنے والے کیلئے جنت میں مہمانی، اللہ عزوجل کی محبت، اس کے مومن ہونے کی علامت اور فرشتوں کے اس کے معاون اور مددگار ہونے کی بات کہی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص صبح وشام مسجد جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں مہمانی کا انتظام کرتے ہیں جتنی مرتبہ وہ صبح یا شام مسجد میں جاتا ہے، اتنی ہی مرتبہ اللہ تعالیٰ اس کیلئے مہمانی کا انتظام فرماتے ہیں " أعدّ اللّٰه له من الجنّة كلّما غدا أوراح" (۱)

اور ایک روایت میں فرمایا: جو شخص مسجد سے محبت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرماتے ہیں: "من ألف المسجد ألفه اللّٰه " (۲)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم کسی کو بکثرت مسجد میں آنے والا دیکھو تو اس کے ایماندار ہونے کی گواہی دو، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے "اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ " (۳) مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو لوگ کثرت سے مسجدوں میں جمع رہتے ہیں، وہ مسجدوں کے کھونٹے ہیں، فرشتے ان کے انتظار میں بیٹھتے ہیں، "انّ للمساجد أوتادًا " اگر وہ مسجدوں میں موجود نہ ہوں تو فرشتے انہیں تلاش کرتے ہیں، اگر وہ بیمار ہو جائیں تو فرشتے ان کی عیادت کرتے ہیں، اگر وہ کسی ضرورت کیلئے جائیں تو فرشتے ان کی مدد کرتے ہیں، آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: مسجد میں بیٹھنے والا تین فائدوں میں سے ایک فائدہ حاصل کرتا ہے، کسی بھائی سے ملاقات ہو جاتی ہے جس سے

---

(۱) بخاری: باب فضل من غدا الی المسجد، حدیث: ۶۳۱

(۲) مجمع الزوائد: باب لزوم المسجد، حدیث: ۲۰۳۱، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا اور اس میں ابن لہیعہ ہیں اور ان کے سلسلے میں کلام ہے۔

(۳) التوبة : ۱۸

کوئی دینی فائدہ ہوجاتا ہے، یا کوئی حکمت کی بات سننے کوملتی ہے، یا اللہ تعالیٰ کی رحمت مل جاتی ہے، جس کا ہر مسلمان کوانتظار ہوتا ہے۔(۱)

☆ مسجد کوجانے کاارادہ ہوتو نہایت پاکیزگی اورصفائی ستھرائی کے ساتھ جائے :

اللہ عزوجل کاارشاد ہے "يَابَنِيۡ اٰدَمَ خُذُوۡا زِيۡنَتَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ" (۲)
لہٰذا اپنے کام کے،سونے یاکھیل کود کے کپڑوں میں ادائیگی نماز کیلئے مسجد میں جانا مناسب اور مسجد کے شایانِ شان نہیں ہے۔

☆ جب مسجد جائے تو سکون وقار کے ساتھ جائے:

چونکہ حضور ﷺ کاارشادِ گرامی ہے: جب تم نماز کوآؤ تو سکون ووقار کے ساتھ آؤ، "اذا اتيتم الصلاة فعليكم بالسكينة " جب باجماعت نماز مل جائے تو اس کوادا کرو اور چھوٹی ہوئی کی تکمیل کرلو۔(۳)

☆ پیدل چل کر جانا یہ زیادہ فضیلت کا باعث ہے :

چونکہ حضور ﷺ کاارشادِ گرامی ہے:"جوشخص اپنے گھر پر پاکی (وضووغیرہ) حاصل کرے، پھر اللہ عزوجل کے گھر آئے ،اور اللہ عزوجل کے فریضہ کوادا کرے تو اس کے دونوں قدموں میں سے ایک پر گناہ مٹادیا جاتا ہے اور دوسرے پر ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے،" كانت خطواته احداهما تحطّ عنه خطيئة والأخرى ترفع درجة " (۴)

☆ جس وقت مسجد میں داخل ہوتو دایاں پیر سے داخل ہو اور بائیں پیر سے باہر آئے اور داخل ہونے اور نکلنے کی دعا پڑھے :

---

(۱) مسند احمد: مسند ابی ہریرۃ، حدیث: ۴۹۱۴، منذری کہتے ہیں کہ: اس کواحمد نے روایت کیا ہے اوراس میں ابن لہیعہ ہیں اور حاکم نے عبداللہ بن سلام سے یہ حدیث نقل کی ہے سوائے اس قول "جلیس المسجد" اوراس کوشیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے: الترغیب: کتاب الصلاۃ ، حدیث: ۵۰۰
(۲) الاعراف: ۲۹
(۳) بخاری: باب قول الرجل فاتتنا الصلاۃ ، حدیث: ۶۰۹
(۴) مسلم : باب المشی الی الصلوۃ ، حدیث: ٦٦٦

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَ بِوَجْهِهِ الْكَرِیْمِ وَسُلْطٰنِهِ الْقَدِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ"(۱) میں عظمت والے اللہ کی اور اس کریم ذات کی اور اس نہ ختم ہونے والی بادشاہت کی پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے۔

جب یہ دعا پڑھی جاتی ہے تو شیطان کہتا ہے: مجھ سے (یہ شخص) پورے دن کیلئے محفوظ ہو گیا۔

یا جب داخل ہو تو یہ دعا پڑھے :

"اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ" اے اللہ میرے لئے رحمت کے دروازے کھولدے۔

اور جب نکلے تو یہ دعا پڑھے :

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ" اے اللہ! میں آپ سے آپ کے فضل کا سوال کرتا ہوں۔(۲)

☆ جب مسجد میں جائے تو دو رکعت "تحیۃ المسجد" پڑھے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو دو رکعت نماز پڑھے بغیر نہ بیٹھے "فلا یجلس حتی یصلّی رکعتین" (۳)

☆ مسجد کی صفائی و ستھرائی کا اہتمام کرے :

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اس کو دفن کرنا (صاف کرنا) ہے "وکفّارتها دفنها" (۴)

(۱) ابوداؤد: باب فیما یقوله الرجل عند دخوله المسجد، حدیث: ٤٦٦، مناوی کہتے ہیں کہ: مصنف نے اس پر حسن کا نشان لگایا ہے، اذکار میں اس کی سند کو جید کہا ہے: فیض القدیر: باب کان وهی مالشمائل الشریفة: ۱۲۸/۵

(۲) مسلم: باب ما یقول الرجل اذا دخل المسجد، حدیث: ۷۱۳

(۳) بخاری: باب ما جاء فی التطوع، حدیث: ۱۱۱۰

(۴) بخاری: باب کفارة البزاق فی المسجد، حدیث: ٤٠٥

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک عورت مسجد سے کوڑا کرکٹ اٹھاتی، اس کا انتقال ہوگیا، نبی کریم ﷺ کو اس کے دفن کی اطلاع دی گئی، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کا انتقال ہوجائے تو مجھے اطلاع دے دیا کرے، آپ ﷺ نے اس عورت کی نمازِ جنازہ پڑھی اور ارشاد فرمایا: میں نے اسے جنت میں دیکھا، اس لئے کہ وہ مسجد سے کوڑا کرکٹ اٹھاتی تھی" لما كانت تنقي الأذى من المسجد " (۱)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے محلوں میں مساجد بنانے کا حکم فرمایا اور اس بات کا بھی حکم فرمایا کہ: مساجد کو صاف ستھرا رکھا جائے اور ان میں خوشبو بسائی جائے "أمر رسول الله ببناء المساجد في الدور وأن تنظّف وتطيّب" (۲)

کسی ایک دیہاتی نے مسجد نبوی میں پیشاب کردیا تھا تو آپ ﷺ نے اس سے یوں فرمایا تھا: یہ مساجد اس طرح کے پیشاب کرنے یا کسی بھی قسم کی گندگی پھیلانے کے ہرگز لائق نہیں ہیں، ان مساجد کا موضوع تو ذکرِ خداوندی، یادِ الٰہی، نماز اور تلاوتِ قرآن ہے "انّ هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذاالبول ولا لقذر، انّما هي لذكر الله والصلاة وقرأة القرآن" پھر آپ ﷺ نے ایک شخص کو اس پر پانی بہانے کا حکم فرمایا (اس ممانعت میں سر یا داڑھی کے بال نوچنا، ناک کی آلائش یا زخم کی آلائش، ریاح کا خروج وغیرہ سب چیزیں شامل ہیں۔ (۳)

اور ایک روایت میں فرمایا: میں نے اپنی امت کے برے اعمال میں اس تھوک کو بھی پایا ہے جو مسجد میں ڈالا گیا ہو اور اسے دفن نہ کیا گیا ہو " ووجدت في مساوئ أعمالها النخاعة تكون في المسجد لا تدفن "(۴)

---

(۱) مسند ابی داؤد الطیالسی: مسند ابو رافع، حدیث: ۲۵۶۸

(۲) ترمذی: باب ما ذکر فی تطیب المساجد: حدیث: ۵۹۵، امام ترمذی نے اس باب میں تین احادیث کے ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: یہ حدیث پہلی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

(۳) مسلم: باب وجوب غسل البول، حدیث: ۲۸۵

(۴) مسلم: باب النهي عن البصاق في المسجد، حدیث: ۵۵۳

آپ ﷺ نے ایک شخص کو اس وجہ سے منصب امامت سے معزول فرمادیا تھا کہ اس نے دورانِ نماز قبلہ رخ تھوک دیا تھا " فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لقومہ حین فرغ لا یصلی لکم " (۱)

☆ مسجد میں لایعنی اور غیر ضروری باتیں کرنا منع ہے :

آپ ﷺ نے مسجد میں لایعنی اور بے کار کی گفتگو کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا: آپس میں باتیں کرنا نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے: " کما تأکل النار الحطب " (۲)

اور ایک روایت میں ہے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مرسلا روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مسجد میں دنیوی باتیں ہونے لگیں گی، تم ان کے ساتھ نہ بیٹھنا کہ خدا کو ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں "فلا تجالسوھم فلیس للّٰہ فیھم حاجۃ "(۳)

☆ مسجد میں بلند آواز سے گفتگو نہ کی جائے الا یہ کہ وعظ ونصیحت ہو، اور دوسروں کو سنانا مقصود ہو۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں مسجد میں سویا ہوا تھا، کسی نے مجھے کنکری ماری (میری آنکھ کھل گئی تو میں نے دیکھا کہ وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں انہوں نے فرمایا: جاؤ اور ان دونوں کو جو مسجد میں باتیں کر رہے ہیں میرے پاس لے آؤ، چنانچہ میں ان دونوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر

---

(۱) صحیح ابن حبان: باب المساجد، حدیث: ۱۶۳۶

(۲) ابوداؤد: باب فی الحسد، حدیث: ۴۹۰۳، علامہ عراقی نے کہا ہے: بخاری نے کہا ہے کہ: یہ روایت صحیح نہیں ہے، اور یہ ابن ماجہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ضعیف سند سے منقول ہے، اور تاریخ بغداد میں حسن سند کے ساتھ موجود ہے: المغنی عن حمل الأسفار: ۱/ ۳۲، مکتبۃ الطریۃ، الریاض

(۳) شعب الایمان: فصل المشی الی المساجد، حدیث: ۲۹۶۲، حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے، اور یہ کہا ہے کہ شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے: المستدرك: کتاب الرقاق، حدیث: ۷۹۱۶

تم دونوں اس شہر کے ہوتے تو میں تم کو دردناک سزا دیتا، تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں آواز بلند کررہے ہو؟ "لو کنتما من أهل البلد لأوجعتكما ترفعان أصواتكما في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم" (۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس بدبودار درخت کو کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے، چونکہ جو چیزیں انسان کیلئے تکلیف دہ اور اذیت رساں ہوتی ہیں، اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے "فان الملئكة تتأذى ممّا يتأذّى منه الانس" (۲)

ایک دوسری روایت میں حضور ﷺ سے ان دونوں درختوں (یعنی پیاز اور لہسن) کے کھانے کی ممانعت منقول ہے، آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ: کوئی ان دونوں درختوں کو کھا کر ہماری مسجد کے قریب نہ آئے، اگر کھانا ضروری ہو تو ان دونوں کو پکا کر کھائے، "ان كنتم لا بدّ اكليهما فليمتهما طبخًا" (۳)

مذکورہ روایات سے پتہ چلا کہ لہسن اور پیاز کا استعمال فی نفسہ مکروہ نہیں، بلکہ ان کی بدبو کی وجہ سے ان کے کچا استعمال کے بعد مسجد میں آنے سے منع کیا گیا ہے، بیڑی، سگریٹ، گٹکھا اور دیگر تمباکو اشیاء کا ان کے بدبودار اور مضر صحت ہونے کی وجہ سے ان کے استعمال کے بعد بنا منہ کی صفائی کے مسجد میں آنا بدرجۂ اولیٰ مکروہ ہوگا۔ (۴)

ایسے ہی قصاب، مچھلی فروخت کرنے والے، جذامی، کوڑھی کے مرض میں مبتلا شخص یا جن کے منہ سے بدبو آتی ہو، یا جن کو بدبودار زخم ہو، ان کا اس حالت میں مسجد میں آنا منع ہے۔ (۵)

---

(۱) بخاری: باب رفع الصوت في المساجد، حدیث: ٤٥٨
(۲) مسلم: باب نهي من أكل ثوم، حديث: ٥٦٤
(۳) مسلم: باب نهي من أكل ثوم، حديث: ٥٦٧
(۴) حاشیہ ترمذی: ۳/۲
(۵) شامی: ۴۳۵/۲، زکریا

☆ مسجد کی حد سے زیادہ تزئین اور آرائش سے احتراز کیا جائے :

مسجد کی تعمیر اور تزئین میں بھی حد اعتدال میں رہا جائے ، بقدرِ ضرورت پختہ، نفیس بنالی جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: قیامت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ لوگ مسجدوں کی بڑائی اور شان وشوکت پر فخر کریں گے " من أشراط الساعة أن يتباهى النّاس في المساجد " (۱)

ایک روایت میں حضور ﷺ نے مسجد میں غیر معمولی تکلفات اور حد سے زیادہ تزئین اور پختگی کو منع کرتے ہوئے فرمایا: مجھے مسجدوں کی تزئین اور استحکام کا حکم نہیں دیا گیا "ما امرت بتشييد المساجد " ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: عنقریب تم مساجد کو اونچی بناؤ گے جیسے یہود ونصاریٰ اپنے کلیسا، گرجا گھر اور چرچوں کو اونچا کرتے ہیں "لَتُزخرِفُنّها كما زخرفت اليهود والنصارى " (۲)

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ: مسجد کی حد سے زیادہ تزئین کی ایک خرابی یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے نماز کی روح یعنی خشوع وخضوع میں خلل واقع ہوتا ہے، اس کی وجہ سے نمازی کی یکسوئی اور توجہ بٹ جاتی ہے، اس لئے مسجد کی دیوار خصوصاً محراب اور قبلہ کی جانب دیوار اور دائیں بائیں کی دیوار پر رنگین بیل بوٹے اور نقش ونگار کرنا جائز نہیں"۔ (۳)

---

(۱) نسائي: المباهاة في المساجد ،حديث: ۶۸۹ ، علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ: اس روایت کو ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے اور بخاری نے الفاظ کے اختلاف کے ساتھ تعلیقاً ذکر کیا ہے، اور اس کو ابو یعلی الموصلی نے اپنی مسند میں موصولاً ذکر کیا ہے: نيل الأوطار: باب الاقتصاد في بناء المساجد: ۱۵۸/۲ ، ادارة الطباعة المنيرية

(۲) ابوداؤد: باب في بناء المساجد ،حديث: ۴۴۸ ، علامہ نوویؒ نے کہا ہے کہ: اس کو ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس کو مسلم کی شرط پر قرار دیا ہے: خلاصة الأحكام: فصل في ضعيفه : ۳۰۵/۱ مؤسسة الرسالة ، بيروت

(۳) شامي زكريا: ۴۳۱/۲

☆ مسجد میں خرید وفروخت سے احتراز کیا جائے:

آپ ﷺ نے مسجد میں خرید وفروخت کو سختی سے منع فرمایا ہے:
آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے ''جب تم کسی شخص کو مسجد میں خرید وفروخت کرتے دیکھو تو تم یوں کہو کہ: اللہ عزوجل تمہاری تجارت کو نفع بخش نہ بنائے،''من يبيع ويبتاع في المسجد فقولوا: لا أربح الله تجارتك'' تم کسی شخص کو مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے دیکھو تو یوں کہو کہ: اللہ عزوجل تمہارا یہ سامان واپس نہ کرے۔''(۱)

البتہ عینِ مسجد سے ہٹ کر مسجد سے متصل کھلی جگہ اگر وقتیہ طور پر دکانیں لگا کر اٹھالی جائیں تو کوئی حرج نہیں۔

☆ مسجد میں فضول اور گندے قسم کے اشعار نہ کہے جائیں، حضور ﷺ نے مسجد میں اس طرح کے لغویات پر مشتمل اشعار کہنے سے منع فرمایا ہے:

حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے مسجد میں اشعار کہنے، اس میں خرید وفروخت کرنے ''وعن البيع والاشتراء فيه'' جمعہ کے دن نماز سے پہلے حلقہ لگا کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔(۲)
ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے مسجد میں قصاص طلب کرنے، اشعار کہنے ''وينشد فيه الأشعار'' اور حدود نافذ کرنے سے منع فرمایا ہے۔
مسجد میں اس طرح کے اشعار کہنے کی ممانعت اس وقت ہے جبکہ یہ اشعار فضولیات اور لغویات پر مبنی ہوں، اگر مسجد میں اللہ کی حمد وثناء، حضور ﷺ کی تعریف ومنقبت، نیکی کی ترغیب کفر کی مذمت، گناہ کی برائی یا کافر کی ہجو پر مشتمل اشعار کہے جائیں تو اس کی اجازت ہے۔

---

(۱) ترمذی: باب النهي عن البيع في المسجد، حديث: ۱۳۲۱، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔
(۲) ترمذی: باب كراهية البيع والشراء وانشاد الضالة والشعر في المسجد، حديث: ۳۲۲، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ: نبی کریم ﷺ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کیلئے مسجد میں منبر رکھواتے "یضع لحسان منبرًا فی المسجد" (۱)
جس پر کھڑے ہوکر وہ رسول اللہ ﷺ کی منقبت اور آپ ﷺ کے دفاع میں اشعار کہتے اور رسول اللہ ﷺ فرماتے: اللہ عزوجل حسان کی روح القدس کے ذریعہ جو کچھ وہ رسول اللہ ﷺ کے مفاخر یا دفاع میں کہتے ہیں اس کی تائید فرماتے ہیں۔

☆ مسجد میں اپنے لئے جگہ مخصوص کرنا جیسا کہ بعض مساجد میں ہوتا ہے کہ جو نماز کے پابند ہوتے ہیں وہ مسجد میں اپنے لئے جگہ مخصوص کر لیتے ہیں، اگر کوئی دوسرا شخص اس جگہ آکر بیٹھ جائے تو اسے اٹھا دیتے ہیں، حالانکہ اس طرح کا عمل درست نہیں، مسجد اللہ کا گھر ہے جس میں سب کا حق برابر کا ہے؛ کیونکہ اس طرح کا عمل مسجد میں آنے سے روک دینے کے مشابہ ہے، اور مسجد میں آنے سے روک دینے والے کو اللہ عزوجل نے سب سے بڑا ظالم قرار دیا ہے، ارشادِ خداوندی ہے " وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ " (۲)

چنانچہ درمختار میں مساجد میں اپنے لئے جگہ مخصوص کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

☆ مسجد میں آکر بھیک مانگنا یہ مسجد کی روح کے منافی عمل ہے، یہ تو اللہ عزوجل سے براہِ راست مانگنے کی جگہ ہے، یہاں آکر بھی بندہ سے اپنی حاجت روائی کیلئے دستِ سوال دراز کرے یہ بندگی کے شایانِ شان اور لائق نہیں۔

چنانچہ درمختار میں ہے کہ: "مسجد میں سوال کرنا اور دینا مطلقاً حرام ہے"۔ (۳)

اگر واقعی مجبوری ہو، پیشۂ گداگری کو اس نے اپنا شیوہ نہ بنایا ہو تو ایسے شخص کا مانگنا اور اس کو دینا جائز ہے"

---

(۱) ترمذی: انشاد الشعر، حدیث: ۲۸٤٦، امام ترمذی نے اس روایت کو صحیح غریب کہا ہے۔
(۲) البقرة: ٤٣٦/٥
(۳) الدر مع الرد: ٤٣٣/٢

☆ دورِ رسالت ﷺ میں مساجد مندرجہ ذیل اعمال وافعال کیلئے استعمال کی جاتی تھیں:

ایک دیہاتی نے مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا، تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو روکنے کی کوشش کی، حضور ﷺ نے اس کو روکنے سے منع فرمایا، وہ پیشاب سے فارغ ہوگیا، پھر حضور ﷺ نے اس کو بلا کر فرمایا: ان مسجدوں میں پیشاب یا گندگی والا کوئی کام کرنا کسی طرح ٹھیک نہیں ہے، یہ مسجدیں تو اللہ کے ذکر، نماز اور قرآن پڑھنے کیلئے بنی ہیں "ان هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا البول ولا القذر انما هي لذكر الله عز و جل والصلاة وقرأة القرآن" پھر حضور ﷺ نے لوگوں میں سے ایک آدمی کو حکم دیا اس نے پانی کا ڈول لا کر اس پیشاب پر بہا دیا۔(۱)

حضرت ابو القمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ ہم لوگ مسجد میں مختلف حلقوں میں بیٹھے ہوئے آپس میں حدیثوں کا مذاکرہ کر رہے تھے کہ اتنے میں حضور ﷺ اپنے حجرے سے باہر مسجد میں تشریف لائے اور تمام حلقوں پر نظر ڈالی اور پھر قرآن والوں کے ساتھ بیٹھ گئے (جو قرآن سیکھ رہے تھے) اور فرمایا: مجھے اس مجلس (میں بیٹھنے) کا حکم دیا گیا ہے "فنظر الى الحلق ثم جلس الى أصحاب القرآن وقال: بهذا المجلس أمرت" (۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مدینہ کے بازار سے گذرے تو کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا: اے بازار والو! تم کتنے زیادہ عاجز ہو، بازار والوں نے کہا: اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا: بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے اور تم لوگ یہاں بیٹھے ہو تو کیا تم لوگ جا کر اس میں سے اپنا حصہ نہیں لیتے؟ لوگوں نے پوچھا: کہاں تقسیم ہو رہی ہے؟ انہوں نے فرمایا: مسجد میں، چنانچہ وہ بازار والے بہت تیزی سے مسجد گئے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہاں ٹھہرے رہے، تھوڑی دیر میں وہ لوگ واپس آ گئے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: تمہیں کیا ہوا؟ (کہ جلدی سے واپس آ گئے)

(۱) مسلم: باب وجوب غسل البول، حديث: ۲۸۵
(۲) كنز العمال: فصل في فضائل القرآن مطلقا، حديث: ۴۰۴۰

انہوں نے کہا: اے ابوہریرہ! ہم مسجد گئے تھے، ہم نے اندر جا کر دیکھا تو ہمیں وہاں کوئی چیز تقسیم ہوتی نظر نہیں آئی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: کیا تم نے مسجد میں کوئی آدمی نہیں دیکھا؟ انہوں نے کہا: ہم نے بہت سے آدمی دیکھے، کچھ لوگ نماز پڑھ رہے تھے اور کچھ لوگ قرآن پڑھ رہے تھے اور کچھ لوگ حلال وحرام کا مذاکرہ کر رہے تھے تو ان سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارا بھلا ہو یہی اعمال مسجد تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ہیں؟

"بل رأينا قوما يصلون وقوما يقرؤون القرآن وقوما يتذاكرون الحلال والحرام فقال لهم أبو هريره: ويحكم فذاك ميراث محمد صلى الله عليه وسلم" (۱)

حضرت یزید بن عبداللہ بن قسط رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اہل صفہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ صحابی تھے جن کا (مدینہ میں) کوئی گھر نہیں تھا، اس لئے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد میں سویا کرتے تھے اور دن بھر اسی میں رہتے تھے ان کا مسجد کے علاوہ اور کوئی ٹھکانہ نہ تھا، "انا أهل الصفة ناسا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، لا منازل لهم فكانوا ينامون على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، في المسجد ويظلون فيه ما لهم مأوى غيره" رات کو جب کھانے کا وقت آتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بلا کر اپنے صحابہ میں تقسیم فرمادیتے، پھر بھی ان میں سے کچھ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات کا کھانا کھاتے یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وسعت عطا فرمادی۔ (۲)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مسجد میں دوپہر کو آرام کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو زمانہ خلافت میں مسجد میں دوپہر کو آرام کرتے ہوئے دیکھا "رأيت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ وهو يومئذ خليفة يقيل في المسجد" (۳)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب في فضل العلم، حديث: ۵۰۵، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے سند حسن کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(۲) الطبقات الكبرى لابن سعد: ذكر الصفه ومن كان فيها: ۱/۲۵۵

(۳) السنن الكبرى: باب المسلم في المسجد، حديث: ٤١٣٨

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چند نو جوان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد میں رات کو سویا کرتے تھے، "کنا ونحن شباب نبیت فی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی المسجد ونقیل" (۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم جمعہ کی نماز پڑھ کر واپس آتے اور پھر دو پہر کو آرام کیا کرتے تھے۔

حضرت عطا کہتے ہیں کہ: حضرت یعلی بن امیہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل تھی وہ جب تھوڑی دیر کیلئے بھی مسجد میں بیٹھا کرتے تو اعتکاف کی نیت کرلیا کرتے "فکان یقعد فی المسجد الساعة فینو ی بها الاعتکاف "(۲)

حضرت عطیہ بن سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: قبیلہ ثقیف کا وفد رمضان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے مسجد میں خیمہ لگوایا پھر جب وہ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روزے رکھنے شروع کردیئے " قدم وفد ثقیف علی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی رمضان،فضرب لهم قبة فی المسجد فلما أ سلموا صاموا معه" (۳)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک دن ہم نے مسجد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھنا ہوا گوشت کھایا، "أکلنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یوما شواء ونحن فی المسجد " پھر نماز کھڑی ہوگئی تو ہم نے صرف کنکریوں سے ہاتھ پونچھے۔(۴)

---

(۱) مصنف ابن أبی شیبه: فی النوم فی المسجد، حدیث: ۴۹۱۴

(۲) حلیة الأولیاء: عطاء بن رباح، ۳/۳۱۲

(۳) مجمع الزوائد: باب دخول الکافر المسجد ،حدیث: ۲۰۶۷، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس میں محمد بن اسحاق مدلس ہے۔

(۴) مجمع الزوائد: باب الأکل والشرب فی المسجد، حدیث: ۲۰۲۰، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس میں ابن لہیعہ کے سلسلہ میں کلام کیا گیا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مسجد فضیح میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں نیم پختہ کھجور کے شربت فضیح کے مٹکے لائے گئے، آپ ﷺ نے اس شربت کو نوش فرمایا اور اسی وجہ سے اس کا نام مسجد فضیح رکھا گیا، "أتى بفضيخ في مسجد الفضيخ، فشربه فلذلك سمى" (۱)

اس سے پہلے مسجد میں مختلف اعمال کے قصے گذر چکے ہیں، مال خرچ کرنے کے باب میں کھانا اور مال تقسیم کرنے کے قصے اور بیعت کے باب میں مسجد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کا قصہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے باہمی اتحاد اور اتفاق رائے کے باب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کا قصہ اور اللہ کی طرف دعوت دینے کے باب میں حضرت ضمام رضی اللہ عنہ کو مسجد میں دعوت دینے اور ان کے اسلام لانے کا قصہ اور مسجد میں حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے اور مشہور قصیدہ پڑھنے کا قصہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے باہمی اتحاد اور رائے کے باب میں مسجد اہل شوریٰ کے مشورہ کیلئے بیٹھنے کا قصہ اور مال خرچ کرنے کے باب میں صبح کے وقت مسجد میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیٹھنے کا قصہ اور دنیا کی وسعت اور کثرت سے ڈرنے کے باب میں مسجد میں نمازوں کے بعد لوگوں کی ضرورت کیلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹھنے کا قصہ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کو مضبوطی سے پکڑنے کے باب میں مسجد میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کے رونے کا قصہ۔ (۲)

(۱) مجمع الزوائد: باب الأكل والشرب في المسجد، حديث: ٢٠٢٢

(۲) حياة الصحابه: ١٤٤/٤، مؤسسة الرسالة، بيروت

بھیک مانگنا، مسلم معاشرہ کیلئے عیب

مسجدوں، مذہبی مقامات، سینما گھر، بس اسٹانڈ، ریلوے اسٹیشن، ایرپورٹ، ہوٹل، درگاہ، کوئی مصروف مقام اور جگہ ایسی نظر نہیں آتی جہاں گداگروں اور سوالیوں کی بھیڑ نظر نہ آتی ہو، چھوٹے بچے، مرد وخواتین کے غول (اس میں برقع پوش مسلم خواتین کی بڑی تعداد) آپ کو گھیرے میں لے کر مختلف انداز اور طریقوں سے اپنا حلیہ اور ہیئت بدل کر منت وسماجت کر کے ہاتھ، پیر پکڑ کر، غربت ومفلسی وناداری کی دہائی دیتے ہوئے مانگتے ہوئے نظر آئیں گے۔

ہمارے سماج اور معاشرے میں بعض لوگ اس قدر عیش کوشی، تن آسانی، اور آرام طلبی کے خوگر ہوگئے ہیں کہ محنت وجد جہد سے جی چراتے ہیں، مانگ مانگ کر اپنی ضروریات پورا کرنے کے درپے ہوتے ہیں، اور اپنی عزت کو بھرے بازار نیلام کرنے سے نہیں چوکتے، ان میں بعض گداگر واقعی ضرورت مند تو نہیں ہوتے، صحت بھی ماشاء اللہ کام کرنے کے لائق اور قابل ہوتی ہے، لیکن چونکہ انہوں نے گداگری کو بطورِ آبائی پیشہ کے اپنایا ہوا ہے، اس لئے وہ زندگی کا اسے لازمہ اور خاصہ سمجھتے ہیں، بلکہ ان میں سے بعض گداگروں کے یہاں مانگنے کی جگہیں مخصوص ہوتی ہیں، جو وراثت میں منتقل ہوتی ہیں، اس قسم کے بناوٹی اور پیشہ ور گداگروں کی وجہ سے حقیقی وضرورت مند لوگ محروم ہوتے ہیں۔

☆ گداگری کا یہ پیشہ نہ شریعت میں اور نہ ہی سماج میں اچھا باور کیا جاتا ہے، اگرچہ بعض مانگنے والے واقعی ضرورت منداور مستحق ہوتے ہیں لیکن اسلام نے مانگنے کی عادت کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا، بلکہ وہ تو یہ تعلیم دیتا ہے کہ اپنی غربت وناداری، افلاس وتنگ دستی کو پوشیدہ رکھ کر اسباب کے درجے میں حصولِ معاش کیلئے محنت وجدوجہد کی جائے، بلکہ اللہ عزوجل نے اس شخص کے بارے میں جو واقعی ضرورت مند ہو؛ لیکن اپنی حاجت اور

ضرورت کو چھپائے رکھے اور اپنی ناداری کا اظہار کسی کے سامنے نہ کرے اس کیلئے ایک سال کی حلال روزی کا ذمہ لیا ہے۔

☆ اسلام نے روزِ اول ہی سے کسبِ معاش کو ضروری قرار دیا ہے، قرآن نے کہا کہ: بندگی اور عبادت سے فارغ ہونے کے بعد کسبِ معاش کی کوشش کرنا ہے، اور مال کو فضلِ الٰہی قرار دیا ہے

"فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ" (۱)

حضور ﷺ نے کسبِ حلال کو دیگر فرائض اسلام (نماز، روزہ، زکوۃ اور حج) کی طرح ایک فریضہ قرار دیا ہے، فرماتے ہیں: "رزقِ حلال کی تلاش و جستجو بھی دیگر فرائض اسلام کی طرح ایک فریضہ ہے" "طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة" (۲)

ایک دفعہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ: کونسی کمائی اچھی ہے؟ فرمایا: آدمی کی اپنے ہاتھ کی کمائی اور ہر مقبول تجارت، یعنی جس میں خرید و فروخت کے تمام احکامات کی پاسداری کی گئی ہو، دھوکہ دہی، کھوٹ اور خیانت وغیرہ کا اس میں دخل نہ ہو" أي الكسب أطيب" (۳)

☆ آپ ﷺ نے گداگری اور سوال کی مذمت فرمائی، ایک صاحب خدمتِ اقدس میں آئے اور کچھ سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس کچھ سامان ہے؟ اس نے کہا: میرے پاس تو محض ٹاٹ اور پیالہ ہے، آپ ﷺ نے وہ دونوں چیزیں منگوائیں، اور اس کی بولی لگائی، اور ایک صاحب نے ایک درہم قیمت لگائی، دوسرے نے دو درہم، آپ ﷺ نے اسے دو درہم پر فروخت کر دیا، پھر ایک درہم میں کلہاڑی کا پھل منگوا کر اس میں اپنے دستِ مبارک سے لکڑی لگا کر ان کے حوالے کیا اور ایک درہم اسے دیتے ہوئے

(۱) الجمعة: ۱۸

(۲) شعب الایمان: الستون من شعب الایمان، حدیث: ۸۷۴۱، بیہقی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

(۳) مسند احمد: حدیث رافع بن خدیج، حدیث: ۱۷۳۰٤، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد اور طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں مسعودی ہیں ثقہ ہیں؛ لیکن ان کو اختلاط ہو گیا تھا اور احمد کے بقیہ رجال صحیح کے رجال ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ: اس سے اپنی ضروریات پوری کرلو، کلہاڑی لے کر اس سے لکڑیاں کاٹ کر لاؤ اور اسے فروخت کرو، ایک ماہ تک بھیک مانگتے ہوئے نظر نہ آؤ، ان صاحب نے اس ہدایت پر عمل کیا اور ایک ماہ کے بعد اس حال میں آئے کہ ان کے پاس کئی درہم موجود تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بات کہ تم اپنی پیٹھ پر لکڑی کے گھٹے کاٹ کر لاؤ اور اسے فروخت کردو، اس سے بہتر ہے کہ تم لوگوں کے سامنے دستِ سوال پھیلاؤ وہ چاہیں تو دیں، چاہیں تو نہ دیں "لأن يأخذ أحدكم حبلًا فيأكل ويتصدق خير من أن يسأل الناس أعطوه أو منعوه" (۱)

اس قسم کے بعض واقعات اور بھی منقول ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ دو شخص خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور کچھ طلب کیا، آپ ﷺ نے مشورہ دیا کہ جنگل جاؤ، لکڑی کاٹو، اور اسے فروخت کرو، انہوں نے ایسا ہی کیا، پہلے لکڑیاں بیچ کر کھانے کی چیزیں خریدیں پھر سونا خریدا، پھر سواری کیلئے گدھے خریدے، اور کہنے لگے: "قد بارك الله في أمر رسول الله" اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے رسول اللہ ﷺ کے حکم میں برکت رکھی ہے۔(۲)

حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا معمول یہ تھا کہ اگر اونٹنی کی لگام نیچے گر جاتی تو اونٹنی کو بٹھاتے اور خود لگام لیتے، لگام دوسروں سے مانگنے کو بھی درست خیال نہیں کرتے، جب لوگ ان سے یہ کہتے کہ اگر آپ ہم سے کہتے تو ہم آپ کو اٹھا کر دیتے تو فرماتے "انّ حبيبي أمرني أن لا أسأل الناس شيئا" میرے حبیب ﷺ نے مجھے حکم کیا ہے کہ کسی سے کچھ نہ مانگوں۔(۳)

---

(۱) بخاري: كتاب الزكاة، باب استخفاف في المسئلة: حديث: ۴۰۲

(۲) مجمع الزوائد: باب ما جاء في السؤال: حديث: ۴۵۱۲، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو بزار نے روایت کیا ہے اور اس میں بشر بن حرب ہیں جن کے سلسلے میں کلام ہے اور ان کی توثیق بھی کی گئی ہے۔

(۳) مجمع الزوائد: باب ما جاء في السؤال: حديث: ۴۵۰۲، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے، ابن ابی ملیکہ نے ابوبکر سے ملاقات نہیں کی ہے، اور عبداللہ بن مؤمل کے سلسلے میں کلام ہے اور ان کی توثیق بھی کی گئی ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اور حضرت ثعبان رضی اللہ عنہ سے بھی آپ ﷺ نے یہ عہد لیا تھا کہ لوگوں سے سوال نہ کرنا، اگر تمہارا کوڑا گر جائے تو اس کے اٹھانے کیلئے بھی سوال نہ کرنا" ولا سوطلك ان سقطت حتى تنزل فتأخذه (۱)

لوگ حضرت ثعبان رضی اللہ عنہ کا معمول بتاتے ہیں کہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کا اگر بھیڑ میں بھی کوڑا گر جاتا تو خود اُتر کر اسے لیتے "حتى يكون هو ينزل فيأخذه " (۲)

ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: اگر سوال کرنے والے کو سوال کرنے میں جو کچھ ہے اس کا علم ہو جائے تو کبھی بھی سوال نہ کرے "لو يعلم صاحب المسألة ماله فيها لم يسأل " (۳)

رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ: جو شخص مستغنی ہوتے ہوئے سوال کرے تو وہ اپنے لئے جہنم کی چنگاریوں میں اضافہ کر رہا ہے، "من سأل مسألة عن ظهر غنىً استكثر بها من رضف جهنم " لوگوں نے دریافت کیا کہ: مستغنی ہونے کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جس کے پاس رات کا کھانا موجود ہو۔ (۴)

اور ایک روایت میں ہے کہ: جو شخص سوال کا دروازہ کھولتا ہے تو اللہ عز وجل اس پر فقر کے دروازے کھولتے ہیں " يفتح الله عليه باب فقر" (۵)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب ما جاء في السوال: حديث: ٤٥٠٣ ، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۲) مجمع الزوائد: باب ما جاء في السوال: حديث: ٤٥٠٥ ، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اس میں علی بن یزید ضعیف ہے۔

(۳) مجمع الزوائد: باب ما جاء في السوال: حديث: ٤٥٠٦ ، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں، اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اس میں قابوس ہیں اور ان کے سلسلے میں کلام کیا گیا ہے، اور ان کی توثیق بھی کی گئی ہے۔

(۴) مجمع الزوائد: باب ما جاء في السوال: حديث: ٤٥١٤ ، منذری کہتے ہیں: اس کو عبداللہ بن احمد نے زوائد میں روایت کیا ہے اور طبرانی نے اوسط میں اور اس کی سند جید ہے: الترغيب: كتاب الصدقات: ١١٩٨

(۵) ترمذی: مثل الدنيا مثل أربعة نفر، حديث: ٢٣٢٥ ، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

اور فرمایا: سوال قیامت کے دن صاحبِ سوال کے چہرے پر خراش کی صورت میں ظاہر ہوگا اب جو چاہے اسے اپنے چہرہ پر باقی رکھے "فمن شاء استبقى على وجهه" (۱)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ پیشہ رکھنے کے باوجود سوال کرنا قیامت کے دن اس کے چہرے کو عیب دار کردے گا "كانت شيئاً في وجهه يوم القيامة" (۲)

حضرت حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: جو شخص بغیر احتیاج کے سوال کرے وہ چنگاری کھاتا ہے "من سأل الناس من غير فقر فكأنما يأكل الجمر" (۳)
ان تمام روایتوں سے سوال کی مذمت اور کسب و محنت کی اہمیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

☆ گداگری اور بھیک منگی پر روک لگانا ہے تو سب سے پہلے ہمیں اپنے پاس پڑوس کے لوگوں کی خبر لینی ہوگی، اگر کوئی غریب ہے تو اسکی ممکنہ ضروریات کی تکمیل کی کوشش کی جائے، شریعت نے پڑوسی کے حقوق کی بہت تاکید کی ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ: تاکید کے نتیجہ میں یوں معلوم ہوتا تھا کہ پڑوسی شاید گھر ہی کا فرد ہے۔

☆ جو خواتین اور مرد کام کے لائق ہیں انہیں مزدوری اور کام پر لگانا ہوگا اور انہیں سوال کی مذمت اور کمائی کی فضیلت کو بتلا کر ان کو محنت اور جد و جہد پر آمادہ کرنا ہوگا۔

☆ چھوٹے بچوں کی پڑھائی کا نظم کرنا ہوگا، بھیک منگی کے پیشہ سے متعلق بچوں کو ان کے ماں باپ میں شعور پیدا کر کے ان کو مدارس، اسکولس وغیرہ میں ان کے داخلے دلوا کر ان کو سماج کا مہذب اور با اخلاق فرد بنانا ہوگا۔

---

(۱) مجمع الزوائد: باب ما جاء في السوال: حديث: ٤٥٢٤، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام رجال ثقہ اور مشہور ہیں۔
(۲) مجمع الزوائد: باب ما جاء في السوال: حديث: ٤٥٢٢، علامہ ہیثمی اور منذری فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد، بزار، طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔
(۳) مجمع الزوائد: باب ما جاء في السوال: حديث: ٤٥٢٦، اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے، اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں: الترغيب: كتاب الصدقات، حديث: ١١٩٦

☆ گداگری کی حوصلہ شکنی کی جائے، خصوصاً مساجد اور درگاہوں وغیرہ پر انہیں بیٹھنے اور بھیک مانگنے سے روکا جائے اور انہیں کام کی ترغیب دی جائے، حضور ﷺ نے بھیک مانگنے والوں کو محنت اور مزدوری میں کی ترغیب دی۔

☆ زکوۃ، صدقاتِ مسنونہ کا خوب اہتمام کیا جائے کہ فقراء کو دستِ سوال دراز کرنے کا موقع نہ ملے۔

میز بانی کے آداب

مہمان کی آمد پر خوشی اور مسرت اور محبت کا اظہار کیا جائے، بددلی اور ترش روئی اور تنگ دلی کا احساس نہ کیا جائے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو اسے اپنے مہمان کی خاطر تواضع کرنا چاہئے، "من کان یؤمن با للّٰہ والیوم الاٰخر فلیکرم ضیفه" (۱)

☆ مہمان کی آمد پر اس کا تپاک سے استقبال کیا جائے، اس سے سلام ودعا کی جائے، اور اس کی خیر وعافیت دریافت کی جائے، قرآن مجید میں ہے "هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرَاهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ، اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ، قَالَ : سَلٰمٌ قَوْمٌ مُنْكَرُوْنَ " (۲) کیا آپ کو ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کی حکایت پہنچی ہے کہ جب وہ ان کے پاس آئے تو آتے ہی سلام کیا، ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں سلام کیا۔

☆ دل کھول کر مہمان کی خاطر مدارات اور تواضع کی جائے اور جو کچھ میسر ہو وہ فوراً پیش کیا جائے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہاں جب مہمان آئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام فوراً ان کے کھانے کے نظم میں لگ گئے، اور موٹا تازہ بچھڑا جو انھیں میسر تھا بھون کر مہمانوں کی خدمت میں پیش کیا، قرآن مجید میں ہے " فَرَاغَ اِلٰى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ فَقَرَّبَهٗ اِلَيْهِمْ " (۳) تو جلدی سے گھر میں جا کر ایک موٹا تازہ بچھڑا (ذبح کر کے بھنوا کر) لائے اور مہمانوں کے سامنے پیش کیا۔

---

(۱) بخاری : باب اکرام الضیف وخدمته ، حدیث: ٥٧٨٤
(۲) الذاریات : ٢٤
(۳) الذاریات : ٢٦

☆ یہ بھی مہمان کے اِکرام میں داخل ہے کہ اس کی آمد کے ساتھ ہی اسکے کھانے کا نظم کیا جائے اور ماحضر (جو کچھ ہو) پیش کیا جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مہمانوں کیلئے بجلد ہی بھونا ہوا بچھڑا پیش کیا " فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ " (۱)

☆ تین دن تک خوب ذوق وشوق کے ساتھ مہمان نوازی کی جائے، تین دن تک مہمان نوازی اور ضیافت مہمان کا حق ہے، پہلا دن تو خوب خاطر ومدارات اور تواضع کا ہے؛ اس لئے پہلے دن مہمان نوازی کا حق ادا کرنا چاہئے، بعد کے دو دن اگر اتنا اہتمام نہ ہو سکے تو کوئی حرج اور مضائقہ نہیں، حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے جسے حضرت ابوشریح روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو وہ اپنے مہمان کا اعزاز واکرام کرے "جائزته يوم وليلة ، والضيافة ثلاثة أيام ، فما بعد ذلك صدقة " (۲) پہلا دن انعام کا ہے (خوب خاطر کرنے کا ہے) مہمان نوازی تین دن تک ہے، اس کے بعد میزبان جو کچھ کھلائے گا اس کیلئے صدقہ ہوگا۔

☆ مہمان کیلئے ایثار سے کام لیا جائے، خود تکلیف اٹھا کر اس کی راحت کا نظم کیا جائے۔

ایک دفعہ ایک شخص خدمتِ اقدس ﷺ میں حاضر ہوئے، اپنی بھوک سے بے تابی کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس کھانے سے متعلق دریافت کیا تو پتہ چلا کہ تمام ازواج کے یہاں گھر میں کھانے کیلئے کچھ نہیں، تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا کہ: آج رات کیلئے ان کی مہمان نوازی کون قبول کرتا ہے، ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں قبول کرتا ہوں، پھر گھر جا کر بیوی کو مہمان کی آمد سے مطلع کیا اور ان کی خوب خاطر وتواضع کرنے کو کہا تو بیوی نے بچوں کے

---

(۱) هود : ٦٩

(۲) بخاری : باب اکرام الضيف وخدمته ،حديث: ٥٧٨٤

کھانے کے علاوہ کچھ موجود نہ ہونے کا ذکر کیا، ان صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا: بچوں کو بہلا کر سلا دینا اور جب مہمان کے سامنے کھانا رکھو تو چراغ درست کرنے کے بہانے سے اسے بجھا دینا اور کھانے پر مہمان کے ساتھ بیٹھ جانا، تاکہ اس کو یہ محسوس ہو کہ ہم بھی کھانے میں شریک ہیں۔

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، مہمان نے پیٹ بھر کر کھایا اور وہ سارے بھوکے ہی رات گذارے، جب یہ صبح خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں نے رات اپنے مہمان کے ساتھ جو حسن سلوک کیا وہ خدا کو بہت ہی پسند آیا" لقد ضحك الله أو عجب من فعلكما " (۱)

☆ اگر مہمان کی جانب سے کبھی آپ کے ساتھ بے مروتی اور عدم التفات اور اعراض کا سلوک پایا گیا تو تب بھی اس کے ساتھ فراخ دلی اور خوش اخلاقی اور وسعتِ قلبی کا معاملہ کیجئے۔

حضرت ابو الاحوص الجشمی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں کسی شخص کے پاس سے گذروں اور وہ میری مہمان نوازی نہ کرے، پھر اس کا گذر میرے پاس سے ہو تو کیا میں اس کی مہمان نوازی کروں یا (اسے اس کی بے التفاتی اور بے رخی) کا مزا چکھاؤں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں؛ بلکہ اس کی مہمان نوازی کا حق ادا کرو " قال: لا اقره " (۲)

☆ بنفسِ نفیس مہمان کی خدمت انجام دے، اس سلسلے میں دوسرے سے مدد نہ لے کہ اس میں مہمان تکلف کرے گا۔

جب شاہِ نجاشی کا وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود اس وفد کی خدمت انجام دینے لگے، تو حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اس خدمت کی انجام دہی کیلئے کافی ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہوں نے ہمارے اصحاب رضی اللہ عنہم کا

---

(۱) بخاری: باب قول الله : يؤثرون على أنفسهم، حديث: ۳۵۸۷

(۲) ترمذی : الاحسان والعفو، حدیث: ۲۰۰۶، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

اعزاز واکرام کیا ہے؛ اس لئے میں بذاتِ خود اس کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں" انهم كانوا لأصحابنا مكرمين واحبّ ان اكافئهم " (۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی جب ان کے پاس فرشتوں کی آمد ہوئی تو بنفسِ نفیس ان کی خدمت انجام دی اور ان کی ضیافت کا انتظام کیا، اس کو قرآن کہتا ہے " فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ " (۲)

---

(۱) شعب الایمان، فصل فی المكافاة بالصنائع، حديث: ۹۱۲۵، بیہقی نے اس روایت کو کے بارے میں کہا کہ: اس کو طلحہ بن زید نے اوزاعی سے تنہا روایت کیا ہے۔

(۲) هود: ٦٩

مہمانی کے آداب

☆ جب کسی کے یہاں مہمان بن کر جائیں تو کوشش کریں کہ تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں، ہاں اگر میزبان خود اصرار کرے تو کوئی حرج نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مہمان کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ میزبان کے یہاں اتنا ٹھہرے کہ اس سے میزبان کو حرج ہو "ولا يحلّ له أن يمكث عنده حتىّ يحرجه" (۱)

مسلم کی روایت میں ہے کہ: مسلمان کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کے یہاں اتنا ٹھہرے کہ اس کو گنہ گار کردے، لوگوں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! گنہ گار کیسے کرے گا؟ فرمایا: اس طرح کے وہ اس کے پاس اتنا ٹھہرے کہ میزبان کے پاس ضیافت کیلئے کچھ نہ رہے "يقيم عنده ولا شيء له يقريه به" (۲)

☆ ماحضر جو کچھ بھی ہے اور جو نظم بھی میزبان سے ہو سکے اور وہ جو بھی اہتمام کرے اس پر اس کا شکر گذار ہونا چاہئے، اس کو زیادہ تکلیف نہ دے۔

حدیث میں ہے کہ "لا يتكلّفن أحد ما لا يقدر عليه" کوئی بھی شخص اپنے مہمان کیلئے تکلف نہ کرے۔ (۳)

جو بھی بے تکلف موجود ہو جائے اس کو حاضر کردے اور مہمان بھی اسے قبول کرلے۔

---

(۱) الادب المفرد: باب لا يقيم عنده حتى يحرجه، حديث: ۷۴۳، مولانا الیاس بارہ بنکوی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(۲) مسلم: باب الضيافة، حديث: ٤٨

(۳) شعب الايمان: الثامن والستون من شعب الايمان، حديث: ٩٥٩٩

☆　مہمان اپنے ساتھ ان ہی لوگوں کو لے جائے جن کو مدعو کیا گیا یا جن کو اپنے ساتھ لے جا رہا ان کی آمد کے تعلق سے پہلے ہی اطلاع دے، اجازت ہو تو لے جائے ورنہ نہیں، ورنہ بغیر دعوت کے اپنے ساتھ کسی کو لے جانا اس پر حدیث میں بہت سخت الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

جب تم میں سے کسی شخص کو دعوتِ طعام دی جائے تو اپنے ساتھ نہ اپنے لڑکے کو لے جائے اور نہ کسی رشتہ دار یا غیر رشتہ دار کو لے جائے، اگر وہ اس طرح لے جاتا ہے تو وہ چور کے مانند ہے "کان بمنزلة من سرق" (۱)

☆　اگر کسی وجہ سے میزبان کے ساتھ کھانا نہ کھانا چاہے یا روزہ وغیرہ سے ہو تو صفائی کے ساتھ معذرت کرے اور اس کیلئے خیر و برکت کی دعا کرے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے معزز مہمانوں کیلئے پر تکلف کھانا تیار کیا اور وہ کھانے سے ہاتھ ہٹاتے ہی رہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے دریافت کیا "اَلا تأکلون"؟ (۲)　تم کھاتے کیوں نہیں؟ تو انہوں نے اپنے فرشتہ ہونے اور ان کو صرف اولاد کی خوشخبری دینے کیلئے آنے کو بتلایا۔

☆　کسی کے یہاں مہمان جائے یا دعوت کھانے کے بعد میزبان کیلئے کشادگی رزق، خیر و برکت کی دعا کرے۔

حضرت ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی دعوت کی، جب وہ لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے آپ کو اس کا بدل دو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: کیا بدل دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدمی اپنے بھائی کے یہاں جائے اور وہاں کھائے، پیئے تو اس کے حق میں خیر و برکت کی دعا کرے،

---

(۱)　الترغیب والترهیب: حدیث: ۲۰۵۰

(۲)　الذاریات: ۲۷

یہ اس کا بدل ہے " انّ الرجل اذ دخل بیته فأکل طعامه و شرابه فدعوا له وذلك اثابته" (۱)

نبی کریم ﷺ ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے یہاں تشریف لے گئے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے روٹی اور زیتون پیش کیا، آپ ﷺ نے تناول فرمایا، اور یہ دعا فرمائی "افطر عند کم الصائمون وأکل طعامکم الأبرار وصلّت علیکم الملٰئکة "(۲)

من جملہ ان آداب کے میزبان کے متعلق یہ آداب حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بتلائے ہیں کہ

☆ میزبان جس جگہ بٹھائے وہیں بیٹھ جائے، بعض اوقات کسی جگہ بٹھانے میں میزبان کی کوئی خاص مصلحت پردہ وغیرہ کی ہوتی ہے۔

☆ آداب مہمانی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی ایسی چیز کی فرمائش نہ کرے جس کا مہیا ہونا مشکل ہو، اگر چہ کم ہی درجہ کی اور آسان چیز ہو؛ کیونکہ بعض اوقات میزبان کو پریشانی ہوتی ہے وہ چیز نہیں ملتی۔

☆ آداب مہمانی میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ اگر کھانے میں کسی چیز سے پرہیز ہو تو پہلے ہی اطلاع کردے عین وقت پر دستر خوان پر بیٹھ کر کہنا بڑی ہی بے تمیزی کی بات ہے۔

☆ جس کے یہاں مہمان ہو اس کو اپنے معمولات (پرہیز وغیرہ) پہلے ہی اطلاع کر دو، دستر خوان پر بیٹھ کر اپنے معمولات (پرہیز وعادت) بیان کرنا تہذیب کے خلاف ہے۔

---

(۱) ابوداؤد: باب ما جاء في الدعاء لرب الطعام اذا أکل عنده، حدیث: ۳۸۵۳، منذری کہتے ہیں کہ: اس میں ایک مجہول شخص ہے اور اس میں یزید بن عبدالرحمٰن ابوخالد جودلانی سے مشہور ہیں ان کے کئی ایک لوگوں نے توثیق کی ہے اور بعض لوگوں نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے۔

(۲) ابوداؤد: باب ما جاء في الدعاء لرب الطعام، حدیث: ۳۸۵٤، علامہ حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ: اس کو احمد ابوداؤد اور دارقطنی نے معمر عن ثابت عن انس کے طریق سے نقل کیا اور اس کی سند صحیح ہے: التلخیص الحبیر: اب الولیمة والنشر، حدیث: ۱۵۷۰: ۳/ ٤۲۱، دار الکتب العلمیة، بیروت

☆ اگر کسی کے یہاں مہمان جاؤ اور تم کو کھانا منظور نہ ہو خواہ اس وجہ سے کہ کھا چکے یا اور کسی وجہ سے کھانے کا ارادہ نہ ہو تو فوراً جاتے ہی اس کی اطلاع کردو کہ میں اس وقت کھانا نہ کھاؤں گا، ایسا نہ ہو کہ وہ انتظام کردے اور انتظام میں اس کو پریشانی بھی ہو پھر کھانے کے وقت یہ اطلاع دو کہ (کہ میں کھانا نہیں کھاؤں گا) تو اس کا یہ اہتمام وطعام ضائع ہوگا۔

☆ مہمان کو چاہیے کہ کسی اور کی دعوت میزبان کی اجازت کے بغیر قبول نہ کرے

☆ مہمان کو چاہیے کہ جہاں جائے میزبان سے اطلاع کردے؛ تاکہ اس کو کھانے کے وقت تلاش کرنے میں پریشانی نہ ہو۔

☆ مہمان کو چاہیے کہ پیٹ بھر جائے تو تھوڑا سالن روٹی ضرور چھوڑے؛ تاکہ گھر والوں کو یہ شبہ نہ ہو کہ مہمان کو کھانا کم ہوگیا، اس سے وہ شرمندہ ہوتے ہیں۔

☆ اگر کوئی کریم دعوت کرے اور مختلف قسم کے کھانے ہوں تو مہمان کو چاہیے کہ سب قسم کے کھانے کھائے، ہاں اگر بیمار ہو تو جو چیز مضر ہو وہ نہ کھائے اور وہ طبیب کی اتباع سے۔

☆ مہمان کو میزبان کے نوکروں (خادموں) سے تحکم (یعنی حاکمانہ) لہجہ میں پانی نہیں مانگنا چاہیے؛ بلکہ اخلاق کے ساتھ کہنا چاہیے کہ ذرا پانی دیجیے، تھوڑا پانی عنایت کیجیے۔(۱)

---

(۱) اسلامی آداب : ۷۰-۷۱

لباس کے آداب واحکام

لباس بھی ضروریاتِ زندگی میں ایک اہم ضرورت ہے، اس لئے قرآن وحدیث میں اس کے بارے میں تفصیلی ہدایات دی گئی ہیں، اس سلسلے میں آپ ﷺ کی تعلیمات وہدایات کی اساس اور بنیاد سورۂ اعراف کی یہ آیت ہے : یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا ، وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ " (۱) اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لئے ایسا لباس اتارا جو تمہاری پوشیدہ اور شرم کی چیزوں کو چھپاتا ہے اور جو تمہارے لئے زینت کا سبب بنتا ہے، اور تقویٰ کا لباس تمہارے لئے بہتر ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں لباس کے دو خاص فائدے ذکر کئے گئے ہیں، ایک ستر پوشی یعنی انسانی جسم کے ان حصّوں کو چھپانا جن پر غیروں کی نظر نہیں پڑنی چاہیئے، اور دوسرے زینت وآرائش یعنی یہ کہ دیکھنے میں آدمی بھلا اور آراستہ معلوم ہو اور جانوروں کی طرح ننگ دھڑنگ نہ پھرے۔

آخر میں فرمایا گیا: " وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذَالِکَ خَیْرٌ " یعنی اللہ کے نزدیک اور فی الحقیقت وہ لباس اچھا ہے اور سراسر خیر ہے جو خدا ترسی اور پرہیزگاری کے اصول سے مطابقت رکھتا ہو، اس میں اللہ کی ہدایت اور اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کی گئی ہو، بلکہ اس نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق ہو، ایسا لباس بلاشبہ سراسر خیر ونعمت اور شکر کے ساتھ اس کا استعمال قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔

لباس کے تعلق سے جب نبیٔ پاک ﷺ کے ارشادات اور تعلیمات کا جائزہ لیا جاتا ہے تو اس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ سب سے پہلے یہ لباس ایسا ہو جس سے ستر پوشی کا مقصود حاصل ہو، اور دیکھنے میں بھی آدمی باجمال اور باوقار لگے، نہ تو ایسا ناقص ہو کہ ستر پوشی کا مقصد ہی پورا نہ ہو

(۱) الاعراف : ۳

اور نہ ہی ایسا گندہ ہو کہ بجائے زیب وزینت کے آدمی کی صورت ہی بگاڑ دے، اور دیکھنے والوں میں تنفر ووحشت پیدا ہو، اسی طرح یہ کہ آرائش اور تجمل کیلئے بھی اس میں اسراف اور فضول خرچی سے کام نہ لیا گیا ہو، اسی طرح اس کے ذریعہ شان وشوکت، نمائش اور برتری کا اظہار وتفاخر بھی مقصود نہ ہو، جو مقامِ عبدیت کے بالکل ہی خلاف ہو، اسی طرح یہ کہ مرد ریشمی کپڑا استعمال نہ کریں، یہ سونے چاندی کے زیورات کی طرح عورتوں کیلئے مخصوص ہے اور یہ کہ مرد خاص عورتوں والا لباس پہن کر نسوانی صورت نہ بنائیں اور عورتیں مردوں والے مخصوص کپڑے پہن کر اپنی نسوانیت کو نہ کھودیں۔

☆ لباس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ پوشیدہ اور شرم کی چیزوں کو چھپا سکے، آیتِ کریمہ میں "سوأة" کے معنی ہیں وہ چیز جس کے ظاہر کرنے یا جس کے ذکر کرنے سے انسان شرم محسوس کرے، اس سے مراد ستر عورت ہے، مرد کا ستر کا حصہ جس کو چھپانا ہر حال میں ضروری ہے، وہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے، اس حصہ کا بلا ضرورت کھولنا جائز نہیں، علاج ومعالجہ کی ضرورت کیلئے بقدر ضرورت کھولا جاسکتا ہے، عورت کا سارا جسم سوائے چہرے اور گٹوں تک ہاتھ کے سب کا سب "عورت" ہے اور "ستر" ہے جس کا چھپانا ضروری ہے۔

لہٰذا اگر لباس اتنا چھوٹا ہے کہ لباس پہننے کے باوجود ستر کا کچھ حصہ کھلا رہ گیا، اس لباس کے بارے میں کہا جائے گا کہ یہ شرعی لباس نہیں ہے اور اس لباس سے اس کا بنیادی مقصد "ستر عورت" حاصل نہیں ہوا۔

ایسے ہی لباس سے ستر کو چھپا لیا؛ لیکن وہ لباس اتنا باریک ہے کہ اس سے اندر کا بدن جھلکتا ہے، یا لباس اتنا چست ہے کہ لباس پہننے کے باوجود جسم کی بناوٹ اور جسم کا ابھار نظر آرہا ہے، یہ بھی ستر کے خلاف ہے، اس لئے مرد کیلئے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ ایسے کپڑے سے چھپانا ضروری ہے جو اتنا موٹا ہو کہ اندر سے جسم نہ جھلکے اور وہ اتنا ڈھیلا ڈھالا ہو کہ اندر کے اعضاء کو نمایاں نہ کرے اور اتنا مکمل ہو کہ جسم کا کوئی حصہ کھلا نہ رہ جائے، اور یہی تین چیزیں عورت کے لباس میں بھی ضروری ہیں۔

آج کل مردوں کے پینٹ، پتلون گرچہ ساتر ہوتے ہیں، لیکن بدن پر چست اور فٹ ہونے اور غیروں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اس کا اختیار کرنا درست نہیں معلوم ہوتا۔

اور بعض عورتیں ایسا لباس پہنتی ہیں کہ جس سے ان کا ستر کھلا رہ جاتا ہے، بازو کھلے رہ جاتے ہیں، پیٹ کھلا رہ جاتا ہے، ایسے بے ڈھنگے اور غیر ساتر مرد و عورت کے لباس کے متعلق حضور ﷺ کے ارشادات ملحوظ ہوں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ بائیں ہاتھ سے کھائے یا صرف ایک پاؤں میں جوتی پہن کر چلے اور اس سے بھی منع فرمایا کہ: آدمی صرف ایک چادر اپنے اوپر لپیٹ کر ہر طرف سے بند ہو جائے (چونکہ یہ ایک بے ڈھنگا طریقہ ہے، اس میں آدمی ہر طرف سے بند ہو جاتا ہے، اس کے ہاتھ پیر باہر نہیں نکل سکتے (یا ایک کپڑے میں گوٹ مار کر بیٹھے) یہ بھی ایک طریقہ تھا کہ آدمی دونوں ڈھوپر زمین پر رکھ کر گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھ جاتا اور بس ایک کپڑا اپنی کمر اور پنڈلیوں پر لپیٹ لیتا، اس میں ستر پوشی بھی نہیں ہوتی؛ کیونکہ نیچے کا حصہ کھلا رہ جاتا ہے، اسے "احتباء" کہتے ہیں

" نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصماء وعن الاحتباء في ثوب واحد " (۱)

اور جو عورتیں ستر کے چھپانے کا اہتمام نہیں کرتیں اور بے ستری والے لباس پہنتی ہیں ان کے تعلق سے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: " کاسیات عاریات" (۲)

وہ خواتین ننگے لباس پہننے والی ہوں گی، یعنی لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، کیونکہ اس لباس سے لباس کا مقصود ہی حاصل نہیں ہوتا، بلکہ ان عورتوں کا اس لباس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اس بے ستری والے شوخ لباس سے لوگوں کو اپنی جانب مائل کرنے کے متمنی ہوں گی، "مائلات" یعنی وہ عورتیں اپنے لباس سے، اپنے انداز سے، اور اپنی

---

(۱) ابوداؤد : باب في لبسة الصماء، حديث: ٤٠٨١

(۲) مسلم: كتاب اللباس: باب النساء الكاسيات: ٢١٢٨

زیب وزینت سے اور اپنے بناؤ سنگار سے دوسروں کو اپنی جانب مائل کرنے والی ہوں گی، حضور ﷺ نے ایسی عورتوں کے بارے میں فرمایا کہ: وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو پائیں گی، حالانکہ اس کی خوشبو ایک سال کی دوری سے آتی ہے: "ممیلات مائلات رؤسھن کأسنمة البخت المائلة لا یدخلن الجنة ولا یجدن ریحھا وان ریحھا لیوجد من مسیرة کذا وکذا" (۱)

☆ لباس کا دوسرا مقصد اللہ عزوجل نے یہ بتلایا ہے کہ "رِیْشًا" یعنی ہم نے اس کو تمہارے لئے زینت اور خوبصورتی کی چیز بنائی ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر لباس کے ساتر ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں کچھ آسائش اور آرام کا لحاظ بھی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ جس کی آمدنی اچھی ہو، اس کیلئے خراب قسم کا کپڑا اور بہت گھٹیا قسم کا لباس پہننا پسندیدہ بات نہیں۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک صاحب حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ صاحب بد ہیئت قسم کا پرانا لباس پہنے ہوئے ہیں، حضور اقدس ﷺ نے ان صاحب سے پوچھا: ألك مال؟ کیا تمہارے پاس مال ہے، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ نے ہر قسم کا مال عطا فرمایا ہے، یعنی اونٹ، بکریاں اور غلام سب ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دیا ہے تو اس کے انعامات کا کچھ اثر تمہارے لباس میں بھی ظاہر ہونا چاہیئے، "فاذا أتاك اللّٰہ مالًا فلیر أثر نعمة اللّٰہ علیك وکرامته" (۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ: کل ما شئت والبس ما شئت ما اخطأت اثنتان سرف ومخیّلة "جو چاہے کھاؤ اور جو چاہے پہنو؛ لیکن دو چیزوں میں اسراف اور تکبر نہ ہونا چاہیئے۔ (۳)

---

(۱) مسلم: کتاب اللباس: باب النساء الکاسیات: ۲۱۲۸

(۲) ترمذی: باب الاحسان والعفو، حدیث: ۲۰۰٦، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۳) بخاری: کتاب اللباس، حدیث: ٥٤٤٦

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کے دل میں ذرہ برابر بھی غرور ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا، ایک شخص نے کہا: ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے عمدہ ہوں، اس کے جوتے عمدہ ہوں، نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا خود صاحبِ جمال ہے، اور جمال کو پسند کرتا ہے، یعنی عمدہ نفیس پہناوا غرور نہیں ہے) غرور دراصل یہ ہے کہ آدمی حق سے بے نیازی برتے اور لوگوں کو حقیر و ذلیل سمجھے '' انّ اللّٰه جميل يحب الجمال، الكبر بطر الحق وغمط الناس'' (۱)

☆ شہرت اور نمائش کیلئے کپڑے نہ پہنے جائیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی دنیا میں نمائش اور شہرت کے کپڑے پہنے گا، اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ذلت و رسوائی کے کپڑے پہنائے گا ''من لبس ثوب شهرة فى الدنيا ألبسه الله ثوب مذلّة يوم القيامة '' (۲)

اس میں وہ لباس بھی داخل ہے جو اپنی شان و شوکت کے اظہار اور لوگوں کی نظر میں بڑا بننے کیلئے پہنا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی اپنا کپڑا استکبار اور فخر کے طور پر زیادہ نیچا کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر بھی نہ اٹھائے گا ''من جرّ ثوبه خيلاء لم ينظر الله اليه يوم القيامة '' (۳)

---

(۱) مسلم : باب تحريم الكبر وبيانه ، حديث: ۹۱

(۲) ابوداؤد: باب في لبس الشهرة ، حديث: ۴۰۳۱ ، علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو نسائی نے ثقہ رجال کی سند سے نقل کیا ہے، اور ابوداؤد نے اپنے شیخ محمد بن عیسیٰ بن نجیح بن الطباع سے روایت کیا ہے اور ان کے بارے میں ابوحاتم نے کہا ہے: یہ ثقہ اور ان کی متعدد تصانیف ہیں: نيل الأوطار: باب الرخصة في اللباس الجميل: ۲/۱۱۱

(۳) بخاری: باب جر ثوبه من الخيلاء ، حديث: ۵۴۵۵

عہدِ نبوی میں بھی عرب کے متکبرین کا یہ فیشن تھا کہ کپڑوں کے استعمال میں بہت اسراف سے کام لیتے تھے، اوراس کو بڑائی کی نشانی سمجھتے تھے، ازار یعنی تہبند اس طرح باندھتے کہ چلنے میں نیچے کا کنارہ زمین پر گھسٹتا، اسی طرح قمیص اور عمامہ اور دوسرے کپڑوں میں بھی اس قسم کے اِسراف کے ذریعہ اپنی بڑائی اور چودھراہٹ کی نمائش کرتے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی۔

آج کل بعض حضرات جو کسی خاص لباس کا التزام کرتے ہیں اوراس کو اپنی درویشی کا مظہر بناتے ہیں، تو یہ بھی لباسِ شہرت میں داخل ہے، آپ ﷺ کے یہاں اس طرح کا کوئی تکلف نہیں تھا، جو کپڑا میسر آ گیا، پہن لیا، آپ ﷺ نے اونی کپڑے بھی پہنے ہیں، سوتی کپڑے بھی پہنے ہیں اور کتان بھی پہنا ہے۔(۱)

اسی طرح لباس میں کوئی رنگ متعین کر لینا جیسا کہ ہندوستان میں بعض سلاسل تصوف زرد یا سبز کپڑا ہی پہنتے ہیں یا کپڑے کی کسی خاص وضع کو بھی ضروری سمجھنا جیسے کہ بعض حلقۂ تصوف میں احرام کے لباس کی طرح تہبند اور چادر کو ضروری سمجھا جاتا ہے، یہ سب لباس شہرت ہے جس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

☆ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے کہ مومن بندہ کے لئے ازار یعنی تہبند باندھنے کا طریقہ (یعنی بہتر اور اولیٰ طریقہ) یہ ہے کہ نصف ساق تک (یعنی پنڈلی کے درمیانی حصہ تک ہو) اور نصف ساق اور ٹخنوں کے درمیان تک ہو تو یہ بھی گناہ نہیں ہے یعنی جائز ہے، اور جو اس سے نیچے ہو تو وہ جہنم میں ہے (یعنی اس کا نتیجہ جہنم ہے) راوی کہتے ہیں کہ: یہ بات آپ ﷺ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی: (اس کے بعد فرمایا) اللہ اس آدمی کی طرف نگاہ اٹھا کے بھی نہ دیکھے گا جو از راہِ فخر اپنی ازار گھسیٹ کر چلے گا "ولا ینظر اللّٰہ یوم القیامۃ الی من جرّ ازارہ بطرًا" (۲)

---

(۱) زاد المعاد: ۱/۱۴۳

(۲) بخاری: باب من جر ثوبہ من الخیلاء، حدیث: ۱۴۵۱

علماء نے لکھا ہے کہ اگر ٹخنوں سے نیچا تہبند یا پائجامہ تفاخر واستکبار کے جذبہ سے ہو تو حرام ہے اور اس پر جہنم کی وعید ہے اور اگر صرف عادت اور فیشن کی بناء پر ہے تو مکروہ ہے، اور اگر نادانستہ، بے خیالی اور بے توجہی کی وجہ سے ہو تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔

☆ لباس کے سلسلے میں تشبہ سے بچا جائے یعنی ایسا لباس پہننا جس کو پہن کر انسان کسی غیر قوم کا فرد نظر آئے اور وہ اس مقصد سے لباس پہنے، تاکہ میں ان جیسا ہو جاؤں یا نظر آؤں، اس نقالی پر حضور ﷺ نے سخت وعید ارشاد فرمائی ہے "من تشبّه بقوم فهو منهم" یعنی جو شخص کسی قوم کے ساتھ تشبہ اختیار کرے، اس کی نقالی کرے تو وہ انہیں میں سے ہے ،ہم تو لباس میں غیروں سے جان بوجھ کر مشابہت اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہمارے حضور ﷺ تو اتفاقی طور پر کسی معاملے میں غیروں سے مشابہت ہو جائے اس کو بھی مناسب نہیں سمجھتے تھے، آپ ﷺ نے جب رمضان کے روزوں کی فرضیت سے پہلے محرم کا روزہ فرض تھا اور آپ ﷺ کو یہ پتہ چلا کہ یہودی بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر آئندہ سال میں زندہ رہا تو عاشورہ کے ساتھ ایک روزہ اور ملا کر رکھوں گا یا تو نویں تاریخ کا روزہ یا گیارہویں تاریخ کا روزہ، تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت پیدا نہ ہو؛ بلکہ ان سے علاحدگی اور امتیاز ہو جائے۔(۱)

ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "خالفوا المشركين" (۲) یعنی مشرکین کے طریقوں کی مخالفت کرو یعنی انہوں نے جیسے طریقے اختیار کئے ہیں ان سے الگ طریقہ اپناؤ۔

☆ لباس میں عورتیں اور مرد ایک دوسرے کا سا رنگ اور ڈھنگ اختیار نہ کریں:

نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ نے ان مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کا سا ڈھنگ اختیار کریں "المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال"(۳)

---

(۱) مسند احمد: ۱/ ۲۲٦

(۲) بخاری: باب تقليم الأظفار، حديث: ۵۵۵۳

(۳) بخاری: باب المتشبهين بالنساء، حديث: ۵۵٤٦

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کا سا لباس پہنے، اور اس عورت پر لعنت فرمائی ہے جو مرد کا سا لباس پہنے "لعن رسول اللّٰہ الرجل یلبس لبسة المرأة، والمرأة تلبس لبسة الرجل" (۱)

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ سے کسی نے ذکر کیا کہ ایک عورت ہے جو مردوں کے سے جوتے پہنتی ہے تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مرد بننے کی کوشش کرتی ہیں۔ "انّ امرأة تلبس النعل" (۲)

☆ لباس میں سفید لباس مردوں کیلئے پسندیدہ ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "سفید کپڑے پہنا کرو، یہ بہترین لباس ہے، سفید کپڑا ہی زندگی میں پہننا چاہئے اور سفید ہی کپڑے میں مُردوں کو دفن کرنا چاہئے" فانّھا من خیر ثیابکم، وکفنوا فیھا موتاکم" (۳)

اور ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سفید کپڑے پہنا کرو، اس لئے کہ سفید کپڑا زیادہ صاف ستھرا رہتا ہے اور اسی میں اپنے مردوں کو کفنایا کرو" فانھا أطھر وأطیب وکفنوا موتاکم" (۴) یعنی اس میں میل کچیل جلد نظر آجاتا ہے اور آدمی جلد دھونے اور اس کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے۔

آپ ﷺ نے کبھی ہلکے سرخ اور سبز کپڑے بھی پہنے ہیں، تو اس سے پتہ یہ چلا کہ کبھی ایسا کرنا بھی جائز ہے، کوئی گناہ نہیں، لیکن آپ ﷺ کا پسندیدہ کپڑا سفید ہی تھا۔

☆ ریشمی کپڑا نہ پہنے یہ عورتوں کا لباس ہے اور نبی ﷺ نے مردوں کو عورتوں کا سا لباس پہننے اور ان کی سی شکل وصورت بنانے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

---

(۱) ابوداؤد: باب في قول (ولیضربن بخمرھن) حدیث: ۴۰۹۸

(۲) ابوداؤد: باب في لباس النساء، حدیث: ۴۰۹۹، البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۳) ترمذی: باب ما یستحب من الأکفان، حدیث: ۹۹۴، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۴) سنن النسائی: الامر بلبس البیض من الثیاب، حدیث: ۵۳۲۲

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ریشمی لباس نہ پہنو" لا تلبسوا الحرير ولا الديباج " (۱) کہ جو اس کو دنیا میں پہنے گا وہ آخرت میں اس کو نہ پہن سکے گا۔

اس سے پتہ چلا کہ عورتیں ریشمی لباس پہن سکتی ہیں۔

اور ایک روایت میں فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے ریشمی کپڑا لیا اور اس کو اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑا اسی طرح سونا لیا اور اس کو اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑا اور پھر فرمایا کہ میری امت کے مردوں کیلئے یہ دونوں چیزیں حرام ہیں"إن هذين حرام على ذكور أمتي" (۲)

ہاں البتہ کسی کو کوئی عذر یا بیماری ہو جس میں ریشم کا استعمال کرتا ہو تو اس کیلئے اس کا استعمال کرنا جائز ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت دی گئی، خارش کی وجہ سے جو ان کو تھی "رخص لهما لحكة بهما " (۳)

☆ نیا لباس پہنیں تو کپڑے کا نام لے کر خوشی کا اظہار کیا جائے کہ خدا نے اپنے فضل وکرم سے یہ کپڑا عنایت فرمایا، اور شکر کے جذبات سے سرشار ہو کر نیا لباس پہننے کے بعد وہ دعا پڑھے جو نبی کریم ﷺ پڑھا کرتے تھے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ جب کوئی نیا کپڑا، عمامہ، کرتا یا چادر پہنتے تو اس کا نام لے کر فرماتے: اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ كَسَوْتَنِيْهِ اَسْئَلُكَ خَيْرَهٗ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ (۴)

---

(۱) بخاري: باب الأكل في اناء مفضض، حديث: ۵۱۱۰، باب تحريم استعمال اناء، حديث: ۲۰۶۹

(۲) ابوداؤد: باب في الحرير للنساء، حديث: ۴۰۵۹

(۳) بخاري: باب الحرير في الحرب، حديث: ۲۹۲۱

(۴) ترمذي: باب ما يقول اذا لبس ثوبا، حديث: ۱۷۶۷، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔

خدایا تیرا شکر ہے تو نے مجھے یہ لباس پہنایا، میں تجھ سے اس کے خیر کا خواہاں ہوں اور میں اپنے آپ کو تیری پناہ میں دیتا ہوں، اس لباس کی برائی سے اور اس کے مقصد کے اس بُرے پہلو سے جس کیلئے یہ بنایا گیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص نئے کپڑے پہنے اگر گنجائش ہو تو وہ اپنے پرانے کپڑے کسی غریب کو خیرات میں دے دے اور نئے کپڑے پہنتے وقت یہ دعا پڑھے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَآ اُوَارِیْ بِہٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِہٖ فِیْ حَیَاتِیْ "(۱) ساری تعریف اور حمد اس خدا کیلئے ہے جس نے مجھے یہ کپڑے پہنائے، جس سے میں اپنی ستر پوشی کرتا ہوں، اور جو اس زندگی میں میرے لئے حسن و جمال کا بھی ذریعہ ہے۔

جو شخص نیا لباس پہنتے وقت یہ دعا پڑھے گا، خدا تعالیٰ اس کو زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی اپنی حفاظت اور نگرانی میں رکھے گا " ثم عمد الٰی الثوب الذی اخلق فتصدق به كان فی كنف الله وفی حفظ الله وفی ستر الله حيا وميتا " (۲)

☆ کپڑے پہنتے وقت سیدھی جانب کا خیال رکھے، کرتہ، قمیص وغیرہ پہنیں تو پہلے سیدھی آستین پہنے اور اسی طرح پائجامہ وغیرہ پہنیں تو پہلے سیدھے پیر میں پائینچہ ڈالیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب قمیص پہنتے تو پہلے سیدھا ہاتھ سیدھی آستین میں ڈالتے اور پھر بایاں ہاتھ بائیں آستین میں ڈالتے، اسی طرح جب جوتا پہنتے تو پہلے سیدھا پاؤں سیدھے جوتے میں ڈالتے پھر بایاں پاؤں بائیں جوتے میں ڈالتے اور جوتا اتارتے وقت پہلے بایاں پاؤں جوتے میں سے نکالتے پھر سیدھا پاؤں نکالتے۔

☆ کپڑے پہننے سے پہلے اسے جھاڑ لیں کہ اس میں کوئی موذی جانور بیٹھ سکتا ہے اور تکلیف اور اذیت کا باعث ہوسکتا ہے۔

---

(۱) ترمذی: باب من باب فی دعاء النبی، حدیث: ۳۵۶۰، یہ حدیث غریب ہے، عراقی کہتے ہیں کہ: اس کو ترمذی نے غریب کہا ہے اور ابن ماجہ اور حاکم نے روایت کیا اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے: المغنی عن حمل الأسفار: بیان اخلاقه وادابه فی اللباس، حدیث: ۲۴۸۱، ۶۶۹/۱، مکتبة الطبریه الریاض

(۲) ترمذی: باب من باب فی دعاء النبی، حدیث: ۳۵۶۰، یہ حدیث غریب ہے۔

نبی پاک ﷺ ایک بار ایک جنگل میں اپنے موزے پہن رہے تھے پہلا موزہ پہننے کے بعد جب آپ ﷺ نے دوسرا موزہ پہننے کا ارادہ فرمایا، تو ایک کوا جھپٹا اور وہ موزہ اٹھا کر اڑ گیا، اور کافی اوپر لے جا کر اُسے چھوڑ دیا، موزہ جب اونچائی سے نیچے گرا تو گرنے کی چوٹ سے اس میں سے ایک سانپ دور جا پڑا، یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور ارشاد فرمایا: ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ جب موزہ پہننے کا ارادہ کرے تو اس کو جھاڑ لیا کرے "من كان يومن بالله واليوم الاٰخر فلا يلبس خفيه حتى ينفضهما" (۱)

☆ لباس اور کپڑوں میں جاندار شی کی فوٹو بھی نہ ہو، ویسے ہی تصویر کشی حرام ہے، پھر لباس میں اس کا استعمال، پھر اس کے ساتھ نماز کی ادائیگی یہ اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والی چیزیں ہیں، اس لئے تصویر والے لباس سے احتراز کیا جائے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے ایک طرف پردہ تھا جو انہوں نے لٹکا دیا تھا، تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اس کو مجھ سے دور کر دو، اس لئے کہ یہ تصویریں میری نماز میں میرے سامنے ہوتی ہیں" لا تزال تصاويره تعرض لي في صلاتي" (۲)

☆ پائجامہ اور لنگی وغیرہ کو ٹخنوں سے اونچا رکھے، جو لوگ غرور وتکبر میں اپنا پائجامہ اور لنگی وغیرہ نیچے لٹکاتے ہیں، نبی ﷺ کی نظر میں وہ ناکام اور نامراد ہیں اور سخت عذاب کے مستحق ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف قیامت کے دن نہ دیکھے گا اور نہ ان سے بات کرے گا اور نہ ان کو پاک صاف کر کے جنت میں داخل کرے گا؛ بلکہ ان کو انتہائی دردناک عذاب دے گا، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ ناکام اور نامراد لوگ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۱) مجمع الزوائد: باب النهي عن لبس الخف قبل أن ينفضها، حديث: ۸۶۳۵، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اس میں ہاشم بن عمرو ہیں، میں ان کو نہیں جانتا، لیکن ابن حبان نے ان کا ثقہ لوگوں میں ذکر کیا ہے، پس اس روایت کے روات ثقہ ہیں اور یہ صحیح ہے انشاء اللہ۔

(۲) بخاري: كراهية الصلاة في التصاوير، حديث: ۹۱۹

ایک وہ جو غرور اور تکبر میں اپنا تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہے، دوسرا وہ شخص جو احسان جتاتا ہے اور تیسرا وہ شخص ہے جو جھوٹی قسموں کے سہارے اپنی تجارت کو چمکاتا ہے "والمنفق سلعته بالحلف الکاذب" (۱)

اور ایک روایت میں شلوار اور پائجامہ کو ٹخنہ کے نیچے رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا اس حال میں کہ میری ازار لٹک رہی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عبد اللہ اپنی اِزار اونچی کر میں نے اسے اوپر اٹھالیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا، "یا عبد الله ارفــــع إزارك" آپ ﷺ نے فرمایا اور اٹھا میں نے اور اٹھائی میں اپنی ازار اٹھاتا رہا یہاں تک کہ کچھ لوگوں نے کہا کہاں تک اٹھائے آپ ﷺ نے فرمایا آدھی پنڈلیوں تک۔ (۲)

اگر یہ لٹکانا ازراہ تکبر نہ ہو؛ بلکہ کسی شرعی یا طبعی عذر کی وجہ سے ہو تو کوئی حرج نہیں:

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ازراہ تکبر اپنا تہبند یا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکائے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمت کی نظر نہیں اٹھائے گا یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کبھی کبھار ایسا ہو جاتا ہے کہ میرے قصد و ارادہ کے بغیر میرا تہبند لٹک جاتا ہے اور ٹخنوں تک یا ٹخنوں سے نیچے پہنچ جاتا ہے الا یہ کہ میں ہمہ وقت اس کا دھیان رکھوں (یعنی اگر میں ہر وقت اس طرف متوجہ رہوں تو یقیناً کسی بھی وقت میرا تہبند نہیں لٹک سکتا لیکن بعض شرعی یا طبعی رکاوٹوں کی وجہ سے اس کی طرف ہر وقت دھیان رکھنا ممکن نہیں ہے) تو ایسی صورت میں میرے لئے کیا حکم ہے؟ رسول کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم ان لوگوں میں سے نہیں جو ازراہ تکبر اپنا تہبند یا پائجامہ لٹکاتے ہیں "إنك لست ممن يفعله الخيلاء" (۳)

---

(۱) ترمذی: فیمن حلف علی سلعة کاذبة، حدیث: ۱۲۱۱، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) مسلم: حدیث: ۹٦٥

(۳) ابوداؤد، باب ما جاء فی اسبال الإزار، حدیث: ٤٠٨٧

ایک ضروری بات

رسول اللہ ﷺ لباس کے بارے میں ان حدود واحکام کی پابندی کے ساتھ جو مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوچکے ہیں، اسی طرح کے کپڑے پہنتے تھے جس طرح اور جس وضع کے کپڑوں کا اس زمانے میں آپ ﷺ کے علاقے اور آپ ﷺ کی قوم میں رواج تھا، آپ ﷺ تہبند باندھتے تھے، چادر اوڑھتے تھے، کرتا پہنتے تھے، عمامہ اور ٹوپی بھی زیب سر فرماتے تھے اور یہ کپڑے اکثر وبیشتر معمولی سوتی قسم کے ہوتے تھے، کبھی کبھی دوسرے ملکوں اور دوسرے علاقوں کے بنے ہوئے ایسے بڑھیا قیمتی جبے بھی پہن لیتے تھے جن پر ریشمی حاشیہ یا نقش ونگار بنے ہوتے تھے، اسی طرح کبھی کبھی بہت خوشنما یمنی چادریں بھی زیب تن فرماتے تھے جو اس زمانے کے خوش پوشوں کا لباس تھا۔

اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ زبانی ارشادات وہدایات کے علاوہ آپ ﷺ نے امت کو اپنے طرز عمل سے بھی تعلیم دی ہے کہ کھانے پینے کی طرح لباس کے بارے میں بھی وسعت ہے، اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کی پابندی کے ساتھ ہر طرح کا معمولی یا قیمتی لباس پہنا جاسکتا ہے اور یہ کہ ہر علاقے اور ہر زمانے کے لوگوں کو اجازت ہے کہ وہ شرعی حدود کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا علاقائی وقومی پسندیدہ لباس استعمال کرسکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ امت کے اصحاب صلاح وتقویٰ نے بھی جن کی زندگی میں اتباع سنت کا حد درجہ اہتمام تھا یہ ضروری نہیں سمجھا کہ بس وہی لباس استعمال کریں جو رسول اللہ ﷺ استعمال فرماتے تھے، دراصل لباس ایسی چیز ہے کہ تمدن کے ارتقاء کے ساتھ اس میں تبدیلی ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی، اسی طرح علاقوں کی جغرافیائی خصوصیات اور بعض دوسری چیزیں بھی لباس کی وضع قطع اور نوعیت پر اثر انداز ہوتی ہیں، اس لئے یہ ممکن نہیں کہ ساری دنیا کے لوگوں کا لباس یکساں ہو یا کسی قوم یا کسی علاقے کا لباس ہمیشہ ایک ہی رہے، اس لئے شریعت نے کسی خاص قسم اور وضع کے لباس کا پابند نہیں کیا ہے، ہاں! ایسے اصولی احکام دیئے گئے ہیں جن کی ہر زمانے میں اور ہر جگہ بہ سہولت پابندی کی جاسکتی ہے۔(۱)

(۱) معارف الحدیث: ۳۰۴/۶-۳۰۳

پردہ کے شرعی حدود وقیود

حیاء حیاتِ انسانی کا جوہر

شرم وحیا ایک اہم فطری اور بنیادی وصف ہے جس کو انسان کی سیرت سازی میں بہت زیادہ دخل ہے، یہی وہ وصف اور خلق ہے جو آدمی کو بہت سے برے کاموں اور بری باتوں سے روکتا اور فواحش ومنکرات سے اس کو بچاتا ہے اور اچھے اور شریفانہ کاموں کیلئے آمادہ کرتا ہے، الغرض شرم وحیاء انسان کی بہت سی خوبیوں کی جڑ بنیاد اور فواحش ومنکرات سے اس کی محافظ ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم وتربیت میں اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔(۱)

حضرت یعلی بن شداد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إن اللہ حی ستیر ، یحب الحیاء والستر" بیشک اللہ عزوجل حیاء والے اور پردہ پوشی کرنے والے ہیں اور حیاء وپردہ پوشی کو پسند کرتے ہیں۔

اسی لئے رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "إن لکل دین خلقا وخلق الإسلام الحیاء" زید بن طلحہ سے روایت ہے کہ وہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ہر دین کا کوئی امتیازی وصف ہوتا ہے اور دین اسلام کا امتیازی وصف حیاء ہے۔(۲)

اور ایک روایت میں حیاء کی اہمیت وافادیت کو بیان کرتے ہوئے یوں کہا گیا ہے: "حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے جو اپنے بھائی کو حیا کے بارے میں نصیحت کررہا تھا تو رسول اللہ ﷺ

---

(۱) ابوداؤد: باب النهی عن التعری ، حدیث: ٤٠١٤

(۲) سنن ابن ماجة : باب الحیاء ، حدیث : ٤١٨١

نے اس سے فرمایا کہ اس کو کچھ مت کہو؛ کیونکہ حیا ایک شاخ ہے ایمان کی " فإن الحياء من الإيمان " (۱)

اور نبی کریم ﷺ نے حیاء کو داخلہ جنت کا سبب اور بے حیائی کو جہنم میں جانے کی وجہ بتلایا ہے: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حیاء ایمان کی ایک شاخ ہے (یا ایمان کا ثمرہ ہے) اور ایمان کا مقام جنت ہے اور بے حیائی و بے شرمی بدکاری میں سے ہے اور ابدی دوزخ میں لے جانی والی ہے "الحياء من الايمان والايمان في الجنة ، والبذاذة من الجفاء والجفاء في النار" (۲)

اور ایک روایت میں ایمان اور حیاء میں آپس کے گہرے تعلق کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: اگر کسی آدمی یا کسی قوم میں سے ان دونوں میں سے ایک اٹھالیا جائے تو دوسرا بھی اٹھ جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حیاء اور ایمان یہ دونوں ہمیشہ ساتھ اور اکٹھے ہی رہتے ہیں، جب ان میں سے کوئی ایک اٹھالیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے " فإذا رفع أحدهما رفع الآخر " (۳)

اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: "الحياء لا يأتي إلا بخير" حیاء تو بس خیر ہی کو لاتی ہے۔ (۴)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ سے اس طرح حیا کرو جیسے حیا کرنے کا حق ہے، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! الحمدللہ، ہم اللہ سے حیا کرتے ہیں، فرمایا یہ مطلب نہیں، بلکہ جو شخص اللہ سے اس طرح حیا کرتا ہے جیسے حیا کرنے کا حق ہے تو اسے چاہئے کہ اپنے سر اور اس میں آنے والے خیالات اپنے پیٹ اور اس میں بھرنے والی چیزوں کا خیال رکھے، موت کو اور بوسیدگی کو یاد رکھے، جو شخص آخرت کا طلبگار

(۱) بخاری : باب الحياء من الايمان ، حديث: ۲۴

(۲) ترمذی: باب ما جاء في الحياء ، حديث: ۲۱۴۰ ، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۳) شعب الايمان: الحياء ، حديث: ۷۳۳۱ ، منذری کہتے ہیں کہ: یہ روایت شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

(۴) صحيح البخاری : باب الحياء ، حديث: ۶۱۱۷

ہوتا ہے وہ دنیا کی زیب وزینت چھوڑ دیتا ہے اور جو شخص یہ کام کرلے، درحقیقت اس نے صحیح معنی میں اللہ سے حیا کرنے کا حق ادا کردیا" فمن فعل ذلك فقد استحيا من الله حق الحياء " (۱)

اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ستر کا حکم دیا ہے اور اس کو بڑے اہتمام سے اس کو بیان کیا ہے، ستر کو عورۃ کہتے ہیں جو عور سے مشتق ہے، جس کے معنی عیب، بری چیز کے ہیں، اس کا اطلاق سترِ عورت پر اس لئے کیا جاتا ہے کہ اس کا ظہور برا ہے۔

لفظِ عورۃ کا اطلاق کئی معنوں میں ہوتا ہے :

۱- سترِ عورت، جس کا چھپانا نماز میں ضروری ہو۔

۲- ستر جس کو دیکھنا حرام ہو۔

۳- ہر وہ چیز جس کو انسان حیاء کی وجہ سے چھپاتا ہے۔

اصطلاحِ شرع میں جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے دوسروں کے سامنے کھولنے سے منع فرمایا ہے وہ سترِ عورت ہے، اسلام نے ستر پر سخت حکم لگائے ہیں کیونکہ بے پردگی ہر خرابی اور فساد کی جڑ ہے اور پردہ سے رہنے کو اللہ تعالیٰ نے زینت بتلایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
"يَا بَنِيْ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا" (۲) اے آدم کی اولاد! نماز کے وقت ستر کو ڈھانپ لیا کرو، (یعنی اپنا لباس پہن لیا کرو) اور خوب کھاؤ اور پیو، اور حد سے مت نکلو بیشک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے حد سے نکلنے والوں کو۔

نبی کریم ﷺ نے ستر کا حکم دیا ہے اور بڑے اہتمام کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے، علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ: " فالنظر الى العورة حرام لما روى عن سلمان رضى الله عنه قال: لأن أخرّ من السماء فانقطع نصفين أحب

(۱) ترمذی: باب، حدیث:۲۴۵۸
(۲) الاعراف : ۳۱

الی من ان انظر الی عورۃ احد او ینظر احد الی عورتی" (۱)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں آسمان سے گر کر دو ٹکڑے ہو جاؤں، یہ مجھے زیادہ پسند ہے کہ اس کے مقابلہ میں کہ میں کسی کے ستر کو دیکھوں یا کوئی میری ستر کو دیکھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ننگا ہونے سے تم پرہیز کرو " ایاکم والتعری" اس لئے کہ تمہارے ساتھ وہ مخلوق رہتی ہے جو تم سے جدا نہیں ہوتی ہے، ہاں جب کوئی بیت الخلاء جائے یا اپنی اہلیہ سے ہم بستری کرے، لہٰذا تم ان سے شرم کیا کرو، اور اس مخلوق (فرشتوں) کی عزت کیا کرو۔ (۲)

حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب کوئی اپنی اہلیہ سے ہم بستری کرے تو پردہ کے ساتھ کرے، دو وحشی گدھوں کی طرح برہنہ نہ ہو جائے" ولا یتجردان تجرد البعیرین" (۳)

حضرت ام ہذیل رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنی زمین میں تشریف لے گئے، آپ نے چرواہے کو دیکھا کہ وہ ننگا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اے فلاں! زمین میں کیا ہے دیکھو؟ اور انڈیل لو اور اپنی پوری اجرت لے لو اور اپنے گھر چلے جاؤ، اس نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی اور زمین کی دیکھ بھال اچھی طرح نہیں کی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں؟ لیکن تنہائی میں جو اللہ سے نہ شرمائے اس کی ہمیں ضرورت نہیں "ولکن لا حاجۃ لنا فیمن إذا خلی لم یستح من اللہ" (۴)

---

(۱) المحیط البرھانی: باب فیما یحل للرجل النظر الیہ: ۱۷۹/۵،
دار احیاء التراث العربی بیروت

(۲) سنن الترمذی: باب ماجاء فی الاستتار عند الجماع، حدیث: ۲۸۰۰، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔

(۳) ابن ماجہ: باب التستر عند الجماع، حدیث: ۱۹۲۱

(۴) معرفۃ الصحابہ لابن نعیم، ام الھذیل غیر منسوبۃ، حدیث: ۸۰۶۹

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھ کو ننگا چلنے سے منع کیا گیا ہے " نہیت ان امشی عاریا " (۱)

پردہ ایمان کے ثمرات ونتائج میں سے ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ بغیر لنگی کے حمام میں داخل نہ ہو " فلا یدخل الحمام بغیر ازار " (۲)

آنحضرت ﷺ نے تالاب، حوض، سمندر اور ندی نالوں میں بھی بغیر کپڑے کے داخل ہونے سے منع فرمایا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: " لا تدخلوا الماء إلا بمئزر؛ فإن للماء عينين " (۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں: کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک نہایت شرمیلے اور سخت پردہ کا اہتمام رکھنے والے آدمی، ان پر شرم وحیا کا اتنا غلبہ تھا کہ (پورے بدن کو ہر وقت ڈھانپے رہتے تھے اور) ان کے جسم کی کھال کا کوئی بھی حصہ دکھائی نہ دیتا تھا " لا يري من جلده شيء " (۴)

جس "شرعی پردہ" کا قرآن وحدیث میں حکم دیا گیا ہے، اس کے تین درجہ ہیں:

۱- اعلیٰ درجہ ۲- متوسط درجہ ۳- ادنیٰ درجہ

ان میں پردہ کا ہر درجہ دوسرے درجہ سے بلند تر اور عظیم تر ہے اور پردہ کے یہ تمام درجات قرآن وحدیث سے ثابت ہیں، البتہ مختلف احوال میں خواتین سے مختلف درجہ کا حکم متوجہ ہوتا ہے۔

---

(۱) الزواجر عن اقتراف الكبائر، الكبيرة الرابعة والسبعون: ۱/۲۱۲، دار الفكر، بيروت

(۲) ترمذي: باب ما جاء في دخول الحمام، حديث: ۲۸۰۱، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

(۳) فردوس ديلمي: باب الف لام، حديث: ۷۳۵۹، دار الكتب العلمية، بيروت

(۴) بخاري: باب حديث الخضر مع موسي عليه السلام، حديث: ۳۲۲۳

☆ پردہ کا پہلا درجہ

یہ ہے کہ خواتین اپنے جسم کی گھر کی چہار دیواری یا پردے یا ہودج (پالکی) وغیرہ میں اس طرح چھپائیں کہ ان کی ذات اور ان کے لباس اور ان کی ظاہری اور چھپی ہوئی زینت کا کوئی حصہ اور ان کے جسم کا کوئی حصہ چہرہ ہتھیلیاں وغیرہ کسی مرد کو نظر نہ آئیں۔

عورت اپنے گھر کے اندر رہے اور بلا ضرورت گھر سے باہر نہ آئے اس پردہ کا ثبوت ارشادِ خداوندی میں ہے "وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ" (۱) اور اے بیویو! تم اپنے گھروں میں رہا کرو۔

اور ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے: "وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ" (۲) اور جب تم عورتوں سے کوئی چیز استعمال کیلئے مانگو تو پردہ کی آڑ میں ہو کر مانگو۔

اور ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے: "وَلَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُیُوْتِهِنَّ وَلَا یَخْرُجْنَ" (۳) اور عورتوں کو ان کے گھروں سے باہر نہ نکالو، اور نہ خود نکلیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: عورت چھپانے کی چیز ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک جھانک میں لگ جاتا ہے "المرأة عورة، فاذ خرجت استشرفها الشيطٰن" (۴)

اور ایک روایت میں ہے کہ "واقرب ما تكون من وجه ربها وهي في قعر بيتها" یعنی عورت جب تک اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے تو اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ (۵)

---

(۱) الاحزاب : ۳۳

(۲) الأحزاب : ۵۳

(۳) الطلاق: ۱

(۴) ترمذی: باب، حدیث: ۱۱۷۳، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

(۵) مجمع الزوائد: باب خروج النساء الى المساجد وغير ذلك وصلاتهن في بيوتهن صلاتهن في المسجد، حديث: ۲۱۱۶

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ پردہ کے احکام نازل ہوجانے کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا قضاءِ حاجت کیلئے گھر سے باہر نکلیں، چونکہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا جسیم (فربہ) تھیں اور عام خواتین کے مقابلہ میں دراز قد تھیں، اس لئے جو لوگ آپ کو پہچانتے تھے، ان سے مخفی نہیں رہ سکتیں تھیں چنانچہ آپ ﷺ باہر نکلیں تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہا کو دیکھا اور فرمایا کہ: اے سودہؓ! اللہ کی قسم تم ہم سے مخفی نہیں رہ سکتی، لہٰذا سوچ لو تم کیسے نکلو گی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضرت سودہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ سن کر لوٹیں، حضور ﷺ اس وقت میرے گھر میں تھے اور وہ اس وقت آپ شام کا کھانا تناول فرمارہے تھے، اور آپ ﷺ کے ہاتھ میں گوشت کی ہڈی تھی، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا داخل ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں گھر سے نکلی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے ایسا ایسا کہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: اللہ کی طرف سے حضور ﷺ پر وحی نازل ہونی شروع ہوگئی، پھر وحی کا سلسلہ بند ہوگیا اور وہ ہڈی اب تک حضور ﷺ کے ہاتھ میں تھی، اور آپ ﷺ نے اس کو اب تک نہیں رکھا تھا، پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ: تم سب عورتوں کو حاجت کیلئے گھروں سے باہر نکلنے کی اجازت دی گئی "انّہ قد أذن لکم أن تخرجن لحاجتکنّ" (۱)

اس حدیث کے الفاظ "قد أذن لکم أن تخرجن لحاجتکنّ" اس پر دلالت کررہے ہیں کہ خواتین کیلئے گھر سے نکلنے کی اجازت حاجت کے ساتھ محدود ہے، حاجت کے علاوہ خواتین اپنے گھروں ہی میں رہیں۔

حضرت ام حمید ساعدیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں چاہتی ہوں کہ آپ کے ساتھ (جماعت سے مسجد میں) نماز ادا کروں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں جانتا ہوں کہ تمہیں میرے ساتھ (میرے پیچھے جماعت کے ساتھ) نماز پڑھنے کی بڑی چاہت ہے، مگر تمہاری نماز جو تم

(۱) مسلم: کتاب السلام: باب اباحۃ الخروج للنساء لقضاء، حدیث: ۷۱۷۰

اپنے گھر کے اندرونی حصہ میں پڑھو، اس نماز سے افضل ہے جو تم گھر کے بیرونی دالان میں پڑھو اور دالان میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے گھر کے صحن میں پڑھو، یہ اس سے افضل ہے جو تم گھر کے بیرونی دالان میں پڑھو، اور دالان میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے گھر کے صحن میں پڑھو اور اپنے گھر کے صحن میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے قبیلہ کی مسجد میں (جو کہ تمہارے گھر سے قریب ہو) نماز پڑھو، اور اپنے قبیلہ کی مسجد میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم میری مسجد میں آ کر نماز پڑھو، آپ ﷺ کا یہ فرمان سن کر ام حمید ساعدیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے گھر کے اندرونی اور تاریک حصے میں نماز کی جگہ بنوائی اور پھر موت تک اسی جگہ نماز پڑھتی رہیں " فاصرت فبُني لها مسجد في أقصى شيئ من بيتها وأظلم فكانت تصلي فيه حتّى لقيت الله عزوجل " (۱)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عورتوں کا گھر سے باہر نکلنے میں کوئی حصہ نہیں الا یہ کہ وہ نکلنے پر مجبور ہوں " ليس للنساء نصيب في الخروج الاّ مضطرّة " (۲)

ان مذکورہ بالا تمام آیات واحادیث سے پتہ چلا کہ عورتوں کیلئے اصل حکم یہ ہے کہ وہ گھر میں ہی رہیں اور گھر میں رہنا اور گھر ہی ان کا پردہ ہو اور اپنی ذات کو گھر میں محبوس رکھ کر اجنبی مردوں سے مخفی رہیں، ضرورت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلیں۔

☆ پردے کا دوسرا درجہ

یہ ہے کہ اگر کبھی عورت اپنی حوائج طبعیہ کی وجہ سے گھر سے باہر نکلے تو اس کا جواز ہے، بشرطیکہ وہ برقع سے اپنے آپ کو اس طرح چھپائے کہ اس کے بدن کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو،

---

(۱) مسند احمد: حديث ام حميد رضي الله عنها، حديث: ۲۷۱۳۵، ابن حجر نے اصابہ میں ابن ابی خیثمہ کے طریق سے نقل کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح کہا ہے "شوکانی" نے نیل الاوطار میں ابن حجر سے نقل کیا ہے کہ: "اس کی سند حسن ہے"۔

(۲) مجمع الزوائد: باب الخروج الى العيد، حديث: ۳۲۲۱، طبرانی نے اس کو کبیر میں روایت کیا ہے اور اس میں سوار بن مصعب ہیں اور یہ متروک الحدیث ہیں۔

یہ حجاب کا دوسرا درجہ ہے:

"یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ" (۱) اے نبی ﷺ! آپ اپنی ازواج سے اور اپنی بیٹیوں سے اور دوسری مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنے اوپر چادریں لٹکالیا کریں۔

ظاہر ہے کہ عورت کے اوپر چادر لٹکانے سے مقصود یہ ہے کہ اس کا پورا بدن حتیٰ کہ اس کا چہرہ بھی چھپ جائے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق "جلباب" اس چادر کو کہا جاتا ہے جو اوپر سے نیچے تک پورے جسم کو چھپائے۔

علامہ ابن جریرؒ اور ابن المنذرؒ وغیرہ نے امام محمد بن سیرینؒ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبیدہ السلمانیؒ سے آیت "یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ" کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اپنی چادر اٹھائی اور اس کے اندر اپنے آپ کو لپیٹ لیا اور اپنا پورا سر پلکوں تک اس کے اندر چھپالیا اور اپنا چہرہ بھی ڈھانپ لیا، البتہ صرف اپنی بائیں آنکھ بائیں کنارے سے نکال لی، "وأخرج عينه اليسرى من شق وجهه الأيسر" (۲)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ جریر طبریؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی عورتوں کو یہ حکم فرمایا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت سے اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو چادروں کے ذریعہ چہروں کو اپنے سروں کے اوپر سے ڈھانپ لیں اور صرف ایک آنکھ کھولیں۔ (۳)

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْھِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَھُنَّ" (۴)

---

(۱) الاحزاب: ۵۹
(۲) روح المعانی: ۲۲/۸۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت
(۳) تفسیر ابن جریر:
(۴) النور: ۶۰

اس آیت میں بوڑھی عورتوں کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ وہ اپنے کپڑے اتار دیں، ظاہر ہے کہ ''وضع ثیاب'' سے جسم کے تمام کپڑے اتارنا مراد نہیں ہے، بلکہ ''وضع ثیاب'' سے مراد ''وضع جلباب اور وضع رداء'' ہے یعنی وہ اوپری اور ظاہری کپڑے اتارنا مراد ہے جس کے اتارنے کے نتیجے میں کشفِ عورت نہ ہو۔ ''وضع ثیاب'' کی تفسیر ''وضع جلباب'' حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور حضرت مجاہدؒ، حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت ابوالشعثاءؒ، حضرت ابراہیم نخعیؒ، حضرت حسنؒ، حضرت قتادہ، امام زہریؒ اور امام اوزاعیؒ نے کی ہے، لہٰذا ''وضع جلباب'' جس کی وجہ سے چہرے کا کشف ہوتا ہے کا حکم یہ ہے کہ یہ ان بوڑھی عورتوں کیلئے جن کو آئندہ نکاح کی امید نہیں، لیکن جہاں تک جوان عورتوں کا تعلق ہے تو ان کیلئے اجانب کے سامنے جلباب، برقع کا اتارنا اور چہرہ کا کھولنا جائز نہیں ہے۔

☆ حضرات صحابیات رضی اللہ عنہن بھی جب اپنی کسی ضرورت سے باہر نکلتی تھیں تو جلباب اور رِداء (چادر) سے مستور ہو کر نکلتی تھیں اور اَجانب کے سامنے اپنے چہرے نہیں کھولتی تھیں۔

حضرت قیس بن حازم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: ایک خاتون جنہیں امّ خلاّد کہا جاتا تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس طرح حاضر ہوئیں کہ ان کے چہرے پر نقاب تھا اور آ کر اپنے مقتول بیٹے کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے لگیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی صحابی نے ان خاتون سے کہا: کہ تم اپنے مقتول بیٹے کے بارے میں پوچھنے آئی ہو، اس کے باوجود تم نے اپنے چہرے پر نقاب ڈال رکھا ہے؟ ان خاتون نے جواب دیا کہ: اگر میرے بیٹے پر مصیبت آئی ہے تو میری حیاء پر تو مصیبت نہیں آئی ''ان أزرء ابني فلن أزرأ حيائي'' اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اس کو دو شہیدوں کا اجر ملے گا، ''ابنك له أجر شهيدين'' (۱)

---

(۱) ابوداؤد: باب فضل قتال الروم على غيرهم من الأمم، حدیث: ۲۴۸۸، البانی نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ: حضور ﷺ عیدین کے موقع پر کنواری اور دوشیزہ اور پردہ دار اور حیض والی عورتوں کو نکالتے تھے مگر حیض والی خواتین عیدگاہ سے علاحدہ رہتی تھیں، البتہ مسلمانوں کے ساتھ دعاء میں شریک ہوتی تھیں، ایک خاتون نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اگر کسی کے پاس جلباب نہ ہو تو (وہ کس طرح عیدگاہ جائے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی بہن اپنے جلباب سے اس کو ڈھانک لے ”ان لم یکن لھا جلباب ؟ فلتعرھا اختھا من جلبابھا“ (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ: ہم حضور اقدس ﷺ کے ساتھ حالتِ احرام میں تھے، اس وقت ہمارے پاس سے لوگوں کی سواریاں گذر رہی تھیں، جب وہ سواریاں ہمارے قریب آتیں تو ہم نے اپنی چادریں چہرے پر لٹکا لیتی تھیں اور جب سواریاں آگے گذر جاتیں تو ہم اپنا چہرہ کھول لیا کرتی تھیں ”فاذا حاذوا سدلت احدانا جلبابھا من رأسھا علی وجھھا فاذا جاوزنا کشفنا“ (۲)

☆ تیسرے درجہ کا پردہ

تیسرے درجہ کا پردہ یہ ہے کہ عورت جب اپنے گھر سے نکلے تو پورا بدن سر سے پاؤں تک ڈھکا ہوا رکھے، البتہ ضرورت کے وقت اپنا چہرہ، ہتھیلیاں کھول دے، بشرطیکہ فتنہ سے مامون ہو، حجاب کے اس تیسرے درجہ پر قرآن کریم کی یہ آیت دلالت کرتی ہے:

”وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ

---

(۱) ترمذی: باب خروج النساء فی العیدین، حدیث: ۵۳۹، مصطفیٰ الاعظمی نے صحیح ابن خزیمہ کی تخریج میں اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۲) ابوداؤد: باب المحرمة تغطی وجھھا، حدیث: ۱۸۳۳، علامہ حجر فرماتے ہیں: اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے مجاھد عن عائشہ کے طریق سے نقل کیا ہے، اور ابن خزیمہ نے یزید بن ابی سکن سے روایت کیا ہے اور یہ روایت ایک دوسرے طریق سے منقول ہے: فاطمہ بنت المنذر عن اسماء بنت ابی بکر اور یہ ان کی دادی ہیں، اس کو حاکم نے صحیح کہا ہے: التلخیص الحبیر: باب محرمات الاحرام: ۲/۵۷۶

زِیۡنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنۡهَا "(۱) یعنی اے نبی ﷺ آپ مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے کھلی چیز ہے۔

"مَا ظَهَرَ مِنۡهَا " کی تفسیر میں علماءِ مفسرین کا اختلاف ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عطاؒ، حضرت عکرمہؒ، حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت ابو الشعثاءؒ، حضرت امام ضحاکؒ، اور حضرت ابراہیم نخعیؒ کے مطابق اس سے مراد "وجہ اور کفین" ہیں۔ یعنی چہرہ اور دونوں ہتھلیاں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہا حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں اس طرح آئیں کہ ان کے اوپر باریک کپڑے تھے، حضور ﷺ نے ان سے اعراض فرمایا، اور کہا: اے اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے تو یہ مناسب نہیں کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے سوائے اس کے اور اس کے، اور آپ ﷺ نے چہرے اور ہتھیلیوں کی جانب اشارہ کیا "انّ المرأة اذا بلغت المحيض لم يصلح أن يُرىٰ منها الّا هذا أو هذا وأشار الى وجهه و كفّيه " (۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے یوم النحر (عید الاضحیٰ) کے دن حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنی سواری پر بٹھایا اور حضرت فضل خوبصورت تھے، حضور اقدس ﷺ لوگوں کے سوالات کے جوابات دینے کیلئے رک گئے، اتنے میں قبیلہ خثعم کی ایک خوبصورت عورت آکر حضور ﷺ سے کوئی مسئلہ پوچھنے لگی، حضرت فضل نے اس عورت کی طرف دیکھنا شروع کر دیا اور اس عورت کے حسن نے ان کو تعجب میں ڈال دیا، جب حضور اقدس ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوئے تو حضرت فضل اس عورت کو

---

(۱) النور: ۳۱

(۲) ابوداؤد: باب فيما تبدى المراة، حديث: ٤١٠٤، ابوداؤد کہتے ہیں کہ: یہ روایت مرسل ہے، خالد بن دریک کی حضرت عائشہ سے ملاقات نہیں ہے۔

دیکھ رہے تھے، آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کو پیچھے کیا اور پھر ان کی تھوڑی پکڑ کر ان کا چہرہ اس عورت کی طرف سے پھیر دیا" فأخذ بذقن الفضل وعدل وجهه عن النظر اليها " (۱)

اس حدیث میں اس کی صراحت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت فضل کے چہرے کو اس عورت کی طرف سے پھیر دیا، لیکن اس عورت کو چہرہ ڈھانکنے کا حکم نہیں دیا، اس لئے کہ وہ حالتِ احرام میں تھیں، تو ضرورتِ شدیدہ کے وقت چہرہ اور ہتھیلیوں کو کھولنے کی اجازت ہے اور یہ اس حالت کا پردہ ہے۔

☆ عورت کا مرد سے حجاب اور چہرے کو چھپائے رکھنا واجب ہے اس پر یہ نصوص دلالت کرتے ہیں: اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوَاتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التَّابِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۲)

اور (اسی طرح) مسلمان عورتوں سے (بھی) کہہ دیجیے کہ وہ (بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کے مواقع کو ظاہر نہ کریں مگر جس (اس موقع زینت) میں سے (غالبا) کھلا رہتا ہے (جس کے ہر وقت چھپانے میں حرج ہے) اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رکھا کریں اور اپنی زینت (کے مواقع مذکورہ) کو (کسی پر)

---

(۱) بخاری: باب من باب بدء السلام، حدیث: ۵۸۷۴

(۲) النور: ۳۱

ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے (محارم پر یعنی) باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے حقیقی (علاتی یا اخیافی بھائیوں پر) یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی (علاتی اور اخیافی) بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا ان مردوں پر جو طفیلی (کے طور پر رہتے) ہوں اور ان کو ذرا توجہ نہ ہو یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردوں کی باتوں سے ابھی ناواقف ہیں (مراد غیر مراہق ہیں) اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے اور مسلمانو (تم سے جو اِن احکام میں کوتاہی ہوگئی ہو تو) سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ)۔

اس آیت سے ایک تو یہ پتہ چلا کہ عورت کو اجنبی مردوں سے پردہ کرنا چاہئے۔

اللہ عزوجل نے عورتوں کو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا ہے، شرمگاہوں کی حفاظت میں ان چیزوں کی حفاظت بھی شامل ہے جن پر شرمگاہوں کی حفاظت موقوف ہے، جن میں چہرے کا ڈھکنا بھی داخل ہے، چونکہ چہرے کے کھولنے سے بدنظری ہوگی، چہرے کے محاسن پر غور وتدبر ہوگا، اس سے لذت آئے گی، پھر طبیعت ملاقات کا تقاضا کرے گی، اسی کو فرمایا: "العينان تزنيان وزناهما النظر" (آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے) پھر فرمایا: " والفرج يصدق ذلك أو يكذّبه " (شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے) چونکہ چہرہ کا ڈھکنا یہ حفظِ فرج کا ذریعہ اور وسیلہ ہے اور ذرائع ووسائل کے احکام مقاصد کے تابع ہوتے ہیں۔(۱)

اور فرمایا: "وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ " خمار کہتے ہیں: جس سے عورت اپنے سر کو چھپائے، جب عورت کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے گلے اور سینے پر اوڑھنی کا استعمال کرے تو اس کو چہرے کا ڈھانکنا بدرجۂ اولیٰ ضروری ہوگا، چونکہ چہرہ مجمع المحاسن ہوتا ہے، حسن وخوبصورتی کا منبع اور سرچشمہ ہے، اور خوبصورتی سے مراد چہرے کی بناوٹ وساخت اور اس کی حسن ورعنائی ہوتی ہے، اس لئے یہ فتنہ کا زیادہ باعث ہے، اس لئے شریعت یہ حکم کیسے دے سکتی ہے کہ گلے اور سینے کے تو پردہ کا حکم کرے اور چہرے کو ڈھکنے کا حکم نہ دے؟

(۱) بخاري: كتاب الاستيذان، باب زنا الجوارح، حديث:٦٢٤٣

اللہ عز وجل نے زینت کے اظہار سے مطلقاً منع فرمایا ہے سوائے اس کے جو خود ظاہر ہو جاتا ہے، جیسے ظاہری کپڑے وغیرہ، "اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا" کہا "الّا ما اظهرن منها" (جو وہ ظاہر کریں) نہیں کہا: پھر اسی آیت میں دوبارہ اللہ عز وجل نے ابدائے زینت کی ممانعت محارم کے استثناء کے ساتھ فرمائی، تو اس سے پتہ چلا کہ دوسری زینت پہلی زینت سے مختلف ہے، پہلی زینت سے مراد وہ زینت جو ہر ایک کیلئے خود بخود ظاہر ہو جائے، جس کا چھپانا اور اخفاء ممکن نہیں اور دوسری زینت مراد باطنی زینت ہے۔

ان احکام کا مقصود اصلی عورت کو فتنہ کے اندیشے سے بچانا اور چہرہ تو مجمع المحاسن اور سب سے بڑے فتنے کی جگہ ہے، اس لئے اس کا چھپانا بدرجہ اولیٰ ضروری ہوگا۔

پھر فرمایا: " وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ " (۱)

یعنی عورت اپنے پیر کو نہ مارے کہ اس کی وجہ سے اس کے پیروں کی جھنکار سنائی دے گی، جب عورت کو مرد کے فتنہ میں مبتلا ہونے کے اندیشے سے صرف پیر مارنے سے روکا گیا تو چہرے کا کھولنا کس قدر فتنہ کا باعث ہوگا؟ اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

آدمی جب عورت کی پازیب کی آواز کو سنتا ہے تو اسے یہ پتہ نہیں ہوتا ہے کہ آیا یہ عورت کی آواز ہے بھی کہ نہیں، یا جوان عورت ہے یا بوڑھی یا بد منظر ہے یا حسین و جمیل، ایک خوبصورت، بے پردہ عورت جو حسن و جمال کے بھی کمال کو پہنچی ہوئی ہے، اس کی خوبصورتی اور رعنائی بھی پرکشش ہے، اس کے چہرے کا دیکھنا کس قدر فتنہ کا باعث ہو سکتا ہے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اللہ عز وجل کا ارشاد ہے "وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِيْنَةٍ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ " (۲)

---

(۱) النور : ۳۱
(۲) النور : ٦٠

اور جو بیٹھ رہی ہیں گھروں میں تمہاری عورتوں میں سے جن کو توقع نہیں رہی نکاح کی ان پر گناہ نہیں کہ اتار رکھیں اپنے کپڑے یہ نہیں کہ دکھاتی پھریں اپنا سنگار اور اس سے بھی بچیں تو بہتر ہے ان کیلئے اور اللہ سب باتیں سنتا اور جانتا ہے۔

یعنی بوڑھی عورتیں جن میں کبرِ سن کی وجہ سے مردوں کی ان میں رغبت کی امید نہیں تو ان عورتوں کے مواقعِ زینت کے پردہ کو ضروری نہیں قرار دیا، البتہ مقصود ان کا اس بے پردگی سے زینت کا اظہار نہ ہو، اور یہاں ان بوڑھی عورتوں کے وضعِ ثیاب میں جو گناہ کی نفی کی گئی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بالکل ننگی ہو جائیں یعنی ان کیلئے چہرے اور ہتھیلیوں وغیرہ کا پردہ کرنا نہیں ہے، لہٰذا جن عورتوں میں نکاح کی امید ہے وہ جلباب اور خمار کے ذریعہ چہرے اور ہتھیلیوں وغیرہ کا بھی پردہ کریں گی جن سے بوڑھی، دراز عمر عورتوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ ، ذٰلِكَ اَدْنٰیٓ اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا " (۱)

اے پیغمبر ﷺ اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمان کی بیبیوں سے بھی کہہ دیجئے کہ (سر سے) نیچے کرلیا کریں اپنی تھوڑی سی چادریں اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی تو آزار نہ دی جایا کریں گی اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: " فوق رؤوسھنّ بالجلابیب ویبدین عینًا واحدةً " اپنے سروں پر جلباب (چادر) ڈالیں اور ایک آنکھ ظاہر کریں، یہ صحابی کا اثر مرفوع حدیث کے درجہ میں ہے۔ (۲)

بہرحال ایک آنکھ سے دیکھنے کی اجازت ضرورت اور راستہ دیکھنے کیلئے دی گئی ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: جب یہ آیت نازل ہوئی تو انصاری عورتیں تو

(۱) الاحزاب : ۵۹
(۲) تفسیر ابن کثیر : ۵۶۹/۲

وہ کالے کپڑے پہن کر نکلتی تھیں، ایسے نظر آتا تھا کہ ان کے سر پر کوے بیٹھے ہیں " کأنّ علٰی رؤوسھنّ الغربان " (۱)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے تو اس عورت کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ وہ اس کو پیغامِ نکاح دینے کیلئے دیکھ رہا ہو، گرچہ اس عورت کو اس کا علم ہو " فلا جناح علیه أن ینظر الیها اذا كان انّما ینظر الیها لخطبته " (۲)

اس روایت میں نکاح کا پیغام دینے والے کو اگر وہ عورت کو نکاح کا پیغام دینے کی غرض سے دیکھے تو اس سے گناہ اور حرج کی نفی کی گئی ہے، اس سے پتہ چلا کہ جس کا نکاح کا پیغام دینے کا ارادہ نہ ہو تو اس کا دیکھنا حرام ہے، اور نکاح کا پیغام دینے والا چہرہ کو خصوصاً دیکھتا ہے؛ کیونکہ حسن و جمال میں چہرہ کی خوبصورتی اور رونق اصل مقصود ہوتی ہے، اس لئے غیر مخاطب کو یا اجنبی شخص کو عورت کے چہرہ کو دیکھنا ممنوع ہوگا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص اپنے کپڑوں کو تکبر کے ساتھ لٹکائے ہوئے چلے تو اللہ عز و جل روزِ قیامت اس کی جانب نظر نہیں فرمائیں گے " لم ینظر اللّٰه الیه یوم القیمة " حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: عورت اپنے دامن کو کیسے کرے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو ایک بالشت نیچے کرے، تو انہوں نے کہا: تب تو اس کے قدم ظاہر ہوں گے، تو فرمایا: ایک ہاتھ اور اس پر زیادہ نہ کرے " ولا یزدن علیه " (۳)

---

(۱) ابوداؤد: باب فی قول اللّٰه تعالٰی (یدنین علیهن من جلابیبهن)، حدیث: ۴۱۰۱، البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۲) مسند احمد: حدیث ابی حمید الساعدی، حدیث: ۲۳۶۵۰، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے، لیکن زہیر کو شک ہے انہوں نے عن ابی حمید یا ابی حمیدۃ کہا ہے اور بزار نے بغیر شک کے نقل کیا ہے اور طبرانی نے اوسط اور کبیر میں روایت کیا ہے اور احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں: مجمع الزوائد: باب النظر الی من یرید تزویجها، حدیث: ۷۴۵۵

(۳) ترمذی: جر ذیول النساء، حدیث: ۱۷۳۱، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

یہاں پر عورت کے قدم کے ستر کو واجب قرار دیا گیا ہے اور پیر کے دیکھنے میں چہرے اور ہتھیلیوں کے دیکھنے سے کم فتنہ کا اندیشہ ہے اور شریعت یہ کیسے حکم دے سکتی ہے کہ جو کم فتنہ کا باعث ہو، اس کے ستر اور پردہ کا تو حکم کرے اور جس میں فتنہ کا اندیشہ زیادہ ہو اس کے ظاہر کرنے کی اجازت دے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ہم حالتِ احرام میں حضور ﷺ کے ہمراہ تھے ہمارے یہاں سے قافلوں کا گذر ہوتا اور جب وہ قافلہ ہمارے قریب سے گذرتا تو ہم عورتیں اپنے جلباب (چادروں) کو سر پر سے چہرے پر ڈال لیتیں "سدلت احدانا جلبابها علٰی وجهها من رأسها" اور جب وہ گذر جاتے تو ہم چہرے کو کھول دیتے۔ (۱)

صحیحین وغیرہ کی روایت میں ہے کہ محرم عورتوں کو نقاب اور دستانے پہننے کو منع کیا جاتا تھا "أنّ المرأة المحرمة تنهى عن النقاب والقفّازين" (۲)

اس روایت کی تشریح میں علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ: اس سے پتہ چلا جو عورتیں حالتِ احرام میں نہ ہوتی تھیں ان میں نقاب اور دستانوں کے استعمال کا رواج تھا۔

حدیثِ افک میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: صفوان بن معطل سلمی جو بعد کو ذکوانی کے نام سے مشہور ہوئے وہ لشکر کے پیچھے پیچھے رہا کرتے تھے تاکہ گری پڑی چیزیں اٹھاتے ہوئے آئیں وہ صبح کو جب قریب پہنچے تو مجھے سوتا ہوا دیکھ کر پہچان لیا کیونکہ وہ پردہ سے پہلے مجھے دیکھ چکے تھے، انہوں نے زور سے اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھا تو میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنی چادر سے اپنا منہ چھپالیا "فخمرت وجهي بجلبابي" (۳)

---

(۱) ابوداؤد: باب المحرمة تغطي وجهها، حدیث: ۱۸۳۳، علامہ حجر فرماتے ہیں: اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے مجاهد عن عائشہ کے طریق سے نقل کیا ہے، اور ابن خزیمہ نے یزید بن ابی سکن سے روایت کیا ہے اور یہ روایت ایک دوسرے طریق سے منقول ہے: فاطمہ بنت المنذر عن اسماء بنت ابی بکر اور یہ ان کی دادی ہیں، اس کو حاکم نے صحیح کہا ہے: التلخیص الحبیر : باب محرمات الاحرام : ۵۷۶/۲

(۲) مجموع الفتاوى: تفسير سورة النور: ۲۵۴، ۵۹، مجمع الملك فهد للطباعة المصحف الشريف، المدينة النبوية، المملكة العربية السعودية

(۳) بخاری: باب حديث الافك، حديث: ۳۹۱۰

اس روایت سے پتہ چلا کہ چہرے کو چھپانے کا رواج اس وقت تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں انہوں نے بیان کیا کہ پردہ کی آیت نازل ہونے کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا رفع حاجت کیلئے چادر اوڑھ کر باہر گئیں چونکہ وہ بہت جسیم تھیں اس لئے باوجود چادر کے پہچانی جاتیں چنانچہ ایک دن وہ باہر گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہچان کر کہا کہ آپ باوجود چادر کے ہم سے چھپی ہوئی نہیں ہیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی باتیں سن کر واپس آئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں موجود تھے، کھانا کھا رہے تھے ایک ہڈی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں باہر گئی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے یہ باتیں کہیں ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی ہونے لگی جب نازل ہو چکی تو ہڈی ہاتھ میں ہی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تم کو اجازت دیتا ہے کہ تم ضرورت کیلئے باہر جا سکتی ہو۔(۱)

اس حدیث سے بھی پتہ چلا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا مکمل باحجاب تھی، جسم کا ہر حصہ چہرہ اور ہتھیلیوں سمیت چادر سے ڈھکا ہوا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ صرف ان کے جسم سے ان کو پہچان کر ان کو غیرت دلائی تھی اور ان کو حدیث میں مذکورہ جملہ فرمایا تھا۔

☆ عورت کے چہرے اور ہتھیلی کو دیکھنے کے سلسلے میں فقہاء کے یہاں یہ تفصیل ہے کہ اگر لذت کی نیت سے دیکھنا ہو یا دیکھنے کے نتیجہ میں ایسے فتنہ کا اندیشہ ہو جو مفضی الی الخلوۃ بن سکتا ہو، تو چہرے اور ہتھیلیوں کے دیکھنے کے حرام ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں لیکن اگر مرد فتنہ میں مبتلا ہونے سے محفوظ ہو، اور دیکھنے سے لذت حاصل کرنا بھی مقصود نہ ہو تو اس کے جواز میں اختلاف ہے، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایسی صورت میں چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف نظر کرنا جائز ہے، اکثر شوافع اور بعض حنابلہ کا بھی یہی مذہب ہے؛ لیکن مختار مذہب مطلقاً عدم جواز کا ہے، اگر چہ شہوت اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

(۱) بخاری: حديث الفلك، حديث: ٤٥١٧

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ: وتمنع المرأة الشّابة من كشف الوجه بين رجال،لا لأنّه عورة، بل لخوف الفتنة "یعنی جوان عورت کو مردوں کے درمیان چہرہ کھولنے سے منع کیا جائے گا، یہ حکم اس لئے نہیں کہ وہ چہرہ ستر میں داخل ہے؛ بلکہ فتنہ کے خوف کی وجہ سے۔

اور ایک جگہ فرماتے ہیں کہ: فان خاف الشهوة امتنع نظره الى وجهها، فحِلّ النظر مقيّد بعدم الشهوة والّا فحرام ، وهذا في زمانهم " (قهستاني وغيره) الّا النظر لحاجة كقاضٍ وشاهدٍ يحكم ويشهد عليها " (۱)

یعنی اگر شہوت کا خوف ہو یا شہوت کا شک ہو تو اس صورت میں عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا ممنوع ہے، لہٰذا عدمِ شہوت کی قید کے ساتھ عورت کی طرف نظر کرنا حلال ہے، ورنہ حرام ہے اور یہ حکم ان فقہاء کے زمانے کا ہے، اور جہاں تک ہمارے زمانے کا تعلق ہے، اس میں تو نوجوان عورت کی طرف نظر کرنا ممنوع کہا گیا ہے، (قہستانی وغیرہ) البتہ ضرورت کے وقت دیکھنا جائز ہے، جیسے قاضی کا فیصلہ سنانے کے وقت دیکھنا یا شاہد کا گواہی دینے کے وقت دیکھنا۔

☆ ستر اور حجاب کا فرق

مرد کا ستر:

ناف کے نیچے سے گھٹنے تک عورت ہے (ستر ہے) ''گھٹنا'' نام ہے پنڈلی اور ران کے ملنے کی جگہ کا، حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہما اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مرد کا ستر اس کی ناف سے گھٹنے تک ہے "عورة الرجل ما بين سرته الٰى ركبته " (۲)

---

(۱) الدر المختار: ۶۸۷/۵، دار الفكر، بيروت

(۲) مسند فردوس: باب الظاء، حديث: ۴۱۱۵

ایک مرد کا دوسرے مرد کے ناف سے لے کر گھٹنے تک دیکھنا حرام اور ناجائز ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے علی! اپنی ران کو نہ کھولنا اور نہ کسی زندہ اور مردہ کی ران کو دیکھنا "لا تكشف فخذك ولا تنظر الي فخذ حي وميت"(۱)

نابالغ بچے کا ستر

۱- اگر بچہ چار سال سے کم ہو تو اس وقت اس کیلئے شرعی ستر نہیں۔

۲- جب چار سال سے زائد ہو تو قبل اور دبر اور اس کے آس پاس کا حصہ چھپانا پڑے گا یہ ستر دس سال تک ہے۔

۳- دس سال کے بعد بالغ مرد ہی کی طرح اس کا ستر ہے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ: دس سال کے بچے کو ستر کا حکم دیا جائے گا، کیوں کہ اس کو نماز پڑھانے کا حکم دیا گیا ہے" وفی السراج: لا عورة للصغير جدا، ثم مادام لم يشته فقبل ودبر ثم تتغلظ إلى عشر سنين ثم كبالغ " (۲)

چھوٹے بچے کا کوئی ستر نہیں جب تک کہ حد اشتہاء کو نہ پہنچے، پھر قبل و دبر ہے، اس کے بعد دس سال تک اس میں شدت ہوتی رہتی ہے، دس سال کے بعد بالغ کی طرح ہے۔

اَمرد کا ستر

لڑکا اگر بالغ ہو بڑا ہو تو اس کے ستر کا حکم بالغ مرد کی طرح ہے، جب کہ وہ خوبصورت نہ ہو؛ لیکن اگر وہ خوبصورت ہو تو اس کا حکم لڑکی کی طرح ہے، اس کے سر سے پاؤں تک دیکھنا جائز نہیں ہے، اگر شہوت ہو تو دیکھنا ہرگز جائز نہیں، شامی میں ہے: لڑکا جب مردوں کے برابر ہو جائے اور اگر خوبصورت ہو تو اس کا حکم عورتوں کی طرح ہے، وہ سر سے پاؤں تک عورت ہے، شہوت سے اس کو دیکھنا حلال نہیں ہے، اگر شہوت نہ تو اس کے ساتھ

---

(۱) ابوداؤد: باب النهى عن التعرى، حديث: ۴۰۱۵

(۲) رد المحتار: ۵۳۹/۹

تنہا رہنا اور دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی وجہ سے اس کو نقاب ڈالنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے
"ولذا لم یؤمر بالنقاب" (۱)

عورت کا ستر مرد سے

عورت کا ستر یہ ہے کہ عورت اپنا چہرہ، دونوں ہتھیلیاں اور دونوں قدموں کے علاوہ باقی تمام بدن ہر وقت چھپائے رہے گی، یہ چھپانا واجب ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں نماز میں کھلی رہ جائیں تو نماز ہو جائے گی، اس میں کوئی خلل نہ آئے گا، اس میں فقہاء نے قدموں کا بھی یہی حکم بتلایا ہے، اس کے علاوہ عورت کا سارا بدن ستر میں داخل ہے اس میں سے کوئی عضو نماز میں کھلا رہا تو نماز نہ ہوگی یہ مسئلہ تو ستر پوشی کا ہے۔

عورت کا ستر عورت سے:

ایک عورت کا ستر دوسری عورت کے حق میں ناف سے گھٹنوں تک ہے، قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے: وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ (۲)

اور (اسی طرح) مسلمان عورتوں سے (بھی) کہہ دیجیے کہ وہ (بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کے مواقع کو ظاہر نہ کریں مگر جس (موقع زینت) میں سے (غالبا) کھلا رہتا ہے (جس کے ہر وقت چھپانے میں حرج ہے) اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رکھا کریں اور اپنی زینت (کے مواقع مذکورہ) کو (کسی پر) ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے (محارم پر یعنی) باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا

---

(۱) رد المحتار: ۶/۳۶۵
(۲) النور: ۳۱

اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے حقیقی (علاتی یا اخیافی بھائیوں پر) یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی (علاتی اور اخیافی) بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر۔

عورت کا پردہ

یہ ہے کہ تمام بدن کے ساتھ چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں اور دونوں قدم بھی غیر محرم کے سامنے ظاہر نہ کرے، اس کا ظاہر کرنا ناجائز ہے۔ عورت کا پردہ یہ الگ مسئلہ ہے، اس کا مدار فتنہ کے اندیشہ پر ہے اور ظاہر ہے کہ عورت کا چہرہ اس کے بدن کا ممتاز حصہ ہے، اس کے غیر محرم کے سامنے کھولنے میں بڑا فتنہ ہے، اس لئے حضراتِ فقہاء نے غیر محرم مردوں کیلئے عورت کو چہرہ کھولنے کی اجازت نہیں دی۔ (۱)

☆ عورت کے چہرے کے پردہ کے واجب ہونے کی ایک دلیل تو وہ اللہ عز وجل کا ارشاد ہے "یدنین علیھن من جلابیبھن" (نیچے لٹکا لیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی چادریں) اس آیت کریمہ میں گھر سے باہر نکلنے کے ضابطہ کی تعلیم ہے کہ جو (نکلنا) کسی سفر وغیرہ کی ضرورت کیلئے ہو اس وقت بے حجاب مت ہو، بلکہ اپنی چادر کا پلہ اپنے چہرہ پر لٹکا لیں تا کہ چہرہ کسی کو نظر نہ آئے۔

اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: "اللہ عز وجل نے مومن عورتوں کو حکم کیا ہے کہ جب وہ گھر سے کسی ضرورت سے نکلیں تو اپنے چہروں کو اپنے سر کے اوپر سے چادروں سے ڈھانکیں رکھیں، اور صرف ایک آنکھ کو ظاہر کریں "ویبدین عینا واحدۃ" (۲)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ اس آیت کریمہ "وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ" میں فرماتے ہیں: مواقع زینت یعنی چہرہ اور ہتھلیاں ہیں، فتنہ کا خوف نہ ہو تو ان کا اظہار کیا جا سکتا ہے، لیکن

(۱) مجالس حکیم الامت: ۱۲۹

(۲) الدر المنثور: ٦٦٩/٦

متاخرین علماء نے زمانے کے بگاڑ اور لوگوں کے احوال کی خرابی کی وجہ سے ان کے بھی ستر اور پردہ کا حکم کیا ہے۔(۱)

عورت کے چہرہ کے پردہ کے ضروری ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے "احرام الرجل فی رأسه واحرام المرأة فی وجهها" یعنی مرد کا احرام اس کے سر میں اور عورت کا احرام اس کے چہرہ میں ہے، مطلب یہ ہے کہ: حج میں مردوں کو سر ڈھانکنا حرام ہے اور عورتوں کو چہرہ پر کپڑا ڈالنا ناجائز ہے، مگر اس سے یہ استنباط نہیں ہوتا کہ پردہ عورتوں کو نہ کرنا چاہئے بلکہ اس سے تو اور پردہ کا تاکد (ضروری ہونے) پر استدلال ہوتا ہے کہ عورت کو ساری عمر چہرہ ڈھانکنا ضروری ہے، صرف حج میں اس کو منہ کھولنا چاہئے۔(۲)

لڑکی کتنی عمر سے پردہ کرے

فقہاءِ کرام نے دلائل و تجربات کی روشنی میں یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ لڑکی کو نو سال کی عمر کو حیض آسکتا ہے؛ اس لئے نو سال کی لڑکی پر پردہ فرض ہے، نو سال کی عمر میں لڑکی بالغ ہوسکتی ہے تو اس عمر میں قریب البلوغ بطریق اولیٰ ہوسکتی ہے اور قریب البلوغ پردہ کے حکم میں بالغہ کی طرح ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ: اس زمانے میں بچیوں کو غیر محارم رشتہ داروں سے سات سال کی عمر میں اور اَجانب سے سات سال سے بھی پہلے پردہ شروع کرا دینا چاہئے، یہ آج سے ۶۰-۷۰ سال پہلے کہی ہوئی بات ہے، آج کے پرفتن دور میں تو اس کی اہمیت اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہے؛ لہٰذا عادت ڈالنے کیلئے سات سال کی عمر سے پردہ کرا دینا بہتر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نو سال کی لڑکی اور دس سال کا لڑکا احکام حجاب کے مکلف ہیں اگر وہ خود کوتاہی کریں تو ان کے سرپرستوں پر واجب ہے کہ وہ ان کو ان احکام پر عمل کروائیں۔(۳)

---

(۱) فیض الباری: ۱/۲۵۴

(۲) احکام پردہ عقل و نقل کی روشنی میں: ۵۸-۵۹

(۳) پردہ: محمد اسحاق ملتانی: ۳۰۸، اریب پبلیکشنز، دہلی

کافر عورتوں سے مردوں کی طرح پردہ

ایک عورت کا ستر دوسری عورت کے حق میں ناف سے گھٹنوں تک ہے:

البتہ کافرہ عورت، مشرکہ، کتابیہ، یہودیہ، نصرانیہ اور فاجرہ اس سے مستثنیٰ ہے، یعنی ان سے پردہ ضروری ہے؛ کیوں کہ ان کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوَاتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ (۱)

نہ کھولیں اپنا سنگار مگر اپنے خاوند کے آگے، یا اپنے باپ کے آگے یا اپنے خاوند کے باپ کے آگے، یا اپنے بیٹے کے آگے، یا اپنے خاوند کے بیٹے کے آگے، یا اپنے بھائی کے آگے، یا اپنے بھتیجوں کے آگے، یا اپنے بھانجوں کے آگے یا اپنی عورتوں کے آگے۔

مذکورہ آیت میں " او نسائهن " کا لفظ آیا ہے، یعنی اپنی عورتیں، جس سے مراد مسلمان عورتیں ہیں کہ ان کے سامنے بھی وہ تمام اعضاء کھولنا جائز ہے جو اپنے باپ بیٹوں کے سامنے کھولے جاسکتے ہیں، چنانچہ مسلمان عورتوں کی قید سے یہ معلوم ہوا کہ کافر مشرکہ، کتابیہ عورتوں سے بھی پردہ واجب ہے۔(۲)

یہی تفسیر عنایہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اسی طرح عبدالغنی نابلسی نے "ہدایہ ابن العماد" کی شرح میں لکھا ہے کہ مسلمان عورت کیلئے یہودیہ، نصرانیہ، مشرکہ عورتوں سے بھی پردہ ضروری ہے اور فاجرہ عورت سے بھی؛ کیوں کہ وہ دوسرے مرد کے پاس نیک عورت کا وصف بیان کریں گی " لانها تصفها عند الرجال " (۳)

علامہ شامیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ: ذمیہ اجنبی مرد کی طرح ہے، مسلمان عورتوں کو دیکھنے

---

(۱) النور: ۳۱

(۲) معارف القرآن: ۱۱۶/۶

(۳) رد المحتار: ۳۷۱/۶، فصل فی النظر والمس

کے متعلق، مسلمان عورتوں کو وہ بالکل نہیں دیکھ سکتی، اس مسئلہ کو خوب یاد رکھو" فلا تنظر أصلا إلى مسلمة فليتنبه لذلك " (۱)

مولانا یوسف صاحب لدھیانویؒ کی بھی یہی رائے ہے کہ ان کا حکم نامحرم مردوں کی طرح ہے، اس کے سامنے چہرہ، ہاتھ اور پاؤں کھول سکتی ہیں، باقی پورا وجود ڈھنکا رہنا چاہئے، انہوں نے علامہ شامیؒ کی مذکورہ بالا عبارت نقل کی ہے اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے۔ (۲)

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی بہن سے ہندوستان کی وزیر اعظم اندرا گاندھی نے ملنے کی خواہش کی تو انہوں نے ملاقات سے انکار کر دیا کہ: باہر پھرنے والی عورتیں مردوں کے حکم میں ہوتی ہیں۔ (۳)

مفتی شفیع صاحبؒ اور صاحبِ روح المعانی کی رائے:

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: ایسی روایات موجود ہیں کہ جن میں کافر عورتوں کا ازواجِ مطہرات کے پاس جانا ثابت ہے، اس لئے یہ مسئلہ مجتہدین کے یہاں مختلف فیہ ہے، بعض نے کافر عورتوں کو مثل غیر محرم کے قرار دیا ہے، بعض نے اس مسئلہ میں مسلمان اور کافر دونوں قسم کی عورتوں کا ایک ہی حکم رکھا ہے کہ ان سے پردہ نہیں ہے، امام رازیؒ نے فرمایا ہے کہ: اصل بات یہ ہے کہ لفظ " نسائھن " میں تو سبھی عورتیں مسلم اور کافر داخل ہیں اور سلف صالحین سے جو کافر عورتوں سے پردہ کرنے کی روایت منقول ہے وہ استحباب پر مبنی ہے، روح المعانی میں مفتی بغداد علامہ آلوسی نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے "هذا القول أرفق بالناس اليوم، فإنه لا يكاد يمكن احتجاب المسلمات عن المغيبات" یہی قول لوگوں کیلئے آج کل مناسب حال ہے؛ کیوں کہ اس زمانہ میں مسلمان عورتوں کا کافروں سے پردہ تقریباً ناممکن ہوگیا ہے۔ (۴)

---

(۱) شامي: ٢٠٧/٤، مطلب في تميز أهل الذمة في الملبس
(۲) آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶۵/۸، مطبوعہ پاکستان
(۳) اللباس المحمود: ۱۷۷
(۴) معارف القرآن: ١١٦/٦

☆ عورت کی آواز کا پردہ

عورت کی آواز کے عورت ہونے میں شبہ اختلاف ہے مگر صحیح یہ ہے کہ وہ عورت نہیں۔(۱)
لیکن عوارض کی وجہ سے بعض جائز امور کا ناجائز ہوجانا فقہ میں معروف ومشہور ہے، اس لئے فتنہ کی وجہ سے عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے۔
بعض فقہاءؒ نے عورت کی آواز کو عورت (ستر) کہا ہے گو بدن مستور (پردہ) ہی میں ہو؛ کیونکہ گفتگو اور کلام سے بھی عشق ہوجاتا ہے اور آواز سے بھی میلان ہوجاتا ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا عورت پردہ میں رہنے کی چیز ہے "المرأة عورة" کیونکہ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے بہکانے کے لیے موقع تلاش کرتا رہتا ہے۔(۲)

اس روایت میں تو عورت کو مطلقا اس کے سارے بدن اور آواز سمیت پردہ اور حجاب کی چیز کہا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بات سے بہتر کوئی بات نہیں جو وہ آنحضرت ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کیلئے ایک حصہ زنا کا لکھ دیا ہے جو اس سے یقینا ہو کر رہے گا چنانچہ آنکھ کا زنا دیکھنا ہے اور زبان کا زنا بات کرنا ہے "وزنا اللسان المنطق" اور نفس خواہش اور تمنا کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔(۳)

اس روایت سے پتہ چلا کہ آواز کا بھی پردہ ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے

---

(۱) امداد الفتاویٰ: ۱۹۷
(۲) ترمذی: حدیث: ۱۱۷۳
(۳) بخاری: باب زنا الجوارح دون الفرج، حدیث: ۵۸۸۹

فرمایا کہ: مردوں کیلئے تسبیح اور عورتوں کیلئے تالی بجانا ہے "التسبیح للرجال، والتصفیق للنساء" (۱)

اس حدیث کی تشریح میں علامہ ابن العربی المالکی فرماتے ہیں کہ: "یعنی أن کلامهن عورة فلا یظهر نه" یعنی ان کا کلام عورت اور پردہ ہے وہ اس کا اظہار نہ کریں۔ (۲)

یعنی عورت کی آواز کے پردے ہی کی وجہ سے اس کیلئے نماز میں متنبہ کرنے کیلئے مرد کے مقابل جس کو تسبیح کا سہارا لینے کو کہا گیا ہے، عورت اس کی جگہ تالی بجائے گی۔

اس کے علاوہ عورت کیلئے جمعہ، عیدین اور استسقاء وغیرہ کے موقع سے خطبہ دینے کو جائز اور مشروع نہیں کہا گیا اور نہ ہی وہ اذان دے سکتی ہے اور نہ ہی ایسی جماعت کی نماز کی امامت کر سکتی ہے جس میں مرد و عورتیں دونوں شامل ہوں اور نہ ہی تلبیہ میں اس کیلئے آواز کو بلند کرنے کو کہا گیا ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "عورت نہ ہی صفا و مروہ پر چڑھے گی اور نہ ہی تلبیہ میں اپنی آواز بلند کرے گی ولا ترفع صوتها بالتلبية (۳)

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ : وأجمعوا أن المرأة لا ترفع صوتها بالتلبية، وإنما عليها أن تسمع نفسها" (۴)

اس بات پر اجماع ہے عورت تلبیہ میں اپنی آواز بلند نہیں کرے گی، بلکہ خود اپنے آپ کو سنائے گی۔

عورت کی آواز کے پردہ ہونے کی دلیل یہ بھی ہے "ولا یضربن بأرجلهن" یعنی عورتوں کو حکم ہے کہ اپنے پیروں کو زمین پر اس طرح نہ ماریں کہ اس سے زیور وغیرہ کی آواز نکلے

---

(۱) ترمذی : إن التسبیح للرجال والتصفیق للنساء ، حدیث: ۳۷۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) عارضة الأحوذی : ۱۹۱/۲

(۳) السنن الکبری للبیهقی ، کتاب الحج ، باب المرأة لا ترفع صوتها بالتلبية ، یہ صحیح ہے، اس کی سند متصل اور اس کے رجال ثقہ ہیں، تذکرة الحفاظ : ۸۲۸/۳

(۴) عمدة القاری شرح البخاری : ۱۷۱/۹

اور غیر محرموں تک پہنچے اور ظاہر ہے کہ زیور عورت کا کوئی جزء نہیں بلکہ ایک منفصل (علاحدہ) چیز ہے اور اس کی آواز سے اتنا خطرہ اور فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ بھی نہیں جتنا چہرہ کھولنے (یا آواز) سے ہوتا ہے تو جب ایک منفصل (علاحدہ) چیز کی آواز سے پیدا ہونے والے فتنہ کو اس نص قرآنی (آیت) میں روکا گیا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ عورت کی زینت کے ممتاز حصہ یعنی چہرہ کھولنے (اور آواز) سننے کی اجازت دے دی جائے۔

الغرض اس آیت سے یہ بھی مفہوم ہوسکتا ہے کہ جب زیور کی آواز کے پوشیدہ رکھنے کا ایسا اہتمام ہے تو خود صاحب زیور (یعنی عورت) کی آواز جو کہ اکثر فتنہ اور میلان کا ذریعہ ہو جاتی ہے اس کا اخفاء (پوشیدہ رکھنا) کیوں قابل اہتمام نہ ہوگا، چنانچہ دوسری جگہ ارشادِ باری عزوجل ہے "فلا تخضعن بالقول" اپنی آوازوں میں لچک پیدا نہ کریں، جب آواز چھپانے کی چیز ہے تو چہرہ جو کہ اصل فتنہ کی جگہ اس کے چھپانے کا اہتمام کس قدر کرنا چاہئے۔

☆ دل ودماغ کا بھی پردہ ضروری ہے :

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "اللسان يزني وزناه النطق والقلب يتمنى ويشتهي" یعنی زبان زنا کرتی ہے اور زبان کا زنا نامحرم سے بات کرنا ہے اور قلب تمنا کرتا ہے، خواہش کرتا ہے اور قلب کا زنا سوچنا ہے۔

اسی وجہ سے فقہاء نے فرمایا ہے کہ: اجنبی عورت (یا حسین لڑکے) کے تذکرہ اور تصور سے نفس کو لذت دینا جائز نہیں اور اجنبی عورت کے خیال وتصورات سے لذت لینا حرام ہے حتی کہ اگر اپنی بیوی سے صحبت کرے اور اجنبی عورت کا تصور کرے تو وہ بھی حرام ہے۔

الغرض نامحرم کا تصور کرنا اور تصور سے لذت لینا یہ بھی اپنے اختیار میں ہے جس کا چھوڑنا واجب ہے اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ اس حالت میں محبوب سے دور رہنے سے اکثر یہ مرض خفیف ہو جاتا ہے۔

اسی طرح کسی عورت سے نکاح نہیں ہوا مگر یہ فرض کر کے کہ اس سے نکاح ہو جائے تو اس طرح تمتع حاصل کروں گا اس طرح سوچ کر لذت حاصل کرنا بھی حرام ہے۔

اسی طرح اگر کسی عورت سے نکاح ہو چکا تھا مگر طلاق وغیرہ کی وجہ سے نکاح زائل ہو گیا اور وہ زندہ ہے..... اس کے تصور سے لذت حاصل کرنا کہ جب یہ نکاح میں تھی تو اس سے اس طرح تمتع کیا کرتا تھا یہ بھی حرام ہے۔(۱)

☆ پازیب کی جھنکار کی آواز کا پردہ :

ایسا زیور پہننا ناجائز تو ہے ہی جس میں گھنگرو ہو "مع كل جَرَسٍ شيطان" لیکن قرآن ایسے چلنے سے بھی منع کرتا ہے، جس سے پیر کا زیور ایک دوسرے سے ٹکرا کر کوئی آواز پیدا ہو اور وہ نامحرم کے کان میں پڑے۔

☆ جسم سے مہکنے والی خوشبو کا پردہ :

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "أيما إمراة استعطرت فمرّت بالمجلس وهي زانية "جو عورت خوشبو لگائے اور نامحرموں کی مجلس سے گذرے تو وہ زانیہ ہے۔
دوسری روایت میں ہے: وہ چاہے کہ جسم سے مہکنے والی خوشبو نامحرم کی ناک میں جائے وہ عورت زانیہ ہے۔(۲)
جس زمانے میں مسجد میں جانا درست تھا اس زمانے میں بھی اس بات کی اجازت ہرگز نہ تھی کہ وہ مسجد میں خوشبو لگا کر آئیں "ما من امرأة تطيبت للمسجد فلا يقبل الله صلاة حتى تغتسل من اغتسالها من الجنابة "(۳)

جو عورت اپنے گھر سے خوشبو لگا کر مسجد کے ارادے سے نکلے اللہ تعالیٰ اس کی نماز کو

(۱) احکام پردہ : ۹۹-۱۰۰
(۲) ترمذی: كراهية خروج المرأة مستطعرة، حديث: ۲۷۸۶
(۳) مسند، مسند أبي هريرة، حديث: ۷۹۵۸

قبول نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ اپنے گھر واپس جا کر اسے اس طرح دھوئے جیسے ناپاکی کی حالت میں غسل کیا جاتا ہے۔

☆ آج کل کے بھڑکیلے اور شوخ برقعوں سے پردہ نہیں ہوتا:

اللہ تعالیٰ نے پردہ کے احکام بیان فرمانے کا کس قدر اہتمام کیا ہے، فرماتے ہیں: وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ" (کہ عورتیں اپنی زینت کو بھی ظاہر نہ کریں) اور قرآن میں زینت سے مراد لباس ہے، چنانچہ آیت "خُذُوْ زِيْنَتَكُمْ" (کہ زینت کو اختیار کرو) اس میں تو سب مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد لباس ہی ہے۔

اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت "وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ" کی تفسیر یہی کی ہے کہ عورتیں خوب بن ٹھن کر بھڑکدار برقعہ اوڑھ کر باہر نکلتی ہیں زینت کو تو برقع چھپالیتا ہے مگر (خود) برقعہ میں ایسی چھین بیل لگی ہوتی ہے کہ اس کو دیکھ کر دوسرے کا دل ودماغ بے چین ہو جائے، واقعی وہ برقعہ ایسا ہوتا ہے جسے دیکھ کر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے اندر کوئی حور پری ہوگی، گو منہ کھولنے کے بعد چڑیل کی ماں نکلے، تو شریعت نے ایسے برقعے اور زینت کے لباس کا ظاہر کرنا حرام کہا ہے، پھر بھلا چہرہ اور گلا کیوں کر جائز ہوسکتا ہے جو کہ حسن وجمال کا مرکز ہے۔(۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی بندیوں کو تم سجدوں سے نہ روکو؛ لیکن عورتیں میلے کچیلے کپڑوں میں (ضرورت کے وقت) باہر نکلیں "وهن تفلات" (۲)

جب مسجد کو جاتے وقت عمدہ کپڑے پہننا منع ہے تو بازاروں یا قرابت داروں میں چمک دمک والے برقعے کی کیسے اجازت ہوسکتی ہے؟۔

---

(۱) احکام پردہ: از حضرت مولانا اشرف علی تھانوی: ۱۰۲-۱۰۳

(۲) ابوداؤد: في خروج النساء الى المسجد، حديث: ٥٦٥

☆ عورت کا مرد سے پردہ تین طرح کا ہے :

۱- عورت کا اپنے شوہر سے پردہ

عورت کا اپنے شوہر سے پردہ یہ ہے کہ میاں بیوی کیلئے آپس میں ان کے بدن کے کسی حصہ کا پردہ نہیں؛ لیکن تنہائی میں بھی حیاء کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔

عالمگیری اور شامی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی رو سے لکھا ہے کہ مخصوص مقامات سے نظریں محفوظ رکھنا اولیٰ اور افضل ہے۔(۱)

۲- عورت کا اپنے محرم رشتہ داروں سے پردہ

عورت کا اپنے محرم رشتہ دار مثلاً باپ، بھائی وغیرہ عورت کے مواضعِ زینت دیکھ سکتے ہیں، عورت کے مواضعِ زینت یہ ہیں: سر، بال، گردن، گلا، سینہ، کان، بازو، ہتھیلی، گٹہ، کلائی، پنڈلی، پاؤں، چہرہ ان اعضاء کو دیکھنا محرم کیلئے حرام نہیں ہے، کیونکہ ان سے پردہ نہیں ہے، اس لئے کہ ان کی گھروں میں آمد و رفت ہر دم رہتی ہے، اگر ان سے مذکورہ اعضاء کو چھپانے کا حکم دیا جائے تو بہت حرج ہوگا۔(۲)

البتہ اس میں یہ شرط ہے کہ شہوت کا اندیشہ نہ ہو۔

البتہ ان محرم رشتہ داروں کے سامنے اپنی پیٹھ، اور پیٹ، اسی طرح ناف سے گھٹنوں تک دکھانا عورت کیلئے حلال نہیں ہے۔(۳)

مذکورہ بالا احکام ہر اس محرم رشتہ دار کے ساتھ بھی ہیں جو رضاعت اور مصاہرت (دامادی رشتہ) کی وجہ سے محرم ہیں، مثلاً: رضاعی بھائی، رضاعی باپ، رضاعی بیٹا، اور داماد وخسر؛ لیکن آج کل فتنوں اور شہوتوں کا دور ہے؛ اس لئے احتیاط ہی اولیٰ اور افضل ہے۔

---

(۱) الفتاویٰ الهندية : ۴۰۴/۵
(۲) شامي: ۵۲۸/۹
(۳) شامي: ۵۲۸/۹، زكريا بك ڈپو

۳۔ عورت کا نامحرم سے پردہ

عورت کا نامحرم سے پردہ وہی ہے جو پردے کے تین درجہ کے تحت پہلا اور دوسرا درجہ بیان کیا گیا ہے۔

☆ عورتوں کو نامحرم رشتہ داروں (مثلاً دیور، جیٹھ وغیرہ) سے گہرا پردہ کرنا چاہئے، ہاں جس گھر میں بہت سے آدمی رہتے ہوں جن میں بعض نامحرم ہوں اور بعضے محرم اور گھر تنگ ہو اور پردہ کرنے کی حالت میں گذر مشکل ہو، ایسی حالت میں نامحرم رشتہ داروں سے گہرا پردہ کرنے کی ضرورت نہیں، اور نہ ہی ایک گھر میں اس طرح نباہ ہوسکتا ہے، ایسی صورت میں نامحرموں کے سامنے بقدرِ ضرورت چہرہ کا کھولنا جائز مگر باقی تمام بدن سر سے پیر تک لپٹا ہوا ہونا چاہئے، کفوں کے چاک سے ہاتھ نہ جھلکیں، گریبان کھلا ہوا نہ رہے، بٹن اچھی طرح لگے ہوئے ہوں تاکہ گلا اور سینہ نہ جھلکے، دوپٹہ سے تمام سر لپٹا ہوا ہو کہ ایک بال بھی باہر نہ رہے، اس طرح بدن کو چھپا کر ان کے سامنے منہ کھول کر گھر کا کام کاج کرسکتی ہیں۔

جس کو نامحرم کے سامنے کسی ضرورت سے سامنے آنا پڑتا ہو اس کا چہرہ اور دونوں ہاتھ گٹے تک اور دونوں پاؤں ٹخنے کے نیچے تک کھولنا جائز ہے، اس صورت میں اگر بدنگاہی سے کوئی دیکھے گا وہ گنہ گار ہوگا۔

محارم وغیر محارم کی فہرست

جن مردوں سے پردہ نہیں	جن رشتہ داروں سے پردہ ہے
۱۔ شوہر	۱۔ چچازاد
۲۔ باپ	۲۔ ماموں زاد
۳۔ سوتیلا باپ	۳۔ خالہ زاد
۴۔ رضاعی باپ (جس عورت کا دودھ اس کے شوہر نے پیا ہو)۔	۴۔ پھوپھی زاد
	۵۔ بہنوئی

جن مردوں سے پردہ نہیں	جن رشتہ داروں سے پردہ ہے
۵- دادا، رضاعی دادا	۶- نندوئی
۶- پردادا، سوتیلا پردادا، (دادا کا سوتیلا باپ، چچا، تایا، ماموں)	۷- دیور
	۸- جیٹھ
۷- چچا، سوتیلا چچا، رضاعی چچا	۹- خالو
۸- حقیقی بھائی، رضاعی بھائی	۱۰- پھوپھا
۹- حقیقی بھتیجا، سوتیلا بھتیجا	
۱۰- بیٹا، سوتیلا بیٹا، رضاعی بیٹا	
۱۱- بھانجا	
۱۲- پوتا	
۱۳- پرپوتا	
۱۴- نواسہ، پرنواسہ	
۱۵- نانا	
۱۶- ماموں	
۱۷- سسر، دادا سسر، نانا سسر	
۱۸- داماد، پوتا داماد پرپوتا داماد، نواسا داماد	

مرد احباب کیلئے ان عورتوں سے پردہ کرنا ضروری ہے

۱- حقیقی بھائی کی بیوی (بھاوج) خواہ بڑی ہو یا چھوٹی، بعض جگہ بڑے بھائی کی بیوی کو ماں کے برابر کہتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے؛ بلکہ پردہ ضروری ہے، اسی طرح دیگر رشتے کے بھائیوں کی بیویاں (ان سے بھی پردہ ضروری ہے)۔

۲- حقیقی تایا، چچا، پھوپھی خالہ اور ماموں کی لڑکیاں، اسی طرح دیگر رشتے کی لڑکیاں۔
۳- حقیقی تائی، چچی اور ممانی، اسی طرح دیگر رشتہ کی عورتیں۔
۴- دیگر رشتے اپنے والد اور والدہ کے حقیقی، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی لڑکیاں، اور اسی طرح کی لڑکیاں۔
۵- اپنے حقیقی بھائی اور بہنوئی کی بہویں، اسی طرح دیگر رشتہ کی بہویں۔
۶- بیوی کی حقیقی بہنیں، اسی طرح بیوی کی دیگر رشتے کی بہنیں۔

عورتوں کیلئے ان مردوں سے پردہ کرنا ضروری ہے۔

۱- اپنی حقیقی بہن کے شوہر (بہنوئی) اسی طرح کے دیگر رشتے کی بہنوں کے شوہر۔
۲- حقیقی تایا، چچا، پھوپھی، خالہ اور ماموں کے لڑکے، اسی طرح دیگر رشتے کے لڑکے۔
۳- حقیقی پھوپھا اور خالو، اسی طرح کے رشتے کے پھوپھا اور خالو۔
۴- اپنے والد اور والدہ کے حقیقی تایا، چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کے لڑکے، اسی طرح دیگر رشتے کے لڑکے۔
۵- اپنے حقیقی بھائی اور بہنوں کے داماد، اسی طرح دیگر رشتے کے بہن بھائی کے داماد۔
۶- اپنے شوہر کے حقیقی بھائی (جیٹھ، دیور) خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، اسی طرح دیگر رشتے کے مرد۔
۷- اپنے شوہر کی بہن کے شوہر (نندوئی) اسی طرح دیگر رشتے کے مرد۔

مختصر یہ کہ جن سے زندگی بھر میں کسی وقت نکاح ہوسکتا ہے، شریعت میں ان سے پردہ ہے، عورت جب بالکل بوڑھی ہوتو پردہ میں تخفیف ہوجاتی ہے، بشرطیکہ خوف شہوت نہ ہو، لیکن جب قابل شہوت ہوتو پردہ ضروری ہے، مرد کے لئے ہر عمر میں پردہ ضروری ہے، گو کہ وہ نکاح پر قدرت نہ رکھتا ہو، بوڑھے مرد سے جوان عورتوں کا ہم کلام ہونا بلا ضرورت، بلا پردہ جائز نہیں ہے، جب مرد یا عورت اس قدر ضعیف و کمزور ہوجائیں کہ شہوت کا خوف

باقی نہ رہے تو ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں؛ لیکن بوڑھی عورت کے بال دیکھنا اس وقت بھی حرام ہے۔ (مذکورہ بالا تحریر کی روشنی میں جائزہ لیں تو اندازا مرد کیلئے نامحرم عورتیں تقریبا ۲۰۰ اور اسی طرح عورت کیلئے نامحرم مرد ۲۰۰ ہوں گے، جن سے زندگی میں ہزاروں لاکھوں مرتبہ بے پردگی ہوتی ہے۔ (۱)

والدۂ محترمہ حضرت مولانا ابوالحسن ندویؒ لڑکیوں کے رہن سہن اور ان کے پردہ کے تعلق سے احتیاط کو بیان کرتی ہوئی فرماتی ہیں:

لڑکیوں کو چاہئے کہ وہ اپنے گھر میں جب تک رہیں ماں باپ کی خدمت کرتی رہیں کہ انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے، کھانا ان کی خواہش کے موافق اور وقت پر پیش کریں، ان کے کپڑے وغیرہ ٹھیک رکھیں اگر بدلنے کی ضرورت ہو تو فوراً لا دیں، پانی، صابن، تولیہ، یہ سب چیزیں مہیا کریں، ان کی جگہ اور بستر مہیا کریں، ان سے کبھی تنگ دل نہ ہوں، کبھی خفا ہوں تو ان سے آنکھیں چار نہ کرو، اپنی دست کاری سے پیدا کر کے ان کی خواہش پوری کرتی ہو...... پہلے عام قاعدہ یہ تھا کہ بیویاں بچیوں کو بلا کر اپنے پاس بٹھاتیں، ان سے مزہ مزہ کی باتیں کرتیں، نماز کی سورتیں یاد کراتیں اور رفتہ رفتہ احکام شریعت وفرائض وواجبات پر عمل کراتی تھیں، جب اس کی طرف سے اطمینان ہو جاتا تو ان کو حسنِ معاشرت کی تعلیم دیتیں، ان کی معاشرت پر ہر وقت نظر رہتی، جس کی وجہ سے ان میں کسی قسم کی آزادی، خودغرضی، بے حیائی اور بداندیشی نہیں پائی جاتی تھی جیسے اس وقت کی لڑکیوں میں عام ہے...... ان کو بچپن ہی سے شرم وحیا کے راستہ پر لگاتی تھیں، ان کی تعلیم وتربیت کا ان پر وہ اثر پڑتا تھا کہ پھر وہ کسی دوسرے کا اثر نہ لے سکتی تھی، ان کی نشست و برخواست کے لئے ایسی جگہ تجویز کی جاتی تھی کہ جس کے باعث وہ تمام خرابیوں سے محفوظ رہتی تھیں، کبھی بے پردگی نہ ہو سکتی تھی...... حیاء وشرم کو جوہر بنا کر دکھاتیں، بے حیائی کا ایسا اندیشہ پیدا کرتی تھیں جس سے وہ

(۱) ارشادات ابرار: ۱۱۸، مرتب: سید سلیم اللہ غوری صاحب، خلیفہ ومجاز بیعت حضرت محی السنہ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ علیہ

کانپ اٹھتی تھیں، ہر ایک سے پردہ کرنا اور پردہ کرنے کا محل بتاتیں، ان باتوں کا یہ اثر ہوتا کہ ماموں اور چچا سے بھی وہ بے تکلف نہ ہوتیں...... سوائے چچا، ماموں، باپ اور حقیقی بھائی کے اپنے ہاتھ کی تحریر کسی اور کو نہ دکھاتیں...... سوائے قرآن وحدیث اور دینیات کے کسی کتاب پر متوجہ نہ ہونے دیتیں، صاف کہہ دیتیں کہ ان چیزوں کے علاوہ دوسری چیزوں میں وقت صرف کرنا بیکار اور ہیچ ہے، نماز، روزہ کی تاکید رکھتیں، وظیفہ اور دعاؤں پر مائل کراتیں......

اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ خود والدین اولاد کے ناز بردار ہوگئے ہیں...... اب لڑکیاں نہایت آزاد اور بے خوف ہوتی جارہی ہیں، جو چاہتی کر گذرتی ہیں، نہ والدین کا ڈر، نہ اللہ کا خوف، نہ دنیا کی شرم، نہ عزت کا پاس، نہ غیرت کا لحاظ، یہ بھی نہیں جانتیں کہ غیرت اور شرم کہاں پر کی جاتی ہے، نہ یہ معلوم کہ اس کی قدر و منزلت کیا ہے، مروت ومحبت کی راہ بھول گئیں، شرم وحیاء کے راستہ سے بہک گئیں، اب گویا اتنا خیال نہیں ہے کہ کس راستہ سے ہم آئے ہیں اور کہاں جارہے ہیں، نیک صحبتوں سے واقفیت نہیں، تفریح کی شائق، سیر وسیاحت پر قربان، ناولوں پر صدقہ، قصہ کہانیوں پر نثار، قرآن وحدیث سے بیزار، اوامر سے غافل، نواہی پر مائل، دروغ گو، عیب جو، دوستوں کی دشمن، دشمنوں کی دوست، تیز مزاج، متلون، جس کی جو وضع دیکھی پسند کر لی، جو راہ چاہی اختیار کر لی، نہ پابندئ شریعت، نہ پاس ادب، نہ اسلامی حمیت، نہ آئندہ کی خبر، نہ انجام پر نظر، برے بھلے کی پہچان نہیں، اپنے پرائے کی تمیز نہیں، برا بھلا، عزت وذلت، شریف ورذیل، آقا وغلام، امیر وفقیر، بہار وخزاں، رنج وراحت، شرم وبے حیائی، علم وجہل، اندھیرا اجالا، بصارت وبے نگاہی، عذاب وثواب، گویا سب سے واسطہ توڑ آئیں۔(۱)

پھر لڑکیوں کو مخاطب کر کے فرماتی ہیں کہ: ''اپنے رشتہ کے بھائیوں سے اس طرح پیش آؤ کہ گویا پردہ ہی کرتی ہو، کبھی ان سے آنکھ ملا کے مخاطب نہ ہو، کوئی اپنا کام اپنا بنایا ہوا دوسروں کو نہ دکھاؤ، ہنسی مذاق نہ کرو، اگر وہ چھیڑیں تو تم مخاطب نہ ہو؛ بلکہ تمہیں ناگوار ہو،

---

(۱) حسن معاشرت: ۲۳-۲۴-۲۵

ایسے برتاؤ رکھو، جس سے بظاہر غیرت پائی جائے، اس کا بھی خیال رکھو کہ کوئی تمہارا نام لے کر زور سے نہ پکارے کہ باہر والے تمہارے نام سے واقف ہو جائیں تمہیں خبر بھی نہ ہو...... اپنے کپڑے، اپنی وضع قطع وہ رکھو جو تمہیں زیب دیتی ہو، بوڑھی بن کر نہ رہو، کسی کی بات میں دخل نہ دو، آنکھیں چار کر کے باتیں نہ بناؤ، پان تمباکو کو کھا کر منہ لال نہ کرو، یہ لڑکیوں کو نازیبا ہے، شرم کے ساتھ اٹھو بیٹھو، سر نہ کھلے، ادھر ادھر دیکھتی نہ چلو، کھلی جگہ نہ بیٹھو، تاک جھانک سے باز آؤ، بدنامی سے بچتی رہو، نہ تو بد ہو نہ بدنام ہو............

بچیو! ذرا غور کرو کہ کس قدر فرق آ گیا ہے، صرف اندازِ خیال بدل جانے سے تمام باتیں بدل گئیں، نہ تو وہ رونق ہے، نہ وہ دولت نہ وہ برکت، نہ کسی چیز میں لذت نہ باتوں میں لطف، نہ کپڑے میں زینت، نہ بچوں میں بچپن، نہ بوڑھوں میں دانائی غرض کہ اب عالم ہی نیا ہے اور دنیا ہی دوسری ہے، بجائے شرم وحیا کے اب بے حیائی ہے، گھروں میں گندے اور عریاں لٹریچر کی ریل پیل ہے، جن سے بداخلاقی اور بے حیائی کی وبا پھوٹ رہی ہے اور بجائے سنت کے دنیاداری ہے،، بجائے اطمینان وخوشی کے فکرو پریشانی ہے، جو آسودہ حال برسوں مہمانوں کو کھلاتے تھے، وہ اچھے سے اچھے گھر آج اپنے لئے پریشان ہیں، نہ وہ دن ہیں نہ وہ راتیں، نہ وہ صورتیں ہیں، نہ وہ سیرتیں، نہ وہ دل ہیں وہ ہمتیں، نہ وہ دلچسپی کے سامان نہ دل لگی، اگر کبھی دیکھیئے بھی تو خواب پریشان، غرض کہ ہر جگہ سے اف اُف کی صدا آ رہی ہے، یہ سب بدخیالی کا ثمرہ ہے جیسی روح ویسے فرشتے۔(۱)

اسلاف کے یہاں عورتوں میں پردہ کا کس قدر اہتمام کیا جاتا تھا اس کا اندازہ ان واقعات سے لگایا جاتا ہے، مفتی ابوالسعود دباقوی امیر شریعت بنگلور کے گھرانے میں پردہ کے اہتمام کے تعلق سے یہ واقعات لکھے ہیں: کہتے ہیں کہ :

گھر میں پردہ کا اہتمام کچھ زیادہ ہی...... کسی کو برا نہ لگے............ مثلاً ایک بھابی صاحبہ حج کر چکیں، اس کے بعد بھائی صاحب نے ان کو عمرے پر لے جانا چاہا تو بھابی صاحبہ نے

---

(۱) حسن معاشرت: ۲۵-۲۶-۲۷

فرمایا: ”نہیں، وہاں بسوں میں چڑھتے ہوئے منتظمین مسافروں کے نام لے کر پکارتے ہیں، میرا نام بھی پکاریں گے، ایمگریشن میں نقاب اٹھانے کو کہیں گے، میرا نام غیروں کی زبان پر کیوں؟ مجھے اچھا نہیں لگتا“

دیوروں اور جیٹھوں سے پردہ تھا، اس لئے ہم بھائی گھر میں داخل ہوتے تو گھنٹی بجاتے، اپنا اپنا الگ الگ انداز تھا، جس سے عورتیں سمجھ جاتیں کہ دروازے پر کون ہے، ان کی اہلیہ آتیں اور دروازہ کھولتیں، یا بچے کھولتے، بڑے حضرات جب اپنے مخصوص انداز میں گھنٹی بجاتے تو سارا گھر دروازے کی جانب دوڑ جاتا۔(۱)

بے پردگی کے نقصانات

مجموعی احادیث اور شریعت کے نصوص اور تاریخی واقعات کو پیش نظر رکھ کر یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے بے پردگی دنیا وآخرت دونوں جہاں میں نقصانات کا باعث ہوتی ہے، بے پردگی کے نتیجے میں آج عورت بھرے بازار ایک بے قیمت اور حقیر سی چیز ہو کر رہ گئی ہے، جو چاہے اس سے نظر لڑائے اور جو چاہے اس کا استحصال کرے۔

۱- بے پردگی کے عام ہونے کی وجہ سے شادی اور نکاح کا رواج کم ہوتا جارہا ہے، گناہوں کا شیوع عام ہوگیا ہے، لوگوں میں شہوانی جذبات عام ہوگئے ہیں۔

۲- غیرت کا مادہ ناپید ہوگیا ہے، حیاء اور شرمندگی کی صفت ختم ہوتی جارہی ہے۔

۳- جرائم میں روز افزوں اضافہ ہورہا ہے۔

۴- مردوں کے اخلاق بمیں خصوصا نوجوانوں میں اخلاق بگاڑ عام ہوگیا ہے، خصوصًا قریب البلوغ نوجوان یہ گناہوں کے ولدل میں پھنسے جارہے ہیں۔

۵- خاندانی تعلقات ٹوٹ رہے ہیں، افرادِ خاندان کے درمیان اعتماد اٹھتا چلا جارہا ہے اور طلاق کی کثرت ہوگئی ہے۔

---

(۱) تذکار بڑے حضرت: ۲۲۵، دارالعلوم سبیل الرشاد، بنگلور

۶- عورتوں کی تجارت عام ہوگئی ہے، اس کو کاروبار کیلئے اشتہاری ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے، عورت کے استعمال سے اپنی تجارت کو فروغ دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔

۷- عورت خود اپنے ساتھ برا سلوک کرنے پر اتر گئی ہے، اپنی بدنیتی اور بدباطنی کا اعلان اور اظہار کرتی پھر رہی ہے، جس سے وہ اشرار اور بدباطن نوجوانوں کا لقمہ تر بنتی جارہی ہیں۔

۸- بے پردگی کے نتیجے میں جو جنسی جرائم پیش آرہے ہیں وہ مختلف امراض اور بیماریوں کا باعث بن رہے ہیں، ایڈز وغیرہ کی بیماریاں اس کے نتیجے میں در آرہی ہیں، چونکہ حدیث میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: جس قوم میں فحاشی اعلانیہ ہونے لگے تو اس میں طاعون اور ایسی ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں جو ان سے پہلے لوگوں میں نہ تھیں" والأوجاع التی لم تکن مضت فی أسلافهم الذین مضوا " (۱)

۹- بے پردگی کے نتیجے میں بدنظری اور بدنگاہی کا گناہ آسان ہوگیا ہے، جو کہ زنا اور بدکاری کا اصل پیش خیمہ ہے، اور آنکھوں کا زنا خود بدنظری ہی ہے "العینان تزنیان وزناهما النظر " آنکھوں کا زنا بدنگاہی ہے، اور نگاہیں نیچی رکھنے کا ربانی حکم پر عمل درآمد مشکل تر ہوگیا ہے۔(۲)

۱۰- اس بے پردگی اور اس سے ہونے والے گناہوں کے نتیجے میں جو عذاباتِ خداوندی اور عقابِ الٰہی ہماری طرف متوجہ ہورہے ہیں یہ ایٹم بم سے بھی بھیانک ثابت ہورہے ہیں جس کو ختم کرنے کیلئے دنیا ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے، جیسے زلزلے، آتش فشاں، طوفان وباد وباراں وغیرہ، ارشاد باری عزوجل ہے " وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ

(۱) ابن ماجه: حدیث: ۴۰۱۹
(۲) مسند احمد، مسند ابی هریرة، حدیث: ۲۴۶۳

نُهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيْرًا " (۱)

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوش عیش لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر (جب) وہ لوگ وہاں شرارت مچاتے ہیں تب ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے پھر اس بستی کو تباہ اور غارت کر ڈال دیتے ہیں۔

حیاء اور عفت کے واقعات

حیاء بھی جزوِ ایمان ہے اور عورت کیلئے تو اس کا سب سے زیادہ قیمتی زیور ہے، جس سے آراستہ و پیراستہ ہونا اس کے انوثیت اور عورت پن کا لازمہ اور خاصہ ہے۔

ایک مرتبہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا: اے میرے چچازاد بھائی جب آپ کے ساتھی (حضرت جبرئیل علیہ السلام) آئیں تو آپ مجھے بتا سکتے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں! حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: وہ آئیں تو مجھے بتلا دینا، رسول اللہ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے، حضور ﷺ نے فرمایا: حضرت جبرئیل آچکے ہیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ میری داہنی ران پر بیٹھ جائیں، آپ ﷺ بیٹھ گئے، حضرت خدیجہ نے عرض کیا: کیا وہ اب نظر آرہے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ میری بائیں ران پر بیٹھ جائیں، آپ ﷺ بیٹھ گئے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: کیا وہ اب نظر آرہے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے عرض کیا: ہاں!، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے سر سے اوڑھنی ہٹالیں اور سر کھول دیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: کیا اب وہ نظر آرہے ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ خوش خبری سن لیں کہ یہ فرشتہ ہے شیطان نہیں ہوسکتا۔ (۲)

---

(۱) الإسراء: ۱۶ (۲) سیرۃ ابن ہشام: ۲۳۹/۱۴

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کی ایک باندی آئی، کہنے لگی: ام المؤمنین! میں نے بیت اللہ کا سات دفعہ طواف کیا اور رکن یمانی کو دو مرتبہ چھوا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "لا اجرك اللّٰه لا اجرك اللّٰه" تمہیں اس کا اجر اللہ عزوجل ہرگز نہ دے، تمہیں اس کا اجر اللہ عزوجل ہرگز نہ دے، تم مردوں کے ساتھ دھکم پیل کررہی تھیں، تم صرف تکبیر کہہ کر گذر کیوں نہ گئیں؟(۱)

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ ہم کو اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ عید کے دن حیض والی عورتوں اور پردہ میں بیٹھنے والیوں کو بھی (عیدگاہ لے جائیں)۔(۲)

اس روایت میں "ذوات الخدور" (جس کے معنی پردہ میں بیٹھنے والیاں ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے دور میں بے پردگی عام نہ تھی، عورتیں حیاء دار اور عفیف تھیں۔

حضرت ابوالسائب ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک نوجوان (صحابی) کے قصہ میں جس کی شادی کو کچھ دن گذرے تھے، روایت کرتے ہیں کہ: (وہ نوجوان حضور ﷺ) سے اجازت لے کر اپنے گھر گیا) تو اس کی بیوی دروازہ پر کواڑوں کے بیچ کھڑی ہوئی تھی، نوجوان نے اپنا نیزہ اس کی طرف سیدھا کیا، تاکہ اس پر حملہ کرے اور جوش غیرت سے بے تاب ہوگیا "فأهوى إليها بالرمح ليطعنها وأصابته غيرة" (۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ایک عورت نے پردہ کے پیچھے سے ایک خط دینے کو حضور ﷺ کی طرف ہاتھ بڑھایا "مدت يدها الى النبى صلى الله عليه وسلم" (۴)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ عورتیں حضور ﷺ سے بھی گہرے درجہ کا پردہ کیا کرتی تھیں۔

---

(۱) مسند شافعي: ومن كتاب المناسك، حديث: ٥٩٥

(۲) بخاری: باب شهود الحائض العيدين، حديث: ٣١٨

(۳) مسلم: باب قتل الحيات وغيرها، حديث: ٢٢٣٦

(۴) نسائي: الخضاب للنساء، حديث: ٥٠٨٩

امام محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں کہ یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اہلیہ محترمہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ سے پوچھا گیا کہ: تم اپنی دیگر بہنوں کی طرح حج اور عمرہ کیوں نہیں کرتیں تو انہوں نے کہا: میں نے حج اور عمرہ کرلیا ہے، اللہ عزوجل نے مجھے اپنے گھر میں ہی رہنے کو کہا ہے، اللہ کی قسم! میں اپنے گھر سے موت تک نہ نکلوں گی، اللہ کی قسم! وہ اپنے گھر کے دروازے سے نکلیں ہی نہیں؛ یہاں تک کہ جنازہ ہی ان کے گھر سے نکلا "فو اللّٰہ ما خرجت من حجرتها حتى خرجت جنازتها "(۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ ابوالقیس کے بھائی افلح نے مجھ سے ملنے کی اجازت مانگی میں نے جواب میں کہہ دیا کہ جس وقت تک آنحضرت ﷺ کی اجازت نہ ہوگی میں تم کو اپنے آپ اجازت نہیں دے سکتی ہوں اور میں نے اس خیال سے اجازت نہیں دی کہ ان کے بھائی ابوالقیس کا تو میں نے دودھ نہیں پیا ہے البتہ ان کی بیوی کا دودھ پیا ہے اس کے بعد آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! ابوالقیس کے بھائی افلح نے مجھ سے ملنے کی اجازت طلب کی تو میں نے ملنے سے انکار کردیا، یہاں تک کہ آپ سے اجازت نہ لے لوں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تو نے اپنے چچا کو اجازت کیوں نہیں دی میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے مرد نے تو دودھ نہیں پلایا ہے بلکہ عورت نے پلایا ہے آپ ﷺ نے فرمایا نہیں وہ تمہارے چچا ہیں، حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی بنا پر کہتی تھی کہ نسبا جو رشتہ حرام ہے رضاعاً بھی اسے حرام مانو " ائذني له فإنه عمك تربت يمينك" (۲)

جب بدمعاش حضرت امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے قتل کے ارادہ سے گئے تو ان کے اہلیہ نائلۃ بنت الفرافصۃ نے ان کو اپنے بالوں سے چھپا لینا چاہا تو

(۱) المحرر الوجيز: سورة الأحزاب: ٤٤٣/٤
(۲) بخاری: باب قول النبي: تربت يمينك

امیر المؤمنین نے فرمایا: "خذی خمارك ، فلعمری لدخولهم علی أعظم من حرمت شعرك " تم اپنی اوڑھنی کو لے لو، اللہ کی قسم ان کے میرے پاس آنا تمہارے بالوں کی حرمت وعزت سے میرے لئے کم نہیں۔(۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ فاطمہ بنت عتبہ بن ربیعہ نبی ﷺ کی خدمت میں بیعت کرنے کیلئے حاضر ہوئیں، نبی ﷺ نے ان سے آیت بیعت کی شرائط پر بیعت لینا شروع کردی،" أن لا يشركن بالله ولا يسرقن ولا يزنين " (اس بات پر بیعت لیا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی، نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی) اس پر فاطمہ نے شرم سے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ دیا، نبی ﷺ کو ان کی اس حرکت پر تعجب ہوا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں اے خاتون! مطمئن رہو، واللہ ہم نے بھی نبی ﷺ سے انہی شرائط پر بیعت کی ہے، تو فاطمہ نے کہا کہ پھر صحیح ہے اور انہوں نے اس آیت کی شرائط پر بیعت کرلی۔(۲)

اس وقت کی عورتیں اس قدر حیاء دار تھی کہ ان کے سامنے زنا کے لفظ کا تذکرہ آجائے اس کا سننا گوارہ نہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکیاں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں تو وہ پردہ اور حیاء کی مجسم بنی ہوئی تھیں، "فجاء ته احداهما تمشي على استحياء " (۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: یہ لڑکیاں کوئی سطحی لڑکیاں نہیں تھیں کہ جن کا باہر آنا جانا ہوتا ہو؛ بلکہ باپردہ، مجسم حیاء بن کر اپنی اوڑھنی کے سرے کو اپنے چہرے پر رکھ آئیں " قد وضعت كم درعها على وجهها، استحياءً ا " (۴)

---

(۱) تاریخ المدینة المنورة : ۲/ ۲۰٤، دائرة الفکر ، بیروت

(۲) مسند احمد ، مسند عائشه ، حدیث: ٥١٣٤

(۳) القصص : ٢٥

(۴) الدر المنثور : ٦/ ٤٠٥، دار الفکر ، بیروت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں ایک لڑکی کو لایا گیا جس نے گھنگرو پہن رکھے تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس کے گنگھروا کو نکال کراسے یہاں لاؤ، چونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں گھنٹی ہوتی ہے "لا تدخل الملئكة بيتا فيه جرس"(۱) یعنی عورت کیلئے اپنی زینت کا اظہار اس کی حیاء اور عفت کے خلاف اور خدا کی ناراضگی کو دعوت دینے والا عمل ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ذکر کیا گیا کہ: ایک عورت مردانہ جوتے پہنتی ہے، تو انہوں نے فرمایا: اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے اس عورت پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں سے مشابہت اختیار کرتی ہے "لعن رسول الله الراجلة من النساء" (۲)

یہاں پر عورت کے مرد کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے کو اس کی حیاء اور عفت کے خلاف سمجھا گیا۔

حضرت ام علقمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: میں نے عبدالرحمٰن بن ابوبکر کو ایک باریک اوڑھنی پہنے ہوئے دیکھا جس سے ان کا سینہ جھلک رہا تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو پھاڑ دیا اور فرمایا: " أما تعلمين ما انزل الله في سورة النور "کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں جسے اللہ عزوجل نے سورہ نور میں نازل فرمایا ہے۔(۳)

امام ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ: انہوں نے ایک عورت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا تو انہوں نے ایک لڑکی کے بال کاندھوں پر لٹکے ہوئے دیکھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "لو استترت هذه كان أحرى بها" اگر یہ ان بالوں کو چھپاتی تو اچھا ہوتا۔(۴)

یعنی یہ بھی عورت کے حیاء کے خلاف ہے کہ وہ اپنی مواقع زینت کا برملا اظہار کرتی پھرے۔

---

(۱) ابوداؤد: باب ما جاء في الجلاجل، حديث: ۴۲۳۳

(۲) ابوداؤد: باب لباس النساء، حديث: ۲۰۹۹

(۳) الطبقات الكبرى لابن سعد: اروى: ۷۲/۸

(۴) مصنف ابن ابی شیبه: المرأة تصلي ولا تغطي شعرها، حديث: ۶۲۱۴

جب ہلاکوخان بغداد میں داخل ہوا اور خلیفہ معتصم باللہ قتل ہوا تو خلیفہ تلاوت میں مصروف تھا اس کے پاس اس کی نوجوان بیٹی بھی بیٹھی ہوئی تھی، ایک تیر آیا اور بچی کو لگا، وہ بیچاری فوت ہوگئی، اس کا خون زمین پر اس انداز سے گرا کہ اس سے ایک تحریر نمودار ہوئی کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر مصیبت نازل فرماتے ہیں تو لوگوں کی عقل ختم ہوجاتی ہے اور بے گناہ لوگ مارے جاتے ہیں، ہلاکوخان کے پاس ملکہ کو بلایا گیا، ملکہ نے راستے میں فوج کی نگرانی میں لونڈی کے کان میں کوئی بات سنائی، ملکہ مطمئن تھی، جب اندر آئی تو ہلاکوخان سے کہا کہ: سامنے خلیفہ کی تلوار ہے، اس میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ جب تک اس سے خلیفہ وار نہ کرے یہ کسی کو زخم نہیں کرتی، اگر آپ کو یقین نہ ہو تو اس کا تجربہ بھی آپ کے سامنے کیے دیتی ہوں، ہلاکوخان تعجب کررہا تھا اور اپنے شوق کا اظہار کیا، ملکہ نے اس لونڈی کو اشارہ کیا اور اس نے ایک بھرپور وار ملکہ پر کردیا جس سے اس مقدس خاتون کے دو ٹکڑے ہوگئے اور اس طرح اپنی جان دے کر عصمت بچائی، ہلاکوخان کو اس ناکامی پر بڑا غصہ آیا، لیکن اب کیا ہوسکتا تھا، جان دے دی، مگر کافر بادشاہ کا ہاتھ اپنے جسم کو نہیں لگوایا، بادشاہ اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا تھا۔(۱)

ہارون رشید کو اپنی بہن عباسہ اور اپنے وزیر جعفر دونوں سے محبت تھی؛ لیکن جب وہ بہن کے پاس جاتا تو وزیر کی یاد آجاتی اور جب وزیر کے پاس جاتا تو بہن کی یاد آتی؛ لیکن نکاح کے بغیر دونوں کو ایک جگہ بٹھانا گوارہ نہیں کیا۔(۲)

امام طحاویؒ کی صاحبزادی وہ تعلیم رکھتی تھیں کہ امام ممدوح حدیث وفقہ کا املا بھی ان سے کراتے تھے، خود بولتے اور صاحبزادی قلم بند کرتی تھیں۔

بلکہ امام طحاویؒ کی وفات کا سبب ہی اس صاحبزادی کا حجاب اور انفعال ہوا ہے، صاحبزادی سے مسائل فقہیہ کا املا کرارہے تھے، اس میں بعض نسوانی مسائل کا ذکر آیا جس میں بعض مسائل

(۱-۲) تاریخ المشاہیر: ۱۱۷-۱۱۹، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

جماع ومباشرت سے متعلق تھے جن میں یہ لفظ بھی املا میں آیا ہے کہ " اذا نجامعهن یکون کذا" جب ہم عورتوں سے جماع کرتے ہیں تو ایسا ہوتا ہے مثلاً غسل واجب ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ، صاحبزادی نے یہ مسئلہ لکھا اور غیر اختیاری طور کچھ ہلکا سا شرم آمیز تبسم کیا، اس پر امام طحاوی کی نظر پڑ گئی، بے حد شرمندہ ہوئے اور اس انفعال اور شرمندگی سے مغلوب ہو کر وفات پا گئے، " انا لله وانا إليه راجعون".

ایک بدو راستے سے گذر رہا تھا، اچانک اس کی بیوی کا نقاب گر گیا، لوگوں کی نگاہیں پڑ گئیں، بے جا غیرت کی وجہ سے اس کو طلاق دے دیا اور اس نے مشہور قصیدہ ہائیہ کہا جس کے چند شعر یہ ہیں:

أتـرك حبها من غير بعض — وذاك لكثـرة الشـركاء فيـه
إذا وقع الذباب على طعام — رفعت يدی ونفسی تشتهی
وتجنبت الأسود ورود ماء — إذا رأت الكلاب ولغن فيه

میں نے اس کی محبت کو بغیر کسی دشمنی کے چھوڑ دی،
اس میں شریکوں کے کثرت ہو جانے کی وجہ سے۔
جب مکھی کھانے میں پڑ جاتی ہے تو میں اپنے ہاتھ کو بھوک کے باوجود اٹھا لیتا ہوں
سانپ اس پانی پر نہیں آتا ہے جس پانی پر وہ کتوں کو منہ ڈالتے ہوئے دیکھتا ہے۔

عورتوں کا موٹر سائیکل چلانا

عورتوں پر ضروری ہے کہ وہ اپنے پورے بدن کو اجنبی مردوں سے چھپائے، چھپانے والا کپڑا کشادہ اور موٹا ہو، بدن کی ساخت ظاہر نہ ہو اور نہ وہ کپڑا باریک ہو۔

اصل یہ ہے کہ عورت (دواب) جانوروں پر سواری کر سکتی ہے جیسا کہ اونٹ پر سواری ہوتی تھی، بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: بہترین عورتیں قریش کی عورتیں ہیں، اونٹ پر سوار ہوتی ہیں۔

مسلم کی روایت میں ہے حضرت مریم بنت عمران بھی اونٹ پر نہیں بیٹھیں۔

بعض فقہاء نے سوائے جہاد اور حج کی حاجت کے گھوڑے پر عورت کو سوار ہونے سے منع فرمایا ہے اور جو عورت مردوں سے تشبہ کرے اس پر لعنت فرمائی ہے۔

الدر المختار میں ہے کہ : مسلمان عورتیں زین پر نہیں بیٹھے گی، حدیث میں اس سلسلہ میں ممانعت آئی ہے، یہ منع اس وقت ہے جب کہ دل بہلانے کیلئے ہو اگر غزوہ یا حج یا دینی ضرورت کیلئے ہو، یا دنیاوی ایسا مقصد ہو، جس کے بغیر چارہ ہی نہیں تو کوئی حرج نہیں۔

عورتوں کی سواری کی ممانعت دو وجہ سے کی گئی ہے:

۱- اس میں مردوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے جس کی ممانعت احادیث میں آئی ہے۔

۲- اس میں عورتوں کا فتنے کی جگہوں کا اعلان و اظہار ہے جس کے ستر کا حکم دیا گیا ہے "وقد أمرنا بالستر" (۱)

ہاں البتہ اگر عورت بوڑھی یا جوان ہو؛ لیکن اپنے شوہر کے ساتھ سواری کرے کسی عذر کی وجہ سے مثلاً جہاد یا حج یا عمرہ کیلئے تو ستر اور پردہ کا لحاظ کرتے ہوئے سوار ہو تو کوئی حرج نہیں "فلا بأس إن كانت مستترة" (۲)

حضرت عبد اللہ بن بازؒ نے بھی عورت کے گاڑی چلانے کو ناجائز قرار دیا ہے، اور انہوں نے عورت کے ڈرائیونگ کے نتیجہ میں جن مفاسد کے در آنے کا اندیشہ ہے اس کا ذکر کیا ہے، مردوں کے ساتھ اختلاط ہوگا، اور اللہ عز وجل نے مومن عورتوں کو اپنے گھر میں رہنے کو فرمایا ہے، اور غیر محارم کیلئے زینت کے اظہار سے روکا ہے، اور انہوں نے عورت کی ڈرائیونگ کے عدم جواز پردہ کی مختلف آیتوں سے استدلال کیا ہے اور اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے "ما خلا رجل بامرأة إلا كان الشيطان ثالثهما" (۳)

جب کوئی عورت مرد کے ساتھ تنہا ہوتی ہے تو ان کا تیسرا شیطان ہوتا ہے۔(۴)

(۱-۲) المحيط البرهاني: ٥/ ٣٨٥

(۳) صحيح ابن حبان، حديث: ٦٧٢٨

(۴) مجلة البحوث الشرعية، جمادي الآخرة: ١٤١١، العدد: ٣، فتاوي المرأة: جمع وترتيب: محمد المسند، دار الوطن، الرياض، الطبعة الثانية: ١٤١٨هـ

اجازت کے احکام

☆ جب کسی کے گھر آئے تو گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینا واجب ہے، قرآن مجید میں اللہ عز وجل نے اس سلسلے کے تفصیلی احکام ذکر کیے ہیں، ارشاد باری عز وجل ہے:

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا گھروں میں اہل خانہ کو سلام کیے اور اجازت لئے بغیر نہ داخل ہو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، امید کہ تم اس سے نصیحت حاصل کرو گے، اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تب بھی، جب تک اجازت نہ مل جائے داخل نہ ہو اور اگر واپس ہو جانے کو کہا جائے تو واپس ہو جاؤ کہ یہی تمہارے لئے پاکیزہ ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے ...... ہاں ایسے مکان جو رہائشی نہ ہوں اور وہاں تمہارے سامان بھی رکھے ہوں تو بلا اجازت داخل ہو جانے میں بھی مضائقہ نہیں (تاہم یاد رکھو) اللہ ان باتوں سے بھی واقف ہے جن کا تم اظہار کرتے ہو اور ان باتوں سے بھی جن کو تم چھپاتے ہو۔

علامہ شامیؒ نے اجازت کا طریقہ یوں لکھا ہے کہ: اگر کسی دوسرے شخص کے گھر آئے تو تین مرتبہ یہ کہتے ہوئے اجازت لے کہ: اے گھر والو! السلام علیکم! کیا فلاں شخص داخل ہو سکتا ہے، اور ہر مرتبہ کے درمیان اتنا فاصلہ رکھے کہ کھانے والا کھانے سے، وضو کرنے والا وضو کرنے سے اور نماز پڑھنے والا چار رکعت سے فارغ ہو جائے۔

زبان سے ہی اجازت لینا ضروری نہیں، ان میں سے ایک طریقہ دروازہ پر دستک دینا بھی ہے، لیکن دستک اتنی زور سے نہ ہو کہ مخاطب گھبرا اُٹھے اور اس پر وحشت طاری ہو جائے، متوسط انداز سے دستک دی جائے، مگر یہ کہ کچھ ہنگامی حالات ہوں۔

چنانچہ دربارِ نبوی میں اجازت کے اس مذکورہ طریقہ پر عمل کو بتلاتے ہوئے صحابیٔ رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "انّ أبواب النبی تقرع بالاظافیر" (۱) کہ

(۱) الأدب المفرد: باب قرع الباب، حدیث: ۱۰۸۰، البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

آپ ﷺ کے دروازے ناخنوں سے کھٹکھٹائے جاتے تھے۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: اگر کسی کے پاس اجازت کیلئے گھنٹی اور بل کے ذریعہ اطلاع کرنے کا طریقہ رائج ہو تو آنے پر اس کا بجانا واجب ہے، اجازت کیلئے شناختی کارڈ بھی بھجوایا جا سکتا ہے جس سے اجازت چاہنے والے کا پورا نام، پتہ بیٹھے ہوئے معلوم کر لیا جا سکتا ہے۔(۱)

☆ اجازت لیتے وقت نام بھی ظاہر کرے، یہ نہ کہے کہ: کیا میں آ سکتا ہوں؟ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت چاہی، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کون صاحب ہیں "من ذا"؟ انہوں نے جواب دیا "أنا "" میں"، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: " أنـا ، أنا " کہنے سے کیا حاصل، گویا حضور ﷺ نے اس کو ناپسند کیا (اس سے کوئی پہچانا نہیں جاتا)۔(۲)

چنانچہ آپ ﷺ نے اس طرح اجازت لینے کی تعلیم ایک صحابی کو دی تھی، وہ آپ ﷺ کے پاس بغیر اجازت اور سلام کئے آ گئے تو آپ ﷺ نے ان کو لوٹ جانے کیلئے کہا اور فرمایا: یوں کہو " السلام علیکم ، أ أدخل " ؟ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ (۳)

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بھی حضور ﷺ سے اسی طرح اجازت لیتے تھے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے داخلہ کی اجازت طلب کرتے ہوئے یوں کہا: "السّلام علٰی رسول اللّٰـه " السلام علیکم أیدخل عمر" کیا عمر داخل ہو سکتا ہے؟ (۴)

---

(۱) مسائل آداب وملاقات: ۲۰، مکتبہ رضی دیوبند

(۲) بخاری : باب اذا قال: من ذا ؟ فقال : أنا ،حدیث: ۵۸۹۶

(۳) ابوداؤد: باب کیف الاستئذان ،حدیث: ۵۱۷۹، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

(۴) ابوداؤد: باب فی الرجل یفارق الرجل ،حدیث: ۵۲۰۱ ، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں: مجمع الزوائد: باب فی الاستئذان وفیمن اطلع ،حدیث: ۱۲۸۱۰

حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ملاقات کیلئے گئے اور اجازت حاصل کرنے کیلئے یہ جملہ فرمایا: " السلام علیکم هذا ابو موسی، السلام علیکم هذا الاشعری " (۱)

سلام کے بعد انہوں نے پہلے اپنا نام بتایا، پھر مزید وضاحت کیلئے اشعری جو خاندانی نسبت تھی ذکر فرمایا، اور یہ اس لئے کہ جب تک صاحبِ خانہ اجازت لینے والے کو پہچانتا نہیں ہے اجازت دینے میں اسے تردد ہوتا ہے۔

☆ اجازت لینے کا طریقہ یہ ہے کہ اس طرح کھڑا نہ ہو کہ اہل خانہ کی بے پردگی ہو جائے؛ بلکہ دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہو، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ جب کسی کے دروازے پر آتے تو سامنے کھڑے ہونے کے بجائے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہو جاتے اور فرماتے" ولکن من رکنه الایمن أو الایسر" "السلام علیکم، السلام علیکم "(۲)

☆ عورتیں بھی گھروں میں اجازت لے کر داخل ہوں، جاہل عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ عورتوں کو عورتوں سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں، بغیر کسی اجازت کے گھر میں بلا روک ٹوک چلی آتی ہیں، عہدِ صحابہ میں حضراتِ صحابیات کا یہ معمول تھا کہ جب وہ کسی کے گھر جاتیں تو پہلے اجازت چاہتیں، پھر داخل ہوتیں۔

حضرت ام ایاس فرماتی ہیں کہ: ہم چار عورتیں اکثر حضرت عائشہؓ کے پاس جایا کرتی تھیں اور گھر میں جانے سے پہلے ان سے اجازت طلب کرتی تھیں، جب آپ اجازت دے دیتیں تو ہم اندر داخل ہوتیں، " کنت فی أربع نسوة نستأذن علی عائشة " (۳)

حضرت عائشہؓ کے پاس چار عورتیں گئیں اور اجازت طلب کی کہ کیا ہم آسکتی ہیں؟

---

(۱) مسلم: باب الاستئذان، حدیث: ۲۱۵٤

(۲) ابوداؤد: باب کم مرّة یسلِّم الرجل فی الاستیذان، حدیث: ٥١٨٦

(۳) درمنثور: ١٧٣/٦، دار الفکر، بیروت

آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نہیں تم میں سے جو اجازت کا طریقہ جانتی ہو تو وہ اجازت طلب کرے، ایک عورت نے پہلے سلام کیا، پھر اجازت چاہی، حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دیدی، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیت پڑھ کر سنائی "فقالت: لا قلن لصاحبتن تستأذن، فقالت: السلام عليكم ندخل قالت: ادخلوا، ثم قالت" "لا تدخلو ا بيوتا غير بيوتكم ...... الخ" (۱)

☆ اگر ماں اپنی بہن یا کسی محرم عورت کے یہاں جائے تو وہاں بھی اجازت لے کر جائے۔ حدیث میں حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ: "يستأذن الرجل على أبيه وأمه وأخيه وأخته "(۲) آدمی کو اپنے باپ، ماں، بھائی، بہن سے اجازت لینا چاہئے۔

حضرت عطا بن یسار سے مروی ہے: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کیا مجھ کو اپنی ماں سے اجازت لینا چاہئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک! پھر اس نے سوال کیا کہ میں تو ان کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا ہوں، ارشاد فرمایا: اجازت ان سے بھی لیا کرو، اس شخص نے مزید کہا کہ: میں تو ان کا خادم ہوں، (بار بار سوال کیا تھا کہ شاید کوئی چھٹکارے کا پہلو مل جائے) "فرددت ليرخص لي، فأبى" آپ ﷺ نے فرمایا: اجازت لیا کرو، کیا تم کو یہ پسند ہے کہ تم اپنی ماں کو برہنہ دیکھو، اس نے کہا نہیں، ارشاد فرمایا: اس لئے اجازت لے کر ان کے پاس جایا کرو (کہ آدمی تنہائی میں کس حالت میں ہوتا ہے پتہ نہیں)۔ (۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اپنے ماؤوں اور بہنوں کے پاس جانے کیلئے بھی اجازت لینا ضروری ہے، "عليكم الاذن على امّهاتكم" (۴)

---

(۱) تفسیر ابن کثیر : ۳ / ۳۴۱، سورة النور، دار الفكر، بيروت
(۲) الأدب المفرد : باب الاستئذان ثلاثا، حديث: ١٠٦٤، اس کی سند ضعیف ہے۔
(۳) تفسیر ابن کثیر : ٦/ ٣٥، دار طيبة للنشر والتوزيع
(۴) تفسیر ابن کثیر : ٦/ ٣٥، دار طيبة للنشر والتوزيع

ایک مرتبہ حضرت عطاءؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، میری بہن میرے زیر پرورش ایک ہی مکان میں میرے ساتھ مقیم ہے، کیا ایسی صورت میں بھی مجھے گھر میں داخل ہونے کیلئے اجازت لینا ضروری ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں، حضرت عطاءؒ نے دوبارہ سوال کیا، مگر پھر بھی وہی جواب ملا، تیسری مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم ان کو برہنہ دیکھنا پسند کرتے ہو؟ حضرت عطاءؒ نے انکار کیا۔(۱)

☆ جس گھر میں اپنی بیوی رہتی ہو، اس میں داخل ہونے کیلئے اگرچہ اجازت واجب نہیں، مگر مستحب اور سنت طریقہ ہے کہ وہاں پر بھی اچانک بغیر کسی اطلاع کے اندر نہ جائے، بلکہ داخل ہونے سے قبل اپنے پاؤں کی آہٹ سے یا کھنکارنے سے یا کسی اور طریقہ سے پہلے باخبر کردے، پھر داخل ہو۔

حضرت عطاءؒ سے معلوم کیا گیا کہ: کیا اپنی بیوی کے پاس بغیر اجازت کے نہ جایا جائے؟ فرمایا کہ: وہاں اجازت کی ضرورت نہیں ہے "أيستأذن الرجل على امراته ؟ قال : لا "، ابن کثیرؒ نے اس روایت کو نقل کرکے فرمایا: اس سے مراد یہی ہے کہ اجازت واجب نہیں؛ لیکن مستحب اور اولیٰ وہاں پر بھی ہے۔(۲)

حضرت زینب فرماتی ہیں کہ: میرے خاوند حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب میرے پاس گھر میں آتے تھے، تو کھنکار کے آتے تھے، اور کبھی بلند آواز سے دروازے کے باہر کسی سے باتیں کرنے لگتے تھے، تاکہ گھر والوں کو آپ کے آنے کی اطلاع ہوجائے، " تنحنح وبزق ، كراهية أن يهجم منا على أمر يكرهه " (۳)

امام احمدؒ نے اسی لئے صراحت کی ہے کہ اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت کھنکارنا یا پاؤں کی آواز پیدا کرنا مستحب ہے "استحب له أن يتنحنح " (۴)

---

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۶/۳۵، دار طيبة للنشر والتوزيع

(۲) تفسیر ابن کثیر: ۶/۳۹، دار طيبة للنشر والتوزيع

(۳) تفسیر ابن کثیر: ۶/۳۹، دار طيبة للنشر والتوزيع، علامہ ابن کثیرؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

(۴) تفسیر ابن کثیر: ۶/۳۹، دار طيبة للنشر والتوزيع

☆ اجازت لینے کی ایک مصلحت یہ ہے کہ دوسرا آدمی جو چیز آپ پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا، آپ اس سے کسی طرح باخبر نہ ہوں، اگر پہلے ہی گھر میں جھانک لیا تو یہ مصلحت اور حکمت ہی ختم ہوگئی، احادیث میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ایک شخص نے آپ ﷺ کے حجرۂ مبارک میں باہر سے جھانکا تو حضور ﷺ اس وقت ایک تیر ہاتھ میں لئے ہوئے تھے، آپ ﷺ اس کی طرف بڑھے کہ گویا کہ اس کے پیٹ میں بھونک دیں گے،" اما انّك لو ثبت لفقأت عينك " (۱)

اور ایک حدیث میں ہے کہ: " لا يحلّ لامراء أن ينظر الى جوف بيت حتى يستأذن ، فان فعل فقد دخل " کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ بغیر اجازت کسی کے گھر میں جھانکے، اگر اس نے ایسا کیا تو گویا وہ داخل ہی ہوگیا۔(۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ رات میں گشت فرما رہے تھے، ایک شخص کی آواز سنی کہ وہ گا رہا ہے، آپ کو شک گذرا، دیوار پر چڑھ گئے، دیکھا وہاں پر شراب بھی موجود ہے، اور عورت بھی ہے، آپ نے پکار کر کہا، اے دشمنِ خدا! کیا تو نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تو اللہ کی نافرمانی کرے گا، اور اللہ تیرا پردہ فاش نہیں کرے گا، اس نے جواب دیا، اے امیر المؤمنین! جلدی نہ کیجئے، اگر میں نے ایک گناہ کیا تو آپ نے تین گناہ کئے ہیں:

۱- اللہ نے تجسس کو منع فرمایا ہے " وَلَا تَجَسَّسُوْا "
۲- گھر میں دروازہ سے آنے کا حکم دیا گیا ہے " وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا "
۳- اللہ نے حکم دیا ہے کہ اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں اجازت کے بغیر مت جاؤ، "لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ " آپ میری اجازت کے بغیر میرے گھر میں آئے ہیں، یہ جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا اور

---

(۱) الادب المفرد: باب النظر فى الدور، حديث: ۱۰۹۱
(۲) الأدب المفرد: باب النظر فى الدور، حديث: ۱۰۹۳، البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

اس کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی، البتہ اس سے یہ وعدہ لے لیا کہ بھلائی کی راہ اختیار کرے گا "فهل عندك من خير ان عفوت عنك؟" (۱)

کسی کے گھر میں جھانکنے والے کیلئے سخت وعید فرمائی گی ہے :

آپ ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی تیرے گھر میں تیری اجازت کے بغیر جھانکنے لگے اور تو اس کی حرکت پر کنکر مارے جس سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تجھ کو کوئی گناہ نہیں ہے "لو انّ امرءاً اطلع عليك بغير اذن فخذفته بحجارة ففقأت عينه ما كان عليك من جناح" (۲)

گناہ غالباً اس لئے نہیں ہوگا کہ اس نے بغیر اجازت و اطلاع کے جھانکنے کی ابتداء کی، اور اس طرح گھر کی عورتوں کو دیکھنے کا ارادہ کیا تھا جو بڑے فتنہ کا سبب ہو سکتا ہے۔

☆ اگر کسی کے دروازہ پر جا کر اجازت طلب کی جائے اور اندر سے کوئی جواب نہ آئے، تو سنت طریقہ یہ ہے کہ دوبارہ اجازت طلب کرے، اگر پھر بھی آواز نہ آئے تو تیسری مرتبہ اجازت طلب کرے، اگر اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہ ملے تو واپس لوٹ جانا چاہئے، (جواب کے انتظار میں کھڑے نہیں رہنا چاہئے، تین مرتبہ کہنے سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ آواز تو سن لی ہوگی مگر یا تو وہ ایسی حالت میں ہے کہ جواب نہیں دے سکتا، مثلاً نماز پڑھ رہا ہے، یا بیت الخلاء میں ہے، یا غسل کر رہا ہے، یا سو رہا ہے یا کسی ایسے کام میں مشغول ہے کہ اس کو ملنا منظور نہیں ہے، اور نہ کوئی ایسا فرد ہے جس کے ذریعہ وہ منع کرا دے۔

چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے جب ایک شخص نے اجازت چاہی، تین بار اجازت چاہنے کے جواب نہ آیا تو وہ ایک کنارے بیٹھ گئے "فتنحيت ناحية فقعدت" (۳)

---

(۱) حياة الصحابة: ۱۴۹/۳، مؤسسة الرساله، بيروت

(۲) مسند الشافعي: كتاب الديات، حديث: ۳۳۷

(۳) الأدب المفرد: باب يستأذن على أخيه، حديث: ۱۰۷۷، مولانا الیاس بارہ بنکوی نے اس اثر کو صحیح کہا ہے۔

روایت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تشریف لئے گئے، تین مرتبہ اجازت طلب کی، جب کوئی جواب نہ آیا تو واپس لوٹ گئے۔ تھوڑی دیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: عبداللہ بن قیس آنا چاہتے ہیں ان کو بلالو، باہر جا کر دیکھا تو واپس ہو چکے تھے، واپس جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے جانے کی خبر دی، اس کے بعد جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معلوم کیا کہ آپ کیوں واپس چلے گئے تھے۔ تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے: ”اذا استاذن أحدکم ثلاثاً فلم یؤذن لہ فلیرجع“ کہ تین مرتبہ اجازت چاہنے کے بعد اگر اجازت نہ ملے تو واپس لوٹ جاؤ، میں نے تین مرتبہ اجازت چاہی، جب جواب نہ آیا تو میں اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے واپس لوٹ گیا۔ (۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے بھی اس حکم کو ظاہر فرمایا ہے، چنانچہ ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ کے گھر تشریف لے گئے اور تین دفعہ فرمایا: ”السلام علیکم أدخل“ (اندر آجاؤں) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تینوں دفعہ اس خیال سے خاموش رہے کہ اچھا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار سلام فرمائیں تو ہم کو حضور کی دعا کی برکت زیادہ نصیب ہو، جب تیسری دفعہ کے بعد پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام نہ کیا تو وہ گھر سے نکل کر دوڑے اور دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لئے جارہے ہیں، جا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں تو مزید برکت حاصل کرنے کے لئے خاموش رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس کیوں چلے گئے، فرمایا کہ: مجھ کو یہی حکم ہے کہ تین دفعہ سے زیادہ استیذان نہ کروں، غرض پھر آپ واپس تشریف لے آئے۔ (۲)

اگر کوئی آج ایسا قانون بنائے کہ اجازت لے کر آؤ اور تین دفعہ میں جواب نہ ملے تو

---

(۱) بخاري: باب من خرج من اعتكافه، حديث: ۵۸۹۱
(۲) مسند احمد: مسند أنس بن مالك، حديث: ۱۲۴۲۹

واپس ہو جاؤ تو لوگ اس کو فرعون اور مغرور سمجھیں گے؛ مگر حضور ﷺ کا اور حضرات سلف کا یہی طریقہ تھا اور تین دفعہ اجازت نہ ملے تو وہ بخوشی واپس ہو جاتے تھے بالکل گرانی نہ ہوتی تھی دیکھئے یہ صورت کیسی آسان ہے اور اس میں کس قدر مصلحتیں ہیں، مگر افسوس ہم لوگ اس کی قدر نہیں کرتے، ہماری شریعت ہر طرح سے مکمل ہے۔(۱)

اسی کو اللہ عزوجل نے یوں ارشاد فرمایا: ”فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ أَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ“ (۲) اگر تم وہاں کسی کو نہ پاؤ تو تم اس گھر میں داخل نہ ہو یہاں تک کہ تم کو اجازت مل جائے، اور اگر تم سے یہ کہا جائے کہ تم لوٹ جاؤ تو لوٹ جاؤ، یہ تمہارے لئے پاکیزگی اور طہارت کا باعث ہے اور اللہ تمہارے اعمال کو جاننے والا ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: مکانات کی چار قسمیں ہیں: ایک خاص اپنے رہنے کا جس میں دوسرے کے آنے کا احتمال نہیں، دوسرا جس میں کوئی اور بھی رہتا ہو گو وہ محارم ہی کیوں نہ ہو یا کسی کے آجانے کا اس میں احتمال ہو، تیسرا جس میں کسی کا بالفعل رہنا یا نہ رہنا دونوں محتمل ہو، چوتھا جس میں کسی کی خاص سکونت نہ رکھنا متیقن ہو، جیسے مدرسہ، خانقاہ، سرائے، پس قسم اول کا حکم تو یہ ہے کہ اس میں کسی کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ علت وجوبِ استیذان جو آئندہ معلوم ہوگی وہاں منتفی ہے، پھر آگے آیت کی تفسیر کے ساتھ بقیہ صورتوں کے احکام کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

”اے ایمان والو! تم اپنے (خاص رہنے کے) گھر کے سوا دوسرے گھروں میں مت داخل ہو، جب تک کہ (ان سے) اجازت حاصل نہ کرلو اور (اجازت لینے کے قبل) ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو (یعنی اول سلام کرکے ان سے پوچھو کہ ہم آویں؟ اور ویسے ہی بے اجازت لئے ہوئے مت گھس جاؤ) یہی تمہارے لیے بہتر ہے (یہ بات تم کو اس لیے بتلائی ہے) تا کہ تم خیال رکھو (اور اس پر عمل کرو)۔ (یہ قسم دوم کا حکم ہے)۔

(۱) اسلامی تہذیب: ۴۴ (۲) النور: ۲۸

پھر اگر گھروں میں تم کو کوئی (آدمی) نہ معلوم ہو تو (بھی) ان گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ تم کو (مختارِ اذن کی جانب سے) اجازت نہ دی جائے، (یہ قسم سوم کا حکم ہے)۔

قسم چہارم کا حکم بیان کرتے ہوئے اللہ عزوجل کا ارشاد نقل فرماتے ہیں: تم کو ایسے مکانات میں چلے جانے کا نہ گناہ ہوگا جن میں (گھر کے طور پر) کوئی نہ رہتا ہو، ان میں تمہاری کچھ برات ہو۔(۱)

جب کسی کے یہاں جائے تو ان آدابِ ملاقات کی بھی رعایت کرلیں۔ جس کی نشاندہی حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمائی ہے:

۱- کسی کے پاس جانے میں اس کا خیال رکھے کہ اطلاع کر کے جائے (یعنی پہلے پروگرام معلوم کر کے اجازت کے بعد جائے)۔

۲- جہاں جانا چاہے وہاں کا قانون (اور دستور و معمول) معلوم کرلینا چاہئے۔

۳- آدمی کو چاہئے کہ جہاں جائے اس کے اوقات کی تحقیق کرلیں۔

۴- آدمی کو چاہئے کہ جب کسی کے پاس جائے اس کے حقوق کا پورا خیال رکھے۔ لوگ اپنی فرصت کا تو لحاظ کرتے ہیں؛ مگر یہ نہیں سوچتے کہ آیا یہ وقت ان کی فرصت کا ہے یا نہیں۔

۵- کوئی شخص کسی کے پاس ایسے وقت ملاقات کے لئے نہ جائے جس میں اس نے خلوت (تنہا رہنے) کا قصد کیا ہو؛ کیوں کہ اس پر گرانی ہوگی۔

۶- کسی کے پاس جاؤ تو سلام یا کلام سے یا سامنے بیٹھنے سے غرض کسی طرح اس کو اپنے آنے کی اطلاع کر دو اور بغیر اطلاع کے آڑ میں یا کسی ایسی جگہ مت بیٹھو کہ اس کو تمہارے آنے کی خبر نہ ہو؛ کیوں کہ شاید وہ کوئی ایسی بات کرنا چاہے جس پر تم کو مطلع نہ کرنا چاہتا ہو تو بغیر اس کی رضامندی کے اس کے راز پر مطلع ہونا بری بات ہے؛ بلکہ اگر کسی بات کے وقت یہ احتمال ہو کہ تمہاری بے خبری کے گمان میں وہ بات ہو رہی ہے تو تم فوراً وہاں سے جدا ہو جاؤ

(۱) سورۃ النور مع بیان القرآن: ۱۴۲/۲، مکتبۃ الحق: ماڈرن ڈیری جوگیشوری، ممبئی

اگر تم کو سوتا سمجھ کر ایسی کوئی بات کرنے لگے تو فوراً اپنا بیدار ہونا ظاہر کر دو، البتہ اگر تمہارے یا کسی اور مسلمان کے نقصان پہنچانے کی کوئی بات ہو رہی ہو تو اس کو ہر طرح سن لینا درست ہے؛ تا کہ نقصان سے حفاظت ممکن ہو۔

۷۔ جب کسی کے پاس ملنے یا کچھ کہنے جاؤ اور اس کو کسی کام کی وجہ سے فرصت نہ ہو مثلاً قرآن شریف کی تلاوت کر رہا ہو یا وظیفہ پڑھ رہا ہو یا قصداً تنہائی میں بیٹھا کچھ لکھ رہا ہے یا سونے کیلئے آمادہ ہے یا قرائن (وانداز ہ) سے اور کوئی ایسی حالت معلوم ہو جس سے غالباً اس شخص کی طرف متوجہ ہونے سے اس کا حرج ہوگا یا اس کو گرانی و پریشانی ہوگی تو ایسے وقت میں اس سے سلام کلام نہ کرو یا تو چلے جاؤ اور اگر کوئی بہت ضروری بات ہو تو مخاطب سے پہلے پوچھ لو کہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں، پھر اجازت کے بعد کہہ دو اس سے تنگی نہیں ہوتی یا فرصت کا انتظار کرو جب اس کو فارغ دیکھو بول لو۔

۸۔ اور جب کسی کے انتظار میں بیٹھنا ہو تو اس طرح مت بیٹھو کہ اس شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ تم اس کا انتظار کر رہے ہو اس سے خواہ مخواہ اس کا دل پریشان ہو جاتا ہے اور اس کی یکسوئی میں خلل پڑتا ہے؛ بلکہ اس سے دور اور اس کی نگاہ سے پوشیدہ ہو کر بیٹھو۔ (۱)

مہمان اگر اپنا تعارف نہ کرائے تو میزبان خود دریافت کر لے:

حضرت تھانویؒ کے یہاں پہلے یہ ضابطہ تھا کہ جب کوئی نیا شخص آئے تو بغیر سوال کئے ہوئے خود بتا دے کہ میں فلاں ہوں، فلاں جگہ سے آیا ہوں اور فلاں مقصد سے آیا ہوں؛ لیکن جب حضرت والا کی نظرِ مبارک سے یہ حدیث گذری کہ "بالداخل وحشة فتلقونه بمرحبا" (۲) آنے والے کو اجنبیت کی وجہ سے ایک قسم کی حیرت زدگی یعنی بدحواسی ہوتی ہے، اس کو آؤ بھگت کے ساتھ لیا کرو، تا کہ اس کی طبیعت کھل کر مانوس ہو جائے۔

---

(۱) اسلامی تہذیب: ۴۶-۴۷

(۲) الدیملی

حضرت (تھانویؒ) نے فرمایا کہ: یہ حدیث میری نظر سے اس وقت گذری جب کہ میری عمر ۱۷ ر سال کو پہنچ گئی، اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کی برکت سے مجھے توفیق عطا فرمائی کہ اب آنے والے سے میں خود اس کا مقام اور آنے کی غرض اور اس کا مشغلہ پوچھ لیا کرتا ہوں، اس سے ضروری حالت معلوم ہو جاتی ہے اور وہ مانوس ہو جاتا ہے۔(۱)

اور فرماتے ہیں کہ بعض جگہ آداب وتسلیمات کا رواج ہے (یا بہت سے لوگ گڈ مورننگ یا ٹاٹا وغیرہ کہتے ہیں یہ سب غیر اسلامی طریقہ اور غلط ہے)۔

☆ شریعت نے صیغہ سلام یعنی (السلام علیکم) کے لفظ میں چھوٹے بڑے میں کچھ تفریق وتفصیل نہیں رکھی، ہاں لہجہ میں فرق ہونا چاہئے؛ کیوں کہ عظمت وادب میں داخل ہے جس کی شریعت میں میں تعلیم ہے، جس کی ایک فرع یہ بھی ہے کہ چھوٹا بڑے کے سامنے دبی ہوئی آواز اور نیاز مندانہ لہجہ سے بولے۔

---

(۱) اسلامی تہذیب : ۵۴

مجلس کے آداب

☆ مجلسیں امانت ہیں یعنی مجلس میں جو باتیں سنیں ان کا دوسری جگہ نقل کرنا امانت داری کے خلاف ہے اور گناہ ہے " اذا حدث الرجل ثم التفت فهي أمانة " (۱) آدمی جب کوئی بات کہے پھر وہاں سے ہٹ جائے تو وہ بات امانت ہوتی ہے۔

☆ مجلس کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ مجلس میں کشادگی اور توسع سے کام لیا جائے، ہر آنے والے کیلئے جگہ فراہم کی جائے، ارشادِ خداوندی ہے: " اِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا " (۲)

☆ خود رسول اللہ ﷺ کے عمل سے یہ سبق ملتا ہے کہ کتنا بھی بڑا شخص ہو اس کے پاس کوئی مسلمان آئے تو اس کی دلجوئی کیلئے اپنی جگہ سے کھسکنا اور اس کی آمد پر استقبال کا انداز اختیار کرنا اور اس کیلئے مجلس اور جگہ فراہم کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

حضرت واثلہ بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے، ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ ان کیلئے اپنی جگہ سے کھسک گئے، انہوں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ ﷺ (اپنی جگہ تشریف رکھیں) جگہ میں کافی گنجائش ہے (مطلب یہ تھا کہ میرے لئے اپنی جگہ سے ہٹنے کی حضرت زحمت نہ فرمائیں) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلم کا یہ حق ہے کہ جب کوئی بھائی اس کو (اپنے پاس آتا دیکھے تو اس کیلئے اپنی جگہ سے کچھ ہٹے (اور اپنے قریب بٹھائے) " انّ للمسلم لحقًّا اذ راٰه أخوه أن يتزحزح له " (۳)

---

(۱) ابوداؤد: باب في نقل الحديث، حديث: ۴۸۶۸

(۲) المجادلة: ۱۱/۵۴۳

(۳) شعب الايمان: فصل في قيام المرء لصاحبه على وجه الاكرام والبر، حديث: ۸۹۳

☆ مجلس میں آنے والا کوئی عمل ایسا نہ کرے جس سے کبر و تعلّی اور بڑائی کا اظہار ہوتا ہو یا اس سے دوسروں کی بے عزتی اور حقارت معلوم ہوتی ہو۔

اسی لئے آپ ﷺ نے کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود بیٹھنے کو منع فرمایا ہے ”لا یقیم احدکم أخاہ من مجلسه ثمّ یجلس فیه“ (۱)

بخاری کی روایت میں ہے ”ولکن تفسّحوا وتوسّعوا“ (۲) بلکہ لوگوں کو چاہئے کہ (آنے والوں کیلئے) ازخود کشادگی اور گنجائش پیدا کریں اور ان کو جگہ دیں (مطلب یہ ہے کہ یہ تو منع ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود بیٹھ جائے؛ لیکن اگر خود بیٹھنے والا ایثار کر کے کسی کو اپنی جگہ خالی کر دے تو اسے اپنی نیت کے مطابق اجر ملے گا۔

☆ یا دو اشخاص محوِ گفتگو ہوں تو ان کے درمیان آکر خلل انداز نہ ہو، اس عمل کو حضور ﷺ نے ناپسند فرمایا ہے ”لا یحلّ لرجلٍ أن یفرّق بین اثنین الّا باذنهما“ دو اشخاص بیٹھے ہوں تو ان کی اجازت کے بغیر ان میں گھس نہ جائے۔ (۳)

☆ جب مجلس میں تین آدمی ہوں تو ایک کو چھوڑ کر آہستہ سے دو آپس میں باتیں نہ کریں؛ کیوں کہ اس سے تیسرے کو رنج ہوگا ”اذا کانوا ثلاثة فلا یتناجی اثنان دون الثالث“ اگر تین شخص ہوں تو بغیر تیسرے کو شامل کئے آپس میں سرگوشی نہ کریں۔ (۴)

اور ایک روایت کے الفاظ ہیں:” لا تجلس بین اثنین الّا باذنهما “(۵)

☆ دو اشخاص کے درمیان بغیر اجازت نہ بیٹھے :

---

(۱) ترمذی: باب کراهیة أن یقام الرجل من مجلسه ثمّ یجلس فیه، حدیث: ۲۷۴۹، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔
(۲) بخاری: باب اذا قیل لکم تفسحوا: حدیث: ۵۹۱۵
(۳) ترمذی: باب ماجاء فی کراهیة الجلوس، حدیث: ۲۷۵۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔
(۴) بخاری: باب لا یتناجی اثنان دون الثالث، حدیث: ٦٢٨٨
(۵) ابوداؤد: باب فی الرجل یجلس بین اثنین، حدیث: ٤٨٤٤

ایسے ہی اگر کئی اشخاص حلقہ بنا کر بیٹھے ہوں تو کسی کا درمیانی حلقہ میں آکر بیٹھنا یہ بھی درست نہیں، حضور ﷺ نے ایسے شخص پر لعنت فرمائی ہے "ملعون علی لسان محمد من قعد وسط الحلقة " (۱)

اس روایت کا ایک مطلب یہ ہے کہ ایک مجلس ہو، اس میں کوئی شخص لوگوں کی پیٹھ پھلاند کر جا بیٹھے، یا لوگ گول دائرے کی شکل میں بیٹھے ہوں اور یہ ان کے بیچ حلقہ میں بیٹھ جائے۔

☆ اس کے ساتھ حضور ﷺ نے یہ ادب بھی سکھایا ہے کہ مجلس میں جہاں جگہ میسر آئے وہ وہیں بیٹھ جائے، پھلانگے نہیں۔

چنانچہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اپنا یہ معمول بتاتے ہیں، حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ہم لوگوں (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کا) یہ طریقہ اور دستور تھا کہ جب ہم میں سے کوئی حضور ﷺ کی مجلس میں آتا تو (حاضرین مجلس کے درمیان سے گذر کر آگے جانے کی کوشش نہیں کرتا تھا بلکہ) کنارے ہی بیٹھ جایا کرتا تھا، ہاں البتہ صاحبِ مجلس کو یہ حق ہے کسی شخص کو کسی خصوصیت اور مصلحت سے آگے بلالے " كنا اذا أتينا رسول الله جلسنا حيث ننتهى "(۲)

☆ اور آپ نے مجلس کا ایک ادب یہ بھی بتلایا کہ مجلس میں اگر کوئی بیٹھے اور اٹھ کر چلا جائے، پھر دوبارہ آئے تو اس جگہ کا وہی زیادہ حق دار ہوگا "من قام من مجلسه ثمّ رجع اليه فهو احقّ به " (۳)

☆ جب مجلس میں پہنچے تب بھی سلام کرے اور مجلس سے جانے لگے تب بھی سلام کرے حضور ﷺ نے فرمایا: پہلا سلام بعد کے سلام سے اعلیٰ اور بالا نہیں ہے " فليستِ الأولى بأحق من الأخرة " (۴)

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء فی كراهية القعود وسط الحلقة، حدیث: ۲۷۵۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) السنن الکبری للبیهقی: باب يجلس حيث ينتهى به المجلس، حديث: ۵۸۰۹

(۳) مسلم باب اذا قام من مجلسه، حديث: ۲۱۷۹

(۴) ترمذی: باب التسليم عند القيام، حديث: ۲۷۰۶، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

☆ مجلس میں جو دوسرے کی خصوصی نشست گاہ یا گاؤ تکیہ یا کرسی وغیرہ ہے اس پر خود نہ بیٹھے، یہ مہمان کی تعظیم اور تکریم کے خلاف ہے۔

☆ بیٹھنے کا انداز اور طریقہ بھی ایسا نہ ہو کہ اس سے کبر اور تعلّی اور اپنی بڑائی کا اظہار ہوتا ہو، نہایت متواضع ہو کر بیٹھے۔

حضرتِ قیلہ سے مروی ہے کہ: میں نے حضور ﷺ کو ایک بار تواضع کی ایسی کیفیت پر بیٹھے ہوئے دیکھا کہ میں بے چین ہوگئی اور گھبرا گئی "ارعدت من الفرق" (۱)

اس لئے حضور ﷺ کا مختلف ہیئتوں میں بیٹھنے کا ذکر احادیث میں ملتا ہے، کبھی تو آپ ﷺ اُکڑوں یعنی سرین کے بل پنڈلیاں اٹھا کر بیٹھتے، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "رأیت رسول اللّٰہ بفناء الکعبة محتبیًا بیدیه" (۲)

میں نے رسول اللہ ﷺ کو صحن کعبہ میں گوٹ مار کر بیٹھتے ہوئے دیکھا ہے، کبھی آپ ﷺ تکیہ پر ٹیک لگا کر بیٹھتے، چنانچہ راوی کہتے ہیں کہ: رأیت النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم متکئًا علی وسادةٍ" میں نے حضور ﷺ کو تکیہ پر ٹیک لگائے بیٹھے دیکھا ہے۔ (۳)

فجر کے بعد طلوع آفتاب تک چوزانو بیٹھنے کا بھی آپ ﷺ کا معمول تھا " اذا صلی الفجر تربّع فی مجلسه حتی تطلع الشمس حسنًا" (۴)

☆ ایسی بیٹھک نہ بیٹھے جو متکبرانہ ہو جس سے بڑے پن اور تعلّی کا اظہار ہوتا ہو، حضور ﷺ کا گذر ایک شخص کے پاس سے ہوا، انہوں نے اپنا بایاں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے لگا رکھا تھا اور دائیں ہاتھ پر ٹیک لگا رکھا تھا، حضور ﷺ نے ان پر غصہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ:

---

(۱) ابوداؤد: باب فی جلوس الرجل، حدیث: ٤٨٤٧، علامہ حجر نے فرمایا: اس کی سند میں کوئی حرج نہیں: فتح الباری: باب الاحتباء بالید: ٦٥/١١

(۲) بخاری: باب الاحتباء بالید، حدیث: ٥٩١٧

(۳) ترمذی: باب ماجاء فی الاتکاء، حدیث: ٢٧٧٠، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

(۴) ابوداؤد: باب فی الرجل یجلس متربعًا، حدیث: ٤٨٥٠، امام نوویؒ نے ریاض الصالحین: ۲۷۳/۱ میں فرمایا ہے کہ: اس کو ابوداؤد وغیرہ نے صحیح اسانید کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

یہ ان لوگوں کی بیٹھک ہے جو عند اللہ مغضوب ہیں " قعدة المغضوب عليهم " (۱)

☆ کوئی بھی مجلس ذکر اللہ اور اللہ کی یاد سے خالی نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ ایسی مجلس روزِ قیامت صاحبِ مجلس کیلئے ندامت اور حسرت کی باعث ہوگی۔

حضور اکرم ﷺ نے اس مجلس کے بارے میں فرمایا کہ: جس مجلس میں اللہ کا ذکر نہیں ہوتا وہ اہل مجلس گویا کہ مردار گدھے کے پاس سے اٹھے ہیں اور ان کو اپنی اس مجلس پر حسرت اور ندامت ہوگی " قاموا عن مثل جيفة وكان لهم حسرة " (۲)

☆ جب مجلس سے اٹھے تو یہ دعا پڑھے یہ مجلس میں ہونے والی لغزشوں کیلئے کفارہ ہو جائے حضور ﷺ کا مجلس کے اختتام پر اس دعا کے پڑھنے کا معمول تھا " سُبْحٰنَكَ اَللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ " (۳)

ایک شخص نے حضور ﷺ سے کہا: آپ یہ ایسی چیز پڑھ رہے ہیں جو پہلے نہیں پڑھتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ مجلس میں ہونے والی لغزشوں کیلئے کفارہ ہو جاتی ہے، " كفارة لما يكون في المجلس " (۴)

---

(۱) ابوداؤد: باب في الجلسة المكروهة، حديث: ۴۸۶۸، علامہ نووی نے ریاض الصالحین: ۱/۴۷۲ میں اس کو سند کو صحیح کہا ہے۔

(۲) ابوداؤد: باب كراهية أن يقوم الرجل من مجلسه ولا يذكر الله، حديث: ۴۸۵۵، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے: الترغيب: كتاب الذكر والدعاء، حديث: ۲۳۳۲

(۳) ترمذی: باب ما يقول إذا قام من المجلس، حديث: ۳۴۳۳، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔

(۴) ابوداؤد، كفارة المجلس، حديث: ۴۸۵۹، علامہ نووی نے ریاض الصالحین: ۱/۴۷۶ میں امام نووی نے کہا ہے کہ: اس کو حاکم نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح الاسناد کہا ہے۔

گفتگو کے آداب

☆ سچ بولنے کا التزام کیا جائے، جھوٹ سے بالکلیہ پرہیز کیا جائے، خواہ سچ بولنے میں اور جھوٹ سے پرہیز کئے جانے میں کتنا ہی نقصان کیوں نہ اٹھانا پڑے۔

حضور اکرم ﷺ نے سچائی کا انجام جنت اور جھوٹ کا انجام دوزخ قرار دیا ہے" انّ الصدق یهدی الی البرّ، وانّ البرّ یهدی الی الجنّة وانّ الرجل لیصدق حتی یکتب عند اللّٰه صدّیقًا، وانّ الکذب یهدی الی الفجور، وانّ الفجور یهدی الی النّار وانّ الرجل لیکذب حتّی یکتب عند اللّٰه کذّابًا" (۱)

بلاشبہ سچ بولنا نیکی کے راستہ پر ڈالتا ہے، اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے، آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کے یہاں صدیق (بہت سچا) لکھ دیا جاتا ہے، اور بلاشبہ جھوٹ برائی کے راستہ پر ڈال دیتا ہے۔

☆ ضرورت کے وقت گفتگو کی جائے، بے ضرورت بولنا اور ہر دم بولنا وقار اور سنجیدگی کے خلاف ہے، انسان جو بول بھی بولتا ہے وہ خدا کے یہاں لکھ لیا جاتا ہے، " مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ " (کوئی بات اس کی زبان پر آتی ہے ایک نگران فرشتہ اس کو محفوظ کرنے کیلئے) مستعد رہتا ہے اور فرمایا: انسان کوئی بات کہہ دیتا ہے اور اس کے کہنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا اس کی وجہ سے جہنم میں ستر سال کی مسافت کے برابر (نیچے) گر جاتا ہے " لا یری بها بأس یهوی بها سبعین خریفًا فی النار" (۲)

---

(۱) مسلم: باب قبح الکذب، حدیث: ٦٦٣٧

(۲) ترمذی: باب فیمن تکلم بکلمة یضحک بها، حدیث: ٢٣١٤، امام ترمذی نے فرمایا: یہ حسن، غریب ہے۔

چونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: آدمی کے اسلام کی خوبی اور کمال یہ ہے کہ وہ فضول کاموں اور باتوں کو چھوڑ دے "من حسن اسلام المرء تركه ما لا يعنيه " (۱)

اور حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے: جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ خیر کی بات کہے یا خاموش رہے " فليقل خيرًا أو ليصمت " (۲)

اس لئے برا کہنے، چغلی، غیبت، جھوٹ، وعدہ خلافی، طنز، جھوٹی قسم، نقل اتارنے یا کسی کا ٹھٹھا اور مذاق اڑانے سے پرہیز کیا جائے۔

☆ نرمی کے ساتھ گفتگو کی جائے، مسکراتے ہوئے، میٹھے لب ولہجے میں، آواز بھی دھیمی اور درمیانی ہو کہ سامنے والا سن بھی سکے، نہایت درشت اور پھوہڑ آواز نہ ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو جب فرعون کے پاس دعوتِ ایمان دینے کیلئے بھیجا گیا تو خاص طور پر نرم گوئی کی ہدایت دی گئی " وَ قُوْلَا لَـهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا "(۳)

اور فرمایا: " اِنَّ اَنْـكَـرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ " سب سے زیادہ کریہہ اور ناگوار آواز گدھے کی آواز ہے۔(۴)

☆ ہمیشہ عدل وانصاف پر مبنی بات کی جائے، دوست یا کسی رشتہ دار کی رورعایت میں انصاف کا دامن ہرگز چھوٹنے نہ پائے: "وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى " (۵) اور جب زبان سے کچھ کہو تو انصاف کی بات کہو چاہے وہ تمہارا رشتہ دار ہی ہو۔

---

(۱) ترمذی: باب حديث من حسن اسلام المرء، حدیث: ٦٤٧٥، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔
(۲) بخاری: حفظ اللسان، حدیث: ٦٤٧٥
(۳) طٰہٰ: ۲
(۴) لقمٰن: ۱۹
(۵) المائدة: ۱۰۶

☆ سب سے پہلے آدمی یہ ملحوظ رکھے کہ اس کے یہ بول محفوظ اور ریکارڈ کیے جا رہے ہیں اور اللہ عزوجل کے یہاں ان کے تعلق سے پوچھ گچھ ہوگی "کُلُّ شَیْئٍ فَعَلُوْہُ فِیْ الزُّبُرِ وَکُلُّ صَغِیْرٍ وَکَبِیْرٍ مُسْتَطَرٌ" (۱)

اور نبی کریم ﷺ کے تعلق سے ارشاد ہے کہ "کان علیه السلام یحدّث حدیثا لو عدّه العادّ لأحصاه" جب نبی کریم ﷺ بات کرتے تھے تو اگر کوئی آپ ﷺ کی بات کو شمار کرنا چاہتا تو شمار کر لیتا۔

اور اللہ عزوجل نے بھی صرف بھلائی اور خیر کی بات کرنے کو کہا ہے: "لَا خَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِنْ نَّجْوَاھُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَۃٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ" (۲)

☆ بات اور گفتگو میں موقع محل کی بھی رعایت ضروری ہے، کیونکہ عربی کا مقولہ ہے "لِکُلِّ مَقَامٍ مَقَالٌ" ہر مقام کے مناسبِ حال گفتگو ہوتی ہے، مثلاً کسی شادی یا کسی خوشی کے موقع سے کسی کی موت وغیرہ کا ذکر نہ کرے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مذی کا خروج بکثرت ہوتا تھا، انہوں نے چونکہ حضور ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ ان کے نکاح میں تھیں، اس لئے براہِ راست حضور ﷺ کی خدمت میں جا کر اس سلسلے میں دریافت کرنے حیاء مانع ہوئی، چنانچہ انہوں نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے مسئلہ دریافت کروایا "کنت رجلا کثیر المذّاء" (۳)

☆ پھر لوگوں کے فہم اور سمجھ کے معیار کے مطابق گفتگو کرے، ورنہ لوگوں کو بڑی اونچی بات سمجھ میں نہ آئے گی، تو وہ اس کا دوسرا مطلب مراد لیں گے اور بگاڑ اور شر پیدا ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: "حدّثوا النّاس بما یعرفون، أتحبّون أن

---

(۱) القمر: ۵۳

(۲) النساء: ۱۱٤

(۳) مسلم: باب المذی، حدیث: ۷۲۱

یُکذّب اللّٰہ ورسولہ" لوگوں سے ان کی فہم اور سمجھ کے مطابق گفتگو کرو، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلا دیں۔(۱)

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی یہ بھی ہے کہ:" امرنا معاشر الأنبیاء أن نحدث الناس علی قدر عقولھم" اے انبیاء کی جماعت ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے ان کی عقلوں اور فہموں کے مطابق بات کریں۔(۲)

☆ گفتگو میں کسی کی چاپلوسی، خوشامد اور اس کی بے جا تعریف کا پہلو نہ ہو:

آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص تعریف کرے تو اس کے چہرے پر خاک پھینک دو " اذا رأیتم المداحین فاحثوا فی وجوھھم التراب " (۳)

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک شخص نے دوسرے آدمی کی تعریف کی (اور جس کی تعریف کی جارہی تھی وہ بھی وہاں موجود تھا) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"افسوس ہے تم پر، تم نے اپنے بھائی کی گردن توڑ دی "ویلك قطعت عنق أخیك " آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی (پھر فرمایا کہ) اگر تم میں سے کوئی شخص کسی کی تعریف کرنا ہی ضروری سمجھے اور یقین بھی ہو کہ وہ اچھا آدمی ہے، پھر بھی یوں کہے: فلاں آدمی کو میں اچھا سمجھتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہی اس کا حساب لینے والے ہیں، میں تو اللہ کے سامنے کسی کی تعریف یقین کے ساتھ نہیں کر سکتا۔(۴)

حضرت مقداد ابن الاسود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی نے ان کی موجودگی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کی تعریف کی تو انہوں نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے مٹی زمین سے اٹھا کر اس شخص کے منہ پر پھینکا۔

---

(۱) بخاری: باب من خص بالعلم قوما دون قوم، حدیث:۱۲۷
(۲) کنز العمال: حدیث:۲۹۲۸۲
(۳) مسلم: باب النھی عن المدح،حدیث: ۳۰۰۲
(۴) بخاری: باب ما جاء فی قول الرجل ویلك، حدیث: ۶۱۶۲

کسی کی تعریف کرنا یہ اس کے حق میں شہادت اور گواہی ہے جو بڑی ذمہ داری کی بات ہے اور اس سے اس کا بھی خطرہ ہے وہ آدمی اعجاب اور خود پسندی میں مبتلا ہو جائے، اس لئے حضور ﷺ نے تعریف کرنے میں احتیاط کرنے کہا ہے۔

اگر اچھی نیت اور کسی دینی مصلحت سے کسی بندہ کی سچی تعریف اس کے سامنے یا اس کے پیچھے کی جائے اور اس کا خطرہ نہ ہو کہ وہ اعجاب نفس اور اپنے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا ہو جائیگا تو ایسی تعریف کی ممانعت نہیں؛ بلکہ انشاء اللہ اچھی نیت کے مطابق وہ اس پر اجر وثواب کا مستحق ہوگا، خود رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف کی ہے، وہ اسی کے قبیل سے ہے۔

☆ ہمیشہ مختصر اور مطلب کی بات کی جائے، گفتگو کو طول نہ دیا جائے:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک دن جبکہ ایک شخص نے ان کی موجودگی میں کھڑے ہو کر (وعظ وتقریر کے طور پر) بات کی اور بہت لمبی بات کی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر یہ شخص بات مختصر کرتا تو اس کیلئے زیادہ بہتر ہوتا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: میں یہ مناسب سمجھتا ہوں، یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہوا ہے کہ بات میں اختصار سے کام لوں؛ کیونکہ بات میں اختصار ہی بہتر ہوتا ہے" امرتُ ان اتجوّز فی القول فانّ الجواز هو خیر" (۱)

☆ گفتگو میں تکلف اور چبا چبا کر باتیں کرنا بھی ناپسندیدہ عمل ہے:

---

(۱) ابوداؤد: باب ما جاء فی المتشدق، حدیث: ۵۰۰۸، امام سیوطی جامع صغیر میں اس روایت پر حسن کا نشان لگایا ہے، مناوی کہتے ہیں: یہ حسن نہیں ہے، اس میں سلیمان بن عبدالحمید البهرانی ہیں، کاشف میں کہا ہے کہ: یہ ضعیف ہیں، اور اس پر دوسرے اعتراضات کئے ہیں: فیض القدیر: حرف اللام: ۲۷۷/۵ المکتبة التجاریة الکبری، مصر

آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل ایسے بلیغ شخص کو مبغوض رکھتا ہے جو گائے چبانے کی طرح چبا چبا کر بات کرتا ہے " الذی یتخلّل تخلّل الباقرة بلسانها " (۱)

جو شخص لوگوں کے دلوں کو لبھانے کیلئے کلام کو بنائے تو اللہ عزوجل اس کی کسی بھی چیز کو روزِ قیامت قبول نہ فرمائیں گے " لم یقبل منه صرفًا ولا عدلًا " (۲)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے کسی قاضی کو جب معزول کیا گیا تو اس نے کہا: مجھے کیوں معزول کیا گیا؟ تو آپؒ نے فرمایا: مجھے پتہ چلا ہے کہ تمہارا کلام اور تمہاری گفتگو تمہارے فریقین جو مقدمے لے کر تمہارے یہاں آتے ہیں ان کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے " انّ کلامك مع الخصمین أکثر من کلام الخصمین علیك" (۳)

☆ گفتگو شستہ، سلیس، مہذب اور ٹھہراؤ لئے ہوئے ہو کہ ہر شخص بات کو اچھی طرح سمجھ جائے، اور گفتگو میں تسلسل بھی قائم رہے، ضرورت کے موقع پر بات کو دوہرا کر کہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضور ﷺ کی گفتگو صاف اور واضح ہوتی، اس میں ٹھہراؤ ہوتا، بیٹھنے والا اس کو محفوظ کر لیتا "یحفظه من جلس الیه " (۴)

اور ایک روایت میں ہے کہ: حضور ﷺ ایسا کلام فرماتے جس میں ٹھہراؤ ہوتا جس کو سننے والا سمجھ پاتا "یفهه کلّ من سمعه " (۵)

---

(۱) ترمذی: باب ماجاء فی المشدق، حدیث: ۵۰۰۵، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

(۲) ابوداؤد: باب ما جاء فی المتشدق فی الکلام، حدیث: ۵۰۰۶، منذری کہتے ہیں کہ: اس میں انقطاع کا شبہ ہے، کیونکہ ضحاک بن شرحبیل ان کا تذکرہ بخاری اور ابی حاتم نے کیا ہے اور صحابی سے ان کی کوئی روایت نہیں ذکر کی ہے۔

(۳) الاداب الشرعیة : فی حفظ اللسان : ۱/۳۷

(۴) ترمذی: باب فی کلام النبی، حدیث: ۳۶۳۹، امام ترمذی نے کہا ہے کہ: یہ حدیث حسن ہے۔

(۵) ابوداؤد: باب فی الهدی فی الکلام، حدیث : ۴۸۳۹

بسا اوقات ایک بات کا تین بار تکلم فرماتے "وکان کثیرًا ما یعید الکلام لتعقل عنه" (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضور ﷺ جب بات کرتے تو اتنا ٹھہر ٹھہر کر کہ اگر شمار کرنے والا ان کلمات کو شمار کرنا چاہتا تو شمار کر سکتا "لو عدّہ العاد لأحصاه" (۲)

آپ ﷺ مختصر و مفید گفتگو فرماتے، اگر کلمات زیادہ ہوتے تو وہ فضولیات پر مشتمل نہ ہوتے اور نہ ہی اس میں کچھ کمی کوتاہی رہ جاتی۔ اسی طرح آپ ﷺ ایسی گفتگو فرماتے جس میں ثوابِ آخرت کی امید ہوتی لایعنی سے پرہیز فرماتے۔

☆ تین مواقع سے جھوٹ بولنے کی اجازت ہے :

حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے مرفوعاً منقول ہے کہ: ہر جھوٹ ابن آدم کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے سوائے تین مواقع کے، ایک تو آدمی اپنی بیوی کو راضی کرنے کیلئے جھوٹ بولے، یا کوئی جنگی چالاکی کیلئے جھوٹ بولے، یا کوئی آدمی دو اشخاص کے درمیان صلح کرنے کیلئے جھوٹ بولے" أو رجل كذب بين امرأين مسلمين ليصلح بينهما " (۳)

---

(۱) ترمذی: باب فی کلام النبی، حدیث: ۳۶٤۰، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) بخاری: باب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۳۳۷٤

(۳) مجمع الزوائد : باب فی سرایاه، حدیث: ۱۰۳۵۵، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں شہر بن حوشب ہیں اور ان کی توثیق کی گئی ہے اور ان میں کچھ ضعف ہے اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

سلام: آداب واحکام

تمام دنیا کے متمدن قوموں اور گروہوں میں ملاقات کے وقت پیار ومحبت یا جذبۂ اکرام وخیر اندیشی کا اظہار کرنے اور مخاطب کو مانوس ومسرور کرنے کیلئے کوئی خاص کلمہ کہنے کا رواج رہا ہے، اور آج بھی ہے، ہمارے ملک ہندوستان میں ہمارے برادرانِ وطن ہندو لوگ ملاقات کے وقت ''نمستے'' کہتے ہیں، یورپ کے لوگ صبح کے وقت ''گڈ مارنینگ'' (اچھی صبح) اور شام کی ملاقات کے ''گڈ ایوینگ'' (اچھی شام) اور رات کی ملاقات کے میں ''گڈ نائیٹ'' (اچھی رات) وغیرہ کہنے کا رواج ہے، رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت عربوں میں بھی اس طرح کے کلمات ملاقات کے وقت کہنے کا رواج تھا۔

☆ اسلام نے مخاطب کو مانوس اور قریب کرنے کیلئے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کے الفاظ سکھائے ہیں۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا یہ بیان ہے کہ: ہم لوگ اسلام سے پہلے ملاقات کے وقت میں آپس میں '' انعم اللّٰہ بك عینًا '' (خدا تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب کرے) اور '' أَنْعِمْ صَبَاحًا '' (تمہاری صبح خوش گوار ہو) کہا کرتے تھے، جب ہم لوگ جاہلیت کے اندھیرے سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آگئے تو ہمیں اس کی ممانعت کردی گئی یعنی ہمیں اس کے بجائے ''السلام علیکم'' کی تعلیم دی گئی۔(۱)

آج بھی کوئی غور کرے تو واقعہ یہ ہے کہ اس سے بہتر کوئی کلمۂ محبت وتعلق اور اکرام وخیر اندیشی کیلئے سوچا نہیں جاسکتا...... ذرا اس کی معنوی خصوصیات پر غور کیجئے، یہ بہترین اور

---

(۱) سنن ابی داؤد: باب فی الرجل أنعم اللّٰہ بك عینا، حدیث: ۵۲۲۷، علامہ حجر نے کہا ہے کہ: اس کے رجال ثقہ ہیں؛ لیکن یہ روایت منقطع ہے: فتح الباری: باب بدء السلام: ۱۱/ ٤

نہایت جامع دعائیہ کلمہ ہے،اس کا مطلب یہ ہے کہ: اللہ تم کو ہر طرح کی سلامتی نصیب فرمائے، یہ اپنے چھوٹوں کے شفقت اور رحمت اور پیار و محبت کا بھی کلمہ ہے اور بڑوں کیلئے اس میں اکرام و تعظیم بھی ہے، اور پھر لفظ ''السلام'' اسماءِ الٰہیہ میں سے ہے،قرآن مجید میں یہ کلمہ انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطورِ اکرام اور بشارت کے استعمال فرمایا گیا ہے اور اس میں عنایت اور پیار و محبت کا رس بھرا ہوا ہے۔

اس لئے ملاقات کے وقت ''السلام علیکم'' سے بہتر کوئی کلمہ نہیں، یہ اسلام کا شعار ہے اس لئے آپ نے بڑی تاکید فرمائی ہے،اور بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں:

ابن عربی نے احکام القران میں ابن عیینہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ : " أتدري ما السلام ؟ يقول أنت آمن مني " یعنی تم جانتے ہو کہ سلام کیا چیز ہے؟ سلام کرنے والا یہ کہتا ہے کہ تم مجھ سے مامون ہو۔

بہر حال اسلامی سلام ایک عالمگیر جامعیت کا حامل ہے:

۱۔ اس میں اللہ کا ذکر بھی ہے۔
۲۔ تذکیر بھی۔
۳۔ اپنے مسلمان بھائی سے اظہارِ تعلق و محبت بھی۔
۴۔ اس کیلئے بہترین دعا بھی۔
۵۔ اور اسے یہ معاہدہ بھی کہ میرے ہاتھ اور زبان سے آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔

☆ سلام یہ اللہ عز وجل کا عطیہ ہے،اس لئے اللہ کے اس عطیہ کو قبول کرتے ہوئے اس کو خوب رواج دیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اپنی صورت میں فرمائی،آپ علیہ السلام ساٹھ ہاتھ لمبے تھے،اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد فرمایا کہ: فرشتوں کی فلاں بیٹھی ہوئی

جماعت کے پاس جایئے اور انہیں سلام کیجئے، اور ان کا جواب غور سے سنئے، کیوں کہ وہی جواب آپ علیہ السلام کیلئے اور آپ علیہ السلام کی اولاد کیلئے ہوگا، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام جب ان فرشتوں کے پاس پہنچے تو فرمایا: "السلام علیکم" اس کے جواب میں فرشتوں نے کہا: "السلام علیك ورحمة الله" (۱)

☆ افضل طریقہ یہ ہے کہ ملاقات کے وقت پورا سلام کیا جائے، یعنی "السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته" صرف "السّلام علیکم" کہہ دیا تب بھی سلام ہو جائے گا، لیکن تین جملے بولنے میں زیادہ اجر و ثواب ہے۔

حضرت عمران بن حُصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: "السّلام علیکم" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ مجلس میں بیٹھ گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس (یعنی اس بندے کیلئے اس سلام کی وجہ سے دس نیکیاں لکھی گئیں) پھر ایک اور آدمی آیا، اس نے کہا: "السّلام علیکم ورحمة الله" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ آدمی بیٹھ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیس (یعنی اس کیلئے بیس نیکیاں لکھی گئیں) پھر ایک تیسرا شخص آیا، اس نے کہا: "السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا، اور وہ مجلس میں بیٹھ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیس (یعنی اس کیلئے تیس نیکیاں لکھی گئیں) "فقال النبی صلی الله علیه وسلم ثلاثون" (۲)

☆ ہر مسلمان کو سلام کیجئے، چاہے اس سے پہلے تعارف اور تعلقات ہوں یا نہ ہوں۔

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اسلام کا بہترین عمل کونسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غریبوں کو کھانا کھلانا اور ہر مسلمان کو سلام کرنا، چاہے تمہاری اس سے پہچان ہو یا نہ ہو؟ "وتقرأ السلام علی من عرفت وعلی من لم تعرف" (۳)

(۱) بخاری: باب بدء السلام: حدیث: ۵۷۵۹

(۲) ترمذی: باب تبلیغ الاسلام، حدیث: ۲۶۸۹، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۳) بخاری: باب السلام للمعرفة وغیر المعرفة، حدیث: ۶۲۳۶

☆ سلام کے جواب کا اہتمام کریں، یہ نہایت بابرکت اور اجر وثواب والی چیز ہے۔

امام مالکؒ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے طفیل کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ”میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ ہمیں ساتھ لے کر بازار جاتے اور جس دوکاندار اور جس گاہک اور فروخت کرنے والے کے پاس اور جس کسی مسکین اور غریب کے پاس سے گذرتے تو بس سلام کرتے (اور کچھ خرید وفروخت کے بغیر واپس آجاتے) ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو معمول کے مطابق مجھے ساتھ لے کر بازار جانے لگے، میں نے عرض کیا کہ: آپ بازار جا کر کیا کریں گے؟ نہ تو آپ کسی دکان پر کھڑے ہوتے ہیں، نہ کسی چیز کا سودا کرتے ہیں، نہ بھاؤ تاؤ ہی کی بات کرتے ہیں؟ اور بازار کی مجلسوں میں بھی نہیں بیٹھتے (پھر بازار کس لئے جائیں) یہیں بیٹھے، باتیں ہوں اور ہم استفادہ کریں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ہم تو صرف اس غرض اور اس نیت سے بازار جاتے ہیں کہ جو سامنے آجائے اس کو سلام کریں (اور ہر سلام پر کم از کم دس نیکیاں کما کر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور بندگانِ خدا کے جوابی سلاموں کی برکت حاصل کریں)۔

اور ایک روایت میں ہے ”سلّم علی من لقیت من أمتي، تكثر حسناتك“ (۱) میری امت کے جس فرد سے ملاقات ہو اُسے سلام کیا کرو، اس سے تمہاری نیکی میں اضافہ ہوگا۔

☆ سلام میں سامنے والے سے پہل کر کے اجرِ آخرت کے بڑے حصہ کے حقدار بنیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ: جو سلام میں پہل کرتا ہے تو وہ کبر سے بری ہے، تکبر اس کے پاس بالکل نہیں ہوتا، امام بیہقی نقل کرتے ہیں کہ ”البادی بالسلام برئ من الکبر“ سلام میں پہل کرنے والا کبر سے بری ہے۔ (۲)

---

(۱) المعجم الأوسط، حديث: ۲۹۱۵

(۲) شعب الایمان: الحادی والستون من شعب الایمان، حدیث: ۸۷۸۶، علامہ مناوی نے اس حدیث کے تعلق سے کہا ہے کہ: اس کے ایک راوی ابوالاحوص ہیں جن کے بارے میں ابن معین نے کہا ہے کہ: یہ کچھ بھی نہیں ہیں، اور علامہ ذہبی نے ان کو ضعفاء میں شمار کیا ہے: فیض القدیر: ۲۱۵/۳، المکتبة التجاریة الکبری، مصر

حضرت عبداللہ بن مطرف شخیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”روئے زمین پر کوئی بھی سلام میں پہل کرتا ہے تو یہ اس کیلئے قیامت تک کیلئے صدقہ ہے ”ما علی وجه الأرض رجل یبدأ اخر بالسلام الاّ کان ذلك صدقة علیه یوم القیامة“ (روئے زمین پر کوئی بھی سلام میں پہل کرتا ہے تو یہ اس کیلئے روزِ قیامت کے دن صدقہ ہوگا۔(۱)

اور حضرت زید بن وہب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: جو آدمی کسی جماعت کے پاس سے گذرے اور ان کو سلام کرے اور وہ حضرات اس کے سلام کا جواب دیں ”کان له فضل درجة علیهم لأنّه أذکرهم بالسلام“(۲) تو اس کو ان لوگوں کو سلام یاد دلانے کی وجہ سے ایک درجہ کی فضیلت حاصل ہوگی۔

☆ سلام کو رواج دینے اور کثرت سے ایک دوسرے کو سلام کرنے سے محبت اور مودت میں اضافہ ہوتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایمان کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہو سکو گے، اور کامل ایمان سے سرفرازی اس وقت تک نہ ہو سکے گی جب تک کہ تمہارے تعلقات محبت کے دائرے میں نہ آجائیں، پھر فرمایا: ”أولا أدلّکم علی شیء اذا فعلتموه تحاببتم افشوا السلام بینکم“ (۳)

کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں کہ اگر تم اسے کرنے لگو گے تو تم میں محبت پیدا ہو جائے گی؟ (پھر فرمایا:) آپس میں سلام کو عام کرو۔

اگر کسی معاشرہ میں سلام کا چلن ہونے لگتا ہے تو لوگوں کے اخلاق عمدہ ہونے لگتے ہیں، تواضع کی صفت ان میں پیدا ہوتی ہے، اور ایک دوسرے کو حقیر سمجھنے برے جذبات پر روک لگتی ہے اور محبت اور الفت عام ہوتی ہے، اس طرح معاشرہ صرف اس ایک سنتِ نبوی کے عام کرنے پر بہت ساری بیماریوں سے محفوظ ہو کر ایک دوسرے سے مربوط اور متعلق ہو جاتا ہے۔(۴)

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبة: فی الذی یبدأ بالسلام، حدیث: ۲۵۷۵۵
(۲) مصنف ابن ابی شیبة: فی الذی یبدأ بالسلام، حدیث: ۲۵۷۵۶
(۳) مسلم: باب أنّ لا یدخل الجنّة الا المؤمنون، حدیث: ۵۴
(۴) فتح الباری: ۱۱/ ۱۱۳

☆ سلام کی ابتداء کرنا بڑا اجروثواب کا باعث ہے، اور سنت ہے اور سلام کا جواب دینا واجب ہے، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے "وَ اِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا" (۱)

فرمایا کہ: (جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس کے سلام کا بڑھ کر جواب دو یا کم ازکم ویسا جواب دو جیسا کہ اس نے سلام کیا) مثلاً کسی نے "السلام علیکم" کہا تو تم اس کے جواب میں "وعلیکم السلام ورحمة الله وبركاته" کہو؛ تاکہ جواب سلام سے بڑھ کر ہو جائے، ورنہ کم ازکم "وعلیکم السلام" ہی کہہ دو؛ تاکہ جواب برابر ہو جائے۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ "السلام تطوع والردّ فريضة" یعنی ابتداءِ سلام کرنے میں تو اختیار ہے اور سلام کا جواب دینا فرض ہے۔ (۲)

☆ چھوٹے بچوں کو بھی سلام کریں، یہ بچوں کو سلام سکھلانے کا بہترین طریقہ ہے اور نبی کریم ﷺ کی سنت بھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بچوں کے پاس سے گذرے تو ان کو سلام کیا اور فرمایا: نبی کریم ﷺ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے "فسلم عليهم، وقال: كان النبي ﷺ يفعله" (۳)

☆ ہمیشہ زبان سے السلام علیکم کہہ کر سلام کریں، اگر کبھی زبان سے السلام علیکم کہنے کے ساتھ ساتھ ہاتھ سے اشارہ کرنے کی ضرورت ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت اسماء بنت یزیدؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ مسجد کے پاس سے گذرے، وہاں کچھ عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں تو آپ ﷺ نے ان کو اپنے ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا "فألوى يده بالتسليم" (۴)

---

(۱) النساء: ۸۶

(۲) الدر المنثور: ۶۰۷/۲، دار الفكر، بيروت

(۳) بخاری: باب التسليم على الصبيان، حديث: ۶۲۴۷

(۴) ترمذی: باب ما جاء في التسلم على النساء، حديث: ۲۶۹۷

☆ اگر اپنے کسی بزرگ، دوست یا عزیز کو کسی دوسرے کے ذریعہ سلام کہلوانے کا موقع ہو یا کسی کے خط لکھوانے کا موقع ہو تو اس موقع سے سلام کہلوایئے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: عائشہ! جبرئیل علیہ السلام تم کو سلام کہہ رہے ہیں، میں نے کہا: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (۱)

☆ اگر کسی سے ملاقات اور سلام کے بعد دو چار سکنڈ کیلئے بھی ایک دوسرے سے علاحدہ ہوجائیں اور اس کے بعد پھر ملیں تو دوبارہ سلام کیا جائے، اور دوسرا اس کا جواب دے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کی اپنے کسی مسلمان بھائی سے ملاقات ہو تو چاہئے کہ اس کو سلام کرے، اگر اس کے بعد کوئی درخت یا کوئی دیوار یا کوئی پتھر ان دونوں کے درمیان حائل ہوجائے (اور تھوڑی دیر کیلئے ایک دوسرے سے غائب ہوجائیں) اور اس کے بعد دوبارہ سامنا ہو تو پھر سلام کرے " فان حالت بينهما شجرة أو جدار أو حجر ثمّ فليسلّم عليه " (۲)

☆ اپنے گھر یا کسی مجلس میں آؤ اور پھر وہاں سے جانے لگو تو سلام کرو:

حضرت قتادہ (تابعی) سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی گھر میں جاؤ تو گھر والوں کو سلام کرو اور پھر جب گھر سے نکلو تو وداعی سلام کرو" اذا دخلتم بيتًا فسلّموا على أهله واذا خرجتم فأدعوا أهله بسلام " (۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم سے کوئی کسی مجلس میں پہنچے تو چاہئے کہ (اوّلاً) اہل مجلس کو سلام کرے، پھر بیٹھنا مناسب سمجھے تو

(۱) بخاري: كتاب الاستيذان، باب التسليم على النساء والنساء على الرجال، حديث: ٦٢٤٩

(۲) ابوداؤد باب في الرجل يفارق ثمّ يلقاه أ يسلم عليه ؟ حديث: ٥٢٠٠، علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ: اس کی سند حسن ہے: فيض القدير : حرف الهمزة : ١/٤٣٦

(۳) شعب الايمان: فصل في سلام من خرج من بيته، حديث: ٨٨٤٥ علامہ مناوی نے کہا ہے کہ: یہ روایت مرسل اور جید الاسناد ہے: فيض القدير: حرف الهمزة : ١/٣٤١

بیٹھ جائے، پھر جانے لگے تو پھر سلام کرے اور پہلا سلام بعد والے سلام سے (اعلیٰ اور بالا نہیں ہے) "ثمّ اذا قام فلیُسلّم فلیست الأولیٰ بأحق من الآخرة" (۱)
یعنی بعد والے رخصتی کے سلام کا بھی وہی درجہ ہے جو پہلے کا ہے، اس سے کچھ کم نہیں۔

☆ چھوٹا بڑے کو، راستہ سے گذرنے والا بیٹھنے والے کو اور تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں کو سلام کریں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چھوٹا بڑے کو سلام کیا کرے اور راستہ سے گذرنے اور چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے اور تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں کی جماعت کو سلام کریں"یسلّم الصغیر علی الکبیر والمارّ علی القاعد، والقلیلُ علی الکثیر" (۲)

☆ مجلس میں ایک کا سلام کرنا اور ایک کا جواب دینا کافی ہے :

حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کرکے بیان فرمایا کہ: گذرنے والی جماعت میں سے اگر کوئی ایک سلام کرے تو پوری جماعت کی طرف سے کافی ہے اور بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک جواب دے تو سب کی طرف سے کافی ہے "یُجزئ عن الجماعة اذامرّوا أن یُسلّم أحدھم ویجزئ عن الجلوس أن یردّ أحدھم" (۳)

☆ اگر کوئی کسی شرعی عمل میں مصروف ہو مثلاً کوئی دین کی بات کررہا ہو اور دوسرے سن رہے ہوں، یا تلاوتِ قرآن یا اذکار میں مصروف ہو یا ایسی حالت میں ہو جس میں اس شخص کو اذیت اور تکلیف ہوسکتی ہو مثلاً وہ سو رہا ہو یا کھا رہا ہو تو سلام کرنا جائز نہیں۔

---

(۱) ترمذی : التسلیم عند القیام ،حدیث:۲۷۰٦، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔
(۲) بخاری : باب تسلیم القلیل علی الکثیر ،حدیث: ۵۸۷۷
(۳) ابوداؤد : باب ما جاء فی رد الواحد عن الجماعة ،حدیث : ۵۲۱۰، علامہ حجر فرماتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد، بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے اور اس کا ایک شاھد حسن ابن علی کی روایت طبرانی کے یہاں ہے اور اس کی سند میں کلام ہے اور ایک موطا میں زید بن اسلم کی مرسل روایت ہے: فتح الباری : باب بدء السلام : ۷/۱۱

حضرت مقداد ابن الاسود رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ اصحابِ صفہ کے پاس تشریف لاتے تو آپ ﷺ اس طرح آہستہ اور احتیاط سے سلام کرتے کہ سونے والے نہ جاگتے اور جاگنے والے سن لیتے، "فیُسلّم تسلیمًا لا یُوقظ النّائم ویُسمع الیقظان" (۱)

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ: اسی طرح مکروہ ہے سلام کرنا اس کو جو سلام کے جواب دینے سے عاجز ہو جیسے کھانے والا یا شرعاً عاجز ہو جیسے نماز پڑھنے والا، تلاوتِ قرآن کرنے والا، اور اگر وہ سلام کرے تو جواب کا مستحق نہیں ہوگا۔

☆ وضو کرنے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے:

حضرت مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو وضو کی حالت میں سلام کیا تو آپ ﷺ نے وضو سے فارغ ہونے تک اس کا جواب نہیں دیا" فلم یردّ علیه حتی فرغ من وضوئه " پھر جواب دیا اور فرمایا: "انّه لم یمنعنی أن أردّ علیك الا انّی کرهت أن أذکر الله عزوجل الا علی طهارة " (۲)

☆ ایسے ہی قضاءِ حاجت کرنے والے کو بھی سلام کرنا مکروہ ہے:

چونکہ حضور ﷺ نے اس شخص کے سلام کا جواب نہیں دیا جس نے آپ ﷺ کو پیشاب کرنے کی حالت میں سلام کیا تھا" لم یردّ علی الذی سلّم علیه وهو یبول "(۳)

☆ اسی طرح عورت کو بھی سلام نہ کیا جائے، الا یہ کہ وہ بوڑھی ہو:

ابن الجوزی نے "الحلیۃ" میں زبیدی سے نقل کیا ہے اور عطاء خراسانی نے یہ حدیث مرفوعاً نقل کی ہے کہ" لیس للنساء سلام ، ولا علیهنّ سلام " (۴)

---

(۱) مسلم : باب اکرام الضیف وفضل ایثاره ، حدیث: ۲۰۵۵

(۲) مسند احمد: حدیث المهاجر بن قنفذ، حدیث: ۲۰۷۸۰، امام نووی خلاصة الأحکام: باب المواضع التی نهی عن قضاء الحاجة ، حدیث: ۳۵٦، میں فرماتے ہیں کہ: یہ روایت صحیح ہے اس کو ابوداؤد، نسائی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

(۳) ابوداؤد: باب أیرد السلام وهو یبول، حدیث: ۱٦، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۴) الاداب الشرعیة: فصل فی السلام: ۱/۳۵۲، مؤسسة الرسالة ، بیروت

☆ ایسا شخص جو علانیہ فسق وفجور میں مبتلا ہو، اس کی حوصلہ شکنی اور اصلاح کی غرض سے اس کو سلام نہیں کرنا چاہیئے، ہاں البتہ خیال رہے کہ کسی فاسق وفاجر کو سلام نہ کرنے کی وجہ سے تعلقات میں مزید تلخی ہو سکتی ہو تو سلسلہ سلام اس کی ایذاء رسانی سے بچنے کیلئے رکھنا چاہیئے۔

☆ فقہاءِ کرام نے لکھا ہے کہ غیر مسلم کو سلام کرنا جائز نہیں، اگر کسی غیر مسلم سے ملاقات اور اسے سلام کرنے کی ضرورت پیش آئے تو سلام کے لئے وہ لفظ استعمال کرے جو لفظ وہ لوگ خود استعمال کرتے ہیں، لیکن اگر غیر مسلم کسی مسلمان سے ملاقات کے وقت ''السلام علیکم'' کہے تو اس کے جواب میں صرف ''وعلیکم'' کہے اور پورا جواب نہ دے اور جواب دیتے وقت یہ نیت کرے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو ہدایت اور مسلمان بننے کی توفیق ملے۔(۱)

حضرت نبی کریم ﷺ نے ہرقل کے نام جو مکتوب بھیجا تھا اس میں سلام کے یہ الفاظ تھے ''سلام علی من اتبع الھدی'' (۲) سلام اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فقہ وفتاوی کی روشنی میں چند ایک سلام سے متعلق اور آداب اور کوتاہیوں کا تذکرہ کیا ہے۔

☆ بجائے سلام کے آداب یا سلام مسنون لکھنا، فرمایا بجائے سلام کے آداب کہنا یا لکھنا بدعت ہے؛ کیوں کہ یہ تغیر مشروع ہے (یعنی شریعت کو بدلنا ہے) البتہ بعد سلام اس قسم کے ادب کے کلمات لکھنے کا مضائقہ نہیں۔

اگر خط میں کوئی یہ لکھے کہ ''بعد سلام مسنون عرض ہے'' تو چونکہ شریعت میں یہ صیغہ سلام کا نہیں؛ بلکہ السلام علیکم ہے، اس لئے صیغہ سے سلام کا جواب دینا واجب نہ ہوگا، سلام کا جواب جب ہی واجب ہوگا جب اصل صیغہ سے سلام ہو جو حضور اکرم ﷺ سے منقول ہے۔

خطوط میں جو سلام لکھا ہوتا ہے اس کا جواب دینا واجب ہے، خواہ خط میں لکھے یا زبانی جواب دے، بعض بچوں کی طرف سے خطوں میں جو سلام لکھا ہوا آتا ہے تو عام طور پر

---

(۱) در مختار: کتاب الحظر والاباحۃ: ۵۹۱/۹، مکتبہ زکریا دیوبند

(۲) بخاری: کتاب بدء الوحی، حدیث:۷

عادت یہ ہے کہ اس سلام کے جواب میں صرف دعاء لکھ دیتے ہیں؛ مگر میرے نزدیک اس سے جواب ادا نہیں ہوتا؛ اس لئے سلام اور دعاء دونوں لکھتا ہوں۔

☆ اور فرماتے ہیں کہ: سلام کے وقت جو اکثر لوگوں کی عادت ہاتھ اٹھانے کی ہے اس کا ترک کرنا میرے نزدیک ضروری ہے؛ کیوں کہ سلام کے ادا ہونے میں تو ہاتھ اٹھانے کو کوئی دخل نہیں، بس ہاتھ اٹھانا محض تعظیم کیلئے ہے اور غالباً اس کی اصل یہ ہے کہ بعض سلاطین نے اپنے سلام کیلئے سجدہ تجویز کیا تھا، چند روز تک وہ سجدہ اپنی اصلی ہیئت پر رہا، پھر چونکہ ہر وقت زمین پر جھکنے میں ایک گونہ تکلف تھا، اس لئے کف دست (یعنی ہاتھ کی ہتھیلی) کو زمین کے قائم مقام کر کے اس پر پیشانی رکھنا اور کچھ جھکنا شروع کر دیا، چنانچہ یہ رسم آج تک اسی ہیئت سے باقی ہے جو ناپسندیدہ ہے۔

البتہ اگر مخاطب دور ہو کہ وہاں تک سلام کی آواز پہنچنا مشکوک ہو تو اعلام (اطلاع) کیلئے ہاتھ سے اشارہ کر دینا جائز ہے؛ لیکن پیشانی ہاتھ پر لگانے کی کوئی وجہ نہیں۔ (۱)

---

(۱) اسلامی تہذیب: ۵۹

مصافحہ کے آداب

☆ ملاقات کے وقت محبت مسرت اور جذبۂ اکرام واحترام کے اظہار کا ذریعہ سلام کے علاوہ اس سے بالاتر مصافحہ بھی ہے جو عموماً سلام کے ساتھ اور اس کے بعد ہوتا ہے، اور اس سے سلام کے ان مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "من تمام التحيّة الأخذ باليد" (۱) سلام کا تکملہ مصافحہ ہے۔

☆ مصافحہ نہایت اجر وثواب کا باعث اور اس کی برکتیں بے انتہا ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اذا التقى المسلمان فتصافحا وحمدا الله واستغفراه غُفر لهما" (۲)

جب دو مسلمانوں کی ملاقات ہو، اور وہ مصافحہ کریں اور اس کے ساتھ اللہ کی حمد اور اپنے لئے مغفرت طلب کریں تو ان کی مغفرت ہو جائے گی۔

حضرت عطا خراسانی تابعیؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم باہم مصافحہ کیا کرو، اس سے کینہ کی صفائی ہوتی ہے اور آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے تم میں باہم محبت پیدا ہوگی اور دلوں سے دشمنی دور ہوگی" "تصافحوا يذهب الغلّ" (۳)

---

(۱) ترمذی: المصافحة، حديث: ۲۷۳۰، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے، علامہ حجر نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے: فتح الباری: ۵۶/۱۱

(۲) ابوداؤد: باب في المصافحة، حديث: ۵۲۱۱، منذری کہتے ہیں کہ: حافظ نے کہا ہے کہ: اس روایت میں ابوبلج ہے جن کو یحییٰ بن ابی الاسود کہتے ہیں، ان کے سلسلے میں کلام آئے گا، اور اگر یہ نام الاَبلج ہے تو ان کا نام سعد بن عبداللہ ابوحجیۃ الکندی ہے اور اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے: الترغيب والترهيب: كتاب الأدب وغيره، حديث: ٤١١١

(۳) موطا مالك: باب ما جاء في المهاجرة، حديث: ۳۳٦۸، علامہ سخاوی کہتے ہیں کہ: یہ حدیث جید ہے: المقاصد الحسنة: ۲۷۱/۱، دار الكتاب العربي

☆ خود رسول اکرم ﷺ کا معمول مصافحہ کا تھا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میری جب بھی آپ ﷺ سے ملاقات ہوتی، آپ ﷺ نے ضرور ہی مصافحہ فرمایا "ما لقيته قط الا صافحني" (۱)

اسی لئے مصافحہ کے مسنون اور مستحب ہونے پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے، امام نوویؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔(۲)

☆ البتہ غیر محرم عورت سے مصافحہ درست نہیں۔

حضرت امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں کچھ مسلمان خواتین کے ساتھ نبی علیہ السلام کی خدمت میں بیعت کیلئے حاضر ہوئی اور ہم سب نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ ﷺ کے پاس ان شرائط پر بیعت کرنے کیلئے آئے ہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، چوری نہیں کریں گی، بدکاری نہیں کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، کوئی بہتان اپنے ہاتھوں، پیروں کے درمیان نہیں گھڑیں گی، اور کسی نیکی کے کام میں آپ ﷺ کی نافرمانی نہیں کریں گی، نبی علیہ السلام نے ہمیں لقمہ دیا کہ اور حسب استطاعت اور بقدر طاقت ایسا ہی کریں گی، میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہم پر ہم سے زیادہ رحم والے ہیں، یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں بیعت کر لیجئے، نبی علیہ السلام نے فرمایا (جا میں نے تم سب کو بیعت کر لیا) میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا، "إنى لا أصافح النساء" سو عورتوں سے بھی میری وہی بات ہے جو ایک عورت سے ہے، چنانچہ نبی علیہ السلام نے ہم میں سے کسی عورت سے مصافحہ نہیں فرمایا۔(۳)

---

(۱) ابوداؤد: باب في المعانقة، حديث: ۵۲۱۴، علامہ حجر فرماتے ہیں کہ: اس کے رجال ثقہ ہیں سوائے اس مبہم آدمی کے: فتح الباري: باب المعانقة: ۵۹/۱۱

(۲) فتح الباري: ۵۷/۱۱

(۳) مسند احمد: ٦٨٨٠

البتہ بوڑھی عورتیں جن میں شہوت نہ ہو ان سے مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، چنانچہ آپ ﷺ کا بوڑھی عورتوں سے بیعت میں مصافحہ کرنا منقول ہے۔(۱)

☆ کافر سے مصافحہ کرنا ناپسندیدہ ہے: حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ وہ مسلمان کے یہودی اور نصرانی سے مصافحہ کو ناپسند کرتے تھے " أنه كان يكره أن يصافح المسلم اليهودي والنصراني " (۲)

☆ مصافحہ دو ہاتھ سے کرنا مسنون ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ: " علمني رسول الله التشتهد وكفي بين كفيه " رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس حال میں تشہد سکھایا کہ میری ہتھیلی آپ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی۔ یہ مصافحہ تشہد سکھلانے کیلئے نہیں کیا گیا بلکہ مصافحہ ہی کے وقت تشہد کی تعلیم دی گئی۔(۳)

امام بخاریؒ نے (باب المصافحہ) کے تحت آنے والی چار حدیثوں میں اسے سب سے پہلے نقل کیا اور اس کے بعد ایک دوسرا عنوان ہے "باب الاخذ باليدين" (دونوں ہاتھ تھامنا) اس کے ذیل میں جلیل القدر محدث اور فقیہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اور حضرت حماد بن زیدؒ کا عمل نقل کیا ہے " صافح حماد بن زيد ابن المبارك بيديه " حماد بن زید نے عبداللہ بن مبارکؒ سے دونوں ہاتھ سے مصافحہ کیا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان تابعینؒ یا تبع تابعینؒ کے عہد میں دو ہاتھ سے مصافحہ کا معمول تھا، اور ظاہر ہے کہ انہوں نے یہ طریقہ صحابہ یا تابعین سے سیکھا ہوگا۔

---

(۱) أحكام القبل والمصافحة والقيام: ۲۳

(۲) مصنف ابن ابي شيبه: باب في مصافحة غير المسلم من النصاري والمجوس، حديث: ۲۵۷۲۶، اس کی سند صحیح ہے، اس طرح کی دیگر روایتیں جو کراہت پر دلالت کرتی ہیں حضرت عطاءؒ وغیرہ سے مصنف ابن ابی شیبہ میں منقول ہیں۔

(۳) بخاري: باب الأخذ باليدين، حديث: ۵۹۱۰

اس عمل کے بعد امام بخاریؒ نے دوبارہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان فرمایا ہے اور اس کے علاوہ اس عنوان کے ذیل میں کوئی دوسری حدیث نقل نہیں کی ہے، ان کے اس طرز بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی نگاہ میں اس روایت سے نفس مصافحہ کا ثبوت ہوتا ہے، اور مصافحہ کی کیفیت اور طریقہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے کیا جائیگا۔

امام بخاریؒ نے "الادب المفرد" میں عبدالرحمٰن بن رزیم سے نقل کیا ہے کہ ہم نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری دی، ان کو سلام کیا، انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ نکالے اور فرمایا کہ: میں نے ان دونوں ہاتھوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے "بایعت بهاتین نبی الله صلی الله علیه وسلم" (۱)

بعض روایات میں مصافحہ کی کیفیت کو بتاتے ہوئے ہاتھ کو جمع کے صیغہ سے تعبیر فرمایا ہے جیسے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "لا يفرق بين أيديهما حتى يغفر لهما" کہ مصافحہ کرنے والے اپنے ہاتھوں کو الگ نہیں کرتے کہ ان کی مغفرت کر دی جاتی ہے، حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بھی اسی طرح کے الفاظ منقول ہیں، یہ تعبیر بھی دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کو ظاہر کرتی ہے؛ کیوں کہ دونوں طرف سے دونوں ہاتھ مل کر ہی جمع بن سکتے ہیں، جو عربی کے عین مطابق، تین یا اس سے زیادہ کو شامل ہوتا ہے، اگر ایک ہی ہاتھ ہو تو حدیث میں اس کیلئے "یدین" یعنی عربی قاعدہ کے مطابق "تثنیہ" کا صیغہ ہوتا نہ کہ جمع کا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ما من مسلمين التقيا أخذ أحدهما بيد صاحبه الا كان حقا على الله عزوجل ان يحضر دعائما ولا يفرق بين ايديهما حتى يغفر لهما" (۲)

جب دو مسلمان باہم ملتے ہیں اور ان میں سے ایک اپنے ساتھی کا ہاتھ تھام لیتا ہے تو

(۱) فتح الباری: باب الأخذ باليد: ۱۱:۵۸

(۲) ترمذی: باب المصافحة، حدیث: ۲۷۲۷، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کرنے کی ذمہ داری لے لیتے ہیں، اور ہاتھوں کے الگ ہونے سے پہلے ان کی مغفرت کردی جاتی ہے۔

البتہ جن روایتوں میں ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی بات آئی ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ : اذا صافحه لم ينزع يده من يده حتى يكون هو الذى ينزعها " (۱)

اور جب کسی سے مصافحہ کرتے تو اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نہ کھینچتے یہاں تک کہ دوسرا شخص اپنا ہاتھ نہ کھینچ لیتا۔

اس قسم کی روایات میں جو "ید" کا لفظ آیا ہے جو ایک ہاتھ پر دلالت کرتا ہے، لیکن اس قسم کی روایتیں ایک ہاتھ سے مصافحہ کیلئے صریح اور واضح نہیں ہیں، کیونکہ "ید" واحد بول کر بھی دونوں ہاتھ مراد لئے جاسکتے ہیں، اس لئے کہ ہر زبان میں کچھ الفاظ ایسے ہوتے ہیں ان میں واحد اور جمع دونوں کی گنجائش ہوتی ہے، موقع اور محل کے اعتبار سے ایک معنی مراد لیا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ: اس کی آنکھ بڑی ہے، اور اس سے اس کی دونوں آنکھیں مراد ہوتی ہیں اور ایسے ہی مشہور حدیث کے الفاظ ہیں جس میں "ید" واحد بول کر دونوں ہاتھ مراد لئے گئے ہیں، "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده " (۲) مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

اس حدیث میں "ید" واحد استعمال ہوا ہے، لیکن مراد صرف ایک ہاتھ نہیں، بلکہ پوری جنس "ید" یعنی دونوں ہاتھ مراد ہیں، اور ایک روایت میں "ید" واحد استعمال ہوا ہے لیکن مراد دونوں ہاتھ ہیں، "اذا استيقظ أحدكم من نومه فلا يغمسن يده فى الانـاء حتى يغسلها ثلاثا فانه لا يدرى أين باتت يده " جب تم میں سے کوئی

(۱) ابن ماجة : باب اكرام الرجل جليسه ،حديث: ٣٧١٦، کنزل العمال میں اس روایت کو حسن کہا گیا ہے۔
(۲) بخاری: باب المسلم من سلم ،حديث: ١٠

سو کر اٹھے تو ہاتھ کو تین مرتبہ دھلنے سے پہلے برتن میں نہ ڈالے، کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گذاری ہے۔(۱)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مصافحہ ایک ہاتھ سے بھی ثابت ہے اور دونوں ہاتھوں سے بھی؛ لیکن چوں کہ آج کل غیر مسلم اقوام کا طریقہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کا ہے نیز ایک ہاتھ سے مصافحہ والی روایتیں مبہم ہیں اور دو ہاتھ سے مصافحہ والی روایتیں مصافحہ کی کیفیت بیان کرنے کیلئے آئی ہیں اور زیادہ واضح ہیں؛ اس لئے دو ہاتھوں سے مصافحہ کرنا افضل ہے اور ایک ہاتھ سے جائز ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں: "والحق فيه أن مصافحته صلى الله عليه وسلم ثابتة باليد واليدين إلا أن المصافحة بيد واحدة لما كانت شعار أهل الأفرنج وجب تركه لذالك " (۲)

اس بارے میں حق یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک ہاتھ سے بھی مصافحہ کرنا ثابت ہے اور دو ہاتھ سے بھی، مگر ایک ہاتھ سے مصافحہ چوں کہ انگریزوں کا شعار ہے، اس لئے اس سے اجتناب واجب ہے۔

اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: " فبيد واحدة تجزى وباليدين اكمل "(۳) ایک ہاتھ سے بھی مصافحہ کرنا کافی ہے اور دو ہاتھوں سے زیادہ اکمل طریقہ ہے، اس لئے اس مسئلہ میں زیادہ شدت اختیار نہ کرنا چاہئے، البتہ نمازوں کے بعد مصافحہ کا اہتمام کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ عمل ہے۔(۴)

---

(۱) المعجم الاوسط: من اسمه عمرو، حديث: ۳٦۹٤، طبرانی کہتے ہیں کہ: اس روایت کو ابی الاشہب سے سوائے علی بن عاصم کے کسی نے ذکر نہیں کیا ہے۔
(۲) العرف الشذى على الترمذى: ۲/۱۰۱
(۳) أوجز المسالك: ٦/۱۹۳
(۴) أحكام القبل والمصافحة والقيام: ۲۳

☆ مصافحہ کے بعد جو ہاتھ چومنے کی رسم ہے اس کو موقوف کر دینا چاہئے؛ کیوں کہ اصل سنت تو مصافحہ ہے، ہاتھ چومنا گو جائز سہی لیکن سنت تو نہیں، ہاں اس کی بنیاد شوق ہے، اس لئے اگر شوق ہے تو مضائقہ نہیں؛ لیکن یہ وجدانی بات ہے کہ کسی وقت شوق کا غلبہ ہوتا ہے اور کسی وقت نہیں ہوتا، جب نہ ہوا تو اس وقت (بھی ہاتھ چومنا) تصنع ہے اور تصنع (بناوٹ وتکلف) اکابرِ طریقت کے نزدیک برا ہے۔

ایک صاحب نے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے پاؤں پکڑنا چاہے تو حضرت نے مزاحًا فرمایا کہ پاؤں پکڑنے کی رسم پہلوانوں کی ہے کہ وہاں پاؤں پکڑ کر دوسرے کو گراتے ہیں، اس لئے "من تشبه بقوم فهو منهم" میں داخل ہونے کی وجہ سے (یہ طریقہ) قابل ترک ہے (نیز یہ تو ہندوؤں کا طریقہ ہے؛ اس لئے بھی قابل ترک ہے۔

اس کے ممنوع ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ کسی کے سامنے اس کی تعریف مت کرو، ایک شخص نے دوسرے کی مدح کی تھی آپ ﷺ نے فرمایا: "ويلك قطعت عنق أخيك" ارے بھلے مانس تو نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی۔(۱)

☆ کن مواقع پر سلام نہیں کرنا چاہئے؟

اس سلسلہ میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس موقع پر سلام کرنے سے قلب مشوش ہو جائے (یعنی دل پریشان ہو جائے) اس موقع پر سلام نہ کرو اور اگر کسی ایسے موقع پر سلام کیا تو اس کا جواب دینا واجب نہیں۔

فقہاء نے بعض مواقع میں سلام کو مکروہ لکھا ہے (ان میں چند مواقع یہ ہیں)

۱- معصیت میں (یعنی جو شخص کسی معصیت میں مبتلا ہو) جیسے شطرنج کے کھیل وغیرہ۔

۲- نجاست میں جیسے بول وبراز میں (یعنی پیشاب پاخانہ کے وقت)۔

۳- حاجات میں جیسے کھانا کھانے یا پانی پینے میں۔

۴- طاعات جیسے نماز، تلاوت قرآن شریف وغیرہ کی مشغولی میں۔

---

(۱) اسلامی تہذیب: ۶۸

حضرت یافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جو شخص مشغول مع اللہ کو (جو طاعت و عبادات میں مشغول ہونے والے شخص کو) اپنی طرف مشغول کرے (شدید ضرورت اور مجبوری کے بغیر تو اس پر فوراً وبال پڑتا ہے؛ اس لئے جب کوئی ذکر وغیرہ میں مشغول ہو تو اس وقت سلام نہ کیا جائے۔(۱)

(۱) اسلامی تہذیب : ٦٦

معانقہ کے احکام

☆ محبت وتعلق کے اظہار کا آخری اور انتہائی ذریعہ معانقہ اور گلے لگانا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرے یہاں حضور ﷺ نے اطلاع بھیجی، میں گھر پر موجود نہیں تھا، آیا تو خبر ہوئی، اور حاضر خدمت ہوا، آپ ﷺ اپنی چارپائی پر تشریف فرما تھے، آپ ﷺ نے مجھے چمٹالیا " فالتزمني " (۱)

امام شعبیؒ تابعی سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا استقبال کیا (جب وہ حبشہ سے واپس آئے) تو آپ ﷺ سے لپٹ گئے (یعنی معانقہ فرمایا) اور دونوں آنکھوں کے بیچ میں (ان کی پیشانی کو) بوسہ دیا " فالتزمه وقبّل ما بين عينيه " (۲)

فتح خیبر کے موقع سے جب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ مارے خوشی کے بے تابانہ اٹھے اور ان کو گلے لگایا اور چوما، "فقام اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم

---

(۱) ابوداؤد: باب في المعانقة، حديث: ۵۲۱۴، علامہ حجر فرماتے ہیں کہ: اس کے رجال ثقہ ہیں سوائے اس مبہم آدمی کے: فتح الباری: باب المعانقة: ۵۹/۱۱

(۲) ابوداؤد: باب في قبلة ما بين العينين، حديث: ۵۲۲۰، ابن الملقن فرماتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس روایت کے مرسل ہونے کے ساتھ اس میں اجلح الکندی ہیں یہ صدوق شیعہ ہیں اور ان کی کبھی توثیق بھی کی گئی ہے، اور ابونعیم نے اس کو بغیر اجلح کے متصلاً ذکر کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: عن عامر الشعبي، عن عبد الله بن جعفر عن أبيه جعفر قال: لما قدمت المدينة من عند النجاشي تلقاني رسول الله فاعتنقني ثم قال: ما أدرأنا بفتح خيبر أفرح أم بقدوم جعفر " پھر اس کے بعد اسی واقعہ اور اسی کے معنی کے مثل چار روایتیں اور ذکر کی ہیں اور ہر ایک کی سند پر بحث کی ہے، دیکھئے: البدر المنير: الحديث الثاني بعد العشرين: ۵۲/۹، دار الهجرة للنشر والتوزيع، الرياض

عریانا یجرّ ثوبہ، واللہ ما رأیتہ عریانا قبلہ ولا بعدہ فاعتنقہ وقبّلہ"(۱)
اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک قابل لحاظ مدت کے بعد ملاقات ہو تو اظہارِ محبت کیلئے معانقہ بھی کیا جاسکتا ہے، معانقہ محض گلے لگانے کا نام ہے، ہمارے یہاں تین بار جو معانقہ کا رواج ہے وہ صحیح نہیں۔

تقبیل اور بوسہ لینا

☆ بعض اوقات ملاقات کے وقت پاکیزہ جذبات کے اظہار کیلئے جوشِ محبت میں بوسہ لیتا ہے، اس طرح کا عمل بعض اوقات حضور ﷺ سے بھی ثابت ہے، فقہاء کرام نے احادیث اور شریعت کے اصول کو پیشِ نظر رکھ کر اس سلسلے میں یہ احکام مقرر کئے ہیں، بڑوں کے بوسہ کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ غیر محرم مرد و عورت کیلئے تو ایک دوسرے کا بوسہ لینا جائز ہے ہی نہیں، ایک مرد کا دوسرے مرد کا بوسہ لینا یا ایک عورت کا دوسری عورت کا بوسہ لینا عام حالات میں تو درست نہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ: ایک دوست اپنے دوست یا بھائی سے ملاقات کرے تو کیا اس کی اجازت ہے کہ اس سے لپٹ جائیں اور اُسے گلے لگائیں اور اس کو چومیں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، پھر پوچھا گیا: کیا اس سے چمٹے اور بوسہ لے، تو آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا، پھر ہاتھ پکڑنے اور مصافحہ کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس کی اجازت دی "قال لا قال أفیلتزمہ ویقبلہ ؟ قال لا قال أفیأخذ بیدہ ویصافحہ؟ قال نعم" (۲)
البتہ جہاں شہوت کا اندیشہ نہ ہو وہاں گنجائش ہے، ایک دفعہ باہر سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مدینہ منورہ واپسی پر فرطِ مسرت میں آپ ﷺ نے ان سے معانقہ کیا اور بوسہ دیا "فاعتنقتہ وقبلہ" (۳)

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء فی المعانقة والقُبلة، حدیث: ۲۷۳۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔
(۲) ترمذی: باب المعانقة والقبلة، حدیث: ۲۷۲۸، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔
(۳) ترمذی: باب المعانقة والقبلة، حدیث: ۲۷۳۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

اسی طرح وفدِ عبدالقیس آپ ﷺ کی خدمت حاضر ہوا تو شرکاءِ وفد نے آپ ﷺ کے دستِ مبارک کا بوسہ لیا" فتقبل يد النبی صلی الله علیه وسلم ورجله" (۱)

☆ علامہ حصکفیؒ در مختار میں فرماتے ہیں کہ:"ولا بأس بتقبيل يد الرجل العالم والمتورع على سبيل التبرك ، وأنّه لا بأس بتقبيل يد الحاكم والمتدين وتقبيل رأسه أى العالم أجود ،ولا رخصة فى تقبيل اليد لغيرهما وفى المحيط: ان لتعظيم اسلامه واكرامه جاز، وانّ لنيل الدنيا كره"

عالم اور متقی شخص کے ہاتھ کو بطورِ تبرک کے چومنے میں کوئی حرج نہیں ، اور اسی طرح دیندار اور عادل حاکم کے ہاتھ کو بوسہ لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ، اور عالم کے سر کا بوسہ لینا بہتر ہے ، اور ان دونوں کے علاوہ کے ہاتھ کو چومنے کی اجازت نہیں یعنی غیر عالم اور غیر عادل کے ہاتھ اور محیط میں ہے کہ یہ اسلام کی تعظیم واکرام میں تو جائز ہے اور دنیا کے حصول کیلئے ناجائز ہے۔(۲)

اس تعظیمی بوسہ کی مشروعیت پر یہ آثار دلالت کرتے ہیں کہ ابو حیان النصر کہتے ہیں کہ مجھ سے واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے یزید بن اسود کا پتہ دے ، مجھے ان کے بیمار ہونے کے بعد سے ان کا کچھ پتہ نہیں چلا ، جب یہ ان کے پاس گئے تو یزید بن اسود کو واثلہ رضی اللہ عنہ کی آمد کی اطلاع دی گئی ، راوی کہتے ہیں کہ: یزید واثلہ رضی اللہ کا ہاتھ تلاش کرنے لگے ، اور اس کو الٹ پلٹ کرنے لگے ، کبھی اس کو اپنے سینے سے لگانے لگے ، کبھی چہرے پر رکھنے لگے اور کبھی منہ پر ، ان کی چاہت یہ تھی ان کا ہاتھ وہاں پڑے جہاں واثلہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ حضور اکرم ﷺ کا ہاتھ پڑا ہو " وإنما أراد أن يضع يده موضع يد واثلة من رسول الله ﷺ " (۳)

---

(۱) ابو داؤد: باب قبلة الرجل ،حديث: ۵۲۲۵ ، علامہ حجر نے اس روایت کو جید کہا ہے: فتح البارى باب الأخذ باليد : ۱۱/ ۵۷

(۲) درمختار مع الشامى : ۹/ ۵۵۰

(۳) أحكام القبل والمصافحة والقيام : ۲۳ ، یہ خبر صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ابو العالیہ ؒ کو سیب دیا تو اس کو اپنے ہاتھ میں لے کر چھونے لگے اس کا بوسہ لینے لگے، اور اس کو چہرے سے لگانے لگے اور فرمانے لگے: "تفاحة مست كفا مس كف النبي صلى الله عليه وسلم" یہ وہ سیب ہے جس نے اس ہاتھ کو مس کیا ہے جو نبی کریم ﷺ کا ہاتھ ہے۔(۱)

اس طرح کے تعظیمی وتکریمی بوسہ کے سلسلے میں کئی تابعین کے آثار مذکورہ کتاب میں درج ہیں۔

☆ میت کا احتراماً بوسہ لیا جا سکتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے وصال کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آئے اور سیدھے نبی ﷺ کی طرف بڑھے، نبی ﷺ کا چہرہ مبارک ایک یمنی دھاری دار چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا، انہوں نے نبی ﷺ کے چہرے سے چادر ہٹائی اور جھک کر بوسہ دیا اور رونے لگے، "ثم أكب عليه، فقبله وبكى" پھر فرمایا آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اللہ آپ ﷺ پر دو موتیں کبھی جمع نہیں کرے گا اور جو موت آپ ﷺ کے لئے لکھی گئی تھی، وہ آپ ﷺ کو آگئی۔(۲)

☆ آدمی کا اپنی بچی کے رخسار پر بوسہ لینا بھی درست ہے۔

جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آتیں تو آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے ان کا بوسہ لیتے اور اپنی جگہ پر بیٹھاتے "قام إليها فقبلها" اسی طرح جب حضور ﷺ بھی ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ بھی اپنی جگہ کھڑی ہو جاتی آپ ﷺ کا بوسہ لیتیں اور آپ ﷺ کو اپنی جگہ بٹھاتیں۔(۳)

البتہ کسی عالم یا زاہد سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ اپنے پیروں کو بوسہ لینے دے اور وہ اپنے پیروں کا بوسہ لینے کی اجازت دے تو یہ ناجائز ہے "طلب من عالم أو زاهد أن يدفع اليه

(۱) أحكام القبل والمصافحة والقيام: ۲۳
(۲) مسند احمد، حديث: ۴۸۳۲
(۳) ترمذی: باب فضل عائشةؓ، حديث: ۳۸۷۲

قدمه ويمكنه من قدمه ليقبله أجابه وقيل لا يرخص فيه" (۱)

ایسے ہی بعض لوگ جو علماء اور عظماء کے سامنے زمین کا بوسہ لیتے ہیں یہ سب حرام ہے
" وكذا ما يفعلون من تقبيل الأرض بين يدى العلماء والعظماء فحرام، والفاعل والراضى به آثمان ، لأنّه يشبه عبادة الأصنام" (۲)

کسی کیلئے احتراماً اور تعظیماً کھڑے ہونا

☆ شخصیات کے احترام میں بہت مبالغہ اسلام میں پسند نہیں، اسی بناء پر آپ ﷺ نے تعظیماً کھڑے ہونے کو پسند نہیں فرمایا۔

ایک بار آپ ﷺ تشریف لائے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کھڑے ہوگئے تو فرمایا کہ: یہ عجمیوں کا طریقہ ہے، اس طرح کھڑے نہ ہوا کرو " لا تقوموا كما تقوم الأعاجم ، يعظم بعضها بعضا " (۳)

لیکن اس کو ایک مستقل رسم اور رواج بنائے بغیر کبھی جوشِ محبت میں کھڑا ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب تشریف لاتیں تو آپ ﷺ ان کیلئے کھڑے ہوتے ، یہی عمل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا آپ ﷺ کے ساتھ تھا "من فاطمة كرم الله وجهها كانت اذا دخلت عليه قام اليها فأخذ بيدها وقبلها وأجلسها فى مجلسه وكان اذا دخل عليها قامت اليه فأخذت بيده فقبلته وأجلسته فى مجلسها " (۴)

---

(۱) درمختار مع الشامی : ۹/ ۵۵۰
(۲) درمختار مع الشامی : ۹/ ۵۵۰
(۳) ابوداؤد: باب فى قيام الرجل للرجل، حديث: ۵۲۳۰ منذری کہتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے: الترغيب كتاب الأدب وغيره، حديث: ۴۱۰۹
(۴) ابوداؤد: باب فى القيام، حديث: ۵۲۱۷، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن غریب ہے: ترمذی: باب فضل فاطمة بنت محمد صلى الله عليه وسلم، حديث: ۳۸۷۲

غزوۂ بنو قریظہ کے موقع سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بحیثیتِ حکم تشریف لائے تو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کھڑے ہونے کو کہا: "قوموا الٰی سیّد کم" (۱)

لیکن کسی کے اندر اس خواہش کا پیدا ہو جانا کہ لوگ اس کیلئے کھڑے ہوں اور لوگ کھڑے نہ ہوں تو وہ اس کا برا مانے تو یہ سخت مذموم اور ناپسندیدہ عمل ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ایسا شخص جہنم کو اپنا ٹھکانہ بنا رہا ہے "من سرّہ أن یتمثّل له الرجال قیاما فلیتبوّأ مقعده من النار" (۲)

ابن عبد البرؒ کہتے ہیں کہ "جائز للرجل أن یکرم القاصد الیه اذا کان کریم قوم أو عالمهم أو من یستحق البر منهم بالقیام الیه، وغیر جائز للرئیس وغیره" اگر کوئی قوم کا شریف آدمی یا کوئی عالم یا جو کوئی جو ان کی جانب سے حسن سلوک کا مستحق ہے تو اس کے آنے پر کھڑا ہونا جائز ہے، کسی مالدار و رئیس کیلئے کھڑا ہونا جائز نہیں۔ (۳)

امام بیہقیؒ نے باب قائم کیا ہے "باب القیام لأهل العلم علی وجه الاکرام" پھر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا حضرت کعب رضی اللہ عنہ کیلئے کھڑے ہونے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا بھی ذکر کیا ہے کہ "قوموا الٰی سیّد کم" (۴)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ قیامِ تعظیمی کے متعلق فرماتے ہیں کہ: کثرت سے علماء اسی طرف گئے ہیں کہ تعظیماً کھڑا ہونا جائز ہے جس کے جواز کی دلیل یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو حضرت فاطمہ کھڑی ہوتیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جاتے، گو اس کا جواب بھی یہ ہو سکتا ہے

---

(۱) صحیح بخاری : باب مرجع النبی، حدیث: ۳۸۹۵

(۲) ترمذی: باب ما جاء فی کراهیة قیام الرجل للرجل، حدیث: ۲۷۵۵، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے: الترغیب : کتاب الأدب وغیره، حدیث: ٤١٠٨

(۳) الاداب الشرعیة :فصل فی القیام للقادم، حدیث: ۱/٤١٢

(۴) بخاری: باب إذا نزل العدو، حدیث: ۲۸۷۸

کہ یہ قیام تعظیم نہ تھا، جوش محبت سے تھا، بہر حال مسئلہ اجتہادی ہے؛ لیکن یہ تو یقینی بات ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنے لئے پسند نہ فرماتے تھے، اگر وہ ناپسندیدگی شرعی نہ ہو تو طبعی تو ضرور تھی جس سے بے تکلفی کا پسند ہونا معلوم ہوتا ہے، باقی یہ کہ حضور ﷺ اپنے لئے پسند نہ فرماتے تھے اس کی وجہ تواضع اور سادگی اور بے تکلفی تھی؛ چنانچہ مرقاۃ میں مصرح ہے۔(۱)

قیامِ تعظیمی کے جواز اور عدم جواز کا مسئلہ

۱- قیام کی چند قسمیں ہیں ایک محبت کا، وہ ایسے شخص کیلئے جائز ہے جس سے محبت کرنا جائز ہے۔

۲- دوسری قسم قیام تعظیمی ہے اس میں تعظیم دل سے ہے تو وہ شخص اس تعظیم کے قابل ہونا چاہئے ورنہ اگر تعظیم کے قابل نہیں مثلاً کافر تو اس قسم کی (یعنی دل کی تعظیم کے ساتھ) جائز نہیں۔

۳- اور اگر تعظیم صرف ظاہر میں ہے اور وہ کسی مصلحت سے ہے مثلاً یہ خیال ہے کہ اگر تعظیم نہ کریں گے تو یہ شخص دشمن ہو جائے گا یا یہ کہ خود اس کی دل شکنی ہوگی یا اس شخص کی ہدایت پر آنے کی امید ہے یا اس شخص کا محکوم ونوکر ہے یا ایسی ہی اور کوئی مصلحت ہے تو جائز ہے۔

۴- اور اگر نہ وہ قابل تعظیم ہے نہ کوئی مصلحت وضرورت ہے تو ممنوع ہے۔

احادیث میں جو اس کی ممانعت آئی ہے وہ اس صورت میں ہے کہ ایک شخص بیٹھا رہے اور سب کھڑے رہیں، اعاجم میں یہی عادت ہے جو ممنوع اور حرام ہے۔(۲)

---

(۱) امداد الفتاوی

(۲) امداد الفتاوی، اسلامی تہذیب: ۶۱

چھینکنے کے آداب

☆ چھینکنے میں آواز کو پست کرے:
آپ ﷺ کا چھینکنے کا معمولِ مبارک یہ تھا کہ آپ چھینکنے میں آواز کو پست فرماتے
"وخفض وغضّ بها صوته" (۱)

☆ چھینکتے وقت منہ پر اپنا ہاتھ یا کپڑا وغیرہ رکھ لیا کرے:
پھر اس آپ ﷺ چھینکتے وقت منہ پر اپنا دستِ مبارک یا کپڑا وغیرہ رکھ لیا کرتے
"اذا عطس وضع يده أو ثوبه على فيه" (۲)

چھینکتے وقت منہ پر ہاتھ یا کپڑا رکھنے کی مصلحت یہ بھی ہے کہ تھوک وغیرہ کے ریزے نکل کر سامنے بیٹھنے والوں پر نہ گریں جس سے ان کو تکلیف ہو "لئلّا يبدوا من فيه أو أنفه ما يوذی جليسه" (۳)

☆ چھینکنے والا "الحمد لله" کہے اس کے جواب میں سننے والا "یرحمك الله" کہے اس کے جواب میں چھینکنے والا "یھدیکم الله ویصلح بالکم" کہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی چھینکے تو

---

(۱) ترمذی: خفض الصوت وتخمير الوجه عند العطاس، حديث: ۲۷۴۵، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) ابو داؤد: باب في العطاس، حديث: ۵۰۲۹، امام نووی نے کہا ہے کہ: اس کو امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے اور انہوں نے اس روایت کو ابو داؤد کی سند سے نقل کیا ہے اور یہ الفاظ مختلف ہیں "وغطى وجهه": الأذكار للنووی: ۱/۲۳۲

(۳) عمدة القاری: باب إذا عطس كيف يشمت؟ ۲۲/۲۲۷، دار إحياء التراث العربی بيروت

"الحمد لله" کہے، اس کے جلیس اور اس کے ساتھی "یرحمك الله" کہیں تو وہ "یهدیکم الله ویصلح بالکم" کہے۔(۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جب کسی چھینک کا جواب دیتے تو کہتے "عافانا الله وایاکم من النار یرحمکم الله" (۲)

☆ جو شخص چھینک کر "الحمد لله" کہے تو اس کا جواب دے ورنہ نہ دے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: آپ ﷺ کے پاس موجود اشخاص نے چھینکا تو آپ ﷺ نے ایک کا جواب دیا اور دوسرے کا نہیں دیا، آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ: آپ ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "انّ هذا حمد الله وانّ هذا لم یحمد الله" اس نے "الحمد لله" کہا اور اس نے نہیں کہا۔(۳)

☆ تین بار چھینک کا جواب دے، اس کے بعد بھی چھینک آئے تو یہ زکام ہے، اس کا جواب دینا واجب نہیں، چاہے تو جواب دے اور چاہے تو نہ دے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے بھائی کے چھینک کا جواب تین بار دو "فما زاد ذلك فهو زکام" اس سے زائد زکام ہے۔(۴)

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ: تم چھینکنے والے کا تین بار جواب دو، پھر اس کا جواب دینا چاہو تو دو ورنہ رک جاؤ "فان شئت أن تشمته فشمته وان شئت فکف"(۵)

(۱) بخاری: باب اذا عطس کیف یشمت، حدیث: ۵۸۷۰

(۲) الأدب المفرد: باب کیف تشمیت العاطس مع سمع العطس، حدیث: ۹۲۹، علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ: اس کو امام بخاری نے الادب المفرد میں ابی جمرۃ سے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(۳) بخاری: باب الحمد والعطس، حدیث: ۵۸٦۷

(۴) ابوداؤد: باب کم مرّة یشمت العاطس، حدیث: ۵۰۳٤، علامہ عراقی نے کہا ہے کہ اس کی سند جید ہے: المغنی عن حمل الأسفار، حدیث: الاخبار الواردة فی حقوق: ۱/۵۱۱، مکتبة الطبریة الریاض

(۵) ابوداؤد: باب ما جاء فی التثاؤب، حدیث: ۵۰۳٦، امام ترمذی نے اس روایت کو ضعیف اور اس کی سند کو مجہول قرار دیا ہے۔

جمائی لینے کے آداب

☆ جب کسی شخص کو جمائی آئے تو وہ حتی الوسع اس کو دفع کرنے کی کوشش کرے، کیونکہ یہ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل چھینک کو پسند کرتا ہے، اور جمائی کو پسند نہیں کرتا، جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو حتی الامکان اس کو دفع کرے "ھا، ھا" نہ کہے، کیونکہ یہ شیطان کی جانب سے ہوتا ہے وہ اس پر ہنستا ہے " فان ذلکم من الشیطان یضحك منه " چہرے کی ہیئت وصورت کا بگڑنا، سستی کا پیدا ہونا، منہ سے بدبو کے نکلنے کی وجہ سے اس کو خوشی ہوتی ہے۔ (۱)

☆ جمائی کو دفع کرنے کیلئے منہ پر ہاتھ رکھے یا ہونٹوں کو بند کرلے:

جب چھینک آئے تو منہ پر ہاتھ رکھنے کو کہا گیا ہے تو بدرجۂ اولی جمائی میں منہ پر ہاتھ رکھنا افضل ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے، کیونکہ اس میں شیطان چلا جاتا ہے " فلیُمسك علی فیه فانّ الشیطان یدخل " (۲)

☆ جمائی لیتے وقت "ھا، ھا" کی آواز نہ نکالے، کیونکہ شیطان اس کے پیٹ میں داخل ہو کر ہنستا ہے۔

(۱) ترمذی: ان اللہ یحب العطاس ویکرہ، حدیث: ۲۷۴۷، امام ترمذی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔
(۲) مسلم: باب تشمیت العاطس وکراھة التثاءب، حدیث: ۷۶۸٤

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چھینک اللہ عزوجل کی جانب سے ہوتی ہے اور جمائی شیطان کی جانب سے، جب تم میں سے کوئی شخص جمائی لے تو اپنے چہرے پر اپنا ہاتھ رکھ لے اور جب وہ "آہ آہ" کہتا ہے تو شیطان اس کے پیٹ میں جا کر ہنسنے لگتا ہے " فانّ الشیطان یضحک من جوفه " (۱)

انبیاء علیہم السلام کو کبھی جمائی نہیں آتی، علامہ شامیؒ نے جمائی کو دفع کرنے کا مجرب نسخہ یہ بتایا ہے کہ جس کسی کو جمائی آئے تو دل میں یہ خیال لائے "کہ انبیاء علیہم السلام جیسی پاکیزہ اور مقدس ہستیوں کو جمائی نہیں آئی" تو انشاء اللہ جمائی نہیں آئے گی " والانبیـاء محفوظون عنه ان أخطار ذلك بباله مجرب فی دفع التثاؤب " (۲)

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء ان اللّٰہ یحبّ العطاس، حدیث: ۲۷٤٦، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

(۲) رد المحتار علی الدر المختار: فرع لا باس یتکلم المصلی: ٤١٤٦، دار الفکر، بیروت

عہد اور وعدہ کی پاسداری کے احکام

☆ عہد اور وعدہ کی پاسداری یہ مومن کا شیوہ ہے، یعنی مومن جو بھی عہد اور وعدہ کرتا ہے تو اس کا پورا پورا پاس ولحاظ کرتا ہے، اس کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں وعدہ اور عہد کی پاسداری اور لحاظ کو مومن کی صفات میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا: " وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ (۱) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی امانتوں کا لحاظ کرتے ہیں اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں۔

☆ قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر ایفائے عہد کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے:

ارشادِ باری عزوجل ہے " وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا " (۲) یعنی جو عہد کرو اس کو پورا کرو، کیونکہ اس عہد کے بارے میں آخرت میں تم سے سوال ہوگا (کہ تم نے فلاں سے عہد کیا تھا اسے پورا کیا یا نہیں؟)۔

اور ایک جگہ عہد کی پاسداری اور وعدہ وفائی کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ " (۳) اے ایمان والو! تم آپس میں کسی کے ساتھ عہد و پیمان باندھ لو تو اس کو پورا کرو۔

خود اللہ تعالیٰ نے اپنی اس صفت کا تذکرہ بار بار فرمایا ہے " وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ " (۴) اللہ عزوجل وعدہ خلافی نہیں کرتے۔

---

(۱) المؤمنون: ۸
(۲) بنی اسرائیل: ۳۴
(۳) المائدة: ۱
(۴) الحج: ٦١

☆ وعدہ کی خلاف ورزی اور عہد شکنی یہ کافر کا شیوہ بتلایا گیا ہے اور اسے منافقین کی صفات میں شمار کیا گیا۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے " اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا " (۱) منافق کی چار علامتیں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ کی خلاف ورزی کرے اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

اور ایک جگہ فرمایا: " اَلْعِدَةُ دَيْنٌ " (۲) وعدہ قرض ہے۔

اس کیلئے تباہی ہو، جو وعدہ کرے پھر خلاف ورزی کرے، پھر اس کیلئے تباہی ہو جو وعدہ کرے پھر خلاف ورزی کرے، پھر اس کیلئے تباہی ہو، جو وعدہ کرے پھر خلاف ورزی کرے، پھر یہی فرمایا: (جس طرح قرض کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے، وعدہ بھی مثل قرض کے ہے، جس کی ادائیگی کا اسی کے مثل اہتمام ہو)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا چار چیزیں جس میں ہوں گی وہ منافق ہوگا، یا ان میں چار میں سے ایک نفاق کی علامت ہوگی، یہاں تک وہ اس کو ترک کردے، جب بولے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، " وَ اِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ " اور جب عہد کرے تو عہد شکنی کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ کرے۔ (۳)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ وعدہ وفائی کی شرعی حیثیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے " كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ " (۴) اللہ کے یہاں یہ بڑی ناراضگی کی چیز ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کر نہ سکو۔

---

(۱) بخاری: باب علامة المنافق، حدیث: ۳٤

(۲) علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے اوسط اور صغیر میں روایت کیا ہے اور اس میں حمزہ داود ہیں جن کو دار قطنی نے ضعیف کہا ہے: مجمع الزوائد: باب ما جاء فی العدة، حدیث: ٦٨٣٣

(۳) بخاری: باب علامة المنافق، حدیث: ۳٤

(۴) الصف: ۳

اسی طرح منافقین کی نشانیوں اور علامات والی حدیث سے وعدہ کی تکمیل کا وجوب معلوم ہوتا ہے، اس کو اس شدید وعید کے باوجود مکروہِ تنزیہی پر محمول کرنا کیسے درست ہوگا؟ پھر فرماتے ہیں: کیا ایسا نہیں کیا جا سکتا کہ وعدہ خلافی اور عہد شکنی کو تو حرام قرار دیں اور وعدہ وفائی کو واجب نہ قرار دیں؟ یعنی وعدہ خلافی پر تو اسے گنہ گار قرار دیں، گرچہ وعدہ کی تکمیل واجب اور ضروری نہ ہو "یَأْثَمُ بِالْإِخْلَافِ وَإِنْ كَانَ لَا يُلْزَمُ وَفَاءُ ذٰلِكَ" (۱)

☆ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ خود حضور اکرم ﷺ نے بھی عہد اور وعدہ کا پاس ولحاظ اس طرح کیا کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے فلاں جگہ آنے کا وعدہ کیا اور وہ شخص بھول گئے، پھر وہ تیسرے دن آئے تو آپ ﷺ وہیں تشریف فرما تھے۔

عبداللہ بن ابی الحمساء کہتے ہیں کہ: میں نے حضور ﷺ سے بیعت کی اور آپ ﷺ سے فلاں جگہ آنے کا وعدہ کیا، میں اس دن اور اس کے دوسرے دن بالکل بھول گیا، تیسرے دن یاد آیا تو آپ ﷺ اسی جگہ موجود تھے، پھر فرمایا: بیٹے تم نے مجھے تکلیف دی، میں تمہارا یہاں تین دن سے انتظار کر رہا ہوں "يَا بُنَيَّ قَدْ شَقَقْتَ عَلَيَّ أَنَا هٰهُنَا مُنْذُ ثَلَاثِ يومٍ أَنْتَظِرُكَ" (۲)

وعدہ کی پابندی اور ایفاء عہد کا یہی سبق آپ ﷺ سے آپ ﷺ کے رفقاء نے پڑھا اور اپنی عملی زندگی میں اسے برت کر دکھایا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو فرمایا کہ: قریش کے ایک شخص نے میری بیٹی کیلئے نکاح کا پیغام دیا تھا، اور میں نے اس سے کچھ بات کہی تھی جو وعدہ سے ملتی جلتی ہے، تو میں ایک تہائی یعنی نفاق کی تین علامتوں میں سے ایک علامت کے ساتھ اللہ سے ملنا نہیں چاہتا، اس لئے میں تم لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اس سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ (۳)

---

(۱) فتح الباري: باب من أمر بانجاز والوعد: ۵/۲۹۰

(۲) ابوداؤد: كتاب الأدب، باب في العدة، حديث: ۴۹۹۶

(۳) احياء العلوم: ۳/۱۳۲

☆ بچے سے بھی کسی چیز کے دینے کا وعدہ کر کے مکر نہ جائے اس سے اس کے ذہن پر خراب اثرات پڑیں گے۔

عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ایک دن میری ماں نے مجھے بلایا اور رسولِ اکرم ﷺ میرے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے، ماں نے کہا: تو میرے پاس آ میں تجھے کچھ دوں گی، (یہ سن کر) میری ماں سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اس کو کیا دینا چاہتی تھیں؟ تو میری ماں نے کہا: میں اس کو کھجور دینا چاہتی تھی، تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: " أما انك لو لم تعطيه شيئا كتبت عليك كذبة " سن لو اگر تم اس کو کچھ نہ دیتیں تو تمہارے حق میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔(۱)

☆ کافروں سے کیا ہوا وعدہ بھی پورا کیا جائے:

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ مشہور صحابی اور حضور ﷺ کے راز دار ہیں، جب یہ اور ان کے والد مسلمان ہوئے، یہ دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں مدینہ جا رہے تھے، درمیانِ راہ ابو جہل اور اس کے لشکر سے ملاقات ہوئی، ابو جہل غزوۂ بدر کے موقع سے اپنے لشکر کے ساتھ حضور ﷺ سے لڑنے کیلئے جا رہا تھا، ابو جہل نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا اور پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ کیا حضور ﷺ کے ساتھ جنگ میں شرکت کا ارادہ تو نہیں؟، انہوں نے کہا: صرف بغرضِ ملاقات جا رہے ہیں، ابو جہل نے کہا: اچھا ہم سے وعدہ کرو کہ وہاں جا کر جنگ میں حصہ نہیں لوگے؟ انہوں نے وعدہ کیا، جب حضور ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ سے سارا واقعہ کہہ سنایا، پھر حضور ﷺ کے ساتھ جنگ میں شرکت کی خواہش اور اپنے ابو جہل سے جنگ میں عدمِ شرکت کے وعدہ کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم وعدہ کر آئے ہو اور اسی شرط پر تم کو رہا کیا گیا ہے، اس لئے میں تم کو جنگ میں شرکت کی اجازت نہیں دے سکتا۔(۲)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ ملکِ شام میں تھے، اس لئے اس وقت کی سپر پاور طاقت روم سے ان کو ہر دم برسرِ پیکار ہونا پڑتا تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے جنگ بندی کا معاہدہ کیا

(۱) ابوداؤد: باب في التشديد في الكذب، حديث: ٤٩٩١، البانی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔
(۲) الاصابة: ٣١٦/١

اور فلاں مدت تک جنگ سے رک جانے کا عہد کیا تھا، ابھی جنگ بندی کی مدت ختم نہیں ہوئی تھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال آیا کہ جنگ بندی کی مدت تو درست ہے، لیکن اس مدت کے اندر اپنی فوجیں رومیوں کی سرحد پر لے جا ڈال دو، تاکہ جس وقت جنگ بندی کی مدت ختم ہو، اس وقت فوراً حملہ کردیں، چنانچہ اپنی فوجیں سرحد پر ڈال دیں اور جیسے ہی جنگ بندی کے معاہدہ کی آخری تاریخ کا سورج غروب ہوا تو فوراً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لشکر کو پیش قدمی کا حکم دیا، یہ چال بڑی کامیاب ثابت ہوئی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا لشکر شہر کے شہر اور بستیاں فتح کرتا ہوا جا رہا تھا کہ اچانک پیچھے سے ایک گھوڑ سوار دوڑتا ہوا چلا آ رہا تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس کو دیکھ کر رک گئے کہ امیر المؤمنین کا کوئی پیغام ہو، اس نے آوازیں دینا شروع کی "اللہ اکبر، اللہ اکبر، قِفُوا عِبَادَ اللّٰهِ" اللہ کے بندو ٹھہر جاؤ، اللہ کے بندو ٹھہر جاؤ، جب وہ قریب آیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ انہوں نے فرمایا: "وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ، وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ" مومن کا شیوہ وفاداری کا ہے، غداری کا نہیں، عہد شکنی کا نہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں نے تو کوئی عہد شکنی نہیں کی ہے، میں نے تو اس وقت حملہ کردیا جب جنگ بندی کی مدت ختم ہوگئی تھی، حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اگرچہ جنگ بندی کی مدت ختم ہوگئی تھی، لیکن آپ نے اپنی فوجیں جنگ بندی کے دوران ہی سرحد پر ڈال دیں اور فوج کا کچھ حصہ سرحد کے اندر بھی داخل کردیا، اور یہ جنگ بندی کے معاہدے کی خلاف ورزی تھی اور میں نے اپنے کانوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے "مَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْمٍ فَلَا يَحِلَنَّهُ وَلَا يَشُدَّنَّهُ إِلَى أَنْ يَّمْضِيَ أُحِلَّ لَهُ أَوْ يَنْبُذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ" (۱)

کسی شخص یا کسی قوم کے درمیان معاہدہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے عہد کو نہ توڑے اور نہ باندھے، یہاں تک کہ اس معاہدہ کی مدت گذر جائے یا وہ ان کو مطلع کر کے برابری کی بنیاد پر اپنا عہد توڑ دے۔

(۱) ترمذی: باب ما جاء في الغدر، حدیث: ۱۵۸۰، امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔

☆ لہٰذا جب بھی کسی سے کوئی وعدہ کیا جائے تو وعدہ کرنے سے پہلے سوچ لے کہ یہ وعدہ مجھ سے پورا ہوسکے گا یا نہیں اور اپنی بات کو نباہ سکوں گا یا نہیں؟ اگر وعدہ پورا کرسکتا ہو تو وعدہ کرے ورنہ معذرت کردے، جھوٹا وعدہ کرنا حرام ہے، جب وعدہ کرے تو حتی الوسع پوری طرح انجام دینے کی کوشش کرے، بہت سے لوگ ٹالنے کیلئے یا دفع الوقتی کے خیال سے وعدہ کرلیتے ہیں، پھر اس کو پورا نہیں کرتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ جھوٹا وعدہ سخت گناہ ہے اور وعدہ کرنے کے بعد خلاف ورزی بھی سخت گناہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: بہت کم ایسا ہوا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا ہو اور یہ نہ فرمایا ہو کہ: لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ " (۱) یعنی اس کا کوئی ایمان نہیں جو امانت دار نہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کا پورا نہیں ہے۔

☆ اگر آدمی کسی سے وعدہ کرے اور اس کی نیت وعدہ پورا کرنے کی ہے اور وہ اس وعدہ کو پورا نہ کرسکے تو اس کا وبال اس پر نہیں ہوگا "اذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفي فلم يف ولم يجئ للميعاد فلا اثم عليه " (۲) اگر کوئی شخص کسی سے وعدہ کرے اور اس کی نیت وعدہ وفائی کی تھی اور وہ اس وعدہ کی تکمیل نہ کرسکا اور وقت پر نہ آسکا تو اس کا گناہ اور وبال اس پر نہ ہوگا۔

---

(۱) مسند احمد: مسند انس بن مالك، حديث: ۱۲٤۰٦، محقق شعیب الارنوط فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن ہے، اس کی سند کے رجال شیخین کے رجال ہیں سوائے ابوھلال کے، ان کی روایت اصحاب سنن نے لی ہے۔

(۲) ابوداؤد: باب في العدة: حديث ٤٩٩٥، امام ترمذی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

رازداری کے احکام

راز کی باتوں کو چھپانا، خواہ یہ راز خود اپنے سے متعلق ہو یا دوسروں سے اس کا اظہار اور افشاء نہ کرنا یہ اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ عظیمہ میں سے ہے، اور راز کو پردۂ خفا میں رکھنا یہ بڑی ہمت اور مردانگی والوں کا کام ہے۔

اس لئے اثر میں ہے: اپنے ضروریات کی تکمیل میں رازداری سے مدد لو، چونکہ ہر صاحبِ وسعت کے ساتھ حسد کیا جاتا ہے "اِسْتَعِیْنُوْا عَلٰی قَضَاءِ حَوَائِجِکُمْ بِالْکِتْمَانِ فَاِنَّ کُلَّ ذِیْ نِعْمَۃٍ مَحْسُوْدٌ" (۱)

کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: جو شخص اپنے راز کو چھپائے رکھتا ہے تو وہ خود مختار ہوتا ہے (ورنہ راز کے اظہار کے بعد اس کے چھپانے میں دوسرے کا محتاج ہو جاتا ہے)" مَنْ کَتَمَ سِرَّہٗ کَانَ الْخِیَارُ بِیَدِہٖ" (۲)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ " اَلْقُلُوْبُ اَوْعِیَۃٌ، وَالشِّفَاہُ اَقْفَالُھَا، وَالْاَلْسِنَۃُ مَفَاتِیْحُھَا، فَلْیَحْفَظْ کُلُّ اِنْسَانٍ مِفْتَاحَ سِرِّہٖ" (۳) دل برتن کے مانند ہیں، ہونٹ قفل ہیں، زبان اس کی چابیاں ہیں، ہر انسان اپنے راز کی کنجی کی حفاظت کرے۔

---

(۱) مجمع الزوائد: باب کتمان الحوائج، حدیث: ۱۳۷۳۷، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی تینوں میں ذکر کیا ہے، اور اس کی سند میں سعید بن سلام العطار ہیں، عجلی کہتے ہیں: ان میں کوئی حرج نہیں، احمد وغیرہ نے ان کی تکذیب کی ہے، اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں، سوائے خالد بن معدان کہ انہوں نے معاذ سے سماعت نہیں کی۔

(۲) شعب الایمان: فصل فی ترک الغضب وفی کظم الغیظ، حدیث: ۸۳۴۵

(۳) البصائر والذخائر: ۱/ ۱۷۰، دار صادر، بیروت

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: اے بیٹے! تم امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے قریب اور خواص میں سے ہو، لہذا تم ان کی ان باتوں کی حفاظت اور نگہداشت کرنا، ان کے کسی راز کو ظاہر نہ کرنا، "لَا تُفْشِيَنَّ لَهُ سِرًّا" (۱) اور ان کے یہاں کسی کی غیبت نہ کرنا، اور ان کو تمہاری کسی جھوٹی بات کی اطلاع نہ ہو۔

حضرت اکثم بن صیفی کہتے ہیں کہ "اِنَّ سِرَّكَ مِنْ دَمِكَ فَانْظُرْ اَيْنَ تُرِيقُهٗ" (۲) تمہارا راز تمہارا خون ہے تم خود غور کر لو کہ تم اسے کہاں بہا رہے ہو؟۔

کن مواقع سے راز داری سے کام لے:

۱۔ جن معاصی اور گناہوں پر اللہ عزوجل نے پردہ ڈال رکھا ہے اس کا اظہار اور افشاء کرنا اور لوگوں کو اس کی اطلاع دینا یہ حرام ہے، اللہ عزوجل نے اس پر یہ احسان کیا تھا کہ اس کے گناہوں کو پردۂ خفا میں رکھا تھا، وہ اس کا اظہار کرتا ہوا پھر رہا ہے، چوری پھر سینہ زوری، برائی اور اس کے اعلان واظہار کے ذریعہ اس پر اپنی جرأت کو بتانا، یہ دراصل اللہ عزوجل کے ساتھ مقابلہ آرائی اور پنجہ آزمائی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے ہر فرد کی معافی ہوگی سوائے ان گناہوں کے اظہار کرنے والوں کی، گناہوں کا اظہار یہ ہے کہ آدمی رات میں کوئی (برا) عمل کرے، پھر صبح ہو کر جب کہ اللہ عزوجل اس کے اس گناہ پر اپنی رحمت اور ستاری کا پردہ ڈال رکھا تھا یوں کہتا پھرے: اے فلاں! میں نے گذشتہ رات ایسا ایسا عمل کیا ہے، اس نے رات اس حال میں بسر کی تھی؟ اللہ عزوجل اس کے گناہ کی پردہ پوشی کر رکھی تھی اور صبح اللہ عزوجل کے اس پردہ کا کشف واظہار کرنے لگا، "وَقَدْ بَاتَ يَسْتُرُهٗ رَبُّهٗ

---

(۱) المنتقى: ۱/۱۴۸، دار الفكر، بيروت

(۲) سراج الملوك: ۱/۱۰۳، من اواء المطبوعات المصرية، تاريخ النشر: ۱۲۸۹ھ

وَاَصْبَحَ يَكْشِفُ سِتْرَ رَبِّهٖ" (۱) یہ شخص لوگوں میں سے بدترین اور خبیث شخص ہے اور یہ اللہ عزوجل کے ساتھ جنگ اور گناہوں کے ذریعہ اس کا مقابلہ کرنے میں جری ہوگیا ہے۔

۲- میاں بیوی کے معاشرتی اور باہم ازدواجی باتوں اور امور کا دوسروں کے سامنے اظہار نہ کیا جائے، اللہ کے رسول ﷺ نے ایسے میاں بیوی کو بدترین، خسیس اور ذلیل ترین قرار دیا ہے، "وہ قیامت کے دن اللہ عزوجل کے یہاں بدترین شمار ہوں گے جو میاں بیوی آپس میں ازدواجی تعلق قائم کریں، پھر ان دونوں میں سے کوئی اپنے ساتھی کے راز کا اظہار دوسروں کے سامنے کرتا پھرے" اِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلُ يُفْضِيْ اِلٰى اِمْرَاَتِهٖ وَتُفْضِيْ اِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا " (۲)

۳- اسی طرح پیشہ، کاروبار اور تجارت سے متعلق جو راز ہوتے ہیں اس کا اظہار بھی درست نہیں، پیشہ سے متعلق رازوں کا اظہار یہ امانت میں خیانت کے قبیل سے ہے۔

۴- امتحانات کے پرچوں، سوالات اور اس کے نتائج کو پردۂ راز میں رکھنا بھی ضروری ہے، اس کا اظہار بھی درست نہیں، یہ بھی امانت میں خیانت ہے۔

۵- طبیب اور معالج کا بیماروں کے امراض و عیوب جن پر وہ دورانِ علاج مطلع ہوتا ہے اس کو لوگوں کو بتلانا اور امراض و عیوب کا اظہار لوگوں کے سامنے کرنا مناسب نہیں، بعض امراض و عیوب ایسے ہوتے ہیں جن کی اطلاع دوسروں کو دی جائے اس کو مریض پسند نہیں کرتا۔

☆ اسی طرح مفتی (فتویٰ دینے والے) کیلئے مستفتی (فتویٰ طلب کرنے والے) کے دریافت مسئلہ کیلئے ظاہر کردہ راز کا افشاء کرنا درست نہیں، چونکہ بعض شرعی امور قابل دریافت ایسے بھی ہوتے ہیں جس کے اظہار کو کوئی انسان لوگوں کے سامنے پسند نہیں کرتا۔

---

(۱) بخاری: باب ستر المومن علی نفسه، حدیث: ۵۷۲۱

(۲) مسلم: باب تحریم افشاء السر، حدیث: ۱۴۳۷

☆ اسی طرح مشورہ بھی امانت ہے اس کو ظاہر نہ کیا جائے، جو شخص کسی سے کسی معاملہ میں مشورہ لے تو اس معاملہ کا اظہار دوسروں کے سامنے نہ کرے جو شخص مشورہ کے سلسلے میں رازداری سے کام نہ لے سکے وہ مشورہ دینے کا اہل ہی نہیں، چونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے "المستشار مؤتمن" (۱)

☆ جس کو سکریٹری وغیرہ بنایا جائے اس کو بھی متعلقہ کام کے تعلق سے پوشیدہ اور رازداری کے امور کو ظاہر نہ کرنا چاہئے، نبی کریم ﷺ نے صحابی جلیل حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو اپنا رازدار اور منافقین کے سلسلے میں اپنا سکریٹری بنایا تھا، انہوں نے ان میں سے کسی کی نشاندہی نہیں کی، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے قسم دے کر پوچھا کہ: کیا رسول اللہ ﷺ نے ان منافقین میں میرا نام تو نہیں لیا تھا؟ تو انہوں نے کہا تھا: نہیں، اور جب ان سے یہ دریافت کیا گیا کہ میرے گورنروں میں سے کوئی ایسا شخص ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں، لیکن ان کی معرفت خبر نہیں دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی فراست اور دوراندیشی سے اس آدمی کی بذاتِ خود نشاندہی کر کے اس کو معزول کر دیا " فعزله عمر كأنما دُلّ عَلَيْهِ " (۲)

☆ اگر کسی کو اس کے اہل اور مال میں کوئی مصیبت یا آفت پہنچے تو اس کو پردۂ خفا میں رکھے، نہ اس کے اظہار کے ذریعہ کسی دوست کو غم زدہ کرے اور نہ کسی دشمن کی خوشی اور مسرت کا سامان کرے۔

☆ اسی طرح نیکوکار، متقیوں سے کبھی چوک، کوئی غلطی، یا کوتاہی ہو جائے تو لوگوں سے اس کا اظہار اور افشاء کرنا بھی حرام ہے؛ چونکہ حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے " اقیلوا ذوی الهيئات عثراتهم " (۳) لوگوں کی چوک اور بھول سے درگذر کیا کرو۔

---

(۱) ترمذی: باب ان المستشار مؤتمن، حدیث: ۲۸۲۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔
(۲) اسد الغابة: حذيفه بن اوس: ۷۰٦/۱، دار الكتب العلمية
(۳) ابوداؤد: باب في الحد يشفع، حديث: ٤٣٧٥، مجمع الزوائد: باب لا تعزير على أهل المروءة والكرام ونحوهما، حديث: ۱۰٦۹۵، علامہ ہیثمی نے فرمایا ہے کہ: اس کو طبرانی نے محمد بن عاصم بن عبداللہ بن محمد بن یزید الرفاعی سے نقل کیا ہے اور میں ان دونوں کو نہیں پہچانتا اور اس کے بقیہ رجال صحیح کے رجال ہیں۔

☆ اگر اللہ عزوجل نے کسی پر خاص انعام کیا ہے جس سے حاسدین کو حسد ہو سکتا ہے تو اس کو بھی راز میں رکھے، حضرت یعقوب علیہ السلام کی اس نصیحت اور موعظت کو ملحوظ رکھے جو انہوں حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے اظہار سے منع کیا تھا کہ وہ کہیں ان سے حسد کرنے لگیں، "قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰٓی اِخْوَتِكَ فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا" (۱)

---

(۱) یوسف: ۵

مشورہ: آداب واحکام

انسان خواہ کس قدر عقل مند کیوں نہ ہو جائے، وہ ہر وقت ہر چیز کی حقیت کا اِدراک کر لے یہ ممکن نہیں ہے، خواہ علوم وفنون میں ہر قسم کی ڈگریاں کیوں نہ حاصل کر لے، لیکن وہ ہر دم ہر چیز کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتا، اس کے علاوہ مزید انسان کے ساتھ بھول چوک، غفلت، اضطراب، بے چینی اور جذبات کی رو میں بہہ جانا، اس طرح کی بے شمار کمزوریاں انسان کے ساتھ متعلق ہیں، اسی کو اللہ عزوجل نے فرمایا: " وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا " (۱) انسان کمزور اور ناتواں پیدا کیا گیا ہے۔

اور اسی طرح ایک جگہ فرمایا: "فَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ " (۲) ہر جاننے والے سے زیادہ کوئی جاننے والا ہے۔

اس لئے اللہ عزوجل نے اسی انسانی کمزوری کے پیش نظر اپنے تمام امور میں امدادِ باہمی اور ایک دوسرے کی مدد وتعاون کا حکم کیا ہے " تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى " (۳) نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کیلئے دستِ تعاون دراز کرو

اور اللہ عزوجل نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر ان کے کاندھوں پر اپنے پیغام کے پہنچانے کی ذمہ داری ڈالی تو انہوں نے اپنے بھائی کو اس معاملے میں معاون بنانے کو فرمایا تو اللہ عزوجل نے اس کے جواب میں فرمایا: " سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ " (۴)

اس تقریر سے پتہ چلا کہ انسان اپنے امور میں راہِ صواب کو پانے کیلئے اپنے بھائی کی عقل، اس کی سمجھ بوجھ اور اس کے علم وتجربہ سے استفادہ کا محتاج ہے؛ اس لئے انسان کو اپنے امور میں اپنے بھائیوں سے مشورہ کرنا چاہئے۔

(۱) النساء: ۲۸ (۲) یوسف: ۷۶ (۳) المائدۃ: ٦ (۴) القصص: ۳۵

علامہ ابن الجوزیؒ کہتے ہیں کہ: مشورہ کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر یہ مشورہ کامیاب بھی نہ ہو تو یہ اس معاملہ کو تقدیر پر موقوف سمجھے گا اور صرف اپنی ذات کو ملامت نہیں کرے گا" اذا لم ينجح أمره علم أنّ امتناع النجاح محض قدر لم يلم نفسه " (۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: " الاستشارة عين الهداية " مشورہ عین ہدایت ہے۔(۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "شاور في أمرك من يخاف الله عزوجل" اپنے معاملات میں اللہ کا خوف کرنے والوں سے مشورہ کرو۔(۳)

قبیلۂ عبس کے ایک شخص سے کہا گیا: تم میں صائب الرائے کتنے ہیں تو اس نے کہا: ویسے تو ہم ہزار ہیں اور ہم میں سے صرف ایک شخص پختہ رائے ہے اور ہم اس سے مشورہ کرتے ہیں اور اس کی اطاعت کرتے ہیں اسطرح ہم ہزار لوگ بھی پختہ رائے ہو جاتے ہیں " فصرنا الف حزم " (۴)

عبدالملک بن مروان کہتے ہیں کہ: " لأن أخطىء وقد استشرت أحبّ الٰى من أن أصيب من غير مشورة "میں مشورہ کرنے کے بعد غلطی میں مبتلا ہو جاؤں یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں بغیر مشورہ کے درستگی کو پالوں۔(۵)

قتیبہ بن مسلم کہتے ہیں کہ: پوری جماعت کے ساتھ غلطی کا واقع ہونا یہ اتفاق سے درستگی کو پالینے سے بہتر ہے، گرچہ جماعت غلطی نہیں کرتی، اور تفرق اور انتشار سے درستگی کو پایا نہیں جاسکتا "وان كانت الجماعة لا تخطىء والتفرقة لا تصيب "(۶)

اور یہ کہا جاتا ہے کہ: جب آدمی اپنے رب کے جوار اور پناہ میں ہوتا ہے اور اپنے اصحاب سے مشورہ کرتا ہے اور اپنی رائے میں جدوجہد کرتا ہے تو اس نے اپنی تدبیر کرلی، پھر

(۱) الاداب الشرعية: فصل في معنى قوله تعالى: ۱/ ۳۲۵
(۲-۶) الاداب الشرعية : ۱/ ۳۷۷

اللہ عزوجل اس کے معاملے میں اس کی مرضی کے موافق کریں گے "ویقضی اللہ فی أمرہ ما یحب" (۱)

اس سے بڑی بات یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے اپنے واضح اور ظاہر نصوص میں مشورہ کا حکم دیا ہے: اللہ عزوجل نے صحابہ رضی اللہ عنہم کا وصف یہ بتلایا ہے کہ وہ آپسی امور مشورہ سے طے کرتے ہیں، "اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ" (۲)

اور اسلام میں مشورہ کی اہمیت وفضیلت کو واضح کرنے کیلئے ایک مستقل سورۃ کا نام ہی سورۂ "شوریٰ" رکھا گیا، اللہ عزوجل نے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ کو مقام مدح میں ذکر کر کے تمام مومنین کو اپنے امور میں مشورہ کو اپنانے کا حکم کیا۔

اس مذکورہ آیت میں اللہ عزوجل نے اسلام کے دو اہم رکن نماز اور زکوۃ کے درمیان صحابہ رضی اللہ عنہم کے آپس میں مشورہ کرنے کو ذکر کر کے اس کی اہمیت اور افادیت کو اجاگر کیا "وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّھِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ" (۳)

اس سے پتہ چلا کہ مشورہ بھی نماز اور روزے کی طرح ایک تعبدی چیز ہے۔

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں مشورہ طلب کیا ہے، اور عورتوں سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کے وقت مشورہ طلب کیا ہے، اس لئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "ما کان أکثر مشاورۃً من رسول اللہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشورہ کرنے والا کوئی شخص نہیں تھا۔ (۴)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی

---

(۱) قصص العرب: ۵۹/۱

(۲) الشوریٰ: ۳۸

(۳) الشوریٰ: ۳۸

(۴) ترمذی: المشورۃ، حدیث: ۱۷۱۴، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے، علامہ حجر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے رجال ثقات ہیں مگر یہ کہ یہ روایت منقطع ہے اور اس کی جانب امام ترمذی نے جہاد میں اشارہ کیا ہے فتح الباری: ۳۴۰/۱۳

(چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معلومات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذکاوت وذہانت، عقل اور دین وشریعت سے واقفیت بے انتہا بڑھی ہوئی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم من جانب اللہ چیدہ اور چنیدہ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امور من جانب اللہ طے ہوتے تھے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امور میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے کرنے پر مامور نہ تھے اور نہ آپ کو اس کی ضرورت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان حضرات سے مشورہ صرف اس لئے کیا کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مشورہ کرنا ایک سنت اور طریقہ ہو، اور خصوصاً حکام اور والیوں اور عموماً تمام لوگوں کیلئے یہ طریقہ اپنے امور میں خیر کی تلاش اور طلب میں راہنما اور رہبر ہو۔

ایک روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے اور اس سلسلے میں مشورہ کرے تو اسے معاملہ کی بہتری مل جاتی ہے "من أراد أمرًا فشاور فيه، وقضى، هُدي لأرشد الأمور" (۱)

اور ایک جگہ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا: "ما تشاور قومٌ الّا هدوا لأرشد أمرهم" جب کسی قوم نے مشورہ کیا ہے تو اللہ عزوجل نے ان کو بہترین راہ دکھائی ہے۔ (۲)

اور ایک موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: "ما خاب من استخار ولا ندم من استشار" ناکام نہیں ہوا وہ شخص جس نے استخارہ کیا اور نادم نہیں ہوا وہ شخص جس نے مشورہ کیا۔ (۳)

اور ایک جگہ فرمایا: "المشورة حصن من الندامة وامان من الملامة" مشورہ ندامت سے بچاؤ اور ملامت سے امن دلانے والا ہے۔ (۴)

---

(۱) شعب الایمان، الحادی والخمسون من الشعب، حدیث: ۷۵۳۸، مجمع الزوائد: باب ما جاء في المشاورة، حدیث: ۱۳۲۵۸، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا اور اس میں عمرو بن الحصین العقیلی ہیں اور یہ متروک ہیں۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبة: في المشورة من أمر بها، حدیث: ۲۶۲۷۵

(۳) مجمع الزوائد: باب ما جاء في المشاورة، حدیث: ۱۳۱۵۷، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے اوسط اور صغیر میں عبد السلام بن عبد القدوس کے طریق سے نقل کیا ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔

(۴) ادب الدین والدنیا للماوردی: ۲۷۲

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول بھی اپنے دورِ خلافت میں اہل رائے سے مشورہ لینے کا تھا۔

حضرت میمون بن مہران رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (کسی مقدمہ میں جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (کو قرآن وحدیث میں حکم نہ ملتا تو) بڑے لوگوں کو اور نیک لوگوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتے، جب ان کی رائے متفق ہو جاتی تو اس کے موافق فیصلہ فرماتے۔ (۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ کے معاملہ میں معمول کو بیان کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اہلِ مشورہ علماء ہوتے تھے، خواہ بڑی عمر کے ہوں یا جوان ہوں۔ (۲)

جب مرو کے قاضی نوح بن مریم نے اپنی لڑکی کی شادی کروانی چاہی تو ایک مجوسی شخص سے اس نے مشورہ کیا، یہ اس کا پڑوسی تھا، اس نے کہا: سبحان اللہ، لوگ آپ سے پوچھتے اور دریافت کرتے ہیں اور آپ مجھ سے پوچھتے ہیں؟ انہوں نے کہا: تم کو مشورہ دینا ہی ہوگا؟ اس نے کہا: ملک فارس کا بادشاہ کسریٰ مال پسند تھا، اور روم کا قیصر جمال پسند تھا، اور عرب کا رئیس نسب پسند تھا، اور تمہارے رئیس اور سردار حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دیندار اور دین پسند ہیں، جن کی تم اتباع کرتے ہو، انہیں کو اس وقت پیشِ نظر رکھو، " فانظر لنفسك بمن تقتدى" (۳)

☆ مشورہ فن کے ماہر سے کیا جائے مثلاً بیماری کا معاملہ ہو تو کسی ڈاکٹر سے مشورہ کیا جائے، کسی مکان کی تعمیر کا معاملہ ہو تو کسی انجینئر سے رائے لی جائے، دین کا معاملہ ہو تو علماء سے مشورہ کیا جائے، چونکہ حدیث میں ہے " المستشار مؤتمن" (۴)

جس شخص سے مشورہ کیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے اور یہ مشورہ لینا ایسا ہے جیسے دوسرے کے پاس امانت رکھوادی، ظاہر ہے کہ اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو اس کا فرض ہے

---

(۱) سنن الدارمي: مقدمة: الفتيا وما فيه من الشدة، حديث: ۱٦۱، اس کی سند قوی ہے۔

(۲) بخاري: باب خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجاهلين، حديث: ٤٦٤٢

(۳) قصص العرب: ۱/ ٥٩

(۴) ترمذي: كتاب الأدب، باب أنّ المستشار مؤتمن، حديث: ۲۸۲۲

کہ وہ اس کی حفاظت کرے اور اس میں خیانت نہ کرے، لہٰذا جس شخص سے مشورہ کیا جارہا ہے اگر اس کو اس معاملے میں بصیرت اور ادراک حاصل نہیں ہے تو اس کو صاف کہہ دینا چاہئے کہ میں اس سلسلے میں مشورہ کا اہل نہیں ہو، فلاں جو اس کا ماہر ہے اس سے مشورہ کرلو۔

☆ مُشیر امانت دار ہو، یعنی اگر آپ کے اندر اہلیت ہے تو پھر مشورہ لینے والے کی پوری خیر خواہی مدّ نظر رکھتے ہوئے اس کے مناسبِ حال جو مشورہ ذہن میں آئے دیانت داری کے ساتھ اس کے سامنے بیان کردے، یعنی مشورہ دینے میں اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ یہ مشورہ دوں گا تو شاید اس کا دل ٹوٹ جائے گا، یا یہ مجھ سے ناراض اور رنجیدہ ہو جائے گا ؛ بلکہ دیانت داری کے ساتھ وہ بات کہی جائے جو تمہارے نزدیک اس کی خیر خواہی پر مشتمل ہے، اسی کو حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا: "ولیکن أهل مشورتك أهل التقویٰ والأمانة " (۱) یعنی تمہارا مشورہ دینے والا متقی اور امانت دار ہو۔

اور امام شافعیؒ نے فرمایا: " یُشاور من جَمَعَ العلمَ والأمانة " (۲) یعنی علم اور امانت کے جامع شخص سے مشورہ کیا جائے۔

☆ مُشیر رازداری کرے، حضور ﷺ کی اس حدیث "المستشار مؤتمن "کا مطلب یہ بھی ہے کہ جو شخص تمہارے پاس مشورہ لینے آیا ہے، اس نے تمہیں ہمراز بنایا ہے، اپنے دل کی بات اس نے تم سے کہہ دی ہے، اب یہ تمہارے اور اس کے درمیان رازداری کا معاملہ ہو گیا، یہ راز تمہارے یہاں اس کی امانت ہے جس کو پردۂ راز اور خفا میں رکھنا ایک فرض ہے۔

☆ صحیح اور مناسب مشورہ دے، پھر جانتے بوجھتے غلط مشورہ دینا خواہ کسی بھی وجہ سے ہو تو اس بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے دوسرے بھائی سے مشورہ کیا اور اس نے اس کو غلط مشورہ دیا تو فرمایا: "فقد خانه "یعنی اس نے امانت میں خیانت کی۔ (۳)

---

(۱) المغني لابن قدامة : ۱۰/ ٤٧

(۲) الأم للشافعي : ۷/ ۱۰۰

(۳) ابوداؤد: باب التوقي في الفتيا، حدیث: ٣٦٥٧، محقق شعیب الارنوط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

☆ عورت سے بھی مشورہ لیا جاسکتا ہے، یعنی مشورہ دینے کا اہل صرف مرد ہی نہیں؛ بلکہ عورت سے خود ان کے معاملات اور دیگر معاملات میں مشورہ لیا جاسکتا ہے، چونکہ ارشادِ باری عزوجل ہے "وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ"(۱) مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں، وہ بھلائی کا حکم کرتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں۔

آپ ﷺ نے بہت سارے امور میں اپنی ازواجِ مطہرات سے مشورہ طلب کیا ہے؛ بلکہ خانگی معاملات کے علاوہ عمومی قسم کے معاملات میں بھی مشورہ کیا ہے چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ سے صلح حدیبیہ کے موقع پر جب کہ کفار نے آئندہ سال عمرہ کرنے کو کہا اور اس سال واپس جانے کی رائے دی تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بڑے کشمکش و پیچ میں مبتلا ہوگئے، اور اب عمرہ کرنے پر بضد تھے، اس کا تذکرہ حضور ﷺ نے ام سلمہؓ سے کیا تو انہوں نے آپ ﷺ کو اس معاملہ میں یہ مشورہ دیا کہ آپ خود پہلے حلق کرالیں اور احرام کھول دیں، اس طرح سارے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کی موافقت میں یہ عمل کریں گے:"اخرج ثم لا تكلم أحدا منهم كلمة، حتى تنحر بدنك، وتدعوا حالقك فيحلقك، فلما رأوا ذلك قاموا" (۲)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ مشورہ لیتے تھے؛ یہاں تک کہ عورت سے بھی، اگر کوئی مفید رائے دیتی تو اس کو قبول فرماتے" النبي يستشير حتى المرأة، فتشير عليه بالشيء فيأخذ به " (۳)

☆ مشورہ کے بارے میں یہ بات ملحوظ رہے کہ کس چیز کے بارے میں مشورہ کیا جائے؟ جو کام شریعت نے فرض قرار دیا ہے، یا جو کام واجب درجہ کا ہے، یا جس کو شریعت نے

(۱) التوبة: ۷۱
(۲) بخاری: باب الشروط في الجهاد، حديث: ۲۵۸۱
(۳) الأخبار لابن قتيبة: ۸۲/۱، دار الكتب العلمية، بيروت

حرام کہا ہے، تو ایسے تمام کام مشورہ کے محل نہیں ہیں، اس لئے کہ جن امور کو اللہ تعالیٰ نے فرض وواجب قرار دے کر کرنے کا حکم دے دیا تو کرنا ہی ہے، اور جن کاموں کو حرام قرار دے کر ان سے روک دیا ہے ان سے تو ضرور رکنا ہی ہے، اس میں مشورہ کا کیا سوال؟ مثلاً کوئی یہ مشورہ کرے کہ نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں؟ یا یہ مشورہ کرے کہ شراب پیوں یا نہ پیوں؟ ظاہر ہے کہ ان چیزوں کے بارے میں مشورہ حماقت ہے؛ کیونکہ یہ کام مشورہ کے محل ہی نہیں ہیں۔

بہر حال مشورہ گھریلو امور، خاندانی امور، زوجین کے آپسی معاملات، اور اولاد ووالدین کے معاملات، حکومتی سطح اور تنظیمی سطح کے تمام معاملات میں کرنا ہے، چنانچہ اللہ عز وجل نے میاں بیوی کو لڑکے کو دودھ پلانے یا چھڑانے کے بارے میں مشاورت کو کہا ہے " فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا " (۱)

محمد رشید رضا مصریؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ :

جب قرآنِ کریم نے لڑکے کی تربیت سے متعلق معمولی سے معاملے میں مشورہ کرنے کو کہا ہے تو پوری امت کی تربیت اور اس کے درمیان عدل وانصاف کے قیام کیلئے مشورہ کیوں کر ضروری نہیں ہوگا ؟ جب والی اور حاکم کی رحمت وشفقت امت اور رعایا کے حق میں والدین کی شفقت اور رحمت کے کچھ بھی پاسنگ میں نہیں آسکتی۔(۲)

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ :"حتی انہ کان یستشیر فی قوت أھلہ وادامھم" یہاں تک کہ حضور اکرم ﷺ اپنے گھر کے کھانے اور سالن تک کے بارے میں مشورہ کیا کرتے تھے۔(۳)

آپ ﷺ نے معرکہ بدر میں جگہ کے انتخاب کے سلسلہ میں مشورہ کیا، اور اس میں گرفتار ہونے والے قیدیوں کے متعلق مشورہ کیا، اور حضور ﷺ کے انتقال کے بعد خلیفہ کا انتخاب بھی

---

(۱) البقرۃ : ۲۳۳

(۲) تفسیر المنار : ۴۱۴/۲

(۳) المبسوط: ۷۱/۱۶، دار المعرفۃ ، بیروت

مشورہ سے طے پایا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتد لوگوں سے قتال، جد کی میراث اور شراب پینے والے کی سزا کے بارے میں مشورہ سے معاملہ طے کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کئی ایک معاملات مشورہ سے طے کیے، مجاہدین کی ازواج سے متعلق اپنی بیٹی حضرت حفصہؓ سے مشورہ کیا۔

بہرحال مشورہ سے مختلف آراء سامنے آتی ہیں، اور مختلف نقاطِ نظر سامنے موجود ہوتے ہیں اس طرح صواب اور جو کچھ ذہنِ انسانی سے چوک ہوسکتی ہے وہ آراء کی شکل میں سامنے آجاتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "لا خیر في أمر أبرم من غیر مشورة" اس معاملہ میں خیر اور بہتری نہیں جو بغیر مشورہ کے طے پایا ہو۔

☆ مشورہ پر عمل کرنا ضروری نہیں، مشورہ لینے کا مقصد یہ ہوتا ہے ایک صاحبِ بصیرت کی رائے سامنے آجائے، لیکن جس نے مشورہ لیا ہے وہ اس مشورہ پر عمل کرنے کا پابند نہیں ہے؛ بلکہ اس کو اختیار ہے، اگر وہ مشورہ اس کو پسند آئے تو اس پر عمل کرے اور اگر مناسب نہ معلوم ہو تو اس پر عمل نہ کرے۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں، یہ مغیث نامی غلام کی زوجیت میں تھیں، ان کے آقا نے ان کو آزاد کردیا، اگر باندی آزاد کردی جائے تو اس کا نکاح پہلے سے کسی سے کیا ہوا ہو تو اس کو یہ اختیار ملتا ہے کہ چاہے تو یہ نکاح برقرار رکھے یا ختم کردے، چنانچہ بریرہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر مغیث سے خوش نہیں تھیں، وہ چاہتی تھیں کہ اس نکاح کو ختم کردے، ان کے شوہر مغیث رضی اللہ عنہ کو ان سے بے انتہا محبت تھی، وہ نہیں چاہتے تھے کہ: اس نکاح کو ختم کردیں، چنانچہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سفارش چاہی، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اے بریرہ! اللہ سے ڈرو، یہ چونکہ تمہارے شوہر اور تمہارے لڑکے کے باپ ہیں، تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!

یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ، تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں تو بس سفارش کر رہا تھا، یہ تو بس میرا مشورہ ہے "انّما أنا شافع به رحال" انہوں نے کہا: اگر یہ آپ کا یہ محض مشورہ ہے اور حکم نہیں تو مجھے اس میں اختیار ہے "قالت : لا حاجة لی فیه" (۱)

لہٰذا اگر کوئی کسی کو مشورہ دے تو اس کے مشورہ کو قبول کر لینا کچھ ضروری نہیں، اور اگر قبول نہ کرے تو اس کو برا نہیں ماننا چاہئے۔

(۱) بخاری: باب شفاعة النبی، حدیث: ۹۴۷۹

موبائیل فون: آداب واحکام

موبائیل کی ایجاد نے دوریوں کو سمیٹ دیا ہے، دوستوں عزیز واقارب سے ربط وتعلق اور دور دراز ممالک سے منٹوں اور سکنڈوں میں گفتگو ہوجاتی ہے، موجودہ زمانے میں جہاں یہ چھوٹا سا آلہ مفید تر ثابت ہورہا ہے، وہیں اس کی مضرتیں بھی سامنے آرہی ہیں، اس کا صحیح اور بامقصد اور جائز استعمال ہی اس آلہ کو فائدہ اور نفع رساں بنا سکتا ہے، اگر اس کا غلط استعمال کیا جائے تو اس کی تباہی اور بربادیاں نہایت ہی دوررس اور خطرناک نتائج کے حامل ہوسکتے ہیں، یہ سستا اور مفید آلہ ہر شخص کی ضرورت بن گیا ہے اور انسانی زندگی کا جز ولازم ثابت ہورہا ہے، اس لئے اس کے استعمال کے تعلق سے آداب واحکام لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ یہ مختصر، مفید آلہ جو انسانی ایجاد اور اختراع کا عجیب شاہکار ہے اس پر خدا کا شکر بجالائے دراصل اس ایجاد کے پیچھے بھی خدا کی قدرت وقوت کی کارفرمائی ہے، کہ اس نے دنیا کی چیزوں کو انسان کے تابع کردیا ہے کہ وہ خدا کی دی ہوئی قوت اِدراک سے نت نئے اور عجیب وغریب چیزیں ایجاد کرتا ہے: "وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُوْنَ " (۱) اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے دریا کو مسخر بنایا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کی روزی تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (۲) وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے۔

---

(۱) الجاثیہ: ۱۲

(۲) البقرہ: ۲۹

اور فرمایا: "وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ" (۱) اور ایسی ایسی چیزیں بناتا ہے جن کی تم کو خبر بھی نہیں۔

۲۔ کسی سے فون پر ربط کرنا ہو تو سب سے پہلے اس کیلئے مناسب وقت کا تعین کرے، لوگوں سے ان کے نماز، نیند، کھانے اور کام کے اوقات میں ربط سے پرہیز کرے، کیونکہ اس کی وجہ سے ان کی عبادت اعمال، اشغال اور نیند اور آرام وغیرہ میں خلل ہوسکتا ہے، وقت کے تعین کے بغیر کسی کو فون کرنا دراصل یہ ایذاءِ مسلم کے قبیل سے ہے، جس کی شریعت میں ممانعت وارد ہوئی ہے، " لا تؤذوا المسلمين " (۲)

لہذا ان اوقات میں فون کر کے ان کو ایذاء نہ دے اگر کوئی امر جنسی اور ضروری مسئلہ در پیش ہو تو معذرت کے ساتھ بتلا دے۔

۳۔ کسی کو فون کرنے سے پہلے جس کو فون کیا جارہا ہے اس کے صحیح نمبر کا تعین کرے، غلطی میں دوسرے نمبر پر کال ہوسکتا ہے جس کی وجہ سے کسی سوئے ہوئے شخص کو خلل یا کسی مریض کو اذیت یا کسی مطمئن شخص کو خوف ہوسکتا ہے، حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: " لا تحل لرجل أن يروّع مسلمًا " (۳)

۴۔ اگر کسی سے فون پر ربط کیا جائے تو اس شخص کو اس کا جواب دینا چاہیے، بہت سارے لوگ فون کاٹ دیتے ہیں یا سوئچ آف کر دیتے ہیں اور اس کا جواب نہیں دیتے یا کبھی جھوٹ کہہ دیتے ہیں کہ میں آپ کا فلاں مطلوبہ شخص نہیں ہوں، یا میں قریب میں نہیں ہوں،

---

(۱) النحل: ۸

(۲) ترمذی: کتاب البر والصلة، باب ماجاء في تعظيم المومن، حديث: ۲۰۳۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

(۳) ابوداؤد: باب من يأخذ الشيء على المزاح، حديث: ٥٠٠٤، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں: مجمع الزوائد: باب فيمن أخاف مسلما، حديث: ١٠٥٢٩

یہ اسلامی اخلاق کے منافی بات ہے، چونکہ آواز دینے اور بلانے والے کا جواب یہ واجبات کے قبیل سے ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں، ان میں فرمایا: ''ویجیبه اذا دعاه'' (۱) اور جب اسے بلائے تو اس کا جواب دے۔

اور فرمایا: '' انّ لزورك عليك حق'' تمہاری زیارت کرنے والے کا تم پر حق ہے، اگر بات کرنے کا موڈ نہ ہو تو معذوری اور مجبوری کا اظہار کرے لہٰذا اگر کوئی معذرت کر دے تو ربط کرنے والے کو اس سے بدظن نہیں ہونا چاہیے۔

۵۔ ربط کے بعد کلام کی ابتداء سلام سے ہو یعنی (اگر معلوم ہو کہ مخاطب مسلمان ہے) ''السلام علیکم ورحمة الله وبركاته'' کہے مسلمانوں کا جنت میں سلام بھی یہی ہوگا ''وتحيّتهم يوم يلقونه سلام'' (۲)

'' ہیلو '' وغیرہ الفاظ سے کلام کی ابتداء نہ کرے :

۶۔ اگر موبائیل سیٹ میں تصویر لینے والا آلہ (کیمرہ) ہو تو اس سے حرام اور فحش تصاویر اور جاندار کی تصاویر وغیرہ نہ لے البتہ ضروری فوٹوز یا قدرتی مناظر کی تصویر لی جاسکتی ہے۔

چنانچہ شریعت نے اجازت کے احکام کے تحت غلاموں، چھوٹے بچوں کو تین اوقات میں اجازت لے کر گھر میں داخل ہونے کو کہا ہے نماز فجر سے پہلے، قیلولہ کے وقت اور عشاء کی نماز کے بعد، آزاد بالغ لوگوں کو تو تمام اوقات میں اجازت لینا چاہیے۔ (۳)

یہ اجازت لینے کے احکام اس لئے ہیں کہ نیند آرام راحت کھانے پینے میں خلل واقع نہ ہو۔

اس طرح حضور ﷺ نے مسافر کو رات میں گھر آنے سے منع کیا ہے، اس لئے کہ اس کے اہل ناگوار اور ناپسندیدہ گندی حالت میں ہوسکتے ہیں اس طرح دوسرے کی اذیت کا باعث ہوں گے۔

---

(۱) ترمذی: باب تشمیت العاطس، حدیث: ۲۷۳۷، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

(۲) الاحزاب: ۴۴ (۳) سورة النور: ۵۸-۵۹

فون پر ربط قائم کرنے کیلئے وقت مناسب کی غایت یہ حکم ان جگہوں سے متعلق ہے، البتہ جو عمومی جگہیں ہوتی ہیں جہاں رات ودن کے کام کے وقت متعین ہوتے ہیں جیسے دکان، ہوٹل وغیرہ وہاں ان اوقات میں بلاتامل فون کیا جا سکتا ہے۔

اسی کو فرمایا:" لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ " (۱) تم کو ایسے مکانات میں چلے جانے کا نہ گناہ ہوگا جن میں (گھر کے طور پر) کوئی نہ رہتا ہو، ان میں تمہاری کچھ برت ہو اور تم جو کچھ علانیہ کرتے ہو اور جو پوشیدہ طور پر کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے۔

☆ اور اتنے ہی مرتبہ کال کرے اور اتنی دیر ہی کال کرے کہ جس میں جس سے ربط قائم کیا جارہا ہے اس کے سن لینے کا گمانِ غالب ہو بہرحال تین مرتبہ ہی بیل ہو جائے اتنے پر ہی اکتفا کرنے کو نہیں کہا جارہا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:" اذا استأذن أحدكم ثلاثًا فلم يؤذن له فليرجع " (۲)

بہرحال زیادہ بیل اور گھنٹی کے ذریعہ مقابل شخص کو تنگ نہ کرے۔

ایک عورت حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے پاس گئی اور ان کے دروازے کو زور سے کھٹکھٹانے لگی تو امام احمدؒ باہر تشریف لائے اور فرمایا:" هذا دق الشرطة " یہ تو پولیس والوں کی طرح کھٹکھٹانا ہے اس طرح کھٹکھٹانے کو ناپسند اور غیر مناسب سمجھتے ہوئے فرمایا: حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کو ناخوں سے کھٹکھٹاتے تھے " أنّ أبواب النبی كانت تقرع بالاظافير " (۳)

(چونکہ فون پر ربط کرنے والا گھر میں آنے والے کی طرح ہے) اس لئے فون اٹھانے پر

(۱) النور: ۲۹

(۲) بخاری: باب التسليم والاستيذان ثلاثا، حديث: ۵۸۹۱

(۳) الادب المفرد: باب قرع الباب، حديث: ۱۰۸۰، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو بزار نے روایت کیا ہے اس میں ضرار بن صرد ضعیف ہیں: مجمع الزوائد: باب قرع الباب، حديث: ۱۲۸۰۲

السلام علیکم کہے اور سننے والے کو اس کا جواب دینا چاہئے ربعیؒ سے روایت ہے کہ ہمیں بنی عامہ کے ایک شخص نے بتایا کہ انہوں نے حضور ﷺ سے آپ کے گھر پر اجازت چاہی اس نے کہا: کیا میں داخل ہوجاؤں؟ نبی کریم ﷺ نے اپنے خادم سے کہا: اس کے پاس جاؤ اور اسے اجازت طلب کرنے کے آداب سکھاؤ، پھر اس سے کہو: یوں کہے: السلام علیکم کیا میں اندر آسکتا ہوں؟ اس شخص نے اسے سنا اور کہا "السلام علیکم" کیا میں اندر آسکتا ہوں "السلام علیکم أ ادخل" چنانچہ وہ گھر میں آئے۔(۱)

☆ جس سے ربط کیا گیا اگر وہ یہ دریافت کرے کہ آپ ﷺ کون بات کر رہے ہیں تو یوں نہ کہے کہ میں بات کر رہا ہوں؛ بلکہ اپنا نام یا جس سے اپنا تعارف ممکن ہو تو اس طرح ذکر کرے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: "میں نے حضور ﷺ سے اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کون؟ میں نے کہا: میں......آپ ﷺ نے فرمایا: میں میں" انا، أنا " گویا آپ نے اس کو ناپسند کیا " کأنّه کرهها " (۲)

☆ جس طرح فون پر گفتگو کی شروعات سلام سے کی جانی چاہئے، اسی طرح اختتام بھی سلام سے ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی مجلس میں آئے تو سلام کرے اور جب اٹھنے لگے تو سلام کرے، پہلا والا سلام آخری والے سلام سے زیادہ فضیلت والا نہیں " لیست الاولی احق من الأخرة " (۳)

☆ پست اور دھیمی اور معتدل آواز میں بات ہو اور سامع کے درجہ اور مقام اور منزلت کا اعتبار کرتے ہوئے گفتگو کرے۔

---

(۱) ترمذی: باب الاستیذان ثلاثة، حدیث: ۲۷۱۰، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

(۲) بخاری: باب اذا قال من ذا؟ حدیث: ۵۸۹۶

(۳) ترمذی: باب التسلیم عند القیام، حدیث: ۲۷۰۶، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی " واغضض من صوتك " (۱) اپنی آواز کو پست کر۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "انزلوا الناس منازلهم" لوگوں کو ان کا مقام دو۔ (۲)

۷۔ سلام کے بعد اپنا اور جس جگہ سے فون کر رہے ہیں اس جگہ کا نام اور ربط قائم کرنے کے مقصد کا اظہار کرے، اور ادب واحترام تہذیب وشائستگی کے ساتھ بات چیت کرے اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے: " یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُم مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِندَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ " (۳) اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف خاندان بنایا ہے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو اللہ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔

بغیر نام بتائے اور بغیر تعارف کے جاسوسانہ انداز میں گفتگو نہ کرے:

۸۔ اگر کسی عورت یا لڑکی سے کسی ضرورت سے بات کرنا ہو تو شائستہ اور مہذب بات کرے اور عورت بھی شائستہ اور مہذب اندازِ گفتگو اختیار کرے، نرم رویہ اس طرح اختیار نہ کرے کہ غلط اغراض اور مریض دل لالچ کرنے نہ لگ جائے، اللہ عزوجل نے مردوں کو مخاطب کر کے فرمایا " وقولوا لهم قولًا معروفا " (۴)

اور عورتوں سے کہا گیا " فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا" (۵) سو تم دب کر بات نہ کرو پھر لالچ کرے کوئی جس کے دل میں روگ ہے اور کہو بات معقول۔

---

(۱) سورۃ لقمٰن: ۱۹

(۲) ابوداؤد: باب في تنزيل الناس، حديث: ٤٨٤٢، مناوی کہتے ہیں کہ: امام نووی نے ریاض الصالحین میں کہا ہے کہ: میمون نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات نہیں کی ہے اور حاکم نے اس روایت کو علوم الحدیث میں ذکر کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے: فيض القدير: حرف الهمزة، حديث: ٢٧٣٥: ٥٧/٣

(۳) الحجرات: ۱۳ (۴) النساء: ۵ (۵) الأحزاب: ۳۲

۹۔ کسی سے فون پر بات چیت ہو تو کلام کو بے جا طول نہ دیں؛ بلکہ مختصر و مفید گفتگو کی جائے، چونکہ حضور ﷺ کا کلام بھی جوامع الکلم (مختصر، مفید جامع) پر مشتمل ہوتا تھا، چونکہ اگر ہم کلام کو بے جا طول دیں گے تو ہم سے ربط قائم کرنے والے کے پیسے بے جا صرف ہوں گے، اور بغیر اس کی رضا کے اس کے مال کو صرف کرنا حرام ہے، اسی طرح اگر کسی دوسرے کا فون استعمال کریں تو بھی مختصر گفتگو کریں، بعض لوگ دوران گفتگو مزاح کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "کل المسلم علی المسلم حرام دمه وماله وعرضه" (۱)

جس نے ربط کیا ہے اس سے کلام کو طول دینا یہ دراصل اس کے مال کو ضائع کرنا ہے، اسلام نے جب بے جا کلام سے منع کیا ہے تو پھر اس کے ساتھ مال کا ضیاع کس قدر ممنوع ہوگا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ عزوجل تمہاری تین چیزوں کو پسند کرتا ہے اور تین چیزوں کو ناپسند کرتا ہے، جن چیزوں کو ناپسند کرتا ہے اس میں فرمایا "کثرة السوال واضاعة المال" (۲)

۱۰۔ فون کے استعمال میں احتیاط برتے، ضروری اور اہم احوال میں ہی فون کا استعمال کرے، اس طرح مال کی حفاظت ہو سکے گی اور بے جا اور بے محل اس کا استعمال نہ ہوگا؛ چونکہ مال کا بے جا اور بے تحاشا استعمال شرعاً حرام ہے، مسلمان سے روزِ قیامت اس کے مال کے مصرف کے تعلق سے بھی سوال ہوگا۔

۱۱۔ موبائل فون مسجد میں کھلا رکھ کر نہ جائے؛ چونکہ فون کی آمد سے مصلیوں، نمازیوں اور فرشتوں کو خلل ہوتا ہے جو اِن کے واسطے ایذاء رسانی کا باعث ہے موبائیل فون کی گھنٹی کی آوازیں نمازی کی توجہ کو بانٹ دیں گی، حضور ﷺ نے فرمایا: "وائتوا الصلاة وعليكم السكينة" (۳)

---

(۱) مسلم: باب تحريم ظلم المسلم، حديث: ٢٥٦٤

(۲) بخاری: باب ما ينهى عن اضاعة المال، حديث: ٢٢٧٧

(۳) مسند احمد: مسند ابی هريرة، حديث: ٨٩٥١، محقق شعیب الارنؤط نے اس سند کو شیخین کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے۔

۱۲۔ موبائل فون کو نوجوان بچے اور بچیوں کے حوالے کرنے میں احتیاط اور نگرانی سے کام لے اس کی وجہ سے عشق ومعاشقہ کے تباہ کن راستے پر وہ چل سکتے ہیں، جو دونوں کی دنیا وآخرت کو برباد کر سکتا ہے۔

۱۳۔ اس کا استعمال رشتہ داروں عزیز واقارب اور دوست واحباب سے جن سے ملاقات دشوار ہو یا تو کثرتِ مسائل یا مسافت کی دوری تو ہو ان سے گفتگو کیلئے کرے، اس طرح ان کی خوشی، دکھ درد، میں شریک ہو۔
ایسے ہی اس کا استعمال علماء بزرگان دین وغیرہ سے اپنے امورِ دارین کے سلسلے میں معلومات حاصل کرنے کیلئے کرے۔

۱۴۔ سادی، مہذب رنگ ٹون کا استعمال کرے، ایسے رنگ ٹون نہ ہو جو فحش یا لغو باتوں پر مشتمل ہو یا گانوں کی میوزک وغیرہ کا استعمال ہو۔
۱۵۔ اگر کسی سے غلطی سے ربط قائم ہو جائے یا غیر مناسب وقت میں ربط قائم ہو تو فون کرنے والے کا صحیح جواب دے اور اس کی معذرت کو قبول کرے غصہ نہ ہو، گالی گلوچ نہ کرے۔

رِنگ ٹون کی جگہ بعض لوگ گانے وغیرہ سیٹ کرتے ہیں یہ حرام ہے۔
بعض لوگ اس کی جگہ قرآنی آیات اذکار وغیرہ فٹ کرتے ہیں یہ بھی درست نہیں، چونکہ ارشادِ باری ہے "اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ" (۱)
اس میں ہر دینی بات شامل ہے۔

☆ آفس کے فون اور دفتری اور کاروباری فون کو اپنے ذاتی کاموں اور اپنی نجی گفتگو کیلئے استعمال نہ کرے یہ امانت میں خیانت ہے۔

(۱) الاعراف: ۲۰٤

☆ کسی دوسرے کے موبائیل کے استعمال میں احتیاط کرے، اگر وہ اجازت دے تو کلام کو بے جا طول دے کر اس کا اسراف نہ کرے یا اس کی رضامندی اور خوشی کے علم کے بغیر ہی جبکہ وہ بادل نخواستہ دے رہا گفتگو نہ کرے، لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس له (۱)

☆ مسلمان کو چاہیے کہ وہ صدق وامانت کو اختیار کرے، خیانت اور دھوکہ دہی نہ کرے، کسی کی گفتگو کو اس کی اجازت اور علم کے بغیر رکارڈ کرنا بھی امانت میں خیانت ہے، خواہ یہ گفتگو دینی یا دنیوی خواہ فتاوی یا علمی مباحث یا کسی بھی شکل میں ہو۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" اذا احدث الرجل الحدیث: ثم التفت فهی أمانة " (۲)

جو بات بھی اس نے تم سے کہا ہے یہ امانت ہے جس کو اس نے تمہارے پاس رکھی ہے اگر تم نے یہ بات دوسروں سے کہہ دی تو تو نے امانت میں خیانت کیا۔

امام غزالیؒ نے احیاء میں فرمایا ہے" فافشاء السر خیانة وهو حرام اذ کان فیه اضرار" (۳)

لہٰذا متکلم کی اجازت اور علم کے بغیر اس کی گفتگو کو ریکارڈ کرنا یہ دھوکہ دہی، خیانت ہے، اگر وہ بات دوسروں میں نشر کی جائے تو یہ امانت میں مزید خیانت ہوگی۔

☆ انٹرنیٹ دو دھاری تلوار ہے اور اکثروں کے حق میں " اِثْمُهُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا " کا مصداق بن چکا ہے، تعلیمی اور تجارتی اغراض سے اس کا استعمال واقعی مفید ہے؛ لیکن استعمال کرنے والے کے اندر تقوی کا بریک بھی مضبوط ہونا چاہئے، اس کے بغیر اس آلہ کا کسی بھی آدمی کے ہاتھ میں دینا دنیا وآخرت کی بربادی کا ذریعہ ہے، جو لوگ

---

(۱) شعب الایمان: الثامن والثلاثون من شعب الایمان، حدیث: ۵۴۹۲، بوصیری کہتے ہیں کہ: احمد کے رجال ثقات ہیں: اتحاف خیرة المهرة بزوائد العشرة : کتاب الغصب :۳/ ۱۰۸

(۲) ترمذی: ان المجالس أمانة، حدیث: ۱۹۵۹، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

(۳) احیاء علوم الدین للغزالی: کتاب افات اللسان: ۳/ ۱۳۲، دار المعرفة، بیروت

ضرورت مند ہیں وہی استعمال کریں، غیر ضرورت مندلوگوں کیلئے استعمال کی گنجائش ہرگز نہ رکھی جائے، گھر میں ایسی جگہ پر نہ رکھا جائے کہ جہاں پر تنہائی اور تخلیہ ہوتا ہو اور تنہا آدمی پر شیطان آسانی سے قابو پالیتا ہے، اگر بچوں کو کسی ضرورت سے استعمال کرنا بھی پڑے تو سرپرست ساتھ میں بیٹھیں، اس زمانے میں باپ اپنی اولاد کیلئے کیچڑ والی سڑک پر بھیجنا گوارہ نہیں کرتا اور بغیر بریک کی گاڑی نہیں دیتا؛ لیکن وہ انٹرنیٹ کا آلہ بغیر بریک کے دے رہا ہے اور بے حیائی کے کیچڑ میں اولاد کو ڈھکیل رہا ہے۔

کھانے پینے کے آداب

☆ انسان کا یہ جسم اللہ کی امانت ہے، اس امانت کی حفاظت وصیانت یہ انسان کا فریضہ ہے لہٰذا جسم کیلئے کھانے کی اس مقدار کا فراہم کرنا کہ اس کو ہلاکت سے بچایا جائے یہ فرض ہے، کیونکہ انسان احکامِ خداوندی کے بجا آوری کے لائق اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ اس کو قوتِ بدن حاصل ہو، جو کہ کھانے پر موقوف ہے، لہٰذا اتنا کھانا کہ عبادت کے لئے قوت حاصل ہو مستحب ہے، قوتِ جسمانی میں اضافہ کیلئے آسودہ ہو کر کھانا مباح ہے، اس سے زیادہ کھانا جائز نہیں یہ فضول خرچی اور اسراف ہے۔ (۱)

نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ: اللہ تعالیٰ ہر چیز پر اجر عطا فرمائیں گے، یہاں تک کہ اس لقمہ پر بھی جس کو بندہ اپنے منہ میں رکھتا ہے، "انّ المسلم یُوجر فی کلّ شیئٍ حَتّٰی اللُّقْمَةَ یَرْفَعُهَا اِلٰی فِیْہِ" (۲)

بلکہ اسلامی شریعت میں جان کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ اگر بھوک کی وجہ سے جان جانے کا اندیشہ ہو اور مردار کے سوا کھانے کیلئے کچھ میسر نہ ہو، ایسی صورت میں مردار کو بقدرِ ضرورت کھانے کی اجازت ہے، "فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ" (۳)

پس جو لوگ شدت کی بھوک میں بیتاب ہو جائیں بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف ان کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں رحمت والے ہیں۔

---

(۱) مجمع الأنهر: ۵۲۴/۲

(۲) مسند احمد: مسند سعد بن أبي وقاص، حدیث: ۱۵۳۱، محقق شعیب الارنؤط فرماتے ہیں کہ: اس کی سند حسن ہے اور اس کے رجال ثقہ اور صحیح کے رجال ہیں سوائے عمر بن سعد کے یہ نسائی کے رجال میں سے ہیں۔

(۳) المائدة: ۳

ایسے ہی شریعت نے مسلسل روزے رکھنے سے بھی منع کیا ہے یا مسلسل بغیر سحر وافطار کے روزہ رکھتے ہوئے اس کو موت آجائے تو وہ گنہ گار ہوگا۔(۱)

☆ کھانے کے سلسلے میں سب سے پہلی ہدایت یہ ہے کہ حلال وطیب غذا کھائی جائے، حرام غذا کے استعمال سے پرہیز کیا جائے، چونکہ ارشادِ خداوندی ہے "كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ" (۲) کھاؤ نفیس چیزوں سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں۔

☆ سادہ غذا استعمال کی جائے، غذا میں تکلفات اور خواہشات وجذبات کی تکمیل پسندیدہ چیز نہیں، حضور ﷺ کا بھی سادہ غذا استعمال فرماتے تھے:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ جو کی روٹی کو کیسے پکاتے تھے؟ (چونکہ اس میں تنکے وغیرہ زیادہ ہوتے تھے،) تو سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کے آٹے میں پھونک مارلیا کرتے تھے، جو موٹے تنکے ہوتے ہیں وہ اڑ جاتے تھے باقی کو گوندھ لیتے تھے "كُنَّا نَطْحَنُهُ وَنَنْفُخُهُ فَيَطِيرُ مَا طَارَ وَمَا بَقِيَ ثَرَّيْنَاهُ فَأَكَلْنَاهُ" (۳)

سرکہ کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ بہترین سالن ہے، "نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ" (۴)

تلچھٹ اور کھرچن کو نبی کریم ﷺ مزے لے کر تناول فرماتے تھے "كان يعجبه الثفل" (۵)

---

(۱) مجمع الأنهر: ۲/۵۱۵

(۲) البقرة: ۵۷

(۳) بخاری: باب ما کان النبی وأصحابه یأکلون، حدیث: ٦٣٤٧

(۴) ترمذی: الخل، حدیث: ۱۸٤٠، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۵) مسند احمد: مسند انس بن مالك رضی الله عنه، حدیث: ۱۳۳۲۳، محقق شعیب الارنؤط نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور یہ سند حسن ہے، ابو جعفر المدائنی، اور یہ محمد بن جعفر بزار ہیں۔ صدوق، حسن الحدیث ہیں اور یہ مسلم کے رجال میں سے ہیں، لیکن اس میں کچھ کلام ہے جو اس کو صحیح کے رتبہ سے گرادیتا ہے اور اس کے بقیہ رجال شیخین کے رجال ہیں۔

☆ کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئے جائیں، یہ صحت اور تندرستی، نفاست اور نظافت کیلئے جہاں ضروری ہے، وہیں انبیاء علیہم السلام کی سنت اور خیر و برکت کا باعث ہے، کھانے کی نیت سے ہاتھ دھوئے، دنوں ہاتھ گٹوں تک دھوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا فقر کو دور کرتا ہے اور تمام نبیوں کی سنت ہے "الوضوء قبل الطعام وبعده مما ينفي الفقر وهو من سنن المرسلين" (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو یہ چاہتا ہے کہ اس کے گھر میں خیر زیادہ ہو اسے چاہیئے کہ کھانا کھائے تو ہاتھ دھوئے اور جب فارغ ہو تو ہاتھ دھوئے "من يحب أن يكثر الله خير بيته، فليتوضأ اذا حضر غداؤه، واذا رُفع" (۲)

ہاتھ دھونے کے بعد رومال وغیرہ سے پونچھنا نہیں چاہیئے، البتہ کھانے کے بعد جو ہاتھ دھوئے ان کو پونچھ لے اور کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئے کلی نہ کرے سنت یہی ہے، کیونکہ ہاتھ اگرچہ پاک ہیں؛ لیکن موقع بے موقع پڑتے رہتے ہیں کہیں کھجلا دیا، کہیں ناک میں انگلی ڈال دی وغیرہ اس لئے اس کا دھونا سنت ہوا، منہ تو پاک وصاف ہی رہتا ہے، اس کے دھونے کی کوئی ضرورت نہ تھی (البتہ اگر منہ صاف نہ ہو تو کلی کرنے میں کوئی حرج نہیں) البتہ کھانے کے بعد ہاتھوں کو دھونے کے بعد کلی بھی کر کے منہ صاف کرے۔ (۳)

---

(۱) مجمع الزوائد : باب الوضوء قبل الطعام وبعده، حديث: ۷۹۱۳، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں نہشل بن سعید متروک ہیں، مناوی کہتے ہیں کہ: اگرچہ یہ تمام روایتیں ضعیف ہیں لیکن اس معنی کی روایتیں ایک دوسرے کو قوی کرتی ہیں: فيض القدير : فصل في المحلى : ۳۷۶/۶، المكتبة التجارية الكبرى، مصر

(۲) ابن ماجه: باب الوضوء عند الطعام، حديث: ۳۲۶۰، بوصیری کہتے ہیں کہ: اس کی سند ضعیف ہے کثیر اور جبارۃ کے ضعف کی وجہ سے، اور اس کا ایک سلمان کی حدیث ہے جس کو ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور یہ دونوں بھی ضعیف ہیں: المصباح الزجاجة كتاب الأطعمة: ۱۵۸/۲، دار الجنان، بيروت

(۳) اسلامی تہذیب : ۹۵

☆ جب کھانا پیش کیا جائے تو یہ دعا پڑھے :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کھانا پیش کیا جاتا تو نبی کریم ﷺ یہ دعا پڑھتے " اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْمَا رَزَقْتَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ، بِسْمِ اللّٰہِ" (۱) اے اللہ! تو نے ہمیں جس چیز سے نوازا ہے اس میں برکت عطا فرما اور ہمیں عذابِ دوزخ سے بچا، اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔

اور ایک روایت میں دعا کے الفاظ یہ ہیں: " اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْهِ وَاَطْعِمْنَا خَیْرًا مِنْهُ " (۲) اے اللہ! اس میں ہمیں برکت عطا فرما، اور اس سے بہتر کھلا۔

☆ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر کھانا شروع کرے اگر بھول جائے اور درمیان میں یاد آئے تو " بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ " پڑھ لے۔(۳)

بسم اللہ نہ پڑھنے سے شیطان کھانے میں شریک ہو جاتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب آدمی گھر میں داخل ہوتا ہے اور اللہ کا نام لیتا ہے اور کھانے پر اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ یہاں نہ سونے کی گنجائش ہے اور نہ کھانے کی " قال الشیطان : لا مبیت لکم ولا عشاء " (۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر بسم اللہ پڑھنا شروع میں بھول جائے تو "بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ" پڑھ لے (یعنی جب یاد آئے) " اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ فَلْیَذْكُرِ اسْمَ اللّٰہِ ، فَاِنْ نَسِیَ اَنْ یَّذْكُرَ اسْمَ اللّٰہِ فِیْ اَوَّلِهٖ فَلْیَقُلْ بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ " (۵)

---

(۱) الدعاء للطبرانی: باب القول فی قنوت الوتر: ۲۷۸/۱، دار الکتب العلمیة، بیروت

(۲) ترمذی: باب ما یقول اذا أکل طعاما: حدیث: ۳۴۵۵، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

(۳) ترمذی: التسمیة علی الطعام، حدیث: ۱۸۵۸، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۴) مسلم: باب اداب الطعام والشراب، حدیث: ۲۰۱۸

(۵) ابوداؤد: باب التسمیة علی الطعام، حدیث: ۳۷۶۷، امام نووی نے کہا ہے کہ: اس کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے: الاذکار: ۱۹۶/۱

☆ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر بسم اللہ ان الفاظ میں کہے
"بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی بَرَکَةِ اللّٰہِ"

☆ دائیں ہاتھ سے کھانا کھائے، کیوں کہ دائیں ہاتھ سے کھانا کھانا مسنون ہے، بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا ہے۔

حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے بچے! اللہ کا نام لو، اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اور قریب سے کھاؤ "وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ" (۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی بائیں ہاتھ سے نہ کھائے، اور نہ پانی پیئے، کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور پیتا ہے "فانّ الشيطان يأكل بشماله، ويشرب بشماله" (۲)

البتہ داہنے ہاتھ سے کھانے میں کوئی عذر ہو تو بائیں ہاتھ کو بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

☆ تین انگلیوں سے کھانا مسنون ہے، اگر ضرورت ہو تو چھنگلی چھوڑ کر چار انگلیاں استعمال کی جائیں، انگلیوں کو پورے جڑوں تک ملوث کرنے سے پرہیز کیا جائے، پانچ انگلیاں بھی ضرورت پر استعمال کی جاسکتی ہیں۔ (۳)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ تین انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے "ان رسول الله صلى الله عليه و سلم يأكل بثلاث أصابع ويلعق يده قبل أن يمسحها" (۴)

☆ برتن میں اپنی طرف سے کھانا کھائے، نہ بیچ میں ہاتھ ڈالے اور نہ دوسروں کی طرف سے کھائے۔

---

(۱) مسلم: باب اداب الطعام والشراب، حديث: ۵۳۸۸
(۲) مسلم: باب أداب الطعام والشراب، حديث: ۲۰۲۰
(۳) فتح الباری: ۵۷۸/۹
(۴) مسلم: باب استحباب لعق الأصابع، حديث: ۲۰۳۲

حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں پلیٹ کے چاروں طرف سے کھا رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی جانب سے کھاؤ "کل مما یلیك" (۱)

جب دستر خوان پر ایک ہی قسم کی چیز ہو یا کسی بڑے پلیٹ میں ایک ہی نوع کا کھانا ہو تو یہ حکم ہے کہ صرف اپنی طرف سے ہی کھائے اور اگر کئی اقسام کے کھانے ہوں تو دوسری طرف سے بھی لیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ حضرت عکراش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ: ہمارے سامنے پیالے میں ثرید اور گوشت کے ٹکڑے لائے گئے، میں اس میں چاروں طرف سے کھانے لگا اور آپ ﷺ صرف اپنے سامنے سے کھا رہے تھے، آپ ﷺ نے اپنے بائیں ہاتھ سے میرے دائیں ہاتھ کو پکڑا اور فرمایا: اے عکراش! ایک طرف سے کھاؤ، ایک ہی تو کھانا ہے، پھر اس کے بعد ایک طبق لایا گیا جس میں مختلف قسم کے کھجور تھے تو میں صرف اپنے سامنے سے ہی کھانے لگا اور نبی کریم ﷺ کا دستِ مبارک طبق کے چاروں طرف چل رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عکراش! جہاں سے چاہے کھاؤ، کیونکہ ایک قسم کا نہیں ہے "یا عکراش! کل من حیث شئت فانّه غیر لون واحد" (۲)

☆ گرے ہوئے لقمے کو اٹھا کر کھانا سنت ہے :

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو اسے صاف کرے اور کھالے، شیطان کیلئے نہ چھوڑے "ولا یدعھا للشیطٰن" (۳)

حضرت عبداللہ بن ام حرام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص دستر خوان پر

---

(۱) بخاری: باب الأکل مما یلیه، حدیث: ۵۰۶۲

(۲) ترمذی: باب فی ترك الوضوء قبل الطعام، حدیث: ۱۸۴۸، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے، ہم اس کو صرف علاء بن الفضل کے طریق ہی سے جانتے ہیں۔

(۳) مسلم: باب استحباب لعق الأصابع، حدیث: ۲۰۳۳

گرے ہوئے ٹکڑوں کو تلاش کر کے کھائے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے گا " ومن یتبع ما سقط من السفرة غُفرلہ " (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ " اکرموا الخبز " روٹی کی عزت کرو۔(۲)

دستر خوان کے ٹکڑوں کا کھانا تواضع ہے اور نہ کھانا تکبر کی علامت ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کھانا کھا رہے تھے کہ اس وقت ایک عجمی رئیس بھی آپ رضی اللہ عنہ پاس بیٹھا ہوا تھا، آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ایک لقمہ گر گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو صاف کر کے کھالیا، خادم نے کہا: حضرت یہ عجمی لوگ اس فعل کو معیوب سمجھتے ہیں (اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں) ان کے سامنے یہ فعل مناسب نہیں معلوم ہوتا، تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا " ویأترك سنة حبيبي لهؤلاء الحمقاء " کہ کیا ان بے وقوفوں کی وجہ سے میں اپنے حبیب کا طریقہ چھوڑ دوں؟ یہ نہیں ہوسکتا۔(۳)

☆ دستر خوان پر گرے ہوئے کھانے کو کھالے:

حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ: جو شخص دستر خوان پر گرے ہوئے کھانے کو کھاتا ہے تو وہ وسعت اور کشادگی کے ساتھ زندگی گذارے گا اور اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد بیوقوفی اور پاگل پن سے محفوظ رہے گی " وعوفي في ولده وولدولده من الحمق " (۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نہ کبھی میز پر اور نہ تشتریوں میں کھانا

---

(۱) مجمع الزوائد: باب اكرام الخبز وأكل ما يسقط، حديث: ۷۹۷۷، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کو بزار، طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں عبداللہ بن عبدالرحمٰن الشامی ہیں اور میں ان کو نہیں جانتا اور صحیح عبدالملک بن عبدالرحمٰن الشامی ہے اور یہ ضعیف ہیں۔

(۲) شعب الإيمان: لا يعيب طعاما قدم إليه، حديث: ۵۸٦۹، علامہ ہیثمی کہتے ہیں کہ: اس روایت کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اس میں خلف بن یحیٰ قاضی الری ضعیف ہیں اور ابو سکینہ ان کے بارے میں ابن المدینی کہتے کہ: ان کو صحبت حاصل نہیں ہے۔

(۳) اسلامی تہذیب: ۱۰۰

(۴) المغني عن حمل الاسفار، فيما لا بد للمنفرد منه: ۳۵۱/۱، مكتبة طبرية، الرياض

تناول فرمایا ہے، پوچھا: پھر کس طرح کھاتے تھے؟ کہا: دسترخوان پر، " ما أكل النبي صلى الله عليه وسلم على خوان ولا في سكرجة ولا خبز له مرقق، قلت لقتادة على ما يأكلون ؟ قال : على السفر " (۱)

دسترخوان پر کھانا سنت ہے اور بلا دسترخوان بچھائے کھانا خلافِ سنت ہے، نیز آپ ﷺ کا دسترخوان چمڑے کا ہوتا تھا، اور گول ہوتا تھا۔ (۲)

☆ زمین اور فرش پر کھانا سنت ہے، میز یا ٹیبل پر کھانا خلافِ سنت ہے اگر کوئی عذر ہو تو حرج نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے میز پر کبھی کھانا تناول نہیں فرمایا: "ما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم أكل على خوان حتى مات" (۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ (کی عادتِ طیبہ یہ تھی) سواریوں کے پیچھے بیٹھ جاتے تھے، آپ ﷺ کے کھانے کا دسترخوان زمین پر رکھا جاتا آپ ﷺ غلاموں کی دعوت قبول کر لیتے اور دراز گوش پر بھی سوار ہو جاتے، " كان النبي ﷺ يردف خلفه، ويضع طعامه في الأرض ويجيب دعوة المملوك ويركب الحمار (۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے کھانا پیش کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: زمین یا چٹائی پر رکھو "ضعه بالحضيض أو بالأرض" (۵)

---

(۱) بخاري: باب ما كان النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه يأكلون، حديث: ۵۰۹۹

(۲) عمدة القاري: ۲۱/۳۵

(۳) ابن ماجة : باب الأكل على الخوان، حديث: ۳۲۹۳، البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۴) حديث: ۷۱۲۸، حاکم کہتے ہیں کہ: یہ روایت صحیح السند ہے اور شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔

(۵) مجمع الزوائد: باب الأكل على الأرض، حديث: ۷۹۱۶، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو بزار نے روایت کیا ہے اور اس میں عبد اللہ بن رشید ہے اور مُجّاعۃ ابو عبیدہ البصری، اور میں ان دونوں کو نہیں جانتا، اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

☆ کھانے کیلئے بیٹھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ یا تو دونوں قدموں کے بل (اکڑوں) بیٹھے یا دائیں پیر کو اٹھائے اور بائیں پیر کو بچھائے، یا دونوں ٹخنوں کے بل بیٹھے۔(۱)

سنن کبری بیہقی میں ہے کہ آپ ﷺ اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے تھے " أنه كان يأكل مقيعا" اور فرمایا کرتے تھے: میں اس طرح کھایا کرتا ہوں جس طرح ایک غلام کھایا کرتا ہے۔(۲)

اور کبھی دائیں پیر کو بچھاتے اور بائیں پیر پر بیٹھتے" علامہ مناوی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سندِ ضعیف کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے کہ اور آپ ﷺ کے کھانے کیلئے بیٹھنے کے طریقہ کار کو بتلایا ہے کہ: "إذا قعد على الطعام استوفز على ركبته اليسرى وأقام اليمنى كما يفعل العبد "جب کھانے کیلئے بیٹھتے تو بائیں ٹخنے پر بیٹھتے اور داہنے کو کھڑا کرتے۔(۳)

اور ان ہی دونوں کتابوں میں سند جید کے ساتھ یہ روایت منقول ہے کہ: "يجثو على ركبته وكان لا يتكيء" اپنے ٹخنوں کے بل بیٹھتے ٹیک نہ لگاتے۔(۴) اور یہ کھانے کا طریقہ مع احادیث أحیاء العلوم میں بھی مذکور ہے۔(۵)

ٹیک لگا کر اور چہار زانو بیٹھ کر کھانا سنت کے خلاف ہے۔

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا " لا اكل متكئا "(۶)

---

(۱) شرح مناوی: ۱۹

(۲) السنن الكبرى للبيهقي : باب الأكل متكئا ،حديث: ١٤٤٢٨

(۳-۴) فيض القدير شرح جامع الصغير : باب كان وهي الشمائل المحمدية، حديث: ٦٨٧٣، مكتبة التجارية ، مصر، الشمائل الشريفه، جلال الدين السيوطي: ١/ ٢٣٩، دار طائر العلم والتوزيع

(۵) إحياء علوم الدين ، فيما لا بد للمنفرد منه ، ٢/ ٤، دار المعرفة ، بيروت

(۶) بخاری: باب الأكل متكئا،حديث: ٥٠٨٣

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں بکرے کا گوشت پیش کیا تو آپ ﷺ دوزانو بیٹھ کر تناول فرمانے لگے، ایک اعرابی نے پوچھا: یہ کیسا بیٹھنا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے شریف بندہ بنایا ہے جبار و معاند نہیں۔
"ان اللہ جعلنی عبدا کریما ولم یجعلنی جبارا عنیدا" (۱)

ٹیک لگا کر کھانا ممنوع و مکروہ ہے، اس کی مختلف صورتیں ہیں:

۱- دو پہلوؤں میں کسی ایک پہلو پر ٹیک لگانا۔

۲- زمین پر ایک ہاتھ رکھ کر ٹیک لگانا۔

۳- چہار زانو بیٹھنا، بیٹھ کر دیوار یا تکیہ کا سہارا لگانا۔

علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں چہار زانو بیٹھ کر کھانے کو اتکاء میں داخل مانتے ہوئے مکروہ و مذموم قرار دیا ہے۔ (۲)

لیکن اگر کبھی پھل وغیرہ ایک آدھ دفعہ اتفاقاً ٹیک لگائے ہوئے کھائے تو گنجائش ہے، چنانچہ ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ: آپ ﷺ کی خدمت میں کھجور پیش کی گئی تو آپ ﷺ نے ٹیک لگائے ہوئے تناول فرمایا "یأکل تمرا وھو مقع" (۳)

☆ کھانا کھڑے ہو کر کھانا بھی منع ہے، یہ عمل سنت کے خلاف اور مکروہ ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کھانا کھڑے ہو کر کھانے سے منع فرمایا ہے: "عن الشرب قائما، وعن الأکل قائما" (۴)

---

(۱) ابوداؤد: باب ما جاء فی الأکل من أعلی الصفحة، حدیث: ۳۷۷۳، مناوی کہتے ہیں کہ: اس روایت کو ریاض میں حسن کہا ہے: فیض القدیر: حرف الکاف: ۵/ ٤٥

(۲) زاد المعاد: ۱/ ۵۴

(۳) ابوداؤد: باب ما جاء فی الأکل متکئا، حدیث: ۳۷۷۱، محقق شعیب الارنوط فرماتے ہیں کہ: اس کی سند قوی ہے، اور اس کے رجال ثقہ شیخین کے رجال ہیں۔

(۴) مجمع الزوائد: باب الأکل قائما، حدیث: ۷۹۲۱، اس کو بزار اور ابو یعلی نے اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں، صحیح کے رجال ہیں سوائے مغیرۃ بن مسلم وہ ثقہ ہیں۔

☆ بازاروں میں کھانا بھی منع ہے، حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نقل کرتے ہیں کہ: بازار میں کھانا بے حیائی ہے "الأكل في السوق دناءة" (۱)

بازار یا دوکان کے اندر کھانا ہو تو یہ ممنوع نہیں ہے۔

☆ جوتے کھول کر کھانا مسنون ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کھانے کے قریب آئے اور اس کے پیر میں جوتا ہو تو اسے نکال دے۔

☆ معتدل گرم کھانا کھایا جائے، تیز گرم کھانا خلافِ سنت ہے، بے برکتی کا باعث ہے، اور کھانے کی لذت بھی اس میں حاصل نہیں ہوتی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک پلیٹ میں تیز گرم کھانا پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بڑھایا اور کھینچ لیا اور فرمایا: اللہ نے ہمیں آگ نہیں کھلائی "انّ الله عزوجل لم يُطعمنا نارا" (۲)

حضرت اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھانا ٹھنڈا ہونے دو، اس میں برکت زائد ہوتی ہے "ابردوا بالطعام فانّ الطعام الحارّ غير ذي بركة" (۳)

اس سے معلوم ہوا کہ معتدل گرم کھانا ممنوع نہیں، چنانچہ جو کھانے گرم ہوں تو لذیذ ہوتے ہیں مثلاً: پلاؤ، نہاری وغیرہ ان کو معتدل گرم کھانا خلافِ سنت نہ ہوگا۔

---

(۱) مجمع الزوائد: باب الأكل في السوق، حديث: ۷۹۲۰، اس کو طبرانی نے روایت کیا اور اس میں عمر بن موسیٰ بن وجیہ، یہ ضعیف ہیں۔

(۲) مجمع الزوائد: باب الاجتماع على الطعام، حديث: ۷۸۸۶، اس کو طبرانی نے صغیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں عبد اللہ بن یزید البکری ہیں جن کو ابو حاتم نے ضعیف قرار دیا ہے اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

(۳) مجمع الزوائد: باب الاجتماع على الطعام، حديث: ۷۸۸۷، اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں عبد اللہ بن یزید البکری ہیں جن کو ابو حاتم نے ضعیف کہا ہے۔

دستر خوان پر دقیق دقیق باتیں (غور وفکر والی) نہیں کرنا چاہئے، بہت معمولی باتیں ہونی چاہئے، ورنہ کھانے کا کچھ لطف ہی نہیں آتا، کھانے کے وقت تو کھانے ہی کی طرف زیادہ توجہ ہونی چاہئے، اگر کوئی ایسی بات (غور فکر والی) کرتا ہے تو میں کان بھی نہیں لگاتا؛ کیوں کہ کھانے کا مزہ جاتا رہتا ہے۔(۱)

اکثر عوام میں دستور ہے کہ اگر کوئی شخص کھانا کھاتے وقت دوسرے شخص کو کھانا کھلانے کیلئے بلاتا ہے اور اس کو کھانا منظور نہیں ہوتا تو اس کے جواب میں کہا کرتے ہیں بسم اللہ کرو، چونکہ اس موقع پر اس لفظ کا استعمال شرعاً ثابت نہیں، لہٰذا اس کو چھوڑ دینا چاہئے اور اس کی جگہ اور دوسرے کلمے جیسے بارک اللہ وغیرہ کہہ لینا چاہئے۔(۲)

☆ کھانا پسند ہو تو کھائے، کھانے میں عیب نہ نکالے اور نہ کھانے کو برا کہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے کو برا نہیں کہا، اگر خواہش ہوتی تو تناول فرماتے ورنہ چھوڑ دیتے "ما عاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم طعاما قط ان اشتهاه أكله والا تركه" (۳)

حضرت ہند بنت ابی ہالہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو کسی کھانے کے ذائقہ کی برائی کو ظاہر کرتے اور نہ اس کی تعریف کرتے۔(۴)

☆ کھانے کو پھینکا نہ جائے اور نہ اُسے ضائع کیا جائے، بلکہ کسی غریب پڑوسی کو دے دیا جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو روٹی کا ٹکڑا پڑا پایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اٹھایا، صاف کیا اور کھالیا اور فرمایا: اے عائشہ!

---

(۱) اسلامی تہذیب: ۱۰۳

(۲) اسلامی تہذیب: ۱۰۵

(۳) بخاری: باب صفة النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، حدیث: ۳۳۷۰

(۴) سیرۃ خیر العباد: ۲۷۶/۷

اپنے کرم فرما کا اکرام کرو یعنی کھانے کا " فرأى كسرة ملقاة فأخذها فمسحها ثم أكلها " (۱)

☆ بلا ضرورت کھانے کو سونگھا نہ جائے:

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کھانے مت سونگھا کرو؛ کیونکہ درندے سونگھا کرتے ہیں " لا تشموا الطعام كما يشمه السباع " (۲)

البتہ اگر کھانے کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو صورت اور کیفیت سے معلوم کیا جا سکتا ہے لیکن پھلوں کی خوشبو کو معلوم کرنا منع نہیں ہے۔

☆ کھانے میں پھونک نہ مارا جائے اگر کھانا گرم ہے تو ٹھنڈا ہونے کیلئے چھوڑ دیا جائے، اس لئے کہ اندر سے آنے والی سانس صحت کیلئے مضر ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے برتن میں سانس لینے یا پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے " لم يكن رسول الله صلى الله عليه وسلم ينفخ في طعام، ولا شراب ، ولا يتنفس في الاناء " (۳)

☆ اجتماعی کھانے میں شرکاءِ دسترخوان کی رعایت کی جائے، سب کے ساتھ اٹھا جائے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب دسترخوان لگا دیا جائے تو چاہئے کہ اپنے قریب سے کھائے اپنے ساتھی کے قریب سے نہ کھائے؛ کیونکہ برکت بیچ برتن میں نازل ہوتی ہے اور کوئی آدمی نہ اٹھے جب تک کہ دسترخوان نہ اٹھ جائے اور کھانے سے اپنے ہاتھ کو نہ روکے اگرچہ پیٹ بھر جائے تاوقتیکہ لوگ فارغ نہ ہو جائیں " ولا

---

(۱) ابن ماجة: باب النهي عن إلقاء الطعام ، حديث: ۳۳۵۲

(۲) مجمع الزوائد: باب الشم في الطعام، حديث: ۷۸۹۱، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں عباد بن کثیر الثقفی ہیں اور یہ کذاب ہیں۔

(۳) ابن ماجة: باب النفخ في الطعام، حديث: ۳۲۸۸، مناوی کہتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے بھی روایت کیا ہے اور اس پر حسن ہونے نشان لگایا ہے۔

یرفع یدہ وان شبع حتی یفرغ القوم " کیونکہ (اس کے اٹھنے سے) ساتھی شرمندہ ہوگا اور وہ بھی اپنے ہاتھ کو کھانے سے روک لے گا؛ حالانکہ مزید کھانے کی خواہش اس کو ہوگی " اذا وضعت المائدة فلا یقوم رجل حتی ترفع المائدة ، ولا یرفع یدہ وان شبع حتی یفرغ القوم " (۱)

☆ کم کھانا ایمان کی شان اور علامت ہے، اسلئے کم کھانا کھایا جائے، معیار یہ ہے کہ اتنا کم نہ کھائے کہ جس سے کمزوری پیدا ہو، اور نہ ہی اتنا زیادہ کھائے کہ کاہلی آجائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مومن ایک آنت سے کھاتا ہے اور کافر سات آنت سے کھاتا ہے " المؤمن یأکل فی معی واحد والکافر یأکل فی سبعة أمعاء " (۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایک مومن کا کھانا دو کو اور دو کا چار کو اور چار کا آٹھ کو کافی ہوجاتا ہے "طعام الاثنین کافی الثلاثة وطعام الثلاثة کافی الأربعة " (۳)

☆ کھانے کی ابتداء اور انتہا نمک سے ہو :

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب کھاؤ تو نمک سے شروع کرو اور اختتام بھی نمک سے کرو، نمک میں ستر بیماریوں سے شفاء ہے " اذا أکلت فابدأ بالملح واختم بالملح ، فان الملح شفاء من سبعین داء " (۴)

مطلب یہ ہے کہ نمکین کھانے سے ابتداء طبًّا معدہ اور صحت کیلئے مفید ہے۔

---

(۱) ابن ماجة: باب النهي أن یقام عن الطعام حتی یرفع، حدیث: ۳۲۹۵ ، زوائد میں ہے کہ اس کی سند میں عبدالاعلی بن اعین ہیں اور یہ ضعیف ہیں۔

(۲) بخاري: باب المؤمن یأکل في معی، حدیث: ۵۰۷۸

(۳) ترمذي: طعام الواحد یکفي الاثنین، حدیث: ۱۸۲۰، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۴) مطالب عالیه: ۷۰۵/۱۰، دار العاصمة، دار الغیث، السعودیة

☆ کھانے سے فارغ ہوکر برتن کو صاف کرے اور انگلیاں چاٹ لے اور پھر ہاتھ دھوئے:

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کھانا تناول فرماتے تو تین انگلیوں سے تناول فرماتے اور فارغ ہوتے تو انگلیوں کو چاٹ لیتے "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأكل بثلاث أصابع ،ويلعق يده قبل أن يمسحها " (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: انگلیوں کو چاٹنا برکت کا باعث ہے "اذا أكل أحدكم فليلعق أصابعه ، فانه لا يدرى فى أيتهن البركة " (۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے انگلیوں کو چاٹنے اور برتن کو صاف کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا کہ: تمہیں نہیں معلوم کہ کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے " فانه لا يدرى فى أىّ طعامه تكون البركة " (۳)

☆ دوپہر کے کھانے کے بعد قیلولہ کرے یعنی سو جائے اور رات کے کھانے کے بعد چالیس قدم چلے۔

حضرت حارث بن کلدہ جو دور رسالت کا مشہور طبیب تھا کہتا ہے کہ: جب تم میں سے کوئی دوپہر کا کھانا کھائے تو سو جائے، اور شام کے کھانے کے بعد چالیس قدم چلے "اذا تغدى أحدكم فلينم على غدائه واذا تعشى فليخط أربعين خطوة " (۴)

☆ کھانے سے فراغت کے بعد یہ دعا پڑھے :

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فراغت طعام پر نبی کریم ﷺ یہ دعا پڑھتے تھے " اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ" (۵)

تعریف اس خداوند قدوس کی جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور مسلمان بنایا۔

---

(۱) مسلم: باب استحباب لعق الأصابع، حديث:۲۰۳۲

(۲-۳) مسلم: باب استحباب لعق الأصابع ،حديث:۲۰۳۳

(۴) عيون الأنباء فى طبقات الأطباء: نضر بن حارث بن كلدة الثقفي:۳۸۹/۱

(۵) ترمذی: باب ما يقول اذا فرغ من الطعام،حديث:۳۴۵۷، علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ غریب ہے: تخريج الأحاديث والآثار الواقعة فى تفسير الكشاف للزمخشري: سورة الكوثر: ۲۷۷/٤،دار ابن خزيمه ،الرياض

یہ بھی دعا پڑھی جاسکتی ہے:

حضرت حارث غادری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ صبح وشام کے کھانے سے فراغت پر یہ دعا پڑھتے: " اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَطْعَمْتَ وَاَسْقَيْتَ وَاَشْبَعْتَ وَاَرْوَيْتَ فَلَكَ الْحَمْدُ غَيْرَ مَكْفُورٍ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنٍ عَنْكَ. (۱)

اے اللہ! تیرے ہی لئے تعریف ہے تو نے کھلایا، پلایا، پیٹ بھر کھلایا، سیراب کیا، بس تیرے ہی لئے تعریف ہے جس میں نہ ناشکری کی گئی، نہ اس کو چھوڑا گیا اور نہ اس سے بے نیازی ہے۔

اور ایک روایت میں آپ ﷺ کے کھانے کے بعد یہ دعا پڑھنا منقول ہے:

" اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَاَطْعِمْنَا خَيْرًا مِنْهُ " (۲) اے اللہ! اس میں ہمیں برکت عطا فرما اور اس سے بہتر کھلا۔

☆ کسی دوسرے کے یہاں کھانا کھائے یہ دعا پڑھے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے یہاں حضور اکرم ﷺ نے روٹی اور زیتون تناول فرمایا تو یہ دعا پڑھی: " اَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ، وَاَكَلَ طَعَامَكُمُ الْاَبْرَارُ، وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلٰئِكَةُ " (۳) روزے دار تمہارے پاس افطار کریں، تمہارا کھانا نیک لوگ کھائیں، فرشتے تمہارے لئے دعا کریں۔

اور ایک روایت میں ہے: حضرت مقداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے (دعوت کے موقع پر) یہ دعا پڑھی " اَللّٰهُمَّ اَطْعِمْ مَنْ اَطْعَمَنِيْ وَاسْقِ مَنْ سَقَانِيْ " (۴)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب ما يقول بعد الطعام، حدیث: ۷۹۴۵، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے اور اس میں عبداللہ بن عامر الاسلمی ہیں اور یہ ضعیف ہیں۔

(۲) ترمذی: باب ما يقول اذا أكل طعاما: حدیث: ۳۴۵۵، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن ہے۔

(۳) ابوداؤد: باب ما جاء في الدعاء لرب الطعام اذا أكل عنده، حدیث: ۳۸۵۴، محقق شعیب الارنؤط نے اس روایت کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

(۴) مسلم: باب اكرام الضيف، حدیث: ۲۰۵۵

پانی پینے کا مسنون طریقہ

☆ لبوں اور ہونٹوں سے پانی چوستے ہوئے پئیں، غٹ غٹ نہ پئیں:

حضرت بہز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ مسواک عرض میں فرماتے تھے، اور پانی چوس کر پیا کرتے تھے، انڈیلتے نہیں تھے، اور تین سانس میں پیتے تھے، اور فرماتے تھے کہ: یہ زیادہ خوش گوار اور مزیدار اور بہتر ہے "يستاك عرضا، ويشرب مصّا، ويتنفس ثلاثا، ويقول: "هو اهنا وامرا وأبرا" (۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب پانی پیو تو چوس کر پیو غٹ غٹ مت پیو "اذا شرب أحدكم فليمص مصا ولا يعب عبا فانّ الكباد من العب" (۲)

احیاء العلوم میں ہے کہ پانی غٹا غٹ پینے سے جگر کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔

☆ پانی تین سانس میں پینا سنت ہے، البتہ برتن میں سانس لینا منع ہے۔ (۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ پاک ﷺ تین سانس میں پانی پیتے تھے، "أنّ النبی صلی الله عليه وسلم كان يتنفس ثلاثا" (۴)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: برتن میں سانس نہ لیا جائے "اذا شرب أحدكم فلا يتنفس فی الاناء" (۵)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب كيفية الشرب والتسمية، حديث: ۸۲۵۵، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں شُبیت بن کثیر ضعیف ہیں۔

(۲) السنن الكبرى للبيهقي: باب الشرب بثلاثة أنفس، حديث: ۱٤٤۳٦، یہ روایت مرسل ہے۔

(۳) احیاء العلوم: ۲/۵، دار المعرفة، بيروت

(۴) بخاری: باب الشرب بنفسين أو ثلاثة، حديث: ۵٦۳۱

(۵) بخاری: باب النهی عن التنفس فی الاناء، حديث: ۵٦۳۰

☆ شروع میں بسم اللہ اور اخیر میں الحمد للہ کہے :

حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ تین سانس میں پانی پیتے تھے، شروع میں بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ کہتے تھے۔ ”رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يشرب بثلاثة أنفاس، يُسمّي الله في أوّلها، ويحمده في اٰخرها“ (۱)

اور آپ ﷺ سے پانی پینے کے وقت یہ دعا پڑھنا بھی منقول ہے:

حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ ﷺ پانی پیتے تو یہ دعا پڑھتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ سَقَانَا عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِهٖ وَلَمْ يَجْعَلْهُ مِلْحًا اُجَاجًا بِذُنُوْبِنَا“ (۲) تمام تعریفیں اللہ پاک کیلئے ہیں جس نے اپنی رحمت سے ہمیں شیریں پانی پلایا اور ہمارے گناہوں کے سبب اُسے نمکین اور کھارا نہیں بنایا۔

☆ کھڑے ہو کر پانی نہ پیئے، البتہ زم زم اور وضو کا باقی ماندہ پانی کھڑے ہو کر پینا مسنون ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ: آدمی کھڑے ہو کر پانی پیئے، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے پوچھا: اور کھانا؟ تو فرمایا: وہ تو اس سے برا ہے ” نهى أن يشرب الرجل قائما، قال قتادة: فقلنا فالأكل؟ فقال: ذاك أشر أو أخبث“ (۳)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب كيفية الشرب والتسمية، حديث: ۸۲۶۰، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور شبل بن علاء ضعیف ہیں۔

(۲) كنز العمال الشراب، حديث: ۱۸۲۲۶، مناوی کہتے ہیں کہ: یہ روایت مرسل ہونے کے ساتھ ساتھ ضعیف بھی ہے جعفر جعفی کی وجہ سے: فيض القدير: باب كان وهي الشمائل الشريفة: ۵/ ۱٤٤، مكتبة التجارية الكبرى، مصر

(۳) مسلم: باب كراهية الشرب قائما، حديث: ۲۰۲٤

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو زم زم پلایا آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر نوش فرمایا "شرب من زمزم وهو قائم" (۱)

حضرت نزال بن سیرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے وضو کا باقی ماندہ پانی کھڑے ہو کر پیا ہے "أتى على رضى الله عنه بكوز من ماء وهو في الرحبة فأخذ منه كفا فغسل يديه ومضمض واستنشق ومسح وجهه وذراعيه وراسه ، ثمّ شرب منه وهو قائم ، ثم قال: هذا وضوء من لم يحدث، هكذا رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فعل" (۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جب وہ مسجد کوفہ کے میدان (جو ان کا دار القضا تھا) تشریف فرما تھے، ایک کوزہ پانی لایا گیا انہوں نے ایک چلو پانی لے کر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور پھر اپنے منہ اور ہاتھوں پر مسح کیا پھر کھڑے ہو کر پانی پیا اور فرمایا کہ یہ اس شخص کا وضو ہے جو پہلے سے باوضو ہو ایسے ہی میں نے حضور اقدس ﷺ کو کرتے دیکھا۔

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء فی الرخصة فی الشرب قائما ، حدیث: ۱۸۸۲ ، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) الشمائل المحمدية: باب ما جاء فی صفة شرب رسول الله صلى الله عليه وسلم، حدیث: ۲۲۰ ،دار احياء التراث العربی، بيروت

سونے کے آداب

۱- جلد سو جائے، جہاں یہ صحت کیلئے مفید اور نفع بخش ہے، وہیں نمازِ تہجد اور فجر کے جاگنے میں بھی معاون ومددگار رہوتا ہے۔

چونکہ آپ ﷺ عشاء سے پہلے سونے اور اس کے بعد بات چیت کرنے کو ناپسند فرمایا کرتے تھے "كان يكره النوم قبل صلوة العشاء والحديث بعدها" (۱)

۲- سونے سے پہلے نماز کا وضو کیجئے، چونکہ آپ ﷺ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا جب تم سونا چاہو تو نماز کا وضو کرو "اذا أتيت مضجعك فتوضأ وضوءك للصلاة" (۲) بلکہ جو شخص حالتِ جنابت میں بھی ہو وہ بھی نماز کا وضو کر کے سوئے؛ البتہ اس وضو سے نماز نہ پڑھے، نہ تلاوتِ قرآن کرے۔

۳- دائیں ہاتھ کو دائیں سر (رخسار) کے نیچے رکھے، کروٹ پر سوئے:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب آپ ﷺ بستر پر تشریف لاتے تو اپنے ہاتھ کو سر کے نیچے رکھ لیتے "اذا أراد أن ينام وضع يده تحت رأسه" (۳)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ جب بستر پر تشریف لاتے تو دائیں کروٹ پر آرام فرماتے "اذا أوى الى فراشه نام على شقه الأيمن" (۴)

---

(۱) بخاری: باب ما يكره من النوم، حديث: ٥٤٣

(۲) بخاری: باب اذا بات طاهرا، حديث: ٥٩٥٢

(۳) ترمذی: باب من باب الدعاء الى اوى الى فراشه، حديث: ٣٣٩٨، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۴) بخاری: باب وضع اليد اليمنى تحت خده، حديث: ٥٩٥٦

اور فرماتے: " اَللّٰھُمَّ قِنِیْ عَذَابَكَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ " (۱) خدایا مجھے اس روز کے عذاب سے بچالے جس روز تو اپنے بندوں کو اپنے حضور اٹھا کر کھڑا کرے گا۔

داہنے کروٹ سونے میں قبر کی یاد بھی ہے، اور اس صورت میں چونکہ قلب لٹکا رہتا ہے، اس لئے یہ حالت بیدار ہونے میں بھی معین و مددگار ہے۔ (۲)

۴۔ سونے سے پہلے اذکارِ ماثورہ پڑھے:

آیت الکرسی، تینوں قل تین تین دفعہ، ۳۳ بار سبحن اللّٰہ، ۳۳ بار الحمد للّٰہ، ۳۴ بار اللّٰہ اکبر پڑھے اور اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ پڑھے، (۳) اور یہ دعا پڑھ کر سوئے: اَللّٰھُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْكَ، وَوَجَّھْتُ وَجْھِیْ اِلَیْكَ، وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْكَ، وَ اَلْجَاْتُ ظَھْرِیْ اِلَیْكَ، رَغْبَةً وَرَھْبَةً اِلَیْكَ، وَلَا مَنْجِیْ اِلَّا اِلَیْكَ، اٰمَنْتُ بِکِتَابِكَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَنَبِیِّكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ. (۴) اے اللہ! میں نے تجھ سے امیدوار اور خائف ہو کر اپنا منہ تیری طرف جھکا دیا اور (اپنا) ہر کام تیرے سپرد کر دیا اور میں نے تجھے اپنا پشت و پناہ بنالیا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ تجھ سے (یعنی تیرے غضب سے) سوا تیرے پاس کے کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہے، اے اللہ میں اس کتاب پر ایمان لایا جو تو نے نازل فرمائی ہے اور تیرے اس نبی ﷺ پر (بھی) جسے تو نے (ہدایت خلق کیلئے) بھیجا ہے۔

۵۔ سونے سے پہلے مسواک قریب ہی رکھے کہ سونے سے پہلے مسواک کر سکے اور وضو کے بعد بھی چونکہ سونے سے پہلے دانتوں کی صفائی مفید ہے اور سونے کے بعد معدہ کے غلیظ بخارات جو پیٹ سے منہ کی جانب آتے ہیں جو دانت اور مسوڑوں کیلئے نقصاندہ ہوتے ہیں اس کی صفائی ہوسکے۔

---

(۱) ترمذی: باب منه، حدیث: ۳۳۹۸، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

(۲) فتح الباری: ۱۱/۱۱۰

(۳) ترمذی: باب ما یقول اذا نزل منزلا، حدیث: ۳۴۳۷، حاکم کہتے ہیں کہ: یہ حدیث مسلم کے شرط پر صحیح ہے: المستدرك: کتاب الرقی والتمائم، حدیث: ۸۲۸۰

(۴) بخاری: باب ما یقول اذا نام، حدیث: ۵۹۵۴

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جب رات میں بیدار ہوتے تو مسواک فرماتے، آپ ﷺ کا مسواک سرہانے رکھا ہوتا "کان یستا ك إذا أخذ مضجعه واذا قام من الليل واذا خرج الى الصبح" (۱)

۶۔ سونے سے پہلے ہاتھ پر تیل وغیرہ کی چکناہٹ لگی ہو تو دھو کر سوئے:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس حال میں سوئے کہ اس کے ہاتھ میں چکناہٹ ہو وہ اسے نہ دھوئے اور پھر اس کو کوئی تکلیف (کیڑوں مکوڑوں کی کاٹ) پہنچے تو وہ صرف اپنے اوپر ملامت کرے "من نام و بیده غمز قبل أن یغسله فأصابه شئ فلا یلومن الا نفسه" (۲)

۷۔ بائیں کروٹ اور پیٹ کے بل (اوندھے منہ) سونے سے پرہیز کرو:

حضرت طلحہ بن قیس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں پیٹ کے بل سویا ہوا تھا، اچانک ایک آدمی نے پیر سے مجھے حرکت دی اور کہا کہ: یہ سونا اللہ تبارک وتعالی کو مبغوض ہے، میں نے دیکھا کہ وہ رسول پاک ﷺ تھے اور ایک روایت میں ہے کہ: انّ هذه ضجعة يبغضها الله "اس طرح سونا اللہ کو پسند نہیں۔ (۳)

۸۔ سونے سے قبل چراغ، روشنی وغیرہ بجھائے (آگ کے جلے رہنے سے کسی حادثہ وغیرہ کا اندیشہ رہتا ہے۔

چونکہ حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: تم سوتے وقت اپنے گھروں میں آگ چھوڑے نہ رکھو "لا تتركوا النّار في بيوتكم حتى تنامون" (۴)

---

(۱) کنز العمال: السواك، حديث: ٢٦٩٧٦

(۲) الأدب المفرد: باب من نام وبيده غمز، حديث: ١٢٢٠، البانی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

(۳) ابوداؤد: باب في الرجل ينبطح على بطنه، حديث: ٥٠٤٠، علامہ نوویؒ نے ریاض الصالحین: ۱/۲۷۳، میں اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۴) بخاری: باب لا تترك النا رفي البيت عند النوم، حديث: ٥٩٣٥

۹- سونے سے پہلے گھر کے سارے دروازے بند کرلیں، برتن ڈھنک لیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کو سوتے وقت دروازہ بند کرو، (پانی کا برتن ڈھانک دو) برتن اوندھا کردیا کرو، یا برتنوں پر ڈھکن رکھدیا کرو، اور چراغ گل کردو، کیونکہ شیطان نہ تو بند دروازہ کو کھولتا ہے، نہ بندھن ڈھیلے کرتا ہے، نہ برتن کے ڈھکن اٹھاتا ہے (البتہ) گھر جلادیتا ہے (تیلی کی بتی کو لے کر بھاگتا ہے اس سے آگ پکڑ لیتی ہے) اور گھر جل جاتا ہے "وانّ الفويسقة تضرم على النّاس بيوتهم " (۱)

☆ ایسی کھلی چھت پر نہ سوئے جس کو کوئی منڈیر یا جنگلا نہ ہو، بلا منڈیر کی چھت پر سونے میں خطرہ یہ ہے کہ کروٹ لینے میں رات کو دھوکا ہو جاتا ہے یا نیند و غنودگی کی حالت میں اٹھ کر چلنے لگ سکتا ہے اور گر سکتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا ہے جس کی منڈیر نہ ہو "ان ينام الرجل على سطح ليس بمحجور عليه" (۲)

حضرت زہیر ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی مچانی پر سو جائے اور گر کر مر جائے تو اس کی ذمہ داری کسی پر نہیں، اسی طرح طوفان اور تلاطم کے وقت دریائی سفر کرے اور اس میں ڈوب جائے تو اس کی بھی ذمہ داری اٹھالی گئی ہے "من بات على نجاز فوقع فمات برئت منه الذمّة ، ومن ركب البحر حين ترتجّ ،فهلك برئت منه الذمة " (۳)

☆ سونے سے پہلے بستر وغیرہ کو جھاڑ لے، اس لئے کہ اس میں سانپ، بچھو یا کوئی موذی جانور اور کیڑے مکوڑے ہو سکتے ہیں، جو اس کیلئے تکلیف کا باعث ہو سکتے ہیں۔

---

(۱) مسلم: باب الأمر بتغطية الانا‌ء ،حديث: ۲۰۱۲

(۲) ترمذی: باب الفصاحة والبيان ،حديث: ۲۸۵٤ ، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب قرار دیا ہے۔

(۳) الادب المفرد: من بات على سطح ليس له سترة ،حديث: ۱۱۹٤ ، البانی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

☆ لوگوں کے بیچ یا راستہ پر جہاں لوگوں کا گذر ہوتا ہے نہ سوئے، لوگوں کے بیچ سونے میں ان کو تکلیف ہوسکتی ہے، لوگوں کی گذرگاہ پر سونے میں ان کو تکلیف دینے کے علاوہ وہاں سے جانوروں اور رات کے اوقات میں سانپ، بچھوؤں کی وہ گذرگاہ ہوتا ہے، جس سے اس کو اذیت پہنچ سکتی ہے۔

☆ رات میں ہوسکے تو دو رکعت تہجد پڑھ کر سوئے:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ شروع رات میں آرام فرماتے اور آخر شب کو زندہ فرماتے، یعنی عبادت واذکار میں اسے گذارتے، " كان ينام أول الليل ويقوم اخره " (۱)

☆ آدمی کے سونے کے کپڑے علاحدہ ہوں جس میں کھلا پن ہو، ہلکے پھلکے اور سونے کیلئے آرام دہ ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے کہ میں اپنی خالہ کے پاس ایک رات رہا، حضرت میمونہؓ کو دیکھا کہ انہوں نے آپ ﷺ کیلئے بستر بچھایا اور بستر کے سرہانے ایک کپڑا رکھ دیا، آپ ﷺ تشریف لائے اور آپ عشاء کی نماز سے فارغ ہوچکے تھے۔(۲)

☆ دوپہر کو قیلولہ کرنا مسنون ہے، یعنی دوپہر کو کھانے سے فراغت پر لیٹنا اور آرام کرنا خواہ نیند آئے یا نہ آئے۔(۳)

دوپہر کو سونا زیادتیٔ عقل اور کھانے کے ہضم کا باعث ہوتا ہے، اس سے چستی برقرار رہتی ہے، خصوصاً رات کے قیام اور عبادت میں معین ہوتا ہے، حضور ﷺ کا معمول بھی قیلولہ کرنے کا تھا۔

---

(۱) صحيح ابن حبان: باب النوافل، حديث: ۲۵۸۹، محقق شعیب الارنؤوط نے اس کو بخاری کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

(۲) بخاری: سورة ال عمران، حديث: ۴۲۹۴

(۳) عمدة القاری: ۲۲/۴

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت ام سلیمؓ آپ ﷺ کیلئے چمڑے کا بستر بچھادیتیں، آپ ﷺ اس پر قیلولہ فرماتے "فاتخذت له نطعا فكان يقيل عليه"(۱)

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ فلاں گورنر قیلولہ نہیں کرتے تو ان کو فرمان لکھا کہ قیلولہ کرو، میں تم سے بیان کرچکا ہوں کہ شیطان قیلولہ نہیں کرتا " فكتب اليه عمر: قل فانّ حدثت أنّ الشيطان لا يقيل" (۲)

☆ فجر کے بعد، عصر کے بعد اور مغرب کے بعد سونا سنت کے خلاف ہے:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیِ پاک ﷺ نے فرمایا: صبح تک سونا رزق کو روک دیتا ہے،" نوم الصبحة يمنع الرزق"(۳)

حضرت فاطمہؓ فرماتی ہیں کہ: میں صبح کے وقت سوتی ہوتی تھی، آپ ﷺ ہمارے پاس سے گذرتے تو پیر سے حرکت دیتے ہوئے فرماتے: اے بیٹی! اپنے رب کی تقسیم رزق کے وقت تم حاضر (جاگی) رہو، غافلین میں سے مت ہو، طلوعِ فجر سے طلوعِ شمس کے درمیان اللہ تعالیٰ لوگوں کو رزق تقسیم کرتا ہے "يقسم ارزاق الناس ما بين طلوع الفجر الى طلوع الشمس" (۴)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو عصر کے بعد سوئے اور اس کی عقل میں فتور آئے تو وہ اپنے سوا کسی دوسرے پر ملامت نہ کرے،"من نام بعد العصر فاختلس عقله فلا يلومن إلا نفسه " (۵)

---

(۱) مسند احمد: مسند انس بن مالك، حديث: ۱۳۴۴۷، محقق شعیب الارنوط نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

(۲) كنز العمّال: ذيل النوم والقيلولة، حديث: ۴۲۰۰۳

(۳) الترغيب: كتاب البيوع وغيرها، حديث: ۲۶۱۶، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو احمد، بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے اور ان دونوں کو ابن عدی نے کامل میں روایت کیا ہے۔

(۴) شعب الايمان، فصل في النوم الذى هو نعمة، حديث: ۴۷۳۵، بیہقی نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

(۵) مسند ابى يعلى: مسند عائشة، حديث: ۴۹۱۸، محقق حسین سلیم اسعد نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دن کے اول میں سونا غیر معمولی بات ہے، وسط (دوپہر) میں سونا اچھی عادت ہے، اور آخر میں سونا حماقت ہے "نوم اول النهار خرق وأوسطه خلق وآخره حمق" (۱)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ عشاء سے پہلے (مغرب کے بعد) سونے کو مکروہ سمجھتے تھے "یکره النوم قبل العشاء والحدیث بعدها" (۲)

مغرب کے بعد سونے سے عشاء کی جماعت کے فوت ہونے کا اندیشہ رہتا ہے، لیکن اگر نیند کا غلبہ ہو یا سفر سے تھکا ماندہ ہو تو سونا درست ہے، اور کسی کو عشاء کی نماز کیلئے جگانے کو کہدے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غلبۂ نیند کی وجہ سے سونے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے مغرب کے بعد سونے کی اجازت دی" فأنا م قبل العشاء فسألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك فرخص لي" (۳)

☆ زیادہ آرام دہ بستر استعمال نہ کیا جائے، مومن کی زندگی جفاکشی ومجاہدہ سے بھری ہوتی ہے، مومن تعیش پسند اور سہل انگار نہیں ہوتا۔

حضرت جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: میں نے حضرت عائشہؓ سے معلوم کیا کہ آپؐ کے گھر میں حضور ﷺ کا بستر کیسا تھا؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: چمڑے کا تھا جس میں بھرائی کھجور کی چھال تھی، "انما کان فراش النبی صلی الله علیه وسلم الذی ینام علیه ادم حشوه لیف" (۴)

---

(۱) الأدب المفرد: باب نوم اخر النهار، حدیث: ۱۲۴۲، البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۲) ترمذی: کراهیة النوم قبل العشاء، حدیث: ۱۶۸، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: ابو برزہ کی حدیث حسن اور صحیح ہے۔

(۳) مسند احمد: مسند علی بن ابی طالب: حدیث: ۸۹۲، محقق شعیب الارنوط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

(۴) ترمذی: فراش البنی صلی الله علیه وسلم، حدیث: ۱۷۶۱، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

اور میں نے حضرت حفصہؓ سے پوچھا کہ: آپ ﷺ کا بستر کیسا تھا؟ تو انہوں نے کہا: ٹاٹ تھا، جس کو میں دوہری تہہ کردیا کرتی، اس پر آپ ﷺ سورہتے، ایک رات میں نے سوچا: اس کی چار تہہ کردوں تو آپ ﷺ کیلئے زیادہ آرام دہ ہوگا، چنانچہ میں نے چار تہہ کردیا، جب صبح بیدار ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: آخر رات تم نے میرے لئے کیا بچھایا تھا، حضرت حفصہؓ کہتی ہیں کہ: میں نے کہا: وہی آپ ﷺ کا بستر تھا جس کو میں نے چار تہہ کردیا تھا کہ آپ ﷺ کیلئے ذرا نرم ہوجائے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو پہلی حالت پر کردو اس لئے کہ اس کی نرمی نے مجھے رات کی نماز (تہجد) سے روک دیا۔(۱)

☆ سوتے میں جب کوئی اچھا خواب دیکھے تو خدا کا شکر بجالائے، اور اس کو اپنے لئے بشارت سمجھے۔

چونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: اب نبوت میں سے بشارتوں کے سوا کچھ باقی نہ رہا سوائے اس خواب کے جس کو کوئی نیک بندہ دیکھے " انہ لم یبق من مبشرات النبوۃ الا الرویا یراھا العبد الصالح " (۲)

اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اچھا خواب دیکھے تو خدا کی حمد وثنا بیان کرے اور اپنے مخلص دوست ہی سے خواب کو بیان کرے اور جب کوئی براخواب دیکھے تو وہ شیطان کی جانب سے ہے، اس کے شر سے پناہ چاہے اور اس کا کسی سے تذکرہ نہ کرے؛ کیونکہ اس کا نقصان اس کو نہیں پہنچے گا، " فلا یحدث بھا الّا من یحبّ " (۳)

☆ خدانخواستہ اگر کوئی سوتے ہوئے برا اور ڈراؤنا خواب دیکھے تو اس خواب سے خدا کی پناہ مانگے۔

---

(۱) شمائل ترمذی: باب ما جاء فی فراش النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم
(۲) مسلم: باب النھی عن قراء ،حدیث: ٤٧٩
(۳) بخاری: باب ذا رأی ما یکرہ فلا یخبر بھا ،حدیث: ٦٦٣٧

حضرت ابو سلمہؓ فرماتے ہیں کہ: میں ناگوار خوابوں کی وجہ سے اکثر بیمار پڑ جایا کرتا تھا، ایک روز میں نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے شکایت کی تو آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی،: اچھا خواب خدا کی جانب سے ہوتا ہے، اگر تم میں سے کوئی اچھا خواب دیکھے تو اپنے مخلص دوست کے سوا کسی اور سے بیان نہ کرے اور ناپسندیدہ خواب دیکھے تو قطعاً کسی کو نہ بتائے؛ بلکہ جاگتے ہی "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" پڑھ کر بائیں جانب تھتکارے اور کروٹ بدل لے تو وہ خواب کے شر سے محفوظ رہے گا "فلينفث عن شماله ثلاثًا وليتعوذ من الشيطان فانّه لايضرّه" (۱)

☆ کبھی ڈراؤنے خواب دیکھ کر ڈر جائے تو یہ دعا پڑھے

حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: جب کوئی خواب میں ڈر جاتا یا پریشان ہو جاتا ہو تو نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پریشانی کو دور کرنے کیلئے یہ دعا تلقین فرمائی ہے "اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيٰطِيْنَ وَاَنْ يَحْضُرُوْنَ" (۲) میں خدا ہی کے کلماتِ تامہ کی پناہ مانگتا ہوں، اس کے غضب و غصہ سے، اس کی سزا سے، اس کے بندوں کی برائی سے، شیاطین کے وسوسوں سے اور اس بات سے کہ وہ میرے پاس آئیں۔

خواب کی شرعی حیثیت

خواب کے معنی ہیں "وہ بات جو انسان نیند میں دیکھے" محققین کہتے ہیں کہ: خواب ذہن پر جو باتیں چھائی رہتی ہیں وہ خواب کی شکل میں متشکل ہو کر نمودار ہوتی ہیں، دوسری طرح کا خواب وہ ہے جو شیطانی اثرات کا عکاس ہوتا ہے جیسا کہ عام طور پر ڈراؤنے خواب نظر آیا کرتے ہیں،

(۱) بخاری: باب من رأى النبي صلى الله عليه وسلم في المنام، حديث: ٦٥٩٤

(۲) ابوداؤد: باب كيف الرقي، حديث: ۳۸۹۳، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے حسن غریب کہا ہے اور نسائی اور حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے: الترغيب، كتاب الذكر والدعاء، حديث: ٢٤٨٠

اور تیسری طرح کا وہ خواب ہے جو منجانب اللہ بشارت اور بہتری کو ظاہر کرتا ہے، خواب کی یہی قسم رویا صالحہ ہے، اسی کو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: " الرؤيا ثلاث ، فالرؤيا الصالحة بشرى من الله والرؤيا تحزين من الشيطن، رؤيا مما يحدث به المرء نفسه " (۱)

☆ سچے اور صالح خواب نبوت کا چھیالیسواں جز ہیں۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے "الرؤيا الصالحة جزء من أربعين جزء ا من النبوة " (۲)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد نبوت میں سے کوئی جز باقی نہیں رہے گا، سوائے مبشرات کے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ مبشرات کیا چیز ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھے خواب جو کوئی مسلمان دیکھے یا اس کیلئے کوئی اور دیکھے " لا يبقى بعدى من النبوة الا المبشرات " (۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خواب بھی ایک قسم کی وحی ہے، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ خواب دیکھنے والے کو اس بھلائی یا برائی سے مطلع کر دیتا ہے جو اس کو پہنچنے والی ہوتی ہے۔

☆ اگر برا خواب دیکھے تو اسے کسی سے بیان نہ کرے:

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا خواب، اللہ کی طرف سے ہے، اور برا خواب شیطان کی جانب سے، پس جب کوئی شخص پسندیدہ خواب دیکھے تو اسے صرف اس شخص سے بیان کرے جس سے محبت و اعتقاد ہے اور جب مکروہ

---

(۱) ابوداؤد: باب ما جاء في الرؤيا حديث: ۵۰۱۹، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔
(۲) بخاری: باب الرؤيا الصالحة : حديث: ٦٥٨٦
(۳) مجمع الزوائد: باب الرؤيا الصالحة، حديث: ۱۱۷۱، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد اور بزار نے روایت کیا ہے، احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

خواب دیکھے تو حق تعالیٰ سے اس خواب کے شر اور شیطان کے فتنہ سے پناہ مانگے اور یہ بھی مناسب ہے بقصد دفع شیطان تین بار تھتکارے اور ایسا خواب کسی سے بیان نہ کرے، اس حالت میں برا خواب کوئی ضرر نہ دے گا "ولا يحدث بها أحدا، فإنها لن تضره " (۱)

علامہ ابن سیرینؒ جو جلیل القدر تابعی اور عظیم معبّر ہیں اس حوالے سے فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: خواب تین طرح کے ہوتے ہیں، ایک تو حدیثِ نفس، اور دوسرا شیطان کی جانب سے خوف اور اندیشہ دلانا ہوتا ہے، اور تیسرا یہ کہ اللہ کی جانب سے خوشخبری ہوتی ہے، جو تم میں سے مکروہ اور ناپسندیدہ چیز دیکھے تو اس کو کسی سے بیان نہ کرے اور کھڑا ہو جائے اور نماز پڑھے " فلا يقصه على أحد وليقم فليصل " (۲)

☆ اگر کوئی مکروہ خواب دیکھے تو اسے کروٹ بدلنا چاہئے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص مکروہ خواب دیکھے تو تین مرتبہ بائیں طرف تف کر کے شیطان سے اللہ کی پناہ چاہے اور اس کروٹ کو بدل ڈالے جس پر خواب دیکھنے کی حالت میں تھا، اور وہ خواب کسی سے بیان نہ کرے، "وليتحول عن جنبه الذى كان عليه " (۳)

☆ خواب دیکھنے والا کوئی ہولناک خواب دیکھے جس سے وہ خوف زدہ ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ تین بار آیۃ الکرسی پڑھ کر اپنے او پر دم کرے اور یہ کلام پڑھے:

أَعُوْذُ بِرَبِّ مُوْسٰى وَاِبْرَاهِيْمَ مِنْ شَرِّ الرُّؤْيَا رَاَيْتُهَا مِنْ مَّنَامِيْ اَنْ يَضُرَّنِيْ دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ وَمَعِيْشَتِيْ عَزَّ جَاهُكَ وَجَلَّ ثَنَاءُكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ "

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے رب کی پناہ مانگتا ہوں، اس خواب کی برائی سے جو میں نے اپنے سونے کی حالت میں دیکھا ہے، بوجہ اس کے مبادا یہ مجھ کو کچھ ضرر اور نقصان پہنچائے میری دینی اور دنیاوی امور میں اور میرے روزگار میں، الٰہی تیرا مرتبہ سب سے

(۱) مسلم: كتاب الرؤيا: حديث: ۲۲۶۱

(۲) شعب الايمان، فصل في الرويا التي هي نعمة، حديث: ٤٧٦٣

(۳) مسلم: كتاب الرؤيا: حديث: ۲۲۶۱

بڑھ کر ہے اور تیری تعریف جلیل الشان ہے اور تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔
اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے اور صدقہ دے تو اس خواب کے شر اور نقصان سے محفوظ رہے گا۔

☆ ڈراؤنا خواب شیطان کے اثر سے ہوتا ہے :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور عرض کیا کہ: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا میرا سر کاٹ ڈالا گیا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (یہ خواب سن کر) ہنس دیئے اور فرمایا: جب تم میں سے کسی کے ساتھ خواب میں شیطان تماشا کرے تو وہ اس خواب کو لوگوں کے سامنے بیان نہ کرے

"إذا لعب الشيطان بأحدكم في منامه فلا يحدث به الناس" (۱)

معلوم ہوا کہ بہت سے خواب شیطانی اِلقاء ہوتے ہیں، ایسا خواب کسی سے بیان نہ کرے، کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: جب تک خواب بیان نہ کیا جائے اس وقت تک پرندہ کے پاؤں پر معلق رہتا ہے، اسے قیام وثبات نہیں ہوتا اور جب بیان کر دیا جائے تو اسی طرح واقع ہو جاتا ہے، برا خواب بیان کرنے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ کوئی معبّر حسبِ ظاہر کوئی بری تعبیر دے دے اور عام مشاہدہ میں آیا ہے کہ جیسی کوئی تعبیر دیتا ہے بتقدیر الٰہی ویسا ہی وقوع پذیر ہوتا ہے، ہر چند کہ تمام واقعات وحوادث قضاء وقدر سے وابستہ ہیں تاہم کتمان خواب سقوط تاثیر میں اس لئے مؤثر ہیں کہ دعا اور صدقہ کی طرح اس قسم کے اسباب بھی قضاء وقدر ہی سے متعلق ہیں، اس لئے حدیث میں ہے "لا تحدث رؤياك الا حبيبا أو لبيبا" یعنی اپنا خواب دوست یا عالم کے سوا کسی سے نہ کہو مردِ دانا اور دوست کے سامنے خواب بیان کرنے کو اس لئے کہا گیا ہے کہ: عقل مند، دانا اپنی عقل وحکمت کی بناء پر خواب کی اچھی ہی تعبیر دے گا، اسی طرح جو شخص دوست وہمدرد ہوگا وہ بھی خواب کو بھلائی پر ہی محمول کرے گا، اور اچھی تعبیر دے گا، جبکہ بے وقوف تو اپنی نادانی کی بناء پر اور دشمن اپنے بغض وعناد کے تحت خراب تعبیر دے گا۔ (۲)

---

(۱) مسلم : باب لا يخبر بتلعب، حديث: ۳۹۱۲
(۲) مظاہر حق : ۳۳۸/۴

☆ اپنی طرف سے خواب گھڑ کر بیان نہ کرے:

حضرت عبداللہ بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو خواب دیکھے بغیر اپنی سے طرف گھڑ گھڑ کر بیان کرے گا، اس کو یہ سزا دی جائے گی کہ جو کے دانوں میں گرہ لگائے اور وہ ایسا کبھی نہ کر سکے گا "من كذب في الرؤيا متعمدا كلف عقد شعيرة يوم القيامة" (۱)

اور آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بہت بڑا بہتان ہے کہ آدمی ایسی بات کہے جو اس کی آنکھوں نے نہیں دیکھی ہے "أفرى الفرى من أرى عينيه مالم تر" (۲)

☆ خوابوں سے شرعی احکامات ثابت نہیں ہوتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک صاحب آئے اور ایک دوسرے شخص کو بھی ساتھ لائے اور عرض کیا: یا امیر المومنین! اس شخص نے خواب میں میری ماں کے ساتھ زنا کیا ہے، جس کا یہ اقرار کرتا ہے، اس کے اوپر حد جاری فرمائی جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: خواب کے زنا پر کہیں حد کا حکم دیا جا سکتا ہے؟، اس نے عرض کیا: حضرت اس نے زنا کا اقرار کیا ہے، اس سے میری سخت توہین ہوئی ہے، اس کو ضرور سزا ملنی چاہئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اچھا اس کو دھوپ میں کھڑا کرو، اور جلاد کو حکم دیا کہ اس کے سایہ پر سو درے لگا دے، کیوں کہ خود اس نے زنا نہیں کیا، لہٰذا اس کے وجود ظلّی پر درے لگائے جائیں۔(۳)

حضرات انبیاء علیہم السلام کے خواب سچے ہوتے ہیں، اس لئے ان کے خواب بھی وحی کا درجہ رکھتے ہیں، عام مسلمانوں کے خواب میں ہر طرح کا احتمال رہتا ہے، اس لئے وہ کسی کیلئے حجت نہیں ہوتے، خوابوں میں بعض اوقات طبعی اور نفسانی صورتوں کی آمیزش ہوتی ہے اور

---

(۱) مجمع الزوائد: باب فيمن كذب في حلمه، حديث: ۱۱۹۳۰، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: میں کہتا ہوں: اس کو ترمذی نے "متعمدا" کے قول کے بغیر ذکر کیا ہے، اس کو احمد نے روایت کیا ہے، اس میں ابو علی بن عامر التغلبی ضعیف ہیں۔

(۲) بخاری: باب الرؤيا الصالحة، حديث: ٦٦٣٦

(۳) خوابوں کی شرعی حیثیت: ۱۱

بعض گناہوں کی ظلمت وکدورت صحیح خواب پر چھا کر اس کو ناقابل اعتماد بنا دیتی ہے، بعض اوقات تعبیر صحیح بھی نہیں آتی۔

اور یہ بات قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ سچے خواب بعض اوقات فاسق وفاجر بلکہ کافر کو بھی آسکتے ہیں، سورہ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے جیل کے دو ساتھیوں کا خواب اور ان کا سچا ہونا مذکور ہے، حالانکہ یہ مسلمان نہ تھے، حدیث میں کسریٰ کا خواب مذکور ہے جو اس نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے متعلق دیکھا تھا، وہ خواب صحیح ہوا، حالانکہ کسری مسلمان نہ تھا، نیز کافر بادشاہ بخت نصر کے جس خواب کی تعبیر حضرت دانیال علیہ السلام نے دی تھی وہ خواب سچا تھا۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ محض اتنی بات کہ کسی کو کوئی سچا خواب نظر آجائے اور واقعہ اس کے مطابق ہو جائے اس کے نیک، صالح بلکہ مسلمان ہونے کی بھی دلیل نہیں ہو سکتی، ہاں یہ صحیح ہے کہ عام عادۃ اللہ یہی ہے کہ سچے اور نیک لوگوں کے خواب عموماً سچے ہوتے ہیں، فساق وفجار کے عموماً حدیث نفس یا تسویل شیطانی کی قسم باطل سے ہوا کرتے ہیں، مگر کبھی اس کے خلاف بھی ہو جاتا ہے۔(۱)

☆ سچے خواب عام امت کیلئے حسبِ تصریح حدیث ایک بشارت یا تنبیہ سے زائد کوئی مقام نہیں رکھتے، نہ خود اس کیلئے کسی معاملہ میں حجت ہیں نہ دوسروں کیلئے، بعض ناواقف لوگ ایسے خواب دیکھ کر طرح طرح کے وساوس میں مبتلا ہو جاتے ہیں، کوئی ان کو اپنی ولایت کی علامت سمجھنے لگتا ہے، کوئی اس سے حاصل ہونے والی باتوں کو شرعی احکام کا درجہ دینے لگتا ہے، یہ سب چیزیں بے بنیاد ہیں، خصوصاً جب کہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ سچے خوابوں میں بھی بکثرت نفسانی یا شیطانی یا دونوں قسم کے تصورات کی آمیزش کا احتمال ہے۔(۲)

☆ آج کل جیسے ہم لوگوں کے حالات ہیں کہ نہ اکل حلال کا اہتمام نہ گناہوں سے بچنے کا، نہ اتباع کا خیال لہٰذا ان حالات میں خواب کا شیطان کی طرف ہونا اغلب ہے۔

(۱-۲) معارف القرآن: ۲۲/۵، مکتبہ معارف کراچی

گھر کی تعمیر: آداب و ہدایات

☆ گھر کی تعمیر یہ انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے، انسان ابتدائے آفرینش ہی سے اپنے رہائش کیلئے مختلف انداز میں گھروں کی تعمیر کے جذبہ کی تکمیل کرتا رہا ہے، پہاڑوں کو تراش کر، گھاس پھوس، جھونپڑوں، ریت، مٹی، گارے اور پتھروں سے لے کر جدید طرزِ تعمیر کے فلک بوس عمارتیں جو آہنی سلاخوں سے بنائے جاتے ہیں، اس کے ذریعہ انسان اپنے ٹھکانے، آشیانے اور آسرا کو بناتا رہا ہے۔

اللہ عز وجل نے مکان کو موقع احسان و امتنان میں ذکر فرمایا ہے " وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا "(۱) اللہ عز وجل نے تمہارے گھروں کو تمہارے لئے باعث سکون بنایا ہے۔

انسان کی اسی رہائشی ضرورت کو بتلاتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ابن آدم کو بس یہ چیزیں حاصل کرنے کا حق ہے: ایک گھر میں جس میں رہائش اختیار کرے، ایک کپڑا جس سے وہ ستر ڈھانک سکے اور روٹی اور پانی جس سے شکم سیر ہو سکے "بيت يسكنه ، وثوب يواري به عورته " (۲)

اور ایک روایت میں کشادہ، بقدرِ ضرورت مکان کی تعمیر کو آدمی کی سعادت قرار دیتے ہوئے فرمایا: کشادہ مکان، نیک پڑوسی اور خوشگوار سواری آدمی کی سعادت کی علامت ہیں " من سعادة المرء المسكن الواسع، والجار الصالح، والمركب الهنيء" (۳)

---

(۱) النحل: ۸۰

(۲) ترمذی: باب منه، حديث: ۲۳۴۱، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۳) الأدب المفرد: باب المسكن الواسع، حديث: ۴۵۷، مولانا الیاس بارہ بنکوی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: جس شخص کے یہاں بیوی نہ ہو وہ بیوی حاصل کرے، جس کے پاس خادم نہ ہو، وہ خادم حاصل کرے، جس کے پاس گھر نہ ہو وہ گھر حاصل کرے " فان لم يكن له مسكن فليكتسب مسكنا " (۱)

حضرت حبۃ اور سواء خالد کے لڑکوں سے روایت ہے کہ وہ دونوں کہتے ہیں کہ: ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، آپ ﷺ کسی کام میں مشغول تھے یا کوئی تعمیر فرما رہے تھے، تو ہم نے آپ ﷺ کی مدد کی تو آپ ﷺ نے کام سے فارغ ہونے پر ہم کو دعا دی " هو يعمل عملا أو يبني بناء ا فأعناه عليه ، فلما فرغ دعا لنا " (۲)

☆ مکان کی تعمیر انسان کی رہائشی ضرورت کی تکمیل کیلئے ہے، اس لئے اس میں کفایت شعاری سے کام لیا جائے، دراصل انسان کا اصل گھر اور ٹھکانہ تو دارِ آخرت ہی ہے، فکر آخرت انسان کو عارضی دنیا، اس کی زیب وزینت، بڑی بڑی تعمیرات، کوٹھیاں، محلات بنانے کی فرصت اور مہلت ہی نہیں دیتی۔

حضور ﷺ نے فرمایا: " كن في الدنيا كأنك غريب أو عابر سبيل " تم دنیا میں ایسے رہو جیسے کوئی مسافر یا رہ گذر ہوتا ہے۔ (۳)

کسی مسافر کو درمیانِ سفر کسی جگہ پر مکان کی تعمیر کی نہیں سوجھتی وہ تو بس اپنی ضرورت کی تکمیل کے بعد منزلِ مقصود کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے، اور کسی رہ گذر کو درمیان راہ میں مکان کی تعمیر کا خیال بھی نہیں آتا، آخرت کی اَبدی زندگی کے مقابلے میں دنیا کی مختصر زندگی بھی دارِ آخرت کی تیاری کی رہ گذر ہے، اس لئے اس کے حسن وخوبصورتی اور اس کے آرائش وزیبائش میں اپنی فکری اور مالی ومادی توانائی کو صرف کرنا کسی عقل مند کا تو کام نہیں ہوسکتا، روئے زمین پر

(۱) ابوداؤد: حدیث: ٤١٤٢، امام منذری اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔
(۲) مسند احمد: حديث حبة وسواه ابني خالد، حديث: ١٥٨٩٤
(۳) بخاري: باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: كن في الدنيا كانك غريب، حديث: ٦٠٥٣

اس وقت کتنے ہی مکانات، تعمیرات، محلات، عالی شان عمارتیں ایسی بھی ہیں جو اپنی قدامت وصلابت میں بے مثال ہیں اوران کو دنیا کے عجائبات میں شمار کیا جاتا ہے، اس کی طرزِ تعمیر اور نقش ونگار آج بھی دنیا والوں کی آنکھوں کو خیرہ کیے ہوئے ہیں، مکان تو موجود ہیں، مکیں کا کوئی نام ونشان تک نہیں، بجائے اس مٹی، گارے، کنکر پتھر پر اپنے روپئے پیسے کے خرچ کرنے کے کارِ خیر میں ان کو صرف کر کے آخرت کے گھر کیلئے اپنے ان پیسوں کو اللہ کیلئے محفوظ کر لیتے تو روزِ آخرت میں کام آتے۔

آپ ﷺ نے تعمیرات میں اسراف اور فضول خرچی سے منع کرتے ہوئے فرمایا: آدمی کے ہر خرچ کا اجر وثواب ملتا ہے سوائے تعمیر میں خرچ کے "یؤجر الرجل فی نفقته کلّها الّا التراب" (۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ "الا البناء فلا خیر فیها" سوائے تعمیر کے اس میں کوئی خیر نہیں۔(۲)

اور ایک روایت میں فرمایا: "جب اللہ عزوجل کسی بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے اینٹ اور مٹی کا سبز باغ دکھاتے ہیں (اس کی نگاہ میں تعمیر کو خوشنما بناتے ہیں) پھر وہ تعمیرات میں لگ جاتا ہے،"اذا أراد اللّٰه بعبدٍ شرًّا خضّر له فی اللبن والطين حتى يبنی" (۳)

☆ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو گھر کے بنانے اور تعمیر میں مصروف دیکھا تو ان کو دارِ آخرت کی جانب متوجہ کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لے گئے،

---

(۱) ترمذی: باب: حدیث: ۲۴۸۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔
(۲) ترمذی: باب: حدیث: ۲۴۸۲، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔
(۳) الترغیب: حدیث: ۲۸۸۰: ۱۳/۳، دار الکتب العلمیة، بیروت، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو طبرانی تینوں معاجم میں سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے۔

آپ ﷺ نے راستے میں ایک قبہ (گنبد) دیکھا، تو فرمایا: یہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ کے اصحاب نے کہا: یہ فلاں انصاری کا گنبد ہے، تو آپ ﷺ خاموش ہو گئے، اور اس بات کو دل ہی میں رکھا، جب وہ صاحب آپ ﷺ کے یہاں مجلس میں آئے اور آپ ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے ان سے اعراض فرمایا، وہ آپ ﷺ کے اعراض اور غصہ کو سمجھ گئے اور اس کا ذکر اپنے ساتھیوں سے کیا، تو انہوں نے حضور ﷺ کے ان کے گنبد کو دیکھنے اور اس پر اظہارِ ناراضگی کرنے کا ذکر کیا، وہ صحابی اپنے گھر گئے اس گنبد کو زمین بوس کر دیا، پھر ایک بار آپ ﷺ کا وہاں سے گذر ہوا تو آپ ﷺ کو وہ گنبد دکھائی نہ دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس گنبد کا کیا ہوا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم نے آپ ﷺ کے اعراض کا ذکر کیا تو انہوں نے اسے منہدم کر دیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: سنو ہر تعمیر آدمی کیلئے وبال ہے مگر جو ضرورت کے درجے میں ہو "کلّ بناء وبال علی صاحبه الّا ما لا الّا ما لا" (۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ کا گذر ہوا، میں اپنے چھپر اور جھگی کو درست کر رہا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اپنے کوٹھے کو درست کر رہا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: "الأمر أسرع من ذلك" موت اس سے زیادہ قریب ہے۔ (۲)

یعنی عمارت کے منہدم ہونے اور اس کے درست نہ کرنے میں اس کے فساد اور بگاڑ کے اندیشہ سے بڑھ کر آدمی کی موت قریب ہے، اعمال کی اصلاح اور درستگی تعمیر کی اصلاح اور درستگی سے اہم اور ضروری ہے۔

---

(۱) ابوداؤد: باب ما جاء في البناء، حديث: ۵۲۳۷، عراقی کہتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد نے سند جید کے ساتھ نقل کیا ہے: المغنی عن حمل الأسفار، في الزهد: ۱۱۱۶/۲، مكتبة طبريه

(۲) ابوداؤد: باب ما جاء في البناء، حديث: ۵۲۳۷، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد، ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے اور ابن ماجہ اور ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں نقل کیا ہے: الترغیب: كتاب التوبة والزهد، حديث: ۵۰۶۶

☆ دوسرے کی زمین ہڑپ کر یا دوسرے کے کسی بھی طرح راستے میں حائل ہوکر یا اس کی ہوا اور روشنی کو بند کر کے عمارت تعمیر نہ کی جائے، چونکہ حدیث میں ہے "لا ضرر ولا ضرار" نہ نقصان برداشت کرنا اور نہ نقصان دینا ہے، اس حدیث کی روشنی میں کسی کو بھی کسی طرح کا نقصان اور ضرر پہنچائے بغیر تعمیر کرنا ہے۔

اگر کسی کی زمین ہڑپ کر کے تعمیر کی جاتی ہے تو اس پر تو سخت قسم کی وعید آئی ہے "من ظلم قيد شبر من الأرض طوقه من سبع أراضين" جو شخص ایک بالشت پر بھی ظلماً ہڑپ کرتا ہے تو اس کو ساتوں زمین کا اسی کے بقدر بوجھ اس پر لادا جائے گا۔

☆ تعمیر میں مسابقت اور منافست اور عمارتوں کو بلند کرنا اور اس کے تزئین و آرائش اور اس کا نقش ونگار کرنا یہ قیامت کی علامت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ لوگ تعمیرات میں ایک دوسرے سے مسابقت اور آگے بڑھنے کی کوشش نہ کریں "حتى يتطاول النّاس في البنيان" (۱)

☆ عمارتوں میں بے جا نقش ونگار کو بھی حضور ﷺ نے ناپسند فرمایا ہے:

آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے جسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ: آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت اس سے پہلے نہیں آئے گی کہ لوگ گھر بنانے لگیں گے جو یمنی چادروں کے مشابہ (اس کی طرح نقش ونگار کے) گھر بنائیں گے "حَتّىٰ يَبْنِيَ النَّاسُ بُيُوتًا يُشَبِّهُوْنَهَا بِالْمَرَاجِلِ" (۲)

☆ آپ ﷺ کے ازواجِ مطہرات کے کمرے سادگی کے نمونہ تھے:

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ: میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے

---

(۱) بخاري: باب خروج النار، حدیث: ٦٤٠٤

(۲) الأدب المفرد: باب نقش البنيان: حديث: ٢١٦، مولانا الیاس بارہ بنکوی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

زمانے میں ازواجِ مطہرات کے حجروں میں جاتا اور اپنے ہاتھوں سے ان حجروں کی چھتوں کو چھو لیتا "فَأَتَنَاوَلُ سَقْفَهَا بِيَدِیْ" (۱)

حضرت داؤد بن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میں نے امہات المؤمنین کے حجروں کو اندر سے جا کر دیکھا تو وہ کھجور کے تنوں سے چھائے گئے تھے، اور اس کے اوپر چمڑے وغیرہ ڈالے گئے تھے، میرا اندازہ ہے کہ ایک حجرہ کی چوڑائی حجرہ کے دروازے سے لے کر اس کی آخری دیوار تک چھ ہاتھ یا سات ہاتھ اور حجرے کے اندر کی گنجائش دس ہاتھ اور اس کی چھت آٹھ یا سات ہاتھ ہوتی یا اس کے قریب "وَاَحْرُزُ الْبَيْتَ الدَّاخِلَ عَشَرَ اَذْرُعٍ وَاَظُنُّ سُمْكُهُ بَيْنَ الثَّمَانِ وَالسَّبْعِ نَحْوَ ذٰلِكَ" (۲)

☆ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں بلند وبالا اور غیر ضروری عمارتوں کے تعلق سے لوگوں کو تنبیہ اور تاکید فرمائی تھی۔

حضرت عبداللہ رومی کہتے ہیں کہ: میں ام طلق کے پاس گیا، اور کہا کہ: آپ کے حجرے کی چھت کتنی نیچی ہے، انہوں نے کہا کہ: اے میرے بچے! امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو تحریری حکم دیا تھا کہ اپنی عمارتیں زیادہ اونچی نہ بنائیں؛ کیونکہ اونچی چھت بنانے کا زمانہ تمہارے برے دن ہوں گے "اَنْ لَّا تُطِيْلُوْا بِنَاءَ كُمْ، فَاِنَّهٗ مِنْ شَرِّ اَيَّامِكُمْ" (۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی پلاننگ اور از سرِ نو تعمیری منصوبہ بندی کی تو لوگوں کو بانس کے گھر بنانے کو کہا، لیکن جب اس میں آگ لگنے لگی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پتھر کے بنانے کی اجازت

(۱) الأدب المفرد: باب التطاول فی البنیان، حدیث: ٤٥٠، مولانا الیاس بارہ بنکوی نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

(۲) الأدب المفرد: باب التطاول فی البنیان، حدیث: ٤٥٠، مولانا الیاس بارہ بنکوی نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

(۳) الأدب المفرد: باب التطاول فی البنیان، حدیث: ٤٥٦، مولانا الیاس بارہ بنکوی نے کہا ہے کہ: اس میں علی بن مسعدہ ہیں، ابوداؤد الطیالسی نے ان کی توثیق کی ہے، ابو حاتم نے کہا ہے کہ: ان میں کوئی حرج نہیں، اور ام طلق کے احوال بھی نامعلوم ہیں۔

طلب کی گئی تو حضرت عمر نے فرمایا: ٹھیک ہے ایسا کرو، لیکن دو کمروں سے کوئی زائد نہ بنائے اور نہ عمارت کی بلندی اور اونچائی میں مفاخرت کرے "وَلَا تَطَاوَلُوْا فِيْ الْبُنْيَانِ" (۱)

☆ آپ ﷺ نے تعمیرات میں مسرفانہ اور بے جا خرچ پر بہت سخت وعیدیں سنائی ہیں:

حضرت ابوبشیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ عز وجل آدمی کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں تو اس کے مال کو تعمیر میں لگا دیتے ہیں "اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ هَوَانًا اَنْفَقَ مَالَهٗ فِيْ الْبُنْيَانِ" (۲)

اور ایک روایت میں ہے کہ: جو شخص اپنی ضرورت سے زیادہ تعمیر کرے تو اسے روزِ قیامت اٹھانے کیلئے کہا جائے گا " مَنْ بَنٰى فَوْقَ مَا يَكْفِيْهِ كُلِّفَ اَنْ يَحْمِلَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ " (۳)

اور ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ عز وجل کسی کے مال کی برکت اٹھالینا چاہتے ہیں تو اس کے مال کو مٹی اور پانی میں لگا دیتے ہیں " اِذَا لَمْ يُبَارَكْ فِيْ مَالِهٖ " (۴)

البتہ گھر کی تعمیر میں ان امور کا ضرور لحاظ کیا جائے:

۱۔ گھر کا بیت الخلاء اس طرح بنایا جائے کہ قبلہ کی طرف چہرہ یا پشت نہ ہونے پائے۔

۲۔ مکان اس طرح بنائیں کہ پردے کے سلسلے میں جو شرعی احکام ہیں ان کا لحاظ کرنا آسان ہو۔

---

(۱) تاریخ ابن خلدون: الفصل الثاني المباني والمصانع في الملة الاسلامية قليلة: ۴۴۷/۱ دار الفکر، بیروت

(۲) مجمع الزوائد: باب ما جاء فی البنیان، حدیث: ۵۲۷۸، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں ایک شخص ہیں جن میں کو نہیں جانتا۔

(۳) مجمع الزوائد: باب الاقتصاد فی طلب الرزق، حدیث: ۶۲۸۱، علامہ ہیثمی کہتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس میں مسیب بن واضح ہیں، ان کی نسائی نے توثیق کی ہے اور ایک جماعت نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(۴) شعب الایمان، فصل فی ذم بناء ما لا یحتاج، حدیث: ۱۰۷۱۹، مناوی کہتے ہیں کہ: اس کو سند ضعیف کے ساتھ نقل کیا ہے: التیسیر فی شرح جامع الصغیر، حرف الهمزة: ۲۵۴/۱ مکتبة الامام الشافعي، الرياض

۳۔ گھر کی گندگی اور غلاظت کو راستہ پر نہ ڈالا جائے، اس کے بہاؤ کا معقول انتظام کیا جائے؛ تاکہ راہ چلنے والوں کو تکلیف نہ ہو۔

۴۔ جتنی زمین اس کی ملکیت میں ہے اس پر ہی مکان بنائے، سرکاری اور عوامی املاک میں تجاوز سے گریز کرے۔

۵۔ ڈیکوریشن میں غلو اور مبالغہ سے کام نہ لے، یہ فضول خرچی ہے، اور فضول خرچی جائز نہیں۔

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ مکان بنانے کے حدود کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے؛ کیونکہ لوگوں کے درجات مختلف ہیں اور انہیں درجات سے ضروریات بھی مختلف ہیں، کسی ایک کو ایک حجرہ (کمرہ) آسائش وراحت کیلئے کافی ہوتا ہے اور کسی کو ایک بڑا مکان بھی مشکل سے کافی ہوتا ہے، ایک شخص کو زیادہ سردی لگتی ہے وہ لحاف اوڑھتا ہے اور ایک شخص کا جاڑا ہلکی رضائی میں چلا جاتا ہے، دونوں کا اسراف الگ الگ ہے، ہر شخص اپنی ضرورت کو خود ہی سمجھ سکتا ہے۔

ہاں ضرورت سے آگے ایک درجہ آرائش کا ہے وہ بھی جائز ہے بشرطیکہ اس میں اسراف اور حدودِ شرعیہ سے تجاوز نہ ہو اور نہ قصد وفخر وعجب کا اختلاط ہو؛ کیوں کہ یہ درجہ نمائش کا ہے جو ناجائز ہے۔

اور ایک جگہ فرماتے ہیں کہ: مکان بنانے میں یہ امور ملحوظ رہیں:

الف : بے ضرورت مکان نہ بنوائے جائیں

ب : اپنی عمارت کی اصلاح کیلئے جس کے پاس زمین دیکھی دبالی تاکہ اپنی عمارت نہ بگڑے (یہ ناجائز اور حرام ہے) اسی طرح کسی کی مِلک میں دروازہ نہ کھولا جائے اور نہ کسی کی مِلک میں نالی نکالی جائے۔

افسوس ہے کہ پہلے زمانہ میں تو کفار سلاطین (بادشاہ) بھی ایسا نہ کرتے تھے پھر حیرت ہے کہ ہم مسلمان اور ضعیف القدرہ ہو کر یہ حرکتیں کریں؟

نوشیرواں بادشاہ تھا جب اپنا محل بنانا چاہا تو ایک بڑھیا کا مکان محل کے قریب تھا جس کے ملانے کی ضرورت تھی ورنہ محل میں ریخ (رخنہ وکج) رہتا تھا، مگر اس نے دینے سے انکار کر دیا تو نوشیرواں نے اس پر زور نہ دیا اور نہ جبر کیا بلکہ اپنا مکان ٹیڑھا ہی بنالیا اور ایک گوشہ کے بگڑنے کا خیال نہ کیا۔

ج : تیسری چیز اس سلسلے کی یہ ہے کہ تعمیر میں حرام مال نہ لگایا جائے ورنہ از روئے حدیث یہی ویرانی کی جڑ ہے، تھانہ بھون میں پیر محمد صاحب کی مسجد عالمگیر کے وقت کی ہے جس کی دیواریں اور گنبد گارے کے ہیں، مگر (مضبوطی اور) پائیداری کی اس کے سوا اور کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ مال حلال تھا اور نیت میں خلوص تھا۔

د : چوتھے یہ کہ عمارات میں ریاء وتفاخر واسراف سے تحرز (بچنا) لازم ہے، بس ہر عمارت میں یہ امر ضروری اور قابل لحاظ ہے کہ یہ تعمیر آسائش کے واسطے ہوں وہ تقوی کے خلاف ہیں اور آج کل اکثر عمارتیں نمائش (دکھلاوے) کے واسطے ہیں جن میں ضرورت کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ (۱)

☆ آدمی کا اپنا مکان اس کیلئے باعث راحت وسکون ہوتا ہے حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: ہماری گھر والی ہم سے ہمیشہ کہا کرتیں کہ ایک مکان رہنے کیلئے علاحدہ بنالو، لیکن میں ان کو ٹال دیتا کہ چند روزہ زندگی کیلئے مکان بناتی ہو، جب میں حج کرنے گیا اور بعد میں گھر میں پہنچ گئیں تو انہوں نے حضرت حاجی صاحب سے شکایت کی کہ میں گھر بنوانے کو کہتی ہوں اور یہ گھر نہیں بناتے، حضرت نے مجھ سے فرمایا: میاں تمہارے گھر میں سے گھر بنوانے کو کہتی ہیں کیا حرج ہے، یہ تو اچھی بات ہے، اپنے خاص گھر میں آرام ملتا ہے، میں نے جی میں کہا کہ ترکیب تو مکان بنوانے کی اچھی نکالی، میں نے عرض کر دیا بہت اچھا اب بن جائیگا، واپسی کے بعد جب مکان بن گیا تو قصداً میں نے حضرت کو لکھا، حضرت نے فرمایا: گھر مبارک ہو۔

حضرت (تھانویؒ) نے فرمایا کہ گھر بنانے کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے بغیر راحت نہیں ہوتی، باقی اگر کسی کو تنگی ہو اور نہ بنا سکے تو اور بات ہے۔ (۲)

(۱) احکام المال : ۱۵۷-۱۵۸ (۲) احکام المال : ۱۴۹-۱۵۰

☆ مکان کشادہ ضرور ہونا چاہئے:

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "الشؤم فی ثلاثة المرأة والدار والفرس" (۱)

شراحِ حدیث نے شوم فی الدار (یعنی منحوس گھر) کی ایک تعبیر یہ بھی کی ہے کہ مکان تنگ ہو، ضرورتوں کیلئے کافی نہ ہو، تنگ مکان سے واقعی تکلیف ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں وسعتِ مکان (یعنی مکان کے وسیع ہونے) کی دعاء بھی آئی ہے، چنانچہ ارشاد ہے "اَللّٰهُمَّ وَسِّعْنِیْ فِیْ دَارِیْ" یعنی اے اللہ مجھ کو وسیع مکان دیجئے۔ البتہ واقعی مکان نہ ہونے سے سخت تکلیف ہوتی ہے مگر مختصر مکان ضرورت کے لائق کافی ہے، زیادہ اونچا مناسب نہیں، حدیث میں ہے "وبیت یتدخل فیه" کہ مکان ایسا ہو جس میں بے تکلف داخل ہو سکے، مکان زیادہ اونچا کرنا قوم عاد کی میراث ہے، قومِ عاد شان کیلئے نئے نئے اونچے اونچے مکان بنایا کرتے تھے۔

☆ رہ گئی "واستو" کی بات یعنی مکان کا ڈیزائن کیا ہو، اور کونسی چیز کس جگہ ہو؟ اور اس سے برکت اور بے برکتی کو متعلق سمجھنا قطعاً درست نہیں، یہ ایمان کی کمزوری کی بات ہے، مسلمانوں کا ایمان ہے کہ تمام نفع ونقصان اللہ کے فیصلہ پر منحصر ہے، اور کوئی بھی چیز اپنی اصل میں منحوس نہیں، مکان کے ڈیزائن اور اس میں مختلف ضروریات کیلئے جگہ کے تعین کا مشورہ انجینئرس اور فنی ماہرین سے کرنا چاہئے نہ کہ پنڈتوں سے۔

مسافر بن عوف بن الاحمر نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے جس وقت وہ انباری سے نہروان جارہے تھے کہا: امیر المؤمنین! آپ اس وقت سفر نہ کریں، دن کے جب تین گھنٹے گذر جائیں تو روانہ ہوں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں؟ اس نے کہا: اگر اس وقت سفر کریں گے تو آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو سخت نقصان پہنچ سکتا ہے، اور جس گھڑی میں جانے کیلئے کہہ رہا ہوں اس وقت جائیں گے تو کامیاب اور بامراد ہوں گے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: حضور ﷺ کیلئے کوئی نجومی تھا اور نہ ہمارے لئے آپ کے بعد اس طرح کا کوئی نجومی ہوگا

(۱) بخاری: باب ما یذکر من شؤم الفرس، حدیث: ۲۷۰۳

" ما کان لمحمد منجم ولا لنا من بعده " پھر فرمایا: اے اللہ اچھائی اور برائی سب تیری ہی طرف سے ہے "اَللّٰهُمَّ لَا طَيْرَ اِلَّا طَيْرُكَ وَلَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُكَ " پھر منزلِ مقصود کی جانب چل پڑے۔(۱)

☆ گھر میں ایک جگہ معتکف اور عبادت گاہ کے طور پر بھی ہو جو چھوٹے بچوں کی آمد ورفت سے دور ہو، اور گندگی اور غلاظت وہاں نہ ہو، گھر کا کوئی فرد بھی وہاں یکسوئی کے ساتھ نماز کی ادائیگی کر سکتا ہو۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے قرآن میں حکم دیا "واجعلوا بیوتکم قبلة" (یونس :۷۸) اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ (نماز گاہ بناؤ)۔

اسی طریقے سے نبی پاک ﷺ کی حدیث ہے" ولا تجعلوا بیوتکم مقابر"(مسلم : باب استحباب صلاۃ النافلة فی بیته ،حدیث : ۷۸۰) اپنے گھروں کو قبر نہ بناؤ۔

(۱) تفسیر القرطبی: سورۃ الجن: ۲۹/۱۹، دار الکتب المصریه، القاهرة

گھر سے نکلنے اور داخل ہونے کے آداب

☆ بسم اللہ پڑھ کر بایاں پیر باہر نکالے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص اپنے گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھتا ہے "بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" (میں اللہ کا نام لے کر نکل رہا ہوں، اللہ ہی پر بھروسہ ہے، کسی خیر کے حاصل کرنے یا کسی شر سے بچنے میں، کامیابی اللہ ہی کے حکم سے ہو سکتی ہے) تو اس وقت اس سے کہا جاتا ہے یعنی فرشتے کہتے ہیں: تمہارے کام بنا دیئے گئے اور تمہاری ہر شر سے حفاظت کی گئی، شیطان (نامراد ہو کر) اس سے دور ہو جاتا ہے" وتنحی عنه الشیطٰن" (۱)

ایک روایت میں ہے کہ اس وقت (اس دعا کے پڑھنے کے بعد) اس سے کہا جاتا ہے: تمہیں پوری رہنمائی مل گئی، تمہارے کام بنا دیئے گئے اور تمہاری حفاظت کی گئی، چنانچہ شیاطین اس سے دور ہو جاتے ہیں، دوسرا شیطان پہلے شیطان سے کہتا ہے: تو اس شخص پر کیسے قابو پا سکتا ہے جسے رہنمائی مل گئی ہو؟ جس کے کام بنا دیئے گئے ہوں اور جس کی حفاظت کی گئی ہو، "کیف لك برجل قد هُدی و کُفی ووُقی" (۲)

---

(۱) ترمذی: باب ما یقول الرجل اذا خرج من بیته، حدیث: ۲٤۳٦ ، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) ابوداؤد: باب ما یقول اذا خرج من بیته، حدیث ۵۰۹۵، بوصیری کہتے ہے کہ: اس کی سند ہارون بن عبداللہ کی وجہ سے، طبرانی نے کتاب الدعاء میں اسی سند اور متن کے ساتھ نقل کیا ہے، اور اس کا ایک شاہد حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کو ابن حبان اپنی صحیح میں اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کو حسن صحیح غریب کہا ہے: مصباح الزجاجة: کتاب الدعاء: ۲/۲۵۸، دار الجنان، بیروت

☆ پھر اس کے بعد آسمان کی جانب دیکھ کر یہ دعا پڑھے:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزَلَّ اَوْ اَظْلَمَ اَوْ اُظْلِمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ یُجْهَلَ عَلَیَّ" (۱) اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں گمراہ ہو جاؤں یا گمراہ کیا جاؤں یا سیدھے راستہ سے پھسل جاؤں یا ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے، یا میں جہالت میں برابرتاؤ کروں یا میرے ساتھ جہالت میں برابرتاؤ کیا جائے۔

☆ جب گھر میں داخل ہو تو بسم اللہ کہہ کر دایاں پیر اندر رکھے اور گھر والوں کو سلام کرے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "اے بیٹے! جب تو اپنے اہل کے پاس جائے تو ان کو سلام کر یہ تیرے اور تیرے گھر والوں کیلئے برکت کا باعث ہوگا "فتكون بركةً عليك وعلى أهل بيتك" (۲)

اور ایک روایت میں ہے کہ: تین اشخاص اللہ کی ضمانت اور ذمہ داری میں ہوتے ہیں، ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو اپنے گھر میں سلام کر کے داخل ہوتا ہے "ورجل دخل بيته بسلام فهو ضامن على الله عزوجل" (۳)

☆ پھر یہ دعا پڑھے:

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَ الْمَوْلَجِ وَخَیْرَ الْمَخْرَجِ، بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا، وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا" (اے اللہ! میں آپ سے گھر میں داخل ہونے اور گھر سے نکلنے کی خیر مانگتا ہوں

(۱) ابوداؤد: باب ما يقول اذا خرج من بيته، حديث: ۵۰۹۴، امام نووی فرماتے ہیں کہ: ابوداؤد اور ترمذی نے اس کو صحیح اسانید کے ساتھ ذکر کیا ہے: ریاض الصالحین: ۴۶/۱

(۲) ترمذی: التسليم اذا دخل بيته، حديث: ۲۶۹۸، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن اور غریب ہے۔

(۳) ابوداؤد: باب فضل الغزو، حديث: ۲۴۹۴، مناوی کہتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد نے جہاد میں روایت کیا ہے اور اس کی تضعیف نہیں کی ہے، اور حاکم نے اس کو کتاب البیوع میں ابو امامہ سے نقل کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے اور علامہ ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔

یعنی میرا گھر میں داخل ہونا اور باہر نکلنا میرے لئے خیر کا ذریعہ ہو، اللہ تعالیٰ ہی کے نام کے ساتھ ہم گھر میں داخل ہوئے اور اللہ تعالیٰ ہی کے نام کے ساتھ ہم گھر سے نکلے اور اللہ تعالیٰ ہی پر جو ہمارے رب ہیں ہم نے بھروسہ کیا) پھر اپنے گھر والوں کو سلام کرے۔(۱)

☆ اگر آدمی اللہ کے ذکر اور اہل کو سلام کئے بغیر گھر میں داخل ہوتا ہے تو شیطان گھر میں ٹھکانہ بناتا ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے اور داخل ہونے اور کھانے کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان (اپنے ساتھیوں سے) سے کہتا ہے کہ: یہاں تمہیں رات رہنے کی جگہ مل گئی اور جب کھانے کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا تو شیطان (اپنے ساتھیوں سے) کہتا ہے کہ یہاں تمہیں رات رہنے کی جگہ اور کھانا بھی مل گیا" واذا لم یذکر اللہ عند طعامه قال : ادرکتم المبیت والعشاء " (۲)

☆ جب گھر میں داخل ہو تو سورۂ اخلاص پڑھے:

جو شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت سورۂ اخلاص پڑھتا ہے تو اس گھر اور اس کے پڑوس سے فقر کو ہٹا دیا جاتا ہے "ونفت الفقر عن أهل ذلك المنزل والجیران" (۳)

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جب اپنے گھر میں داخل ہوتے اس کے کونوں میں آیت الکرسی پڑھتے "اذا دخل منزله قرأ فی زوایاه اية الكرسی"(۴)

---

(۱) ابوداؤد: باب مایقول الرجل ذا دخل بیته، حدیث: ۵۰۹۶، علامہ نووی نے کہا ہے کہ: اس کو ابوداؤد نے ضعیف نہیں کہا ہے: الاذکار: ۱/۲۳، دار الفکر، بیروت، محقق شعیب الارنوط کہتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن ہے۔

(۲) مسلم : باب اداب الطعام والشراب وأحكامها، حدیث : ۵۲۶۲

(۳) مجمع الزوائد : باب ما یقول اذا دخل منزله واذا خرج منه، حدیث: ۱۷۰۷۵، اس کو طبرانی نے روایت کیا اور اس میں مروان بن سالم الغفاری متروک ہیں۔

(۴) مجمع الزوائد: باب ما یقول اذا دخل منزله واذا خرج منه، حدیث: ۱۷۰۷۵، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابویعلی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں، مگر عبد اللہ نے ابن عوف سے نہیں سنا ہے۔

راستے پر چلنے کے آداب

☆ درمیانی چال چلے، نہ اس قدر تیز کہ ٹھوکر کھا کر گر جانے کا اندیشہ ہو، نہ اس قدر دھیمی رفتار سے کہ لوگ بیمار سمجھیں، چال میں تکبر، خود پسندی اور عجب کی بو نہ آئے۔

اللہ کے خاص بندوں کی علامت یہ بتلائی گئی ہے کہ وہ زمین پر نرمی کے ساتھ چلتے ہیں "وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا" (۱)

کوئی شخص زمین پر اترا کر چلنے سے نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتا ہے "وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا" (۲) "اور زمین پر اِتراتا ہوا مت چل (کیونکہ تو) نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ (بدن کو تان کر) پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتا ہے۔"

☆ نگاہیں نیچی رکھے کہ حرام چیزوں پر نہ نظر پڑنے پائے، خصوصاً اجنبی عورتوں پر اپنی نگاہیں پڑنے سے اپنے آپ کو بچائے رکھے۔

اللہ عزوجل کا ارشادِ گرامی ہے "قُلْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ" "وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ" (۳) آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور (اسی طرح) مسلمان عورتوں سے (بھی) کہہ دیجئے کہ وہ (بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

---

(۱) الفرقان : ۶۳

(۲) الاسراء : ۳۷

(۳) النور: ۳۰

اور فرمایا "اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡئُوۡلًا "(۱)

کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی (قیامت کے دن) پوچھ ہوگی اور فرمایا "یَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡیُنِ وَمَا تُخۡفِی الصُّدُوۡرُ" (۲) وہ (ایسا ہے کہ) آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے اور ان (باتوں) کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کیلئے اپنے حصہ کا زنا ہے جو اس سے سرزد ہو کر رہے گا، آنکھیں زنا کرتی ہیں ان کا زنا دیکھنا ہے، کان زنا کرتے ہیں، ان کا زنا سننا ہے، زبان زنا کرتی ہے اور اس کا زنا بات کرنا اور تکلم ہے اور ہاتھ زنا کرتے ہیں، ان کا زنا پکڑنا ہے، اور پیر زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا چلنا ہے، دل خواہش اور تمنا کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتے ہیں "ویصدّق ذلك الفرج أو یُکذّبه " (۳)

☆ جان پہچان والے اور نا معلوم ہر دو شخص کو سلام کرے:

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: اسلام کے بہترین اعمال کیا ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھانا کھلانا اور سلام کرنا، جان پہچان والے کو بھی اور غیر معلوم شخص کو بھی "علی من عرفت ومن لم تعرف " (۴)

☆ راستے کی صفائی ستھرائی کا خیال رکھا جائے، گندگی، غلاظت، کوڑا کرکٹ سے شاہراہ عام کو اٹا نہ جائے، یا راستے میں ایسی چیزیں نہ ڈالی جائیں جو گذرنے والوں کے پھسلنے کا سبب بنتی ہوں۔

بلکہ مسلمان کو تو چاہئے کہ راستے میں جو رکاوٹیں اور روڑے ہوں، انہیں ہٹائے اور گذرنے والوں کو تکلیف والی چیزیں جیسے پتھر، کانٹے وغیرہ کو دور کرے۔

---

(۱) الاسراء : ۳۶
(۲) الغافر : ۱۹
(۳) مسلم : باب قدر علی ابن ادم حظه، حدیث: ۲۶۵۷
(۴) بخاری: باب افشاء السلام من الاسلام، حدیث: ۲۸

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں، سب سے بلند شعبہ "لا الـه الا اللّٰه" کہنا ہے، اور سب سے کمتر شعبہ راستے سے تکلیف دینے والی چیز کا ہٹا دینا "وادناها اماطة الأذى عن الطريق" (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: راستے پر درخت کی ٹہنی تھی جس سے لوگوں کو چلنے میں تکلیف ہو رہی تھی، اس نے اس ٹہنی کو نکال دیا تو اس کے اس عمل کی وجہ سے وہ جنت میں داخل کیا گیا " فاماطها رجل فادخل الجنّة " (۲)

☆ راستے کے دیگر حقوق کا پاس ولحاظ کیا جائے جس کو مختلف روایتوں میں یوں ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ اپنے اصحاب کے پاس آئے اور فرمایا: تم راستوں میں بیٹھنے سے اجتناب کرو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہماری ان مجالس میں مختلف امور کے سلسلے میں گفتگو کے لئے بیٹھنا پڑتا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تمہیں راستوں پر بیٹھنا ہی ہو تو راستے کا حق ادا کرو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! راستے کے حقوق کیا ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

۱- نگاہیں نیچی رکھنا۔

۲- سلام کا جواب دینا۔

۳- بھلائی کا حکم کرنا، برائی سے روکنا۔

۴- ایک روایت میں ہے "حسن الكلام" بہترین گفتگو کرنا۔

۵- مسافر کی رہنمائی اور رہبری کرنا۔

---

(۱) مسلم : باب بيان عدد شعب الايمان ،حديث: ۳۵

(۲) ابن ماجة: باب امامة الأذى عن الطريق ،حديث: ۳۶۸۲ ،مناوی کہتے ہیں کہ: اس کو احمد اور ابویعلی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور مصنف نے اس کے حسن ہونے کا نشان لگایا ہے: فيض القدير: شرح جامع الصغير، حرف الكاف ،حديث: ۶۲۱۲: ۵۴۶/۴

۶- چھینکنے والے کے "الحمد للہ" کہنے پر جواب دینا "تشمیت العاطس".
ابوداؤد نے یہ اضافہ کیا ہے: مجبور کی مدد کرنا، گم کردہ راہ کی رہنمائی کرنا،
"وتغیثوا الملهوف، وتهدوا الضالّ" امام احمدؒ اور ترمذیؒ نے یہ اضافہ کیا ہے۔
۷- راستے کی رہنمائی کرنا۔
۸- مظلوم کی اعانت کرنا: "واعینوا المظلوم".
۹- سلام کو رواج دینا۔

☆ شریف عورتیں جب کسی ضرورت سے راستے پر چلیں تو بُرقعے یا چادر سے اپنے جسم، لباس اور زیب و زینت کی ہر چیز کو خوب اچھی طرح چھپالیں اور چہرے پر نقاب ڈال لیں۔ اس لئے ارشادِ خداوندی ہے "يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَا بِيْبِهِنَّ" (۱)

اور فرمایا: "عورت چھپانے کی چیز ہے" اور بلاشبہ جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو اسے شیطان تکنے لگتا ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ عورت اُس وقت سب سے زیادہ اللہ کے قریب ہوتی ہے جبکہ وہ اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے، "وانّها لا تكون أقرب الى الله منها فى قعر بيتها" (۲)

اور فرمایا "وَقَرْنَ فِىْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى" (۳) اور تم اپنے گھروں میں رہو اور زمانۂ قدیم کی جہالت کے دستور کے موافق مت پھرو۔

"يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَا بِيْبِهِنَّ" کی تفسیر میں ابن کثیرؒ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے: "أمر الله نساء المؤمنين اذا خرجن من بيوتهنّ فى حاجة أن يُغطّين وجوههن من فوق رؤوسهنّ بالجلابيب ويبدين

---

(۱) الاحزاب: ۵۹
(۲) صحيح ابن حبان: كتاب الحظر والاباحة، حديث: ۵۵۹۸، محقق شعیب الارنؤط کہتے ہیں کہ: اس کے رجال ثقہ اور صحیح کے رجال ہیں؛ لیکن یہ روایت منقطع ہے۔
(۳) الاحزاب: ۳۳

علینا واحدۃً " (۱) یعنی اللہ نے مومنین کی عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب کسی مجبوری سے اپنے گھروں سے نکلیں تو ان چادروں سے چہروں کو ڈھانک لیں، جو سروں کے اوپر بڑی چادریں اوڑھ رکھی ہیں اور راہ چلنے کیلئے صرف ایک آنکھ ظاہر کریں۔

☆ عورتیں ایسا زیور پہن کر نہ چلیں جس میں چلتے وقت جھنکار پیدا ہوتی ہو، دبے پاؤں چلیں:

چونکہ حدیث میں ہے کہ اللہ عزوجل عورت کے زیور کی جھنکار ایسے ہی ناپسند ہے جیسے گانا ناپسند ہے، اور اس کے پہننے والے کو ایسے عذاب ہوگا جیسا عذاب ساز بجانے والے کو ہوگا آواز دار زیور وہی عورت پہنتی ہے جو ملعون ہو " ولا تلبس خلخالاً ذات صوت الّا ملعونة " (۲)

☆ عورتیں پھیلنے والی خوشبو لگا کر نہ نکلیں :

ایسی عورت کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو عورت بھڑکیلی خوشبو لگا کر نکلتی ہے تو وہ اپنے گھر واپس آنے تک برابر اللہ کی ناراضگی میں ہوتی ہے " لم تزل في سخط الله حتى ترجع إلى بيتها " (۳)

☆ عورتیں راستے کے کناروں سے چلیں اور مردوں کو چاہئے کہ ان سے بچ کر چلیں:

حضرت ابو اُسید رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ: انہوں نے نبی کریم ﷺ کو مسجد سے باہر نکلتے ہوئے عورتوں سے یہ کہتے ہوئے سنا: تم پیچھے رہو، اور راستوں کے کناروں سے چلو "علیکنّ بحافّات الطریق "اس کے بعد عورتیں بالکل دیواروں سے چپکی چلتی تھیں، ان کے دیواروں سے چپک کر چلنے سے بعض دفعہ ان کے کپڑے اس سے اٹک جاتے تھے۔ (۴)

---

(۱) الدر المنثور: ۶۵۹/۶، دار الفکر، بیروت

(۲) کنز العمال: الاکمال من الفصل الاول، حدیث: ۴۵۰۷۱

(۳) مجمع الزوائد: باب خروج النساء الی المساجد، حدیث: ۲۱۱۷، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس میں موسی بن عبید ضعیف ہیں۔

(۴) ابوداؤد: باب فی مشی النساء مع الرجال فی الطریق، حدیث: ۵۲۷۲، البانی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

ٹرافک کے آداب

حکومت نے ٹرافک کے جو اصول وقواعد مقرر کئے ہیں، کہیں تیز چلنے کے اور کہیں آہستہ چلنے کے، رکنے اور نہ رکنے کے، گاڑی کے کسی مقام پر ٹھہرانے کے اور کسی مقام پر نہ ٹھہرانے کے، یہ انتظامی نوعیت کے قوانین ہیں، جن کا مقصد ہماری جان اور ہماری سواری کا تحفظ ہے، جان ومال کی حفاظت ایک شرعی فریضہ ہے، ایسے قوانین کی اطاعت کا ہم نے گویا حکومت سے عہد کیا ہوا ہے، ان اصول وقواعد کی رعایت نہ کرنا یہ ملکی قوانین کی مخالفت اور عہد کی خلاف ورزی اور اپنی جان ومال کی حفاظت میں بے احتیاطی کی وجہ سے شرعی اعتبار سے یہ ایک ناپسندیدہ عمل ہے۔

☆ سڑک پر چلنے کے دوران آپ اپنی گاڑی کی رفتار معتدل رکھیں، جو آگے چل رہا ہے اسے آگے چلنے دیں، اگر کسی کی سواری پیچھے ہے، اور اس کی سواری کی رفتار آپ کے مقابلہ میں تیز ہے تو اسے آگے بڑھنے کا موقع دیں۔ یہ اسلامی طریقہ نہیں کہ آپ یہ بالکل گوارا نہ کریں کہ کسی کی گاڑی آپ سے آگے رہے، بلا وجہ اس کو پیچھے کر کے خود آگے بڑھنے کے درپے ہوں، یہ اکڑ کر چلنے میں داخل ہے جس کو شریعت نے منع کیا ہے: ”وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا“ (۱) زمین میں اکڑ کر نہ چلو، کہ نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتے ہیں۔

☆ نیک صالح اور مقبول لوگوں کی چال ڈھال اور گفتار ورفتار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ”وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا“ (۲)

---

(۱) الاسراء: ۳۷ (۲) الفرقان: ٦٢

رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عجز وانکساری وفروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب نادان لوگ ان سے ہم کلام ہوتے ہیں تو کی بات کہہ کر نکل جاتے ہیں۔

☆ راستے میں چلتے ہوئے بار بار اس کی نوبت آتی ہے کہ ٹریفک کے اصول سے ناواقف، جلد باز اور جاہل واُجڈ قسم کے لوگ منہ آنے لگتے ہیں، کوئی اپنی سواری غلط طریقہ پر بیچ میں لے آتا ہے، کوئی اپنی مخالف میں گھس آتا ہے، کوئی بے موقع ہارن بجا کر دق کرتا ہے، کوئی ایسی جگہ گاڑی روک دیتا ہے جہاں گاڑی روکنے کی اجازت نہیں، اس سے ٹرافک کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، تو ایسے وقت بجائے ایسے لوگوں کے ساتھ الجھنے اور ٹرافک کو جام کرنے کے خاموش نکل جانے میں بہتری ہے۔

قرآن مجید نے اچھے انسان کی یہ صفت بیان کی ہے کہ اگر ناسمجھ لوگ اس سے الجھنے کی کوشش کریں تو وہ سلامتی کی بات کہہ کر گذر جاتے ہیں " وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا " (۱)

☆ گاڑی کی رفتار حالات کے اعتبار سے ہونا چاہئے، جہاں ازدحام ہو وہاں آہستہ چلایا جائے، جہاں ازدحام نہ ہو اور آپ کے آہستہ چلنے کی وجہ سے ان لوگوں کو دشواری ہو، جو آپ کے پیچھے ہیں تو وہاں آہستہ چلنے کے بجائے تیز چلا جائے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی بابت فرماتے ہیں کہ: تیز چلنا کچھ نیکی کا کام نہیں "علیکم السکینة ، فانّ البرّ لیس بالایضاع" (۲)

☆ یہ بات بھی مناسب نہیں معلوم ہوتی کہ جہاں پارکنگ کی جگہ نہ ہو وہاں گاڑی کو پارک کیا جائے، یہ دوسرے راستہ چلنے والوں کیلئے تکلیف اور مشقت کا باعث ہے، اس سے ٹرافک جام ہو جاتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کو بھی ایمان کا ایک درجہ قرار دیا ہے کہ

---

(۱) الفرقان: ٦٢

(۲) مسند احمد: حدیث اسامة بن زید، حدیث: ٢١٨٠٨، محقق شعیب الارنؤوط فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی سند محمد بن اسحاق کی وجہ سے حسن ہے۔

راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹایا جائے، " وأدناها اماطة الأذی عن الطریق "
اذی کے معنی تکلیف دہ چیز کے ہیں جس میں گندگی، نجاست یا بے جگہ گاڑی کھڑا کرنا جس سے دوسروں کو تکلیف ہو شامل ہے، اسی طرح پٹرول اور ڈیزل کی جگہ کیروسین کا استعمال بیہ راہ گیروں کیلئے بھی نقصان دہ ہے اور اس سے پھیلنے والی آلودگی عام لوگوں کیلئے بھی ضرر رساں ہوتی ہے۔

☆ یہ بھی ضروری ہے کہ پیدل چلنے والے گاڑی والوں کی اور گاڑی والے پیدل چلنے والوں کی رعایت کریں، خاص کر اپاہج، ضعیف لوگ، بوڑھے جو جلد راستہ طے نہیں کر سکتے، ان کی رعایت کی جائے، رسول اللہ ﷺ نے راہ گیروں کو عورتوں کے متعلق خصوصی رعایت کا حکم دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے مرد کو عورتوں کے درمیان چلنے سے منع فرمایا " نھی أن یمشی یعنی الرجل بین المرأتین " (۱)

حضرت ابو اسید انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے خواتین کو نصیحت فرمائی کہ وہ راستہ کے کناروں سے چلیں: "علیکن بحافات الطریق"(۲)
معلوم ہوا کہ فٹ پاتھ کے حصہ میں سواریاں نہ چڑھائی جائیں، بلکہ ان کو پیدل راہ گیروں کیلئے چھوڑ دیا جائے۔

---

(۱) ابوداؤد : باب في مشي النساء مع الرجال في الطريق، حديث: ۵۲۷۲
(۲) ابوداؤد: باب فی مشی النساء مع الرجال فی الطریق، حدیث: ۵۲۷۲، البانی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

سفر کے آداب

☆ بے مقصد سفر نہ کیا جائے جونہی سفر کا مقصود حاصل ہو جائے اپنے جائے سکونت کو واپس آ جائے، اس لئے کہ راستہ میں خطرات وخدشات درپیش ہوتے ہیں، صحت وزندگی کی بابت بھی خطرات رہتے ہیں اور دینی معمولات کی بھی کما حقہ ادائیگی دشوار ہو جاتی ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے بلا ضرورت سفر کو پسند نہیں فرمایا، (۱)

البتہ دینی اور جائز امور کیلئے سفر کرنا درست ہے، رسول اللہ ﷺ نے جہاد اور دعوت دین کیلئے اسفار فرمائے ہیں، صحابہ رضوان اللہ عنہم وتابعینؒ اور فقہاءؒ ومحدثین نے طلبِ علم کے جو اسفار کئے ہیں یہ علم حدیث کا ایک مستقل باب اور علاحدہ موضوع ہے۔

☆ سفر سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ سفر کرنے کی وجہ سے کسی شخص کا حق جو اس سے متعلق ہے فوت نہ ہو رہا ہو، چنانچہ والدین یا ان میں سے کوئی ایک مریض ہو اور اپنے بچے کی مدد کے محتاج ہوں، اور کوئی دوسرا مناسب تیماردار موجود نہ ہو تو ایسے شخص کا حج یا جہاد کے سفر پر بھی نکلنا جائز نہیں۔(۲) سوائے اس کے جہاد اس پر فرض عین ہو گیا ہو۔

البتہ اگر ماں باپ کیلئے خدمت کی متبادل صورت موجود ہو تو نہ ان کا اصرار درست ہے کہ ان کے لڑکے دینی اسفار نہ کریں اور نہ اولاد کیلئے ان کے اصرار کو قبول کرنے کی گنجائش ہے، علم دین کے حصول کیلئے ایسی حالت میں سفر کر سکتے ہیں۔

☆ سفر کیلئے سب سے اہم چیز رفقاء سفر ہیں، تنہا سفر نہ کیا جائے، ممکن ہو تو تین آدمی مل کر سفر کریں، اس میں سفر کے خطرات سے حفاظت کے علاوہ سامان وغیرہ کی حفاظت اور دیگر ضروریات کی تکمیل بھی آسانی سے ہو جاتی ہے۔

(۱) بخاری : باب السفر قطعة من النار ، حديث: ١٨٠٤

(۲) رد المحتار: كتاب الجهاد: ۲۲۰/۳

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لو یعلم الناس ما فی الوحدة ما أعلم ما سار راکب بلیلٍ وحده (۱)
اگر لوگوں کو تنہا سفر کرنے میں ان (دینی اور دنیوی) نقصانات کا علم ہو جائے جو مجھے معلوم ہیں تو کوئی سوار رات میں تنہا سفر کرنے کی ہمت نہ کرے۔

ایک مرتبہ ایک شخص دور دراز کا سفر کر کے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے مسافر سے پوچھا! تمہارے ساتھ کون ہیں؟ مسافر بولا: یا رسول اللہ ﷺ! میرے ساتھ تو کوئی بھی نہیں ہے، میں اکیلا آیا ہوں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: الراکب شیطن والراکبان شیطانان والثلاثة رکب (۲) اکیلا سوار شیطان ہے اور دو سوار دو شیطان ہیں، البتہ تین سوار (سوار) ہیں۔

یعنی ایک دو آدمیوں کو شیطان بہت جلد بہکا سکتا ہے کم از کم تین آدمی ہوں تو با جماعت نماز کی ادائیگی وغیرہ میں سہولت ہوتی ہے۔

اور ایک روایت میں فرمایا: "الشیطان یهمّ بالواحد والاثنین فاذا کانوا ثلاثة لم یهمّ بهم" (۳) شیطان ایک دو (مسافر) کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے یعنی نقصان پہنچانا چاہتا ہے، لیکن جب (مسافر) تین ہوں تو ان کے ساتھ برائی کا ارادہ نہیں کرتا۔

☆ چند آدمی سفر کر رہے ہوں تو ایک شخص کو اپنا امیر مقرر کر لیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
"اذا خرج ثلاثة فی سفرٍ فلیؤمر أحدهم." (۴)
جب تین شخص سفر میں نکلیں تو اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنا لیں۔

---

(۱) بخاری: باب السیر وحدة، ۲۹۹۸
(۲) ترمذی: کراهیة أن یسافر الرجل وحده، حدیث: ۱۶۷۴، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔
(۳) موطا مالك: ما جاء فی الوحدة فی السفر، حدیث: ۳۵۸۷
(۴) ابوداؤد: باب القوم یسافرون یؤمرون أحدهم، حدیث: ۲۶۰۸، علامہ نووی نے کہا ہے کہ: اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے: ریاض الصالحین: باب استحباب طلب الرفقة: ۲۹۹/۱، مؤسسة الرسالة، بیروت

☆ جب آدمی سفر شروع کرے اور لوگوں کو الوداع کہے تو اس سے دعاء کی درخواست کرنے کے بعد اسے یوں دعاء دینی چاہیے؟ آپ ﷺ سے اس موقع سے مختلف الفاظ میں دعا منقول ہے: اِستودع اللّٰہ دینك وامانتك وخواتیم عملك (۱)

تمہارا دین، تمہاری امانت اور تمہارے خاتمہ اعمال کو اللہ کے حوالہ کرتا ہوں۔

حضور ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ ''انی ارید سفرًا'' میرا سفر کا ارادہ مجھے دعا کی شکل میں کچھ زادراہ دیجیے'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''زوّدك اللّٰه التقویٰ'' اللہ تمہیں تقویٰ عطا فرمائے'' اس نے کہا: اور مزید تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وغفر لك ذنبك'' اس نے کہا: اور مزید تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ویسر لك الخیر حیثما کُنت'' اور تم جہاں کہیں ہو، خیر کی طرف تمہاری رہنمائی کرے۔ (۲)

☆ سامانِ سفر کی تیاری کے بعد گھر سے نکلنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے، جس میں پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قل یأایہا الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص پڑھے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ: اے اللہ! میں ان کے ذریعہ آپ کا تقرب چاہتا ہوں اور ان کی وجہ سے تو میرے اہل وعیال اور مال کا نگراں اور والی ہو جا۔ ''انت الصاحب فی السفر وأنت الخلیفة فی الأهل والمال'' (۳)

حضرت مطعم بن مقدام رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ما خلّف عبد علی أهله افضل من رکعتین یرکعهما عندهم حین یرید سفرًا'' (۴)

---

(۱) ترمذی: باب ما یقول اذا ودع انسانا، حدیث: ۳۴۴۲، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔

(۲) ترمذی: باب من باب ما یقول اذا ودع انسانا، حدیث: ۳۴۴۴، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

(۳) احیاء العلوم: الجملة الأولی فی السیر: ۱/۲۴۷، دار المعرفة، بیروت

(۴) مصنف ابن أبی شیبه: الرجل یرید السفر من کان یستحب له أن یصلی قبل خروجه حدیث: ۴۸۷۹

آدمی جب سفر پر جانے لگے تو سب سے بہتر نائب جسے وہ اپنے اہل وعیال کے پاس چھوڑ کر جائے وہ دو رکعتیں ہیں جو ان کے پاس پڑھ کر جائے۔

☆ سفر کو روانہ ہوتے وقت جب سواری پر بیٹھ جائیں اور سواری حرکت میں آئے تو یہ دعاء پڑھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر میں جانے کیلئے سواری پر بیٹھتے تو تین مرتبہ "اللّٰہ اکبر" فرماتے، پھر یہ دعاء پڑھتے: سُبحان الذی سخّرلنا هذا وما كنا له مقرنين وانّا الى ربنالمنقلبون.(۱)

پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے قابو میں کر دیا، جبکہ ہم تو اس کو قابو میں کرنے والے نہ تھے اور بلاشبہ ہم اپنے رب ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں:

اللّٰهم انّا نسألك فى سفرنا هذاالبرّ والتقوىٰ ومن العمل ماترضى، اللّٰهم! هوّن علينا سفرنا هذا، واطو بعده، اللّٰهم انت الصاحب فى السفر، والخليفة فى الأهل اللّٰهم انى أعوذبك من وعثاء السفروكابة المنظر وسوء المنقَلَبِ فى المال والأهل والولد والحور بعدالكور ودعوة المظلوم. (۲)

اے اللہ ہم اپنے اس سفر میں آپ سے نیکی اور تقویٰ اور ایسے عمل کا سوال کرتے ہیں جس سے آپ راضی ہوں، اے اللہ! ہمارے اس سفر کو ہمارے لئے آسانی فرمادیں اور اس کی دوری کو ہمارے لئے مختصر فرمادیں، اے اللہ! آپ ہی ہمارے اس سفر میں ہمارے ساتھی ہیں اور ہمارے پیچھے آپ ہی ہمارے گھر والوں کے نگہبان ہیں، اے اللہ! میں آپ سے سفر کی مشقت سے سفر میں کسی تکلیف دہ منظر کو دیکھنے سے اور واپسی پر مال اور اہل وعیال میں کسی تکلیف دہ چیز کے پانے سے پناہ چاہتا ہوں۔

---

(۱) مسلم: باب ما يقول اذا ركب الى سفر الحج وغيره، حديث: ۱۳۴۲

(۲) مسلم: باب الذكر اذا ركب دابته، حديث: ۳۲۷۵

☆ پھر سفر کے دوران جب کبھی اونچائی پر چڑھنا ہو یا نشیب میں اترنا ہو تو یہ دعاء پڑھے:

" اللّٰھم لك الشرف علی کلّ شرف ولك الحمد علی کلّ حالٍ " (۱)

اے اللہ! ہر شرف سے بڑھ کر آپ کا شرف اور ہر حال میں آپ کیلئے حمد و ثنا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا۔

☆ جس کسی جگہ دوران سفر قیام کی نوبت آئے تو یہ دعاء پڑھے۔

حضرت خولہ بنتِ حکیم السلمیہؓ فرماتی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو شخص کسی جگہ پر اتر کر یہ کلمات پڑھے " اعوذ بکلمات اللّٰه التامات من شرّ ما خلق " (۲)

☆ جب کسی بستی میں داخل ہو تو یہ دعاء پڑھے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی بستی میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تو اسے دیکھ کر یہ دعاء پڑھتے:

اللّٰھم ربّ السموات السبع وما اظللن وربّ الأرضين السبع وما أقللن، ورب الشیٰطین وما اضللن ورب الریاح وما ذرین فانّ نسألك خیر هذه القریة وخیر أهلها، ونعوذبك من شرّها أهلها وشرّ ما فیه فیها. (۳)

اے اللہ! جو رب ہیں ساتوں آسمانوں کے اور ان تمام چیزوں کے جن پر ساتوں آسمان سایہ کئے ہیں، اور جو رب ہیں ساتوں زمینوں کے اور ان تمام چیزوں کے جن کو ساتوں زمینوں نے اٹھایا ہوا ہے، اور جو رب ہیں تمام شیاطین کے اور ان سب کے جن کو شیاطین نے گمراہ کیا ہے اور جو رب ہیں ہواؤں کے اور ان چیزوں کے جنہیں ہواؤں نے اڑایا ہے، ہم آپ سے

---

(۱) مسند احمد: مسند انس بن مالك، حدیث: ۱۳۵۲۸، محقق شعیب الارنوط کہتے ہیں کہ: اس کی سند عمارۃ بن زادان اور زیاد بن عنیری کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۲) مسلم: باب فی التعوذ من سوء، حدیث: ۷۰۵۴

(۳) مستدرك: کتاب الجهاد، حدیث: ۲۴۸۸، حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے اور شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

اس بستی کی خیر اور بستی والوں کی خیر مانگتے ہیں اور آپ سے بستی کے شر اور اس بستی والوں کے شر اور اس بستی میں جو کچھ ہے اس کے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔

☆ جب سفر میں کہیں رات ہو جائے تو یہ دعاء پڑھے "یا أرض ربّی وربّك الله اعوذ بالله من شرّك وشرّ ماخُلق فيك وشرّ ما يدبُّ عليك واعوذ بالله من أسد وأسود ومن الحيّة والعقرب ومن شرّ ساكني البلد ومن والد وما ولد وله ما سكن فى الليل والنهار وهوالسميع العليم" (۱)

اے زمین! میرا اور تیرا پروردگار اللہ ہے، میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں، تیرے شر سے اور ان مخلوقات کے شر سے جو تجھ میں خدا نے پیدا کی ہیں اور ان مخلوقات کے شر سے جو تجھ پر چلتے ہیں اور میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں شیر سے، اور سیاہ سانپ سے اور بچھو سے اور اس شہر کے باشندوں سے اور والد، مولود کے شر سے۔

رات کے اکثر میں اور دن کے ابتدائی حصہ میں سفر کرنے اور دوپہر کے وقت پڑاؤ کرنے کا حضور ﷺ کا معمول تھا؛ چونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ: رات میں زمین لپٹی جاتی ہے اور دن کا ابتدائی حصہ بابرکت ہوتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم جب سفر کرو تو رات کو بھی سفر کر لیا کرو کیونکہ رات کے وقت زمین لپیٹ دی جاتی ہے " عليكم بالدلجة ؟ فانّ الارض تطوى بالليل" (۲)

مطلب یہ ہے کہ رات میں دن کی طرح رکاوٹیں نہیں ہوتیں اس لئے سفر بجلد اور آسانی سے طے ہو جاتا ہے یا حقیقۃً زمین رات میں لپیٹ دی جاتی ہے۔

---

(۱) ابوداؤد: باب ما يقول الرجل اذا نزل منزلاً، حدیث: ۲۶۰۳، صاحب عون المعبود عبدالحق عظیم آبادی کہتے ہیں کہ: منذری نے کہا ہے کہ: اس کی نسائی نے تخریج کی ہے اور اس کی سند میں بقیۃ بن ولید ہیں اور ان کے سلسلے میں کلام ہے: عون المعبود: باب ما يقول الرجل اذا ركب: ۱۸۹/۷

(۲) ابوداؤد: باب فى الدلجة: حدیث: ۲۵۷۱، علامہ نووی نے کہا ہے کہ: اس کی سند حسن ہے: رياض الصالحين: باب اداب السير والنزول: ۳۰۰/۱، مؤسسة الرسالة، بيروت

حضرت صخر غامدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللّٰھم بارك لامتی فی بکورھا" (۱)

اے اللہ! میری امت کیلئے دن کے ابتدائی حصہ میں برکت عطا فرمادیں، رسول اللہ ﷺ چھوٹا یا بڑا لشکر روانہ فرماتے تو اس کو دن کے ابتدائی حصہ میں روانہ فرماتے۔

☆ کوئی دشمن یا جانور حملہ آور ہو جائے رات و دن میں تو آیت الکرسی، سورۂ اخلاص، معوذتین پڑھے اور یوں کہے: "بسم اللّٰہ ماشاء اللّٰہ لاقوۃ الا باللّٰہ توکلت علی اللّٰہ لا یاتی بالخیر الا اللّٰہ لا یصدف السوء الا اللّٰہ حسبی اللّٰہ وکفی سمع اللّٰہ لمن دعالیس وراء اللّٰہ مُنتھی ولادون ملجأ" (۲)

حضور ﷺ نے فرمایا: "راستے میں جب کسی کا خوف یا ڈر ہو تو یہ دعاء پڑھے: "اللّٰھم انا نجعلك فی نحورھم، ونعوذبك من شرورھم" (۳)

☆ راستے میں دوسروں کی سہولت کا بھی خاص خیال رکھے، راستے کے ساتھی کا بھی حق ہے قرآنِ کریم میں ہے "والصاحب بالجنب" (۴) اور پہلو کے ساتھی کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

پہلو کے ساتھی سے مراد وہ ہے جو کہیں بھی کسی بھی وقت ساتھ ہو جائے۔

☆ اس بات کا خاص خیال رکھے کہ اچانک رات گھر میں نہ آئے بلکہ صبح یا شام کو آئے اور اہل خانہ کو پہلے سے خبر کردے۔

---

(۱) ترمذی: باب التکبیر فی التجارۃ ، حدیث: ۱۲۱۲ ، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: صخر الغامدی کی روایت حسن ہے۔

(۲) احیاء علوم الدین: ۱/۲۴۸، دار المعرفۃ، بیروت

(۳) ابوداؤد: باب ما یقول اذا خاف قوما، حدیث: ۱۵۳۷ ، علامہ نوویؒ فرماتے ہیں اس کو ابوداؤد اور نسائی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے: ریاض الصالحین: باب ما یدعو به اذاخاف ناسا: ۱/۳۰۵ مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت

(۴) النساء: ۳۶

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کسی انسان کی گھر سے غیر حاضری کا زمانہ زیادہ ہو جائے یعنی اس کو سفر میں زیادہ دن لگ جائیں تو وہ (اچانک) رات کو اپنے گھر نہ آئے، "نھی رسول اللّٰہ اذا أطال الرجل الغیبة، أن یأتی أھله طروقًا" (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طویل سفر کے بعد اچانک رات کے وقت گھر جانا مناسب نہیں کہ اس صورت میں گھر والے پہلے سے ذہنی طور پر استقبال کیلئے تیار نہ ہوں گے، البتہ اگر آنے کا علم پہلے سے ہو تو رات کے وقت جانے میں کوئی حرج نہیں۔

☆　حضور ﷺ کا معمول تھا کہ جب طویل سفر سے واپس آتے تو مسجد جا کر دوگانہ ادا کرتے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب ہم (سفر سے واپس) مدینہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے (مجھ سے) ارشاد فرمایا: "مسجد جاؤ اور دو رکعت نماز پڑھو" "ائت المسجد فصلّ رکعتین" (۲)

☆　واپسی میں جب شہر میں داخل ہو تو یہ دعاء پڑھے: "آئبون تائبون انشاء اللّٰہ عابدون، لربّنا حامدون" (۳) لوٹ رہے ہیں، تائب ہیں انشاء اللہ ہم اپنے پروردگار کی حمد و تعریف کریں گے۔

☆　سفر سے واپس آئے اور گھر میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے "توبا توبا، لربنا أوبا، لا یغادر علینا حوبا" اور جب واپسی کا ارادہ فرماتے تو یہ دعا پڑھتے کہ ہم توبہ کرتے ہوئے، عبادت کرتے ہوئے اور اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہوئے واپس ہو رہے ہیں اور جب اہل خانہ کے پاس پہنچتے کہ ہماری توبہ ہے اپنے رب کی طرف رجوع ہے، وہ ہم پر کوئی گناہ باقی نہ چھوڑے۔ (۴)

---

(۱)　مسلم: باب کراھة الطروق، حدیث: ۴۹۶۷

(۲)　بخاری: باب الھبة المقبوضتم غیر المقبوصة، حدیث: ۲۴۶۳

(۳)　بخاری: باب الکتبیر اذا علا، حدیث: ۲۸۳۳

(۴)　مسند احمد: حدیث نمبر: ۲۳۱۰

☆ عورت دور کا سفر تنہا نہ کرے یا اگر معمولی سفر ہو تو کوئی حرج نہیں؛ لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ تنہا سفر نہ کرے چونکہ؛ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے " لا یحل لأمرأة تومن باللہ والیوم الآخر تسافر مسیرة یوم ولیلة لیس معھا حرمة " (۱)

اگر دور کا سفر کرنا ہو تو اپنے محرم بھائی شوہر یا اپنے لڑکے کے ساتھ کرے:

عورت تین دن کی مسافت کا سفر محرم کے بغیر نہ کرے، اور بعض روایات میں ایک دن اور ایک رات کا ذکر ہے، لیکن درحقیقت ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں، تین دنوں کی مسافت یعنی اُڑتالیس میل کا سفر تو بغیر محرم کے بہر صورت جائز نہیں اور ایک دن کی مسافت کا سفر بھی اس وقت جائز نہیں ہے جبکہ فتنہ کا اندیشہ ہو، سفر حج کے لئے بھی یہی شرط ہے کہ اگر کسی عورت کو محرم رشتہ دار میسر نہ ہو، یا اتنی استطاعت نہ ہو کہ اپنے ساتھ کسی محرم کو بھی لے جائے تو ایسی عورت پر حج فرض نہیں ہے۔ (۲)

چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کوئی شخص عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے (یعنی اجنبی مرد و عورت کسی جگہ تنہا جمع نہ ہوں) اور کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے، یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! فلاں غزوہ میں میرا نام لکھا جا چکا ہے (یعنی فلاں جہاد جو درپیش ہے اور وہاں جو لشکر جانے والا ہے اس میں میرا نام بھی لکھا جا چکا ہے کہ میں بھی لشکر کے ہمراہ جاؤں) اور حالانکہ میری بیوی نے سفر حج کا ارادہ کر لیا ہے؟ تو کیا کروں؟ آیا جہاد کو جاؤں اور بیوی کو اکیلا حج کیلئے جانے دوں یا بیوی کے ساتھ جاؤں اور جہاد میں نہ جاؤں، آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو (کیونکہ جہاد میں جانے والے تو بہت ہیں لیکن تمہاری بیوی کے ساتھ جانے والا تمہارے علاوہ اور کوئی محرم نہیں ہے) " اذھب فحج مع امرتك " (۳)

---

(۱) بخاری: باب فی کم یقصر الصلاۃ، حدیث: ۱۰۳۸

(۲) بدائع الصنائع: ۱۲۳/۲

(۳) بخاری: باب من اکتتب فی جیش، حدیث: ۲۸٤٤

☆ سفر میں اپنے رفیقِ سفر کی ممکنہ اعانت اور مدد کرے، اپنے پاس زیادہ زادِ سفر ہو تو اس کو فراہم کرے، سواری میں جگہ میں وسعت کر کے بٹھالے؛ چونکہ حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: "والله في عون العبد ما كان العبد في عون أخيه" اللہ عزوجل بندے کی مدد کرتے ہوتے ہیں جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد اور اعانت میں لگا ہوتا ہے۔(۱)

نبی کریم ﷺ کا معمولِ مبارک تھا کہ آپ ﷺ چلنے میں پیچھے ہوتے، کمزور کے جانور کو ہانکتے اور اس کو پیچھے سوار کر لیتے اور اس کیلئے دعاء فرماتے "يتخلّف في المسير، فيزجي الضعيف ويردف ويدعو له"(۲)

---

(۱) مسلم : باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، حديث: ٢٦٩٩

(۲) ابوداؤد: باب في لزوم الساقة، حديث: ٢٦٤١، امام نوویؒ کہتے ہیں اس کو ابوداؤد نے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، رياض الصالحين: باب اعانة الرفيق: ۳۰۲/۱، موسسه الرسالة، بيروت

افواہیں اور ہمارا رویہ

انسان بہت سی باتوں کے جاننے میں دوسروں کی خبر کا محتاج ہوتا ہے، کیونکہ انسان کے دیکھنے اور سننے کی صلاحیت محدود ہے، اس لئے اسے بہت ساری خبروں کو اپنے چشم سر سے دیکھے اور گوشِ سر سے سنے بغیر تسلیم کرنے پر مجبور ہوتا ہے، دنیا کا سارا نظام اور سارا کاروبار دوسرے کی دی ہوئی خبروں پر یقین واعتماد سے متعلق ہے، یہ خبریں سچی بھی ہوتی ہیں، جھوٹی بھی، خبر دینے والے سچے بھی ہوتے ہیں، جھوٹے بھی، بعض لوگ مبالغہ پسند ہوتے ہیں، وہ خبروں کو بڑھا کر پیش کرتے ہیں، بعض لوگ سادہ لوح اور بھولے بھالے ہوتے ہیں، سنی سنائی باتوں پر بغیر تحقیق و تفتیش کے یقین کر لیتے ہیں، پھر وہ ان خبروں کو لوگوں میں رواج دیتے ہیں، اس طرح سماج اور معاشرے میں بالا رادہ یا بلا ارادہ خلافِ واقعہ باتیں رواج پا جاتی ہیں۔

افواہیں اور بے تحقیق باتیں بسا اوقات اس قدر بھیانک اور خطرناک ہوتی ہیں کہ اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا مثلاً کسی شخص نے دو اشخاص کو بھاگتے ہوئے دیکھا تو اس نے شہر کی فضا اور ماحول کو دیکھا تو یہ رائے قائم کی کہ شہر میں دو گروہوں میں فساد ہو گیا، وہ اپنے گھر کی جانب بھاگا جا تا رہا، از راہِ خیر خواہی اور ہمدردی جو بھی اسے اثنائے راہ ملتا اس کو بھی یہ بتاتا چلا کہ شہر میں دو گروہوں میں تصادم ہو گیا، اس طرح لوگ اپنے گھروں کو واپس ہونے لگے، ایک طرح کی کھلبلی سی مچ گئی، یہ خبر ہوتے ہوتے جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی، لاعلمی میں ایک گروہ نے دوسرے گروہ پر حملہ کر دیا، اس طرح سارا شہر ایک بے بنیاد خبر کی بنا پر فساد اور خون وخرابہ کی زد میں آ گیا۔

انہیں بے بنیاد خبروں اور افواہوں پر جماعتوں، تنظیموں اور گروہوں کے درمیان پھوٹ واقع ہوتا ہے، خاندانوں اور کنبوں میں نفرت کی آگ لگ جاتی ہے، میاں بیوی کی خوشگوار زندگی میں بھونچال آ جاتا ہے بھائی اور بہنوں میں رخنہ اور دراڑ پڑ جاتی ہے۔

☆ اس لئے افواہوں کو جنم دینا، ان کو شائع کرنا یہ شرعاً نہایت مذموم اور غیر مہذب اور ناشائستہ عمل ہے، اللہ عزوجل نے واقعات اور خبروں کے بارے میں یہ اصول بتلایا ہے کہ جب کوئی ناقابلِ بھروسہ آدمی کوئی خبر لائے تو جب تک اس کی اچھی طرح تحقیق نہ کرلو اس پر اعتماد نہ کرو۔

اسی کو اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ" (۱)

اے ایمان والو! اگر کوئی ناقابل بھروسہ (فاسق) شخص کوئی خبر دے تو اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو، کہ کہیں کسی قوم پر تم ناواقفیت میں حملہ نہ کرو کہ پھر تمہیں اپنے کیے پر پچھتانا پڑے۔

اس آیتِ کریمہ سے پتہ چلا کہ بے بنیاد اور بے تحقیق باتوں پر یقین نہیں کرنا چاہئے۔

یہ آیتِ کریمہ ایک خاص پس منظر میں نازل ہوئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ بنو مصطلق کے یہاں جو کہ مسلمان ہو چکے تھے، اپنے نمائندہ ولید بن عتبہ کو بھیجا، جب بنو مصطلق نے حضور ﷺ کے نمائندہ کو دیکھا تو احترام و توقیر میں ان کے استقبال کیلئے آگے بڑھے اور آبادی سے باہر نکل آئے، ولید نے سوچا کہ یہ لوگ ان کے قتل کے درپے ہیں، چنانچہ وہ وہاں سے واپس آگئے، اور حضور ﷺ کو اطلاع دی کہ وہ تو مرتد ہوگئے اور وہ لوگ ان کے ارادۂ قتل کے لئے شہر سے باہر نکل آئے، حضور ﷺ نے ان سے جہاد کا ارادہ فرمایا، ابھی آپ تیاری کر رہے تھے کہ بنو مصطلق کا وفد آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں آپہنچا اور اس نے آکر عرض کیا کہ: آپ ﷺ کے قاصد آرہے تھے، ہم ان کو زکوۃ ادا کرنے اور ان کے استقبال کیلئے آگے بڑھے تو وہ یہ سمجھ کر وہاں سے الٹے پاؤں واپس ہوئے کہ ہم ان سے جنگ کیلئے نکلے ہیں، ان کی یہ سوچ غلط تھی۔ (۲)

---

(۱) الحجرات: ٦

(۲) قرطبی: ١٦/ ٣١١

ان صحابی نے دانستہ طور پر نہیں، بلکہ غلط فہمی کی بنیاد پر یہ رائے قائم کر لی تھی کہ وہ قتل کے ارادہ سے آرہے ہیں، اگر ان کی خبر کی بنیاد پر اس قوم پر حملہ کیا جاتا تو کس قدر نقصان ہوتا جہاں افواہیں بالقصد وارادہ پیدا کی جاتی ہیں اس سے کس قدر نقصان ہوسکتا ہے؟

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ اس آیت کریمہ کے ذیل میں فرماتے ہیں:

امام جصاصؒ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ: اس آیت سے ثابت ہوا کہ کسی فاسق کی خبر کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ دوسرے ذرائع سے تحقیق کر کے اس کا صدق ثابت نہ ہوجائے، کیونکہ اس آیت میں ایک قرأت " فتبتو" کی ہے جس کے معنی ہیں کہ اس پر عمل کرنے اور اقدام میں جلدی نہ کرو؛ بلکہ ثابت قدم رہو جب تک دوسرے ذرائع سے اس کا صدق ہونا ثابت نہ ہوجائے۔(۱)

☆ ہر سنی سنائی بات پر اعتماد اور یقین نہ کیا جائے، افواہوں کے پھیلنے کے اسباب میں سے ان سنی سنائی باتوں پر اعتماد کرنا بھی ہے، لوگ ہر سنی سنائی بات کے پھیلانے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے، یہ خدا سے بے خوفی کی علامت ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی کے گناہ گار ہونے کیلئے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی ہو بات کو نقل کردے " كفى بالمرء اثما أن يحدث بكلّ ما سمع " (۲)

ان سنی ہوئی باتوں پر یقین کرنے کے نتیجے میں جو فساد اور بگاڑ معاشرہ میں ہوتا ہے، اس کا اندازہ واقعہ "افک" سے لگایا جاسکتا ہے، کہ کچھ بیمار ذہن منافقین نے امت کی ماں حضرت عائشہؓ پر تہمت لگادی، بعض سادہ لوح، مخلص مسلمان بھی ان کی افواہوں پر یقین کر بیٹھے، اس غلط تہمت اور افواہ کے نتیجے میں جو انتشار اور افراتفری کا ماحول مدینہ میں ہوا اور جو کلفت اور اذیت ذات نبوی ﷺ کو ہوئی، یہ سب سنی سنائی باتوں پر یقین کا نتیجہ تھا۔

---

(۱) معارف القرآن: ۱۱۴/۸

(۲) مسلم: باب النهى عن الحديث بكل ما سمع، حديث: ۵

☆ افواہیں عموماً سینہ بسینہ پھیلتی ہیں اور سرگوشیوں، نجی محفلوں کی شکل میں رواج پاتی ہیں، اس لئے قرآن مجید نے سرگوشیوں کو ناپسند کیا" لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِنْ نَجْوٰهُمْ "(۱)

☆ کسی بھی خبر کے بارے میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ یا تو انسان اس کی خود تحقیق کرے، یا ایسے سمجھدار، معاملہ فہم، اور زمانہ آگاہ لوگوں سے رجوع کرے جو مناسب طریقے پر اس کی تحقیق کرنے کے بعد کوئی صحیح قدم اٹھائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب ان کو امن یا خوف کی کوئی بات پہنچتی ہے تو وہ اسے پھیلا دیتے ہیں، اگر وہ رسول ﷺ اور اپنے میں سے ذمہ دار لوگوں تک پہنچا دیتے تو اسے وہ جان لیتے جو ان میں سے بات کی تہہ تک پہنچ کر نتیجہ اخذ کر سکتے ہوں، اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم شیطان کی پیروی کرنے والے ہو جاتے " وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ " (۲)

اس آیتِ کریمہ میں اللہ عزوجل نے یہ اصولی بات بتادی ہے کہ: سنی سنائی بات پر اعتماد نہ کرے، اگر خود تحقیق کی صلاحیت رکھتا ہو تو تحقیق کرے ورنہ اس کی صلاحیت رکھنے والوں سے رجوع کرے اور کسی بھی بات کو بلا تحقیق بیان نہ کرے؛ بلکہ خود اس پر یقین کرنے سے گریز کرے۔

(۱) النساء : ۱۳
(۲) النساء : ۸۳

تمباکو نوشی: مضر صحت اور غیر شرعی عمل

تمباکو خواہ وہ کسی بھی صورت میں ہو، سگریٹ، بیڑی، پان، گھٹکھا، صحت کیلئے سخت نقصاندہ اور اذیت رساں ہے، عالمی صحت تنظیم کی رپورٹ کے مطابق ہر سال تمباکو خوری کی وجہ سے تقریباً ۳۰ رلاکھ افراد لقمۂ اجل بنتے ہیں، جن میں سے ۲ رلاکھ اموات کا تعلق ترقی یافتہ ممالک سے ہے، یہ بیسویں صدی کے دسویں دہے کے وسط کی رپورٹ ہے، اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر تمباکو نوشی کا یہی رجحان رہا تو ۲۰۲۵ء تک دنیا بھر میں سالانہ ایک کروڑ اموات ہوسکتی ہیں، یہ ایسا بھیانک خطرہ ہے جو کسی خون ریز جنگ کے خطرے سے بڑھ کر ہے۔

چین اور امریکہ کے بعد تمباکو کی سب سے زیادہ کاشت ہمارے ملک ہندوستان میں ہوتی ہے، حکومت کو تمباکو کے ٹیکس سے سالانہ ایک ارب پچاس کروڑ ڈالر ملتے ہیں، ایک اندازہ کے مطابق ہمارے ملک میں ۵۲ رکروڑ کیلوگرام تمباکو پیدا کیا جاتا ہے، اس میں سے نصف مقدار برآمد کردی جاتی ہے، اور باقی ہندوستان میں مختلف صورتوں میں استعمال ہوتی ہے، ۱۵ رلاکھ انسان تمباکو اگاتے ہیں، ۱۰ رلاکھ تمباکو فارم ہیں، جس میں ۵۰ رلاکھ افراد کام کرتے ہیں۔

۱۹۶۴ء میں امریکہ کی ایک تنظیم کی جانب سے دو سالہ تحقیقات کا نتیجہ پیش کیا گیا جس میں بتایا گیا کہ امریکی مردوں میں ۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۰ء تک پھیپھڑے کے کینسر کے مریضوں میں ستر فیصد شرحِ اموات کا اضافہ ہوگیا ہے، امریکہ میں جو تمباکو کو جنم دیتا ہے، تمباکو نوشی کی روک تھام کیلئے بہت سی کوششیں کی گئیں، سب سے پہلے امریکہ ہی میں ۱۹۶۶ء میں سگریٹ کے پیکٹوں پر تمباکو کے مضر صحت ہونے کی عبارت لکھنی لازم قرار دی گئی اور یکم جنوری ۱۹۶۶ء میں

اس کا نفاذ ہوا، یکم جنوری ۱۹۷۱ء سے سگریٹ کا اشتہار ٹی وی پر بند کر دیا گیا، لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود صورتحال یہ ہے کہ امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں ۱۹۹۱ء میں تمباکو نوشی کی وجہ سے ساڑھے تین لاکھ افراد کی موت واقع ہوئی اور خود ہندوستان میں ہر سال آٹھ لاکھ افراد تمباکو نوشی کی وجہ سے لقمہ اجل بنتے ہیں۔

دنیا میں اس وقت جو مشہور مذاہب پائے جاتے ہیں، ان سب کے مذہبی پیشواؤں نے تمباکو نوشی کی مذمت کی ہے، ہندو مذہبی کتابوں میں بھی اس کی ممانعت کی گئی ہے، سکھوں کے دسویں گرو گرو بن سنگھ نے تو اپنے متبعین کیلئے تمباکو کی بہت ہی سخت ممانعت کی ہے جس پر سکھ فرقہ کا عمل ہے۔

☆ اسلامی نقطۂ نظر سے وہ چیزیں حلال ہیں جو پاک اور طیب ہیں اور جو خبیث ہیں وہ حرام ہیں، "يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتُ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثُ" (۱)

خبیث سے ایسی چیزیں مراد ہیں، جن کو سلیم الطبع طبیعتیں ناپسند کرتی ہوں "تستخبثه الطباع السليمة وتنفر منه" (۲)

اور یہ بات ظاہر ہے کہ تمباکو کی ہر صورت عموماً اور گٹکھے کی یہ نئی شکل خصوصاً ثقہ اور شریف لوگوں کی نگاہ میں نہایت ناپسندیدہ اور مذموم ہے۔

☆ تمباکو کا استعمال یہ انسانوں کو کینسر وغیرہ مہلک بیماریوں میں مبتلا کرتا ہے، اس کی وجہ سے جان کے چلے جانے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے، اور اللہ عز وجل انسان کو ایسی چیزوں سے احتراز کا حکم کرتا ہے، جو اس کیلئے ہلاکت کا باعث ہوں "لَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ" (۳)

☆ اسی طرح کی مضر صحت چیزوں سے انسان کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا، نہ بھوک پیاس مٹتی ہے نہ دل و دماغ کو قوت ملتی ہے، نہ طاقتِ جسمانی حاصل ہوتی ہے، بلکہ یہ خود ہزار ہا بیماریوں کی

---

(۱) الاعراف : ۱۵۷

(۲) التفسير الوجيز للزحيلي: ۱۷۱

(۳) البقرة : ۱۹۵

جڑ ہے، اور انسان کو اپنے خون پسینے سے کمائی ہوئی دولت کو بیکار، بے فائدہ خرچ کرنا پڑتا ہے جو اسراف کے قبیل سے ہے اور اسراف و فضول خرچی شرعاً ناپسندیدہ چیز ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے "لا تسرفوا" (۱)

بلکہ فضول خرچی کرنے والے کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے "اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنَ" (۲)

☆ ایسے ہی ہر وہ چیز جو مضرِ صحت اور جسم کو کمزور کرنے والی اور نشہ آور ہو، اس کے استعمال کو شریعت نے منع کیا ہے "نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن كلّ مسكر ومفتر" (۳)

آپ ﷺ نے ہر نشہ آور اور جسم کو کمزور کرنے والی چیز کے استعمال سے منع فرمایا ہے) گھٹکا بھی نشہ آور اور مضر صحت چیزوں میں سے ہے، اور شریعت کا اصول ہے کہ "لا ضرر ولا ضرار" گھٹکا اور سگریٹ وغیرہ جہاں خود اپنے لئے نقصاندہ ہیں وہیں اس کا دھواں دوسروں کو بھی نقصان میں مبتلا کر دیتا ہے۔

اس لئے بعض فقہاء نے تمباکو کو حرام اور بعض نے مکروہ تحریمی کہا ہے، علامہ علاء الدین الحصکفی لکھتے ہیں: "وكذا تحرم جوزة الطيب وكذا التتن الذى شاع فى زماننا ولا سيّما نهى ولى الأمر نصره الله" (۴)

تمباکو، سگریٹ اور گھٹکھے کے نقصاندہ، مضر صحت ہونے کی وجہ سے کم از کم مکروہ تحریمی قریب بحرام ہونا چاہئے، چونکہ اس کے استعمال سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا حرام ہے۔

---

(۱) الانعام: ۱٤۱

(۲) الاسراء: ۲۷

(۳) ابوداؤد: باب النهى عن المسكر، حديث: ۳٦۸٦، علامہ ابن حجر نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے فتح البارى: باب الخمر من العسل: ۱۰/٤٤

(۴) الدر المنتقى على هامش مجمع الانهر: ۲/۵۳۲، كتاب الأشربة

کھیل کود اور تفریحِ طبع کے احکام

☆ اس موضوع کے سمجھنے سے پہلے یہ سمجھ لینا نہایت ضروری ہے کہ انسان کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ وہ قیمتی لمحات ہیں جو کسی کے روکنے سے نہیں رکتے اور سکنڈوں، منٹوں، گھنٹوں اور دنوں کی شکل میں تیزی سے ختم ہوتے جارہے ہیں، انسان اپنے ان لمحاتِ زندگی کو صحیح صرف کرے تو دنیا وآخرت کی فلاح نصیب ہوجاتی ہے، اور اگر خدانخواستہ ان قیمتی لمحات کو ضائع کردے تو دنیا وآخرت کا خسارہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔

اللہ عزوجل نے مومنین کاملین کی جہاں اعلیٰ صفات ذکر کی ہیں، ایک صفت ان کی یہ بھی ذکر کی ہے "وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ" (۱) اور یہ وہ لوگ ہیں جو لغو (فضولیات) باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔

اسی طرح سورۃ الفرقان میں اللہ عزوجل کے خاص بندوں کی صفات کے ذکر میں فرمایا "وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا" (۲) یعنی جب یہ لوگ لغو یعنی فضول باتوں کے پاس سے گذرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گذر جاتے ہیں۔

☆ وہ لہو ولعب اور کھیل کود جو انسان کو بالکل دنیا وآخرت سے غافل کردے اس سے شریعت نے منع کیا ہے۔

چنانچہ ارشادِ باری ہے: " اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ " (۳) کیا بستیوں والے اس سے بےفکر ہوگئے ہیں کہ ہمارا عذاب اُن پر دِن چڑھے اس حالت میں آپہنچے کہ وہ کھیل رہے ہوں۔

---

(۱) المؤمنون : ۳ (۲) الفرقان : ۲ (۳) الأعراف : ۹۸

"وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖ أَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ" (۱) اور ان لوگوں کو چھوڑ دیجئے جنھوں نے اپنے دین کو کھیل کود اور تماشا بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال دیا ہے، آپ قرآن کے ذریعہ نصیحت کرتے رہئے، کہیں کوئی جان اپنے کئے میں گرفتار نہ ہو جائے۔

اور یہ بھی اللہ عز وجل کا ارشاد ہے "قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِينَ" (۲) آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ جو اللہ کے پاس ہے وہ تماشے اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ بہترین روزی دینے والا ہے۔

☆ لیکن اس لہو ولعب اور لغویات کی ممانعت کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ اسلام میں تفریح کی بھی بالکل ممانعت ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ تفریح جسکے ٹھیک ٹھیک معنیٰ فرحت حاصل کرنے اور جسم وروح کو فرحت پہنچانے کے ہیں وہ اسلام میں نہ صرف جائز بلکہ شرعاً ایک حد تک مستحسن اور مطلوب ہے؛ تاکہ اس تفریح کے ذریعہ جسم وروح کا کسل اور طبعی ملال دور ہو کر دوبارہ طبیعت میں نشاط، چستی، حوصلہ، ہمت اور اُمنگ پیدا ہو۔

اسلام نے بامقصد تفریح جو سستی اور کاہلی کو دور کر دے اور چستی اور فرحت کا باعث بنے اس کا ثبوت ان روایات سے ہوتا ہے:

۱- عید کے دن کچھ حبشی لوگ ڈھال اور نیزوں سے کھیل رہے تھے وہ حضور ﷺ کو دیکھ کر جھجکے، آپ ﷺ نے فرمایا: "خذوا یا بنی أرفدة حتی تعلم الیهود والنصاری أنّ فی دیننا الفسحة" اے حبشی بچو! کھیلتے رہو تاکہ یہود ونصاری کو پتہ چل جائے کہ ہمارے دین میں وسعت ہے۔(۳)

☆ اور بعض روایات کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا: یعنی کھیلتے رہو؛ کیونکہ میں

(۱) الانعام: ۷۰

(۲) الجمعة: ۱۱

(۳) مسند الحمیدی: احادیث عائشة، حدیث: ۲۵۴

اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ تمہارے دین میں سختی نظر آئے " الهووا فانّي أكره أن يرى في دينكم غلظة " (۱)

☆ عید کے دن کچھ بچیاں کھیل رہی تھیں، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انہیں روکنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو بکر! انہیں چھوڑ دو، یہ عید کا دن ہے، تاکہ یہود کو معلوم ہو کہ ہمارا دین گنجائش والا دین ہے،" أنّ ديننا فسحة " کیونکہ مجھے ایسی شریعت دے کر بھیجا گیا ہے جو افراط وتفریط سے یکسو اور آسان تر ہے۔ (۲)

☆ ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا: " القلب تملّ كما تملّ الأبدان فاطلبوا لها طرائق الحكمة " یعنی دل اسی طرح اکتانے لگتا ہے جیسے بدن تھک جاتے ہیں تو اس کے لئے حکمت کے راستے تلاش کیا کرو۔ (۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے کسی صحابی کو مغموم دیکھتے تو دل لگی کے ذریعہ اسے خوش فرماتے " كان النبي يسرّ الرجل من أصحابه اذا راه مغمومًا بالمداعبة " (۴)

☆ اسلام میں پسندیدہ کھیل تیر اندازی، گھوڑ سواری، نشانہ بازی، تیراکی، پیدل دوڑ وغیرہ ہیں۔

۱۔ اسلام کا ایک پسندیدہ کھیل نشانہ بازی بھی ہے، قرآنِ کریم میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے " وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ "(۵) اے مسلمانو! تمہارے بس میں جتنی قوت ہو، اسے کافروں کیلئے تیار کر کے رکھو۔

---

(۱) شعب الايمان: الحادي والأربعون من شعب الايمان، حديث: ٦٥٤٢

(۲) مسند احمد : حديث السيد عائشة رضى الله عنها ، حديث: ٢٤٨٩٩، محقق شعیب الارنوط نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

(۳) مکارم الاخلاق: ۲/ ۵۹

(۴) مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح ،باب عشرة النساء: ٥/ ٢١٢٢،دار الفكر ، بيروت

(۵) الانفال: ٦٠

مسلم شریف کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس "قوت" کی تفسیر "رمی" سے آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا:" الا أنّ القوّة فالرمی ، الا أنّ القوّة فالرمی ،الا أنّ القوّة فالرمی " یعنی خبردار قوت پھینکنا ہے، بلاشبہ قوت پھینکنا ہے، بلاشبہ قوت پھینکنا ہے۔(۱)

یہ پھینکنے میں جس طرح تیر کا پھینکنا داخل ہے، اسی طرح گولی نشانہ پر پھینکنا، راکٹ، میزائل، بم کو ٹھیک ٹھیک نشانہ تک پہنچانا بھی داخل ہے۔

ایک حدیث میں یہ الفاظ مروی ہیں:

جس نے نشانہ بازی سیکھی اور پھر اُسے چھوڑ دیا تو وہ ہم میں نہیں "من علم الرمی ثم ترکه فلیس منا أو قد عصی " (۲)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ کنکریوں سے نشانہ لگا رہا ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کنکر بازی نہ کرو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کنکریاں پھینکنے سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ: اس سے نہ شکار ہو سکتا ہے، نہ دشمن زخمی ہوتا ہے، ہاں یہ کنکریاں کسی کا دانت توڑ دیتی ہیں اور کسی کی آنکھ پھوڑ دیتی ہیں " انه لا یصاد به صید ولا ینکأ به عدو ولکنها قد تکسر السن وتفقأ العین " (۳)

چنانچہ اس سے کبوتر بازی، غلیل بازی کی مذمت معلوم ہوئی۔

دفاع میں معاون کھیل مثلاً کشتی کھیلنا، کراٹے کھیلنا، لاٹھی چلانا، مکا مارنا، یہ سب کھیل درست ہیں، البتہ ان کھیلوں میں بے ستری نہ ہو اور لڑکے اور لڑکیوں کا اختلاط نہ ہو۔

۲۔ سواری کی مشق

یہ اسلام کا دوسرا پسندیدہ کھیل ہے، جو جہاد میں کام آسکے، اس میں جسم کی پوری ورزش کے ساتھ انسان میں مہارت، ہمت، جرأت اور بلند حوصلگی جیسی اعلیٰ صفات پیدا ہوتی ہیں۔

---

(۱) مسلم : باب فضل الرمی، حدیث: ۲۹۱۷

(۲) مسلم : باب فضل الرمی والحث علیه ،حدیث: ۱۹۱۹

(۳) بخاری : باب الخذف والبندقة ،حدیث: ۲۱۶۲

ارشادِ باری عزوجل ہے "وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ" اوران کافروں سے مقابلہ کیلئے جس قدر تم سے ہوسکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو کہ اس کے ذریعہ سے تم رُعب جمائے رکھو۔

۳۔ تیراکی کی مشق

تیرنے کی مشق بھی وہ بہترین جسمانی ورزش ہے جس کا حدیث میں ذکر آیا ہے، اس سے جہاں جسمانی قویٰ مضبوط ہوتے ہیں اور بوقتِ ضرورت دوسروں کی جان بچانے میں اس سے کام لیا جاسکتا ہے۔

کنزالعمال میں حدیث اس طرح مروی ہے: یعنی کوئی کھیل ایسا نہیں جس میں رحمت کے فرشتے اترتے ہوں سوائے تین کے:

۱۔ مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنا۔

۲۔ گھوڑا دوڑانا۔

۳۔ تیراندازی" ما تشهد الملئكة من لهوكم الا الرهان والنضال" (۱)

حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "مومن کا بہترین کھیل تیراکی ہے اور عورت کا بہترین کھیل سوت کاتنا ہے" خير لهو المؤمن السباحة ، وخير لهو المرأة المغزل" (۲)

۴۔ اپنی صحت وقوت کے مطابق ہلکی یا تیز دوڑ وہ بہترین جسمانی ورزش ہے جس کی افادیت پر سارے اطباء اور ڈاکٹر متفق ہیں۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں چلے جارہے تھے، ہمارے ساتھ ایک انصاری نوجوان بھی تھا، جو پیدل دوڑ میں کبھی کسی سے مات نہ کھاتا تھا،

---

(۱) كنز العمال: اللهو المباح ،حديث: ٤٠٦١٥

(۲) كنز العمال : باب اللهو المباح، حديث: ٤٠٦١١

وہ راستہ میں کہنے لگا: ہے کوئی جو مدینے تک مجھ سے دوڑ لگائے؟ ہے کوئی دوڑ لگانے والا؟ میں نے اس سے کہا: تم نہ کسی شریف کی عزت کرتے ہو اور نہ کسی شریف آدمی سے ڈرتے ہو، وہ پلٹ کر کہنے لگا: کہ ہاں! رسول اللہ ﷺ کے علاوہ مجھے کسی کی پرواہ نہیں، سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان کے ساتھ دوڑ لگاؤں، آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے، اگر تم چاہو، چنانچہ میں نے اُن سے مدینہ تک دوڑ لگائی اور جیت گیا " فسبقته الٰی المدینة " (۱)

۵- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ میں دوڑ کا مقابلہ ہوا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آگے نکل گئے تو فرمایا: رب کعبہ کی قسم! میں جیت گیا، پھر کچھ عرصہ بعد دوبارہ دوڑ کا مقابلہ ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آگے نکل گئے، تو انہوں نے بھی وہی جملہ دہرایا "رب کعبہ کی قسم! میں جیت گیا" فقال عمر : سبقت ورب الکعبة " (۲)

☆ یہ تو وہ کھیل ہیں جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے، حدودِ شرعیہ کو قائم رکھتے ہوئے ان کھیلوں کے جواز میں تو کوئی شبہ نہیں، مگر ان کے علاوہ کھیلوں کا شرعی حکم جاننے کے لئے درج ذیل تفصیل ملحوظ رہے:

۱- جن کھیلوں کی احادیث وآثار میں صراحتاً ممانعت آئی ہے وہ ناجائز ہیں، جیسے: نرود، شطرنج، کبوتر بازی، اور جانوروں کو آپس میں لڑانا۔

۲- جو کھیل کسی حرام ومعصیت پر مشتمل ہوں وہ اس معصیت یا حرام کی وجہ سے ناجائز ہوں گے، مثلاً کسی کھیل میں ستر کھولا جائے یا اس کھیل میں جو کھیلا جائے، یا اس میں مرد وزن کا مخلوط اجتماع ہو یا ساز اور موسیقی کا اہتمام کیا گیا ہو یا اس کھیل میں کفار کی نقالی کی جارہی ہو۔

---

(۱) مسلم : باب غزوة ذی قرد ، حدیث : ۱۸۰۷

(۲) کنز العمال: جامع الخلفاء ، حدیث: ۴۰۶۸۱

۳۔ جو کھیل فرائض اور حقوقِ واجبہ سے غافل کرنے والے ہوں وہ بھی نہ جائز ہوں گے، وہ لہو میں داخل ہو کر عدم جواز کی وجہ بنیں گے، امام بخاریؒ نے "کتاب الاستیذان" میں باب قائم فرمایا ہے: " كل لهو باطل اذا شغله عن طاعة الله " یعنی ہر لہو جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل کر دے تو وہ باطل ہے یعنی گناہ ہے۔

۴۔ جس کھیل کا کوئی مقصد نہ ہو، بلا مقصد محض وقت گذاری کے لئے کھیلا جائے، وہ بھی ناجائز ہوگا، کیونکہ یہ اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کو ایک "لغو" کام میں ضائع کرنا ہے، قرآن حکیم میں کامیاب مومنین کی تعریف کرتے ہوئے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ " اور یہ وہ لوگ ہیں جو لغو یعنی فضول باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں۔(۱)

جن میں یہ خرابیاں نہ ہوں وہ کھیل جائز ہیں:

اس بارے میں مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس مولانا مفتی شفیع صاحبؒ نے اپنے ایک فتوی میں قرآنی آیات، احادیثِ طیبہ اور فقہاء کی عبارات کی روشنی میں اصول تحریر کئے ہیں وہ نقل کئے جاتے ہیں:

(الف) وہ کھیل جس سے دینی یا دنیوی کوئی معتد بہ فائدہ مقصود نہ ہو وہ ناجائز ہیں اور وہی حدیث کا مصداق ہیں۔

(ب) جس کھیل سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ معتد بہ مقصود ہو وہ جائز ہیں، بشرطیکہ اس میں کوئی امر خلافِ شرع ملا ہوا نہ ہو، منجملہ اس کے تشبہ بالکفار (کفار کی نقالی) بھی ہو۔

(ج) کھیل سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ مقصود ہو، لیکن اس میں کوئی ناجائز اور خلافِ شرع چیز مل جائے تو وہ بھی ناجائز ہو جاتا ہے، جیسے تیر اندازی یا گھوڑ سواری وغیرہ جب اس میں قمار (جوے) کی کوئی صورت پیدا ہو جائے، اور دونوں طرف سے

(۱) المؤمنون: ۳

کچھ مال کی شرط لگائی جائے تو وہ بھی ناجائز ہو جاتی ہے، یا کوئی کھیل کسی خاص قوم کفار کا مخصوص سمجھا جاتا ہو وہ بھی ناجائز ہوگا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ گیند کی کھیل خواہ کرکٹ وغیرہ ہو یا دوسرے دیسی کھیل فی نفسہ جائز ہیں، کیونکہ ان سے تفریح طبع اور ورزش مقصود ہوتی ہے، جو دنیوی اہم فائدہ بھی ہے اور دینی فوائد کیلئے سبب بھی، لیکن شرط یہی ہے کہ یہ کھیل اس طرح پر ہوں کہ ان میں کوئی امر خلاف شرع اور تشبہ بالکفار نہ ہو، نہ لباس اور طرز و وضع میں انگریزیت ہو، اور نہ گھٹنے کھلے ہوں نہ اپنے اور نہ دوسروں کے اور نہ اس طرح اشتغال ہو کہ ضروریات اسلام نماز وغیرہ میں خلل آئے، اگر کوئی ان شرائط کے ساتھ کرکٹ، ٹینس وغیرہ کھیل رہا ہے تو اس کیلئے جائز ہے، ورنہ نہیں۔ آج کل چونکہ عموماً یہ شرائط موجودہ کھیلوں میں موجود نہیں، اس بناء پر ناجائز کہا جاتا ہے۔(۱)

کھیل کے بارے میں بنیادی اصول کی وضاحت کرتے حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی فرماتے ہیں:

۱۔ کھیل کھیلنے والے ایسا لباس اختیار کریں جو ساتر ہو یعنی مرد ہو تو ناف سے گھٹنے تک کا حصہ ڈھکا ہوا ہو، خواتین مردوں کے درمیان نہ کھیلیں، خواتین کیلئے خواتین کے سامنے پردہ کی حدود وہی ہیں جو مردوں کیلئے ہیں کہ ناف سے گھٹنے تک کا حصہ چھپا ہوا ہو، اس کی رعایت کے بغیر کھیلنا حرام ہے، کیوں کہ حصہ ستر کو چھپانا شرعاً واجب ہے۔

۲۔ ایسا کھیل ہو جو مختصر وقت میں پورا کیا جا سکتا ہو جیسے فٹبال، والی بال، ایسا طویل کھیل نہ ہو جو آدمی کو شرعی فرائض اور اپنی متعلقہ ذمہ داریوں سے غافل کر دے، جیسے شطرنج اور فی زمانہ کرکٹ، ایسے کھیل مکروہ ہیں، لوڈو بھی کراہت سے خالی نہیں۔

۳۔ ایسا کھیل نہ ہو جو اپنے یا دوسروں کیلئے ایذا رسانی کا باعث ہو اور جسم کو شدید نقصان پہنچنے کا کافی امکان ہو، جیسے فری اسٹائل کشتی اور باکسنگ وغیرہ، ایسے کھیل بھی جائز نہیں ہیں۔

(۱) امداد المفتیین : ۱۰ تا ۱۰۰، طبع کراچی

۴- مردوں کیلئے زنانہ کھیل اور عورتوں کیلئے مردانہ کھیل جیسے کشتی، کبڈی درست نہیں ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے مردوں کو عورتوں کی اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

۵- کھیل خواہ کوئی بھی ہو، اگر اس میں جوا ہو تو جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ جوا حرام ہے۔

۶- ایسے کھیل جس سے جسمانی ریاضت ہوتی ہو، جو صحتِ جسمانی کیلئے مفید ہو، اور جس سے انسان کے اندر قوت مدافعت بہم پہنچتی ہو مستحب ہے، اور اسلام ایسے کھیل کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

☆ دورِ حاضر کے چند معروف کھیل یہ ہیں:

۱- کرکٹ: یہ ہمارے یہاں کا معروف اور مقبول کھیل ہے، اس میں وقت کا ضیاع بہت ہوتا ہے، یہ حقیقی مسائل سے غفلت پیدا کرتا ہے، کیرم بورڈ، اور لوڈو وغیرہ شطرنج کی طرح غیر مناسب کھیل ہیں۔

۲- ہاکی، فٹ بال، والی بال، لان ٹینس، بیڈمینٹن، اور ٹیبل ٹینس، ان کھیلوں میں پیسہ اور وقت کم خرچ ہوتا ہے۔ اس کھیل کو شرعی امور کی رعایت کے ساتھ کھیلا جائے تو درست ہے، محض تماشہ بیں کی حیثیت سے دیکھنا وقت کا ضیاع ہے۔

۳- کبوتر بازی: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ ایک کبوتر کے پیچھے دوڑ رہا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ایک شیطان دوسرے شیطان کے پیچھے بھاگ رہا ہے "شیطان یتبع شیطانا" (۱)

اس میں مشغولیت سے نماز اور دیگر حقوق کی ادائیگی سے غفلت ہوتی ہے، دوسروں کے کبوتر لینا ظلم ہے، اور گھروں پر چڑھنے سے بے پردگی ہوتی ہے۔

---

(۱) ابوداؤد: باب اللعب بالحمام، حدیث: ۴۷۳۷، منذری کہتے ہیں کہ: اس کی سند میں محمد بن علقمہ اللیثی ہیں اور ان سے مسلم نے استشہاد کیا ہے اور ان کی یحییٰ بن معین نے توثیق کی ہے: عون المعبود: باب فی اللعب بالحمام: ۱۳/۱۹۴

۴- مرغ بازی، بٹیر بازی: دیہاتوں میں جانوروں کو آپس میں لڑانے کی تفریح ہوتی ہے، یہ لڑانا ناجائز ہے، خوامخواہ جانوروں کو تکلیف دینا اور وقت کا ضیاع ہے، اس میں بہت سے مفاسد ہیں اور حضور ﷺ نے جانوروں کو آپس میں لڑانے سے منع کیا بھی ہے " نهى رسول الله عن التحريش بين البهائم " (۱)

۵- پتنگ بازی: بعض جگہوں پر خاص موسم میں اس کھیل کا رواج ہے:

پتنگ کے پیچھے دوڑنا اس کا وہی حکم ہے جو کبوتر کے پیچھے دوڑنے کا ہے جس میں حضور ﷺ نے دوڑنے والے کو شیطان کہا ہے "شيطان يتبع شيطانا " (۲)

اس کے علاوہ دوسروں کے مال (پتنگ) کو لوٹنا، دوسرے کی پتنگ کاٹ کر اس کو نقصان پہنچانا، بے پردگی، چھت پر سے گرنے پر جان کا نقصان، پتنگ بازی اور خریداری میں بے جا روپیوں کا خرچ، اس کی وجہ سے یہ کھیل ناجائز ہے۔

۶- گانا سننا: وقتی تفریح طبع کیلئے اچھے اشعار پڑھ لینا نہ صرف جائز بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمہم اللہ کا عمل ہے، مگر گانا بجانا جس میں آلاتِ موسیقی استعمال کیے جائیں یا نامحرم عورت کی آواز ہو، یہ نہ صرف حرام ہے بلکہ حضور ﷺ کی بعثت کے مقصد کے خلاف بھی، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے مجھے مومنین کی ہدایت اور رحمت کیلئے بھیجا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں باجوں اور تانتوں کو مٹاؤں اور صلیب اور جاہلیت کے رسوم کو ختم کروں " وبعثني لمحق المزامير والمعازف وأمر الجاهلية والأوثان" (۳)

---

(۱) ترمذي: باب كراهية التحريش بين البهائم، حديث: ۱۷۰۹، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو مجاہد سے متصلا اور مرسلا روایت کیا ہے اور مرسل ہی زیادہ صحیح ہے۔

(۲) ابوداود: باب اللعب بالحمام، حديث: ٤٧٣٧، منذری کہتے ہیں کہ: اس کی سند میں محمد بن علقمہ اللیثی ہیں اور ان سے مسلم نے استشهاد کیا ہے اور ان کی یحییٰ بن معین نے توثیق کی ہے: عون المعبود: باب في اللعب بالحمام: ۱۹۴/۱۳

(۳) كنز العمال: من فضائل متفرقة، حديث: ٣٢٠٩٦

۷۔ حضور ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ عذاب قیامت کے دن تصویر بنانے والے کو ہوگا "ان أصحاب هذه الصور يعذبون يوم القيامة ويقال لهم احيوا ما خلقتم" (۱)

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو میری طرح (یعنی اللہ کی طرح) تخلیق کرنے لگا (وہ کسی جاندار کی تخلیق تو کیا کرسکتا؟) ذرا ایک دانہ اور ذرہ تو بنا کر دکھادے "ومن أظلم ممن ذهب يخلق كخلقه فليخلقوا ذرة أو ليخلقوا حبة أو شعيرة" (۲)

البتہ پاسپورٹ وغیرہ (مثلاً شناختی کارڈ) کی شدید ضرورت کیلئے فوٹو کھنچوانے کی اجازت ہے۔

۸۔ فلم بینی: فلم بیک وقت کئی گناہِ کبیرہ کا مجموعہ ہوتا ہے:

الف: تصویر کشی: یہ ناجائز اور حرام ہے۔

ب: گانا بجانا: یہ بھی ناجائز اور حرام ہے۔

ج: رقص اور ناچ

د: نامحرم کو دیکھنا۔

ہ: مرد و عورت کا اختلاط و مخرب اخلاق مناظر جن کا بیان کرنا اور جن کی اشاعت ناجائز اور حرام ہے چہ جائیکہ ان مناظر کی باقاعدہ تصویر کشی ہو، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ" (۳) جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو، ان کیلئے دنیا و آخرت میں سزائے دردناک ہے۔

ز: علاوہ ازیں مجرمانہ ذہنیت سازی بھی ان فلموں کی دین ہے، جو نوجوان نسل میں مجرمانہ ذہنیت پیدا کرکے ملک کے اندر جرائم پھیلانے کا ذریعہ بن رہے ہیں۔

---

(۱) بخاري: كتاب اللباس، باب قول الله تعالى: والله خلقكم وما تعلمون، حديث: ۷۱۱۹
(۲) بخاري: كتاب اللباس، باب قول الله تعالى: والله خلقكم وما تعلمون، حديث: ۷۱۲۰
(۳) النور: ۱۹

بڑا عجیب زمانہ ہے کھیل نہ صرف ذریعہ تجارت؛ بلکہ مقصد حیات بن چکا ہے، ملک اور قوم کھیل کے میدان میں اپنی ٹیم کے جیتنے کو اپنی سربلندی کا ذریعہ سمجھ رہی ہے، ایشیائی ممالک تو بالخصوص دو دو دن، تین تین دنکے لمبی مدت والے کھیل کھلا کر امتحانات کے دنوں میں اور تعلیمی ایام میں اپنی نوجوان نسل کا نقصان کررہے ہیں (جیسے کرکٹ) جبکہ یورپ کے کھیل مختصر ہوتے ہیں (باکسنگ) اور یورپی ممالک کے ایام تعطیل میں کھیلے جاتے ہیں، سائنسدانوں، دانشوروں، قوم وملک کے خادموں کی وہ ہمت افزائی، مدح سرائی نہیں ہوتی جو کھلاڑیوں اور رقاصاؤں کی ہورہی ہے، یہ عقل وفہم کا دیوالیہ پن ہی تو ہے کہ کھیل کے ذریعے سے دنیا کے چندتاجر اپنی مصنوعات کو پھیلانے کا ذریعہ بنارہے ہیں، کوکا کولا، پیپسی جیسے چندتاجروں کی چھاپ دنیا بھر پر بٹھارہے ہیں اور اس کیلئے ساری عوام آلۂ کار بنتی جارہی ہے۔

شاعری: آداب واحکام

☆ اگر چہ رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں اور اس سے پہلے بھی شعر وشاعری عام تھی اور شاذ ونادر ہی ایسے لوگ تھے جو اس کا ذوق نہ رکھتے ہوں، لیکن خود حضور ﷺ کو اس سے بالکل مناسبت نہیں تھی، بلکہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ مشیتِ الٰہی نے خاص حکمت کے تحت آپ ﷺ کو اس سے بالکل محفوظ رکھا سورہ یٰس میں فرمایا گیا ہے: "وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِیْ لَهٗ "(۱) ہم نے آپ ﷺ کو شعر وشاعری کا علم نہیں دیا اور وہ ان کیلئے مناسب اور سزاوار نہیں تھا۔

وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ، اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ، وَاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ (۲) اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں، اے مخاطب کیا تم کو معلوم نہیں کہ وہ لوگ (خیالی مضمون کے) ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں اور زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔

اور ان شاعروں کا حال یہ ہے کہ بے راہ اور بد چلن لوگ ہی ان کی راہ چلتے ہیں، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور وہ جو نہیں کرتے وہ کہتے ہیں۔

☆ جو شاعری اچھی ہے وہ اچھی ہے اور جو بری ہے بری ہے:

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے شعر وشاعری کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا وہ مطلقاً قابلِ مذمت ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ایسا نہیں ہے، بلکہ اگر شعر کا مضمون اچھا ہے تو وہ اچھا ہے اور اگر وہ برا ہے تو وہ برا ہے۔

---

(۱) یٰس: ٦٩
(۲) الشعراء: ۲۲۵

اشعار میں عورتوں کا اوران کے حسن وجمال کا اس طرح ذکر جس سے سفلی جذبات غیر معتدل ہو جائیں جائز نہیں، البتہ اگر مطلق عورت کے اوصاف بیان کئے جائیں، زندہ عورت کے نہیں اور یہ اشعار جذبات کو برانگیختہ کرنے والے نہ ہوں تو جائز ہے۔(۱)

☆ البتہ بعض وہ اشعار جو پر حکمت اور موعظت اور نصیحت پر مشتمل ہوتے ہیں ان اشعار کو حضور پاک ﷺ نے حکیمانہ اشعار قرار دیا ہے۔

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: بعض شعر (اپنے مضمون کے لحاظ سے) سراسر حکمت ہوتے ہیں "اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لِحِكْمَةً" (۲)

☆ آپ ﷺ نے بعض زمانۂ جاہلیت شعراء کے اشعار کو پسند فرمایا اوران کے سنانے کا مطالبہ کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے وہ لبید بن ربیعہ شاعر کی بات (یعنی یہ مصرعہ) ہے " اَلَا كُلُّ شَيْئٍ مَا خَلَا اللّٰهُ بَاطِلُ " آگاہی ہو کہ اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے۔(۳)

یہ لبید زمانۂ جاہلیت کا مشہور ومقبول شاعر تھا، لیکن اس کی شاعری اُس زمانہ میں بھی خدا پرستانہ اور پاکیزہ تھی، رسول اللہ ﷺ نے اس کے مصرعہ " أَلَا كُلُّ شَيْئٍ مَا خَلَا اللّٰهُ بَـاطِلُ " کو "شعری دنیا کا سب سے سچا کلمہ" فرمایا ہے، یہ اس لئے کہ یہ قرآن مجید کے اس ارشاد کے بالکل ہم معنی ہے " كُـلُّ شَيْئٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَـهٗ " اس کے ساتھ اس کا دوسرا مصرعہ ہے " وَكُـلُّ شَيْئٍ لَا مُحَالَةَ زَائِلُ " (یعنی یہاں کی ہر نعمت ایک دن ختم ہو جانے والی ہے) لیکن قبولِ اسلام کے بعد وہ کہا کرتے تھے " يَـكْـفِينِـى الْقُرْاٰنُ " (بس اب قرآن میرے لئے کافی ہے)۔

---

(۱) الفتاویٰ الهندية : ۳۵۱/۵

(۲) بخاری : باب ما يجوز من الشعر، حديث: ۵۷۹۳

(۳) بخاری : باب أيام الجاهلية ، حديث: ۳۶۲۸

حضرت عمرو بن شرید اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ: میں ایک دن (سفر میں) رسول اللہ ﷺ کے پیچھے آپ ہی کی سواری پر تھا، آپ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں امیہ کے کچھ شعر بھی یاد ہیں، میں نے عرض کیا: ہاں یاد ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: سناؤ، تو میں نے ایک بیت آپ ﷺ کو سنایا، آپ ﷺ نے فرمایا: اور سناؤ، میں نے ایک اور بیت سنایا، آپ ﷺ نے پھر فرمایا: اور سناؤ، میں نے سو بیت (اشعار) سنائے، اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ امیہ اپنے اشعار میں اسلام سے بہت قریب ہوگیا تھا، " لقد کاد یُسلم فی شعرہ " (۱)

☆ آپ ﷺ نے کبھی کبھی بے ساختہ مقفیٰ مسجع جملے بطورِ اشعار کہے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ خندق کے موقع پر حضور ﷺ خندق سے مٹی منتقل کر رہے تھے، آپ ﷺ کا پیٹ مٹی سے اٹا ہوا تھا اور زبانِ مبارک پر یہ شعر تھے:

وَاللّٰهِ لَوْ لَا اللّٰهُ مَا هْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

اللہ کی قسم! اگر اللہ کی ذات نے رہنمائی نہ کی ہوتی تو
ہم ہدایت یافتہ نہ ہوتے، نہ خیرات کرتے، نہ نماز پڑھتے۔

فَاَنْزِلْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَا قَيْنَا

اے اللہ! ہم پر سکینت نازل فرما اور کافروں سے جنگ میں ہمیں ثابت قدم فرما۔

اِنَّ الْاُوْلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا (۲)

ان کافروں نے ہم پر چڑھائی کیا ہے، اگر یہ لوگ ہمیں فتنوں میں مبتلا کرنے کی کوشش کریں گے (یعنی اسلام سے پھیرنے کی) تو ہم انکار کریں گے۔

---

(۱) مسلم: کتاب الشعر، حدیث: ۲۲۵۵

(۲) بخاری: باب حفر الخندق، حدیث: ۲۶۸۲

اسی غزوۂ خندق کے موقع سے جب انصار جوش میں یہ شعر پڑھ رہے تھے:

نَحۡنُ الَّذِیۡنَ بَایَعُوۡا مُحَمَّدًا عَلَی الۡجِھَادِ مَا بَقِیۡنَا اَبَدًا (۱)

ہم لوگ وہ ہیں جنہوں نے حضرت محمد ﷺ سے جہاد پر بیعت کی ہے جب تک کہ ہم زندہ ہیں۔

اَللّٰھُمَّ لَا عَیۡشَ اِلَّا عَیۡشَ الۡاٰخِرَۃِ فَاغۡفِرِ الۡاَنۡصَارَ وَالۡمُھَاجِرَۃَ

اے اللہ آخرت کے سوا کوئی زندگی نہیں انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما (۲)

ایک غزوہ کے موقع سے آپ ﷺ کی انگلی زخمی اور خوں آلود ہوگئی تھی تو اس موقع سے ارشاد فرمایا تھا:

هَلۡ اَنۡتِ اِلَّا اِصۡبَعٌ دَمِیۡتِ وَفِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ مَا لَقِیۡتِ

اے انگلی! تو اللہ کے راستہ میں زخمی اور خون آلود ہوئی

کوئی بڑی آزمائش سے دوچار نہیں ہوئی۔ (۳)

یہ اس طرح کے مصرعے جو زبانِ مبارک سے جاری ہوئے یہ شعر گوئی کا مصداق نہیں، بلکہ بے ارادہ و بے تکلف اور بے ساختہ فقرے ہیں جو موزوں ہوگئے ہیں۔ (۴)

البتہ آپ کے متعدد صحابہ جیسے حضرت علی، حضرت حسان، حضرت کعب، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم وغیرہ بلند پایہ شعراء میں سے تھے، اور ان کے سامنے ہمیشہ اسلام کی سربلندی ہوا کرتی تھی، اس لئے فقہاء نے مباح اشعار پڑھنے کی اجازت دی ہے۔

اگر آدمی دوسرے بہتر اور ضروری کاموں کو چھوڑ کر مشقِ سخن میں لگا رہے تو یہ بھی مکروہ ہے۔ (۵)

☆ حضراتِ صحابہؓ بھی بسا اوقات اچھے اشعار تفریحِ طبع اور نصیحت و موعظت کیلئے سنتے

(۱) بخاری : باب التحریض علی القتل ،حدیث: ۲۶۷۹

(۲) بخاری : باب التحریض علی القتل ،حدیث: ۲۶۷۹

(۳) بخاری : باب من ینکب فی سبیل اللّٰہ، حدیث: ۲۰۴۸

(۴) مرقاۃ المفاتیح : ۶۱۳/۴

(۵) الفتاوی الھندیۃ : ۳۵۱/۵

حضرت خوات بن جبیر فرماتے ہیں کہ: ہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ایک قافلہ میں حج کیلئے روانہ ہوئے، جن میں حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، راستے میں لوگوں نے فرمائش کی کہ اے خوّات! کچھ اشعار ترنّم میں سناؤ، میں نے اشعار سنائے، کچھ لوگوں نے فرمائش کی کہ ضرار (شاعر) کے اشعار سناؤ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: خوّات کو اپنے دل کی آواز (یعنی اپنے اشعار) سنانے دو، "دعوا أبا عبد الله يتغنى من هنيات فؤاده" يعني من شعره" چنانچہ میں ساری رات اشعار سناتا رہا، یہاں تک کہ صبح ہونے لگی، تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بولے: اے خوّات! اپنی زبان روک لو، کیونکہ اب صبح ہو رہی ہے۔(۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ قرآن وحدیث کے علوم میں طویل عرصہ تک منہمک رہتے، پھر تفریح طبع کیلئے اپنے ساتھیوں سے فرماتے: آؤ منہ کا ذائقہ تبدیل کریں، چنانچہ اخبار واشعار کا تذکرہ کر کے نشاط حاصل کرتے۔

حضرت ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عطاء بن رباح رحمہ اللہ سے اشعار پڑھنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: اگر اشعار فحش نہ ہوں تو میں ان کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ بلکہ نصیحت اور موعظت کیلئے موزوں اور مقفع اشعار بہت جلد اثر کرتے ہیں۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو کفار کی ہجو میں اشعار کہنے کی ترغیب دی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے مسجد نبوی میں منبر بچھایا تھا اور فرمایا تھا: اهجم أو هاجمهم (ان پر حملہ کرو، ان پر حملہ کرو) اور فرمایا تھا: اے اللہ! ان کی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ مدد، تائید اور تقویت فرما" اللّٰهم أيده بروح القدس " (۲)

ایک موقع پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ اسلام کی طرف سے مدافعت کے اشعار پڑھ رہے تھے،

(۱) کنز العمال: مباح الغناء، حدیث: ۴۰۶۹۷

(۲) مجمع الزوائد: باب هجاء المشركين، حديث: ۱۳۳۳۲، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

آپ ﷺ نے ان کیلئے مسجد نبوی میں منبر رکھوائے "كان رسول الله يضع لحسان منبرًا في المسجد يقوم عليه قائمًا يفاخر عن رسول الله أو ينافح" (۱)

☆ اچھے اشعار پر انعام دیا جائے تو کوئی حرج نہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو اپنی چادر عنایت فرمائی تھی، لیکن اشعار پڑھ کر اجرت طلب کرنا اور اس کو ذریعہ معاش بنانا جائز نہیں۔ (۲)

---

(۱) ترمذی: باب انشاد الشعر، حديث: ٢٨٤٦، امام ترمذی نے اس روایت کو صحیح غریب کہا ہے۔
(۲) الفتاوى الهندية

رسوم کی مذمت، دلائل و وجوہات

آج انسان نے پیدائش سے زندگی کے آخری مرحلے یعنی موت تک (مہد سے لے کر لحد تک) اتنے رسوم و رواج ایجاد کر لئے ہیں کہ ان کا پیٹ بھرنے کیلئے، لوگوں میں اپنا بھرم رکھنے اور دم خم دکھانے کیلئے خواہی نہ خواہی ان رسوم کو ادا کرنا ہی ہوتا ہے، خواہ اس کی راہ میں کس قدر اپنا دنیوی اور اخروی ہر اعتبار سے نقصان ہو جائے، لیکن اپنی شان کو جتانا اور لوگوں میں ان رسوم کی ادائیگی کے ذریعہ اپنا وقار اور اعتبار قائم رکھنا ضروری باور کیا جاتا ہے، خصوصاً شادی بیاہ کے موقع سے اتنی رسوم ادا کی جاتی ہیں الامان والحفیظ۔ ہم نے اس تحریر میں رسوم کی مذمت، دلائل اور وجوہات کی روشنی میں پیش کرنے کوشش کی ہے۔

۱- اسراف اور فضول خرچی:

دین اسلام تو وہ مذہب ہے جو ہر موقع سے فضول خرچی سے بچنے، عدل واعتدال کو قائم رکھنے کی تعلیم دیتا ہے، اس نے تو مطلقاً فضول خرچی کی مذمت کی ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اسراف نہ کرو، اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا "لَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ" (۱)

ایک موقع سے فضول خرچی سے روکتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ" (۲) بے ہودہ مال اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہوتے ہیں، یعنی جیسے شیطان نے عقل کی دولت کو اللہ کی نافرمانی میں خرچ کیا، یہ لوگ بھی مال کی نعمت کو معصیت میں صرف کر رہے ہیں۔

اسلام فضول خرچی کو نہایت ناپسندیدہ نظر سے دیکھتا ہے اور اس نے ہر باب میں فضول خرچی کو ناپسند کیا ہے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دنیا میں جو جتنا زیادہ آسودہ ہو کر

(۱) الانعام: ۱۴۱ (۲) الاسراء: ۲۷

کھاتا ہوگا، قیامت کے دن وہ اسی قدر بھوکا ہوگا "انّ أكثر النّاس شبعا في الدنيا أطولهم جوعا يوم القيامة" (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کچھ طبیعت چاہے اسے کھا گذرنا اسراف ہی کی ایک صورت ہے "انّ من السرف أن تأكل كلّ ما اشتهيت" (۲)

اور ایک روایت میں فرمایا: کھاؤ، پیو، صدقہ کرو اور پہنو؛ البتہ فضول خرچی نہ ہو اور تکبر نہ ہو " كلوا واشربوا وتصدقوا والبسوا ما لم يخالطه اسراف أو مخيلة" (۳)

نہ صرف کھانا، پینا اور پہننا اوڑھنا؛ بلکہ دینی امور میں بھی آپ ﷺ نے فضول خرچی کو پسند نہیں فرمایا، ثابت بن قیس نامی ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے ایک دن پانچ سو کھجور کے درختوں کے پھل کاٹے اور اسی دن پورے تقسیم کردیئے، اہل وعیال کیلئے کچھ نہیں رکھا، تو آپ ﷺ نے اسے ناپسند فرمایا اور اسی موقع سے حکم ربانی نازل ہوا "ولا تسرفوا" (۴)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: " نعم: وان كنت على نهر جار" ہاں اگر چہ تم بہتی نہر پر ہو۔ (۵)

جو تین مرتبہ کے بجائے چار مرتبہ اپنے اعضاءِ وضو کو دھوئے اس نے ظلم کیا اور حد سے تجاوز کیا " فمن زاد على هذا فقد أساء أو تعدّى وظلم " (۶)

(۱) ابن ماجة: باب الاقتصاد في الأكل، حديث: ۳۳۹۴، بوصیری کہتے ہیں کہ: اس کی سند میں سعید بن وراق ثقفی ہیں، ان کی بیشتر لوگوں نے تضعیف کی ہے، اور ان کی ابن حبان اور حاکم نے توثیق کی ہے، اور البانی اس روایت کو حسن کہا ہے۔

(۲) ابن ماجة: باب الاقتصاد في الأكل، ۳۳۹۵، زوائد میں اس کی سند کو ضعیف کہا ہے، چونکہ نوح بن ذکوان نے ضعف پر اتفاق ہے، اور دمیری کہتے ہیں کہ اس حدیث کو منکر کہا گیا ہے۔

(۳) ابن ماجة: حديث: ۳۶۵۰، البانی نے اس رویت کو حسن کہا ہے۔

(۴) الجامع لاحكام القران: ۷/ ۱۱۰

(۵) ابن ماجه: باب ما جاء في القصر، حديث: ۴۲۵، بوصیری کہتے ہیں کہ: حیی بن عبداللہ اور عبداللہ بن لہیعہ کی وجہ سے اس کی سند ضعیف ہے: مصباح الزجاجة: كتاب الطهارة والسنن: ۱/ ۲۷

(۶) السنن الكبرى للبيهقي: باب كراهية الزيادة على الثلاث، حديث: ۳۷۸، علامہ نووی نے کہا ہے کہ: یہ حدیث صحیح ہے، اس کو ابوداؤد اور دیگر لوگوں نے روایت کیا ہے اور تمام کی تمام سندیں صحیح ہیں: شرح مسلم: باب وجوب غسل الرجلين بكمالهما: ۳/ ۱۲۹

۲- ریاء اور نمود

رسوم اور رواج کی ایک خرابی یہ بھی ہوتی ہے کہ اس سے مقصود صرف دکھلاوا اور نمائش ہوتی ہے، عزت کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی بغیر نفع یا نقصان کی امید کے دوسرے کا کام کرے، اور یہ صرف دین کی بنیاد پر ہوسکتا ہے، عہدے یا کرسی یا ظاہری ٹھاٹ باٹ کی بنیاد پر جو اعزاز ہوتا ہے وہ حقیقت میں اس صاحبِ منصب یا مالک ثروت کا احترام نہیں ہوتا؛ بلکہ کرسی اور روپیئے کا ہوتا ہے، اور وہ جب چلا جائے تو ساری واہ واہ اور ختم ہوجاتی ہیں، اس سے بھی آگے حقیقت یہ ہے کہ کرسی اور روپیئے کے سامنے بھی اپنے اغراض کی وجہ سے گھٹنے ٹیک دیئے جاتے ہیں، حقیقی عزت حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت سمیہؓ، حضرت زنیرہؓ، حضرت رابعہ بصریہؒ، حضرت شعوانہ رحمۃ اللہ علیہا کو ملی، جو صرف غلام تھے، مگر آج ان کے تذکرے قائم و دائم ہیں،

"وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ" (۱)

ایک قادرِ مطلق ذوالجلال والاکرام کو راضی کرلے یہ آسان ہے، سارے بے دین، خود غرض، خدا و آخرت سے بے خوف لوگوں کو کبھی راضی نہیں کیا جاسکتا ہے جیسا کہ مشہور لطیفہ ہے: باپ بیٹے گدھے کی سواری پر ایک ساتھ بیٹھ گئے، یا دونوں بیٹھ گئے یا دونوں اتر گئے یا باپ بیٹھا یا بیٹا بیٹھا تب بھی لوگوں نے طعنہ دینا نہیں چھوڑا، اسی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا: من التمس رضا الناس بسخط الله وكّله الله الى الناس، ومن التمس رضا الله بسخط الناس كفاه الله مؤنة الناس (۲)

پھر اسی کے مثل ایک "عبدالرحمٰن" ہے "انّ أحبّ أسمائكم الى الله" (۳)

---

(۱) المنافقون : ۸

(۲) ترمذی: كتاب الزهد: باب منه، حديث: ۲۴۱۴، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے، اس میں ایک شخص کا نام ذکر نہیں کیا، پھر اس کو ایک دوسری سند سے غیر مرفوع طریقے سے حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے: الترغيب الترهيب: كتاب القضاء: حديث: ۳۴۰۴،

(۳) مسلم: باب النهى عن التكنى بأبى القاسم، حديث: ۲۱۳۲، اس روایت کو منذری نے طبرانی کے حوالہ سے سندِ جید کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

جو شخص لوگوں کو خوش کرنے کیلئے اللہ کو ناراض کردے تو اللہ عزوجل اس کو لوگوں کے حوالے کردیتے ہیں، جو شخص لوگوں کو ناراض کرکے اللہ کو راضی کرنے میں لگ جائے تو اللہ عزوجل لوگوں کی طرف سے اس کیلئے کافی ہوجاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا: "من سمّع النّاس بعمله ، سمّع اللّه به سامع خلقه وصغّره وحقّره" جو شخص اپنے عمل کو لوگوں کے درمیان مشہور کرے گا تو اللہ تعالی اس کے اس ریاء والے عمل کو اپنی مخلوق کے کانوں تک پہنچادیں گے، (کہ یہ ریاکار ہے) اور اس کو لوگوں کی نگاہ میں چھوٹا اور ذلیل کردیں گے۔(۱)

چنانچہ اور ایک روایت میں ہے: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من لبس ثوب شهرة في الدنيا ألبسه الله ثوب مذلّة يوم القيامة ، ثمّ الهب فيه نارًا" جس شخص نے میں دنیا شہرت کا لباس پہنا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو ذلت کا لباس پہنا کر اس میں آگ بھڑکادیں گے۔(۲)

ابونعیم نے "الحلیۃ" میں حضرت عائشہؓ سے یہ روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ: میں نے اپنے کپڑے پہن لئے اور گھر میں چل پھر کر اپنے کپڑوں اور دامن کو دیکھنے لگی کہ اسی دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آمد ہوئی، انہوں نے کہا: اے عائشہ! کیا تمہیں پتہ نہیں کہ اس وقت اللہ عزوجل کی نظر تمہاری طرف نہیں تھی "أما تعلمين أن الله لا ينظر اليك الأن"(۳)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تمہیں پتہ نہیں کہ بندے میں جب دنیا کی بناؤ سنگھار کی وجہ سے خود پسندی آتی ہے تو اس کا رب اس سے ناراض ہوجاتا ہے،

---

(۱) المعجم الكبير: من اسمه القاسم، حديث: ٤٩٨٤ ، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: احمد اور طبرانی الکبیر کے رجال صحیح کے رجال ہیں: مجمع الزوائد: باب ما جاء في الرياء: حديث: ١٧٦٦٠

(۲) ابن ماجه : باب من لبس ثوب شهرة ، حديث : ٣٦٠٧ ، منذری نے کہا ہے کہ: اس کو ابن ماجہ نے سند حسن کے ساتھ ذکر کیا ہے: الترغيب والترهيب : كتاب اللباس ،حديث: ٣١٧٧

(۳) حلية الأولياء: ابوبكر صديق: ١/ ٣٧، دار الكتاب العربي، الطبعة الرابعة: ١٤٠٥هـ

جب تک وہ اس زینت کو اپنے سے علاحدہ نہیں کرتا "انّ العبد اذا دخله العجب بزينة الدنيا مقته ربّه حتّى يفارق تلك الزينة" حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: میں نے اسے نکال دیا اور اس کو صدقہ کر دیا۔(۱)

۳۔ غیر ضروری چیزوں کا التزام:

ہماری شادیوں اور روزمرہ کی زندگیوں میں بہت سے طور و طریقے اور بہت سی اپنی بنائی ہوئی رواجی چیزیں ایسی داخل ہو گئیں ہیں، جن کا التزام نہایت ضروری سمجھا جاتا ہے؛ جب شریعت اور اسلام سے اسکا کوئی تعلق نہیں ہوتا، فرائض و واجبات اور نمازیں اور اللہ عزوجل کے دیگر احکام وغیرہ کیوں نہ چھوٹ جائیں؛ لیکن یہ رواجی طریقے ہرگز چھوٹنے نہ پائیں؛ ورنہ ساری عزت ملیامیٹ ہو جائے گی اور ساری تقریب نحوست کا شکار ہو جائے گی، اس طرح کی غیر ضروری چیزوں کا التزام یہ بدعت ہے: نبی کریم ﷺ نے بدعت کی مذمت اور اس کی برائی اور اس کے انجام بد کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: بدترین چیز (دین میں) نئی چیزوں کا ایجاد کرنا ہے، ہر نئی ایجاد کردہ چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے "وشرّ الأمور محدثتها ، وكلّ محدثة بدعة ، وكلّ بدعة ضلالة ، وكلّ ضلالة في النّار" (۲)

رسوم و بدعات اور سنتوں میں ایک اہم فرق یہ بھی ہوتا ہے کہ ہر علاقہ کی رسمیں الگ الگ ہوتی ہیں؛ کیونکہ مزاج اور اس سے بننے والے رواج و سماج مختلف ہوتا ہے، قرآن وسنت ایک ہونے کی وجہ سے سنتیں سارے عالم کی ایک ہوتی ہے، بدعت کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ: بدعت و رسم آ کر اس عمل کی سنت کو مٹا دیتی ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد بھی ان غیر ضروری چیزوں کو اپنانے کی مذمت کرتا ہے

---

(۱) کنز العمال: ادب اللباس حدیث: ۴۱۸۳۲

(۲) صحیح ابن حبان: باب الاعتصام بالسنة وما يتعلق، حدیث: ۱۰، محقق شعیب الارنؤوط نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

''اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ بناؤ کہ نماز پڑھ کر داہنی طرف پھرنے کو ضروری سمجھنے لگو، حالانکہ نماز پڑھ کر دونوں طرف دائیں اور بائیں پھرنا جائز ہے '' لا تجعل أحدكم نصيبًا للشيطٰن من صلاته، الّا عن يمينه'' (۱)

موجودہ دور کا سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ آدمی رسم ورواج کے بندھن اور خاندان وروایات کے خلاف کھڑے ہونے کی ٹھان لے، حدیث میں ہے ''أفضل الجهاد كلمة حقّ عند سلطان جائر'' (۲)

سب سے افضل جہاد یہ ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہی جائے؛ ظالم بادشاہ فردِ واحد ہی نہیں ہوتا؛ بلکہ بے بنیاد خرافات وبدعات کی شکل میں بھی ہوتا ہے۔

۴۔ بدفالی اور نحوست کا تصور:

ان رسوم ورواج کی ایک خرابی یہ بھی ہوتی ہے تقریب کی تاریخ کی تعیین کے سلسلے میں سعد ونحس (اچھے اور منحوس) ہونے کا اعتبار کیا جاتا ہے، بعض مہینوں اور تاریخوں میں شادی کے منعقد کرنے کو اچھا اور بابرکت تصور کیا جاتا ہے، اسی طرح بعض رسموں کے پورا نہ کرنے پر بھی نحوست کے درآنے کا اعتقاد رکھا جاتا ہے، اس طرح کی بدفالی اور بدشگونی کا اعتقاد یا کسی بھی رسم بد کے پورا نہ کرنے کو منحوس سمجھنا یہ سب شرکیہ اور کفریہ اعمال ہیں جو خدا کے غضب اور ناراضگی کو دعوت دیتے ہیں۔

زمانے اور دنوں میں نحوست کے نہ ہونے کو بیان کرتے ہوئے حدیث قدسی ہے:

حضرت سعید بن مسیبؒ سے مروی ہے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ سے، آپ ﷺ فرماتے ہیں: اللہ عز وجل فرماتا ہے: ابن آدم مجھے تکلیف دیتا ہے، وہ زمانے کو گالیاں دیتا ہے اور زمانہ میں خود ہوں، میں زمانے کے رات ودن کو

(۱) بخاری: باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال: حديث: ۸۱٤

(۲) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن اور غریب ہے: ترمذی: افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر: حديث: ۲۱۷٤

الٹتا پلٹتا ہوں " یؤذینی ابن ادم یسُبّ الدھر وأنا الدھر ، أقلّب لیله ونھارہ" (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بدفالی شرک ہے، بدفالی شرک ہے، "الطّیرۃ شرك قاله ثلاثًا " (۲)

اہل عرب شوال میں شادی نہیں کرتے تھے، زمانہ قدیم میں اس مہینہ میں طاعون آیا تھا، حضرت عائشہؓ کی شادی اور رخصتی دونوں شوال میں ہوئیں۔

۵۔ تحفے وتحائف کا بادل نخواستہ تبادلہ

تحفے وتحائف یہ طرفین کی جانب سے تعلقات کی گہرائی، ایک دوسرے سے محبت وعقیدت اور دلی وابستگی کے غماز ہوتے ہیں، اگر یہ تحفے واقعۃ خلوص ومحبت، رشتے وناتے کے احترام میں دیئے جاتے ہیں تو ٹھیک ہے، حضور اکرم ﷺ نے بھی آپس میں تحفے تحائف کے تبادلے کی ترغیب دی ہے، اور اسے تعلقات میں اضافہ کا سبب قرار دیا ہے" تھادّوا تحابّوا "ہدایا کا یہ تبادلہ محبت کا باعث ہوتا ہے۔(۳)

حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: آپس میں ہدیہ دیا کرو؛ کیونکہ ہدایا کا تبادلہ دلوں کے کینہ اور کپٹ کو دور کردیتا ہے "فانّ الھدیة تذھب الضغائن" (۴)

---

(۱) مسلم : باب النھی عن سبّ الدھر حدیث :۲۲۴۶

(۲) ابوداؤد : باب فی الطیرۃ ، حدیث : ۳۹۱۰، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان نے روایت کیا ہے اور اس کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے: الترغیب والترھیب :الترھیم من الطیرۃ : حدیث : ٤٦٨٤

(۳) الأدب المفرد: باب قبول الھدیة، حدیث : ٥٩٤، دار البشائر الاسلامیه ، بیروت، علامہ حجر عسقلانی نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے: بلوغ المرام :۱۹٤/۱

(۴) التلخیص الحبیر: حدیث: ۱۳۱٤، دار الکتب العلمیة، الطبعة الأولی، ابن الملقن کہتے ہیں کہ: اس حدیث کو صاحب مشکاۃ نے ذکر کیا ہے اور حضرت عائشہ سے صحیح سند کے ساتھ مرفوعاً مروی ہے: البدر المنیر : ۱۱۳/۷

اگر اس حد تک یہ تحائف آپس میں لئے دیئے جاتے ہیں تو ٹھیک ہے؛ لیکن اگر تحائف کے لین دین میں جبر و اکراہ کا دخل ہو تو یہ چیز شرعاً درست نہیں، بایں طور جو شخص ہدیہ نہ دے سکے اس کو لعنت و ملامت کی جائے، اسے برا بھلا کہا جائے، اور تحائف کا یہ تبادلہ بھی یاد کر کے اسی انداز اور اسی قیمت کی شکل میں ہو جس قیمت اور شئی کی شکل میں اولاً اس نے ہدیہ دیا تھا، یہ تمام چیزیں شرعاً ناجائز ہیں، تحفے اور ہدیئے تو دلی خوشی و مسرت کے اظہار کے طور پر دیئے جاتے ہیں، اس میں زور زبردستی کا بالکل دخل نہیں ہوتا، لینے والا تو لیتا ہے؛ لیکن دینے والا دل کی رضا سے نہیں دیتا؛ بلکہ سماج اور رواج کے دباؤ میں آ کر دیتا ہے، جس کیلئے اسے کچھ نہ ہونے پر بھی بسا اوقات قرض وغیرہ لینا پڑتا ہے، حالانکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "لا یحلّ مال امرأی الّا بطیب نفس منه" کسی مسلمان کا مال اس کی دلی رضا کے بغیر حلال نہیں۔(۱)

ہدایا کے اس ناخوش دلی کے ساتھ تبادلہ پر حضور ﷺ نے بعض عرب سے جنہوں نے حضور ﷺ سے اپنے ہدیہ کے مثل کی طلب کی تمنا رکھنے اور اس کے نہ دیئے جانے پر ان کی ناراضگی اور ناخوشی کے اظہار پر بعض عرب سے آپ ﷺ ہدایا قبول کرنے سے ہی رک گئے تھے اور اس ہدیہ کے اسی کے مثل تبادلہ کے رواج پر اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ بنو فزارہ کے ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت مبارکہ میں ایک اونٹنی ہدیہ کی، حضور اکرم ﷺ نے اس کے عوض میں اس کو ہدیہ دیا جس سے وہ ناخوش ہوگیا، تو حضور اکرم ﷺ نے ممبر پر فرمایا: ایک شخص ہدیہ دیتا ہے، میں اپنی حیثیت کے مطابق اس کا عوض عطا کرتا ہوں تو اس کو برا لگتا ہے، اللہ کی قسم! اس سال کے بعد میں کسی عرب کا ہدیہ قبول نہیں کروں گا، مگر یہ کہ ہدیہ دینے والا قریشی ہو یا انصار میں سے یا ثقفی یا دوسی "وأیم الله ! لا اقبل بعد عامی هذا من العرب هدیة الّا من قریش أو انصاریّ أو ثقفی أو دوسیّ "(۲)

---

(۱) السنن الکبری: باب من غصب لوحاً، حدیث: ۱۱۳۲۵

(۲) ترمذی: باب مناقب ثقیف وبنی حنیفة: حدیث: ۳۹٤٦، اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے۔

اگر معمولی سا معمولی تحفہ بھی خوش دلی کے ساتھ دیا جائے تو وہ قدر و احترام کے اور قبول کے لائق ہے، اصل دل کی رضا کا اظہار ہے، تحفے کا بڑا ہونا ضروری نہیں، حضور اکرم ﷺ نے معمولی ہدیہ کو حقیر جاننے کو منع کرتے ہوئے فرمایا: اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنے پڑوسن کے ہدیہ کو حقیر اور معمولی نہ جانے، گرچہ وہ بکری کے کھر ہی کیوں نہ ہو" ولو فرسن شاة " (۱)

۶- بے پردگی

اللہ رب العزت نے کائنات میں کچھ چیزوں کو چھپا کر رکھا ہے اور کچھ چیزوں کو بہت سی مصلحتوں سے نمایاں رکھا ہے، اسی طرح دوسرا اصول یہ بھی کارفرما معلوم ہوتا ہے کہ نازک اور قیمتی چیز کو چھپا کر رکھا ہے جیسے: آنکھ، دل، دماغ اور دیگر قیمتی اعضاء جسمانی کو مضبوط ہڈیوں میں چھپا کر رکھا ہے، یہ عورت بھی اسلام میں باعزت اور عالی مقام کی حامل ہے؛ اس لئے اسے پردہ اور حیاء کا زیور دیا گیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی " أبرّها قلوبًا "انبیاء علیہ السلام کے بعد سب سے پاکیزہ جماعت کو رسول اللہ ﷺ کی ازواج کے بارے میں یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ "وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فاسْئَلُوهُنَّ مِنْ وَرَآءِ حِجَابٍ ، وَذَلِكَ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ" (۲) جب تمہیں کوئی چیز مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو اس میں تمہارے اور ان کے دل پاکیزہ رہیں گے۔

معلوم ہوا کہ بے پردگی کے ساتھ دل کبھی پاک نہیں رہیں گے۔

موجودہ زمانے کے رسوم و رواج کی ادائیگی میں عورتیں اکٹھا ہوتی ہیں اور نہایت سج دھج کر اور ساری زیب و زینت کا اظہار کرتے ہوئے مردوں میں بے تحاشا آمد و رفت رکھتی ہیں، اس قدر ہی نہیں ہوتا؛ بلکہ بسا اوقات نامحرم لوگوں کے اس اجتماع کے موقع سے بہت سارے منچلے لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے سے دل لگی اور ہنسی مذاق کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، نازیبا و نامناسب حرکات و سکنات کا تبادلہ ہوتا ہے۔

(۱) بخاری: باب لا تحقرنّ جارة لجارتها: حدیث: ۵۶۷۱
(۲) الأحزاب: ۵۳

حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "لعن اللّٰہ الناظر والمنظور الیه" یعنی اللہ نے لعنت کی ہے اس پر (جو عورت کو بری نظر سے) دیکھے اور اس پر جس کی طرف دیکھا جائے۔(۱)

ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ: آنکھیں (زنا کرتی ہیں) آنکھ کا زنا دیکھنا ہے اور کان (زنا کرتے ہیں) کہ ان کا زنا سننا ہے اور زبان (زنا کرتی ہے) کہ اس کا زنا بولنا ہے اور ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں کہ ان کا زنا پکڑنا ہے، "فالعینان تزنیان وزناهما النظر، والیدان تزنیان وزناهما البطش، والرجلان تزنیان وزناهما المشی، والفم یزنی وزناه القبل" (۲)

ایک روایت میں ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں: بہت سی عورتیں ایسی ہیں جو بظاہر تو کپڑے پہنے ہوئی ہوتی ہیں؛ لیکن حقیقت میں ننگی ہوتی ہیں، دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے اور دوسروں کی طرف مائل ہونے میں بڑی مشاق ہوتی ہیں، نہ صرف یہ جنت سے دور ہوں گی؛ بلکہ اس کی خوشبو سے بھی محروم رہیں گی، اور جنت کی خوشبو پانچ سو میل کی مسافت کی دوری سے محسوس ہوتی ہے "النساء کاسیات، عاریات، مائلات، ممیّلات، لا یدخلن الجنّة ولا یجدن ریحها، وریحها یوجد من مسیرة خمس مائة عام" (۳)

اور ایک موقع سے حضور ﷺ نے فرمایا: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: (نظرِ بد ڈالنے والی) ہر آنکھ زنا کار ہے اور کوئی عورت جب عطر لگا کر (مردوں کی) مجلس کے قریب سے گذرے تو ایسی ویسی ہے یعنی زنا کار ہے "والمرأة اذا استعطرت فمرّت بالمجلس فهی کذا أو کذا یعنی زانیة" (۴)

(۱) سنن کبری للبیهقی: باب ما جاء فی الرجل ینظر، حدیث: ۱۳۳٤٤، یہ حدیث ضعیف ہے۔
(۲) مسند احمد: مسند ابی هریره، حدیث: ۸۵۰۷، محقق شعیب الارنؤط کہتے ہیں کہ: اس کی سند مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔
(۳) موطا مالك: باب ما یکره للنساء لبسه من الثیاب، حدیث: ۳۳۸، مؤسسة زائد بن سلطان آل نهیان
(۴) ترمذی: باب کراهیة خروج المرأة متعطرة، حدیث: ۲۷۸٦، امام ترمذی کہتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

جیسا کہ اوپر کی حدیث میں گذرا کہ آنکھ کا زنا دیکھنا ہے "وزناهما النظر" اس حدیث میں آنکھ کا زنا بیان فرما کر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ: جو عورت خوشبو لگا کر مردوں کی مجلس کے پاس سے گذرے اس کا یہ عمل بھی زنا ہے؛ کیونکہ کسی مرد و عورت میں زنا کاری کے جو تعلقات ہوتے ہیں یکلخت نہیں ہو جاتے؛ بلکہ اصل زنا سے پہلے ایسے کام ہوتے ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کو قریب تر کرتے چلے جاتے ہیں؛ اس لئے شریعت نے جو چیزیں اصل زنا کا سبب بنتی ہیں اسے بھی زنا کا حکم دیا اور اسے بھی حرام قرار دیا۔

پہلے ہی افسوس کا مقام ہے کہ ہماری بہنوں کا پردہ خوشیوں کے موقعہ پر باقی رہتا ہے اور نہ غمی کے موقع پر، حضرت زینب ؓ نے اپنے ولیمہ کے موقع پر چھوٹے کمرے میں دیوار کی طرف منہ کر کے آنے والے مہمان صحابہ ؓ سے پردہ فرمایا اور ام خلاد ؓ نے جب ان کا بیٹا شہید ہو گیا اور وہ اس مقتول بیٹے کے بارے میں حالتِ نقاب میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرنے لگیں تو بعض صحابہ ؓ نے کہا: تم اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھنے آئی ہو اور چہرے پر نقاب بھی؟ اس خاتون نے جواب دیا: "انّ أرزأ فلم أرزأ حيائي" کہ میرے بیٹے پر مصیبت آئی ہے تو میری حیاء پر تو مصیبت نہیں آئی۔ (۱)

امام بیہقی ؒ نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک عدالت میں بیوی نے شوہر پر مقدمہ دائر کیا کہ وہ مجھے پانچ سو درہم دینا باقی ہے، شوہر نے انکار کیا، بیوی سے قاضی نے گواہ طلب کئے، اس نے دو مرد گواہ پیش کر دیئے، گواہوں کے لئے شریعت میں چہرہ دیکھنا جائز ہے، انہوں نے کہا کہ: جب تک ہم اس خاتون کا چہرہ نہ دیکھ لیں اس وقت تک بھروسہ مند طریقے سے گواہی نہیں دے سکتے، قاضی نے چہرہ کھولنے کی اجازت دی، شوہر کی رگِ حمیت پھڑ پھڑائی، اس نے کہا: میں رقم دینے تیار ہوں، گرچہ میرے ذمے نہیں؛ مگر بیوی کو بے پردہ نہیں کر سکتا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ نامحرم ویٹروں، ڈرائیوروں اور ان خالہ زاد، چچازاد رشتہ داروں سے پردہ کیا جائے جن سے اللہ نے پردہ کا حکم دیا ہے۔

---

(۱) ابو داؤد: کتاب الجهاد: باب فضل قتال الروم، حدیث: ۲٤۸۸، فرج بن فضالہ کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔

۷- بلاضرورت قرض لینا:

ان رسوم ورواج کی ادائیگی کیلئے قرض کے بوجھ کے تحت بوجھل ہو یا جاتا ہے، حالانکہ ان رسوم کی ادائیگی سے دنیا تو مال اور وقت کے ضیاع کی شکل میں تباہ ہوتی ہی ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ سودی قرض اور بلاضرورت قرض لینے کے تعلق سے جو وعیدیں شریعت میں آئی ہیں اس کا بھی مستحق ہوا جاتا ہے۔

بلاضرورت قرض لینے کی مذمت پر یہ روایت دلالت کرتی ہے، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ: آپ ﷺ عموماً قرض سے پناہ چاہتے تھے، حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ: آپ اس سے اس قدر پناہ کیوں مانگتے ہیں؟ فرمایا: "آدمی جب قرض لیتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کر کے وعدہ خلافی کرتا ہے" "انّ الرجل اذا غرم حدّث فكذب، ووعد فأخلف" (۱)

اور ایک روایت حضور ﷺ نے کفر سے اور قرض سے پناہ چاہی ہے، ایک شخص نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا قرض کفر کے برابر ہوتا ہے؟" أتعدل الدّين بالكفر" ؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔(۲)

اور ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ قرض سے یوں پناہ چاہتے تھے: "اللّهمّ انّي أعوذ بك من غلبة الدين، وغلبة العدوّ، وشماتة الأعداء" (۳)

ان تمام روایتوں سے پتہ چلا کہ بلاضرورت محض اپنی خودساختہ رسموں کی ادائیگی کیلئے قرض کے بوجھ تلے دبے جانا یہ شرعاً ممنوع ہے، اور خصوصاً اگر یہ قرض سودی ہو تو اس کی مذمت اور زیادہ ہو جاتی ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سودی معاملات کرنے والوں پر سخت وعیدیں فرمائی ہیں:

---

(۱) بخاری: باب من استعاذ من الدين، حديث: ٢٢٦٧

(۲) النسائی: الاستعاذة من الدين، حديث: ٥٤٧٣، محقق شعیب الارنوط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

(۳) سنن النسائی: الاستعاذة من غلبة الدين، حديث: ٥٤٧٥، علامہ حجر نے اس روایت کے بارے میں کہا ہے کہ: اس کو حاکم نے صحیح کہا ہے: بلوغ المرام: ۱/ ۳۳

ارشادِ خداوندی ہے "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ، فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" (۱)
اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو، پھر اگر تم (اس پر عمل) نہ کرو گے تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے (یعنی تم پر جہاد ہوگا)۔

آپ ﷺ نے ایک روایت میں سود لینے والے، سود دینے والے، سودی معاملہ لکھنے والے اور ایسے معاملہ پر گواہ بننے والے، سبھوں پر اللہ کی لعنت بھیجی ہے "لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربا، وموکلہ وکاتبہ وشاھدہ" (۲)

۸۔ کفار سے مشابہت:

ہندوستانی معاشرے میں خصوصاً بہت ساری رسمیں وہ ہیں جو یہاں کے غیر اقوام کے ساتھ رہائش اور بود و باش کے نتیجہ میں در آئی ہیں، شادی بیاہ کے موقع سے بہت ساری رسومات ادا کی جاتی ہیں جو یہاں اس ملک کی ہندو اقوام کے اختلاط اور رہن سہن کے نتیجہ میں مسلم معاشرے میں وجود میں آئی ہیں، ان رسوم ورواج میں ان کی نقالی یہ ان کے ساتھ مشابہت میں داخل ہے اور حدیث میں غیر اقوام کی ساتھ مشابہت پر بہت سخت وعیدیں آئی ہیں، حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے "من تشبّہ بقوم فھو منھم" جو غیر اقوام کے ساتھ مشابہت اختیار کرتا ہے تو اس کا شمار ان ہی میں ہوتا ہے۔ (۳)

ہمارے حضور ﷺ تو اتفاقی طور پر کسی معاملے میں غیروں سے مشابہت ہو جائے اس کو بھی مناسب نہیں سمجھتے تھے، آپ ﷺ نے جب رمضان کے روزوں کی فرضیت سے پہلے محرم کا روزہ فرض تھا اور آپ ﷺ کو یہ پتہ چلا کہ یہودی بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں تو آپ ﷺ نے

(۱) البقرۃ: ۲۷۸
(۲) مسلم: حدیث: باب لعن آکل الربا وموکلہ، ۱۵۹۸
(۳) ابوداؤد: باب فی لبس الشھرۃ، حدیث: ۴۰۳۱، علامہ حجر نے کہا ہے کہ: اس کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے: بلوغ المرام: ۳۰۱/۱

فرمایا: اگر آئندہ سال میں زندہ رہا تو عاشورہ کے ساتھ ایک روزہ اور ملا کر رکھونگا یا تو نویں تاریخ کا روزہ یا گیارہویں کا روزہ، تا کہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت پیدا نہ ہو؛ بلکہ ان سے علاحدگی اور امتیاز ہو جائے " خالفوا اليهود : صوموا التاسع والعاشر " (۱)

ایک اور حدیث میں فرمایا: " صوموا قبله يوما أو بعده يومًا " (۲)

ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: " خالفوا المشركين " (۳) یعنی مشرکین کے طریقوں کی مخالفت کرو یعنی انہوں نے جیسے طریقے اختیار کئے ہیں ان سے الگ طریقہ اپناؤ۔

۹- نماز کا چھوٹ جانا یا با جماعت نماز سے رہ جانا:

عموماً ان رسموں کی ادائیگی میں اتنا مشغول ہو یا جاتا ہے کہ یا تو نمازوں کی ادائیگی ہی نہیں ہو پاتی ہے، یا آدمی با جماعت نماز سے رہ جاتا ہے، حالانکہ اسلام نے نماز کو کفر اور شرک کے درمیان حدِ فاصل بتایا ہے، ارشاد باری عزوجل ہے " اَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ " یعنی نماز قائم کرو اور مشرکین میں نہ بنو، اور ایک حدیث میں فرمایا: " العهد الذى بيننا وبينهم الصلوة ، فمن تركها فقد كفر " (۴) یعنی ہمارے اور کافروں کے درمیان جو اصلی اور واقعی فرق ہے وہ نماز پڑھنے کا فرق ہے، پس جس نے نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا۔

اور ایک جگہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: " الذى تفوته صلاة العصر فكأنّما وُتر أهله وماله " (۵)

---

(۱) شعب الايمان : تخصيص عاشوراء بالذكر ،حديث: ۳۷۸۸

(۲) ابن خزيمة : باب الأمر بأن يصام قبل

(۳) بخاری: باب تقليم الأظفار ، حديث: ۵۵۵۳

(۴) ترمذی: باب ما جاء في ترك الصلوة ،حديث: ۲۶۲۱ ، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔

(۵) مسلم : باب التغليظ في تفويت ،حديث: ۱۴۴۸

جس کی عصر کی (ایک) نماز جاتی رہی (اُس کا اس قدر نقصان ہوا کہ) جیسے اس کے اہل وعیال اور سارا مال ختم ہوگیا۔

اور ایک موقع سے حضور ﷺ نے جماعت سے نماز کے رہ جانے پر سخت وعید ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''میرا ارادہ یہ ہوا کہ اول لکڑیاں جمع کراؤں، اور پھر نماز کیلئے اذاں کہلواؤں، پھر جو لوگ نماز میں حاضر نہیں ہوئے ان کی طرف چلوں اور ان کے گھر کو جلا دوں،'' ثم أحرّق علی أقوام لا یشھدون الصلاۃ '' (۱)

سنت سے محرومی:

رسموں کی ادائیگی کی وجہ سے آدمی اس عمل کی سنت کی ادائیگی سے رہ جاتا ہے، اور اس طرح سنت کے مقابلہ گناہ پر اصرار کرنے لگتا ہے اور اس کے ساتھ اس کا دل لگ جاتا ہے اور حضور ﷺ نے ایمان کا معیار یہ بتلایا ہے کہ: جب نیکی کرنے سے تیرا جی خوش ہو اور برا کام کرنے سے جی برا ہو تو تو مومن ہے ''اذا سرّتك حسنتك وساء تك سیئتك فأنت مؤمن '' (۲)

بیشتر رسومات تو وہ ہیں جن کی اصل یا تو قرآن وحدیث واجماع امت سے ثابت ہی نہیں اور اگر ہے تو ہیئت مروجہ کے ساتھ نہیں ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ جب کوئی رسم مخصوص علاقائی مزاج سے پیدا ہو کر پھر سماج ورواج میں آجاتی ہے تو اس عمل کی سنتیں ضرور متروک و مردہ ہو جاتی ہیں، چونکہ مسنون طریقہ قرآن وحدیث اور اجماع امت سے ثابت ہوتا ہے، اس لئے ساری دنیا کے کلمہ گو مسلمانوں کیلئے ہر عمل میں ایک ہی منقول ومسنون وقت وکیفیت ادا، شروط وواجبات ہوں گے؛ لیکن رسوم وبدعات ہر علاقہ کے مخصوص ماحول وفضا کی پیداوار ہوتی ہیں، اس لئے پوری دنیا کے مسلمانوں کی غیر شرعی رسومات دوسرے علاقہ کے مخصوص ماحول وفضا کی پیداوار ہوتی ہیں، اس لئے پوری دنیا کے مسلمانوں کی غیر شرعی رسومات

(۱) ترمذی: باب ما جاء فیمن سمع النداء، حدیث: ۲۱۷، اس روایت کو امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) مسند احمد: حدیث ابی امامۃ الباھلی، حدیث: ۲۲۲۵۳، محقق شعیب الارنوط نے اس روایت کو صحیح اور اس کے رجال کو ثقہ کہا ہے۔

دوسرے علاقہ کے مسلمانوں کی روایات سے یکسر مختلف ہوتی ہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اجر وثواب کا وعدہ نہیں ہے، مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر کمال آپ کی شریعت کی اتباع سے وابستہ ہے مثلاً سنت نبوی کے طور پر دوپہر کا سونا کروڑوں رات جاگنے سے بہتر اور افضل ہے، جب کہ شب بیداری شریعت کی پیروی کے بغیر ہو۔(۱)

حضرت عثمان ابن العاص رضی اللہ عنہ کو کسی ختنہ میں دعوت دی گئی تو انہوں نے جانے سے صاف انکار کردیا، جب ان سے انکار کی وجہ دریافت کی گئی تو صاف الفاظ میں یہ جواب ارشاد فرمایا کہ:"إنا لا نأتي الختان على رسول الله ولا ندعى له " (۲)

ہم زمانہ رسالت میں نہ ختنوں میں جایا کرتے تھے اور نہ اس کیلئے دعوت دی جاتی تھی۔

حضرت عائشہؓ نے ایک موقع پر کیا ہی خوب ارشاد فرمایا: جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس اولاد نہیں ہوتی تھی، گھر میں کسی بیوی نے کہا: اگر عبدالرحمٰن کے بچہ پیدا ہوا تو ہم (عقیقہ میں) ایک اونٹ ذبح کریں گے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: " لا بل السنة أفضل، عن الغلام شاتان مكافئتان وعن الجارية شاة " (۳) نہیں بلکہ سنت ہی افضل ہے، وہ یہ کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے (عقیقہ) میں ایک بکری کافی ہے۔

حضرت عائشہؓ بکریوں کے بجائے اونٹ پر صرف اسی لئے راضی نہیں ہے کہ ان کے نزدیک یہ سنت کے خلاف ہے؛ اس لئے کہ اس کی قیمت یا گوشت زیادہ ہے تو پھر اس کی چنداں قدر نہیں، سنت ہی افضل ہے اور اسی کی پابندی لازم ہے۔

---

(۱) مکتوب: ۱۱۴، ج ۱/۱۳۵

(۲) مجمع الزوائد: باب في الختان، حديث: ۶۲۰۸، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔

(۳) مستدرك: كتاب الذبائح، حديث: ۷۵۹۵، حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے، شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

اسلامی معاشرہ اور عملیات

نبی کریم ﷺ سے ہر موقع سے جو دعائیں منقول ہیں، یہ دراصل شیطان کی سازشوں اور کرتوتوں کے مقابلے میں ہیں، اسی طرح ہر سنت شیطان کے حربے کے توڑ کیلئے ہیں اس لئے دعاؤں اور سنتوں کا خوب اہتمام کریں، جو شخص ہر موقع کی سنتوں اور دعاؤں کا اہتمام کرتا ہے وہ کسی بھی طرح کی پریشانی سے دوچار ہو ہی نہیں سکتا، ہماری پریشانیوں کی اصل وجہ یہی ہے کہ ہم ہر موقع کی سنت اور دعاء کا اہتمام ہی نہیں کرتے، جب ہم جادو، جنات اور شیاطین اور آسیب کے اثرات میں مبتلا ہوتے ہیں تو دردر کی خاک چھانٹی پڑتی ہے۔

شیطان سے استعاذہ (شیطان سے پناہ چاہنا)

بے شمار مواقع ایسے ہیں جہاں رسول اللہ ﷺ نے شیطان سے پناہ چاہنے کیلئے فرمایا ہے:

۱- جب غلط خیالات اور وساوس آنے لگیں تو شیطان سے پناہ چاہنے کیلئے کہا گیا ہے، چنانچہ ارشادِ باری ہے: "وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ" (۱) اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے، بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

۲- تلاوتِ قرآن کے وقت بھی استعاذہ اور شیطان سے پناہ مانگنے کی تلقین کی گئی ہے، کیوں کہ شیطان طاعات اور معروفات اور نیکیوں سے روکتا ہے: "فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" (۲) تو جب آپ قرآن پڑھنا چاہیں تو شیطان مردود (کے شر) سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔

(۱) الأعراف: ۲۰۰ (۲) النحل: ۹۸

۳- بیت الخلاء میں جاتے وقت شیطان سے پناہ :

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ بیت الخلا میں داخل ہوتے تو یہ کہتے "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثُ" (۱) اے اللہ میں ناپاک چیزوں اور ناپاکیوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

۴- نماز میں شیطان سے پناہ چاہی جائے :

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نوافل میں نبی ﷺ کو تین مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا، تین مرتبہ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا اور تین مرتبہ سُبْحٰنَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا اور یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا ہے کہ اے اللہ! میں شیطان مردود کے ہمز، نفث اور نفخ سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں " اعوذ باللّٰه من الشيطن الرحيم من نفخه ونفثه وهمزه " (۲)

حضرت عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! شیطان میری نماز اور قرات کے درمیان حائل ہوتا اور مجھ پر نماز میں شبہ ڈالتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ شیطان ہے جسے خنزب کہا جاتا ہے جب تو ایسی بات محسوس کرے تو اس سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کر اور اپنے بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دیا کر پس میں نے ایسے ہی کیا تو شیطان مجھ سے دور ہو گیا۔ (۳)

اہل اولاد اور مال کیلئے شیطان سے پناہ مانگی جائے :

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے یا کوئی خادم خریدے تو یوں کہے

---

(۱) سنن الترمذی : باب ما يقول إذا دخل الخلاء ، حديث: ٦، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) ابوداؤد: باب ما يستفتح به الصلاة من الدعاء، حديث: ٧٦٤

(۳) مسلم : باب التعوذ من شيطان الوسوسة في الصلاة ، حديث: ٥٨٦٨

"اللّٰهم إني أسئلك خيرها وخير ما جبلتها عليه وأعوذ بك من شرها ، وشر ما جبلت عليه " اے اللہ میں اس کی ذات کی اور اس کی طبیعت کی جو تو نے بنائی ہے بھلائی چاہتا ہوں اور اس کی ذات کی اور اس کی طبیعت کی جو تو نے بنائی ہے برائی سے پناہ چاہتا ہوں اور جب اونٹ خریدے تو اس کے کوہان پر ہاتھ رکھ کر یہی کلمات کہے۔(۱)

بیوی سے وظیفۂ زوجیت کے وقت ان الفاظ سے شیطان سے پناہ چاہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی ﷺ تک اس حدیث کو پہنچاتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص جب اپنی بیوی کے پاس آئے تو " اللّٰهم جنِبنا الشيطٰن وجنِب الشيطان ما رزقتنا " کہہ دے، پھر ان دونوں کے درمیان کوئی لڑکا مقدر کیا جائے، تو اس کو شیطان ضرر نہ پہنچا سکے گا۔(۲)

نومولود کے کان میں اذان بھی شیطان کے شر سے پناہ کیلئے ہے، اسی لئے نومولود کے کان میں اذان کو مستحب قرار دیا گیا ہے۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم أذن في أذن الحسين بن علي حين ولدته فاطمة بالصلاة " نبی کریم ﷺ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت پر ان کے کان میں نماز کی اذان کہی۔(۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حسن وحسین رضی اللہ عنہما پر یہ کلمات پڑھ کر پھونکا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے باپ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) بھی اسماعیل واسحاق علیہما السلام پر یہ کلمات پڑھ کر دم کیا کرتے تھے "اعوذ بكلمٰت الله التامات مِن كلِ شيطٰن وهامة ومِن كلِ عين لامة "

---

(۱) سنن ابن ابي ماجة : ما يقول الرجل إذا دخلت عليه ، حديث : ۱۹۱۸، البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۲) بخاری، باب صفة ابليس وجنوده ، حديث: ۳۹۰۸

(۳) بخاري : باب الأذان في أذن المولود ، حديث: ۹۵۱٤

میں اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات کے ذریعہ ہر شیطان و جاندار اور ہر ضرر رساں نظر کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔(۱)

☆ سورہ بقرہ کی تلاوت شیطان سے حفاظت کا ذریعہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ؛ کیونکہ شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس گھر میں سورۃ البقرہ کی تلاوت کی جاتی ہے "البیت الذی تقرأ فیه سورة البقرة لا یدخله شیطٰن" (۲)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر چیز کیلئے رفعت و بلندی ہوتی ہے اور قرآن کی رفعت و بلندی سورت بقرہ ہے، اور جب شیطان کسی گھر میں سورہ بقرہ پڑھتے ہوئے سنتا ہے تو وہاں سے نکل جاتا ہے "خرج من البیت الذی تقرأ فیه سورة البقرة" (۳)

☆ آیت الکرسی کا ورد شیطان سے حفاظت کا ذریعہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی زکوۃ (یعنی صدقہ عید الفطر) کی نگہبانی اور جمع کرنے پر مجھے مامور فرمایا تا کہ جمع ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے فقراء میں تقسیم فرمادیں چنانچہ اس دوران ایک شخص میرے پاس آیا اور اپنے ہاتھوں سے اپنے دامن اور اپنے برتن میں غلہ بھرنا شروع کر دیا میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ: میں تجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلوں گا اور تجھے اس غلط حرکت کی سزا دلواؤں گا، اس نے کہا کہ میں ایک محتاج ہوں میرے اوپر میرے اہل وعیال کا نفقہ ہے اور میں سخت حاجتمند ہوں یعنی میرے ذمہ قرض وغیرہ بھی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نے اس کی یہ

---

(۱) بخاری: باب یزفون، حدیث: ۳۱۹۱

(۲) ترمذی: فضل سورة البقرة وآیة الکرسی، حدیث: ۲۸۷۷

(۳) مستدرك حاکم: من سورة البقرة، حدیث: ۳۰۲۹، حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے، ذہبی نے اسے بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

خستہ حالت سن کر اسے چھوڑ دیا، جب صبح ہوئی تو رسول کریم ﷺ مجھ سے فرمانے لگے کہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! تمہارے گزشتہ رات کے قیدی کا کیا ہوا؟ (اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دے دی تھی) میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ مجھ سے اپنی سخت حاجت اور عیال داری کا رونا رونے لگا؛ اس لیے مجھے اس پر رحم آیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: خبردار رہنا! اس نے اپنے حالات کے اظہار میں تم سے جھوٹ بولا ہے وہ پھر آئے گا اس لئے آئندہ احتیاط رکھنا، میں سمجھ گیا کہ ضرور آئے گا، چنانچہ میں اس کا منتظر رہا وہ آیا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے غلہ بھرنا شروع کر دیا، میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ اب تو میں تجھے رسول کریم ﷺ کے پاس لے جاؤں گا، اس نے کہا کہ: مجھے چھوڑ دیجئے میں ضرورت مند ہوں میرے اوپر کنبہ کا نفقہ ہے اب آئندہ میں نہیں آؤں گا مجھے اس پر رحم آیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا اور اس مرتبہ میں نے یہ سلوک اس لیے کیا کہ اس نے آئندہ نہ آنے کا وعدہ کیا تھا ورنہ تو اپنی حاجت وضرورت کے بارے میں اس کا جھوٹ مخبر صادق یعنی آنحضرت ﷺ کی زبانی معلوم ہو ہی چکا تھا، جب صبح ہوئی تو رسول کریم ﷺ نے مجھ سے پھر فرمایا کہ: ابو ہریرہ! تمہارے قیدی کا کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ میرے سامنے اپنی شدید ضرورت وحاجت اور عیالداری کا دکھڑا رونے لگا، اس لیے مجھے اس پر رحم آ گیا اور میں نے اس کے اس وعدہ پر کہ آئندہ پھر کبھی نہیں آؤں گا اس کو چھوڑ دیا، آپ ﷺ نے فرمایا ہوشیار رہنا! اس نے اس مرتبہ بھی جھوٹ بولا ہے کہ میں آئندہ نہیں آؤں گا وہ پھر آئے گا چنانچہ میں اس کا منتظر رہا اور وہ پھر آیا جب اس نے غلہ بھرنا شروع کیا تو میں نے اُسے پکڑ لیا اور کہا کہ میں آج تو تجھے ضرور ہی رسول کریم ﷺ کے پاس لے جاں گا یہ آخری تیسرا موقع ہے تو نے تو کہا تھا آئندہ نہیں آؤں گا اسی لئے میں نے تجھے اس مرتبہ چھوڑ دیا تھا مگر تو پھر آ گیا، اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو میں تمہیں ایسے کلمات سکھاؤں گا کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے نفع پہنچائے گا (اور وہ یہ کہ) جب تم (سونے کیلئے) اپنے بستر پر جاؤ تو آیت الکرسی (البقرۃ: ۲۵۵) پڑھو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے ساتھ ہمیشہ ایک نگہبان فرشتہ رہا

کرے گا اور صبح تک تمہارے پاس کوئی شیطان خواہ وہ انسان میں سے ہو یا جنات میں سے دنیوی تکلیف واذیت پہنچانے کیلئے نہیں آئے گا، میں نے یہ سن کر اسے اس مرتبہ بھی چھوڑ دیا، جب صبح ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے مجھ سے پھر فرمایا کہ تمہارے قیدی کا کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ قیدی نے (جب) مجھ سے یہ کہا کہ وہ مجھے کچھ کلمات سکھائے گا جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع پہنچائے گا (تو میں نے اس مرتبہ بھی اس کو چھوڑ دیا) آپ ﷺ نے فرمایا آگاہ رہو (اگرچہ) اس نے تم سے (ان کلمات کے بارے میں) سچ کہا ہے (مگر) وہ (دوسری باتوں میں) جھوٹا ہے اور تم جانتے ہو کہ "صدقك وهو كذوب" تم ان تین راتوں میں کس سے مخاطب تھے؟ میں نے کہا کہ نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا وہ شیطان تھا جو اس طرح مکر وفریب سے صدقات کے مال میں کمی کرنے آیا تھا۔(۱)

☆ سورہ بقرہ کی دس آیتیں شیطان سے بچاؤ کا ذریعہ

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص رات کے وقت سورۃ بقرہ کی دس آیات پڑھ لے گا اس گھر میں شیطان صبح تک داخل نہیں ہوگا "لم يدخل ذلك البيت شيطٰن تلك الليلة" ان دس آیتوں میں چار سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات ہیں، ایک آیت الکرسی ہے دو اس کے بعد والی آیات ہیں، اور تین سورۃ البقرہ کی آخری جن کا آغاز یہاں سے ہوتا ہے "لله مافي السموات" (۲)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے کتاب لکھی اس میں دو آیتیں نازل کر کے سورۃ البقرہ کو ختم کیا گیا، اگر یہ آیتیں کسی گھر میں تین رات تک پڑھی جائیں تو

---

(۱) بخاري: باب إذا وكل رجلا فترك الوكيل شيئا ، حديث: ۲۱۸۷

(۲) سنن الدارمي: باب فضل أول سورة البقرة ، وآية الكرسي ، حديث: ۸۶۷۳، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں؛ لیکن شعبی کا سماع ابن مسعود سے ثابت نہیں، مجمع الزوائد: حديث: ۱۷۰۱۴

شیطان اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتا " لا یقرآن فی دار ثلاث لیال فیقربها شیطان" (۱)

☆ معوذات کا اہتمام بھی شیطان سے محفوظ رکھتا ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب بستر پر تشریف لاتے تو دونوں ہتھیلیاں جمع کرتے پھر سورۃ اخلاص، الفلق اور سورۃ الناس تینوں سورتیں پڑھ کر ان میں پھونکتے اور اس کے بعد دونوں ہاتھوں کو جہاں تک ہو سکتا بدن پر مل لیتے پہلے سر اور چہرے پر پھر جسم کے اگلے حصے پر اور یہ عمل تین مرتبہ کرتے " ثم یمسح بهما ما استطاع" (۲)

حضرت عبداللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم برسات کی اندھیری رات میں نبی اکرم ﷺ کی تلاش میں نکلے تاکہ آپ ﷺ ہماری امامت کریں، چنانچہ میں نے آپ ﷺ کو تلاش کر لیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہو، میں خاموش رہا، آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہو، میں اس مرتبہ بھی خاموش رہا۔ تو آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ بھی فرمایا کہو، میں نے عرض کیا، کیا کہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا سورۃ اخلاص، سورۃ فلق اور سورۃ ناس صبح وشام تین تین مرتبہ پڑھا کرو، یہ تمہاری ہر چیز کیلئے کافی ہیں " ثلاث مرات یکفیك من کل شیء" حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنوں اور انسانوں کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے یہاں تک کہ قل أعوذ برب الفلق اور قل أعوذ برب الناس نازل ہوئیں، جب یہ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے انہیں پڑھنا شروع کر دیا اور ان کے علاوہ سب کچھ ترک کر دیا "وترك ما سواهما " (۳)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب سورة البقرة، حدیث: ۱۰۸۲۶، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۲) ترمذی: فیمن یقرأ القرآن عند المنام، حدیث: ۳۴۰۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۳) ترمذی: الرقیة بالمعوذتین، حدیث: ۲۰۵۸

☆ اذکار کے ذریعہ شیطان سے حفاظت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے روزانہ سو مرتبہ یہ دعا پڑھی " لا إلـه إلا الـلّـه وحـده لا شريك له ، له الملك ، ولـه الـحـمـد ، وهو على كل شيء قدير " اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اس کی حکومت ہے اور اسی کیلئے تمام تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے تو اسے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا سو نیکیاں اس کیلئے لکھی جائیں گی اور اس کی سو برائیاں مٹا دی جائیں گی اور وہ اس دن شام تک شیطان سے محفوظ رہے گا " وكـانـت لـه حرزا من الشيطان " اور کوئی شخص اس سے بہت ثواب کا عمل پیش نہیں کر سکے گا ہاں وہ شخص کر سکے گا جس نے اس دعا کو اس سے زیادہ پڑھا ہو۔(۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص فجر کی نماز کے بعد اس طرح بیٹھ کر (جیسے نماز میں تشہد میں بیٹھتا ہے) کسی سے بات کئے بغیر دس مرتبہ " لا الـه الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد يحيي ويميت وهو على كل شئ قدير " پڑھے گا اس کیلئے دس نیکیاں لکھ دی جائیں گی، اس کے دس گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اس کے دس درجات بلند کئے جائیں گے اور وہ اس دن ہر برائی سے محفوظ رہے گا اور اسے شیطان کی پہنچ سے دور کر دیا جائے گا اور اسے اس دن شرک کے علاوہ کوئی گناہ ہلاک نہیں کر سکے گا۔(۲)

☆ گھر میں شیطان کی آمد سے حفاظت

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: انہوں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے، داخل ہونے کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا ہے تو شیطان (اپنے ساتھیوں سے) سے کہتا ہے کہ: یہاں تمہیں رات میں

(۱) بخاری : باب صفة ابليس وجنوده ، حديث: ۳۱۱۹

(۲) ترمذی: باب ، حدیث: ۳٤٧٤ ، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔

رہنے کی جگہ مل گئی اور جب کھانے کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا تو شیطان (اپنے ساتھیوں سے) کہتا ہے کہ یہاں تمہیں کھانا بھی مل گیا " واذا لم یذکر اللّٰہ عند طعامه قال : ادرکتم المبیت والعشاء "(۱) اس لئے گھر میں دعا پڑھ کر داخل ہو۔

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے " اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَ الْمَوْلَجِ وَخَیْرَ الْمَخْرَجِ ، بِسْمِ اللّٰہِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰہِ خَرَجْنَا، وَعَلَی اللّٰہِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا " (اے اللہ! میں آپ سے گھر میں داخل ہونے اور گھر سے نکلنے کی خیر مانگتا ہوں یعنی میرا گھر میں داخل ہونا اور باہر نکلنا میرے لئے خیر کا ذریعہ ہو، اللہ تعالیٰ ہی کے نام کے ساتھ ہم گھر میں داخل ہوئے اور اللہ تعالیٰ ہی کے نام کے ساتھ ہم گھر سے نکلے اور اللہ تعالیٰ ہی پر جو ہمارے رب ہیں ہم نے بھروسہ کیا) پھر اپنے گھر والوں کو سلام کرے۔(۲)

☆ ہر ضرر اور نقصان سے حفاظت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے رات بچھو نے کاٹ لیا آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو شام کے وقت " أعوذ بِكلماتِ اللہِ التاماتِ مِن شرِ ما خلق " پڑھ لیتا تو تمہیں یہ تکلیف نہ پہنچاتا ' 'لم تضرك " (۳)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص روزانہ صبح و شام تین تین مرتبہ یہ کلمات (دعا) پڑھے تو اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی "بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمِهٖ شئ فی الأرضِ ولا فِی السماء وهو السمِیع العلِیم" تک

---

(۱) مسلم : باب اداب الطعام والشراب وأحكامها ،حدیث : ۵۲۶۲

(۲) ابوداؤد: باب مایقول الرجل ذا دخل بیته ،حدیث: ۵۰۹۶ ، علامہ نووی نے کہا ہے کہ: اس کو ابوداؤد نے ضعیف نہیں کہا ہے: الاذکار: ۱/۲۳، دار الفکر، بیروت، محقق شعیب الارنوط کہتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن ہے۔

(۳) مسلم : باب فی التعوذ من سوء القضاء ودرك الشقاء ، حدیث: ۲۷۰۹

اللہ کے نام سے جس کے نام کے ساتھ آسمان وزمین کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔(۱)

☆ رات کے شرور وفتن سے پناہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب سفر کرتے اور رات ہو جاتی تو آپ ﷺ فرماتے تھے، "يا ارض ربي وربك الله اعوذ بالله من شرك وشر ما فيك وشر ما خلق فيك ومن شر ما يدب عليك واعوذ بالله منأسد واسود ومن الحي والعقرب ومن ساكن البلد ومن والد وما ولد" اے زمین میرا اور تیرا رب اللہ ہے میں تیرے شر سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اور اس شر سے جو تیرے اندر ہے اور اس چیز کے شر سے جو تجھ میں پیدا ہوئی اور اس چیز کے شر سے جو تیرے اوپر چلتی ہے اور میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں شیر سے اور کالے سانپ اور کالے بچھو سے اور زمین کے رہنے والوں سے اور برائی کے منبع سے اور خود برائی سے۔(۲)

☆ سوتے وقت کی دعا شیطان سے حفاظت کا ذریعہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ جب بستر پر تشریف لاتے تو فرمایا کرتے "اللّٰهم رب السموات ورب الأرض ورب كل شيء فالق الحب والنوى منزل التوراة والإنجيل والقرآن أعوذ بك من شر كل ذي شر أنت آخذ بناصيته أنت الأول فليس قبلك شي وأنت الآخر فليس بعدك شي وأنت الظاهر فليس فوقك شي وأنت الباطن فليس دونك شيء" (۳) اے اللہ آسمانوں اور زمینوں کے اور تمام اشیاء کے پروردگار دانہ اور بیج کے پھاڑنے والے تورات وانجیل اور قرآن کریم کو نازل کرنے والے ہیں آپ کی

---

(۱) ترمذی : الدعاء إذا أصبح وإذا أمسى ، حديث: ۳۳۸۸
(۲) ابوداؤد : باب ما يقول الرجل إذا نزل المنزل ، حديث: ۲۶۰۵
(۳) ابوداؤد : باب ما يقال عند النوم ، حديث: ۵۰۵۳

پناہ مانگتا ہوں ہر شر والی چیز کے شر سے آپ اسے اس کی پیشانی سے پکڑنے والے ہیں آپ ہی اول ہیں آپ سے پہلے کچھ نہیں۔

☆ بسم اللہ کا کہنا شیطان کے دفاع کا ذریعہ ہے:

ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں نبی ﷺ کے پیچھے دراش گوش پر سوار تھا اچانک گدھا بدک گیا میرے منہ سے نکل گیا کہ شیطان برباد ہو نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ نہ کہو کیونکہ جب تم یہ جملہ کہتے ہو تو شیطان اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اسے اپنی طاقت سے پچھاڑا ہے اور جب تم بسم اللہ کہو گے تو وہ اپنی نظروں میں اتنا حقیر ہو جائے گا کہ مکھی سے بھی چھوٹا ہو جائے گا، "حتی یکون أصغر من الذباب"(۱)

حضرت امیہ بن مخشی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک شخص کھانا کھانے بیٹھا تو اس نے اللہ کا نام نہیں لیا (یعنی بسم اللہ کہے بغیر کھانا کھانے لگا) یہاں تک کہ جب اس کھانے میں سوائے ایک لقمہ کے کچھ باقی نہیں رہا (اور اس کو یاد آیا کہ میں کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ کہنا بھول گیا ہوں) تو اس نے وہ آخری لقمہ اپنے منہ میں لے جاتے وقت کہا "بسم اللہ اولہ واخرہ" رسول کریم ﷺ کو (یہ دیکھ کر) ہنسی آ گئی اور پھر فرمایا کہ شیطان اس شخص کے ساتھ برابر کھانا کھا رہا تھا لیکن جب اس نے اللہ کا نام لیا تو اس (شیطان) نے وہ سب کچھ اُگل دیا جو اس کے پیٹ میں تھا "فلما ذکر اسم اللہ استقاء ما فی بطنہ" (۲)

☆ اذان شیطان کو بھگاتی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب نماز کیلئے اذان دی جاتی ہے تو شیطان ریاح خارج کرتا ہوا پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے یہاں تک کہ اذان سنائی نہ دے جب اذان پوری ہو جاتی ہے تو واپس آ جاتا ہے اور جب نماز کیلئے اقامت کہی جاتی ہے تو بھاگ جاتا ہے اور جب اقامت پوری ہو جاتی ہے تو آ جاتا ہے یہاں تک کہ لوگوں کے

(۱) مسند احمد: الملئکة المتفرقة من الإکمال، حدیث: ۱۵۱۷۵

(۲) ابوداؤد: باب التسمیة علی الطعام، حدیث: ۳۷۷۰

دلوں میں خیالات ڈالتا ہے اس کو کہتا ہے کہ فلاں بات یاد کر فلاں بات یاد کر حالانکہ اس کو وہ باتیں پہلے یاد ہی نہیں تھیں یہاں تک کہ آدمی بھول جاتا ہے اور وہ نہیں جانتا ہے اس نے کتنی رکعتیں نماز پڑھی ہے "حتی یظل الرجل ما یدری کم صلی" (۱)

حضرت سہیل سے روایت ہے کہ مجھے میرے والد نے بنی حارثہ کی طرف بھیجا میرے ساتھ ایک لڑکا یا نوجوان تھا تو اس کو ایک پکارنے والے نے اس کا نام لے کر پکارا اور میرے ساتھی نے دیوار پر دیکھا تو کوئی چیز نہ تھی، میں نے یہ بات اپنے باپ سے ذکر کی تو انہوں نے کہا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تمہارے ساتھ یہ واقعہ پیش آنے والا ہے تو میں تجھے نہ بھیجتا؛ لیکن جب تو ایسی آواز سنے تو اذان دیا کرو میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اذان دی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیرتا ہے اور اس کیلئے ریاح کا خروج ہوتا ہے "إن الشیطان اذا نودی بالصلاۃ ولی وله حصاص" (۲)

☆ فجر کی نماز شیطان سے بچاؤ کا ذریعہ ہے:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کا ذکر آیا تو کہا گیا کہ وہ سوتا رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور نماز کیلئے کھڑا نہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان نے اس کے کان میں پیشاب کر دیا "بال الشیطان فی أذنیه" (۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان تم میں سے ہر ایک کے سر کے پیچھے گرہ لگاتا ہے جب کہ وہ سوتا ہے اور ہر گرہ پر یہ پھونک دیتا ہے کہ ابھی رات بہت باقی ہے اس لئے سویا رہ، اگر وہ بیدار ہوا، اور اللہ کی یاد کی تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اگر وضو کیا تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے، اگر نماز پڑھ لی تو تیسری گرہ

---

(۱) مسلم: باب فضل الأذان وهرب الشیطان عند سماعه، حدیث: ۳۸۹
(۲) مسلم: باب فضل الأذان وهرب الشیطان عند سماعه، حدیث: ۳۸۹
(۳) بخاری: باب صفة إبلیس وجنوده، حدیث: ۳۰۹۷

کھل جاتی ہے، تو اس کی صبح اس حال میں ہوتی ہے کہ خوش اور چست و چالاک ہوتا ہے ورنہ بد باطن اور سست ہو کر اٹھتا ہے "وإلا أصبح خبيث النفس كسلان" (۱)

اللہ کا ذکر شیطان سے پناہ گاہ:

حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا کو پانچ چیزوں کا حکم کیا..... (اس میں ایک یہ بھی ہے) میں تمہیں اللہ کے ذکر کی تلقین کرتا ہوں اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے دشمن اس کے تعاقب میں ہوں اور وہ بھاگ کر ایک قلعے میں گھس جائے اور ان لوگوں سے اپنی جان بچا لے۔ اسی طرح کوئی بندہ خود کو شیطان سے اللہ کے ذکر کے علاوہ کسی چیز سے نہیں بچا سکتا "لا يحرز نفسه إلا بذكر الله" (۲)

حضرت ابوالاسمر عبدی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رات کے دوران کوفہ کی جانب چلا تو تخت کی شکل کی کوئی چیز سامنے آگئی اور اس کے گرد کچھ جماعت بھی تھی جو اس کو گھیرے میں لے رہی تھی تو یہ شخص ٹھہر کر ان کو دیکھنے لگ گیا، ایک شخص آیا اور اس تخت پر بیٹھ گیا، اس نے ایک بات کی جس کو یہ سن رہا تھا کہ عروہ بن مغیرہ کیسے ہیں؟ تو ایک شخص اس مجمع میں سے کھڑا ہوا، اور کہا کہ اس کو میں آپ کے سامنے پیش کروں گا، تو اس نے کہا: ابھی اور اسی وقت پیش کرو تو اس نے اپنا رخ مدینہ شریف کی طرف کیا اور تھوڑی دیر میں واپس آگیا اور کہا میرا عروہ پر کوئی بس نہیں چلا، اس نے کہا: کس وجہ سے؟ کہا کیونکہ وہ صبح وشام ایک کلام پڑھتا ہے اس لئے اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکا، پھر یہ مجمع بکھر گیا اور یہ آدمی اپنے گھر واپس آگیا، جب صبح ہوئی تو اس آدمی نے ایک اونٹ خریدا اور چل پڑا، یہاں تک کہ مدینہ منورہ پہنچ گیا اور جب حضرت عروہ بن مغیرہ سے ملاقات کی اور کلام کے متعلق سوال کیا کہ وہ صبح وشام کے وقت کیا پڑھتے ہیں، پھر اس نے ان کے سامنے وہ قصہ سنایا تو انہوں نے

---

(۱) بخاری: باب صفة ابليس وجنوده ، حديث: ۳۹۰۷

(۲) ترمذی: مثل الصلاة والصيام والصدقة ، حديث : ۲۸۶۳ ، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

فرمایا: میں صبح وشام کے وقت (تین مرتبہ) پڑھتا ہوں " اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ وَکَفَرْتُ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَاسْتَمْسِكُ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی، لَا انْفِصَامَ لَھَا، وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ" میں اللہ واحد پر ایمان لایا بت کاہن، جادوگر اور غیر اللہ کا انکار کرتا ہوں اور مضبوط رسی اسلام کو تھامتا ہوں جو ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ تعالیٰ خوب سننے جاننے والے ہیں۔(۱)

جنات وشیاطین کے شر سے حفاظت کی دعا

حضرت ابوتیاح کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبدالرحمٰن بن خنبش رضی اللہ عنہ سے جو کہ انتہائی عمر رسیدہ تھے، پوچھا کہ کیا آپ نے نبی ﷺ کو پایا ہے، انہوں نے کہا: ہاں میں نے پوچھا کہ لیلۃ الجن میں نبی ﷺ کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا، انہوں نے فرمایا کہ: اس رات مختلف وادیوں اور گھاٹیوں سے جنات اتر اتر کر نبی ﷺ کے پاس آئے اور ان میں سے ایک شیطان کے ہاتھ میں آگ کا شعلہ تھا جس سے اس کا ارادہ تھا کہ نبی ﷺ کے چہرے کو جلادے، اتنی دیر میں حضرت جبرئیل نبی ﷺ کے پاس آسمان سے اتر کر آئے اور کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ! کہئے، نبی ﷺ نے پوچھا کیا کہوں؟ انہوں نے کہا، آپ کہے کہ " اعوذ بکلمات اللہ التامات التی لا یجاوزھن بر ولا فاجر من شر ما خلق وذرأ وبرأ ومن شر ما ینزل من السماء، ومن شر ما یعرج فیھا، ومن شر ما ذرأ فی االأرض ومن شر ما یخرج منھا ومن شر فتن اللیل والنھار ومن شر طارق لا طارقا یطرق بخیر یا رحمن" میں اللہ کی مکمل تام صفات کے ذریعہ ان تمام چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جنہیں اللہ نے پیدا کیا ہے انہیں وجود عطا کیا اور موجود کیا ان تمام چیزوں کے شر سے جو آسمان سے اترتی ہیں اور جو آسمان کی طرف چڑھتی ہیں رات ودن کے فتنوں کے شر سے اور رات کو ہر آنے والے کے شر سے سوائے اس کے جو خیر کے ساتھ آئے نہایت رحم کرنے والے) نبی ﷺ نے فرما: ان کلمات کے پڑھتے ہی اس کی آگ بجھ گئی اور اللہ نے انہیں شکست سے دوچار کر دیا۔(۲)

---

(۱) ابن ابی الدنیا، ھواتف الجنان، باب ھواتف الجان: ۱/۱۲۵، المکتب الإسلامی

(۲) مسند احمد، حدیث: ۱۳۱۹

شیطان کے شر سے حفاظت کی تدبیر

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب رات کی تاریکی آجائے یا تمہارے سامنے شام ہو جائے، تو اپنے بچوں کو باہر نکلنے سے روکو، اس لئے کہ اس وقت شیاطین پھیل جاتے ہیں، جب رات کی ایک گھڑی گذر جائے تو ان کو چھوڑ دو، اور اللہ کا نام لے کر دروازے بند کر دو، اس لئے کہ شیطان بند کئے ہوئے دروازے نہیں کھولتا "فإن الشیطان لا یفتح بابا مغلقا" اور اپنے مشک کے منہ بسم اللہ پڑھ کر بند کر لیا کرو، اور اللہ کا نام لے کر برتن ڈھانک دیا کرو، اگر چہ عرض میں ہی کوئی چیز کیوں نہ ہو، اور اپنے چراغوں کو بجھا دیا کرو تاکہ کہیں سوتے میں آگ لگ جانے کا سبب نہ بن جائے۔(۱)

سحر وغیرہ سے بچنے کی دعا

حضرت قعقاع کہتے ہیں کہ حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اگر میں وہ کلمات نہ کہا کرتا تو یہود مجھے گدھا بنا ڈالتے، ان سے پوچھا گیا وہ کلمات کیا ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ کلمات یہ ہیں: اعوذ بوجه اللّٰه العظیم الذی لیس شی اعظم منه وبکلمات اللّٰه التامات التی لایجاوزهن بر ولا فاجر وباسماء اللّٰه الحسنی ما علمت منها وما لم اعلم من شر ما خلق وذرا و برا میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی ذات کے ذریعہ جو بہت بڑا ہے وہ اللہ کہ کوئی چیز اس سے بڑی نہیں، اس کے کامل کلمات کے ذریعہ کہ ان سے نہ کوئی نیک تجاوز کرتا ہے اور نہ کوئی بد، اللہ کے ناموں کے ذریعہ جو پاک و نیک ہیں اور ان میں سے جو کچھ میں جانتا ہوں اور جو کچھ میں نہیں جانتا اس چیز کی برائی سے جو اس پیدا کی اور پراگندہ و برابر کی) یعنی متناسب الاعضا بنائی۔(۲)

---

(۱) بخاری : باب الصوم کفارة ، حدیث: ۱۷۹٦

(۲) موطا مالك: ما یؤمر به من التعوذ ، حدیث: ۳۵۰۲

چند مسنون طریقۂ علاج

نظرِ بد کا رقیہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "العین حق ولو کان شیئ یسبق القدر لسبقه العین، فاذا استغسلتم فاغسلوا" نظر حق ہے، اگر کوئی چیز تقدیر پر غالب آسکتی تو بدنظری غالب آسکتی جب تم سے غسل کرنے کو کہا جائے تو غسل کرو۔(۱)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے گھر ایک لڑکی کے چہرے پر زرد پن دیکھا تو فرمایا: "استرقوالها، فانّ بها نظرة" اس کو جھاڑ پھونک کرو؛ کیونکہ اس کو نظر ہوئی ہے۔(۲)

نظر لگانے والوں کو وضو کرنے کو کہا جائے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیوں تم میں کا کوئی شخص اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے، کیوں اس کیلئے برکت کی دعا نہیں کرتا؟ نظر بد کا لگنا حق ہے، وہ شخص اس کیلئے وضو کرے، چنانچہ ان کیلئے عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے وضو کیا، چنانچہ سہل کو آرام ہوگیا، ایسا جیسا کہ ان کو کچھ تھا ہی نہیں۔(۳)

ایک روایت میں ہے نظر بد لگنے والے کے سینے پر ہاتھ مار کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " اَللّٰهُمَّ اِذْهَبْ حَرَّهَا وَبَرْدَهَا وَصَبَّهَا " اس حدیث کے شواہد موجود ہیں۔(۴)

---

(۱) مسلم : باب الطب والمرض والرقی ،حدیث : ۲۱۸۸

(۲) بخاری : باب رقیة العین :حدیث : ۵۷۳۹

(۳) موطا مالك : الوضوء من العین ،حدیث: ۳۴۵۹

(۴) مجمع الزوائد: باب ما جاء فی العین ،حدیث : ۸۴۲۹

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ: نظر لگانے والے کے نفس کی بری کیفیت جب پیدا ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے اس کی آنکھ سے ایک زہریلی قوت کا اخراج ہوتا ہے جو نظر لگنے والے کو لگتا ہے تو اس سے نقصان ہو جاتا ہے، اس کا اس طرح انکار نہیں کیا جا سکتا جس طرح زہریلے سانپ کے اثرات انسانی جسم سے متصل ہو کر اس کی ہلاکت کا باعث بنتے ہیں، یہ بات بہت مشہور ہے کہ کچھ سانپ ایسے ہیں کہ جب اس کی نظر انسان پر پڑتی ہے تو اس کے زہریلے اثر کی وجہ سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔

"قل هو الله احد" معوذتین، سورہ فاتحہ، آیۃ الکرسی اور سورۂ بقرۃ کی آخری آیتیں اور جھاڑ پھونک کی سحر کے تحت ذکر کردہ مشروع دعائیں پڑھتا رہے اور اس کو ہاتھ پر پھونک مار کر داہنے ہاتھ سے درد اور تکلیف کی جگہ پر پونچھے، حضور ﷺ نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ عمل کیا تھا۔(۱) یا زیتون کے تیل میں اس کو پڑھ کر اس کو سر میں استعمال کرلے۔(۲) اگر زمزم کا پانی میسر ہو تو اس میں ان کا پڑھنا زیادہ بہتر ہوگا۔(۳) یا آسمان کا پانی۔

مذکورہ بالا آیاتِ مبارکہ اور احادیثِ شریفہ کو لکھ کر اس سے غسل کرانے اور پلانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔(۴)

بہرحال علماء نے تین شرطوں کے ساتھ جھاڑ پھونک کی اجازت دی ہے:

۱- یہ جھاڑ پھونک کلام اللہ، اس کے اسماء وصفات اور رسول اللہ ﷺ کے کلام پر مشتمل ہو۔

۲- عربی یا کوئی اور معروف زبان میں ہو۔

۳- اور یہ اعتقاد اور یقین کرنا کہ ان جھاڑ پھونک اور دعاؤں سے کچھ نہیں ہوتا، بلکہ اللہ عزوجل کی قدرت سے ہوتا اور یہ جھاڑ پھونک تو بس ایک سبب اور ذریعہ ہے۔

---

(۱) ابوداؤد: باب ما جاء في الرقى : حديث : ۳۸۸۷

(۲) مسند احمد : ۴۹۷/۳

(۳) سلسلة الاحاديث الصحيحة : ۷۸

(۴) زاد المعاد لابن قيم : ۱۷۰/۴

جادو کا علاج

جادو کے شرعی علاج کے دو طریقے ہیں:

الف : جادو ہونے سے پہلے بطورِ احتیاط اختیار کئے جانے والے امور:

۱- تمام واجبات کا اہتمام کرے، محرمات اور گناہوں سے تائب ہو جائے

۲- بکثرت قرآن کریم کی تلاوت کرے اور اس کا روزانہ کے اعتبار سے پڑھنے کا معمول بنائے۔

۳- اور دعاؤں، تعوذات اور مشروع اذکار وادعیہ کے ذریعہ حفاظتی اقدامات کرے:

☆ "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْئٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ " اس کو ہر صبح وشام تین دفعہ پڑھے۔(۱)

☆ صبح وشام، سوتے وقت اور ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی کا معمول رکھے۔(۲)

☆ " قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ " اور معوذتین صبح وشام اور سوتے وقت پڑھنا اور " لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ " اس کو ہر دن سو مرتبہ پڑھے۔

☆ صبح وشام کے اذکار، نماز کے بعد کے اذکار، گھر میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت کے اذکار، سواری کے وقت کے اذکار، مسجد میں داخل ہوتے وقت کے اذکار، بیت الخلاء میں

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء في الدعاء اذا أصبح ، حديث: ۳۳۸۸، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن، صحیح غریب ہے۔

(۲) مستدرک حاکم، اس کو حاکم نے صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

جاتے اور آتے وقت کے اذکار، اور مصیبت زدہ کو دیکھ کر پڑھنے کی دعاء اوران تمام مواقع سے جو ادعیہ اور اذکار ہیں جن کا دعاؤں کی کتابوں میں مفصل ذکر ہے اہتمام کرے، تو ان دعاؤں کے اہتمام کے ذریعہ جادو، بدنظری اور جنات وغیرہ کے اثرات سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔(۱)

☆ صبح نہار پیٹ ممکن ہوسکے تو سات عجوہ کھجور کھایا کرے، چونکہ حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ "من اصطبح بسبع تمرات عجوة لم يضرّه ذلك اليوم سُمٌّ وَلَا سحرٌ" (۲) جو شخص نہار پیٹ سات عجوہ کھجور کھائے تو اس کو اس دن زہر کے علاوہ کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

بہتر یہ ہے کہ یہ کھجور مدینہ کے ہوں جیسا کہ روایت میں ہے، علامہ ابن بازؒ کا کہنا ہے کہ: یہ صفت مدینہ کے علاوہ تمام کھجوروں میں ہوتی ہے۔

چونکہ حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ "من أكل سبع تمرات ممّا بين لابتيها حين يصبح لم يضره شيئ حتّى يمسى" (۳) یعنی ان کی یہ رائے ہے کہ یہ فضیلت اور شفا مدینہ کے علاوہ ہر کھجور میں ہوتی ہے۔

ب : جادو کے واقع ہونے کے بعد علاج

۱- جادو کردہ چیزوں کو نکال کر سحر کے عمل کو باطل کیا جائے اگر جگہ معلوم ہو، یہ طریقہ جادو کے علاج میں بہت مؤثر ہے۔(۴)

۲- مشروع جھاڑ پھونک کا اہتمام :

☆ ہری سات بیری کی پتیوں کو دو پتھروں کے بیچ کوٹا جائے، پھر اس میں غسل کئے جانے کے مقدار پانی شامل کیا جائے اور اس میں یہ پڑھا جائے :

---

(۱) زاد المعاد : ۱۲٦/٤

(۲) مسلم :

(۳) مسلم: باب فضل تمر المدينة : حديث : ٤٧

(۴) زاد المعا د : ١٢٤/٤، بخاری مع الفتح : ١٢٣/١٠

" اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ لَّہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَؤُدُہٗ حِفْظُھُمَا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ (۱)

☆ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَلْقِ عَصَاکَ فَاِذَا ھِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِکُوْنَ، فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ، فَغُلِبُوْا ھُنَالِکَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِیْنَ، وَاُلْقِیَ السَّحَرَۃُ سٰجِدِیْنَ، قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، رَبِّ مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ (۲)

☆ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَۃُ قَالَ لَھُمْ مُّوْسٰٓی اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ، فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰی مَا جِئْتُمْ بِہِ السِّحْرُ اِنَّ اللّٰہَ سَیُبْطِلُہٗ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَ، وَیُحِقُّ اللّٰہُ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُجْرِمُوْنَ (۳)

☆ قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّآ اَنْ نَّکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰی، قَالَ بَلْ اَلْقُوْا فَاِذَا حِبَالُھُمْ وَعِصِیُّھُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْہِ مِنْ سِحْرِھِمْ اَنَّھَا تَسْعٰی، فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِہٖ خِیْفَۃً مُّوْسٰی، قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی، وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِکَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا کَیْدُ سٰحِرٍ وَلَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰی، فَاُلْقِیَ السَّحَرَۃُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ ھٰرُوْنَ وَ مُوْسٰی (۴)

اور چاروں قل پڑھ کر اس سے تین مرتبہ پیئے اور باقی پانی سے غسل کرے اس سے انشاء اللہ بیماری جاتی رہے گی، اور یہ عمل دو یا تین دفعہ کرنا پڑے بھی تو کوئی حرج نہیں،

---

(۱) البقرۃ: ۲۵۵ (۲) الاعراف: ۱۱۷-۱۲۲
(۳) یونس: ۷۹-۸۲ (۴) طٰہٰ: ۶۵-۷۰

مرض کے ختم ہونے تک بھی یہ معمول رکھا جاسکتا ہے اس کا بہت تجربہ کیا گیا ہے اور یہ اس شخص کیلئے بھی مفید ہے جس کو بیوی کے پاس جانے سے روک دیا گیا ہو۔(۱)

۲۔ سورۂ فاتحہ، آیۃ الکرسی، سورۃ بقرہ کی آخری آیتیں، سورۂ اخلاص، معوذتین تین مرتبہ پڑھ کر اس کو ہاتھ میں پھونک مارے اور اس سے داہنا جسم میں جہاں تک پہنچ سکتا ہو وہاں تک پھونکے۔(۲)

۳۔ ان جامع تعوذات، رقیے اور دعاؤں کا اہتمام کرے:

۱۔ "اَسْاَلُ اللّٰہَ العَظِیْمَ، رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ،اَنْ یَشْفِیْکَ"(سات دفعہ)(۳)

۲۔ جسم کی جس جگہ میں تکلیف ہو مریض اس جگہ ہاتھ رکھے اور "بسم اللّٰہ" تین دفعہ کہے، اور کہے: "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ" (سات دفعہ)۔(۴)

۳۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّ النَّاسِ اَذْھَبِ الْبَاْسَ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُ وَلَا یُغَادِرُ سُقْمًا" (۵)

۴۔ اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (۶)

۵۔ اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ کُلِّ شَیْطٰنٍ وَھَامَّۃٍ وَمِنْ کُلِّ عَیْنٍ ھَامَّۃٍ (۷)

---

(۱) مصنف عبد الرزاق :۱۱/۱۳، فتح الباری : ۱۰/۲۳۳
(۲) بخاری مع الفتح : ۹/۶۲
(۳) ترمذی : باب ،حدیث : ۳۱۰۶
(۴) مسلم: باب استحباب وضع یدہ علی موضع المرض ،حدیث : ۲۲۰۲
(۵) بخاری : باب مسح الراقی الوجع بیدہ ،حدیث: ۵۷۵۰
(۶) مسلم :باب فی التعوذ من سوء :حدیث : ۷۲۰۸
(۷) بخاری : باب : حدثنا اسحاق بن ،حدیث :۳۱۹۱

۶- اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنَ (۱)

۷- اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِيْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَافَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ، وَبَرَاَ وَذَرَاَ ، وَمِنْ شَرِّ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ ، وَمِنْ شَرِّ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا ، وَمِنْ شَرِّ مَا ذَرَاَ فِي الْاَرْضِ ، وَمِنْ شَرِّ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا، وَمِنْ شَرِّ فِتَنِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَمِنْ شَرِّ كُلِّ طَارِقٍ اِلَّا طَارِقًا يَطْرُقُ بِخَيْرٍ يَا رَحْمٰنُ " (۲)

۸- " بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْئٍ يُؤْذِيْكَ وَمِنْ كُلِّ نَفْسٍ اَوْعَيْنٍ حَاسِدَةٍ يَشْفِيْكَ ،بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ "(۳)

۹- " بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْئٍ يُؤْذِيْكَ مِنْ حَسَدِ حَاسِدٍ وَمِنْ كُلِّ ذِيْ عَيْنٍ يَشْفِيْكَ " (۴)

۴- جس جگہ جادو کا اثر ہے ممکن ہو تو حجامت کے ذریعہ وہاں کے خون کو نکال لیا جائے۔

۵- طبعی دواؤں کا اہتمام کرے۔

قرآن کریم اور احادیث میں وارد شدہ فطری اَدویہ اگر یقین اور صدق اور اعتقادِ کامل کے ساتھ ان کو لیا جائے تو انشاء اللہ اس سے نفع حاصل ہوگا، دیگر مرکب ادویات جن کا مؤثر اور نفع بخش ہونا تجربہ کی روشنی میں ثابت ہو تو اس کے استعمال میں بھی کوئی حرج نہیں جیسے:

(۱) ترمذی : باب ،حدیث : ۲۰۶۰، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور صحیح کہا ہے۔
(۲) مسند احمد : حدیث عبد الرحمن بن خنبش ،حدیث : ۱۵۴۶۱، علامہ عراقی نے تخریج الاحیاء میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔
(۳) مسلم : باب الطب والمرض والرقی ، حدیث : ۲۱۸۶
(۴) ابن ماجة : باب ما عوّذ به النبي صلى الله عليه وسلم ، حديث : ۳۵۲۳

۱- شہد ۲- کلونجی ۳- ماءِ زمزم ۴- آسمان کا پانی: اللہ عز وجل کے اس ارشاد کی وجہ سے: "وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا" (۱)

۵- زیتون کا تیل: حضور ﷺ کے ارشاد کی وجہ سے "زیتون کا تیل کھاؤ اور اس کو سر میں استعمال کرو؛ چونکہ یہ مبارک درخت ہے۔"

۶- ان طبعی دواؤں میں: غسل، نظافت اور خوشبو کا استعمال کرنا بھی ہے۔(۲)

جن چڑھنے کا علاج

اس کے علاج کے بھی دو طریقہ ہیں:

۱- احتیاطی تدابیر:

جنات کے اثر سے حفاظت کیلئے تمام فرائض وواجبات کا اہتمام اور محرمات سے اجتناب کرے، تمام گناہوں سے توبہ کرے، اذکار وادعیہ، مشروعہ تعوذات کے ذریعہ اپنی حفاظت کرتا رہے، اور ہمیشہ پاک وصاف رہے۔

۲- جن کے اثر کے بعد علاج :

اس کا سب سے بڑا علاج سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ہے۔(۳)

آیۃ الکرسی، سورۂ بقرۃ کی آخری دو آیتیں، قل ھو اللہ احد، معوذتین یہ اذکار جنات کے اثر زدہ شخص پر پڑھ کر پھونک مارے، تین مرتبہ یا اس سے زیادہ پڑھے، اور اس کے علاوہ دیگر آیاتِ قرآنیہ بھی پڑھی جاسکتی ہیں، چونکہ قرآن تمام کا تمام شفاء ہے، اور سحر کے تحت مذکور ادعیہ کا اہتمام بھی مؤثر ہوتا ہے۔

اگر جن چڑھے شخص کے کان میں اذان دی جائے تو بہتر رہے گا؛ چونکہ شیطان اس سے بھاگ جاتا ہے۔(۴)

---

(۱) سورہ ق: ۹

(۲) فتح الحق المبین فی علاج الصرع والسحر والعین : ۱۴۲

(۳) ابوداؤد، مسند احمد : ۵/ ۱۲۰

(۴) فتح الحق المبین فی علاج الصرع والسحر والعین: ۱۱۲، بخاری، حدیث: ۸۷۴

نفسیاتی امراض کا علاج

نفسیاتی امراض اور تنگی وضیق نفس کے مندرجۂ ذیل علاج ہیں:

الف: راہِ ہدایت اور راہِ توحید کو اپنائے، چونکہ کفر وشرک یہ تنگی اور گھٹن کے اسباب میں سے ہیں۔

ب: انسان کے دل میں اعمالِ صالحہ کے ساتھ نورِ ایمان کی روشنی بھی ہو

ج: علمِ نافع حاصل کرے، بندے کا علم جس قدر وسیع ہوتا جاتا ہے اسی قدر اس کے دل میں وسعت اور کشادگی پیدا ہوتی ہے۔

د: اللہ کی جانب انابت اور توجہ اختیار کرے اور پورے دل سے اللہ عزوجل سے محبت کرے اور اس کی بندگی سے آرام حاصل کرے۔

ہ: ہر وقت اس کے ذکر سے اپنی زبان کو تر رکھے، ذکر کو انشراحِ صدر اور دل کی آسائش وآرام اور ھموم وغموم کے ازالہ میں بہت اثر ہوتا ہے۔

و: مخلوق کے ساتھ احسان اور ہر طریقہ سے اچھا سلوک کرے اور ان کو نفع پہنچانے کی کوشش کرے، دوسروں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرنے والا بہت خوش وخرم ہوتا ہے۔

ز: شجاعت اور بہادری کے امور کو اختیار کرے اور کینہ حسد اور کپٹ سے اپنے آپ کو دور رکھے۔

ح: ان ادعیہ کا اہتمام کرے:

"اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِیْنِیَ الَّذِیْ ھُوَ عِصْمَةُ اَمْرِیْ وَدُنْیَایَ الَّتِیْ فِیْھَا مَعَاشِیْ، وَاٰخِرَتِیْ فِیْھَا مَعَادِیْ، وَاجْعَلِ الْحَیَاةَ لِیْ فِیْ کُلِّ خَیْرٍ وَالْمَوْتَ رَاحَةً لِّیْ مِنْ کُلِّ شَرٍّ" (۱)

---

(۱) مسلم: باب التعوذ من شر ما عمل، حدیث: ۲۷۲۰

پھوڑے اور زخم کا علاج

حضور اکرم ﷺ اگر کسی شخص کو تکلیف ہوتی یا اسے کوئی پھوڑا یا زخم ہوتا اپنی اس طرح کی انگلی لیتے، حضرت سفیان رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت کی انگلی زمین پر رکھی، پھر اسے اٹھایا اور کہا:

بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ اَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا ، يُشْفٰى سَقِيْمُنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا (۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنا تھوک خود اپنی انگلی پر لیتے، پھر اس کو مٹی پر رکھتے، پھر جب اس سے کچھ مٹی لگ جاتی تو اسے زخم کی جگہ یا بیماری کی جگہ لگاتے۔ (۲)

بے چینی کا علاج

۱- لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ، لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ (۳)

۲- اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْا لَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَاَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّـهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اَنْتَ " (۴)

۳- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (۵)

۴- اَللّٰهَ اَللّٰهَ رَبِّيْ لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَيْـئًا (۶)

---

(۱) بخاری: باب رقية النبي صلى الله عليه وسلم، حديث: ۵۴۱۳

(۲) شرح النووی علی مسلم : ۱۸۴/۱۴

(۳) بخاری: باب الدعاء عند الكرب، حديث : ۵۹۸۶

(۴) فتح الباری : ۱۴۸/۱۱، حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ اس کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

(۵) ترمذی: باب، حدیث : ۳۵۰۵، امام منذری کہتے ہیں کہ: اس کو حاکم نے صحیح کہا ہے: الترغیب والترهيب : كتاب البيوع وغيرها : حديث : ۳۸۴

(۶) ابوداؤد : باب فی الاستغفار، حديث : ۱۵۲۵

مریض خود اپنا علاج کیسے کرے

جس جگہ تکلیف ہے وہاں اپنا ہاتھ رکھ کر کہے " بِسْمِ اللّٰہِ " تین مرتبہ اور سات مرتبہ کہے: " اَعُوْذُ بِاللّٰہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ " (۱)

بے چینی اور نیند میں گھبراہٹ کا علاج

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِہٖ وَعِقَابِہٖ، وَشَرِّ عِبَادِہٖ وَمِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیٰطِیْنِ وَاَنْ یَّحْضُرُوْنَ (۲)

بخار کا علاج

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "بخار جہنم کی گرمی سے ہے اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔"

بچھو اور سانپ کے ڈسے ہوئے کا علاج

۱۔ تھوک کو جمع کر کے اس کے ساتھ سورۂ فاتحہ پڑھے اور اس کو ڈسے ہوئے جگہ تھوک دے۔ (۳)

۲۔ سورۂ "کافرون" اور معوذتین پڑھ کر پانی اور نمک سے اس کو پوچھے۔ (۴)

اصل یہ ہے کہ شیطان کا بس ایمان و توکل والوں پر نہیں چلتا، شیطان شرکیہ اعمال کرنے والوں کو وہ مزید ڈراتا ہے، چنانچہ ارشادِ باری ہے:

---

(۱) مسلم: باب استحباب وضع یدہ، حدیث: ۲۲۰۲

(۲) مستدرك حاكم: كتاب الدعاء والتكبير، حدیث: ۲۰۱۰، حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

(۳) بخاری مع الفتح: ۲۰۸/۱۰

(۴) مجمع الزوائد: ۱۱۱/۵، اس کی سند حسن ہے۔

”اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ، اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ“(۱)

یقیناً اس کا قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر (دل سے) بھروسہ رکھتے ہیں۔ بس اس کا قابو تو صرف ان لوگوں پر چلتا ہے جو اس سے تعلق رکھتے ہیں اور ان لوگوں پر جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

”هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ، تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ، يُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ“ (۲)

(اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دیجئے) کیا میں تم کو بتلاؤں کس پر شیاطین اترا کرتے ہیں (جو پہلے سے) دروغ گفتار بڑے بدکردار ہوں اور جو (شیاطین کی خبریں سننے کیلئے) کان لگا دیتے ہیں اور وہ بکثرت جھوٹ بولتے ہیں۔

---

(۱) النحل: ۱۰۰ (۲) الشعراء: ۲۲۱

جانوروں کے حقوق

اسلام میں جانوروں اور حیوانات کی اہمیت اوران کے حقوق کے پاس ولحاظ کی تاکید کو بتلانے کیلئے یہ بتلادینا کافی ہے کہ اللہ عزوجل نے نہ صرف قرآن کریم میں جانوروں اور حیوانات کا ذکر کیا؛ بلکہ متعدد قرآنی سورتیں ان کے نام سے موسوم کیں، جیسے: سورۃ البقرہ (گائے)، الأنعام (چوپائے)، النحل (شہد کی مکھی)، النمل (چیونٹی)، العنکبوت (مکڑی)، الفیل (ہاتھی)۔

اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں جانور کے فوائد اوراس کے مقام ومرتبہ اوراس کے موقع استعمال کو بتلایا ہے "وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ، وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ، وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ، وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَّيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ " (۱)

اوراس نے چوپائے پیدا کئے، جن میں تمہارے لئے گرم لباس ہیں اور بھی بہت سے منافع ہیں اور بعض تمہارے کھانے کے کام آتے ہیں، ان میں تمہاری رونق بھی ہے جب چرا کر لاؤ تب بھی اور جب چرانے لے جاؤ تب بھی، اور وہ تمہارے بوجھ ان شہروں تک اٹھالے جاتے ہیں جہاں تم آدھی جان کئے نہیں پہنچ سکتے تھے، یقیناً تمہارا رب بڑا شفیق اور نہایت مہربان ہے۔

☆ حضور اکرم ﷺ نے بعض جانوروں کے صفات حمیدہ اوران کے معنوی اوراخلاقی خوبیوں کے حامل ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ احسان اور سلوک کا حکم کیا ہے، "الخيل معقود بنواصيها الخير الى يوم القيامة "(۲)

---

(۱) النحل : ۵—۸

(۲) مسلم : باب الخيل فى نواصيها : حديث: ۴۹۵۵

گھوڑے کے ساتھ روز قیامت تک خیر وابستہ ہے، اور ایک روایت میں فرمایا: " الابل عز لأهلها ، والغنم بركة "(۱)

اونٹ اپنے مالک کیلئے عزت کا باعث ہوتا ہے اور بکری میں خیر و برکت ہے۔

اور ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " لا تسبوا الديك فإنه يوقظ للصلوة " (۲) مرغ کو گالی نہ دو چونکہ وہ نماز کیلئے جگاتا ہے۔

☆ جانوروں کے ساتھ احسان وسلوک اور ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ یہ بھی ایک درجہ کی عبادت اور اجر وثواب کا باعث اور مغفرت خداوندی کا بڑا ذریعہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: بدکار عورت کی بخشش صرف اس وجہ سے کی گئی کہ ایک مرتبہ اس کا گذر ایک ایسے کنویں پر ہوا جس کے قریب ایک کتا کھڑا پیاس کی شدت سے ہانپ رہا تھا، اور قریب تھا کہ وہ پیاس کی شدت سے ہلاک ہو جاتا، کنویں سے پانی نکالنے کو کچھ تھا نہیں، اس عورت نے اپنا چرمی موزہ نکال کر اپنی اوڑھنی سے باندھا اور پانی نکال کر اس کتے کو پلایا، اس عورت کا یہ فعل بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوا، اور اس کی بخشش کردی گئی " فنزعت له بموقها ، فغفر لها "(۳)

ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اپنے حوض میں پانی بھرتا ہوں اپنے اونٹوں کو پانی پلانے کیلئے، کسی دوسرے کا اونٹ آکر اس میں سے پانی پیتا ہے تو کیا مجھے اس کا اجر ملے گا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " ان فی كل ذات كبد أجرا " (۴)

---

(۱) ابن ماجة : باب اتخاذ الماشية ، حديث: ۲۳۰۵ ، بوصیری نے اس روایت کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے، مصباح الزجاجة: كتاب التجارات: ۲۴/۲

(۲) ابوداؤد: باب ما جاء في الديك ، حديث: ۵۱۹۱، عجلونی نے كشف الخفاء: ۴۱۳/۱ ، میں اس روایت کے تعلق سے کہا ہے: اس کو ابوداؤد، ابن ماجہ نے سند جید کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(۳) مسلم: باب فضل ساقي البهائم، حديث: ۵۹۹۷

(۴) مسند احمد: مسند عبد الله بن عمرو، حديث: ۲۰۷۵ ، محقق شعیب الارنوط نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

☆ اسلام نے جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کو عبادت قرار دیا، ان کے ساتھ برے سلوک اور ان کی ایذا رسانی کو معصیت اور انتہائی درجہ کا گناہ بتلایا، چنانچہ حضرت امام بخاریؒ نے روایت نقل کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک عورت کو اس لئے عذاب دیا گیا کہ وہ بلی کو باندھی رکھتی نہ کھلاتی نہ پلاتی اور نہ اس کو چھوڑ دیتی کہ چر چگ کر کھائے "عذبت امرأة فی هرة، لم تطعمها ولم تسقها، ولم تتركها تأكل من خشاش الأرض "(۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ایک گدھا گذرا جس کے منہ پر داغا گیا تھا، آپ ﷺ نے اس کو دیکھ کر فرمایا: اس شخص پر لعنت ہو جس نے اس کو داغا ہے " لعن الله الذی وسمه " (۲)

اور ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ نے چہرے پر مارنے اور داغنے سے منع فرمایا ہے " نهى رسول الله عن الضرب فی الوجه وعن الوسم فی الوجه "(۳)

اور ایک روایت میں ہے کہ غیلان بن جنادةؓ کہتے ہیں کہ: میں نبی کریم ﷺ کے پاس اونٹ پر آیا جس کی ناک کو میں نے داغ دیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے جنادہ! کیا تمہیں داغنے کیلئے صرف چہرے کا عضو ہی ملا تھا تم سے تو قصاص ہی لیا جائے "یا جنادة فما وجدت عضوا تسمه إلا فی الوجه ، أما أن أمامك القصاص"(۴)

☆ جانوروں کو آپس میں لڑانا، ان کو پریشان کرنا اور ان کو کسی بھی طرح کی تکلیف دینے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کو ایک دوسرے پر شکار

---

(۱) مسلم : باب تحریم قتل الهرة : حدیث: ٥٩٨٩

(۲-۳) مسلم : باب النهی عن ضرب الحیوان فی وجهه ، حدیث: ٥٦٧٤

(۴) مجمع الزوائد: باب ما جاء فی وسم الدواب، حدیث :۱۳۲۴۳، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں اس میں ایسے لوگ ہیں جن کو میں نہیں جانتا تو فرمایا: تمہارا معاملہ تمہارے حوالہ ہے (اس کو چھوڑ دیا)۔

(یعنی ان کو آپس میں لڑانے) سے منع فرمایا ہے "نهى عن التحريش بين البهائم" (۱)

حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ایک مرتبہ ہم لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھے جب ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کیلئے تشریف لے گئے تو ہم نے ایک حمرہ کو دیکھا جس کے ساتھ دو بچے تھے ہم نے ان دونوں بچوں کو پکڑ لیا، اس کے بعد حمرہ (ایک قسم کی چڑیا) آئی اور اپنے بچوں کی گرفتاری پر احتجاج شروع کیا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حمرہ کو اس طرح بیتاب دیکھا تو فرمایا کہ کس نے اس کے بچوں کو پکڑ کر اس کو مضطرب کر رکھا ہے؟ اس کے بچے اس کو واپس کردو "من فجع هذه بولدها ؟ ردوا ولدها اليها" (۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کا گذر قریش کے چند نوجوانوں کے پاس سے ہوا جو کسی پرندہ یا مرغی کو نشانہ بنا رہے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھا تو وہ وہاں سے منتشر ہو گئے، اور فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو کسی جاندار چیز کو باندھ کر اس پر نشانہ لگائے "لعن من اتخذ شيئا فيه الروح غرضا" (۳)

حضرت مقداد بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوپایوں کے چہرے پر مارنے سے منع فرمایا ہے "ينهي عن لطم خدود الدواب" (۴)

☆ اسلام نے مذبوح جانوروں کے ساتھ نرمی کی تاکید کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) ترمذی : باب كراهية التحريش بين البهائم : حديث: ۱۷۰۹، منذری کہتے ہیں: اس کو امام ترمذی نے مرسلا اور مرفوعا دونوں طرح سے نقل کیا ہے اور مرسل کو اصح کہا ہے : الترغيب : كتاب القضاء، حديث: ۳٤۳۷

(۲) ابوداود: باب في كراهية قتل الذر، حديث ٥٢٦٨، علامہ نووی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے: رياض الصالحين : ٤٦٨/١

(۳) مسلم: باب النهي عن صبر البهائم، حديث: ۱۹٥۷

(۴) مجمع الزوائد: باب النهي عن الضرب علي الوجه والنهي عن سبه، حديث: علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک نامعلوم راوی ہے، اور بقیہ مدلس ہیں۔

جب تم ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو، اپنی چھری کو تیز کرلو، اور جانور کو آرام دو "احسنوا الذبح، ولیحد أحدکم الشفرۃ، ولیرح ذبیحتہ" (۱)

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جانور کے ساتھ احسان اور بھلائی یہ ہے کہ اس کو مذبح تک کھینچ کر نہ لے جایا جائے "ان لا تجر الذبیحۃ الی من یذبحھا" (۲)

فقہاء نے ذابح کو ذبیحہ کے سامنے چھری تیز کرنے سے منع فرمایا ہے، اور اس کو بری طرح سے لٹانے سے منع کیا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بکری کو لٹایا اور اپنی چھری کو تیز کرنے لگا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اترید أن تمیتھا مرتین، ھلا أحددت شفرتك قبل أن تضجعھا" کیا تم اس کو دو موت مارنا چاہتے ہو، کیوں تم نے اپنی چھری کو اس کے لٹانے سے پہلے تیز نہیں کرلیا۔ (۳)

ایک حدیث میں ہے کہ: ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! جب میں بکری کو ذبح کرتا ہوں تو مجھے اس پر رحم آتا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: "اگر تم بکری پر رحم کرتے ہو تو خدا تم پر رحم کرے گا" "إن رحمتھا رحمك اللہ" (۴)

حضرت حسین بن عطاء سے مروی ہے کہ فرمایا کہ: ایک قصاب نے بکری کو ذبح کرنے کیلئے اس کے کوٹھے کا دروازہ کھولا، تو وہ بھاگ پڑی، اس نے اس کا پیچھا کیا، اور اس کو اس کے پیر سے کھینچ کر لانے لگا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یا جزار سقھا سوقا رفیقا" (۵)

☆ اسلام نے موذی جانوروں کو مارنے کی اجازت ضرور دی ہے، سانپ، بچھو، دیگر تکلیف دہ جانور وغیرہ، البتہ مارنے میں احسان اور بھلائی کا حکم ضرور دیا ہے۔

---

(۱) ترمذی: باب النهي عن المثلة، حدیث: ۱٤۰۹، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) مجلة الجامعة الإسلامية، حقوق الحيوان: ٤٦١/١١

(۳) مستدرك حاكم: كتاب الذبائح، حدیث: ۷۵۷۰، حاکم نے اس کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

(۴) مجمع الزوايد: باب النهي عن صبر الدواب والتمثيل بها، حدیث: ٦۰۲۹، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۵) مصنف عبد الرزاق: باب سنة الذبح، حدیث: ۸٦۰۹، منذری کہتے ہیں: اس کو عبد الرزاق نے روایت نے محمد بن راشد سے نقل کیا ہے اور یہ معضل ہے، الترغیب: كتاب القضاء، حدیث: ۳٤۲٦

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: إن اللّٰه كتب الإحسان في كل شيء فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة " (۱)

اللہ نے ہر چیز میں احسان کرنا فرض کیا ہے، اس لئے جب تم لوگ کسی جانور کو مارو تو اچھے طریقے سے مارو اور جب ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو۔

آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کس نے جلایا؟ ہم نے کہا ہم نے جلایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کسی کیلئے یہ بات مناسب نہیں کہ وہ آگ سے تکلیف پہنچائے سوائے آگ کے پیدا کرنے والے کے۔"إنه لا ينبغي أن يعذب بالنار إلا رب العلمين"(۲)

رسول اللہ ﷺ نے چھپکلی کو مارنے کا حکم فرمایا ہے، لیکن اس کے مارنے میں بھی نرمی اور احسان کا حکم کیا ہے، اس کو ایک ہی وار میں مارے، اس کو متعدد مار میں مارنے پر کم اجر حاصل ہونے کی بات کہی گئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے چھپکلی کو پہلی ضرب میں مار ڈالا تو اس کیلئے اتنی اتنی نیکیاں ہیں "من قتل وزغة في أول ضربة فله كذا وكذا حسنة" (۳)

اور جس نے اسے دوسری ضرب سے مارا، اس کیلئے اتنی اتنی نیکیاں ہیں مگر پہلی دفعہ مارنے والے سے کم اور اگر اس نے تیسری ضرب سے مارا تو اس کیلئے اتنی اتنی نیکیاں ہیں لیکن دوسری ضرب سے مارنے والے سے کم۔

مسلم کی روایت میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص گرگٹ کو ایک ہی وار میں مار ڈالے، اس کیلئے سو نیکیاں لکھی جائیں گی، دوسرے وار میں اس سے کم اور تیسرے وار میں اس سے بھی کم نیکیاں لکھی جائیں گی "من قتل وزغا في أول

---

(۱) مسلم : باب الأمر بإحسان الذبح ، هديث ۱۹۵۵

(۲) ابوداؤد: باب في كراهية حرق العدو بالنار، حدیث: ۲۶۷۵، علامہ شوکانی نے نیل الأوطار: باب قتل المرتد: ۸/۲، میں فرماتے ہیں کہ: حافظ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

(۳) مسلم: باب استحباب قتل الوزغ، حدیث: ۲۲۳۹۰

ضربة كتبت له مائة حسنة وفی الثانية دون ذلك وفی الثالث دون ذلك"(۱)

☆ اسلام نے جانور کو سواری کا ذریعہ بنایا ہے، اور اس کو حمل ونقل کیلئے انسان کے تابع بنایا ہے، ارشادِ خداوندی ہے "لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً" اس کو تمہارے لئے سواری کا ذریعہ بنایا ہے ہاں البتہ اس کے ساتھ احسان وسلوک کا حکم کیا ہے، اور اس کے حقوق کی رعایت کا حکم کیا ہے۔

۱۔ طویل سفر میں اس کیلئے آرام لینے اور چرنے چگنے کا موقع فراہم کرنے کو کہا ہے،
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم سبزہ والی زمین میں سفر کرو تو اونٹوں کو انکا حصہ دو "إذا سافرتم فی الخصب فأعطوا الابل حظها من الأرض"(۲)

یعنی اثنائے راہ اگر ہریالی نظر آئے تو ان کو کچھ چرنے اور آرام لینے کا موقع دو، بھوکا، پیاسا مسلسل چلا کر ان کو تھکاؤ نہیں۔

۲۔ ایک جانور پر تین آدمیوں کو سوار ہونے سے منع فرمایا ہے، " نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يركب ثلاثة على دابة " (۳)

ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ: انہوں نے تین لوگوں کو خچر پر سوار دیکھا تو فرمایا: تم میں سے ایک شخص اتر جائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تیسرے شخص پر لعنت فرمائی ہے :
فان رسول الله ﷺ لعن الثالث " (۴)

یہ اُس صورت میں ہے جبکہ وہ جانور تین آدمیوں کے بوجھ کو اٹھانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، اگر استطاعت رکھتا ہو تو جائز ہے۔(۵)

(۱) مسلم : باب استحباب قتل الوزغ، حديث: ۲۲۴۰
(۲) مسلم: باب مراعاة مصلحة الدروس، حديث: ۱۹۲۶
(۳) مسلم: باب فضائل عبد الله بن جعفر، حديث: ۲۴۲۸
(۴) مصنف ابن ابی شيبة: من كره ركوب ثلاثة عل الدابة، حديث: ۲۶۳۸۰
(۵) فتح الباری: ۵۲۰/۱۲

۳۔ رسول اللہ ﷺ نے جانور پر اس طرح کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے کہ جس سے اس کو تکلیف ہو۔

سنن ابی داؤد میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جانوروں کی پشت کو منبر نہ بناؤ "إياكم أن تتخذوا ظهور دوابكم منابر" (۱)

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو محض اس لئے تمہارے تابع کیا ہے کہ وہ تمہیں ان شہروں اور علاقوں میں پہنچا دیں جہاں تم (پیدل چلنے کے ذریعہ) جانی مشقت و محنت کے ساتھ ہی پہنچ سکتے تھے یعنی جانوروں سے مقصود ان پر سواری کرنا اور ان کے ذریعہ اپنے مقصد کو حاصل کرنا ہے لہٰذا ان کو ایذا پہنچانا روا نہیں ہے۔

جس جانور کی خلقت سواری کیلئے نہیں ہوئی جیسے گائے وغیرہ تو ان کی سواری کرنا جائز نہیں۔

☆ جانور پر اس کی طاقت اور قوت سے زیادہ بوجھ لادنا جائز نہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس بات کا علم تھا کہ جو شخص جانور پر اس کی طاقت اور قوت سے زیادہ بوجھ لادے گا تو اس کو روزِ قیامت حساب کتاب دینا ہوگا، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے اونٹ سے کہا: اے اونٹ تم اپنے رب کے یہاں میرے سلسلہ میں مخاصمہ نہ کرنا، میں نے تم پر تمہاری طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں لادا "فإني لم أكن أحملك فوق طاقتك" (۲)

ایک دن نبی ﷺ کسی انصاری کے باغ میں داخل ہوئے، اچانک ایک اونٹ آیا اور آپ ﷺ کے قدموں میں لوٹنے لگا، اس وقت اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، نبی ﷺ نے اس کی کمر پر اور سر کے پچھلے حصے پر ہاتھ پھیرا جس سے وہ پرسکون ہو گیا، پھر نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ تو وہ دوڑتا ہوا آیا، آپ ﷺ نے اس سے فرمایا:

---

(۱) ابوداؤد: باب في الوقوف على الدابة، حديث: ۲۵۶۷
(۲) احياء علوم الدين: الباب الثالث في الآداب: ۲۶۴/۱

اس کے بارے میں اللہ نے تمہاری ملکیت میں کردیا ہے، اللہ سے ڈرتے نہیں، یہ مجھ سے شکایت کر رہا ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو، اور اس سے محنت ومشقت کا کام زیادہ لیتے ہو" أفلا تتقى الله فى هذه البهيمة التى ملك الله إياها، فإنه شكى إلى أنك تجيعه وتدئبه " (۱)

حضرت سہل ابن حنظلیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ایک اونٹ کے قریب سے گزرے تو دیکھا کہ بھوک وپیاس کی شدت اور سواری وبار برداری کی زیادتی سے اس کی پیٹھ پیٹ سے لگ گئی تھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان بے زبان چوپایوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان پر ایسی حالت میں سواری کرو جب کہ وہ قوی اور سواری کے قابل ہوں اور ان کو اس اچھی حالت میں چھوڑ دو کہ وہ تھکے نہ ہوں " اتقوا الله فى هذه البهائم فاركبوها صالحة " (۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک آدمی بیل پر بوجھ ڈالے ہوئے اسے ہانک رہا تھا کہ اس بیل نے اس آدمی کی طرف دیکھ کر کہا کہ میں اس کام کیلئے پیدا نہیں کیا گیا ہوں بلکہ مجھے تو کھیتی باڑی کیلئے پیدا کیا گیا ہے "إنى لم أخلق لهذا ولكن أنما خلقت للحرث" لوگوں نے حیرانگی اور گھبراہٹ میں سبحٰن اللہ کہا اور کہا کیا بیل بھی بولتا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تو اس بات پر یقین کرتا ہوں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی یقین کرتے ہیں۔ (۳)

اس حدیث سے بھی پتہ چلا کہ جانور پر اس کی طاقت سے زیادہ اور مقصدِ خلقت کے علاوہ دوسرے کاموں کیلئے اس کا استعمال نہ کیا جائے۔

---

(۱) ابوداؤد: باب ما يؤمر به من القيام، حديث: ۲۵۴۹، حاکم نے اس روایت کو صحیح الاسناد کہا ہے اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے: المستدرك: كتاب الجهاد: حديث: ٢٤٨٥

(۲) ابوداؤد: باب ما يومر به من القيام، حديث: ۲۵۴۸، علامہ نووی نے کہا اس کی سند صحیح ہے: رياض الصالحين: ۱/۳۰۷

(۳) مسلم: باب فضائل أبى بكر، حديث: ۲۳۸۸

مراجع

قرآنیات

القرآن الکریم
تفسیر ابن کثیر — دار الفکر بیروت
در منثور للسیوطی — مرکز هجرة للبحوث والدراسات العربیة
احکام القرآن للجصاص — دار الکتب العلمیة، بیروت
روح المعانی للآلوسی — دار احیاء التراث العربی، بیروت
المحرر الجویز لابی محمد الاندلسی — دار الکتب العلمیة لبنان
بیان القرآن — مولانا اشرف علی تھانوی

کتبِ حدیث وشروحِ حدیث

بخاری محمد بن اسماعیل البخاری — دار ابن کثیر بیروت
مسلم: لمسلم بن الحجاج القشیری — دار احیاء التراث العربی
ترمذی محمد بن عیسی الترمذی — دار احیاء التراث العربی
ابو داؤد: لسلیمان بن اشعث — دار الفکر بیروت
نسائی لاحمد بن شعیب — مکتبة المطبوعات الاسلامیة
ابن ماجة احمد بن یزید القزوینی — دارالفکر بیروت
مؤطا مالک للامام مالک بن انس — مؤسسة زائد بن سلطان
مسند احمد للامام احمد بن حنبل — مؤسسة قرطبة القاهرة
مسند ابویعلی احمد بن علی — دارالمأمون للتراث، دمشق
مسند الشافعی محمد بن ادریس الشافعی — دارالکتب العلمیة بیروت
مسند البزار احمد بن عمر البزار — دار الکتب العلمیة بیروت
دار قطنی لعلی بن عمر — دار المعرفة بیروت

کتاب / مصنف	ناشر
مصنف ابن أبی شیبه، ابوبکر ابن شیبة	دار الفکر بیروت
المعجم الکبیر	ابو القاسم سلیمان بن احمد مکتبه العلوم والحکم والموصل
المعجم الاوسط	ابو القاسم سلیمان بن احمد دار الحرمین القاهرة
السنن الکبری، احمد بن حسین البیهقی	دائرة المعارف حیدرآباد
شعب الایمان،احمد بن حسین البیهقی	دار الکتب العلمیة بیروت
المستدرک، ابو عبد الله حاکم نیشافوری	دار الکتب العلمیة بیروت
الترغیب والترهیب، عبد العظیم المنذری	دار الکتب العلمیة بیروت
کنز العمّال، علی بن حسام الدین المتقی	مؤسسة الرسالة بیروت
الطبقات الکبریٰ ، محمد بن سعد بن منیع	دار صلاء بیروت
مجمع الزوائد للهیثمی	دار الفکر بیروت
الأدب المفرد،محمد بن اسماعیل بخاری	دار البشائر الاسلامیة بیروت
الزهد لامام احمد بن حنبل	دار الریان للتراث القاهرة
الکبائر محمد بن عثمان الذهبی	دار الندوة الجدیدة بیروت
البرّ والصلة ، لابن الجوزی	دار الوطن الریاض
فتح الباری، احمد بن حجر عسقلانی	دار الفکر بیروت
شرح مشکل الآثار ، ابو جعفر الطحاوی	مؤسسة الرسالة بیروت
مرقاة المفاتیح ، علی بن سلطان القاری	دار الفکر بیروت
حجة الله البالغة شاه ولی الله محدث الدهلوی	دار الجیل، بیروت
شرح السنة ، حسین بن مسعود بغوی	المکتب الاسلامی دمشق
نفقة العیال لابن ابی الدنیا	دار ابن القیم ، السعودیة
بذل المجهود ، خلیل احمد سهارنفوری	
غریب الحدیث لابن عبید بن سلام	دائرة المعارف العثمانیة بحیدرآباد
جامع بیان العلم وفضله لابن عبد البر	دار ابن الجوزی ، السعودیة

کتب تخریج حدیث

مصباح الزجاجة ، شهاب الدين البوصيرى دارالجنان بيروت
المقاصد الحسنة، عبد الرحمن السخاوى دارالكتاب العربى
التلخيص الحبير، على بن حجر عسقلانى دارالكتب العلمية بيروت
البدر المنير ابن الملقن سراج الدين دار الهجرة للنشر والتوزيع الرياض
الفتاوى الحديثية ، احمد بن شهاب الدين الهيثمى دار الفكر بيروت
اتحاف المهرة الخيرة دار الوطن للنشر الرياض
احمد بن أبي بكر اسماعيل البوصيرى
كشف الخفاء ، اسماعيل بن محمد الجراحى دار احياء التراث العلمى
المغنى عن حمل الأسفار، ابو الفضل العراقى مكتبه طبريه رياض
جامع العلوم والحكم لابن رجب الحنبلى مؤسسة الرسالة ، بيروت
فيض القدير ، عبد الرؤف المناوى المكتبة التجارية ، مصر
الجوهر النقى ، علاء الدين على بن سلطان دار الفكر ، بيروت
جامع الأصول ، مجد الدين ابو السعادات مكتبة الحلوانى
الإلمام بأحاديث الأحكام دار ابن حزم ، بيروت
أبو الفتح محمد بن على
تخريج الأحاديث والآثار الواقعة في تفسير الكشاف دار ابن حزم ، بيروت
كشف الشكل من حديث الصحيحين دار الوطن ، الرياض

کتب فقہ

رد المحتار مكتبة زكريا ديوبند
ابن عابدين محمد بن امين الدمشقى دار الكتب العلمية بيروت
الفتاوى الهندية ، نظام الدين واصحابه مكتبة دار الفكر بيروت
البحر الرائق ، زين الدين ابن نجيم المصرى دارالمعرفة بيروت

بدائع الصنائع ، علاء الدين الكاساني — دار الكتب العربي بيروت
المغني ، عبد الله بن احمد بن قدامة المقدسي — دار الفكر بيروت
الهداية ، ابو الحسن علي بن بكر مرغيناني — المكتبة الاسلامية
خلاصة الأحكام ، يحي بن شرف النووي — مؤسسة الرسالة ، بيروت
المبسوط، محمد بن أحمد شمس الأئمة السرخسي — دار المعرفة ، بيروت
مجمع الأنهر ، عبد الرحمن محمد شيخ زاده — دار إحياء التراث العربي ، بيروت
الأم للشافعي ، محمد بن إدريس — دار المعرفة ، بيروت
تحفة المودود بأحكام المولود ابن القيم الجوزية — مكتبة القرآن ، القاهرة
التدابير الواقية من التشبة بالكفار عثمان أحمد وكيل
أحكام أهل الذمة ، ابن القيم الجوزية ، — دار الكتب العليمة ، بيروت
ضوابط بناء المساكين ، احمد اسعد
الجامع في أحكام اللحية علي بن احمد بن حسن الزازخي — دار الآثار للنشر والتوزيع
الأحكام الكبرى ، عبد الحق بن عبد الرحمن ابن الخراط — مكتبة الرشيد ، السعودية

سیرت، تاریخ اور رِجال

السيرة النبوية لابن كثير — دار المعرفة للطباعة والنشر
وفيات الأعيان، محمد بن أبي بكر خلكان — دار صادر بيروت
حياة الصحابة ، مولانا يوسف الكاندهلوى — المطبع الملية على
جمهرة أنساب العرب ، — دار الكتب العلمية ، بيروت
أخبار أبي حنيفة وأصحابه ، صميرى — عالم الكتب ، بيروت
قصص العرب ، — دار الكتب العلمية ، بيروت
حلية الاولياء ، ابو نعيم احمد بن عبد الله — دار الكتب العربي

الاستيعاب ، يوسف بن عبدالله بن عبد البر — دارالكتب العلمية
الاصابة ، احمد بن حجر العسقلانی — دارالكتب العلمية
عيون الأخبار لابن قتيبة الدينوری — دار الكتب العلمية ، بيروت
المطالب العالية ، — دار الغيث السعودية
احمد بن حجر العسقلانی ، در العاصم
تاريخ دمشق ، علی بن الحسن بن العساكر — دارالفكر بيروت
سير أعلام النبلاء ، محمد بن احمد الذهبی — دارالحديث القاهرة
البداية والنهاية ، اسماعيل بن عمر بن كثير — مكتبة المعارف بيروت
تاريخ الطبری ، محمد بن جرير الطبری — مؤسسة الرسالة ، بيروت
سيرة خير العباد — دار الكتب العلمية ، بيروت
محمد بن يوسف الصالحی الشامی
المستطرف فی كل فن مستظرف — دار الكتب العلمية ، بيروت
محمد بن احمد أبو الفتح الأشبيهی
تاريخ ابن خلدون — دار الفكر ، بيروت
عبدالرحمن بن محمد خلدون
موسوعة الصحابيات ، محمد سعيد مبيض — سوريا
تاريخ بغداد، احمد بن علی ابوبكر — دارالكتب العلمية بيروت
الخطيب البغدادی
الروض الأنف — دار احياء التراث العربی،
عبد الرحمن بن عبد الله السهيلی — بيروت
ماذا قدم المسلمون إلي العالم — داراغب السرجانی مؤسسة
اقرا للنشر والتوزيع ، القاهرة
تاريخ الخلفاء للسيوطی — مكتبة السعادة ، مصر

كتب اخلاقيات

زاد المعاد ، محمد بن ابوبكر ابن قيم — مؤسسة لرسالة بيروت
احياء علوم الدين — دارالمعرفة بيروت
ابو حامد محمد بن احمد الغزالی
الآداب الشرعية ، محمد بن مفلح المقدسی — مؤسسة الرسالة ، بيروت

ادب الدين والدنيا ، ابو الحسن الماوردى　　دار مكتبة الحياة
مدارة الناس لابن ابى الدنيا عبد الله بن محمد　　دار ابن حزم بيروت
الدعاء للطبرانى　　دار الكتب العلمية ، بيروت
عشرة النساء ، احمد بن شعيب النسائى　　مؤسسة الرسالة ، بيروت
مكارم الاخلاق، سليمان بن احمد لطبرانى　　دارالكتب العلمية بيروت
أين نحن من هؤلاء، عبد الملك قاسم　　دار القاسم
آداب المعلمين لابن سحنون
جامع الآداب ، ابن القيم الجوزية ،　　دار الوفاء للطباعة والنشر
أدب الهاتف ، بكر بن عبد الله ابو زيد　　دار العاصمة للنشر والتوزيع السعودية
أدلة الحجاب، محمد أحمد اسماعيل المقدم　　دار الأيمان ، اسكندرية
عودة الحجاب ، محمد اسماعيل المقدم　　دار طيبة للنشر والتوزيع
أحكام القبل والمعانقة والمصافحة والقيام
عمرو عبد المنعم سليم،　　مؤسسة الريان، بيروت
إشعار الحريض علي عدم جواز التقيص
من اللحية ، عبد الكريم بن صالح الحميد
الأحكام والآداب الشرعية لسائق السيارة
محمد عبد الرزاق السيد ابراهيم الطبطبيائى
الاستيعاب لأدلة الحجاب　　مكتبة التوعية الإسلامية، جيزه
حسن بن عبد الحميد بن محمد
الحجاب أدلة الموجبين وشبه المخالفين
مصطفى بن العدوى، مكتبة الظرفين، الطائف
وجوب إعفاء اللحية ، محمد زكريا الكاندهلوى
كتاب النقاب عن ضعف حديث عائشة فى الحجاب
صالح بن عبد الله العصيمى
مجموعة رسائل فى الحجاب والسفور　　إدار البحوث ، الرياض
جماعة من العلماء
فصل الخطاب فى مسألة الحجاب والنقاب　　دار الاعتصام

درویش مصطفی حسن
دفع الصائل علي مشروعية الحجاب الكامل — دار طيبة الخضراء
محمد اسماعيل المقدم
حراسة الفضيلة ، بكر بن عبد الله — دار العاصمة
تاديب الطفل باستخدام العقوبة
في الفقه الإسلامي، أحمد بن ذيابب شويدخ
عاطف محمد أبو هربيد وغيرهم
الحجاب والسفور، احمد عبد الغفور عطار — مكة المكرمة
الجامع في أحكام اللحية — دار الآثار
الشيخ مقبل بن هادى الوادعى
تربية الأولاد في الإسلام — دار السلام للطباعة والنشر
عبد الله ناصح علوان
فن تربية الأولاد في الإسلام — دار التوزيع والنشر،
محمد سعيد مرسى
نضرة النعيم في مكارم أخلاق الرسول الكريم — دار الوسيلة للنشر والتوزيع الجدة ،

اُردو کتابیں

معارف القرآن — حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ
معارف الحدیث — حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ
احکام المال — حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
حقوق المال — حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
احکام پردہ — حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
خوابوں کی شرعی حیثیت — افادات حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
اصلاحی نصاب — حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
احکام المساجد — حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

نشر الطیب فی ذکر الحبیب	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
بہشتی زیور	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
اصلاح الرسوم	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
حیات المسلمین	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
شریعت وطریقت	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
اسلامی تہذیب	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
	ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان۔
تشریحات حکیم الاسلام	حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ
توضیحات حکیم الاسلام	حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ
سیرت عائشہ	حضرت مولانا شبلی نعمانیؒ
سیر الصحابیات	شاہ معین الدین ندویؒ
سیر الصحابہ	شاہ معین الدین ندویؒ
شرح ادب المفرد	ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ
تحفہ خواتین	حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہریؒ
سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم	مولانا شبلی نعمانیؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ
تاریخ المشاہیر	قاضی سلیمان منصور پوریؒ
تجدید معاشرت	مولانا عبدالباری ندویؒ
اختلاف امت صراط مستقیم	حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ
امداد المفتیین	حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ
خیر القرون کی درسگاہیں	قاضی اطہر مبارک پوریؒ
اسوۂ رسول اکرم	ڈاکٹر عبدالحیؒ
فتاویٰ عثمانی	حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ
اصلاحی خطبات	حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

مغربی ممالک کے چند فقہی مسائل	حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ
ذکر و فکر	حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ
قاموس الفقہ	حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ
حلال و حرام	حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ
اسلام اور جدید فکری مسائل	حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ
راہِ عمل	حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ
دینی و عصر درسگاہیں اور تعلیمی مسائل	حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ
غیر مسلم بھائیوں سے تعلقات	حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ
کتاب الفتاوی	حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ
خطباتِ ذوالفقار	حضرت مولانا پیر ذوالفقار صاحب نقشبندی مدظلہ
ازدواجی زندگی کے سنہرے اُصول	حضرت مولانا پیر ذوالفقار صاحب نقشبندی مدظلہ
نفائس الفقہ	حضرت مولانا مفتی شعیب اللہ خان صاحب مدظلہ
داڑھی اور انبیاء کی سنتیں	مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری
بکھرے موتی	مولانا محمد یونس صاحب پالنپوری مدظلہ
مدنی معاشرہ	مولانا محمد یونس صاحب پالنپوری مدظلہ
سنہری کرنیں	عبدالمالک مجاہد
آدابِ ملاقات	مولانا رفعت قاسمی
تحفۃ النساء	مولانا محمد شفیق صاحب
الدعاء المسنون	مولانا ارشاد قاسمی
الشمائل الکبری	مولانا ارشاد قاسمی
آدابِ زندگی	مولانا محمد یوسف اصلاحی
میاں بیوی کے حقوق	مولانا مفتی عبدالغنی
بہو اور داماد	اُمّ عبدِ منیب

دیور اور بہنوئی	اُمّ عبدِ منیب
اُسوۂ نبوی اور خاندانی تعلقات	محمد موسیٰ خان ندوی
مکاتب کی اہمیت، اکابر امت کی نظر میں	مطبوعہ اہم چیرٹیبل ٹرسٹ، ممبئی
اپنی اصلاح کا مکمل نصاب	قطب الدین، الفرقان بک ڈپو
انبیاء علیہ السلام کی سنتیں	حضرت مفتی جمال الدین صاحب
داڑھی، مونچھ اور انبیاء کی سنتیں	مولانا فضل الرحمٰن اعظمی
حضور کے شام وسحر	ڈاکٹر حکیم سید قدرت اللہ حسینی
حضرت عائشہ کے سو قصے	مولانا شعیب سرور، بیت العلوم، لاہور
حضرت فاطمہ کے سو قصے	محمد اویس سرور، بیت العلوم، لاہور
اللباس المحمود	ابو الکلام شفیق المظاہری
پردہ	محمد اسحاق ملتانی
ارشادات ابرار	سید سلیم اللہ غوری
اسلامی معاشرہ کے خدوخال	شیخ الحدیث سمیع الحق صاحب، القاسم اکیڈمی پاکستان
حسن معاشرت	محترمہ خیر النساء (والدہ محترمہ ابوالحسن ندوی)
شمائل کبریٰ	حضرت مولانا ارشاد قاسمی بھاگلپوری
نظام تعلیم (دینیات)	
تذکار بڑے حضرت	دار العلوم سبیل الرشاد، بنگلور